تٰبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

معارف القرآن

ترجمہ: حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

موضح فرقان معروف بہ

تفسیر عثمانی

ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

ششم

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النساء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المائدۃ تا سورۃ الناس)

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

معارف القرآن

ترجمہ : عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

تفسیر: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

موضح فرقان معروف بہ

تفسیر عثمانی

ترجمہ : شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحہ تا سورۃ النساء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المآئدۃ تا سورۃ الناس)

(جلد ششم)

پارہ ۲۰ تا ۲۳

سُوْرَةُ الْقَصَصِ تا سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ®
LG-29 ھادیہ حلیمیہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37242117 - 0332-4377621

بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

نام کتاب ———— معارف القرآن و تفسیر عثمانی

جلد ———— ششم

سن اشاعت ———— محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر 2017ء

کمپوزنگ ————

ناشر ———— مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

باہتمام ———— انیس احمد مظاہری

اسٹاکسٹ ———— مکتبۃ المظاہر، جامعہ احسان القرآن لاہور
0332-4377501

کاوش اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ ہم تشنگانِ علومِ نبویہ کی خدمت میں تفسیر قرآن کی عظیم کتاب معارف القرآن و تفسیر عثمانی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ شب وروز کی محنتِ شاقہ اس کے ظہور پذیر ہونے میں کارفرما رہی اس عظیم کام کو بحسن وخوبی سرانجام دینے میں ہیئۃ العلماء کے معزز اراکین نے حتی المقدور سعی کی۔ اس نسخے کی تیاری زرِ کثیر خرچ کر کے کروائی گئی ہے اور بار بار پروف ریڈنگ کروائی گئی تاکہ اغلاط کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہو، بہرکیف انسان خطا کا پتلا ہے اس کے ہاتھوں غلطی کا صدور ہر لحہ ممکن ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں حسبِ سابق اصلاح کی طرف گامزن کرتے رہیں گے۔

استدعا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم نے اپنی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصحیح میں حتی الامکان محنت وکوشش کی ہے اس کے باوجود اگر طالبانِ حدیثِ رسول وقرآن کو کسی مقام پر کوئی قابلِ تصحیح عبارت نظر آئے تو وہ ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں، ہم ان کے شکرگزار ہوں گے اور اس غلطی کی درستگی کریں گے۔ آپ کے اس علمی تعاون کی بدولت ہی ہم اشاعتِ دین کے ساتھ ساتھ حفاظتِ دین کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوں گے۔

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

فہرست مضامین

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ

بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتار دیا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے اس سے

بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین ؟ اور اتار دیا تم کو آسمان سے پانی ؟ پھر اگائے ہم نے اس سے

ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

باغ رونق والے تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت ف۱ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے

باغ رونق کے، تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت۔ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ ؟ کوئی نہیں ! وہ لوگ راہ سے

يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ؕ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ

مڑتے ہیں ف۲ بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق ف۳ اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے

مڑتے ہیں۔ بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہراؤ، اور بنائیں اس کے بیچ ندیاں اور رکھے اس میں بوجھ، اور رکھا

بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ ؕ أَمَّنْ يُّجِيْبُ

اس کے ٹھہرانے کو بوجھ ف۴ اور رکھا دو دریا میں پردہ ف۵ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں بہتوں کو ان میں

دو دریا میں اوٹ۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ ؟ کوئی نہیں ! ان بہتوں کو

الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

سمجھ نہیں ف۶ بھلا کون پہنچتا ہے بےکس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی ف۷ اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر ف۸ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ

سمجھ نہیں۔ بھلا کون پہنچتا ہے پھنسے کی پکار کو؟ جب اس کو پکارتا ہے اور اٹھا دیتا ہے برائی، اور کرتا ہے تم کو نائب زمین پر۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟

ف۱ سرے سے درختوں کا اگانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ چہ جائیکہ اس کا پھول پھل لانا اور بارآور کرنا۔

ف۲ یعنی تمام دنیا جانتی ہے اور خود یہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش برسانا، درخت اگانا بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں ان کا اقرار واعتراف مذکور ہے پھر یہاں پہنچ کر راستہ سے کیوں کترا جاتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے تو اس کی الوہیت و معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ "عبادت" انتہائی تذلل کا نام ہے سو وہ اس کی ہونی چاہیے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔

ف۳ یعنی آدمی اور جانوروں کی قیام گاہ ہے۔ آرام سے اس پر زندگی بسر کرتے اور اس کے محاصل سے منتفع ہوتے ہیں۔

ف۴ یعنی پہاڑ رکھ دیے تا کہ ٹھہری رہے کپکپائے نہیں۔

ف۵ اس کی تحقیق قریب ہی سورۃ "فرقان" میں گزر چکی۔ آیت ﴿وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

ف۶ یعنی کوئی اور با اختیار ہستی ہے جس سے یہ کام بن پڑیں اور اس بناء پر وہ معبود بننے کے لائق ہو۔ جب نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک و مخلوق پرستی کے غار عمیق میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔

ف۷ یعنی جب اللہ چاہے اور مناسب جانے تو بےکس اور بے قرار کی فریاد سن کر سختی کو دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَیْهِ إِنْ شَآءَ﴾ گویا اسی نے دعا کو بھی اسباب عادیہ میں سے ایک سبب بنایا ہے۔ جس پر مسبب کا ترتب بمشیت الٰہی استجماع شروط اور ارتفاع موانع کے بعد ہوتا ہے =

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا

تم بہت کم دھیان کرتے ہو ف۱ بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے ف۲ اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں

تم سوچ کم کرتے ہو۔ بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے؟ اور کون چلاتا ہے بادیں خوشخبری لاتیں

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ

اس کی رحمت سے پہلے ف۳ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں ف۴ بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر

اس کی مہر سے آگے؟ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جو شریک بناتے ہیں۔ بھلا کون سرے سے بناتا ہے؟ پھر

يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ

اس کو دہرائے گا ف۵ اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے ف۶ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر

اس کو دہراتا ہے؟ اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ تو کہہ، لاؤ اپنی سند اگر

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا

تم سچے ہو ف۷ تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ ف۸ اور ان کو

تم سچے ہو۔ تو کہہ، خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی چیز کی، مگر اللہ۔ اور ان کو

= اور علامہ طیبی وغیرہ نے کہا کہ آیت میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو، پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔

ف۸ یعنی ایک قوم یا نسل کو اٹھا لیتا اور اس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی پوری طرح دھیان کرتے تو دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی انہی اپنی حوائج و ضروریات اور قوموں کے ادل بدل کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے جس کے ہاتھ میں ان امور کی باگ ہے تنہا اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

ف۲ یعنی خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے تمہاری راہنمائی کرتا ہے۔ خواہ بلاواسطہ یا بالواسطہ قطب نما وغیرہ آلات کے۔

ف۳ یعنی باران رحمت سے پہلے ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔

ف۴ یعنی کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق، جسے اس کی خدائی کا شریک بتلایا جا رہا ہے۔

ف۵ ابتداء پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے کہ اللہ کا کام ہے۔ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو بھی اس سے سمجھ لو۔ منکرین "بعث بعد الموت" بھی اتنا سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض دوبارہ پیدا کیے گئے تو یہ کام اسی کا ہوگا جس نے اول پیدا کیا تھا۔

ف۶ کون ہے جو آسمانی اور زمینی اسباب کے ذریعہ سے اپنی حکمت کے موافق تم کو روزی پہنچاتا ہے۔

ف۷ یعنی اگر اتنے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوائے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں محض اندھی تقلید ہے۔ ﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾

ف۸ اس آیت میں مضمون سابق کی تکمیل اور مضمون لاحق کی تمہید ہے۔ شروع پارہ سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا۔ یعنی جب وہ ان صفات و شئون میں متفرد ہے تو الوہیت و معبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جا رہا ہے۔ یعنی معبود وہ ہوگا جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل و محیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین و آسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں، اسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اس کی ذات ہوئی۔

=

يَشْعُرُونَ اَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ

خبر نہیں کب جی اٹھیں گے ف۱ بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت کے بارہ میں بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں بلکہ

خبر نہیں کب جلائے جائیں گے؟ بلکہ ہار گری ان کی دریافت آخرت میں۔ بلکہ ان کو دھوکہ ہے اس میں۔ بلکہ

هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

وہ اس سے اندھے ہیں ف۲

وہ اس سے اندھے ہیں۔

ذکر انواع واقسام دلائل توحید مع توبیخ وتہدید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ... الی... بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مشرکین اور منکرین نبوت کے انجام بد کا ذکر فرمایا جو خدا کی قدرت اور اس کے قہر کی نشانی تھی اب پھر مشرکین کی توبیخ وتہدید کے لئے اپنے آثار قدرت اور دلائل الوہیت ووحدانیت ذکر کرتے ہیں کہ شاید یہ بدنصیب شرک سے باز آجائیں ان کو چاہئے کہ خدا کے قہر کی نشانیوں میں بھی غور کریں اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں بھی غور کریں جو سب کی سب اس کی توحید اور اس کے عظمت وجلال پر دلالت کرتی ہیں اور سمجھیں اور جانیں کہ خدا کے سوا سب عاجز اور ذلیل ہیں لہٰذا شرک سے توبہ کریں اور یقین کریں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو۔ اور واحد قہار کے قہر سے بچنے کی فکر کریں گزشتہ آیت میں مجملاً یہ فرمایا ﴿آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾۔ بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ بت بہتر

= (تنبیہ) کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں، نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورۃ "انعام" میں گزر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا، یا غیب کی خبر دے دی۔ لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر "علم الغیب"، "فلان یعلم الغیب" کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔ اسی لیے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہی نہیں، سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا "انی اکرہ الحق وَاُحِبُّ الْفِتْنَةَ وَاَفِرُّ مِنَ الرَّحْمَةِ" (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے، حالانکہ باعتبار نیت ومراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلان عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون وتخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن ودلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل وقرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورۃ انعام واعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر لی جائے۔

ف۱ یعنی قیامت کب آئے گی جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ اس کی خبر کسی کو نہیں۔ پہلے سے مبدأ کا ذکر چلا آتا تھا۔ یہاں سے معاد کا شروع ہوا۔

ف۲ یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی۔ کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح) اور بعض مفسرین نے یوں تقریر کی ہے کہ آخرت کے ادراک تک ان کے علم کی رسائی نہ ہوئی اور عدم علم کی وجہ سے نہ صرف خالی الذہن رہے بلکہ اس کے متعلق شک وتردد میں پڑ گئے، اور نہ صرف شک وتردد بلکہ ان دلائل وشواہد سے بالکل آنکھیں بند کر لیں جن میں غور وتامل کرتے تو شک رفع ہو سکتا تھا۔

ہیں جن کو مشرکین اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اس سے مقصود مشرکین کو سرزنش کرنا اور الزام دینا تھا کہ بت جو اپنے عابدوں کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کوئی بلا ٹال سکتے ہیں وہ بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار بہتر ہے اس کو کیوں نہیں پوجتے تا کہ اس کے قہر اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ اب اس تمہید کے بعد اللہ کی وحدانیت کے چند دلائل بیان کرتے ہیں اور اجمال کے بعد قدرے کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں تا کہ ان میں غور کریں اور بتلائیں کہ کون بہتر ہے۔

نوع اول متعلق بہ آسمان وزمین

﴿اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ... بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ یَّعۡدِلُوۡنَ﴾

کیا یہ عاجز اور ان کے تراشیدہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی سے خوش نما اور بارونق باغ اگائے تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم درختوں کو اگا ہی سکو۔ تمہاری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ زمین میں بیج ڈالو۔ باقی درختوں کے اگانے اور ان کی نشو ونما پر تم کو ذرہ برابر بھی قدرت نہیں اور درختوں اور پھولوں اور پھلوں میں جو عجیب عجیب صنعتیں ہیں ان کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے آسمان اور زمین کے اختلاط سے یہ نعمتیں میسر آتی ہیں اور آسمان سے پانی برسنے میں اور زمین سے نباتات کے اگنے میں ذرہ برابر کسی کو دخل نہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ جس کی شان یہ ہے، کوئی اور معبود ہے جو الوہیت میں اس کا شریک ہے جو ان چیزوں کے پیدا کرنے میں اس کا معین اور مددگار ہو۔ کوئی نہیں۔ پر مشرکین راہ حق سے عدول کرتے ہیں اور بلا دلیل خدا کا شریک اور اس کا برابر ٹھہراتے ہیں۔

غرض یہ کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور پھر آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے قسم قسم کی نباتات کا اگانا یہ سب اس کی قدرت کے دلائل ہیں جن میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

اوتار:...... ہندوستان کے مشرکین یعنی ہندو اوتاروں کے قائل ہیں۔ اوتار اس کو کہتے ہیں کہ جس میں خدا حلول کر جائے جیسے "رام" اور "کنہیا" کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ اوتار تھے۔

اہل اسلام اس سے بری اور بےزار ہیں مسلمانوں کے نزدیک خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کرے یا کسی چیز کا جز ہو جائے۔ ﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ﴾

نوع دوم متعلق بہ کائنات زمین

﴿اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا ... الی ... بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾

بھلا بتلاؤ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے جس نے زمین کو آدمیوں اور چوپایوں کے لئے قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کیں اور اس نے زمین کو ٹھہرانے کے لئے پہاڑ بنائے یعنی اس نے اپنی قدرت سے زمین کو جائے قرار بنایا کہ جو اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے اور جمی ہوئی ہے کہ نہ جھکتی ہے اور نہ ہلتی ہے اگر وہ ہلتی اور کانپتی رہتی تو کوئی ذی حیات اس پر زندگی نہ بسر کر سکتا اور نہ اس کی عیش خوش گوار ہوتی۔ اللہ نے اس کو اپنے فضل اور رحمت سے ایسا جما ہوا فرش

بنا دیا کہ ہلتا نہیں۔

اور اس نے دو دریاؤں کے درمیان ایک پردہ بنا دیا یعنی ایک حد فاصل بنادی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہیں پاتا حالانکہ ایک کا پانی کھاری ہے اور ایک کا میٹھا ہے مگر قدرت الٰہی نے ان کے درمیان ایسا پردہ حائل کر دیا کہ دونوں مخلوط نہیں ہوتے اس کی تحقیق اور تفصیل سورۃ فرقان کی اس آیت ﴿وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

بھلا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے جس میں یہ قدرت ہو ہرگز نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ کچھ جانتے اور بوجھتے نہیں اس لئے شرک میں مبتلا ہیں۔

نوع سوم متعلق بہ احتیاج انسان سوئے خداوند جہاں

﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ ... الی ... قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾

بھلا بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے کہ جو مصیبت زدہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے بیماری اور تنگی کے دور کرنے پر سوائے خدا کے کوئی قادر نہیں۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور بر و بحر کے عجائب قدرت سے استدلال کیا اب اس آیت میں انسان کی ذاتی حاجت سے اپنی الوہیت پر استدلال کرتے ہیں کہ مصیبت اور بے قراری کی حالت میں انسان کا خدا کو پکارنا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی معرفت انسان کی طبیعت میں راسخ ہے۔ مصیبت میں صرف خدا ہی کو پکارتا ہے کسی بت کو نہیں پکارتا اور "مضطر" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو ایسی شدت اور مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہے اور نہ اس پر صبر کر سکتا ہے۔ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کا مصداق ہے پس خدائے برحق وہ ہے کہ جب اسباب ظاہری تم کو جواب دے دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز ہو جاتے ہو اور اس وقت تم اپنی سختیوں میں اس کو پکارتے ہو اور وہ تمہاری پریشانی دور کرتا ہے وہی تمہارا خدا ہے اور وہی خدا تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے کہ ان کو موت دیتا ہے اور ان کے بعد زمین کو تمہارے تصرف میں لاتا ہے اسی طرح ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک قرن کے بعد دوسرا قرن پیدا کرتا رہتا ہے جیسی اس کی حکمت اور مشیت ہوتی ہے اسی کے موافق پیدا کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ جس کی شان یہ ہے اور کوئی معبود ہے مگر تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو کہ ایسے دلائل حقہ اور واضحہ پر بھی دھیان نہیں کرتے۔

نوع چہارم متعلق بہ حاجات مخصوصہ در اوقات مخصوصہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿أَمَّن يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ... الی ... تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

بھلا بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لئے ستارے پیدا کئے تاکہ اندھیروں میں ان کے ذریعہ راستہ معلوم کر سکو کما قال تعالیٰ ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾۔ اور ان ستاروں کا پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کون ہے یہ

تو ظاہری ستارے ہیں اور معنوی ستارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم میرے تمام صحابہ ؓ نجوم ہدایت ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے۔

پس خدائے برحق تو وہ ہے جس کی شان یہ بیان ہوئی اور اس کی ایک شان یہ ہے کہ وہ اپنی باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے کہ وہ ہوائیں تم کو باران رحمت کی آمد کی خوش خبری سناتی ہیں۔ باران رحمت کے نزول سے پہلے ہواؤں کا چلانا سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے۔ ہرگز نہیں۔ اللہ بلند اور برتر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو۔ ایک عاجز محض قادر برتر کا کہاں شریک ہوسکتا ہے۔

نوع پنجم متعلق بہ مبدأ و معاد و حشر و نشر اجساد

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ... الی ... بَلْ ھُمْ مِّنْھَا عَمُوْنَ﴾

بھلا بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے کہ جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے جو تمہیں بھی مسلم ہے پھر وہی اپنی قدرت سے موت کے بعد قیامت کے دن ان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ پس خدا وہ ہے کہ جو وجود اور عدم کا مالک ہو اور جو لوگ قیامت کے منکر ہیں وہ بلا دلیل کفر کرتے ہیں کیونکہ جب پہلی مرتبہ کی پیدائش تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے تو دوبارہ پیدائش کو کیوں محال اور ناممکن بتلاتے ہو اور اس خدا کی شان یہ ہے کہ وہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے۔ آسمان سے بقدر معلوم پانی نازل کرتا ہے اور زمین سے قسم قسم کے نباتات اگاتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے جو ان کاموں میں اس کا شریک ہے۔

اے نبی آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے شرک پر کوئی دلیل لاؤ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔ یہ تو اللہ کے کمال قدرت کا بیان تھا اب آگے اس کے کمال علم کو بیان کرتے ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ ان مشرکین سے جو بطور استہزاء اور تمسخر، آپ ﷺ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی ان سے کہہ دیجئے کہ آسمان وزمین کی پوشیدہ چیزوں کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا جس طرح آسمان وزمین کے ہزار ہا بلکہ لاکھوں کھا چیزیں تم سے پوشیدہ ہیں اسی طرح قیامت کو بھی سمجھو کہ وہ بھی ہم سے پوشیدہ ہے اور اسی وجہ سے لوگوں کو اس کی خبر نہیں کہ مردے قبروں سے کب اٹھائیں جائیں گے مشرکین قیامت کے منکر تھے اور اس کو محال بتاتے تھے ان آیتوں میں اس کا جواب دے دیا گیا کہ خدا وہ ہے جو ہمارے مبدأ اور معاد یعنی وجود اور عدم اور موت اور حیات اور سامان حیات یعنی رزق کا پیدا کرنے والا ہے پس جو خدا پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے پس یہ لوگ کیوں آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ آخرت کے بارے میں فقط لاعلم اور بے خبر نہیں بلکہ ان کا علم آخرت کے بارہ میں غائب اور گم ہو چکا ہے ان لوگوں کو تو نفس آخرت کی بھی خبر نہیں کہ وہ کیا چیز ہے گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ ان لوگوں کو آخرت کا وقت معلوم نہیں اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ ان کو نفس آخرت کا بھی علم نہیں کہ وہ کیا چیز ہے بلکہ آخرت کے بارے میں شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ عظیم حیرت اور اضطراب میں ہیں ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کدھر جائیں کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّھُمْ کَانُوْا فِیْ شَکٍّ

مُرِیْبٍ﴾ بلکہ آخرت سے اندھے ہیں۔ دل کی بینائی جاتی رہی کوئی دلیل اور کوئی حق بات ان کو نظر نہیں آتی۔ مطلب یہ ہے کہ فقط شک اور تردد میں نہیں بلکہ اندھے بن گئے ہیں اور حق سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ دنیاوی لذات و شہوات میں غرق ہیں حیوان ہو گئے ہیں سوائے شکم اور شرم گاہ کے اور کسی طرف توجہ نہیں۔

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں۔ (موضح القرآن)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝۶۷ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ

اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہو جائیں مٹی اور ہمارے باپ دادے، کیا ہم کو زمین سے نکالیں گے وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو

اور بولے وہ جو منکر ہیں، کیا جب ہم ہو گئے مٹی اور ہمارے باپ دادے، کیا ہم کو زمین سے نکالنا ہے۔ وعدہ مل چکا ہے اس کا ہم کو

وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۶۸ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں اگلوں کی ف۱ تو کہہ دے پھرو ملک میں تو دیکھو

اور ہمارے باپ دادوں کو آگے سے، اور کچھ نہیں، یہ نقلیں ہیں اگلوں کی۔ تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۶۹ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝۷۰

کیسا ہوا انجام کار گناہ گاروں کا ف۲ اور غم نہ کر ان پر اور نہ خفا ہو ان کے فریب بنانے سے ف۳

کیسا ہوا آخر گنہگاروں کا۔ اور غم نہ کھا ان پر اور نہ رہ خفگی میں ان کے داؤ بنانے سے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۷۱ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ف۴ تو کہہ کیا بعید ہے جو تمہاری پیٹھ پر پہنچ چکی ہے

اور کہتے ہیں، کب ہے یہ وعدہ؟ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ، شاید تمہاری پیٹھ پر پہنچی ہو

ف۱ یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے یہ ہی وعدے کیے گئے تھے۔ جو پہلے کہہ گئے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں۔ لیکن کتنے قرن گزر چکے ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اس کو سزا ملی ہو۔

ف۲ یعنی کتنے مجرموں کو دنیا ہی میں عبرت ناک سزائیں مل چکی ہیں اور پیغمبروں کا فرمانا پورا ہو کر رہا۔ اسی پر قیاس کر لو کہ بعث بعد الموت اور عذاب اخروی کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً پوری ہو کر رہے گی یہ کارخانہ یوں ہی بے سر انہیں کہ اس پر کوئی حاکم نہ ہو، وہ اپنی رعایا کو یوں ہی مہمل نہ چھوڑے گا جب سب مجرموں کو یہاں پوری سزا نہیں ملتی تو یقیناً کوئی دوسری زندگی ہوگی جہاں ہر ایک اپنی کیف کردار کو پہنچے اگر تمہاری یہ ہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

ف۳ یعنی ان کو سمجھا کر اور بدی کے انجام پر متنبہ کر کے الگ ہو جائیے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ غم و تاسف نہ کریں اور نہ ان کے مکر و فریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگ دل اور خفا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نپٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں ان کو بھی دے گا۔

ف۴ یعنی آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جارہی ہیں کب نازل ہوگا؟

بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

بعضی وہ چیز جس کی جلدی کر رہے ہو ف۱ اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر ان میں بہت لوگ

بعضی چیزیں، جس کی شتابی کرتے ہو۔ اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر، پر ان میں بہت

یَشْكُرُوْنَ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۝ وَمَا مِنْ غَآىِٕبَةٍ فِی

شکر نہیں کرتے ف۲ اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو

شکر نہیں کرتے۔ اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں، اور جو کھولتے ہیں۔ اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۝

آسمان اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں ف۳

آسمان وزمین میں، مگر ہے کھلی کتاب میں۔

اثبات قیامت

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ... الی ... اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾

ربط: ......گذشتہ آیات میں مبدأ اور معاد کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ کفار بعث یعنی دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں اب ان آیات میں معاد کے متعلق ان کے شک اور شبہ کو نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ کفار قیامت کے قائل نہ تھے اور بطور مضحکہ یہ کہا کرتے تھے کہ بھلا آدمی مر کر بھی زندہ ہوتا ہے یہ سب محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھ لو! منکرین قیامت کا کیا انجام ہوا اور کیسے تباہ اور برباد ہوئے اور زمین ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دی گئی ان کی تباہی اور بربادی کے نشان موجود ہیں راستہ میں تم کو دکھائی دیتے ہیں۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت ﴿بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾۔ میں ان کافروں کا ذکر تھا کہ جو آخرت سے اندھے بن گئے اور حیوانات کی طرح ان کو سوائے کھانے اور پینے اور سونے کے کسی طرف توجہ نہیں رہی اب آگے ان اندھوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو آخرت کے بارے میں شک اور تردد میں نہیں بلکہ سختی سے آخرت کے منکر ہیں اور حیوان سے بڑھ کر حیوان بن گئے۔ اس لئے آئندہ آیت میں ان کا قول حیوانی نقل کر کے جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ کافر یعنی منکرین

ف۱ یعنی گھبراؤ نہیں، وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آ لگا ہو (چنانچہ زیادہ دن نہ گزرے کہ "بدر" میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی) رہی قیامت کبریٰ، سو اس کے بھی بعض آثار وعلامات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔

ف۲ یعنی حق تعالیٰ اپنے فضل سے اگر عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہیے تھا اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانی کے شکر گزار ہو کر ایمان وعمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن وہ اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔

ف۳ یعنی تمہارے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید نیتیں، ارادے اور زمین و آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ ہے جلد یا بدیر اپنے وقت پر آئے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت وعزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

قیامت چشم بصیرت کے اندھا ہو جانے کے سبب سے یہ کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے آباء واجداد بالکل خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جائیں گے البتہ تحقیق یہ حشر ونشر کا وعدہ ہم کو بھی دیا گیا اور ہم سے پہلے ہمارے آباء واجداد کو بھی دیا گیا لیکن آج تک تو یہ وعدہ پورا نہیں ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں صرف اگلے لوگوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں یعنی حشر ونشر کی کوئی اصلیت نہیں۔ یوں ہی لوگوں نے افسانے بنائے ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان مکذبین اور منکرین سے کہہ دیجئے کہ تم ملک کی سیر کرو پھر دیکھو کہ ان مجرمین اور منکرین آخرت کا انجام کیا ہوا کہ اس تکذیب اور انکار کے سبب کیسے تباہ اور برباد ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جن امتوں نے آخرت کو نہیں مانا وہ سب عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ اپنی امت کے مشرکوں کی تکذیب اور انکار کی وجہ سے اور ان کے مکروفریب کی وجہ سے تنگ دل اور غمگین نہ ہو جیئے وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں تیرا نگہبان ہوں اور تیری حفاظت کا کفیل ہوں۔

(نظم)

غم خوارز آں روز کہ غم خوارت منم　　وز ہمہ برہا نگہ دارت منم

از تو گر اغیار بردارند روی　　ایں جہان وآں جہاں یارت منم

اور کہتے ہیں یہ کافر کہ وہ وعدۂ عذاب کہاں ہے اور کب ہوگا اے مسلمانو اگر تم سچے ہو اور عذاب سے ڈراتے ہو تو بتلاؤ کہ وہ عذاب کہاں ہے اگر تم سچے ہو تو اس وعدہ کو پورا کر کے دکھلاؤ اے نبی آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ شاید وہ عذاب جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اس میں کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے ہی پیچھے آ جائے۔ اشارہ بدر کے دن کے عذاب کی طرف ہے یا قحط اور گرانی کی مصیبت کی طرف ہے یا عذاب قبر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی جلدی آنے والا ہے اور اب تک جو عذاب میں دیر ہو رہی ہے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ تیرا پروردگار لوگوں پر فضل کرنے والا ہے کہ فوراً سزا نہیں دیتا و لیکن لوگوں میں بہتیرے ایسے ہیں کہ جو شکر نہیں کرتے اور تاخیر عذاب جو کہ ایک نعمت ہے اس کا حق نہیں پہچانتے اور بے شک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس عداوت کو جس کو وہ اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں اور خوب جانتا ہے اس تکذیب اور انکار کو جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں عذاب میں تاخیر بے خبری کی وجہ سے نہیں اللہ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے بلکہ حکمت اور مصلحت کی بناء پر ہے اور وہ حلیم و کریم ہے وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا وہ اپنے دشمنوں کو مہلت دیتا ہے اور آسمان و زمین کی کوئی چھپی بات ایسی نہیں کہ جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی نہ ہو اور ان پر جو عذاب بالفعل ان کی نظروں سے پوشیدہ ہے وہ بھی لوح محفوظ میں مقدر اور مقرر ہے وہ اپنے وقت پر آئے گا۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ

یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو بہت چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اور بیشک وہ

یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو اکثر، جس میں وہ پھوٹ رہے ہیں۔ اور یہ

لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝

ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے واسطے ف۱ تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا اپنی حکومت سے اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا ف۲

سوجھ ہے، اور مہر ہے ایمان والوں کو۔ تیرا رب ان میں فیصلہ کرے اپنی حکومت سے، اور وہی ہے زبردست سب جانتا۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ

سو تو بھروسہ کر اللہ پر بیشک تو ہے صحیح کھلے راستہ پر ف۳ البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو

سو تو بھروسہ کر اللہ پر۔ بیشک تو ہے صحیح کھلی راہ پر۔ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو، اور نہیں سنا سکتا بہروں کو

الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ

اپنی پکار جب لوٹیں وہ پیٹھ پھیر کر اور نہ تو دکھلا سکے اندھوں کو جب وہ راہ سے بچلیں ف۴ تو تو سناتا ہے اس کو جو

پکار جب پھریں پیٹھ دے کر۔ اور نہ تو دکھا سکے اندھوں کو، جب راہ سے بچلیں۔ تو تو سناتا ہے اس کو جو

يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر، سو وہ حکم بردار ہیں ف۵

یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر، سو وہ حکم بردار ہیں۔

اثبات رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الی ... فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

ربط:...... مبدأ اور معاد کے بیان کے بعد رسالت محمدیہ ﷺ کا اثبات فرماتے ہیں جس کی سب سے بڑی دلیل یہ قرآن حکیم ہے یعنی یہ قرآن حکم اور حاکم بن کر آیا ہے جو اہل کتاب کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے اور ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتا

ف۱ یعنی ابھی عملی فیصلہ کا وقت نہیں آیا، البتہ قرآن قولی وعملی فیصلہ کے لیے آیا ہے۔ اس وقت سماوی علوم اور مذہبی چیزوں کے سب سے بڑے عالم" بنی اسرائیل" سمجھے جاتے تھے مگر عقائد، احکام اور قصص وروایات کے متعلق ان کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ بھی قرآن نے سنایا۔ فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خدا وند قدوس کا آخری پیغام پہنچایا۔ اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تا کہ لوگ اس دن کے لیے تیاری کر رکھیں جبکہ ہر معاملہ کا عملی فیصلہ ہو گا۔

ف۲ یعنی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو، باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ خدائے قادر و توانا کرے گا۔

ف۳ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اختلاف وتکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اپنا کام کیے جائیں۔ جس صحیح وصاف راستہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں اس میں کوئی کھٹکا نہیں آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور خدائے واحد پر بھروسہ رکھے پھر کیا غم ہے۔

ف۴ یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو ان کے حق میں سودمند نہیں یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مر چکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کہ ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں۔ ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں۔ پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔

ف۵ یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں۔ اور اثر قبول کرنا یہ ہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرماں بردار بنیں۔

ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو اہل کتاب کا اختلاف ہے اس کا فیصلہ کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں اور نہ معاذ اللہ ساحر اور کاہن اور ولد الحرام تھے جیسا کہ یہود بے بہبود کہتے ہیں۔

نیز حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے بارے میں یہود ونصاریٰ کا جو اختلاف تھا قرآن کریم نے اس کا بھی فیصلہ کر دیا اور بتمام وکمال حضرت مریم علیہا السلام کی عصمت اور نزاہت کو تفصیل کے ساتھ بتلا دیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو سحر کا اتہام تھا۔ قرآن نے اس کا بھی ازالہ کر دیا اور رجم اور حرمت لحم وغیرہ کے اختلاف کا بھی فیصلہ کر دیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا اب اس کے بعد صدق رسالت اور دلیل نبوت کو بیان فرماتے ہیں۔ البتہ یہ قرآن پاک جو خاتم النبیین محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اس کے من جانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن پاک بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں کھولتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں کئی فرقے تھے ہر فرقہ کا دین دوسرے فرقہ کے دین سے مختلف تھا مثلاً توحید اور تثلیث میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی الوہیت اور ابنیت میں اور جنت وجہنم کے جسمانی اور روحانی ہونے میں جو اختلاف تھا قرآن نے حق اور باطل کو واضح کر دیا اور بتلا دیا کہ یہ بات حق اور صحیح ہے اور ایک دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن بلاشبہ ہدایت ہے جس سے حق کا راستہ معلوم ہوتا ہے اور ایمان داروں کے لئے سراسر رحمت اور موجب خیر وبرکت ہے کہ اس پر ایمان لا کر عذاب سے نجات ملتی ہے اے نبی آپ ﷺ ان معاندین کی مخالفت اور عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں۔ تحقیق تیرا پروردگار ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا اور وہی ہے زبردست اور جاننے والا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ پس آپ ﷺ اللہ پر بھروسہ رکھیے اور ان کی عداوت اور مخالفت کی پروا نہ کیجئے بے شک آپ صریح اور واضح حق پر ہیں اور یہ صریح باطل پر ہیں پس آپ ﷺ ان کی مخالفت اور عداوت کی پروا نہ کیجئے اللہ آپ ﷺ کا مددگار ہے اور ان کی ہدایت اور اصلاح کی امید دل سے نکال دیجئے۔ یہ لوگ مردہ دل ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے مردوں کو سنانا آپ کی قدرت میں نہیں اور اگر بالفرض یہ لوگ مردہ بھی نہ ہوں تو بہرے تو ضرور ہیں اور آپ ﷺ بہروں کو بھی اپنی پکار نہیں سنا سکتے۔ خاص کر جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں۔ بہرا سنتا تو نہیں پر اشارہ سے سمجھ سکتا ہے مگر جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اشارہ سے بھی نہیں سمجھ سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ اول تو ان کے دلوں کے کان بہرے ہیں اس لئے ان کو سنانا مشکل ہے اور جب بہرا پکارنے والے کی طرف سے منہ بھی پھیر لے اور بجائے منہ کے اس کی طرف پشت کر دے تو پھر اس کو سنانا بہت مشکل ہے اس لئے کہ جب وہ اشارہ اور کنایہ کو بھی نہ دیکھے گا تو کس طرح سمجھے گا اور اگر بالفرض یہ پشت بھی نہ پھیریں تو تب بھی ان کا سمجھانا ممکن نہیں اس لئے کہ یہ اندھے ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ میں یہ قدرت نہیں کہ آپ ﷺ اندھوں کو راستہ دکھا دیں کہ وہ اپنی گمراہی سے باز آ جائیں۔ کفر سے آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ بینائی تو ایمان سے آتی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ اللہ کے مطیع اور فرماں بردار بن گئے ہیں اور ایمان اور اسلام لانے کی برکت سے وہ زندہ اور بینا اور شنوا ہو گئے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آپ ﷺ جو لے کر آئے ہیں وہ بلاشبہ صریح حق ہے لیکن اس کے قبول کے لئے کچھ شرائط ہیں محض حق کا واضح اور روشن ہونا کافی نہیں جب تک قبول کرنے والے میں شرائط قبول نہ پائی جائیں مثلاً یہ کہ وہ زندہ ہو مردہ نہ ہو۔ بینا ہو اور نابینا نہ ہو۔ شنوا ہو بہرا نہ ہو۔ ایمان لانے سے آدمی زندہ ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں۔

فائدہ دربارۂ سماع موتی:...... اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا کہ مردے نہیں سنتے اس لئے کہ آیت میں موتی سے کفار مراد ہیں ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں مگر کفار کو موتی کے ساتھ تشبیہ دینا جب ہی درست ہو سکتا ہے کہ جب مردے نہ سنتے ہوں لیکن احادیث صحیحہ سے مردوں کا سننا اور قبر پر حاضر ہونے والے کے سلام کو سننا ثابت ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ یہ آیت احادیث کے معارض نہیں اس لئے کہ آیت میں سماع موتی کی نفی نہیں بلکہ اسماع موتی کی نفی کی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ یہ کفار بمنزلہ مردوں کے ہیں اور عالم اسباب میں مردوں کو سنانا بشری قدرت سے باہر ہے باقی حق تعالیٰ اگر اپنی قدرت سے کسی مردہ کو سنانا چاہیں تو یہ ممکن ہے جیسے ﴿وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہدایت بمعنی توفیق نبی کی قدرت اور اختیار میں نہیں جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔ ﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ نبی کا کام حق کا بتلا دینا اور اس کا سنا دینا ہے باقی حق کا دل میں اتار دینا یہ اللہ کا کام ہے اسی طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ کافر دل کے مردہ ہیں۔ ان کو حق بات سنانا آپ ﷺ کی قدرت میں نہیں ہے نیز احادیث میں زیارت قبور کی تاکید اور مردوں کو بصیغۂ خطاب "السلام علیکم"۔ سلام کرنے کا حکم آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مردے بحکم خداوندی سنتے ہیں اور قبر پر حاضر ہونے والے کو اگر زندگی میں پہچانتے تھے تو مرنے کے بعد بھی پہچانتے ہیں۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ اَخْرَجْنَا لَھُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُھُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ

اور جب پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے ان سے باتیں کرے گا اس واسطے کہ لوگ

اور جب پڑ چکے گی ان پر بات، نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے، ان سے باتیں کریگا، اس واسطے کہ لوگ

کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّکَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ　ع

ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے ف ۱ اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو پھر ان کی

ہماری نشانیاں یقین نہ کرتے تھے۔ اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم ہر فرقے سے ایک دَل، جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں پھر ان کی

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا۔" (موضح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہوگا۔ قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے لہٰذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی۔ شاید "دابۃ الارض" کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے، آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔ مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں۔ صرف مکذبین کی تجہیل و تحمیق مقصود ہے۔ ماننے کا جو وقت تھا گزر گیا۔

(تنبیہ) "دابۃ الارض" کے متعلق بہت سے رطب و یابس اقوال و روایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں۔ مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا۔ واللہ اعلم۔

يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتّٰٓى إِذَا جَآءُو قَالَ أَكَذَّبْتُم بِـَٔايَٰتِى وَلَمْ تُحِيطُوا۟ بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ

جماعت بندی ہوگی ف۱ یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمائے گا کیوں جھٹلایا تم نے میری باتوں کو اور نہ آچکی تھی تمہاری سمجھ میں یا بولو کہ کیا

مثل بٹے گی۔ یہاں تک کہ جب آپہنچے، فرمایا، کیوں تم نے جھٹلائیں میری باتیں؟ اور آنا چکی تھیں تمہاری سمجھ میں، یا کہو کیا

تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا۟ فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا۟ أَنَّا جَعَلْنَا

کرتے تھے ف۲ اور پڑ چکی ان پر بات اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی تھی اب وہ کچھ نہیں بول سکتے ف۳ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی

کرتے تھے۔ اور پڑ چکی ان پر بات، اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی، سو وہ کچھ نہیں بولتے۔ کیا نہیں دیکھتے، کہ ہم نے بنائی

ٱلَّيْلَ لِيَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَٱلنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾

رات کہ اس میں چین حاصل کریں اور دن بنایا دیکھنے کا البتہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں ف۴

رات کہ اس میں چین پکڑیں اور دن بنایا دیکھنے کو۔ البتہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین کرتے ہیں۔

ذکر بعض اشراط ساعت یعنی علامات قیامت

قال تعالیٰ: ﴿وَإِذَا وَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ ... الى ... لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں دلائل قاہرہ سے اپنے کمال قدرت اور کمال علم کو بیان کر کے امکان حشر اور امکان قیامت کو ثابت کیا پھر اس پر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو بطور تفریع ذکر کیا۔ اب ان آیات میں مقدمات قیامت یعنی قیامت کی بعض علامتوں کو ذکر کرتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دابہ (جانور) زمین سے نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا قیامت کی نشانی ہوگی اور قیامت کی علامتوں کا بتلانا سوائے نبی کے کسی کے لئے ممکن نہیں۔ قیامت کی

ف۱ ہر گناہ والوں کے جتھے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔

(تنبیہ) عموماً مفسرین نے "فَهُمْ يُوزَعُونَ" کے معنی روکنے کے لیے ہیں۔ یعنی ہر امت کے مکذبین کو محشر کی طرف لے چلیں گے اور وہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے گا۔ جیسے انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

ف۲ یعنی پوری طرح سمجھنے اور تمام اطراف و جوانب پر نظر ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی، پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیا۔ یا بولو! یہ نہیں تو اور کیا کرتے تھے یعنی اس کے سوا تمہارا کام ہی کیا تھا۔ اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ بے سوچے سمجھے تکذیب ہی کی تھی؟ یا بولو! اس کے سوا اور بھی کچھ گناہ سمیٹے تھے۔

ف۳ یعنی ان کی شرارتوں کا یقینی ثبوت ہو چکا اور خدا کی حجت تمام ہو چکی۔ اب آگے وہ کیا بول سکتے ہیں۔ باقی بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ شاید اس سے پہلے ہو چکے گا۔ بہر حال نفی و اثبات کو اختلاف مواطن پر حمل کیا جائے۔

ف۴ یعنی کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھلائے، پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل ہی میں غور کر لیتے تو اللہ کی توحید پیغمبروں کی ضرورت اور بعث بعد الموت، سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط و محکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے اور جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لیے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اجالا کیا، کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لیے اوہام و اہواء کی تاریکیوں میں معرفت و ہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات کیا ہے؟ نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر ادھر ادھر پھرنے لگے۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ غرض یقین کرنے والوں کے لیے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔

علامتوں کا علم صرف نبی ہی کے بتلانے سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب یہ منکرین قیامت عناد اور سرکشی میں اس حد تک پہنچ جائیں گے کہ کسی عالم اور واعظ کی نصیحت اور موعظت ان کے حق میں کارگر نہ ہوگی اور اللہ کا حکم ناطق ان پر آپڑے گا یعنی ان پر حجت پوری ہو جائے گی اور ہر طرح غضب الٰہی کے مستحق ہو جائیں گے تو اس وقت ان کی فضیحت کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے انسان کی طرح کلام کرے گا اس لئے کہ وہ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔ جو بات پیغمبروں کے وارثوں کے کہنے سے نہیں مانی تھی اب وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑے گی۔ مگر اس وقت کا ماننا کچھ نفع نہیں دے گا ماننے کا وقت گزر گیا۔

"دابۃ الارض" سے ایک جانور مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد قیامت کے قریب مکہ مکرمہ کی سرزمین سے نکلے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے لئے پتھر سے ایک اونٹنی نکالی تھی اسی طرح قیامت کے قریب اللہ تعالیٰ مکہ کی زمین سے ایک دابۃ (جانور) نکالے گا اور اس کے پاس ایک مہر ہوگی جس سے مومن اور کافر کی پیشانی پر داغ اور نشان لگائے گا۔ مومن کی پیشانی پر سفید نشان لگائے گا اور کافر کی پیشانی پر سیاہ داغ لگائے گا اس نشان کے بعد مومن اور کافر ظاہری طور پر پہچانا جائے گا کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے۔

دابۃ الارض کا قیامت کے قریب زمین سے نکلنا قرآن کریم کی اس آیت سے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ رہا یہ امر کہ اس کی شکل کیسی ہوگی اور کہاں سے نکلے گا اور اس وقت کیا واقعات پیش آئیں گے سو اس بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ اخبار آحاد کے درجہ میں ہیں خروج دابۃ الارض کے متعلق جو احادیث آئی ہیں ان کی قدرے تفصیل تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۲۳۴، اور تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۷۴۔ اور شرح عقیدہ سفارینیہ: ۲/ ۱۳۷۔ ۱۴۲ میں مذکور ہیں۔

احادیث میں جن مشہور و معروف علامات قیامت کا ذکر ہے ان میں سے ایک علامت خروج دابۃ الارض بھی ہے اور دابۃ الارض کا خروج اس وقت ہوگا کہ جب آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے گا۔ اور اس کے بعد لگاتار یکے بعد دیگرے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ سماوی آیات کے لحاظ سے قیامت کی پہلی نشانی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور آیات ارضیہ کے اعتبار سے پہلی نشانی دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی قریبی نشانی کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں مجمل طریقہ سے روز حشر کے کچھ احوال و اہوال کا ذکر فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو ہم جمع کریں گے ہر امت میں سے ایک جماعت اور ایک جتھہ کو ایسے لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اس روز ہر جماعت اور ہر جتھہ الگ الگ ہوگا۔ ہر گناہ کرنے والوں کی جماعتیں اور جتھے الگ الگ ہوں گے پھر وہ جتھے روکے جاویں گے یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت کے آنے تک الگ جگہ کھڑا کیا جائے گا تا کہ سب جماعتیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور کوئی رہ نہ جائے یہاں تک کہ جب سب میدان حشر میں پہنچ جائیں گے تو حساب و کتاب شروع ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم ہی نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم نے

میری آیتوں کو اچھی طرح سمجھا بوجھا ہی نہ تھا بغیر سوچے سمجھے ہی جھٹلانا شروع کر دیا آخر بتلاؤ تو سہی کہ تم کرتے کیا تھے۔ بے سوچے سمجھے اعمال کفریہ میں مبتلا تھے یعنی سوائے تکذیب کے تمہارا کام ہی کیا تھا اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر عذاب کا حکم واقع ہو جائے گا اور وہ بول بھی نہیں سکیں گے جرم ثابت ہو جائے گا اور دم مارنے کی مجال نہ ہوگی کیا نہیں دیکھا ہے حشر سے انکار کرنے والوں نے کہ ہم نے رات کو بنایا تاکہ سو کر اس میں آرام کریں اور دن کو بنایا روشن تاکہ دیکھ بھال کر اپنے کاروبار کریں مطلب یہ ہے کہ رات کا سونا موت کا نمونہ ہے اور صبح کی بیداری دوبارہ زندگی کا نمونہ ہے روزانہ حشر و نشر کا نمونہ دیکھتے ہیں اور پھر بھی حشر کا انکار کرتے ہیں۔

پس جو خدا روشنی کے بعد اندھیرا اور اندھیرے کے بعد روشنی لانے پر قادر ہے وہ بلاشبہ مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے بے شک لیل ونہار کی اس طرح آمد و رفت میں حشر و نشر کی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین لاتے ہیں رات کا سونا ایک قسم کی موت ہے سونے کے بعد انسان کو اس جہان کی کچھ خبر نہیں رہتی پس خدا تعالیٰ جس وقت چاہتا ہے تم کو سلاتا ہے اور جب چاہتا ہے تو تم کو جگا دیتا ہے اسی طرح وہ جب چاہے گا تو تم کو موت کے بعد اٹھا دے گا لہٰذا تم اس دنیوی زندگی کو بمنزلہ خواب کے سمجھو اور قبر سے اٹھنے کو بیداری سمجھو کہ سب چیزیں تمہاری آنکھوں کے سامنے روشن ہو جائیں گی۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ

اور جس دن پھونکی جائے گی صور ف۱ تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے ف۲

جس دن پھونکا جاوے نرسنگا، تو گھبرا جائے جو کوئی ہیں آسمان اور زمین میں، مگر جس کو اللہ چاہے۔

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ

اور سب چلے آئیں اس کے آگے عاجزی سے ف۳ اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل ف۴ کاریگری اللہ کی

اور سب چلے آئیں اس کے آگے عاجزی سے۔ اور تو دیکھتا ہے پہاڑ، جانتا ہے وہ جم رہے ہیں، اور وہ چلیں گے جیسے چلے بدلی۔ کاریگری اللہ کی،

ف۱ صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل ہے جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لیے تیار کھڑا ہے۔

ف۲ بعض روایات میں ہے کہ "اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ" جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں۔ اور بعض نے شہداء کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ایک بار صور پھونکے گا جس سے خلق مرجائے گی۔ دوسرا پھونکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھونکے گا تو گھبرا جائیں گے پھر پھونکے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے اور پھر پھونکے گا تو ہشیار ہوں گے۔ صور پھونکنا کئی بار ہے۔" (موضح) اور بہت سے علماء صرف دو نفخے مانتے ہیں یعنی کل دو مرتبہ پھونکے گا۔ اور سب احوال کو انہی دو میں درج کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۴ یعنی جن بڑے بڑے پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لیے زمین میں جمے ہوئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھا سکیں گے، قیامت کے دن یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے اور بادل کی طرح تیز رفتار ہوں گے۔ "وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا" "وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ" "وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا"۔

(تنبیہ) آیت ہذا کو زمین کی حرکت و سکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے۔

الَّذِيٓ أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾ مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

جس نے سادھا ہے ہر چیز کو ف۱ اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۲ جو کوئی لے کر آیا بھلائی تو اس کو ملے اس سے بہتر ف۳

جس نے سادھی ہے ہر چیز۔ اس کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ جو کوئی لایا بھلائی تو اس کو ملنا ہے اس سے بہتر۔

وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿٨٩﴾ وَمَن جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۖ

اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن امن ہے ف۴ اور جو کوئی لے کر آیا برائی سو اوندھے ڈالیں ان کے منہ آگ میں

اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن چین ہے۔ اور جو کوئی لایا برائی، سو اوندھے ڈالے ہیں ان کے منہ آگ میں۔

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾

وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے ف۵

وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ کرتے تھے۔

بیان حال قیامت و جزاء آخرت

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ... الى ... إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں اول قیامت کا امکان ثابت کیا پھر روز قیامت کے کچھ مبادی اور چند علامتوں کا ذکر کیا اب ان آیات میں روز قیامت کا حال اور حشر کی کچھ مجمل کیفیت بیان کرتے ہیں کہ خروج دابۃ الارض اور طلوع الشمس من المغرب کے بعد قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام کائنات درہم برہم ہوجائے گی اور توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔

اور چونکہ روز قیامت روز جزاء ہے اس لئے اخیر میں قانون جزا بیان کیا ﴿مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا﴾ الی آخر الآیات چنانچہ فرماتے ہیں اور ذکر کیجئے آپ ﷺ ان سے اس دن کا جس میں قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ اول صور پھونکا جائے گا پس اس کی ہیبت اور ہول سے سب گھبرا جائیں گے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے یہ دنیا کی عمر کا آخری دن ہوگا جس کا آغاز نفخ صور سے ہوگا جس کی شدت اور ہول سے آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے

ف۱ یعنی جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت سے درست کیا اسی نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے اور وہی ان کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ وہ اڑانا محض تباہ کرنے کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ عالم کو توڑ پھوڑ کر اس درجہ پر پہنچانا ہوگا جہاں پہنچانے کے لیے ہی اسے پیدا کیا ہے۔ تو یہ اسی صانع حقیقی کی کاری گری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔

ف۲ یعنی اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کا حساب کتاب ہوگا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہے تو ہر ایک کو ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزا و سزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے۔

ف۳ یعنی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے حساب سے دیا جائے گا۔ جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

ف۴ یعنی بڑی گھبراہٹ سے کما قال تعالیٰ ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ اگر کم درجہ کی گھبراہٹ ہو تو اس آیت کے منافی نہیں۔

ف۵ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں۔ جو کرنا، سو بھرنا، خود کردہ را چہ علاج۔

گھبرا جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا وہ اس گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ﴾ سے جبریل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور ارواح شہداء مراد ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس استثناء سے عام مومنین صالح مراد ہیں جیسا کہ آئندہ آیت میں ہے۔ ﴿مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ﴾ دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۴۱۔ مگر کچھ عرصہ بعد جبریل ومیکائیل اور اسرافیل وعزرائیل علیہم السلام اور حاملان عرش بھی بدون اثر نفخہ صور وفات پا جائیں گے۔ کما فی الدر المنثور فی تفسیر سورۃ الزمر اس سے مراد نفخہ اولیٰ ہے جس کا اثر آسمان وزمین کی تمام مخلوق کو پہنچے گا۔ جو زندہ ہیں وہ گھبرا کے مر جائیں گے اور جو مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ البتہ جبریل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام اور حاملانِ عرش اس سے محفوظ رہیں گے مگر بعد میں وہ بھی بحکم خداوندی وفات پا جائیں گے اور بجز واحد قہار کے کوئی باقی نہ رہے گا پھر نفخہ ثانیہ پر سب زندہ ہو جائیں گے۔

حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے۔ پھر پھنکے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے اور پھر پھنکے گا تو ہوشیار ہوں گے۔ صور پھنکنا کئی بار ہے (موضح القرآن)

اور جمہور علماء کا قول ہے کہ نفخ صرف دو ہیں یعنی صور صرف دو مرتبہ پھنکے گا اور باقی سب احوال واہوال انہی دو نفخوں میں درج ہیں۔ پہلی بار جب صور پھونکا جائے گا تو ابتدا میں آہستہ ہوگا اس لئے اس کو نفخہ فزع کہا جائے گا پھر یہ جب یہ نفخہ دراز ہوگا تو ایسا سخت ہو جائے گا کہ "صعقہ" ہو جائے گا یعنی زندوں کے لئے موت ہوگا اور مردوں کے ارواح کے لئے بے ہوشی ہوگا تو اس اعتبار سے اس کو نفخہ صعق کہا جائے گا اس نفخہ صعق سے تمام مخلوق مردہ ہو جائے گی پھر چالیس [1] سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی) پہلے نفخہ کے بعد جب لوگ مردہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک خفیف بارش نازل کریں گے جو اوس کے مشابہ ہوگی۔ جس سے اجسام میں اگنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس بارش کے بعد جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو مردے زندہ ہو جائیں گے اور ایک ایک کر کے سب عاجز اور مطیع ہو کر خدا کے سامنے حاضر ہو جائیں گے اور یہ حاضری حساب وکتاب کے لئے ہوگی۔ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سروں سے خاک جھاڑتے ہوئے حساب وکتاب کے لئے میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے اور پستی اور عاجزی کے ساتھ اللہ کی عظمت وکبریائی کے سامنے حاضر ہوں گے۔ انسان ضعیف البنیان کی حقیقت تو کیا ہے۔ اس عظمت اور کبریائی کے سامنے تو پہاڑ بھی اڑتے ہوئے نظر آئیں گے جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو اے مخاطب تو اس دن پہاڑوں کو اپنی آنکھ سے دیکھے گا۔ ظاہر نظر میں تو ان کو جامد یعنی ایک جگہ ٹھہرا ہوا خیال کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح رواں ہوں گے اور اے مخاطب تو اس پر تعجب نہ کر بلکہ خدا کی صنعت پر نظر [2] کر اور اس کی کاری گری کو دیکھ جس نے ہر چیز کو مضبوط

[1] قد روی ابن المبارك عن الحسن قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بين النفختين اربعون سنة الاولى يميت الله بها كل حي والاخرى يحيي الله بها كل ميت (تفسير قرطبی: ۱۳/۲۴۰)

[2] فيه اشارة الى ان صنع الله منصوب على الاغراء بمعنى انظر واصنع الله۔ (روح المعانی)

اور مستحکم بنایا ہے پس جو خدا پہاڑوں کے مضبوط بنانے پر قادر ہے وہ ان کے اکھیڑنے پر بھی قادر ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے پورا باخبر ہے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دی جائے گی یہ تو یوم حساب کا کچھ حال تھا اب آگے جزا و سزا کا قانون اور ضابطہ بیان کرتے ہیں جو شخص اس دن نیکی لے کر آئے گا یعنی ایمان اور عمل صالح لے کر آئے گا تو اس کی نیکی سے بہتر اجر ملے گا اور ایسے ہی لوگ اس دن گھبراہٹ سے مامون اور محفوظ ہوں گے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ آیت میں نفخہ فزع سے جو استثناء کیا گیا تھا وہ عام مومنین صالحین کو شامل ہے جیسا کہ دوسری جگہ ہے ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾۔ اور عجب نہیں کہ یہ مطلب ہو کہ نفخ صور کا فزع صرف کافروں کو ہو گا۔ اہل ایمان اس سے محفوظ اور مامون رہیں گے اور اس روز جو لوگ بدی یعنی کفر اور شرک کو لے کر آویں گے تو وہ منہ کے بل آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نہیں سزا دیئے جا رہے ہو مگر ان اعمال کی جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے اور اس کے بعد ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تا کہ ان کو معلوم ہو کہ اس جرم کی سزا میں ہم کو جہنم میں ڈالا جا رہا ہے۔

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ ٱلْبَلْدَةِ ٱلَّذِى حَرَّمَهَا وَلَهُۥ كُلُّ شَىْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ

مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو حرمت دی اور اسی کی ہے ہر ایک چیز ف۱ اور مجھ کو حکم ہے کہ

مجھ کو یہی حکم ہے، کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی، جس نے رکھا اس کو ادب کا، اور اسی کی ہے ہر چیز۔ اور حکم ہے کہ

أَكُونَ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَا۟ ٱلْقُرْءَانَ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ ۖ

رہوں حکم برداروں میں ف۲ اور یہ کہ سنا دوں قرآن ف۳ پھر جو کوئی راہ پر آیا سو راہ پر آئے گا اپنے ہی بھلے کو

رہوں حکم برداروں میں۔ اور یہ کہ سنا دوں قرآن۔ پھر جو کوئی راہ پر آیا، سو راہ پر آئے گا اپنے بھلے کو۔

وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ ءَايَٰتِهِۦ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ

اور جو کوئی بہکا رہا ہے تو کہہ دے میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا ف۴ اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو ف۵ آگے دکھائے گا تم کو اپنے نمونے تو ان کو پہچان لو گے ف۶

اور جو کوئی بہکا رہا تو کہہ دے میں یہی ہوں ڈر سنانے والا۔ اور کہہ، تعریف ہے سب اللہ کو، آگے دکھاوے گا تم کو اپنے نمونے، تو ان کو پہچان لو گے۔

ف۱ شہر سے مراد ہے مکہ معظمہ جسے خدا تعالیٰ نے معظم و محترم بنایا۔ اسی تخصیص و تشریف کی بناء پر رب کی اضافت اس کی طرف کی گئی ورنہ یوں ہر چیز کا رب اور مالک وہ ہی ہے۔

ف۲ یعنی ان لوگوں میں رہوں جو حق تعالیٰ کی کامل فرماں برداری کرنے والے اور اپنے کو ہمہ تن اس کے سپرد کر دینے والے ہیں۔

ف۳ یعنی بذات خود اللہ کی بندگی اور فرماں برداری کرتا رہوں اور دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا راستہ بتلاتا رہوں۔

ف۴ یعنی میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا، نہ سمجھو تو تمہارا ہی نقصان ہے۔

ف۵ یعنی اللہ کا ہزاراں ہزار شکر جس نے مجھ کو ہادی و مہتدی بنایا۔ فی الحقیقت تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے۔ جس کو خوبی یا کمال ملا وہیں سے ملا۔

ف۶ یعنی آگے چل کر حق تعالیٰ تمہارے اندر یا تم سے باہر اپنی قدرت کے وہ نمونے اور میری صداقت کے ایسے نشان دکھلائے گا جنہیں دیکھ کر سمجھ لو گے کہ بے شک یہ اللہ کی وہ ہی آیات ہیں جن کی خبر پیغمبر نے دی تھی باقی اس وقت کا سمجھنا تم کو نافع ہو یا نہ ہو، جداگانہ چیز ہے۔ علامات قیامت وغیرہ سب اس کے تحت میں آ گئیں۔

ع ۱۱

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾

اور تیرا رب بیخبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو ف ۱

اور تیرا رب بیخبر نہیں ان کاموں سے، جو کرتے ہو۔

خاتمۂ سورت بر حکم عبادت وتلاوت قرآن

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ... الی... وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾

ربط:...... جب اللہ تعالیٰ مبدأ اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کر چکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔

(۱) ایک تو خدا کی عبادت۔ یعنی توحید خالص۔

(۲) دوم دین اسلام پر استقامت۔

(۳) سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوت اسلام کا اولین ذریعہ ہے۔

اور بتلا دیا کہ راہ راست پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے۔ اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہٰذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تا کہ آخرت میں کام آویں۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیات میں مبدأ اور معاد کو اور ایمان اور ہدایت کو بیان کیا اب نبی اکرم ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ رسالت کر چکے اور حق دعوت ادا کر چکے۔ منکرین پر حجت پوری ہوگئی۔ لہٰذا آپ ﷺ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ان مخالفین کی پروانہ کریں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ﷺ ان لوگوں سے یہ کہہ دیجئے کہ بس مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت اور بندگی میں لگا رہوں جس پروردگار نے اس کو حرم محرم ٹھہرایا ہے کہ اس نے اس شہر میں قتل وقتال کو اور شکار کرنے کو اور اس کے گھاس کاٹنے کو اور بغیر احرام کے اس میں داخل ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے اور اس کی تحریم خدا کی طرف سے ہے بتوں کی طرف سے نہیں ہے اور ہر شے اسی پروردگار کی ملک ہے اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ کے فرماں برداروں میں سے رہوں یعنی توحید اور اخلاص اور عبودیت پر قائم اور ثابت قدم رہوں اور مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں یعنی خود بھی پڑھتا رہوں اور تم کو بھی پڑھ کر سناتا رہوں اس آیت میں تلاوت قرآن کے حکم سے تلاوت قرآن پر مواظبت اور مداومت مراد ہے خواہ وہ تلاوت بطریق عبادت ہو یا بطریق دعوت ہو یعنی مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں برابر قرآن کی تلاوت میں لگا رہوں اور مسلسل تم کو اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچاتا رہوں سو جو کوئی میری ہدایت سے راہ ہدایت پر آ جاوے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے راہ ہدایت پر آتا ہے اس کا نفع اسی کی ذات کو ہے اس نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا اور جو شخص راہ ہدایت بتلانے کے بعد بھی گم راہ رہا تو آپ ﷺ کہہ

ف ۱ یعنی جو عمل اور معاملہ تم کرتے ہو، سب اس کی نظر میں ہے۔ اسی کے موافق آخر کار بدلہ ملے گا۔ اگر سزا وغیرہ میں تاخیر ہو تو نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہماری کرتوت سے بے خبر ہے، تم سورۃ النمل وللہ الحمد والمنہ۔

دیجئے کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں اور بس۔ یعنی میرا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے میرا یہ کام نہیں کہ تم سے زبردستی منواؤں اور آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ شکر ہے خدا تعالیٰ کا جس نے مجھ کو منصب رسالت پر فائز کیا اور اپنے پیغام پہنچانے کی توفیق دی۔ اب نتیجہ اور انجام سب اس کے ہاتھ میں ہے سو وہ عن قریب تم کو اپنی قدرت کی اور میری نبوت کی نشانیاں دکھلائے گا جن کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ پھر تم ان کو پہچان لوگے جن کا تم اب انکار کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان پر حجت پوری نہ کر دے اس لئے وہ وقتاً فوقتاً تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں اور آخرت کی نشانیاں دکھلائے گا۔ آخرت کی آخری نشانیوں میں سے زمین سے دابۃ الارض کا خروج ہے مگر نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لانا چنداں مفید نہیں اب اگر ایمان لے آؤ تو نفع دے گا۔ اور اے نبی تیرا پروردگار بنی آدم کے اعمال سے غافل نہیں وہ ان کے اعمال سے خبردار ہے۔ اعمال کے مطابق ان کو سزا دے گا لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ آخرت پر ایمان لائیں اور اس کی تیاری کریں۔

ع براہے نہ رسید آں کہ زحمتے نہ کشید

تفسیر سورۃ قصص

اس سورت کا نام سورۃ قصص ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کے مختلف قصے مذکور ہیں۔ مزید برآں اس سورت میں قارون کا قصہ بھی مذکور ہے۔ قصص مصدر ہے جس کے معنی اخبار یعنی خبر دینے کے ہیں اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ موسیٰ علیہ السلام کس طرح اعداء اسلام کے ملک اور وطن سے نکل کر ایسی جگہ پہنچے (مدین) جہاں اللہ کے نبی اور اس نبی کے اصحاب آباد تھے اللہ نے دشمنوں سے نجات دی اور عزت و راحت کا سامان کیا اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں خدا کی طرف سے نبوت و رسالت کا خلعت ملا لہٰذا سمجھ لو کہ جو شخص دشمنان خدا کے درمیان سے نکل کر بھاگتا ہے تو وہ اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں کا محل بنتا ہے۔

یہ سورت مکی ہے مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ بوقت ہجرت نازل ہوئی اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

ربط:...... گزشتہ سورت یعنی سورۃ نمل کا افتتاح حقانیت قرآن کے بیان سے ہوا۔ کما قال تعالیٰ ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾۔ اور پھر اس کا اختتام تلاوت قرآن کے حکم پر ہوا۔ ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ﴾ اس مناسبت سے اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن کے بیان سے فرماتے ہیں۔ یعنی ﴿طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ سے فرمایا اور پہلی سورت کی طرح اس سورت کے شروع میں بھی موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اولاً اجمالاً ذکر کیا اور ثانیاً اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جس سے مقصود رسالت محمدیہ علیہ السلام کا اثبات اور منکرین نبوت اور اہل نخوت و رعونت کی تہدید ہے دور تک اسی طرح سلسلہ کلام چلا گیا اور جس طرح سورۃ نمل میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصوں کے بعد دلائل توحید کا ذکر فرمایا اور پھر اثبات معاد اور تذکیر آخرت پر سورت مذکورہ کو ختم فرمایا اسی طرح اس سورت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مفصل قصہ کے بعد اول دلائل توحید کا ذکر فرمایا اور

پھر تذکیر آخرت اور توحید الوہیت پر سورت کو ختم فرمایا نیز گزشتہ سورت میں بلقیس ملکہ سبا کا قصہ ذکر فرمایا اور اس سورت میں تفصیل کے ساتھ فرعون کا قصہ ذکر فرمایا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ملکہ سبا ایک عورت تھی اور اس کا ملک، ملک مصر سے بہت زیادہ وسیع تھا۔ مگر وہ تو سلیمان علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آئی اور فرعون مرد تھا اور ایک صوبہ کا حکمران تھا مگر باوجود یکہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات قاہرہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لایا معلوم ہوا کہ ہدایت اور ضلالت من جانب اللہ ہے ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ﴾ فرعون حکومت کے نشہ میں تھا اور قارون دولت کے نشہ میں تھا اس لئے اس سورت کے اول میں فرعون کا قصہ اور اس سورت کے آخر میں قارون کا قصہ ذکر کیا تا کہ لوگ عبرت پکڑیں۔

۲۸ سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۴۹ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ایاتہا ۸۸ رکوعاتہا ۹

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ

ط س م یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی ہم سناتے ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ اور فرعون کا تحقیقی ان لوگوں کے واسطے

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی۔ ہم سناتے ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ اور فرعون کا تحقیق ایک لوگوں کے واسطے

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③

جو یقین کرتے ہیں ف۱

جو یقین کرتے ہیں۔

آغاز سورت بحقانیت قرآن و ذکر اجمالی قصہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام و فرعون برائے تہدید اہل نخوت و رعونت و منکرین نبوت و رسالت

قَالَ تَعَالٰى: ﴿طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ... الى ... مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن سے فرمایا جو رسالت محمدیہ ﷺ کی سب سے واضح اور روشن دلیل ہے اور فرعون کا قصہ ذکر کیا جس سے اہل نخوت و رعونت کی تہدید مقصود ہے کہ متکبرین کو چاہئے کہ فرعون کے قصہ سے عبرت پکڑیں کہ جس نے بنی اسرائیل کو ضعیف اور کمزور سمجھ کر ظلم و ستم میں کسر نہ اٹھا رکھی اور اپنی وقتی طاقت کے غرور میں خدا کے حکم اور اس کی تاخیر اور مہلت سے غافل رہا اس کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے اسی طرح قریش مکہ کو چاہئے کہ مسلمانوں کو ضعیف اور کم زور سمجھ کر خدا کی گرفت سے بے خوف نہ ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ انہی کم زور مسلمانوں کو ایسی قوت اور طاقت عطا کرے کہ انہی کو تم پر حکمران کر دے اللہ کی قضا و قدر کی کسی کو خبر نہیں۔

نیز گزشتہ سورت کے آخر میں مضطر کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا۔ ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ

ف۱ یعنی مسلمان لوگ اپنا حال قیاس کریں ظالموں کے مقابلہ میں (موضح) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کم زوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں منصور و کامیاب کیا۔ ایسے ہی مسلمان جو فی الحال مکہ میں قلیل اور ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بے شمار طاقتور حریفوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے

السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور مظلوم کو ظالم پر حکمران بناتا ہے اس سورت میں بھی بنی اسرائیل کے اضطرار اور بے چینی کو دور کرنے کا ذکر فرماتے ہیں۔ طسم اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں یہ آیتیں ہیں اس کتاب کی بین جو واضح اور جلی ہے اور حقائق و معارف کی ظاہر کرنے والی ہے اے نبی ہم آپ ﷺ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ حال ذکر کرتے ہیں۔ جو ٹھیک ٹھیک اور واقع کے مطابق ہے ان لوگوں کی بصیرت اور ہدایت کے لئے جو حق کے ماننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ طالبان حق کی ہدایت اور عبرت کے لئے اس قصہ کو بیان کرتے ہیں تا کہ ان واقعات کو سن کر عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں اور اپنی اصلاح اور تربیت کا ذریعہ بنائیں۔ قرآن کریم میں جابجا جو قصے بیان کئے جاتے ہیں ان کو محض قصہ اور افسانہ نہ سمجھیں۔ بلکہ ان کو ہدایت نامہ اور نصیحت نامہ سمجھیں۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ

فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھا تھا وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو ان میں ف۱ ذبح کرتا تھا

فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں، اور کر رکھے تھے وہاں کے لوگ کئی جتھے، کمزور کر رکھا ایک فرقے کو ان میں، ذبح کرتا

اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ

ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا انکی عورتوں کو ف۲ بیشک وہ تھا خرابی ڈالنے والا ف۳ اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو

ان کے بیٹے، اور جیتی رکھتا ان کی عورتیں۔ وہ تھا خرابی ڈالنے والا۔ اور ہم چاہتے ہیں احسان کریں ان پر جو

اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي

کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور کردیں ان کو سردار اور کردیں ان کو قائم مقام اور جما دیں ان کو

کمزور پڑے تھے ملک میں، اور کردیں ان کو سردار اور کردیں ان کو قائم مقام۔ اور جما دیں ان کو

ف۱ یعنی "مصر" میں قبطی بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی جو "بنی اسرائیل" کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم و تکبر کی راہ سے "بنی اسرائیل" کو پنپنے اور ابھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا اب قبطی آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت و وقعت حاصل کر سکیں۔

ف۲ کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہوگی۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کم زور کرتے رہنا چاہیے کہ انھیں حکومت کے مقابلہ کا حوصلہ ہی نہ ہو اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہیے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں، انھیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرے فرعون کے کانوں تک پہنچ گئے اس احمق نے قضاء و قدر کی روک تھام کے لیے ظلم و ستم کی یہ اسکیم جاری کی۔

ف۳ یعنی زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی۔ لہٰذا اسے ایسا ظلم و ستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ بس جو دل میں آیا، اپنے کبر و غرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے کر گزرا۔

الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى

ملک میں ف۱ اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو ف۲ اور ان کے لشکروں کو ان کے ہاتھ سے جس چیز کا ان کو خطرہ تھا ف۳ اور ہم نے حکم بھیجا

ملک میں، اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو اور ان کے لشکروں کو ان کے ہاتھ سے جس چیز کا خطرہ رکھتے تھے۔ اور ہم نے حکم بھیجا

اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا

موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اس کو دریا میں ف۴ اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم

موسیٰ کی ماں کو، کہ اس کو دودھ پلا۔ پھر جب تجھ کو ڈر ہوا اس کا، تو ڈال دے اس کو پانی میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا۔ ہم

رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ⑦ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا

پھر پہنچا دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں سے ف۵ پھر اٹھا لیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو ان کا دشمن

پھر پہنچا دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں سے۔ پھر اٹھا لیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے، کہ ہو ان کا دشمن

وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ

اور غم میں ڈالنے والا بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے چوکنے والے ف۶ اور بولی فرعون کی عورت

اور کڑھانے والا۔ بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر چوکنے والے تھے۔ اور بولی فرعون کی عورت

ف۱ یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے، اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کم زوروں کو قوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔ جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا ان ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کرا کر اس مظلوم وستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیاوی حکومت بھی اس مظلوم ومقہور قوم کے حوالے کی جائے۔

ف۲ "ہامان" وزیر تھا فرعون کا جو ظلم وستم میں اس کا شریک اور آلہ کار بنا ہوا تھا۔

ف۳ یعنی جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزارہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہی خطرہ ان کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لیے کہ کسی طرح اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے۔ جس کے ہاتھ پر اس کی تباہی مقدر تھی، لیکن تقدیر الٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اس بچہ کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز ونعم سے پرورش کرایا۔ اور دکھلا دیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

ف۴ ان کی ماں کو الہام ہوا یا خواب دیکھا یا اور کسی ذریعہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہیں، جب اندیشہ ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ سورۃ "طٰہٰ" میں یہ قصہ گزر چکا ہے۔

ف۵ ماں کی تسلی کر دی کہ ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے، بچہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور بچہ کی جدائی سے غمگین بھی مت ہو ہم بہت جلد اس کو تیری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ وہ منصب رسالت پر سرفراز کیا جائے گا۔ کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل ومانع نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں عبور کر کے وہ مقصد پورا کرتا ہے جو اس محترم بچہ کی پیدائش سے متعلق ہے۔

ف۶ آخر ماں نے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر چھوڑ دیا۔ صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کو اس پیارے بچہ کی پیاری صورت بھلی معلوم ہوئی۔ آثار نجابت وشرافت نظر آئے۔ پالنے کی غرض سے اٹھا لیا۔ مگر اس اٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہو اور ان کے حق میں سوہان روح بنے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون لعین کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزارہا معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہی ہے جسے بڑے چاؤ پیار سے آج ہمارے ہاتھوں میں پرورش کرایا جا رہا ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر ومشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے، بہت چوکے کہ بے شمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرنے کے باوجود موسیٰ کو زندہ رہنے دیا۔ لیکن نہ =

قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا

یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لیے اور تیرے لیے ف۱ اس کو مت مارو، کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اس کو کرلیں بیٹا ف۲ اور ان کو

آنکھوں کی ٹھنڈک ہے مجھ کو اور تجھ کو۔ اس کو نہ مارو۔ شاید ہمارے کام آوے یا ہم اس کو کرلیں بیٹا اور ان کو

يَشْعُرُوْنَ ⑨ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۖ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

کچھ خبر نہ تھی ف۳ اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی کہ ظاہر کردے بے قراری کو اگر نہ ہم نے گرہ دی ہوتی اس کے

خبر نہیں۔ اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا۔ نزدیک ہوئی کہ ظاہر کردے بیقراری کو، اگر نہ ہم نے گرہ کردی ہوتی اس کے

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ

دل پر اس واسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں ف۴ اور کہہ دیا اس کی بہن کو پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہو کر

دل پر، اس واسطے کہ رہے ایمان والوں میں۔ اور کہہ دیا اس کی بہن کو، اس کے پیچھے چلی جا۔ پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہو کر،

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ

اور ان کو خبر نہ ہوئی ف۵ اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے پھر بولی میں بتلاؤں تم کو ایک

اور ان کو خبر نہ ہوئی۔ اور روک رکھی تھی ہم نے اس سے دائیاں پہلے سے، پھر بولی، میں بتاؤں تم کو ایک

= چوکتے تو کیا کرتے، کیا خدا کی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ قضاء و قدر کے فیصلوں کو سمجھے کہ انسانی تدبیروں سے روکا جاسکتا ہے۔

ف۱ یعنی کیسا پیارا بچہ ہے، ہمارے کوئی لڑکا نہیں، لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا "لَكِ لَا لِي" (تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں) تقدیر ازلی یہ الفاظ اس ملعون کی زبان سے کہلا رہی تھی۔ آخر وہی ہوا۔

ف۲ یعنی کم از کم بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا یا مناسب سمجھا تو متبنیٰ بنالیں گے۔

ف۳ یعنی یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ سمجھے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ کیا ضرور ہے کہ یہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے۔ پھر جب ہم پرورش کریں گے وہ خود ہی ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ اس کا دوست ہوگا جو سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے اور تم چونکہ اس کے دشمن ہو اس لیے مجبور ہوگا کہ پروردگار حقیقی کے حکم سے تمہاری مخالفت کرے۔ تم اپنی ظاہری تربیت پر تو ایسی اچھی امیدیں باندھتے ہو، مگر شرم نہیں آتی کہ اس رب حقیقی کے مقابلہ میں ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کی آواز بلند کررہے ہو۔

ف۴ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچہ کو دریا میں ڈال آئیں مگر ماں کی مامتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ موسیٰ کا رہ رہ کر خیال آتا تھا۔ دل سے قرار جاتا رہا۔ موسیٰ کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی، قریب تھا کہ صبر و ضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کردیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ۔ لیکن خدائی الہام ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ کو یاد کرکے تسلی پاتی تھی۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اس کے دل کو مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت کھلنے نہ پائے۔ اور تھوڑی دیر بعد خود موسیٰ کی والدہ کو عین الیقین حاصل ہوجائے کہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔

ف۵ یعنی جب فرعون کے محل سرا میں صندوق کھلا اور بچہ برآمد ہوا تو شہر میں شہرت ہوگئی۔ موسیٰ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو (جو موسیٰ کی بہن تھی) حکم دیا کہ بچہ کا پتہ لگانے کے لیے چلی جا اور علیحدہ رہ کر دیکھ کیا ماجرہ ہوتا ہے۔ لڑکی ہوشیار تھی، جہاں بچہ کے گرد بھیڑ لگی تھی وہاں بے تعلق اجنبی بن کر دور سے دیکھتی رہی۔ کسی کو پتہ نہ لگا کہ اس بچہ کی بہن ہے۔

بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

گھر والے کہ اس کو پال دیں تمہارے لیے اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں ف۱ پھر ہم نے پہنچا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غمگین نہ ہو

گھر والے، وہ اس کو پال دیں تم کو، اور وہ اس کے بھلا چاہنے والے ہیں۔ پھر پہنچایا اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ، اور غم نہ کھائے،

وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے ف۲ پر بہت لوگ نہیں جانتے ف۳

اور جانے کہ وعدے اللہ کا ٹھیک ہے، پر بہت لوگ نہیں جانتے۔

تفصیل قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ ... الی ... وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا نہایت اجمال کے ساتھ تذکرہ فرمایا اب آئندہ رکوعات میں اس کی تفصیل فرماتے ہیں اور یہ قصہ اگرچہ سورۃ شعراء اور سورۂ نمل میں بھی گزر چکا ہے لیکن جس قدر تفصیل یہاں بیان کی گئی ہے وہ گزشتہ سورتوں میں نہیں گویا کہ سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں جو ایجاز اور اختصار تھا اس سورت میں اس کی شرح اور تفصیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق فرعون اللہ کی زمین میں تکبر اور تجبر اور طغیان اور سرکشی پر اتر آیا زمین کے باشندہ میں تو یہ قدرت نہیں کہ وہ بلندی میں ہوا کا مقابلہ کر سکے۔ چہ جائیکہ آسمان کی بلندی پر پہنچ سکے اس کی سرکشی نے تو حد ہی کر دی۔ زمین پر بیٹھ کر زمین والوں سے کہتا ہے۔ ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ میں سب کا رب اعلیٰ ہوں زمین پر رہنے والا تو اپنا بھی رب نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ زمین کے ایک خطہ کے باشندوں کا رب بن سکے۔ کسی نے سچ کہا الجنون فنون جنون کی بہت سی قسمیں ہیں۔

غرض یہ کہ فرعون نے بڑا تکبر کیا اور وہی اس کو لے کر ڈوبا۔ دیکھ لو اور سوچ لو کہ حق سے تکبر کا کیا انجام ہوتا ہے اور اہل مصر کو اس نے گروہ گروہ کر دیا۔ قبطیوں کو معزز بنایا اور بنی اسرائیل کو ان کا خادم بنایا۔ وہاں کے باشندوں میں سے ایک

ف۱ یعنی فرعون کی بیوی نے اس ملعون کو بھی بچہ کی پرورش پر راضی کر لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ مگر قدرت نے پہلے ہی سے بند لگا دیا تھا کہ موسیٰ اپنی ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ پکڑے۔ سخت تشویش تھی کہ کہاں سے مرضعہ لائی جائے جس کا دودھ بچہ منہ کو لگا سکے۔ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔ فرعون کے آدمی اسی فکر و تجسس میں تھے کہ موسیٰ کی بہن نے کہا میں تم کو ایک گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو امید ہے بچہ کو پال دیں گے اور جہاں تک ان کی طبائع کا اندازہ ہے بہت خیر خواہی اور خورد پرداخت سے پالیں گے کیونکہ شریف گھرانا ہے اور بادشاہ کے گھر سے انعام و اکرام کی بھی توقعات ہوں گی، پھر تربیت میں کمی کیوں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ طلب کی گئیں۔ بس بچہ نے سونگھتے ہی ان کا پستان لے لیا اور دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے، بڑی خوشیاں منائی گئیں اور انعام و اکرام کیے گئے۔ مرضعہ نے عذر کیا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کروں گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام امن و اطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے۔ اور فرعون کے یہاں سے روزینہ ان کی ماں کا مقرر ہو گیا اور منفعت میں رہا۔

ف۲ یعنی ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ میں جو دو وعدے کیے تھے ایک تو آنکھوں سے دیکھ لیا کس حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا۔ اور دوسرے کو اسی پر قیاس کرنے کا موقع ملا کہ بلاشبہ وہ بھی اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔

ف۳ یعنی وعدہ اللہ کا پہنچ کر رہتا ہے۔ ہاں بیچ میں [illegible] اس میں بہت لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں (موضح)

گروہ کو یعنی بنی اسرائیل کو کم زور جانتا تھا اور ان سے بیگار لیتا تھا بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں یعنی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تا کہ ان سے خدمت لے نیز ان سے کوئی اندیشہ بھی نہ تھا۔

تحقیق یہ بدبخت بڑے ہی مفسدوں میں سے تھا۔ غرور کے نشہ میں جو دل میں آتا بے سوچے سمجھے کر گزرتا جھجکتا نہ تھا زجاج کہتے ہیں تعجب ہے فرعون کی حماقت پر۔ کیونکہ جس کاہن نے اس کو یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کے ایک مولود کے ہاتھ پر اس کا ملک جاتا رہے گا اگر وہ کاہن فرعون کے نزدیک سچا تھا تو یہ قتل اور یہ بے رحمی اور ایذارسانی اس کو نفع نہ دے گی۔ اور اگر جھوٹا تھا تو یہ قتل اور ظلم بے معنی اور بیکار تھا۔

شیخ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام مع سارہ علیہا السلام کے ابتداء ہجرت میں ملک مصر میں داخل ہوئے تو شاہ مصر نے حضرت سارہ علیہا السلام کو بدی کے خیال سے گرفتار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مرگی میں مبتلا کر دیا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں بے کار ہو گئے۔ اس نے اپنے اس خیال بد سے توبہ کی اور حضرت سارہ علیہا السلام سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی دعا کی برکت سے اس سے یہ کیفیت دور ہوئی تو اس نے آپ کی خدمت کے لئے آپ کو ہاجرہ علیہا السلام دے کر رخصت کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہاجرہ علیہا السلام بعض ملوک قبط کی لونڈی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہاجرہ علیہا السلام فرعون مصر کی بیٹی تھیں۔ بطور اعزاز و اکرام ان کو ہدیۃً دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام کو بشارت دی کہ تیری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا کہ جس کے ذریعہ مصر کی بادشاہت ختم ہوگی اور مصر کا بادشاہ ہلاک ہوگا۔ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس پیش گوئی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ شدہ شدہ یہ خبر فرعون کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ یہ خبر سن کر فرعون ڈر گیا اور بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا حکم جاری کیا۔ احمق کو یہ خبر نہ تھی کہ حذر (احتیاط اور تدبیر) قضاء و قدر سے نہیں بچا سکتی جس سے اس کو ڈر تھا خدا تعالیٰ نے اس کی پرورش خود اس کے ہاتھ سے اسی کے گھر میں کرا دی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۷۹)

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود　　قصۂ فرعون زیں افسانہ بود

غرض یہ کہ فرعون اسی فکر میں تھا کہ بنی اسرائیل کو فنا کر دے یہاں تک کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہے اور ہمارا ارادہ اور مشیت یہ تھی کہ ہم ان لوگوں پر اپنا فضل و کرم کریں کہ جو زمین مصر میں کم زور سمجھے جاتے تھے اور ان کو پیشوائے دین بنائیں اور دنیا میں ملک اور سلطنت کا وارث بنائیں اور زمین میں ان کو تمکین اور دست رسی بخشیں یعنی اپنی قدرت اور اختیار سے ملک مصر میں تصرف کریں اور حکم جاری کریں اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے لشکروں کو انہی کم زوروں سے وہ چیز دکھلا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے اور بچ رہے تھے اور جس سے بچنے کے لئے بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد کو ذبح کر رہے تھے مگر قضاء و قدر کے سامنے اس کی یہ تدبیر کام نہ آئی۔ چنانچہ وہ مولود مسعود پیدا ہوا اور جس کے ڈر سے فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرا رہا تھا۔ خدا نے اسی بچہ کی تربیت اور سامان راحت کا انتظام فرعون ہی کے گھر میں کر دیا چنانچہ فرماتے ہیں اور انہی دنوں جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ پر خوف طاری ہوا کہ اب یہ بچہ مجھ سے لے کر ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت ہم نے ان کی والدہ کو الہام [1] کیا کہ جب تک اخفا ممکن ہو تو تم بے خوف و خطر اس بچہ کو دودھ پلاتی رہو تا کہ وہ تیرے مبارک دودھ سے

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى﴾ میں وحی سے وحی الہام مراد ہے کہ جو اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے اس قسم کی وحی مراد نہیں جو انبیاء کرام کو ہوتی ہے۔

ایسا مانوس ہو جائے کہ پھر کسی اور کا دودھ قبول ہی نہ کرے پھر جب تم کو اس کے متعلق کوئی اندیشہ لاحق ہو تو اس کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور نہ اس کے ڈوبنے کا اور نہ اس کے ضائع ہونے کا خوف کرو اور نہ اس کی جدائی سے حزیں اور غمگین ہو تو یقین رکھو کہ ہم بلاشبہ اس کو تمہاری طرف واپس کر دیں گے اور اسی پر بس نہ کریں گے بلکہ آئندہ چل کر اس کو اپنے پیغمبروں میں سے بنائیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ ان کی والدہ نے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اس دریا کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی۔ صندوق بہتا بہتا اسی جگہ جا پہنچا جہاں فرعون کی بیوی آسیہ اور دیگر اہل خانہ کھڑے تھے۔ پس فرعون کے اہل خانہ نے اس صندوق کو اٹھا لیا اور کھولا۔ اس مولود مسعود کو جب دیکھا تو اس کے بے مثال حسن و جمال کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔ ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ یعنی جو شخص موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا وہ بے اختیار آپ علیہ السلام سے محبت اور پیار کرنے لگتا اس لئے اس کے قتل سے باز رہے اور پالنے کی غرض سے اس کو اٹھا لیا تاکہ آئندہ چل کر فرعونیوں کے لئے دشمن ثابت ہو اور ان کے رنج و غم کا سامان ہو اس طرح خدا تعالیٰ نے فرعون کا دشمن خود اسی کے گھر میں پرورش کے لئے پہنچا دیا۔ بے شک فرعون اور اس کا وزیر ہامان اور ان کے لاؤ لشکر سب کے سب خطا کار تھے۔ ان کو خبر نہ تھی کہ اس کے ہاتھ سے ہماری تباہی مقدر ہو چکی ہے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ یہ مجرمین اپنی سزا کو پہنچیں۔ گھر والے چاہتے تھے کہ اس بچہ کو قتل کر دیں بایں خیال کہ یہ بچہ کہیں اسرائیلی نہ ہو اور کسی نے اس کی جان بچانے کے لئے اس کو دریا میں ڈال دیا ہو لیکن فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے فرعون سے کہا اس بچہ کے قتل کے درپے نہ ہو دیکھو کیسا پیارا بچہ ہے خیر اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف کے مارے اپنے بچہ کو ڈالا ہے تو اگر یہ لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ میرا گمان ہے کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس پر تو نظر ٹھہر (۱) جاتی ہے اس بچہ کو مت قتل کرو معلوم نہیں کہ کس سرزمین سے آیا ہے اور کس طرح سے آیا ہے۔ مجھے اس سے ضرر کا اندیشہ نہیں۔ شاید یہ ہمارے کام آوے اور ہم اس سے خیر کو پہنچیں کیونکہ مجھے اس میں خیر اور نفع کے آثار معلوم ہوتے ہیں یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ یہ اس لئے کہا کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ فرعون بولا لَكِ لَا لِي ''تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گا نہ کہ میری'' تقدیر ازلی نے یہ الفاظ اس کی زبان سے جبراً نکلوائے اگر آسیہ کی طرح فرعون بھی لی کہہ دیتا تو اس کو بھی ہدایت میں سے حصہ مل جاتا۔ بہر حال فرعون نے اور اہل خانہ نے اس بات کو مان لیا اور بچہ کو پالنے کے لئے اٹھا لیا اور ان کو خبر نہ تھی کہ آئندہ چل کر کیا ہونے والا ہے اور ادھر یہ قصہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل صبر سے خالی ہو گیا اور قریب تھا کہ بے قراری کی وجہ سے بچہ کا حال ظاہر کر دیں اور بے تابی کی وجہ سے راز فاش کر دیں اگر ہم نے ان کے دل کو صبر کی رسی سے نہ باندھ دیا ہوتا تو راز کے فاش ہونے میں کچھ دیر نہ رہی تھی اور ہم نے اس کے دل پر صبر اور ہمت کی گرہ اس لئے لگائی کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے کہ اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اس کو وعدہ الٰہی کا عین الیقین حاصل ہو جائے۔

فرعون کی محل سرائے میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو تمام شہر میں اس کی شہرت ہو گئی کہ صندوق میں سے ایک لڑکا برآمد ہوا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جن کا نام ''یوحانذ'' تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنی بیٹی سے کہا جن کا نام ''مریم'' یا ''کلثوم'' تھا۔

(۱) اشارہ اس طرف ہے کہ قرۃ قرار سے مشتق ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

کہ جا اپنے بھائی کو تلاش کر اور اس کی کھوج لگا دریا کے کنارے کنارے بھائی کے ساتھ چلی جا اور دیکھ کہ کیا پیش آتا ہے چنانچہ وہ نکل کھڑی ہوئیں اور دور سے دیکھتی چلیں اور فرعون کے دروازہ تک پہنچیں۔ پس اس نے بچہ کو دور سے دیکھا کہ وہ زندہ اور صحیح سالم ہے دور سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کو اس طرح سے دیکھا کہ گویا اس کو کچھ غرض نہیں اور وہ لوگ جانتے نہ تھے کہ یہ دیکھنے والی اس کی بہن ہے اور کس تاک میں ہے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام اس طرح فرعون کے گھر میں پہنچے اور قتل سے بچ گئے اور ملکہ آسیہ نے پیار سے اس کو گود میں اٹھالیا اور ان کے لئے اناؤں کی تلاش شروع ہوئی۔ اور جب انائیں ان کے واسطے آئیں تو ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اناؤں کا دودھ ان پر حرام کر دیا یعنی دودھ پینے سے روک دیا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کسی انا کا دودھ نہ پی سکیں۔ یہ دیکھ کر ملکہ آسیہ اور سارے گھر والے پریشان ہو گئے اور شہر میں اناؤں کی تلاش شروع ہوئی۔ جو عورت بھی آتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کا دودھ قبول نہ کرتے تکوینی اور تقدیری طور پر سب اناؤں کا دودھ ان پر حرام ہو چکا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور سے کھڑی یہ ماجرا دیکھتی رہیں کچھ دیر کے بعد بولیں کیا میں تم کو ایسے گھر والوں کا پتہ نہ دوں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کی کفالت کریں یعنی اس کی رضاعت اور تربیت کے ضامن ہوں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں یعنی اس پر مشفق اور مہربان بھی ہوں۔ یہاں خود اس کی جستجو تھی فوراً جا کر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلا لائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی گود میں پہنچتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون یا ملکہ آسیہ بولی کہ تو کون عورت ہے کہ اس بچہ نے سوائے تیرے پستان کے کسی کو منہ نہ لگایا۔ فرعون کے گھر والوں کو شبہ ہوا کہ یہ عورت کہیں اس کی ماں نہ ہو۔ عورت نے جواب دیا کہ میں ایک پاکیزہ عورت ہوں مجھ میں سے ایک خوشبو آتی ہے اور دودھ نہایت لطیف اور شیریں ہے جو بچہ بھی میرے پاس آتا ہے وہ میرا دودھ بہت خوشی سے پی لیتا ہے پس وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور ان سے یہ درخواست کی کہ یہیں رہا کریں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے عذر کر دیا کہ میرا گھر ہے اور میرا شوہر ہے اور بچے ہیں اس لئے میں دن رات یہاں نہیں رہ سکتی لیکن اگر آپ پسند کریں تو اپنے گھر رکھ کر اس کو دودھ پلا سکتی ہوں۔ فرعون کے گھر والوں نے اس کو منظور کر لیا اور ایک دینار یومیہ اجرت مقرر ہوگئی۔ اور بچہ کو لے کر گھر واپس آ گئیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۸۱)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں پس اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف واپس کر دیا تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور بیٹے کی جدائی کا غم نہ رہے اور تاکہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اللہ نے جو بچہ کی واپسی کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ ولیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کا وعدہ کس طرح پورا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اور دین و دنیا ہر دو اعتبار سے ان کی والدہ کو بلکہ سارے گھرانہ کو فکر معاش سے بے فکر کر دیا۔ گھر بیٹھے مال و زر بھی پہنچ رہا ہے اور دو وقت الوان نعمت کا خوان کلاں بھی پہنچ رہا ہے خدا اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں سے یہ فائدہ پہنچاتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ⑭

اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اس کو حکمت اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو ف۱

اور جب پہنچا اپنے زور پر، اور سنبھلا، دیا ہم نے اس کو حکم اور سمجھ۔ اور اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو۔

ف۱ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو بہت حکمت کی باتیں سجھائیں اور خصوصی علم و فہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے وہ نیک کردار تھے۔ ایسے ہونہار کو ہم اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ

اور آیا شہر کے اندر جس وقت بیخبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ ف۱ پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اس کے

اور آیا شہر کے اندر، جس وقت بیخبر ہوتے تھے وہاں کے لوگ، پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے۔ یہ اس کے

شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ

رفیقوں میں اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں پھر فریاد کی اس سے اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں اس کی جو تھا اس کے دشمنوں میں

رفیقوں میں اور یہ اس کے دشمنوں میں۔ پھر فریاد کی اس پاس اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں، اس کی جو تھا اس کے دشمنوں میں،

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۵

پھر مکا مارا اس کو موسیٰ نے پھر اس کو تمام کردیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح

پھر مکا مارا اس کو موسیٰ نے، پھر اس کو تمام کیا۔ بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے۔ بیشک وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶ قَالَ رَبِّ

بولا اے میرے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا، سو بخش مجھ کو پھر اس کو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان ف۲ بولا اے رب

بولا، اے رب! میں نے برا کیا اپنی جان کا، سو بخش مجھ کو، پھر اس کو بخش دیا۔ بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔ بولا، اے رب!

ف۱ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو کر ایک روز شہر میں پہنچے جس وقت لوگ غافل پڑے سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہو گا یا دوپہر ہوگی۔

ف۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے۔ فرعون کی قوم سے بسبب ان کے ظلم و کفر کے بے زار رہتے اور بنی اسرائیل ان کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ ان کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی وہاں جاتے کبھی فرعون کے گھر آتے۔ فرعون کی قوم (قبط) ان کی دشمن تھی کہ غیر قوم کا شخص بے ایسا نہ ہو کہ زور پکڑ جائے۔ ایک روز دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑاؤ۔ کہتے ہیں قبطی فرعون کے مطبخ کا آدمی تھا۔ موسیٰ پہلے ہی قبطیوں کے ظلم و ستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اس کی زیادتی دیکھ کر رگ حمیت پھڑک اٹھی ممکن ہے سمجھانے بجھانے میں قبطی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کوئی سخت لفظ کہا ہو۔ جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے غرض موسیٰ علیہ السلام نے اس کی تادیب و گوش مالی کے لیے ایک گھونسہ رسید کیا ماشاء اللہ بڑے طاقتور جوان تھے ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو بھی اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کم بخت کا کام تمام ہو جائے گا۔ پچھتائے کہ بے قصد خون ہو گیا۔ مانا کہ قبطی کافر حربی تھا، ظالم تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کی نیت بھی محض ادب دینے کی تھی، جان سے مار ڈالنے کی نہ تھی۔ مگر ظاہر ہے اس وقت کوئی معرکہ جہاد نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی قوم کو کوئی الٹی میٹم نہیں دیا تھا۔ بلکہ مصر میں ان کی بود و ماند کا شروع سے جو طرز عمل رہا تھا اس سے لوگ مطمئن تھے کہ وہ یونہی کسی کی جان و مال لینے والے نہیں پھر ممکن ہے غیظ و غضب کے جوش میں معاملہ کی تحقیق بھی سرسری ہوئی ہو اور مکا مارتے وقت پوری طرح اندازہ نہ رہا ہو کہ کتنی ضرب تادیب کے لیے کافی ہے۔ ادھر اس بلا ارادہ قتل سے اندیشہ تھا کہ فرقہ وارانہ اشتعال پیدا ہو کر دوسرے مصائب و فتن کا دروازہ نہ کھل جائے۔ اس لیے اپنے فعل پر نادم ہوئے۔ اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک و صاف اور ان کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کر کے معافی چاہی جو دے دی گئی اور غالباً اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہو گا۔ آخر پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔

بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ

جیسا تو نے فضل کردیا مجھ پر پھر میں کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا ف۱ پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا ف۲

جیسا تو نے فضل کیا مجھ پر، پھر میں کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا۔ پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا راہ دیکھتا،

فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُہٗ ؕ قَالَ لَہٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸﴾

پھر ناگہاں جس نے کل مدد مانگی تھی اس سے آج پھر فریاد کرتا ہے اس سے ف۳ کہا موسیٰ نے بیشک تو بے راہ ہے صریح ف۴

تبھی جس نے کل مدد مانگی تھی اس سے، فریاد کرتا ہے اسکو۔ کہا موسیٰ نے بیشک تو بےراہ ہے صریح۔

فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ ہُوَ عَدُوٌّ لَّہُمَا ۙ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ کَمَا

پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو دشمن تھا ان دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ خون کرے میرا

پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو دشمن تھا ان دونوں کا بول اٹھا، اے موسیٰ! کیا چاہتا ہے، کہ خون کرے میرا؟ جیسے

قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ٭ۖ اِنۡ تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا تُرِیۡدُ اَنۡ

جیسے خون کرچکا ہے کل ایک جان کا ف۵ تیرا یہی جی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں اور نہیں چاہتا کہ

خون کرچکا ہے ایک جی کا کل کو۔ تو یہی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں، اور نہیں چاہتا ہے کہ

تَکُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَۃِ یَسۡعٰی ۫ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ

ہو صلح کرا دینے والا ف۶ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا کہا اے موسیٰ

ہووے ملاپ کردینے والا۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا، کہا، اے موسیٰ

الۡمَلَاَ یَاۡتَمِرُوۡنَ بِکَ لِیَقۡتُلُوۡکَ فَاخۡرُجۡ اِنِّیۡ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنۡہَا خَآئِفًا

دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں ف۷ پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا

دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر، کہ تجھ کو مار ڈالیں، سو نکل جا، میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔ پھر نکلا وہاں سے ڈرتا

ف۱ یعنی آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت، راحت، قوت عطا فرمائی اور میری تقصیرات کو معاف کیا اس کا شکریہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ شاید اس فریادی (اسرائیلی) کی بھی کچھ تقصیر معلوم ہوئی ہوگی۔ مجرم اسے کہا ہو۔ یا مجرمین سے کفار اور ظالم لوگ مراد ہوں۔ یعنی تیری دی ہوئی قوتوں کو آئندہ بھی کبھی ان کی حمایت واعانت میں خرچ نہ کروں گا۔ یا مجرمین سے شیاطین مراد ہوں یعنی شیاطین کے مشن میں ان کا مددگار کبھی نہ بنوں گا کہ وہ وسوسہ اندازی کرکے مجھ سے ایسا کام کرادیں۔ جس پر بعد کو پچھتانا پڑے۔ یا اسرائیلی کو مجرم اس حیثیت سے کہا کہ وہ وقوع جرم کا سبب بنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۲ یعنی انتظار کرتے اور راہ دیکھتے تھے کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد لے گئے ہوں گے دیکھئے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔

ف۳ یعنی اسی اسرائیلی کی لڑائی آج کسی اور سے ہو رہی تھی۔

ف۴ یعنی روز ظالموں سے الجھتا ہے اور مجھ کو لڑواتا ہے۔

ف۵ ہاتھ ڈالنا چاہا اس ظالم پر بول اٹھا مظلوم جانا کہ زبان سے مجھ پر غصہ کیا ہے، ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے۔ وہ کل کا خون چھپا رہا تھا کہ کس نے کیا۔ آج اس کی زبان سے مشہور ہوا۔ (موضح)

=

ع۵

يَّتَرَقَّبُ ز قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

راہ دیکھتا بولا اے رب بچالے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے۔

راہ دیکھتا، بولا، اے رب! خلاص کر مجھ کو اس قوم بے انصاف سے۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ شباب کا واقعہ

قال تعالیٰ: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى ... الی ... رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کی غیبی حفاظت اور دشمن کے گھر میں ان کی تربیت کا ذکر فرمایا اب ان کے زمانۂ شباب کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام پرورش پا کر اپنی پوری جوانی اور کمال قوت کو پہنچے اور قوت عقلیہ کے لحاظ سے بھی کمال اور اعتدال کو پہنچ گئے تو ہم نے ان کو خاص حکمت اور خاص علم وفہم عطا کیا اور آئندہ [1] چل کر ان کے لئے نبوت ورسالت کو مقدر کیا اور اس کو بعید نہ سمجھو ہم اپنے نیکو کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ کے حکم کی فرماں برداری کی اور اپنے بچے کو سمندر میں ڈال دیا اور اللہ عزوجل کے وعدہ کو دل سے سچا جانا تو بچہ واپس مل گیا اور بچہ کو علم وحکمت عطا کر دیا گیا۔ نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلا ملا کرتا ہے اور اسی زمانہ شباب کا ایک واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شہر مصر کے اندر داخل ہوئے لوگوں کی غفلت اور بے خبری کے وقت میں شہر میں داخل ہوئے یعنی دوپہر کے وقت جو قیلولہ اور آرام کا وقت ہے یا رات کے وقت جو سونے کا وقت ہے یا مغرب وعشاء کے درمیان۔ تو شہر کے اندر دو شخصوں کو لڑتا ہوا پایا ایک تو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ سے تھا یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں کے گروہ سے تھا یعنی قبطیوں میں سے تھا۔ پس اس شخص نے جو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ سے تھا اس شخص کے مقابلہ میں فریاد کی جوان کے دشمنوں میں سے تھا کہ مجھ سے اس فرعونی کا ظلم دفع کریں اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی مدد کریں غرض یہ کہ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر مدد اور اعانت چاہی کہ اس ظالم قبطی کے پنجۂ ظلم سے مجھ کو چھڑائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی سے کہا کہ اس کو چھوڑ دو اس نے نہ مانا پس موسیٰ علیہ السلام نے ظالم کو مظلوم سے دفع کرنے کے لئے اس ظالم کو ایک مکا مارا پس اس کے مکہ نے اس ظالم کا کام تمام کر دیا موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قبطی کے قتل کا نہ تھا صرف قبطی کے ظلم کو دفع کرنا تھا اور مظلوم [2] کی اعانت اور امداد تمام ملتوں میں اور تمام حکومتوں میں عقلاً وشرعاً لازم ہے موسیٰ علیہ السلام نے بغرض تادیب وتنبیہ اس ظالم کے ایک گھونسا مارا۔ قضاء وقدر سے اتفاق ایسا ہوا کہ اسی گھونسے

=ف۶ یعنی زور زبردستی سے قتل کرنا ہی آتا ہے، یہ نہیں کہ سمجھا بجھا کر فریقین میں صلح کروادے۔

ف۷ یعنی خون کی خبر فرعون کو پہنچ گئی۔ وہاں مشورے ہوئے کہ غیر قوم کے آدمی کا یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ شاہی قوم کے افراد اور سرکاری ملازموں کو قتل کر ڈالے۔ سپاہی دوڑائے گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لائیں۔ شاید مل جاتے تو قتل کرتے، اسی مجمع میں سے ایک نیک طینت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خیر خواہی ڈال دی۔ وہ جلدی کر کے مختصر راستہ سے بھاگا ہوا آیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واقعہ کی اطلاع کر کے مشورہ دیا کہ تم فوراً شہر سے نکل جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ سنایا ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ لوگ ان کی جان لینے کی فکر کریں گے اور وہ بھی وطن سے نکلیں گے۔ چنانچہ کافر سب اکٹھے ہوئے تھے کہ ان پر مل کر چوٹ کریں، اسی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وطن سے ہجرت کر گئے۔

[1] قال القرطبی کان ھذا قبل النبوۃ: ۱۳/۲۵۸

[2] تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۶۰

میں اس کی موت تھی گھونسا لگتے ہی اس کا وقت پورا ہو گیا موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ وہ ایک گھونسا لگنے سے یکا یک مر گیا تو نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو شیطان کے کام سے معلوم ہوتا ہے بے شک شیطان کھلا گم راہ کرنے والا دشمن ہے شیطان ہر وقت اس تاک میں رہتا ہے کہ انسان کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے چونکہ انبیاء کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ابتداء سن شعور سے لے کر اخیر تک خلاف اولیٰ اور ترک افضل پر بھی استغفار کرتے ہیں جو ان کے کمال تقویٰ اور کمال ورع کی دلیل ہے اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اس معمولی غفلت اور غیر اختیاری فعل پر بھی استغفار کی اور کہا اے پروردگار بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ بغیر تیرے حکم نازل ہوئے میں نے ایک قبطی کو مار ڈالا پس تو مجھے بخش دے مجھے اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ایک مکا مارنے سے وہ مر جائے گا۔ امید ہے کہ آپ میری اس بھول چوک کو معاف فرما دیں گے جس طرح آدم علیہ السلام نے اپنی بھول چوک پر ﴿رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا﴾ کہا تھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی ﴿رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ﴾ کہا۔

پس اللہ نے ان کی بھول چوک کو بخش دیا۔ بے شک وہی ہے بڑا بخشنے والا مہربان۔ موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ کے متعلق تو توبہ اور استغفار کی اور آئندہ کے متعلق یہ کہا اے پروردگار میں بحق انعام تجھ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی مجرموں کا مددگار اور پشت پناہ نہ بنوں گا۔ یعنی آئندہ کسی کی ایسی مدد نہ کروں گا کہ جو گناہ کا سبب بن جائے جیسا کہ اس وقت سبطی کی مدد کرنے سے قبطی قتل ہو گیا آئندہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو مجرمین کی اعانت اور امداد کا سبب بن جائے موسیٰ علیہ السلام اگرچہ اس وقت نبی اور رسول نہ تھے مگر اعلیٰ درجہ کے ولی تو ضرور تھے انبیاء کرام اگرچہ نبوت سے پہلے نبی نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے ولی اور متقی ہوتے ہیں اپنے ذرا ذرا عمل کا محاسبہ کرتے ہیں۔ ادنیٰ سے سہو و نسیان اور معمولی سے معمولی لغزش پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اپنے آدمی کو ظالم کے پنجے سے چھڑانا تھا۔ ظالم کا شر دفع کرنے کے لئے مکا مارا۔ اتفاقاً اس کا دم نکل گیا ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ مارنے کا بالکل نہ تھا۔ شاید مکا مارنے سے کسی غفلت یا عجلت کا کوئی شائبہ آ گیا۔ اس لئے ﴿هٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ﴾ فرمایا۔ حضرات انبیاء کرام کا طریقہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے سہو و غفلت کو شیطان کی آمیزش خیال کرتے ہیں اور بصد گریہ و زاری اور بصد شرم ساری خدا تعالیٰ سے اپنی غفلت کی معافی مانگنے لگتے ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا۔ ﴿رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَكُوۡنَ ظَهِيۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِيۡنَ﴾ مگر اس کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہا لہٰذا اگلے روز پھر ایسے ہی معاملہ میں مبتلا ہو گئے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کے قتل کی وجہ سے رات شہر میں گزاری تا کہ کسی کو اطلاع نہ ہو رات بھر یہی اندیشہ رہا۔ صبح کو اٹھے اور شہر میں داخل ہوئے درآں حالیکہ خوف زدہ تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے کل جو معاملہ پیش آیا تھا اس کا کیا ہوتا ہے آیا وہ دب گیا یا اس کی خبر منتشر ہو گئی پس ناگاہ اسی شخص کو پایا کہ جس نے کل آپ علیہ السلام سے مدد چاہی تھی کہ آج پھر وہی شخص دوسرے قبطی کے مقابلہ میں فریاد کر رہا ہے اور آپ علیہ السلام کو مدد کے لئے پکار رہا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تحقیق تو کھلا گم راہ ہے روز کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ قصد کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کو دشمن ہے۔ مراد فرعونی ہے جو اسرائیلی اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا مخالف تھا موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اٹھایا تا کہ قبطی کو ماریں اور اسرائیلی کو اس کے پنجۂ ظلم سے نکالیں چونکہ موسیٰ علیہ السلام

قبطی پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے اسرائیلی پر غصہ ہو چکے تھے اور اسرائیلی آپ علیہ السلام کی زبان سے یہ سن چکا تھا ﴿اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾۔ اس لئے اسرائیلی نے یہ گمان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام مجھے مارنا چاہتے ہیں اور میرے مارنے کے لئے یہ ہاتھ اٹھایا ہے اس لئے ان سے اپنی جان بچانے کے لئے گھبرا کر یہ کہا: اے موسیٰ! کیا آج تو مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے جیسا کہ کل گزشتہ تو ایک جان مار چکا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ تیرا ارادہ یہ ہے کہ تو زمین میں زور آور بن کر رہے اور یہ نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ اسرائیلی کی زبان سے اس لفظ کا نکلنا تھا کہ سارے شہر میں مشہور ہو گیا اور کل کا خون جو چھپا ہوا تھا وہ آشکارا ہو گیا۔ اس خون کی خبر فرعون کو بھی پہنچ گئی۔ فوراً مشورے شروع ہو گئے کہ اس شخص کو گرفتار کر کے لایا جائے اور قتل کر دیا جائے۔

اور اس مجمع میں ایک شخص موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ اور محب بھی تھا وہ شہر کے اس کنارہ سے جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا گلیوں سے ہو کر دوڑتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں پس میں آپ علیہ السلام کو محبانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ علیہ السلام یہاں سے فوراً نکل جائے بلاشبہ میں آپ علیہ السلام کے خیر خواہوں میں سے ہوں پس موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر فوراً وہاں سے نکل گئے درآں حالیکہ وہ خوف زدہ اور دہشت زدہ تھے۔ اور اس انتظار اور خیال میں تھے کہ شاید پیچھے پیچھے ان کے تعاقب میں کوئی آ رہا ہو۔ راستہ بھی معلوم نہ تھا۔ پریشان تھے کہ کدھر جائیں اس لئے دعا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو ظالموں کے گروہ سے نجات دے اور امن کی جگہ پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی کہ ان کی دعا کے مطابق ان کو مدین کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ جہاں پہنچ کر ان کو امن اور اطمینان نصیب ہوا اور ظالموں سے نجات ملی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ نے ان کو سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرعون نے ان کے تعاقب کے لئے کچھ سوار بھی روانہ کئے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ

اور جب منہ کیا مدین کی سیدھ پر بولا امید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر ف۱ اور جب پہنچا

اور جب منہ دھرا مدین کی سیدھ پر، بولا، امید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر۔ اور جب پہنچا

مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ

مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت کو لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے ف۲ اور پایا ان سے ورے دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں،

مدین کے پانی پر، پائے وہاں جمع ہو رہے لوگ پانی پلاتے، اور پائیں ان کے سوا دو عورتیں روکے کھڑیں۔

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى

بولا تمہارا کیا حال ہے بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی چرواہوں کے پھیر لیجانے تک ف۳ اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا ف۴ پھر اس نے پانی پلا دیا

بولا، تم کو کیا کام ہے؟ بولیں، ہم نہیں پلاتے پانی، جب تک پھیر لے جائیں چرواہے۔ اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا۔ پھر اس نے پلا دیئے

ف۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کھڑے ہوئے، راہ سے واقف نہ تھے۔ اللہ سے درخواست کی کہ سیدھی راہ پر چلائے۔ اس نے "مدین" کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ جہاں پہنچا کر انہیں امن و اطمینان کے ساتھ متاہل بنانا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں، بلکہ بہت دور تک کی سیدھی راہ پر لے چلنا تھا۔ =

لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰىۤ اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ

ان کے جانوروں کو ف۱ پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف. بولا اے رب تو جو چیز اتارے میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں ف۲ پھر آئی

ان کے جانور، پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف، بولا، اے رب! تو جو اتارے میری طرف اچھی چیز، میں اس کا محتاج ہوں۔ پھر آئی

اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ ؗ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ

اس کے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے ف۳ بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق اس کا کہ تو نے پانی پلا دیا

اس پاس ان دونوں میں سے ایک، چلتی شرم سے۔ بولی، میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق اس کا، کہ تو نے پلا دیئے

لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ

ہمارے جانوروں کو ف۴ پھر جب پہنچا اس کے پاس اور بیان کیا اس سے احوال کہا مت ڈر بچ آیا تو اس قوم

ہمارے جانور، پھر جب پہنچا اس پاس اور بیان کیا اس سے احوال، کہا مت ڈر۔ بچ آیا تو اس قوم

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ

بے انصاف سے ف۵ بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو

بے انصاف سے۔ بولی ان دونوں میں سے ایک، اے باپ! اس کو نوکر رکھ لے، البتہ بہتر نوکر جو تو رکھا چاہتا ہے وہ جو زور آور ہو

الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ

امانت دار ف۶ کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس ف۷

امانتدار۔ کہا، میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی، ان دونوں میں سے اس پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس۔

= ف۲ "مدین" "مصر" سے آٹھ دس دن کی راہ ہے۔ وہاں پہنچے بھوکے پیاسے، دیکھا کنوئیں پر لوگ اپنے مواشی کو پانی پلا رہے ہیں۔

ف۳ وہ دونوں بکریاں لے کر حیا سے کنارے کھڑی تھیں۔ اتنی قوت نہ تھی کہ مجمع کو ہٹا دیں یا بذات خود بھاری ڈول نکال لیں۔ شاید اوروں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہوں۔

ف۴ یعنی ہمارا باپ جوان اور توانا ہوتا تو ہم کو آنا نہ پڑتا۔ وہ خود ان مردوں سے نپٹ لیا کرتا۔

ف۱ پیغمبروں کے فطری جذبات وملکات ایسے ہوتے ہیں، تھکے ماندے، بھوکے پیاسے تھے مگر غیرت آئی کہ میری موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے۔ اٹھے اور مجمع کو ہٹا کر یا ان کے بعد کنوئیں سے تازہ پانی نکال کر لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کیا۔

ف۲ یعنی اے اللہ کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا۔ البتہ تیری طرف سے کوئی بھلائی پہنچے اس کا ہمہ وقت محتاج ہوں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "عورتوں نے پہچانا کہ چھاؤں پکڑتا ہے مسافر ہے۔ دور سے آیا ہوا، تھکا، بھوکا۔ جا کر اپنے باپ سے کہا (وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے، علی القول المشہور) ان کو درکار تھا کہ کوئی مرد ملے نیک بخت جو بکریاں تھامے اور بیٹی بھی بیاہ دیں۔" (موضح)

ف۳ جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شرم کے مارے چہرہ چھپا کر بات کی۔

ف۴ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کر رہے تھے۔ اس نے اپنے فضل سے غیر متوقع طور پر خیر بھیجی، تو قبول کیوں نہ کرتے۔ اٹھ کر عورت کے ساتھ ہو لیے۔ لکھتے ہیں کہ چلتے وقت اس کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے آؤ۔ مبادا اجنبیہ پر عمداً نظر کرنے کی نوبت آئے۔ چنانچہ وہ پیچھے پیچھے راستہ بتلاتی ان کو لے کر گھر پہنچی۔

ف۵ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ اب تو اس ظالم قوم کے پنجہ سے بچ نکلا۔ انشاء اللہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا)

ف۶ یعنی موسیٰ علیہ السلام میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ زور دیکھا، ڈول نکالنے یا مجمع کو ہٹا دینے سے، اور امانت دار سمجھا بے طمع اور عفیف ہونے سے۔ =

فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

پھر اگر تو پورے کر دے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے ف۱ اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا

پھر اگر تو پوری کرے دس، تو تیری طرف سے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں۔ تو آگے پائے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا،

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ

نیک بختوں سے ف۲ بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کر دوں سو زیادتی نہ ہو مجھ پر

نیک بختوں سے۔ بولا یہ ہو چکا میرے تیرے بیچ۔ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کر دوں، سو زیادتی نہ ہو مجھ پر۔

وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

اور اللہ پر بھروسہ اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں ف۳

اور اللہ پر بھروسا اس کا جو ہم کہتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی جانب سفر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ ... الی ... وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ایک خیر خواہ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ علیہ السلام فوراً مصر سے نکل جائیے موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ ﴿رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ظالموں سے نجات کا ایک ذریعہ بنایا چنانچہ وہ مصر سے نکل کھڑے ہوئے راہ سے واقف نہ تھے توکلاً علی اللہ ایک سمت پر چل پڑے اور جب بالقاء غیبی شہر مدین کی طرف متوجہ ہوئے اور قضاء وقدر نے وجہ (منہ) کو مدین کی طرف کر دیا اور "مدین" ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تو جب ادھر متوجہ ہوئے تو کہنے لگے مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو سیدھے راستہ پر لے جائے گا اللہ نے ان کی امید کو پورا کیا اور دنیا اور آخرت کے اعتبار سے ان کو سیدھا راستہ دکھایا اور اس پر چلایا اور منزل مقصود تک پہنچایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ایسی تھی جیسا [1] کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے شہر سے چلتے وقت کہا تھا۔ ﴿اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى

= ف۱ شاید یہ ہی خدمت لڑکی کا مہر تھا۔ ہمارے حنفیہ کے ہاں اب بھی اگر بالغہ راضی ہو تو اس طرح کی خدمت اقارب مہر ٹھہر سکتا ہے (کذا نقلہ الشیخ الانور اطال اللہ بقاءہ) یہاں صرف نکاح کی ابتدائی گفتگو مذکور ہے۔ ظاہر ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے نکاح کرتے وقت ایک لڑکی کی تعیین اور اس کی رضامندی حاصل کر لی ہوگی۔

ف۱ یعنی کم از کم آٹھ برس میری خدمت میں رہنا ضروری ہوگا۔ اگر دو سال اور زائد رہے تو تمہارا تبرع ہے۔

ف۲ یعنی کوئی سخت خدمت تم سے نہ لوں گا، تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ ہو جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں، میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں، بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے انس حاصل کرو گے۔

ف۳ یعنی مجھے اختیار ہوگا کہ آٹھ برس رہوں یا دس برس۔ بہر حال جو معاہدہ ہو چکا خدا کے بھروسہ پر مجھے منظور ہے۔ اللہ کو گواہ بنا کر معاملہ ختم کرتا ہوں۔ احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑی مدت (یعنی دس برس) پورے کیے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وطن سے نکلے، سو آٹھ برس پیچھے آ کر مکہ فتح کیا۔ اگر چاہتے اسی وقت کافروں سے شہر خالی کرا لیتے لیکن اپنی خوشی سے دس برس پیچھے کافروں سے پاک کیا۔"

[1] دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۴۶۹

رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہوئے منہ مدین کی طرف تھا اور دل خداوند ذوالمنن کی طرف تھا اور جب چلتے چلتے شہر مدین کے پانی پر پہنچے یعنی اس کنویں پر پہنچے جو شہر کے کنارہ پر تھا تو اس کنویں پر ایک مجمع اور ہجوم دیکھا کہ لوگ وہاں جمع ہیں اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان لوگوں سے علیحدہ ایک طرف دو عورتیں پائیں کہ جو اپنی بکریوں کو ہانکتی اور روکتی تھیں کہ ان کی بکریاں دوسروں کی بکریوں میں نہ مل جائیں یہ دونوں شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں تھیں مگر چونکہ بالغہ تھیں اس لئے ان کو عورتیں کہا۔ حیا اور شرم کی وجہ سے ایک طرف کھڑی تھیں ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ مردوں کی مزاحمت کر سکیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو ان کے حال پر رحم آیا تو کہا کہ تم دونوں کا کیا حال ہے ان دونوں نے جواب دیا ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلائیں گے جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر نہ لے جائیں ہم کو اس ہجوم کی مزاحمت پسند نہیں اور ہم بحالت مجبوری یہاں آئی ہیں سوائے باپ کے ہمارا کوئی سہارا نہیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتا اس لئے مجبوراً ہم کو گھر سے نکل کر یہاں آنا پڑا ہم دو ضعیف عورتیں ہیں مردوں کی مزاحمت پر قادر نہیں اس لئے ان کے واپس ہونے کے بعد ہم اپنی بکریوں کو پانی پلا سکیں گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کی یہ بات سنی تو ان کے حال پر رحم آیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے پانی کھینچ کر ان کی بکریوں کو پلا دیا تا کہ لاچار کی اعانت اور امداد کا اجر اور ثواب ان کو ملے پھر وہاں سے مڑ کر کسی سایہ کی جگہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں جا کر بیٹھ گئے اور لڑکیوں کی طرف کوئی التفات نہ کیا پس ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو گئے اور یہ دعا کی۔ اے میرے پروردگار میں آپ کی نازل فرمودہ خیر و برکت اور رزق و نعمت کا محتاج ہوں۔ میں فقیر مطلق ہوں اور آپ کریم مطلق ہیں۔ آپ کے سامنے ہوں خزانہ غیب سے جو مل جائے اس کا امیدوار اور منتظر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کے لئے سامان کیا۔

دونوں لڑکیوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ ایک جوان ہے اور ایسا توانا ہے کہ جس چٹان کو دس آدمی اٹھاتے ہیں اس نے اس کو تن تنہا ہٹا دیا اور اس کی امانت اور دیانت اور عفت اور پاک دامنی کا یہ حال ہے کہ اس نے ہماری مدد تو کر دی مگر ہماری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا بڑا ہی نیک بخت اور عفیف ہے اور اس کی عبودیت کا یہ حال ہے کہ خدائے تعالیٰ سے دعا اور التجا میں غرق ہے اس شخص کا حال اور قال اس کے باطن کی ترجمانی کر رہا ہے آخر وہ دونوں پیغمبر کی صاحب زادیاں تھیں اس قسم کی کیفیتوں اور حالتوں سے بے خبر نہ ہوں گی۔ دونوں لڑکیاں گھر واپس آ گئیں باپ نے دریافت کیا کہ آج خلاف معمول کیسے جلد واپس آ گئیں انہوں نے سارا ماجرا سنایا اور بتلایا کہ ایک نو وارد مسافر آیا ہے اور بڑا نیک اور قوی معلوم ہوتا ہے اس نے ہماری مدد کی اور اے باپ آپ کو اپنی خدمت کے لئے اور گھر کے کاروبار کے لئے ایک آدمی درکار ہے اس شخص کو ملازم رکھ لیجئے یہ سن کر شعیب علیہ السلام کو اس کی سچائی میں کوئی تردد نہ ہوا اور شعیب علیہ السلام نے ایک لڑکی سے کہا کہ اچھا اس کو بلا لاؤ اور میرے پاس لے کر آؤ پس ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہایت حیا اور شرم سے چلتی ہوئی آئی اس طرح سے آنا صاحب زادی کے کمال ایمان کی دلیل تھی۔ کیونکہ حیا ایمان کا عظیم اور درمیانی شعبہ ہے جس پر تمام اخلاق فاضلہ کا مدار ہے اور آ کر یہ کہا کہ میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے تا کہ تجھ کو اس چیز کا صلہ اور بدلہ دے کہ جو تو نے ہمارے لئے پانی کھینچا اور ہماری بکریوں کو پلایا۔ لڑکیوں نے یہ بات اپنے خیال سے کہی کہ باپ کا ارادہ اجرت اور معاوضہ دینے کا ہے۔ ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾۔ ہمارے باپ کی عادت اور سرشت ہے۔ غالباً انہوں نے اسی احسان کے مکافات کے لئے بلایا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام نے مزدوری حاصل کرنے کے

لئے پانی نہیں پلایا تھا اور عجب نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو دل سے یہ بات ناگوار گزری ہو کہ میں نے یہ کام محض اللہ کے لئے کیا تھا نہ کہ مزدوری کے لئے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوڑھے بزرگ کی دعوت کو موجب خیر و برکت سمجھ کر قبول کیا کہ ایک بوڑھا اور ناتواں شخص مجھے بلا رہا ہے اس لئے وہ اٹھے اور کہا کہ اچھا چلتا ہوں تم زبان سے مجھے راستہ بتاتی جاؤ۔ جب وہاں پہنچے تو شعیب علیہ السلام نے کہا کیا تو بھوکا نہیں۔ کہا ہاں بھوکا ہوں لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ جانوروں کے پانی پلانے کا عوض لوں۔ میں اس خاندان کا ہوں کہ جو آخرت کے عمل کو روئے زمین کے برابر سونے کے عوض میں بھی نہیں بیچتے۔ شعیب علیہ السلام نے کہا لَا وَاللّٰہِ خدا کی قسم یہ مطلب ہرگز نہیں ولیکن میرے آباؤ اجداد کی عادت مہمانی ہے اس لئے ہم ہر مہمان کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۷۱) یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام بیٹھ گئے اور کھانا کھایا۔ پھر اپنا سارا قصہ بیان کیا اس طرح سمجھو کہ موسیٰ علیہ السلام کا دعوت قبول کرنا حکم خداوندی اور سنت انبیاء کے اتباع میں تھا کہ ایک بزرگ کی دعوت قبول کرنا انبیاء کی سنت ہے نہ کہ اپنے عمل پر اجرت لینے کے لئے تھا اگرچہ فاقہ کی شدت اور عند الضرورت اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ خود موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ میں گزر چکا ہے۔ ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾۔

غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام کی دعوت کی بنا پر ان کے پاس آئے اور ان سے اپنا سارا قصہ بیان کیا اور ابتداء ولادت سے لے کر اب تک کا سارا حال ان کو بتایا۔ شعیب علیہ السلام نے سن کر ان کو تسلی دی اور کہا ڈرو مت تم نے ظالموں سے نجات پائی یعنی یہاں فرعون کی سلطنت نہیں بعد ازاں شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بولی جن کا نام صفورا تھا اے والد بزرگوار اس کو اپنا نوکر رکھ لیجئے تاکہ ہماری بکریاں چرایا کرے۔ تحقیق بہترین وہ شخص جس کو اپنا اجیر اور نوکر رکھیں وہ شخص ہے جو مضبوط اور توانا ہو اور امانت دار ہو۔ قوت اور توانائی کا تو یہ حال ہے کہ جو پتھر دس آدمیوں سے نہیں اٹھ سکتا تھا۔ اس شخص نے تن تنہا اس کو نہایت سہولت سے اٹھا کر رکھ دیا اور امانت کا یہ حال ہے کہ اس شخص نے مجھ کو پیچھے چلنے کو کہا کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور زبان سے راستہ بتاتی چلو۔ اور جس میں یہ دو خصلتیں ہوں یعنی قوت اور امانت وہ خوب خدمت انجام دے گا۔ شعیب علیہ السلام نے بیٹی کے اس مشورہ کو قبول کیا بعد ازاں حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تحقیق میں یہ چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کو تیرے نکاح میں دے دوں اس شرط اور اس قول و قرار پر کہ آٹھ برس تو میری نوکری کرے اور یہی نوکری اس نکاح کا بدل اور مہر ہے حاصل یہ کہ آٹھ سال کی خدمت یہی اس نکاح کا مہر ہے لہٰذا آٹھ سال تک تو یہاں رہنا ضروری ہے پس اگر تو دس سال پورے کر دے تو یہ تیری طرف سے تبرع اور احسان ہوگا اور میں تجھ پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا۔ عن قریب ان شاء اللہ تعالیٰ تو مجھے نیک بختوں میں سے پائے گا کہ میری صلاح اور نیکی کا اثر میری بیٹی میں دیکھے گا کہ وہ لڑکی بھی صالحات اور قانتات میں سے ہوگی اور میں تجھ سے کوئی ایسی خدمت نہ لوں گا کہ جو باعث مشقت اور گرانی ہو۔ شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیاں تھیں بڑی کا نام صفورا تھا اور چھوٹی کا نام ''لیا'' تھا۔

کما قالہ محمد بن اسحاق۔ تفسیر کبیر: ۶/۴۷۰۔

جب بیٹی نے باپ سے موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور امانت کی تعریف کی تو شعیب علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا کہ یہ نوجوان میری لڑکی کی نظر میں پسندیدہ ہے پس اگر میں اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کر دوں تو یہ اس پر راضی ہوگی اس لئے بیٹی کی بات کا تو جواب نہ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے ﴿إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ﴾ کہ میں ان دو

لڑکیوں میں سے ایک لڑکی تیرے نکاح میں دینا چاہتا ہوں بشرطیکہ آٹھ سال تو میری نوکری کرے موسیٰ علیہ السلام نے اس معاملہ کو منظور کرلیا اور کہا کہ میرے اور تیرے درمیان یہ عہد قرار پا گیا اور بات پکی ہوگئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جس مدت کو بھی میں پورا کردوں تو مجھ پر کوئی جبر اور زیادتی نہ ہوگی اور جو ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے اور کارساز ہے اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کو پورا کرنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ وہی سب کا کارساز ہے۔ اللہ کی شہادت اور اس کے توکل پر معاملہ ختم کیا۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس کی مدت پوری کی۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وطن سے نکلے سو آٹھ برس پیچھے آ کر مکہ فتح کیا اگر چاہتے تو اسی وقت کافروں سے شہر خالی کرا لیتے لیکن اپنی خوشی سے دس برس پیچھے کافروں سے مکہ کو پاک کیا" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو کسی مرد صالح پر پیش کرے جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اپنی بیٹیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔

مسئلہ:...... خدمت کو لڑکی کا مہر مقرر کرنا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾۔ اور حدیث میں ہے لا مهر اقل من عشرة دراهم تفصیل کے لئے شروح ہدایہ دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام مدین آنے سے پہلے قصر شاہی میں عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے اب خدا نے کو پیغمبر کے گھرانہ میں پہنچا دیا جہاں دن رات اللہ کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی تھیں اس طرح ایک نبی کی خانقاہ اور دارالتربیت میں پہنچا دیئے گئے تاکہ دس سالہ نصاب تربیت مکمل ہو جانے کے بعد ان کو محض اپنے فضل و رحمت سے نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کریں اور فرعون اور فرعونیوں کو اپنی قدرت کے کرشمے اور اپنے نبی کے معجزے دکھلائیں اور جب مجرمین کا پیمانہ جرم لب ریز ہو جائے تو یک لخت سب کو ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

شعیب علیہ السلام نے بظاہر معاملہ اجارہ کیا لیکن درحقیقت ان کی قوت اور امانت کو دیکھ کر اپنی صاحبزادی دینے کا ارادہ فرمایا اور نور نبوت سے ان کی صلاحیت اور باطنی استعداد کا اندازہ لگا لیا اور آٹھ دس سال قیام کی شرط لگا کر اپنی تربیت میں رکھنا مقصود تھا کہ مقام ارادت سے ترقی کرکے کمال استقامت کو پہنچ جائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لے کر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی کوہ طور کی طرف سے ایک آگ کہا اپنے گھر والوں کو

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت، اور لے کر چلا اپنے گھر والوں کو، دیکھی پہاڑ کی طرف سے ایک آگ۔ کہا، اپنے گھر والوں کو،

امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ

ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر یا انگارا آگ کا تاکہ

ٹھہرو! میں نے دیکھی ہے ایک آگ، شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر، یا انگارہ آگ کا، شاید

تَصۡطَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىہَا نُوۡدِیَ مِنۡ شَاطِیَٴ الۡوَادِ الۡاَیۡمَنِ فِی الۡبُقۡعَۃِ الۡمُبٰرَکَۃِ مِنَ

تم تاپو پھر جب پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے تختہ میں

تم تاپو۔ پھر جب پہنچا اس پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے، برکت والے تختہ سے، اس

الشَّجَرَۃِ اَنۡ یّٰمُوۡسٰۤی اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ اَنۡ اَلۡقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہَا تَہۡتَزُّ

ایک درخت سے ف۱ کہ اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کا رب اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے

درخت سے، کہ اے موسیٰ ! میں ہوں میں اللہ جہان کا رب۔ اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی، پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے،

کَاَنَّہَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰۤی اَقۡبِلۡ وَ لَا تَخَفۡ ۟ اِنَّکَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ ﴿۳۱﴾

جیسے سانپ کی شک الٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر اے موسیٰ آگے آ اور مت ڈر تجھ کو کچھ خطرہ نہیں

جیسے سانپ کی شک ہے، الٹا پھرا منہ موڑ کر، اور نہ پیچھے دیکھا۔ اے موسیٰ آگے آ۔ اور نہ ڈر، تجھ کو خطرہ نہیں۔

اُسۡلُکۡ یَدَکَ فِیۡ جَیۡبِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ ۫ وَّ اضۡمُمۡ اِلَیۡکَ جَنَاحَکَ مِنَ

ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکل آئے سفید ہو کر نہ کہ کسی برائی سے ف۲ اور ملا لے اپنی طرف اپنا بازو

پیٹھا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں، نکل آئے چٹا، نہ کچھ برائی سے، اور ملا اپنی طرف اپنا بازو

الرَّہۡبِ فَذٰنِکَ بُرۡہَانٰنِ مِنۡ رَّبِّکَ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۳۲﴾

ڈر سے ف۳ سو یہ دو سندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں پر ف۴ بیشک وہ تھے لوگ نافرمان

ڈر سے، سو یہ دو سندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں پر، بیشک وہ تھے لوگ بےحکم۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡہُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿۳۳﴾ وَ اَخِیۡ ہٰرُوۡنُ ہُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ

بولا اے رب میں نے خون کیا ہے ان میں ایک جان کا سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں گے ف۵ اور میرا بھائی ہارون اس کی

بولا، اے رب ! میں نے، خون کیا ہے ان میں ایک جی کا، سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں گے۔ اور میرا بھائی ہارون، اس کی

لِسَانًا فَاَرۡسِلۡہُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ ۫ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ

زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں ف۶ فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو

زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ، سو اس کو بھیج ساتھ میرے مدد کو، کہ مجھ کو سچا کرے، میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں۔ فرمایا، ہم زور دیں گے تیرے بازو کو

ف۱ یہ وہ ہی درخت تھا جس پر آگ بھڑکتی ہوئی نظر آئی۔

ف۲ شروع رکوع سے یہاں تک کے مفصل واقعات سورۃ "طٰہٰ" وغیرہ میں گزر چکے ملاحظہ کر لیے جائیں۔

ف۳ یعنی بازو کو پہلو سے ملا لو۔ سانپ وغیرہ کا ڈر جاتا رہے گا۔ شاید آگے کے لیے بھی خوف زائل کرنے کی یہ ترکیب بتلائی ہو۔

ف۴ یعنی معجزہ "عصا" و "ید بیضاء" بطور سند نبوت کے دیے گئے ہیں تاکہ فرعون اور اس کی قوم پر اتمام حجت کر سکے۔

ف۵ یعنی پہنچتے ہی قتل کر دیا تو آپ کی دعوت کیسے پہنچاؤں گا۔ .... =

بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا

تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے تم اور جو تمہارے ساتھ ہو

تیرے بھائی سے اور دیں گے تجھ کو غلبہ، پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک۔ ہماری نشانیوں سے، تم اور جو تمہارے ساتھ ہو

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا

غالب رہو گے ف۱ پھر جب پہنچا ان کے پاس موسیٰ لے کر ہماری نشانیاں کھلی ہوئی بولے اور کچھ نہیں یہ جادو ہے باندھا ہوا ف۲ اور ہم نے

اوپر رہو گے۔ پھر جب پہنچا ان پاس موسیٰ لے کر ہماری نشانیاں کھلی، بولے، اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جوڑ لیا، اور ہم نے

سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ

سنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں ف۳ اور کہا موسیٰ نے میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی لایا ہے ہدایت کی بات اس کے پاس سے

سنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں۔ اور کہا موسیٰ نے، میرا رب بہتر جانتا ہے، جو کوئی لایا ہے سوجھ کی بات اس کے پاس سے،

وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا

اور جس کو ملے گا آخرت کا گھر بیشک بھلا نہ ہوگا بےانصافوں کا ف۴ اور بولا فرعون اے دربار والو مجھ کو

اور جس کو ملے گا پچھلا گھر۔ بیشک بھلا نہ ہوگا بےانصافوں کا۔ اور بولا فرعون، اے دربار والو! مجھ کو

عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ

تو معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو پھر بنا میرے واسطے ایک محل تاکہ میں

معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم میرے سوا۔ سو آگ دے اے ہامان! میرے واسطے گارے کو، پھر بنا میرے واسطے ایک محل، شاید میں

اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي

جھانک کر دیکھ لوں موسیٰ کے رب کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے ف۵ اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں

جھانک دیکھوں موسیٰ کا رب، اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے۔ اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر، ملک میں

= ف۶ یعنی کوئی تصدیق وتائید کرنے والا ساتھ ہو تو فطرۃً دل مضبوط وقوی رہتا ہے۔ اور ان کے جھٹلانے پر اگر بحث ومناظرہ کی نوبت آ جائے تو میری زبان کی لکنت ممکن ہے بولنے میں رکاوٹ ڈالے۔ اس وقت ہارون کی رفاقت مفید ہوگی۔ کیونکہ ان کی زبان زیادہ صاف اور تیز ہے۔

ف۱ یعنی دونوں درخواستیں منظور ہیں، ہارون تمہارے قوت بازو رہیں گے اور فرعونیوں کو تم پر کچھ دسترس نہ ہوگی۔ ہماری نشانیوں کی برکت سے۔ تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب ومنصور رہیں گے۔

ف۲ یعنی معجزات دیکھ کر کہنے لگے جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا، اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے۔ حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں۔ محض ساحرانہ تخییل وافتراء ہے۔

ف۳ یعنی جو باتیں یہ کرتا ہے (مثلاً ایک خدا نے ساری دنیا کو پیدا کیا، اور ایک وقت سب کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کرے گا پھر حساب کتاب ہوگا اور مجھ کو اس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، وغیرہ وغیرہ) اپنے اگلے بزرگوں سے ہمارے کانوں میں یہ چیزیں کبھی نہیں پڑیں۔

ف۴ یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور اسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لیے انجام میرا ہی بہتر ہوگا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی =

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي

ناحق اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو، پھر پھینک دیا ہم نے ان کو

ناحق، اور اٹکلے کہ وہ ہماری طرف پھر نہ آئیں گے۔ پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو، پھر پھینک دیا ہم نے ان کو

الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ

دریا میں سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گناہ گاروں کا ف۱ اور کیا ہم نے ان پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف ف۲

پانی میں۔ سو دیکھ ! آخر کیسا ہوا گناہگاروں کا۔ اور کیا ہم نے ان کو سردار بلاتے دوزخ کی طرف۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ

اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی ف۳ اور پیچھے رکھ دی ہم نے ان پر اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن

اور قیامت کے دن ان کو مدد نہیں۔ اور پیچھے رکھی ان پر اس دنیا میں پھٹکار۔ اور قیامت کے دن

مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۴

ان پر برائی ہے ف۴

ان پر برائی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے مصر کی طرف واپسی اور اثناء سفر میں منصب نبوت ورسالت سے سرفرازی اور بغرض تبلیغ ودعوت فرعون کی طرف جانے کا حکم اور حفاظت اور غلبہ کا وعدہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ ... الی ... وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾

=نشانیاں دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر ناانصافی سے حق کو جھٹلاتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انجام کار ان کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

ف۵ یعنی اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ اچھا اینٹوں کا ایک پزاوہ لگواؤ تاکہ پکی اینٹوں کی خوب اونچی عمارت بنوا کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔ کیونکہ زمین میں تو مجھے کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہ ہے کہ کوئی نہ ہوگا، تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ یہ بات ملعون نے استہزاء و تمسخر سے کہی اور ممکن ہے اس قدر بدحواس و پاگل ہو گیا ہو کہ اس طرح کی لچر پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔

ف۱ یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے یہ نہ سمجھا کہ کوئی ان کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تاکہ یادگار رہے کہ بدبخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ غرق وغیرہ کے واقعات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ف۲ یعنی یہاں ضلالت وطغیان میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے وہاں بھی ان کو دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا۔ ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾

ف۳ یعنی یہاں کے لشکر وہاں کام نہ دیں گے نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔ کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

ف۴ یعنی آخرت کی برائی اور بدانجامی تو الگ رہی، دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا تک ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔

الغرض جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہ کر پوری مدت گزار دی یعنی دس برس تک بکریاں چرائیں اور دس برس تک ایک نبی کی صحبت میں رہے اور مجاہدہ اور ریاضت اور باطنی تربیت کی منزلیں طے ہو گئیں اور چالیس سال کی سن کو پہنچے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی زوجہ اور اہل خانہ کو لے کر مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اہل قرابت سے جا کر ملیں اور طور کے آس پاس پہنچے۔ رات کا وقت تھا اندھیری چھائی ہوئی تھی اور سخت سردی تھی۔ اتفاق سے راہ بھٹک گئے ایسے وقت میں طبعاً آگ کی تلاش ہوتی ہے۔ کوہ طور کی جانب سے ایک آگ دیکھی جو حقیقت میں ایک نور تھا۔ شکل آگ کی تھی اس لئے کہ آدمی کی طبیعت اپنی مرغوب چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس وقت جاڑے کی شدت کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی ضرورت تھی اس لئے یہ تجلی نور بہ لباس ناری واقع ہوئی اور وہ نور ایک آگ کی صورت میں نمودار ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے جو اس وقت ان کے ساتھ تھے کہا ذرا یہیں ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے اس کی طرف جاتا ہوں۔ شاید وہاں سے تمہارے واسطے راستہ کی کچھ خبر لے کر آؤں۔ شاید وہاں کوئی مل جائے تو اس سے راستہ دریافت کر لاؤں اور آگ بھی لے آؤں یا کم از کم آگ کا کوئی انگارا ہی لے آؤں تاکہ تم اس سے سینکو اور گرمی حاصل کرو یعنی اگر کوئی راستہ بتلانے والا نہ ملے تو یہی فائدہ حاصل ہوگا کہ ذرا سی آگ ہی مل جائے گی۔

سو جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی داہنی جانب سے برکت والی جگہ میں درخت سے یہ آواز آئی اے موسیٰ یہ آواز دینے والا میں ہی ہوں اللہ سارے جہانوں کا رب۔ یعنی اے موسیٰ یہ آگ جو تو دیکھ رہا ہے یہ درحقیقت میری ایک تجلی ہے اور میرے نور کا جلوہ ہے اور یہ آواز جو تو سن رہا ہے وہ میرے بے چون و بے چگون کلام کا ایک پردہ اور لباس ہے اور یہ درخت اور یہ مکان اور یہ جہت اور سمت جہاں سے تو یہ آواز سن رہا ہے وہ میری ذات مقدس کا محل اور مکان نہیں بلکہ ایک میری تجلی گاہ ہے میری ذات اور میرا کلام جہت اور سمت سے منزہ ہے اور جس مکان اور جہت سے تو میرا کلام سن رہا ہے وہ تیرے سماع کے لئے ہے نہ کہ میرے کلام کے لئے۔

اس لئے علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ کلام قدیم جو اللہ کی صفت ہے۔ اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ بے چون اور بے چگون ہے اس میں حرف اور آواز نہیں مگر بندہ چونکہ چونی اور چگونی کا گرفتار ہے اس لئے وہ بے چون اور بے چگون کو چون اور چگون کے پردہ ہی سے سن سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک خاص صورت میں نمودار اور جلوہ افروز ہوگا ایک مرتبہ اہل ایمان، اللہ کو نہیں پہچان سکیں گے۔ دوسری مرتبہ جب دوسری صورت میں نمودار ہوگا تب اہل ایمان پہچانیں گے کہ یہ ہمارا پروردگار ہے سو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے اور یہ صورت جس کو اہل ایمان دیکھ کر اپنے خدا کو پہچانیں گے یہ خداوند بے چون و چگون کا ایک جلوہ اور پردہ ہوگا اور یہ ظاہر ہونے والی صورت بمنزلہ آئینہ کے ہوگی جس کے ذریعہ اہل ایمان خدا تعالیٰ کا جلوہ دیکھ سکیں گے اور یہ مطلب نہیں کہ وہ صورت بعینہ خدا تعالیٰ کی صورت ہوگی پس جس طرح ذات خداوندی نہ جسم ہے اور نہ عرض ہے اور اس کے لئے نہ کوئی صورت ہے اور نہ کوئی شکل ہے مگر قیامت کے دن اور جنت میں اس کو دیکھا جائے گا لیکن اس کا دیدار کسی صورت کے پردہ سے ہوگا تاکہ بندہ اس کا تحمل کر سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھو کہ وہ بے چون و بے چگون ہے اور بغیر حرف اور بغیر آواز کے

ہے۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام نے جو درخت سے سنا وہ بے شک حرف اور آواز کو سنا لیکن وہ حرف اور آواز کلام قدیم کا ایک لباس تھے اور اس پر دلالت کرنے والے تھے۔ جیسا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم، ص ج ۲۔

جیسے موسیٰ علیہ السلام نے جب دور سے آگ کو دیکھا تو درحقیقت وہ آگ نہ تھی بلکہ نور قدیم کی ایک تجلی تھی جو آگ کے لباس میں ظاہر ہوئی جس کے موسیٰ علیہ السلام طالب تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اس آواز کو سن کر جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں ذرہ برابر اشتباہ اور التباس نہیں ہوتا اور یہ بھی آواز آئی کہ اے موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ اول اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام اور پیغام سے سرفراز فرمایا اور منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا اب اس کے بعد ان کو دلائل نبوت اور براہین رسالت عطا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا زمین پر ڈال دو دیکھو تو سہی کیا ہوتا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ عصا زمین پر ڈال دیا پس جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عصا تو سانپ بن گیا اور سانپ کی طرح حرکت کرتا ہے تو خوف کے مارے پشت پھیر کر بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا تو آواز آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام سامنے آؤ اور ڈرو مت تحقیق تو امن والوں میں سے ہے تمہیں اس اژدہا سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دشمن کو ڈرانے کے لئے یہ معجزۂ تخویف عطا کیا گیا جو بصورتِ قہر اور عذاب دیا گیا۔ تمہارے ڈرانے کے لئے نہیں دیا گیا بلکہ دشمن کو ڈرانے کے لئے ہے یہ سنتے ہی موسیٰ علیہ السلام کا طبعی اور بشری خوف یک لخت دور ہو گیا اور دوسرا معجزہ۔ معجزۂ تنویر عطا ہوا کہ جس سے نور ظاہر ہوتا تھا وہ یہ کہ اے موسیٰ اپنا ہاتھ گریبان میں لے جا وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا گویا کہ یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے قلب منور کی نورانیت کا ایک نمونہ ہوگا اور یہ دیکھ کر اگر تم پر خوف طاری ہونے لگے تو خوف کے رفع کرنے کے لئے اپنا ہاتھ سمیٹ لو یعنی گریبان میں ڈال لو۔ ہاتھ پھر بدستور اپنی صورت پر آجائے گا اور کوئی خوف باقی نہ رہے گا پس یہ دونوں چیزیں یعنی عصا اور ید بیضا تیری نبوت و رسالت کی دو روشن دلیلیں ہیں اور دو نشانیاں ہیں جو تجھ کو تیرے رب کی طرف سے عطا کی گئیں ہیں۔ عصا سے معصیت کی طرف اشارہ ہے اور ید بیضاء سے نور طاعت کی طرف اشارہ ہے اور ایسے نشان سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں دے سکتا۔ جس طرح یہ دونوں چیزیں بلاشبہ تیرے پروردگار کی طرف سے ہیں اسی طرح وہ کلام اور پیغام جو تو نے درخت کے اندر سے سنا وہ میرا ہی کلام اور پیام ہے اور جو آگ تو نے دیکھی وہ میرے ہی نور کی ایک تجلی تھی جو تجھ کو بصورت نار دکھلائی گئی چونکہ اس وقت تیرا مطلوب آگ تھی اس لئے آگ ہی کے لباس میں تجھ کو اپنا جلوہ دکھلایا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس مقام پر دو معجزے عطا ہوئے۔ پھر حکم ہوا کہ فرعون اور اس کے امراء کی طرف جاؤ اور ان کو عصا کے ذریعہ اللہ کی معصیت سے ڈراؤ اور ید بیضاء کے ذریعہ طاعت کی نورانیت کی طرف بلاؤ۔ تحقیق یہ بڑے ہی بدکار گروہ ہیں جو اوامر اور نواہی کی حدود سے باہر نکل گئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوں بمقتضائے بشریت ضعیف اور ناتواں ہوں تیری اعانت اور امداد کا محتاج ہوں اے پروردگار آپ کو معلوم ہے کہ فرعون ملک مصر پر قاہر اور غالب ہے اور بڑا ظالم اور جابر ہے میں نے ان میں کا ایک آدمی مار ڈالا تھا اسی خوف کے مارے میں وہاں سے بھاگ کر مدین آیا تھا اب مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے دیکھتے ہی نہ قتل کر ڈالیں تو ایسی صورت میں آپ کا پیغام اس کو کیسے پہنچا سکوں گا۔ دعوت اور تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کر دی کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا جیسا کہ سورۃ طٰہٰ میں گزرا اور دوسری

بات یہ ہے کہ میری زبان میں کچھ لکنت ہے شاید میں پیغام رسالت میں بات کو پوری طرح واضح نہ کرسکوں اور میرا بھائی ہارون فصاحت لسانی اور حسن تعبیر اور خوبی بیان میں مجھ سے بڑھ کر ہے پس اس کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ حسنِ تقریر اور خوبی تعبیر سے میری تصدیق اور تائید کرے تحقیق مجھ کو ڈر ہے کہ وہ لوگ یعنی فرعون اور اس کے درباری میری تکذیب کریں گے اس لئے ضرورت ہے کہ میری دلیل اور برہان کی تقریر اور تفصیل کے لئے ایک فصیح اللسان میرا معین اور مددگار ہو کہ جو فصاحت لسانی سے حق کو ایسا واضح کرے کہ اس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہ رہے اور وہ مصدق ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ہیں معلوم ہوا کہ تصدیق سے یہ مراد نہیں کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام کہیں ہارون علیہ السلام اس پر آمنا وصدقنا کہتے جائیں بلکہ تصدیق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت لسانی اور فصاحت بیانی سے حجت اور دلیل کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کی تائید اور توثیق کریں اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اے موسیٰ ہم تیرے بھائی کے ذریعہ ضرور تیرا بازو قوی کریں گے یعنی اے موسیٰ ہم نے تیری درخواست قبول کی اور تمہارے بھائی کو درباب تبلیغ تمہارا قوت بازو بنائیں گے اور تم دونوں کے لئے ہم ایک خاص غلبہ اور خاص عظمت وہیبت عطا کریں گے پس وہ فرعون والے تم تک نہیں پہنچ سکیں گے قتل تو بڑی بات ہے وہ تمہیں کوئی ایذا اور گزند بھی نہیں پہنچا سکیں گے اور برے ارادے سے تمہارے پاس بھی نہ آسکیں گے۔

پس تم بے فکر ہو کر ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو حق کی دعوت دو اور مطمئن رہو تم دونوں اور تمہارے پیرو ہی غالب رہیں گے اور وہ تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچا سکیں گے پس جب موسیٰ علیہ السلام ہماری کھلی نشانیاں لے کر فرعونیوں کے پاس آئے اور توحید کی دعوت دی تو فرعونیوں نے کہا کہ یہ تو تراشیدہ جادو ہے جسے خواہ مخواہ خدا کی طرف منسوب کردیا گیا ہے یہ سب جادو کی باتیں ہیں جو خود اسی کی اختراع کردہ ہیں اور کہتا ہے کہ خدا نے مجھ کو یہ معجزات دے کر بھیجا ہے اور ہم نے اپنے پچھلے باپ دادوں میں کبھی یہ بات نہیں سنی کہ آسمان وزمین کا اور اس دنیا کا کوئی خالق ہے اور آئندہ چل کر وہ اس جہان کو فنا کردے گا اور دوبارہ زندہ کر کے حساب لے گا اور نہ کبھی یہ سنا کہ خدا نے کسی کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کے پاس سے ہدایت اور دین حق لے کر آیا ہے اور خوب جانتا ہے اس کو جس کا انجام آخرت اچھا ہے میرا یا تیرا مگر خوب یاد رکھو کہ بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے جو شخص اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے گا وہی ظالم ہوگا اور ذلیل وخوار ہوگا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر ہو اور تمہارا انجام خراب ہے۔ تم میرے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے عن قریب تم کو اپنا انجام معلوم ہوجائے گا۔

اور فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب باصواب سن کر یہ اندیشہ ہوا کہ اہل دربار اور ارکان دولت اس شخص کی طرف مائل نہ ہوجائیں تو بغرض تلبیس وتدلیس فرعون بولا اے اشراف قوم یہ شخص کہتا ہے کہ ایک خدا ہے جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے میں تو تمہارے لئے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا مجھے معلوم نہیں کہ میرے سوا بھی کوئی خدا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون کی مراد یہ نہ تھی کہ وہ آسمان وزمین کا اور اس جہان کا خالق ہے کیونکہ یہ بات تو ہدایۃً محال ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں اور نہ کوئی ادنیٰ عقل والا اس بات کو مان سکتا ہے کہ فرعون نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ فرعون سرے سے وجود خالق کا قائل نہ تھا وہ دہری تھا اور منکر خدا تھا اس کا خیال یہ تھا کہ افلاک اور نجوم

اور کواکب کی حرکات اس عالم سفلی کے تغیرات اور تنوعات اور اختلاف احوال کی علت ہیں اس کے لئے کسی صانع کے اثبات کی حاجت نہیں اس لئے اس نے یہ کہا ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾۔ بہر حال دعوائے الوہیت سے فرعون کا یہ مطلب نہ تھا کہ میں آسمان وزمین کا خالق ہوں بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس عالم کا کوئی خالق اور خدا نہیں جس کی اطاعت واجب ہو۔ ہر خطہ کا فرماں روا ہی اس کا خدا اور معبود اور واجب الاطاعت ہے اور وہ میں ہوں جو تمہارے سامنے موجود ہوں اور موسیٰ علیہ السلام جو کہتا ہے کہ کوئی خدا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے سو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۸۷۴۔

وہ خدا کہاں ہے جو نہ محسوس بحواس ہے اور نہ میرے نزدیک ثابت بعقل ہے۔ فرعون دہری تھا۔ دہر ہی کو مسبب الکل اور علت العلل جانتا تھا اور خالق قدیر اور خدائے عظیم کا قائل نہ تھا اور کہتا تھا کہ خدا ہے ہی نہیں جس کی پرستش کی جائے ہر خطہ کا بادشاہ وہاں کے لوگوں کا خدا ہے اور وہی پرستش اور اطاعت کے لائق ہے اور وہ میں ہوں اور بس لہٰذا مجھ ہی کو اپنا خدا سمجھو اور میری اطاعت کرو۔

پھر اس نے لوگوں کو مغالطہ دینے کے لئے اور موسیٰ علیہ السلام کا کذب ظاہر کرنے کے لئے اور موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو ہنسی میں اڑانے کے لئے کہا اے ہامان تو میرے لئے گارے پر آگ جلا یعنی پکی اینٹیں بنا اور اس اسے میرے لئے ایک محل اور بلند عمارت تیار کرتا کہ میں اس پر چڑھ کر اور آسمان کے قریب ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے معبود کی طرف جھانکوں کہ اس کا معبود کہاں ہے اور کیسا ہے زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی معبود دکھائی نہیں دیتا شاید آسمان کی طرف جھانکنے سے موسیٰ علیہ السلام کا خدا نظر آجائے ذرا اس کی بھی تحقیق کرلوں تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی بات کا جواب ہو جائے جو یہ کہتا ہے کہ اوپر سے مجھ پر وحی آتی ہے اس لعین کو یہ وہم ہوا کہ اگر آسمان میں کوئی معبود ہو گا تو جسم ہو گا اور اس کی طرف چڑھنا ممکن ہو گا اور بولا کہ تحقیق میں موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمان وزمین کا کوئی رب ہے جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے یہ سب غلط ہے وجود صانع پر کوئی دلیل نہیں اگر ہوتی تو مجھے معلوم ہوتی فرعون چونکہ دہری تھا۔ سرے سے صانع عالم کے وجود کا قائل نہ تھا اس لئے وہ موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا رسول ہونے کا بھی قائل نہ تھا اس لئے اس نے یہ کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا خیال کرتا ہوں کہ خدا نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے اگر فی الواقع کوئی خدا ہوتا تو اس تک چڑھنا بھی ممکن ہوتا۔ بلند مکان بنانے سے فرعون کی غرض یہ تھی کہ لوگوں پر موسیٰ علیہ السلام کا کذب (جھوٹ) ظاہر ہو جائے کہ فرعون کے سوا زمین اور آسمان میں کوئی خدا نہیں جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (دیکھو تفسیر [1] ابن کثیر: ۳/ ۳۹۰)

عجیب احمق تھا کہ جب ایک مختصر سی عمارت بلکہ ایک چھپر بھی بغیر کسی معمار اور بانی کے نہیں بن سکتی تو آسمان سے لے کر زمین تک یہ سارا کون و مکان بغیر کسی بانی اور صانع کے خود بخود کیسے بن کر تیار ہو گیا اور یہ کارخانہ عالم خود بخود کیسے چل رہا

[1] قال ابن کثیر قال اللہ تعالیٰ وقال فرعون یاھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی الٰہ موسیٰ وانی لاظنہ کاذبا وذلك ان فرعون بنی ھذا الصرح الذی لم یر فی الدنیا بناء اعلی منہ وانما اراد بھذا ان یظھر لرعیتہ تکذیب موسیٰ فیما زعم من دعوی الٰہ غیر فرعون ولھذا قال وانی لاظنہ من الکاذبین ای فی قولہ ان ثم ربا غیرہ لا انہ کذبہ فی ان اللہ ارسلہ لانہ لم یکن یعترف بوجود الصانع جل وعلا فانہ قال وما رب العالمین وقال لئن اتخذت الٰھا غیری لاجعلنك من المسجونین۔ وقال یایھا الملا ما علمت لکم من الٰہ غیرہ وھذا قول ابن جریر۔ تفسیر ابن کثیر ص: ۳/ ۳۹۰۔

ہے پھر یہ کہ فرعون طرح طرح کی حاجتوں میں اور قسم قسم کی آفتوں میں گھرا ہوا تھا وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔

اس احمق نے یہ گمان کیا کہ حق تعالیٰ جسم اور جسمانی ہے اور آسمان اس کا مکان ہے اور اس تک جانا اور پہنچنا ممکن ہے اور اسے یہ معلوم نہ تھا۔

با مکاں آفرین مکان چہ کند   آسماں گر با آسماں چہ کند
نہ مکاں رہ برد نہ زماں   نہ بیاں زد خبر دہد نہ عیاں

فرعون کی ان بے سروپا باتوں سے صانع عالم کی نفی تو ثابت نہیں البتہ اس کی غباوت اور حماقت اور جہالت خوب ثابت ہوگئی۔

غرض یہ کہ فرعون نے اس طرح ایک بلند عمارت بنوائی جب وہ محل بن چکا تو فرعون اس کی چھت پر چڑھا اس کے خیال میں یہ تھا کہ آسمان کے نزدیک پہنچ جائے گا جب اس نے دیکھا کہ آسمان تو اتنا ہی دور ہے جتنا پہلے دیکھا تھا تو شرمندہ ہو کر بولا کہ ایک تیر آسمان کی طرف مارو لوگوں نے تیر مارا اوپر سے وہ تیر خون میں بھرا ہوا واپس آیا تو فرعون بولا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو مار دیا۔ غضب الٰہی سے وہ عمارت تین ٹکڑے ہو کر گر پڑی جس سے بہت سے آدمی تباہ ہو گئے۔ دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی: ۶/ ۲۲۳۔

فرعون یہ باتیں دیکھ کر ناامید ہو گیا اور سمجھ گیا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں مگر ظاہرداری اور بھرم بندی کے لئے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا۔

نکتہ:......سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے امتحان کے لئے اپنے محل میں شیشہ کا ایک حوض بنوایا اور اس میں طرح طرح کی مچھلیاں ڈال دیں اور اوپر سے شیشہ پاٹ دیا اور بلقیس کو کہا کہ اندر آجاؤ۔ بلقیس نے یہ سمجھ کر کہ یہ سب پانی بھرا ہوا ہے اپنے پائنچے اٹھا لیے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ شیشہ کا فرش ہے۔ پانی نہیں یہ دیکھ کر بلقیس ایمان لے آئی تو بلقیس کے لئے یہ ﴿صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ﴾ موجب ہدایت ہو گیا اور فرعون نے جو صَرْحٌ مِّنْ طِيْنٍ بنوایا تھا وہ اس کے لئے مزید گمراہی اور تکبر اور عناد کا سبب ہو گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے بڑا ہی تکبر کیا۔ اور دعویٰ الوہیت کا کیا۔ حالانکہ زمین میں رہتے تھے اور پستی اور ذلت و خواری میں گھرے ہوئے تھے اور ناحق سر اٹھایا اور بلاوجہ اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اور دعویٰ خدائی کا کیا اور یہ گمان کر بیٹھے کہ اب ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں۔ غرض یہ کہ فرعون نے تکبر کیا اور دعویٰ الوہیت کا کیا اور حشر و نشر اور قیامت کا بھی منکر ہوا۔ اور اس کی قوم نے بھی اس کو قبول کیا اور ہماری کوئی پروانہ کی پس ہم نے پکڑا فرعون کو اور اس کے لشکروں کو اور اپنی قدرت کی مٹھی میں لے کر سب کو دریا میں پھینک دیا۔ سب غرق ہو گئے اور ان کا تکبر بھی غرق ہو گیا سو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا ظالموں کا اور دیکھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہا ہوا ﴿مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾۔ کس طرح آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

اور ان لوگوں کو ہم نے اس جہان میں کفر اور ضلالت کا پیشوا بنایا کہ لوگوں کو آگ کی طرف بلاتے ہیں یعنی کفر

اور معصیت کی طرف بلاتے ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی ان کو دوزخیوں کا امام بنائیں گے کہ یہ آگے آگے ہوں گے اور دوسرے دوزخی ان کے پیچھے پیچھے ہوں گے ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾ اور قیامت کے دن کوئی مدد نہیں دیئے جائیں گے وہاں کوئی لشکر نہ ہوگا ہر ایک بے کس اور بے بس ہوگا اور کوئی ان کو عذاب سے نہیں بچا سکے گا اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لگا دی ہے لعنت اور پھٹکار۔ قیامت تک فرعون اور اس کے رؤسا گرفتار لعنت رہیں گے اور قیامت کے دن تو وہ بہت ہی بروں میں سے ہوں گے جس برائی اور خرابی کی کوئی حد نہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

حاصل کلام یہ کہ بارگاہ خداوندی میں بجائے سرافگندگی کے تکبر اور غرور اور حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب اور عداوت کا انجام عذاب اور لعنت ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۤئِرَ لِلنَّاسِ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہم غارت کر چکے پہلی جماعتوں کو ف۱ سجھانے والی لوگوں کو

اور دی، ہم نے موسیٰ کو کتاب، اس پیچھے کہ کھپا چکے اگلی سنگتیں، سوجھاتے لوگوں کو

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى

اور راہ بتانے والی اور رحمت تاکہ وہ یاد رکھیں ف۲ اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو

اور راہ بتاتے، اور مہر، شاید یاد رکھیں۔ اور تو نہ تھا غرب کی طرف، جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو

الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ

حکم ف۳ اور نہ تھا تو دیکھنے والا لیکن ہم نے پیدا کیں کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی ان پر مدت ف۴

حکم، اور نہ تھا تو دیکھتا۔ لیکن ہم نے اٹھائیں کتنی سنگتیں، پھر لمبی گزری ان پر مدت۔

ف۱ نزول تورات کے بعد دنیا میں ایسے غارت کے عذاب کم آئے۔ بجائے اہلاک سماوی کے جہاد کا طریقہ مشروع کر دیا گیا۔ کیونکہ کچھ لوگ احکام شریعت پر قائم رہا کیے۔

ف۲ یعنی تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ بڑی فہم وبصیرت عطا کرنے والی، لوگوں کو راہ ہدایت پر چلانے والی، اور مستحق رحمت بنانے والی کتاب تھی تاکہ لوگ اسے پڑھ کر اللہ کو یاد رکھیں۔ احکام الٰہی سیکھیں اور پند ونصیحت حاصل کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد ہدایت میں تورات شریف ہی کا درجہ ہے اور آج جب کہ اس کے پیروؤں نے اسے ضائع کر دیا، قرآن ہی اس کے ضروری علوم وہدایات کی حفاظت کر رہا ہے۔

ف۳ یعنی کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور تورات ملی۔

ف۴ یعنی تو اس وقت کے واقعات تو ایسی صحت وصفائی اور بسط وتفصیل سے بیان کر رہا ہے جیسے وہیں "طور" کے پاس کھڑا دیکھ رہا ہو۔ حالانکہ تمہارا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں کہ تم امی ہو کسی عالم کی صحبت میں بھی نہیں رہے۔ نہ ٹھیک ٹھیک صحیح واقعات کا کوئی جید عالم مکہ میں موجود تھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ عالم کہاں سے آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقوام دنیا پر مدتیں اور قرن گزر گئے، مرور دہور سے وہ علوم معرف ومندرس ہوتے جا رہے تھے اور وہ ہدایات مٹتی جا رہی تھیں۔ لہٰذا اس علیم وخبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک امی کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں اور ان عبرت ناک وموعظت آمیز واقعات کا ایسا صحیح فوٹو دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے جس پر نظر کر کے بے اختیار ماننا پڑے کہ اس کا پیش کرنے والا موقع پر موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے من وعن =

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا

اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ ان کو سناتا ہماری آیتیں پر ہم رہے ہیں رسول بھیجتے ف۱ اور تو

اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں، ان کو سناتا ہماری آیتیں۔ پر ہم رہے ہیں رسول بھیجتے۔ اور تو

كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ

نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن یہ انعام ہے تیرے رب کا ف۲ تاکہ تو ڈر سنا دے ان لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی

نہ تھا طور کے کنارے، جب ہم نے آواز دی، لیکن یہ مہر سے تیرے رب کے، کہ تو ڈر سنائے ایک لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی

نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

ڈر سنانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ یاد رکھیں ف۳ اور اتنی بات کے لیے کبھی آن پڑے ان پر آفت

ڈر سنانے والا تجھ سے پہلے، شاید وہ یاد رکھیں۔ اور اتنے واسطے، کہ کبھی پڑے ان پر آفت

اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ

ان کاموں کی وجہ سے جن کو بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ تو کہنے لگیں اے رب ہمارے کیوں نہ بھیج دیا ہمارے پاس کسی کو پیغام دے کر تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے

اپنے ہاتھوں کے بھیجے سے، تو کہنے لگیں، اے رب ہمارے! کیوں نہ بھیج دیا ہمارے پاس کسی کو پیغام دے کر؟ تو ہم چلتے تیری باتوں پر، اور ہوتے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ

ایمان والوں میں ف۴ پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا اس رسول کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو ف۵

یقین رکھنے والے۔ پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے، کہنے لگے، کیوں نہ ملا اس کو، جیسا ملا تھا موسیٰ کو ؟

= کیفیات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ تم تو وہاں موجود نہ تھے، بجز اس کے کیا کہا جائے کہ جو خدا آپ کی زبان سے بول رہا ہے اور جس کے سامنے ہر غائب بھی حاضر ہے۔ یہ بیان اسی کا ہوگا۔

ف۱ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو "مدین" جا کر جو واقعات پیش آئے ان کا اس خوبی وصحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا اس وقت تم شان پیغمبری کے ساتھ وہیں سکونت پذیر تھے اور جس طرح آج اپنے وطن مکہ میں اللہ کی آیات پڑھ کر سنا رہے ہو، اس وقت "مدین" والوں کو سناتے ہوگے حالانکہ یہ چیز صریحاً منفی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا کو غفلت سے چونکاتے اور گزشتہ عبرت ناک واقعات یاد دلاتے رہیں۔ اسی عام عادت کے موافق ہم نے اس زمانہ میں تم کو رسول بنا کر بھیجا کہ پچھلے قصے یاد دلاؤ۔ اور خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کرو۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ٹھیک ٹھیک واقعات کا صحیح علم تم کو دیا جائے اور تمہاری زبان سے ادا کرایا جائے۔

ف۲ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی ﴿اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تم وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان واقعات و حقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی نوعیت کا برتاؤ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔ گویا "جبل النور" (جہاں غار حرا ہے) اور "مکہ" میں "جبل طور" اور "مدین" کی تاریخ دوہرا دی گئی۔

ف۳ یعنی عرب کے لوگوں کو یہ چیزیں بتلا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کر دیں۔ ممکن ہے وہ سن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔

(تنبیہ) ﴿مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ سے شاید آبائے اقربین مراد ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۴ یعنی پیغمبر کا ان میں بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ اگر بدون پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ ان کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگتا تب بھی ظلم نہ ہوتا، =

اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ

کیا ابھی منکر نہیں ہو چکے اس سے جو موسیٰ کو ملا تھا اس سے پہلے ف۱ کہنے لگے دونوں جادو ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دونوں کو

کیا ابھی منکر نہیں ہو چکے موسیٰ سے اس سے پہلے، کہنے لگے، دونوں جادو ہیں آپس میں موافق۔ اور کہنے لگے ہم دونوں کو

كٰفِرُوْنَ ۝۴۸ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ

نہیں مانتے ف۲ تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے بہتر ہو کہ میں اس پر چلوں، اگر تم

نہیں مانتے۔ تو کہہ، اب لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی، جو ان دونوں سے بہتر سوجھاتی ہو، میں اس پر چلوں، اگر تم

صٰدِقِيْنَ ۝۴۹ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ

سچے ہو ف۳ پھر اگر نہ کر لائیں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نری اپنی خواہشوں اور اس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے

سچے ہو۔ پھر اگر نہ لائیں تیرا کہا، تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نری اپنی چاؤ پر۔ اور اس سے بہکا کون؟ جو چلے

مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰ ع ۸

اپنی خواہش پر بدون راہ بتلائے اللہ کے بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ف۴

اپنی چاؤ پر، بن راہ بتائے اللہ کے۔ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

=لیکن اس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی معقول عذر داری کا موقع نہیں چھوڑا۔ ممکن تھا سزادہی کے وقت کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم از کم متنبہ کر دیتا، ایک دم پکڑ کر عذاب میں دھر گھسیٹا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو دیکھ لیتے ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے۔

ف۵ یعنی رسول نہ بھیجتے تو کہتے رسول کیوں نہ بھیجا۔ اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان و رتبہ میں بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ صاحب! ہم تو اس وقت مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح "عصاء" اور "ید بیضاء" وغیرہ کے معجزات ظاہر ہوتے اور ان کے پاس بھی تورات کی طرح ایک دم ایک کتاب اترتی یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور کتاب ہی کو کہاں سب نے مان لیا تھا؟ شبہ نکالنے والے ان کو بھی "سحر مفتری" کہتے رہے جیسا کہ ابھی ایک دو رکوع پہلے گزرا بس جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" مکہ کے کافر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سن کر کہنے لگے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے، جب" یہود" سے پوچھا" تورات" کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں، مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے، آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو مردار ہے (اور عرب میں ایک نبی آخر الزمان آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ) تب لگے دونوں کو جواب دینے۔" کہ" تورات" اور" قرآن" دونوں جادو اور موسیٰ و محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں جادوگر ہیں۔ (العیاذ باللہ) جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

ف۳ یعنی آسمانی کتابوں میں سب سے بڑی اور مشہور یہ ہی دو کتابیں تھیں جن کی ہمسری کوئی کتاب نہیں کر سکتی۔ اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الٰہی پیش کر دو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آئے تو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا لیکن تم قیامت تک نہیں لا سکتے۔ اس سے زیادہ بدبختی کیا ہوگی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آتی ہے اسے جادو کہہ کر رد کر دیتے ہو۔ جب یہ ایک انسان کا بنایا ہوا جادو ہے تو تم سارے جہان کے جادوگروں کو جمع کر کے اس سے بڑا جادو لے آتے۔ آخر جادو ایسی چیز تو نہیں کہ اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔

ف۴ یعنی جب یہ لوگ نہ ہدایت کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کر سکتے ہیں تو یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں محض اپنی خواہشات کی پیروی ہے، جس چیز کو دل چاہا مان لیا۔ جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا۔ بتلائیے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ اللہ کی عادت اسی قوم کو ہدایت کرنے کی ہے جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور محض ہوا و ہوس کو حق کا معیار نہ بنا لے۔

واثبات رسالت محمدیہ مع جوابات ازشبہات واھیہ

قَالَ تَعَالٰی : ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ... الی ... مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾

ربط : ...... یہاں تک موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ختم ہوا۔ اب اخیر میں قوم کی ہدایت کے لئے نزول تورات کا ذکر فرمایا جو اصل مقصود تھا اب آئندہ آیات میں اثبات رسالت محمدیہ کا مضمون ذکر فرماتے ہیں اور اس کے ضمن میں بعض شبہات کا جواب بھی دیتے ہیں جو محض عناد پر مبنی تھے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح توریت کتاب ہدایت و رحمت تھی اسی طرح یہ قرآن بھی کتاب ہدایت و رحمت ہے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل اور حجت ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے اور اس کتاب کا گزشتہ واقعات پر مشتمل ہونا یہ آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نہ جانب غربی میں تھے جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور نہ مدین میں تھے۔ اور آپ ﷺ تو امی تھے اگلی کتابوں کو پڑھ نہیں سکتے تھے ان تمام واقعات کا علم آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ہوا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس واقعہ اور قصہ کا نہ تو آپ ﷺ نے مشاہدہ کیا ہے اور نہ کسی سے سنا ہے اور نہ کسی کتاب میں پڑھا ہے صرف ہماری وحی سے آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا ہے لہٰذا یہ آپ ﷺ کے مرسل من اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے فرعون کو کفر کا امام اور پیشوا اور دوزخ کا داعی بنایا اور دریا میں اس کو غرق کیا اور دنیا اور آخرت میں اس کو مورد لعنت بنایا اس کے بالمقابل ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حق اور ہدایت کا پیشوا اور جنت کا داعی اور دنیا اور آخرت میں ان کو مورد رحمت و کرامت بنایا اور پہلی قوموں یعنی قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود کے ہلاک کرنے کے بعد اور فرعون کے غرق کرنے کے ایک [1] سال بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کی جس کی آیتیں لوگوں کے لئے بصیرتیں تھیں۔ ” بصیرت“ کے معنی دل کے نور کے ہیں جس سے حق اور باطل کا فرق نظر آئے اور ہدایت اور رحمت تھیں شاید ان کو پڑھ کر نصیحت پکڑیں کہ اگر ہم نے اللہ کی ہدایتوں کو نہ مانا تو ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو پہلی قوموں کا ہوا اور اب عرصۂ دراز کے بعد آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا دور آیا ہے اور آپ ﷺ کے منکرین اور مکذبین فرعون ہامان کے نقش قدم پر جا رہے ہیں ذرا اپنے انجام کو سوچ لیں اور توریت کی طرح آپ ﷺ کو جو کتاب ہدایت و رحمت دی گئی ہے اس سے نصیحت پکڑیں اور اے نبی ﷺ اس قرآن کے علاوہ آپ ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ اس وقت طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام ہدایت دیئے اور ان کو توریت عطا کی اور نہ آپ اس وقت کے حاضرین میں سے تھے جس سے مشاہدہ اور معائنہ کا احتمال ہو سکے یعنی آپ ﷺ وہاں موجود نہ تھے جو یہ گمان کیا جا سکے کہ آپ ﷺ اپنی آنکھوں کا دیکھا حال بیان کر رہے ہیں ولیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے قرن اور بہت سی نسلیں پیدا کیں پس ان کی عمر دراز ہوئی اور ان امتوں پر زمانہ دراز گزر گیا اور سب باتوں کے نام و نشان مٹ گئے اور کوئی ذریعہ ان کے علم کا باقی نہ رہا تب ہم نے آپ ﷺ کو

[1] فرعون دسویں محرم کو عاشورہ کے دن ہلاک ہوا اور توریت دسویں ذی الحجہ کو عطا ہوئی۔

ہادی اور رسول بنا کر بھیجا اور بذریعہ وحی کے ان واقعات اور حالات سے آگاہ کیا تاکہ لوگ جانیں کہ ایسی باتیں اور ایسی خبریں بغیر وحی خداوندی ممکن نہیں اور آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی طرح اہل مدین میں اقامت پذیر نہ تھے کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں جیسے آج مکہ والوں کو ہماری آیتوں کو پڑھ کر سنا رہے ہو ولیکن ہم ہیں آپ ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والے اور بذریعہ وحی کے ان واقعات سے آپ ﷺ کو خبر دینے والے ہیں۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ تو اہل مدین میں سکونت پذیر نہ تھا کہ یہ آیات تو نے ان سے پڑھ کر سیکھی ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسالت تجھ کو ان واقعات سے آگاہ کیا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ﴾ میں علیھم کی ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ تو مدین کے باشندوں میں سے نہیں جس نے ان واقعات کا معائنہ اور مشاہدہ کیا ہو اور اہل مکہ کو ان کی خبر دے رہا ہو بلکہ ہماری وحی سے تجھ کو ان باتوں کا علم ہوا جو تو اہل مکہ کو ان سے خبر دے رہا ہے۔

اور اسی طرح آپ ﷺ کوہ طور کی جانب غربی موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اور ان سے کلام کیا یموسی انی انا اللہ رب العالمین۔ جو ان کو نبوت عطا ہونے کا وقت ہے ولیکن تیرے پروردگار کی رحمت اور مہربانی سے تجھ کو ان چیزوں کا علم عطا ہوا تاکہ تو ان آیات کے ذریعہ اس گروہ کو ڈراوے جن کے پاس آپ ﷺ سے پہلے کوئی من جانب اللہ ڈرانے والا نہیں آیا شاید وہ نصیحت پکڑیں کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت سے ان پر حجت پوری ہوگئی خلاصۂ کلام یہ کہ یہ واقعات آپ ﷺ لوگوں کو سنا رہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نہ ان کے ساتھ رہے ہیں اور نہ یہ واقعات آپ ﷺ کو پڑھ کر سنائے گئے ہیں تو پھر ان امور کی اطلاع آپ ﷺ کو کیسے ہوئی جواب یہ ہے کہ صرف ہماری رحمت سے ہوئی ہم نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا اور بذریعہ وحی آپ ﷺ کو ان سے مطلع کیا پس ایک امی شخص کا بغیر دیکھے اور بغیر سنے اور بغیر پڑھے اس طرح کے واقعات کو صحیح صحیح بتلانا اس کی نبوت کی دلیل ہے۔ اللہ کی حجت ان پر پوری ہوگئی اب اپنے انجام کو سوچ لیں۔

اتمام حجت وقطع معذرت

﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں بعثت رسل اور نزول کتاب الٰہی کا ذکر تھا اب ان آیات میں اسی مسئلہ کو مدلل اور مبرہن کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ بعثت رسل، اللہ کی حجت بالغہ ہے جس سے بندوں پر حجت پوری ہو جاتی ہے اور اسی ذیل میں کافروں کے چند حیلوں اور بہانوں کا ذکر کر کے جواب دیتے ہیں کہ بعثت رسل کے بعد کافر یہ عذر نہیں کر سکیں گے کہ ہم کو بلا وجہ کیوں عذاب دیا جا رہا ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ کا عذاب حجت پوری ہو جانے کے بعد آتا ہے اور بعثت رسل، اللہ کی حجت بالغہ ہے جس سے حجت پوری ہو جاتی ہے اور مجرم کے لئے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بداعمالیوں کی وجہ سے مصیبت پہنچنے کی وقت شاید یہ لوگ یہ کہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے سو ان کی اس بات کا

مقتضاء تو یہ تھا کہ رسول کے آنے کو نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ سمجھتے اور اللہ کے نازل کردہ دین کو فوراً قبول کر لیتے لیکن ان کی حالت تو اس کے برعکس ہوئی کہ جب ان کے پاس حق چل کر خود آ گیا تو اس میں حیلے اور بہانے اور قسم قسم کے شبہے نکالنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کو ویسے معجزات کیوں نہ دیئے گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے دیئے گئے شاید ان کی مراد یہ تھی کہ عصا اور ید بیضا اور طوفان اور جراء اور قمل اور ضفادع جیسے معجزات آپ ﷺ کو کیوں نہیں دیئے گئے۔ اگر آپ ﷺ سے ایسے معجزات ظاہر ہوتے تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آتے یا آپ ﷺ کے اوپر بھی توریت کی طرح پورا قرآن ایک دم اترتا تو ہم ایمان لے آتے۔ یہ کیا بات ہے کہ دو دو اور چار چار آیتیں اترتی ہیں۔ کافروں کا یہ سوال جاہلانہ اور معاندانہ تھا اول تو یہ سوال سرے ہی سے غلط ہے اس لئے کہ تمام انبیاء کے معجزات کا متحد اور مماثل ہونا ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر نبی کی کتاب اور اس کا صحیفہ پہلے نبی کی کتاب اور اس کے صحیفہ کے مماثل ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ دوسرے نبی کی کتاب کیفیت نزول میں پہلے نبی کی کتاب کے مماثل ہو کسی پر اللہ نے متفرقاً کتاب نازل کی اور کسی پر مجتمعاً اور دفعتاً حالانکہ یہ کتاب یعنی قرآن کریم شرف اور عظمت میں اور علم وحکمت میں علوم وہدایت میں توریت اور انجیل سب سے بڑھ کر ہے۔ دیکھو تفسیر [1] کبیر: ۶/ ۴۸۳۔ ایسی لاجواب کتاب پر ایمان لانے میں کیوں تردد کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کیا یہ لوگ اس چیز کا انکار نہیں کر چکے جو سابق میں موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی یعنی یہ لوگ اب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ مدعی رسالت واقعی خدا کا رسول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو اللہ نے عصا اور ید بیضا جیسے معجزے نہیں دیئے لیکن ذرا یہ بتائیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام یہی معجزات لے کر لوگوں کے پاس آئے جن کو اب سند رسالت کہا جا رہا ہے تو کیا ان لوگوں نے ان معجزات کا انکار نہ کیا تھا اور ان کو جھوٹا اور جادوگر نہیں کہا تھا اور اب قریش مکہ یہ کہتے ہیں کہ توریت اور قرآن دونوں ہی جادو ہیں جو باہم ایک دوسرے کے موافق ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مکہ کے کافر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سن کر کہنے لگے کہ اگر ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم اس کو مان لیتے جب یہود سے پوچھا اور توریت کی باتیں سنیں تو اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے اور آخرت کا جینا حق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو وہ مردار ہے اور عرب میں ایک نبی آخر الزمان آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ تو جوش میں آ کر کہنے لگے کہ دونوں یعنی توریت اور قرآن دونوں ہی جادو ہیں اور موسیٰ اور محمد علیہما السلام دونوں ہی جادوگر ہیں۔ (العیاذ باللہ) ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں (انتہی) اور ایک دوسرے کے دین کی باتیں ملتی جلتی ہیں اور یہ کہنے لگے کہ ہم ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کو اور نہ محمد ﷺ کو اور نہ توریت کو اور نہ قرآن کو۔ کفار عرب کسی نبوت ورسالت کے قائل نہ تھے۔ اے نبی آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر یہ دونوں کتابیں تمہارے نزدیک جادو ہیں تو تم ان کے علاوہ کوئی اور کتاب اللہ کے

[1] اعلم ان الذی اقترحوہ غیر لازم لانہ لا یجب فی معجزات الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ان تکون واحدۃ ولا فیما ینزل الیہم من الکتاب ان تکون علی وجہ واحد اذ الصلاح قد یکون فی انزالہ مجموعا کالتوراۃ ومفرقا کالقرآن ثم ان اللہ تعالیٰ اجاب عن ہذہ الشبہۃ بقولہ اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل۔ الخ تفسیر کبیر: ۶/ ۴۸۳۔

پاس سے لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر اور بڑھ کر ہو۔ تا کہ میں اس پر چلوں اور اس کی پیروی کروں اگر تم اس دعوے میں سچے ہو میں تمہاری طرح معاند نہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ قرآن کا مثل لانے سے عاجز ہیں پھر اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے پس اگر یہ لوگ آپ کی بات کو نہ مانیں اور اس جیسی نہ تو کوئی کتاب لا سکیں اور نہ توریت اور قرآن کو مانیں پس یقین کر لیجئے کہ یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں۔ حق واضح ہے مگر ان کا نفس نہیں مانتا اور اس سے زیادہ کون گم راہ ہے جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر چلے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا جو شخص بغیر دلیل کے نفس کی خواہشوں پر چلنے لگے وہ کیسے راہ یاب ہو سکتا ہے چنانچہ آئندہ آیت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتا اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے اور قسم قسم کے خیالات آتے ہیں اور وہ راہ حق پر نہ چلنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراشتا ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ

اور ہم پے در پے بھیجتے رہے ہیں ان کو اپنے کلام تاکہ وہ دھیان میں لائیں ف۱ جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے

اور ہم لگائے گئے ہیں ان سے بات شاید وہ دھیان میں لائیں۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے،

هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ

وہ اس پر یقین کرتے ہیں اور جب ان کو سنائے تو کہیں ہم یقین لائے اس پر، یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہوا، ہم ہیں اس سے

وہ اس کو یقین کرتے ہیں۔ اور جب ان کو سنایئے، کہیں ہم یقین لائے اس پر، یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا، ہم ہیں اس سے

قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

پہلے کے حکم بردار ف۲ وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دوہرا اس بات پر کہ قائم رہے ف۳ اور بھلائی کرتے ہیں برائی کے

پہلے حکم بردار۔ وہ لوگ پائیں گے اپنا حق دوہرا، اس پر کہ ٹھہرے رہے اور بھلائی دیتے ہیں برائی کے

ف۱ یعنی ہماری وحی کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ ایک وحی کی تصدیق وتائید میں دوسری وحی برابر بھیجتے رہے ہیں۔ اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج نازل کیا۔ ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت آتی رہی، مقصد یہ ہے کہ کافی غور کرنے اور سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔

ف۲ یعنی ان جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو، اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ دونوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں پہلے سے تورات وانجیل پر یقین رکھتے تھے۔ جب قرآن پاک آیا تو بول اٹھے کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے، ہمارے رب کی اتاری ہوئی، ہم اس پر اپنے یقین واعتقاد کا اعلان کرتے ہیں، ہم تو پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے آج بھی قبول کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزمان اور قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں۔ لہٰذا ان پیشین گوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے اجمالی ایمان ہوا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

ف۳ یعنی مغرور ومستغنی ہو کر قبول حق سے گریز نہیں کیا بلکہ جس وقت جو حق پہنچا بے تکلف گردن تسلیم جھکا دی۔

(تنبیہ) شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سابقین کے مصدق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا۔ ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ ہر پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی =

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ

جواب میں ف۱ اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں ف۲ اور جب سنیں نکمی باتیں اس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو

جواب میں، اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اور جب سنیں نکمی باتیں، اس سے کنارہ پکڑیں، اور کہیں ہم کو

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ

ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام سلامت رہو ہم کو نہیں چاہیں بے سمجھ لوگ ف۳ تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر اللہ راہ پر لائے جس کو

ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام، سلامت رہو۔ ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ۔ تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے، پر اللہ راہ پر لائے جس کو

اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْا اِنْ نَّتَّبِعِ

چاہے ف۴ اور وہ ہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے ف۵ اور کہنے لگے اگر ہم راہ پر آئیں تیرے

چاہے۔ اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے۔ اور کہنے لگے، اگر ہم راہ پکڑیں تیرے

=بشارت دیتے، اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لیے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا باقی حدیث میں جو "ثَلَاثٌ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ" جو آیا ہے اس کی شرح کا یہاں موقع نہیں۔ ہم نے خدا کے فضل سے شرح صحیح مسلم میں اس کو بتفصیل لکھا ہے اور اشکالات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنه وبه التوفيق والعصمه۔

ف۱ یعنی کوئی دوسرا ان کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو یہ اس کے جواب میں مروت و شرافت سے کام لے کر بھلائی اور احسان کرتے ہیں۔ یا یہ مطلب کہ کبھی ان سے کوئی برا کام ہو جائے تو اس کا تدارک بھلائی سے کر دیتے ہیں تاکہ حسنات کا پلہ سیئات سے بھاری رہے۔

ف۲ یعنی اللہ نے جو مال حلال دیا ہے اس میں سے زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں اور خویش و اقارب کی خبر لیتے ہیں۔ غرض حقوق العباد ضائع نہیں کرتے۔

ف۳ یعنی کوئی جاہل لغو بے ہودہ بات کہے تو اس سے الجھتے نہیں۔ یہ کہہ دیتے ہیں کہ بس صاحب! تمہاری باتوں کو ہمارا دور سے سلام۔ یہ جہالت کی پوٹ تمہی رکھو ہم کو ہمارے مشغلہ میں رہنے دو۔ تمہارا کیا تمہارے، اور ہمارا کیا ہمارے سامنے آ جائے گا۔ ہم کو تم جیسے بے سمجھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں تقریباً بیس اشخاص، حبشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر آئے کہ تحقیق کریں کیسے شخص ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بڑے زور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، جب مشرف بالایمان ہو کر واپس ہونے لگے تو ابوجہل وغیرہ مشرکین نے ان پر آوازے کسے کہ ایسے احمقوں کا قافلہ آج تک کہیں نہ دیکھا ہوگا۔ جو ایک شخص کی تحقیق حال کرنے آئے تھے اور اس کے غلام بن کر اور اپنا دین چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نُجَاهِلُكُمْ لَنَا مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَلَكُمْ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ لَمْ نَأْلُ اَنْفُسَنَا خَيْرًا۔" (بس ہم تم کو سلام کریں، معاف رکھو ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اس کا وہی حصہ ہے ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی) اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھائے پر لگے گا اس سے کنارہ ہی بہتر ہے (موضح)

ف۴ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا (ابو طالب) کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (موضح) یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو، یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف راستہ بتانا ہے آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ اختیار سے خارج ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے۔

(تنبیہ) جو کچھ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابو طالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بحث بنا لینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پرخطر مباحث میں کف لسان کیا جائے۔

ف۵ یعنی کسی کو کسی شخص کے راہ پر لانے کا اختیار کیا ہوتا علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہے بہرحال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرما دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلوں کی لغو گوئی اور معاندانہ شور و شغب یا اپنے خاص اعزہ و اقارب کے اسلام نہ لانے سے غمگین نہ ہوں۔ جس قدر=

الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ

ساتھ اچک لیے جائیں اپنے ملک سے ف۱ کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو حرمت والے پناہ کے مکان میں کھینچے چلے آتے ہیں اس کی طرف میوے

ساتھ، اچکے جائیں اپنے ملک سے، کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو ادب کے مکان میں پناہ کی، کھنچے آتے ہیں اس طرف میوے

كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ

ہر چیز کے روزی ہماری طرف سے پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے ف۲ اور کتنی غارت کردیں ہم نے بستیاں

ہر چیز کی روزی ہماری طرف سے، پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے۔ اور کتنی کھپا دیں ہم نے بستیاں،

بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ

جو اترا چلی تھیں اپنی گزران میں اب یہ ہیں ان کے گھر آباد نہیں ہوئے ان کے پیچھے مگر تھوڑے ف۳ اور ہم ہیں آخر کو

جو اترا چکی تھیں اپنی گذران میں، اب یہ ہیں ان کے گھر، بسے نہیں ان کے پیچھے مگر تھوڑے دنوں۔ اور ہم ہیں آخر

الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ

سب کچھ لینے والے ف۴ اور تیرا رب نہیں غارت کرنے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے ان کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سنائے ان کو

سب لینے والے۔ اور تیرا رب نہیں کھپانے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے ان کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دیکر جو سنائے ان کو

اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ

ہماری باتیں ف۵ اور ہم ہرگز نہیں غارت کرنے والے بستیوں کو، مگر جب کہ وہاں کے لوگ گناہ گار ہوں ف۶ اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز سو فائدہ اٹھالینا

ہماری باتیں، اور ہم نہیں کھپانے والے بستیوں کو، مگر جبکہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں۔ اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز، سو برتنا ہے

= آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ہے وہ ادا کیے جائیں، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہیں، اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ پر لایا جائے۔

ف۱ انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں۔ مثلاً نقصان، جان و مال کا خوف، چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ اردگرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور مل کر ہمارا لقمہ کر لیں گے، نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔ اس کا آگے جواب دیا ہے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" مکہ کے لوگ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں، اللہ نے فرمایا اب ان کی دشمنی سے کس کی پناہ میں بیٹھے ہو۔ یہی حرم کا ادب (مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے) وہی اللہ (جس نے اس جگہ کو حرم بنایا) تب بھی پناہ دینے والا ہے۔" (موضح) کیا شرک و کفر کے باوجود تو پناہ دی، ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر پناہ نہ دے گا۔ ہاں ایمان و تقویٰ کو پرکھنے کے لیے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہ چاہیے۔ "فَاِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ۔"

ف۳ یعنی عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرو، دیکھتے نہیں کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا کہ آج صفحہ ہستی پر ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ یہ کھنڈر ان کی بستیوں کے پڑے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر ستانے یا قدرت الٰہی کا عبرت ناک تماشہ دیکھنے کے لیے وہاں جا اترے۔

ف۴ یعنی سب مر مرا گئے کوئی وارث بھی نہ رہا ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

ف۵ یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک بستیوں کو غارت نہیں کرتا جب تک ان کے صدر مقام میں کوئی ہشیار کرنے والا پیغمبر نہ بھیج دے (صدر مقام کی تخصیص شاید اس =

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰ ع

ہے دنیا کی زندگی میں اور یہاں کی رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا، کیا تم کو سمجھ نہیں ف۱

دنیا کے جیتے، اور یہاں کی رونق۔ اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور رہنے والا۔ کیا تم کو بوجھ نہیں ؟

بیان حکمت در تکریر موعظت و مدح مومنین اہل کتاب و پیران حق وصواب

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ... الی ... اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ اللہ نے رسول بھیج کر اور کتاب ہدایت نازل کر کے لوگوں پر حجت پوری کردی اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے حق اور ہدایت کو خوب واضح کردیا اور مفصل اور مکرر اور سہ کرر بیان کر کے بھی لوگوں پر حجت پوری کردی ہے اور قرآن کریم کو ہم نے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کو سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو اگر سارے قرآن کو یک بارگی نازل کردیتے تو تذکر کا فائدہ حاصل نہ ہوتا نیز گزشتہ آیات میں ان ظالموں اور نفس پرستوں کی مذمت فرمائی کہ جو ہدایت خداوندی کے مقابلہ میں نفسانی خواہشوں کو مقدم رکھتے ہیں اب ان آیات میں گزشتہ کے مقابل انصاف پسند اور حق پسند اہل کتاب کی مدح فرماتے ہیں کہ جنہوں نے حق اور ہدایت کے سامنے سر تسلیم خم کردیا جیسا کہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ستر علماء نصاریٰ جن کو نجاشی شاہ حبشہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو آپ ﷺ نے ان پر سورۃ یٰسین پڑھی تو وہ لوگ سنتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے اور وہ لوگ مسلمان ہوگئے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی یعنی ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ... الی قوله تعالیٰ ... اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۹۳)

چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ان کے لئے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت و مصلحت ہدایت کی بات کو پے در پے اور بار بار اور لگاتار بیان کیا ایک آیت کے بعد دوسری آیت اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت اور ایک نصیحت کے بعد دوسری نصیحت۔ حتی کہ ان پر حجت پوری کردی تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور ہدایت کی بات کو مانیں۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ ہم نے ان کے لیے انواع و اقسام کی ہدایت کی باتیں بیان کردیں جس سے ہر گم راہی کا ازالہ اور ہر گم راہ فرقہ کا رد ہوگیا تاکہ وہ ہدایت کو قبول کریں اور گم راہی سے باز آجائیں یعنی فقط وَصَّلْنَا اوصال بمعنی انواع و اقسام سے مشتق ہے۔

= لیے کی کہ وہاں کا اثر دور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے باشندے نسبتاً سلیم و عقیل ہوتے ہیں) تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظمہ تھا۔ ﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اسی لیے وہاں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر مبعوث ہوئے۔

ف۶ یعنی ہشیار کرنے پر بھی جب لوگ باز نہیں آتے، برابر ظلم و طغیان میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ پکڑ کر ہلاک کرتا ہے۔

ف۱ یعنی آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل کا مزہ کب تک اٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے، تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا اگر وہاں کا عیش و آرام میسر ہوگیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض ہیچ اور لاشئ ہے۔ کون عقل مند ہوگا جو ایک مکدر و منغص زندگی کو بے غل و غش زندگی پر اور ناقص و فانی لذتوں کو کامل و باقی نعمتوں پر ترجیح دے۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ ہم نے حق بات کو نہایت واضح اور مفصل کردیا کہ جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔
(یا یہ معنی ہیں) کہ ہم نے قرآن میں جگہ جگہ اور بار بار ان امتوں کا ذکر کیا ہے کہ جو رسولوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں تاکہ ان کا حال سن کر ان سے عبرت پکڑیں۔

اس آیت میں مشرکین کے اس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا۔ جو یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہے تو توریت کی طرح دفعۃً کیوں نازل نہیں ہوا۔ جواب یہ ہوا کہ ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج اس لئے نازل کیا تاکہ لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور یاد رکھنے میں ان کو سہولت ہو اور اس تدریجی نزول سے وقتاً فوقتاً ان پر ایک نئی حکمت اور نئی موعظت منکشف ہوتی رہے اور گزشتہ امتوں کی ہلاکت کا حال سن کر عبرت پکڑیں کہ مبادا جو عذاب اگلوں پر نازل ہوا ہے وہ ہم پر بھی نازل نہ ہو جائے اس لئے ہم نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے حالات اور کفار کی ہلاکت اور تباہی کے واقعات کو بار بار و بتکرار۔ بیان کیا تاکہ حق اور حقیقت کو خوب سمجھ جائیں اور بار بار سن کر قہر الٰہی سے ڈر جائیں اور نصیحت پکڑیں اور ایک فائدہ یہ ہے کہ بار بار کی فہمائش اور تذکیر سے حجت پوری ہو جاتی ہے اور کسی قسم کے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور کیا یہ مشرکین عرب اس بات پر نظر نہیں کرتے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت انبیاء سابقین کی بشارت اور علماء اہل کتاب کی تصدیق اور اعتراف سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں کو ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے یا نزول قرآن سے پہلے کتاب توریت اور انجیل دی تھی وہ تو اس نبی پر یا اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے یقین کیا کہ یہ کلام الٰہی ہے بیشک اور بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کے پاس سے آیا ہے۔ تحقیق ہم تو اس کو پہلے ہی سے مانے ہوئے تھے کیونکہ توریت اور انجیل اور کتب سابقہ میں اس کی بابت پیشین گوئیاں مذکور ہیں۔ ہم انبیاء سابقین کی بشارتوں کی وجہ سے پہلے ہی سے توحید کے اور نبی آخر الزمان ﷺ کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کے قائل تھے اور اس کے منتظر تھے۔ علماء اہل کتاب کے ایمان کے ذکر سے اہل مکہ پر حجت قائم کرنا ہے کہ جو لوگ شریعت سابقہ کے علم سے واقف تھے انہوں نے تو اس قرآن کو سنتے ہی کہہ دیا کہ ہم اس پر ایمان لے آئے اور بے شک یہ برحق ہے اور خدا کی طرف سے ہے اور یہ وہی کتاب ہے جس کے نزول کی انبیاء سابقین نے خبر دی ہے اور یہ نبی وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کے ظہور کی انبیاء سابقین خبر دیتے آئے۔ ہم تو اس کے مشتاق اور منتظر تھے جیسا کہ سورۃ اعراف میں گزرا۔ ﴿النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾ اور سورۃ شعراء میں گزرا۔ ﴿أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے منصف اور حق پرست اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا کہ حق کے قبول کرنے کی وجہ سے ان کو جو مشقتیں پیش آئیں اور ان کو برداشت کیا اور دنیاوی اغراض اور منافع کی وجہ سے قبول حق سے گریز نہیں کیا دنیا پر لات ماری اور حق کے سامنے گردن جھکا دی اور اس راہ میں جو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کیا جیسا کہ حدیث میں ہے، ثلاثۃ لھم اجران رجل من اھل الکتاب امن بنبیہ ثم امن بی والعبد المملوك

اذا ادی حق اللہ وحق ھو الیہ ورجل کانت عندہ امۃ فادبھا فاحسن تادیبھا وعلمھا فاحسن تعلیمھا ثم اعتقھا ثم تزوجھا فلہ اجران۔

(تین شخصوں کو اپنے عمل کا دوہرا اجر ملے گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے کہ جو اہل کتاب میں سے ہے پہلے اپنے نبی یعنی موسیٰ یا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا الخ)

نکتہ: ...... شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شیخ اکبر رحمہ اللہ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے نبی پر دو مرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سابقین کے مصدق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا ایک بالذات وبالاستقلال۔ دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ ہر پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لئے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حق جل شانہ نے ان آیات میں مومنین اہل کتاب کی مدح فرمائی اول ان کے اعتقاد اور ایمان کا ذکر فرمایا اس کے بعد ان کے اخلاق فاضلہ کو بیان کیا جس میں سب سے پہلے ان کی صفت صبر کو بیان کیا اور بما صبروا کہا کیونکہ صبر ہی تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے اب ان کی دوسری صفت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں کوئی ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء ۔۔۔ اگر مردی احسن الیٰ من اساء

اور تیسری صفت ان کی یہ ہے کہ ہم نے جوان کو رزق دیا ہے اس میں سے میری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور چوتھی صفت ان کی یہ ہے کہ وہ جب کافروں اور منافقوں سے کوئی لغو اور بے ہودہ بات سنتے ہیں یعنی ان کی طعن وتشنیع کو سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں یعنی اس سے الجھتے نہیں بلکہ کنارہ کشی کرتے ہیں اور سلامت روی کے طور پر یہ کہہ دیتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ ہر ایک کا عمل اس کے سامنے آجائے گا پس تم پر ہمارا سلام ہے ہم جاہلوں سے واسطہ رکھنا نہیں چاہتے۔ اس جگہ سلام سے سلام تحیت مراد نہیں بلکہ سلام متارکت اور سلام اعراض ومفارقت مراد ہے تم ہماری طرف سے امن اور سلامتی میں ہو اور ہم تمہاری طرف سے امن اور سلامتی میں ہیں۔ یعنی ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے اور تمہارے لغو کا لغو سے مقابلہ نہیں کرتے جاہلوں سے مقابلہ بے سود ہے خاص کر جو جہل مرکب اور جہالت عناد میں مبتلا ہو اس کی ہدایت اور اصلاح تو نہایت دشوار ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ تحقیق اے نبی باوجود اس کے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی عالم اور رحمت مجسم بنا کر بھیجا ہے مگر ہدایت اور توفیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضۂ قدرت میں نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت دے دیں لیکن اللہ ہی اس بات پر قادر ہے کہ وہ جس کو چاہے راہ دکھا دے اور راہ پر چلا دے اور منزل مقصود پر پہنچا دے اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو۔ اللہ ہی کو معلوم کہ کون ہدایت پائے گا۔ غیب کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اور تمام خزانے اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع مفسرین ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے لئے بڑی کوشش کی کہ مرتے

وقت ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے مگر اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری۔ (موضح القرآن) نبی کے اختیار میں صرف اتنا ہے کہ یہ بتلا دے کہ حق کی راہ یہ ہے باقی حق کا دل میں اتار دینا یہ اللہ کا کام ہے۔ آنحضرت ﷺ ہدایت پر مامور تھے مگر ہدایت دینے پر قادر نہ تھے۔

ابراہیم علیہ السلام آزر کو ہدایت نہ دے سکے اور نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو ہدایت نہ دے سکے۔ اور لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو ہدایت نہ دے سکے، مطلب یہ ہے کہ ہدایت دعوت اور ہدایت بیان تو آپ ﷺ کی قدرت میں ہے۔ مگر ہدایت توفیق آپ ﷺ کی قدرت میں نہیں دیکھو تفسیر کبیر [1]: ۶/ ۴۸۵۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس آیت کے نازل کرنے سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے کہ آپ ﷺ رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں ہدایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی کو معلوم ہے کہ کس میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہے اور کس میں نہیں۔ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ میں قدرت اور اختیار کی نفی کی گئی کہ ہدایت کسی کی قدرت اور اختیار میں نہیں اور ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ میں کی نفی کی گئی کہ کسی کو اس کا علم بھی نہیں کہ کون راہ یاب ہوگا۔

اتمام حجت و قطع معذرت

یعنی قبول ہدایت کے بارے میں کافروں کے ایک حیلہ اور بہانہ کا ذکر اور اس کا جواب

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ... الی ... اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ آنحضرت ﷺ من جانب اللہ ہادی برحق ہیں۔ حق کا راستہ بتلانے والے ہیں مگر کسی کے دل میں حق کا اتار دینا یہ اللہ ہی کا کام ہے نبی کا کام ہدایت اور رہنمائی اور حق کی دعوت ہے اور بندوں کا کام اللہ کی راہ پر چلنا اور اس کی ہدایت اور دعوت کو قبول کرنا ہے اب آئندہ آیات میں کافروں کے ایک حیلہ اور بہانہ کا ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ جاہل ہدایت کے نہ قبول کرنے کے عذر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہو کر ہدایت کی پیروی کریں اور قبائل عرب کی مخالفت کریں تو ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم اپنی زمین سے اچک لئے جائیں اور اپنے گھروں سے نکال دیئے جائیں۔ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے اور وہ دنیاوی زندگی میں ہماری دولت کا سبب ہے اور مرنے کے بعد ہماری سعادت کا ذریعہ ہے مگر ہم کو ڈر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی متابعت سے تمام قبائل عرب ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہم کو ہمارے گھروں سے نکال دیں گے اور ہم میں ان کے مقابلہ کی قوت نہیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان کے اس شبہ کے تین جواب دیئے گئے۔

[1] قال الامام الرازی۔ قال اللہ تعالیٰ انك لا تهدی من احببت وقال تعالیٰ فی ایة اخری وانك لتهدی الی صراط مستقیم ولاتنا فی بینهما فان الذی اثبته واضافه الیه الدعوة والبیان والذی نفی هدایة التوفیق وشرح الصدر وهو نور یقذف فی القلب فیحیا به القلب کما قال تعالیٰ اومن کان میتا فاحییناه وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس۔ (تفسیر کبیر: ۶/ ۴۸۵)

جواب اول

﴿أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾

کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے ان کو حرم میں آباد کیا ہے جو امن وامان کی جگہ ہے جہاں کوئی لڑائی کا نام بھی نہیں لیتا اور ان کو ایسی جگہ بسایا ہے جہاں ہر قسم کے پھل اور سامان رزق ہماری طرف سے کھچا چلا آتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے تو جس خدا نے تم کو اپنے حرم میں بسایا ہے جہاں کے رہنے والوں کو کوئی نہیں چھیڑتا اور باوجودیکہ یہ حرم خشک پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ تو جب کفر وشرک اور بت پرستی کی حالت میں خدا کے حرم میں امن سے بیٹھے ہو تو کیا خدا پرستی اور حق اور ہدایت کے اتباع سے اس نعمت وکرامت سے محروم ہو جاؤ گے حاصل جواب یہ ہے کہ جب ہم نے ان کو کفر اور شرک کی حالت میں اپنے حرم محترم میں پناہ دی اور امن وامان دیا اور رزق دیا اور مقام محفوظ میں ان کو بسایا تو اگر اسلام لے آئیں۔ اور خدا پرست بن جائیں تو خدا کی رحمت سے پہلے سے زیادہ مامون اور محفوظ ہوں گے اور پہلے سے زیادہ رزق پاویں گے۔

دوسرا جواب

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ... الی ... إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ﴾

اور یہ نادان جو دنیاوی فوائد اور منافع کے خیال سے ہدایت کے اتباع سے گریز کر رہے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ ہم نے ہدایت کا اتباع نہ کرنے کے جرم میں کتنی ہی بستیاں ہلاک کر ڈالیں جو اپنے سامان عیش وعشرت پر اتراتی تھیں اور دن رات عیش وعشرت میں غرق تھیں مگر ایمان نہ لانے اور ہدایت کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کی تمام نعمتوں پر پانی پھر گیا جس کی علت ان کا کفر تھا۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور قبول ہدایت زوال نعمت کا سبب نہیں بلکہ کفر اور ضلالت پر جمود اور اصرار زوال نعمت کا سبب ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۴۸۷۔

وہمی اور خیالی اور احتمالی مصیبتوں اور آفتوں سے تو ڈرتے ہیں اور کفر کی ان دنیوی مصیبتوں سے نہیں ڈرتے کہ جو پیش آ چکی ہیں اور ان کا انکار ممکن نہیں۔

پس یہ ان باغیوں اور طاغیوں کے مکانات ہیں جو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اور ان کے یہ مسکن خالی اور خراب پڑے ہیں جو ان کے ہلاک ہونے کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت تھوڑے کہ کوئی مسافر چلتا راہ وہاں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتا ہے اور دنیا کی عیش وعشرت پر نازل کرنے والے اور اترانے والے چل بسے اور ان کی بستیاں تباہ اور برباد ہو گئیں اور آخر میں ہم ہی ان کے وارث ہوئے یعنی وہ بستیاں ایسی اجڑیں کہ کوئی ان کا نام لینے والا نہیں رہا معلوم ہوا کہ دولت وثروت میں اترا کر اتباع ہدایت اور قبول حق سے گریز کا انجام تباہی اور بربادی ہے پس تم بزعم خود کفر وضلالت پر اصرار اور ایمان واسلام سے انکار کر کے اپنے ذرائع معاش اور وسائل دولت وثروت کی حفاظت کر رہے ہو۔ لیکن درحقیقت یہی باتیں تمہاری ہلاکت کا موجب ہیں۔ چشم عبرت سے کام لو اور دیکھو کہ ہم نے کتنی آبادیاں جو مال ودولت کے نشہ میں طغیان اور سرکشی کرنے لگی تھیں کس طرح ان کو تباہ اور برباد کر دیا کہ آج ان کا نام ونشان بھی نہیں رہا اور اے نبی ﷺ تیرا پروردگار بستیوں اور آبادیوں کو تباہ کرنے

والا نہیں یہاں تک کہ ان کے کسی بڑے شہر میں رسول بھیجے جو ان کو ہماری باتیں سنائے اور بتائے اور وہ ہمارے احکام کی پروانہ کریں تو ان پر ہمارا قہر نازل ہوتا ہے اور پھر ہم پیغمبر بھیجنے کے بعد بھی فوراً ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت کہ جب وہاں کے باشندے کھلم کھلا ظالم اور ستمگار ہو جائیں علانیہ طور پر حق سے انکار کرنے لگیں۔ اور ظلم وستم پر اتر آئیں اور حق کی دشمنی پر اور ظلم پر کمر ہی باندھ لیں اور یہی ٹھان لیں کہ اب حق کو نہیں مانیں گے تب اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔

تیسرا جواب

﴿وَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ... الی ... أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

اور اے بدنصیبو! خوب سمجھ لو جو کچھ تم دیئے گئے ہو سو اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ چند روزہ دنیاوی زندگی کی بہرہ مندی ہے اور اس کی زینت اور آرائش ہے یعنی جس مال ومتاع کی خاطر تم دین اسلام قبول نہیں کرتے وہ فقط چند روزہ زندگی کا سامان ہے اور فنا ہونے والا ہے اور ایمان لانے والوں اور ہدایت قبول کرنے والوں کے لئے جو خدا کے نزدیک مہیا کیا گیا ہے وہ اس دنیا کی زینت سے کہیں بہتر ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ باقی رہنے والا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے پس اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر ہم ایمان لائے تو ہمارا مال ومتاع ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا پس اگر تمہارے اس خیال کو صحیح مان لیا جائے تو یہ سوچو کہ دنیا کا تمام مال ومتاع فانی ہے اور چند روزہ ہے لہٰذا اگر یہ چند روزہ اور کھوٹی پونجی دے کر آخرت کی دائمی نعمت اور لازوال اور بے مثال دولت حاصل کرلو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ دنیا کی کوئی نعمت مضرت اور کدورت سے خالی نہیں اور ایک محدود اور معین وقت کے لئے ہے دائمی نہیں اور محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی نعمتیں مضرت اور کدورت سے بالکلیہ خالی ہیں اور باقی اور لازوال اور بے مثال ہیں اور غیر محدود اور غیر متناہی ہیں۔ پس ذرا خیال تو کرو اور اپنے دل میں انصاف کرو کہ فانی پر اکڑ رہے ہو اور باقی کو چھوڑ رہے ہو کیا فانی اور باقی برابر ہو سکتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دنیا کی حقارت اور ذلت کو بتلایا کہ دنیا کی حقیقت صرف ایک چند روزہ ظاہری زینت سے زیادہ نہیں۔ قابل رغبت دار آخرت ہے جس میں ایمان لانے والوں کو بے مثال اور لازوال نعمتیں ملیں گی لہٰذا فکر کرو۔ ﴿مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ اور ﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ ﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾۔

أَفَمَن وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ

بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سو وہ اس کو پانے والا ہے برابر ہے اس کے جس کو ہم نے فائدہ دیا دنیا کی زندگانی کا پھر وہ

بھلا ایک شخص، جو ہم نے وعدہ دیا ہے اس کو اچھا وعدہ، سو وہ اس کو پانے والا ہے، برابر ہے اس کے، جس کو ہم نے برتوایا برتنا دنیا کے جیتے؟ پھر وہ

الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ

قیامت کے دن پکڑا ہوا آیا ف۱ اور جس دن ان کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم

قیامت کے دن پکڑا آیا۔ اور جس دن ان کو پکارے گا، تو کہے گا، کہاں ہیں میرے شریک؟ جن کا تم

ف۱ یعنی مومن وکافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک کے لیے دائمی عیش کا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا اور دوسرے کے لیے چند=

تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ

دعویٰ کرتے تھے ف۱ بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ان کو بہکایا

دعویٰ کرتے تھے۔ بولے، جن پر ثابت ہوئی بات، اے رب ! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا۔ ان کو بہکایا،

كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ

جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوجتے تھے ف۲ اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو

جیسے بہکے ہم آپ بہکے۔ ہم منکر ہوئے تیرے آگے، وہ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو،

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ

پھر پکاریں گے ان کو تو وہ جواب نہ دیں گے ان کو ف۳ اور دیکھیں گے عذاب کسی طرح وہ راہ پائے ہوئے ہوتے ف۴ اور جس دن

پھر پکاریں گے تو وہ جواب نہ دیں گے ان کو، اور دیکھیں گے عذاب۔ کسی طرح وہ راہ پائے ہوتے۔ اور جس دن

يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ

ان کو پکارے گا تو فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو پھر بند ہو جائیں گی ان پر باتیں اس دن سو وہ آپس میں بھی

ان کو پکارے گا، تو کہے گا، کیا جواب کہا تم نے ؟ پیغام پہنچانے والوں کو۔ پھر بند ہوگئیں ان پر باتیں اس دن سو آپس میں بھی

لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ

نہ پوچھیں گے ف۵ سو جس نے کہ توبہ کی اور یقین لایا اور عمل کیے اچھے سو امید ہے کہ ہو

نہیں پوچھتے۔ سو جس نے توبہ کی ہے اور یقین لایا اور کی بھلائی، سو امید ہے کہ ہووے

= روزہ عیش کے بعد گرفتاری کا وارنٹ اور دائمی جیل خانہ، العیاذ باللہ! ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے، خدم وحشم پرے باندھے کھڑے ہیں اور الوان نعمت دسترخوان پر چنے ہوئے ہیں جن سے لذت اندوز ہو رہا ہوں، آنکھ کھلی تو دیکھا انسپکٹر پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی ہتھکڑی لیے کھڑا ہے۔ بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیش ہو کر حبس دوام کی سزا مل گئی۔ بتاؤ اسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت کیا یاد آئے گی۔

ف۱ یعنی وہ خدائی کے حصہ دار کہاں ہیں ذرا اپنی تائید و حمایت کے لیے لاؤ تو سہی۔

ف۲ یعنی سوال تو مشرکین سے تھا، مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ فی الحقیقت ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے۔ اس لیے سبقت کر کے جواب دیں گے کہ خداوندا! بیشک ہم نے ان کو بہکایا اور یہ بہکانا ایسا ہی تھا جیسے ہم خود بہکے۔ یعنی جو ٹھوکر بہکنے کے وقت کھائی تھی اسی کی تکمیل بہکانے سے کی۔ کیونکہ بہکانا بھی بہکنے کی انتہائی منزل ہے۔ پس اس جرم اغواء کا تو ہمیں اعتراف ہے۔ لیکن ان مشرکین پر کوئی جبر و اکراہ ہمارا نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوا لیتے۔ فی الحقیقت ان کی ہوا پرستی تھی جو ہمارے بہکانے میں آ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنے اہواء وظنون کی پرستش کرتے تھے ہم ان کی عبادت سے آج آپ کے سامنے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں۔ کذا قال بعض المفسرین۔ اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ شیطان بولیں گے: بہکایا تو ہے انہوں نے پر نام لے کر نیکوں کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(تنبیہ) "حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ" سے مراد ہے ﴿لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾۔

ف۳ یعنی کہا جائے گا کہ اب مدد کو بلاؤ، مگر وہ کیا مدد کر سکتے خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ کذا قال المفسرون۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین جب نیکوں کا نام لیں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ ان نیکوں کو پکارو! وہ کچھ جواب نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ ان مشرکانہ حرکات سے راضی نہ تھے یا خبر =

الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى

چھوٹنے والوں میں ف۱ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے جس کو چاہے ان کے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا ف۲ اللہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے

چھوٹنے والوں میں۔ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے۔ ان کے ہاتھ نہیں پسند۔ اور نرالا ہے اور بہت اوپر ہے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ

اس چیز سے کہ شریک بتلاتے ہیں ف۳ اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں اور جو کچھ کہ ظاہر میں کرتے ہیں ف۴ اور وہی اللہ ہے کسی کی

اس سے کہ شریک بتاتے ہیں۔ اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے اُن کے سینوں میں اور جو جتاتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے! کسی کی

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُولٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾

بندگی نہیں اس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی کے پاس پھیرے جاؤ گے ف۵

بندگی نہیں اس کے سوا۔ اسی کی تعریف ہے پہلے میں اور پچھلے میں۔ اور اسی کے ہاتھ حکم ہے، اور اسی پاس پھیرے جاؤ گے۔

ظہور ثمرات ایمان وہدایت ونتائج کفر وضلالت درروز قیامت

قَالَ تَعَالٰى: ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا ... الى ... وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

=نہ رکھتے تھے۔

ف۴ یعنی اس وقت عذاب کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں سیدھی راہ چلتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔

ف۵ پہلے سوالات توحید کے متعلق تھے، یہ سوال رسالت کی نسبت ہوا۔ یعنی اپنی عقل سے تم نے اگر حق کو نہ سمجھا تھا تو پیغمبروں کے سمجھانے سے سمجھا ہوتا، بتلاؤ ان کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ اس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا۔ اور بات کرنے کی راہیں بند ہو جائیں گی۔

ف۱ یعنی وہاں کی کامیابی صرف ایمان وعمل صالح سے ہے۔ اب بھی جو کوئی کفر وشرک سے توبہ کر کے ایمان لایا اور نیکی اختیار کی، حق تعالیٰ اس کی پہلی خطائیں معاف کر کے فائز المرام کرے گا۔

(تنبیہ) ﴿فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ﴾ وعدہ ہے شہنشاہانہ انداز میں یعنی اس کو فلاح کی امید رکھنا چاہیے۔ گو ہم پر کسی کا دباؤ نہیں کہ ناچار ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ محض فضل وکرم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

ف۲ یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت واختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔ جو اس کی مرضی ہوا حکام بھیجے۔ جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب ومرتبہ پر فائز کرے۔ جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرما دے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع وافراد سے ممتاز بنا دے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار وانتخاب کا حق حاصل نہیں۔ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے فلیراجع۔

ف۳ یعنی تخلیق وتشریع اور اختیار مذکور میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں لوگوں نے اپنی تجویز وانتخاب سے جو شرکاء ٹھہرا لیے ہیں سب باطل اور بے سند ہیں۔

ف۴ یعنی دل میں جو فاسد عقیدے یا بری نیتیں رکھتے ہیں اور زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سے جو کام کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ ہی ہر ایک شخص کی پوشیدہ استعداد وقابلیت سے آگاہ ہے اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

ف۵ یعنی جس طرح تخلیق واختیار اور علم محیط میں وہ متفرد ہے الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔ بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسی کی ذات منبع الکمالات میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام رکھ کر کی جائے حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اسی کے فضل وانعام سے ہیں بلکہ خود رات اور دن کا ادل بدل کرنا بھی اس کا مستقل احسان ہے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں ایمان وہدایت کی ترغیب اور کفر وضلالت سے ترہیب کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان اور ہدایت کے ثمرات اور کفر وضلالت کے نتائج کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔ اول۔ ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا﴾ کی آیت میں اجمالی طور پر اہل دنیا اور اہل آخرت کے تفاوت کو بیان کیا بعد ازاں اس تفاوت کی تفصیل فرمائی کہ قیامت کے دن اہل ضلالت سے بطور زجر وتوبیخ تین سوال ہوں گے۔

پہلا سوال:...... ﴿اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ یعنی بتلاؤ کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا۔ یعنی کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے تم کو گمراہ کیا۔

دوسرا سوال:...... ﴿وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ یعنی تم اپنے ان معبودوں کو بلاؤ جن کو تم اپنا معین اور مددگار سمجھتے تھے تاکہ وہ تمہاری فریادرسی کریں۔

تیسرا سوال:...... ﴿مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ انبیاء کرام کی اطاعت اور متابعت کے متعلق ہوگا۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا اے بے عقلو! جو تم کفر وضلالت کو ایمان اور ہدایت پر اور دنیا کو آخرت پر فضیلت دیتے ہو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں سو جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا جس میں نہ ضرر کا احتمال ہے اور نہ غلط بیانی کا امکان ہے سو جس مومن سے ہم نے ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے پر دنیا اور آخرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور اس کو پانے والا ہے تو کیا ایسا شخص اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کا چندروزہ سامان دیا اور ختم ہوا اور پھر قیامت کے دن وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو عذاب کے لئے حاضر کئے جائیں گے۔ ذرا عقل سے کام لو اور بتاؤ کہ کیا یہ دونوں شخص برابر ہوسکتے ہیں چندروز خوب مزے اڑائے اور قانون حکومت کی کوئی پرواہ نہ کی بالآخر گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور پھانسی پر لٹکا دیا گیا کیا تم کو اتنی عقل نہیں کہ ان دونوں میں کون اچھا رہا اور تمہیں کس زمرہ میں شامل ہونا چاہئے اور ایسے مال ومتاع اور سامان عیش وعشرت سے کیا جس کے بعد تم کو مجرموں کی صف میں کھڑا کرکے تم سے باز پرس کی جائے اس لئے تم اس دن کو یاد کرو یا اے نبی ان کو وہ دن یاد دلاؤ کہ جب یہ مجرمین آخرت میں عذاب کے لئے ہمارے حضور میں پکڑے ہوئے آئیں گے تو اس دن خدا تعالیٰ ان کو پکارے گا پھر کہے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے جو ملتیں کفر اور شرک میں مبتلا ہیں وہ محض اپنے گمان اور خیال پر چلتی ہیں۔ دلیل عقلی کسی کے پاس بھی نہیں جو یہ ثابت کرسکے کہ یہ چیز الوہیت میں خدا کی شریک ہے اس جگہ شرکاء سے رؤساء ضلالت مراد ہیں جن کے کہنے سے ان لوگوں نے کفر اور شرک کیا کیونکہ بدون کسی دلیل شرعی اور بغیر حکم الٰہی کے کسی شخص کے کہنے کو بے چون وچرا مان لینا بھی شرک ہے اسی طرح کسی کی اطاعت کرنا گویا کہ اس کو اپنا رب بنانا ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾۔

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ہم نے تو احبار اور رہبان کو اپنا رب نہیں بنایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا جب احبار ورہبان جو تم کو حکم دیتے تھے کیا تم اس پر (بے چون وچرا) نہیں چلتے تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہی شرک ہے (رواہ الترمذی وغیرہ) معلوم ہوا کہ بے چون وچرا کسی کے حکم کو

واجب الاطاعت سمجھنا اور کسی کو واجب الاطاعت جاننا یہی شرک کی حقیقت ہے۔

غرض یہ کہ قیامت کے دن مشرکین سے سوال کیا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا۔ سوال تو مشرکین سے ہوگا مگر وہ رؤساء ضلالت اور ائمۃ الکفر جنہوں نے ان کو بہکایا تھا وہ سمجھ جائیں گے کہ یہ سوال زجر و توبیخ در حقیقت ہم سے ہے اس لئے وہ لوگ بولیں گے جن پر بوجہ اضلال یعنی دوسروں کو گم راہ کرنے کی وجہ سے جن پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہے اور مستوجب سزا ہو چکے ہیں بطور عذر یہ کہیں گے اے ہمارے رب یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے اغوا کیا اور دنیا میں ان کو راہ حق سے گم راہ کیا لیکن ہم نے ان کو گم راہ کیا جس طرح ہم باختیار خود غاوی اور گم راہ بنے ہم نے ان کو مجبور نہ کیا تھا اور نہ ہم کر سکتے تھے یہ لوگ باختیار خود اپنی خوشی اور رغبت سے غوایت اور گم راہی میں پڑے اپنی گم راہی کا الزام ہمارے سر لگانا غلط ہے کیونکہ اگر ایک طرف ہم نے ان کو بہکایا اور گم راہی کی طرف بلایا تو دوسری طرف تیرے احکام اور ہدایت موجود تھی ان کو اختیار تھا کہ دونوں طرف میں سے جس کو چاہتے اختیار کرتے ان لوگوں نے ہدایت کے مقابلہ میں بصد شوق و رغبت باختیار خود ہماری باتوں کو اختیار کیا اور ہدایت اور نصیحت سے اعراض کیا اور اب الزام ہمیں دیتے ہیں یہ کہنے والے گم راہوں کے رئیس اور ان کے پیشوا ہوں گے اور رؤساء ضلالت کا یہ جواب بالکلیہ ایسا ہی جواب ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی طرف سے حکایت کیا ہے۔ ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾۔

غرض یہ کہ رؤساء ضلالت اپنے کو الزام سے بری کرنے کے لئے یہ کہیں گے کہ ہم نے ان لوگوں کو گم راہی پر مجبور نہ کیا یہ لوگ اپنی خواہشوں کے بندے ہیں ہم ان کے فعل کے ذمہ دار نہیں ہم تیرے سامنے ان سے بری اور بے زار ہیں یہ لوگ فی الحقیقت ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور رؤسا ضلال کی اس بے زاری اور بے تعلق کے بعد ان مشرکین سے بطور تہکم اور استہزاء یہ کہا جائے گا اپنے شرکاء کو اپنی مدد کے لئے پکارو یعنی جن کو تم ہمارا شریک قرار دیتے تھے ان کو بلاؤ کہ وہ تم سے عذاب کو دفع کریں سو وہ ان کو پکاریں گے پس وہ جواب بھی نہ دیں گے اس کے بعد عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے پھر جائے گا اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں راہ یاب ہوتے اور ایمان لانے والوں اور ہدایت قبول کرنے والوں میں سے ہوتے تو یہ روز بد ہم کو نہ دیکھنا پڑتا۔

اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ انہیں پکارے گا پس کہے گا بتلاؤ کہ تم نے ہمارے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ جب انہوں نے تم کو حق کی طرف بلایا تھا پس اس روز ان پر تمام باتیں تاریک اور مشتبہ ہو جائیں گی پھر دہشت کی وجہ سے ایسے بدحواس ہو جائیں گے کہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہ سکیں گے کہ کیا جواب دیں یعنی دنیا میں انبیا کی نورانی حجتوں کے مقابلہ میں اپنی ظلماتی اور شیطانی اور نفسانی حجتیں بیان کیا کرتے تھے سو آج کے روز اس حالت میں ان پر حجتیں تاریک ہو جائیں گی پس باہم ایک دوسرے سے کچھ سوال بھی نہ کر سکیں گے جو یہاں اندھا تھا وہاں بھی اندھا ہو جائے گا یہ تو ان گم راہوں کا حال ہے جو گم راہی میں حق سے اندھے بنے رہے یہاں تک کہ مر گئے۔ ہاں مگر وہ جس نے کفر اور شرک سے توبہ کی

اور خدا اور رسول پر ایمان لایا۔ اور رسول کی ہدایت کے مطابق نیک کام کیا پس امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں سے ہو اور اس دن کی باز پرس اور ذلت سے نجات پا جائے بغیر دین اسلام قبول کئے فلاح اور کامیابی ممکن نہیں۔

مزن بے رضائے محمد نفس ٭ رہ رستگاری ہمین است و بس

اور تیرا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور برگزیدہ بناتا ہے اور ان لوگوں کو کوئی اختیار نہیں۔ خلق اور اختیار سب اللہ کے لئے مخصوص ہے کسی کے لئے اس میں شرکت اور منازعت ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک اور بلند اور برتر ہے ہر اس چیز سے جس کو مشرکین خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یہ تو خدا تعالیٰ کی قدرت اور اختیار کا حال ہے اور تیرے پروردگار کے علم کی شان یہ ہے کہ وہ ان کے سینہ کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اس کو بھی خوب جانتا ہے اور وہی اللہ اور خدائے برحق ہے جو عبادت کا مستحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو لائق عبادت ہو اسی کے لئے حمد و ثنا ہے دنیا اور آخرت میں۔ اس لئے کہ دنیوی اور اخروی نعمتوں کا وہی مالک ہے وہی منعم حقیقی اور محسن حقیقی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسی کے لئے حکم قضا اور فرماں روائی ہے حکومت اور قدرت اور اختیار سب اسی کے لئے ہے حاکم حقیقی وہی ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ تم اس جہان میں چند روز ہو۔ پھر قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ اسی کا حکم قضا نافذ ہوگا اور کسی کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔ پس ایسے معبود برحق کی عبادت کرو تا کہ اس دن کی ذلت سے نجات پاؤ۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک ف۱ کون حاکم ہے اللہ کے سوائے

تو کہہ، دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک، کون حاکم ہے اللہ کے سوا

يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا

کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی پھر کیا تم سنتے نہیں ف۲ تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو

کہ لاوے تم کو کہیں روشنی؟ پھر کیا تم سنتے نہیں؟ تو کہہ، دیکھو تو! اگر رکھ دے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو رات جس میں آرام کرو پھر کیا تم نہیں دیکھتے ف۳

قیامت کے دن تک، کون حاکم ہے اللہ کے سوا؟ کہ لا دے تم کو رات جس میں چین پکڑو، کیا تم نہیں دیکھتے؟

ف۱ مثلاً سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اس سے روشنی سلب کرلے تو اپنے کاروبار کے لیے ایسی روشنی کہاں سے لاسکتے ہو۔

ف۲ یہ بات ایسی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آجائے۔ تو کیا تم سنتے بھی نہیں۔

ف۳ یعنی اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت و سکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کون سی طاقت کر سکتی ہے۔ کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی۔

(تنبیہ) ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ ﴿اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا﴾ کے مناسب ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھنا عادۃً روشنی پر موقوف ہے جو=

وَمِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِیۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ

اور اپنی مہربانی سے بنا دیئے تمہارے واسطے رات اور دن کہ اس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اس کا فضل اور تاکہ تم

اور اپنی مہر سے بنادیا تم کو رات اور دن، کہ اس میں چین بھی پکڑو، اور تلاش بھی کرو کچھ اس کا فضل، اور شاید تم

تَشۡكُرُوۡنَ ﴿٧٣﴾ وَیَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ فَیَقُوۡلُ اَیۡنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿٧٤﴾

شکر کرو ف۱ اور جس دن ان کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا دعویٰ تم کرتے تھے

شکر کرو۔ اور جس دن ان کو پکارے گا تو کہے گا، کہاں ہیں میرے شریک؟ جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔

وَنَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیۡدًا فَقُلۡنَا هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ فَعَلِمُوۡۤا اَنَّ الۡحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ

اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتلانے والا ف۲ پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند ف۳ تب جان لیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی

اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتانے والا، پھر کہیں گے، لاؤ اپنی سند، تب جانیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی گئیں

عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿٧٥﴾ ع ۱۵ / ۱۰

ان سے جو باتیں وہ جوڑتے تھے ف۴

ان سے جو باتیں جوڑتے تھے۔

تذکیر نعم مشتمل بر بیان دلائل توحید

قال تعالیٰ: ﴿قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیۡكُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا ... الی ... وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت یعنی ﴿لَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاُوۡلٰی وَالۡاٰخِرَةِ﴾ میں اجمالاً اپنا مستحق حمد وثنا ہونا بیان کیا کہ اللہ ہی دنیوی اور اخروی نعمتوں کا مالک ہے اس لئے وہی مستحق حمد وثنا ہے اب آئندہ آیات میں اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اس کے کمال قدرت کی بھی دلیل ہے وہ یہ کہ اللہ نے تمہارے لئے لیل ونہار کو مسخر کیا جن کے بغیر تمہارے نظام حیات کا قیام اور قوام ناممکن ہے اور یہ دن رات اس کی کمال قدرت واختیار کی دلیل ہیں جس کا ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِیَرَةُ﴾ میں

= دن میں پوری طرح ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں چونکہ دیکھنے کی صورت نہیں، ہاں سننا ممکن ہے، اس لیے ﴿اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیۡكُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا﴾ کے ساتھ ﴿اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ﴾ فرمانا ہی موزوں تھا۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے تاکہ رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون وراحت بھی حاصل کرلو اور دن کے اجالے میں کاروبار بھی جاری رکھ سکو۔ اور روز وشب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

ف۲ احوال بتلانے والا پیغمبر یا ان کے نائب جو نیک بخت تھے۔ (موضح) وہ بتلائیں گے کہ لوگوں نے شرائع سماویہ اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

ف۳ یعنی خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال وحرام وغیرہ کے احکام کس ماخذ صحیح سے لیے تھے۔ پیغمبروں کو تو تم نے مانا نہیں، پھر کس نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے یا نہیں۔

ف۴ یعنی اس وقت نظر آجائے گا کہ سچی بات اللہ کی ہے۔ اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں اس روز سب کافور ہو جائیں گی۔

ذکر تھا۔ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کسی کی قدرت اور اختیار میں نہیں اور جس کو قدرت اور اختیار نہ ہو وہ لائق عبادت نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ﷺ ان لوگوں سے یہ کہیے۔ ذرا بتلاؤ تو سہی اگر خدا تعالیٰ تم پر رات کو روز قیامت تک دائم ❶ اور مستمر کر دے کہ رات ہی رات رہے اور آفتاب زمین کے نیچے ہی رہے اور طلوع نہ کرے تو اللہ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے روشنی لے آئے یعنی روز روشن لے آئے جس میں تم طلب معاش کر سکو کیا تم ہماری اس روشن دلیل کو عقل کے کان سے سنتے نہیں اور اے نبی آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہئے کہ بھلا بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کے برعکس دن کو روز قیامت تک ہمیشہ رہنے والا بنا دے کہ آفتاب اپنی جگہ قائم رہے اور غروب ہی نہ ہو تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام کر سکو اور دن کے کاموں کی تھکن سے راحت حاصل کر سکو۔ کیا تم خدا کے ان آثار قدرت اور آثار رحمت کو اپنی چشم بصر اور چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے یعنی کیا تم کو ایسی روشن دلیلیں دکھلائی نہیں دیتیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ رات میں تم آرام کرو اور دن میں اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم اللہ کی ان نعمتوں یعنی رات اور دن کا شکر کرو۔ رات اور دن یہ دو نعمتیں ہیں جو یکے بعد دیگرے تم کو پہنچتی رہتی ہیں دن کسبِ معاش کے لئے ہے اور رات راحت اور آرام کے لئے ہے غور تو کرو کہ یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں اور کیسی زبردست قدرت کی نشانیاں ہیں۔ انسان کو کام کی بھی ضرورت ہے اور کام کے بعد آرام کی بھی ضرورت ہے۔ تمہارے فرضی خداؤں میں یہ قدرت نہیں کہ وہ دن اور رات میں ذرہ برابر تغیر و تبدل کر سکیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہی خدائے برحق مستحق حمد و ثنا ہے جیسا کہ گزشتہ آیت میں بیان فرمایا۔ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ﴾۔

ان آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرمایا اور شرک کی قباحت اور شناعت کو بیان کیا اب آئندہ آیت میں مشرکین کی توبیخ کا ذکر ہے اور اے نبی ان بت پرستوں کو وہ دن یاد دلاؤ جس دن اللہ تعالیٰ ان کو ملائکہ قہر و غضب کی زبان سے آواز دے گا۔ پس کہے گا۔ بتلاؤ کہاں ہیں میرے شریک جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے اور ہر امت میں سے ہم ایک گواہ جدا کریں گے یعنی ان کے پیغمبروں کو سامنے لائیں گے جو ان کے قول اور فعل پر گواہی دے پھر ہم ان مشرکین سے اور کفر کرنے والی امتوں سے کہیں گے کہ تم اپنی دلیل لاؤ کہ کس دلیل سے تم نے میرے شرکا ٹھہرائے اور کس بنا پر تم نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی۔

پس اس وقت جان لیں گے کہ "حق" یا "عبادت" یا "توحید" اللہ عزوجل ہی کے لئے ہے اور شرک بالکل غلط اور باطل ہے اور دنیا میں جو جھوٹی باتیں بناتے تھے اور خدا پر افتراء کرتے تھے وہ اس دن ان سے سب غائب اور گم ہو جائے گا اور واضح ہو جائے گا کہ خدا تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ

قارون جو تھا سو موسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا ان پر فـ۱ اور ہم نے دیے تھے اس کو خزانے اتنے کہ اس کی کنجیاں اٹھانے سے

قارون جو تھا، سو تھا موسیٰ کی قوم سے، پھر شرارت کرنے لگا ان پر۔ اور ہم نے دیئے تھے اس کو خزانے اتنے کہ اس کی کنجیوں سے

فـ۱ رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ بعدہ ذکر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم آخرت کے =

❶ دائم اور مستمر لفظ سرمد کا ترجمہ ہے جو سرد سے ماخوذ ہے جس کے معنی متابعت اور اطراد کے ہیں۔

لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ﴿۷۶﴾

تھک جاتے کئی مرد زور آور ف۱ جب کہا اس کو اس کی قوم نے اترا مت اللہ کو نہیں بھاتے اترانے والے ف۲

تھکتے کئی مرد زورآور۔ جب کہا اس کو اس کی قوم نے اترا مت، اللہ کو نہیں بھاتے اترانے والے۔

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَآ

اور جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے کما لے پچھلا گھر ف۳ اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر جیسے

اور جو تجھ کو اللہ نے دیا، اس سے پیدا کر پچھلا گھر، اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے، اور بھلائی کر جیسے

اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ

اللہ نے بھلائی کی تجھ سے ف۴ اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے ف۵ بولا

اللہ نے بھلائی کی تجھ سے، اور نہ چاہ خرابی ڈالنی ملک میں۔ اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے۔ بولا،

= بیان ہوئے۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا، جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لیے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنا لیتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون کو چن لیا تھا۔ قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیاوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور سرداری جاتی رہی۔ اس حسد و غیظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تورات بہت پڑھتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مگر دل صاف نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی ان ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں، مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انھیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ علیہ السلام جو احکام لائے ہم تم نے برداشت کیے۔ مگر کیا تم یہ بھی برداشت کر لو گے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اس کی تائید میں کہا نہیں، ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰ کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب موسیٰ علیہ السلام زناء کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ ان کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو شدید قسمیں دیں، اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل ڈرا۔ تب اس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھ کو سکھایا تھا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے وہ مع اپنے گھر اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔

ف۱ بعض سلف نے "مفاتح" کی تفسیر خزائن سے کی ہے۔ یعنی اس قدر روپیہ تھا کہ طاقتور مردوں کی ایک جماعت بھی اسے مشکل سے اٹھا سکتی۔ لیکن اکثر مفسرین نے مفاتح کی تفسیر کنجیوں سے کی ہے۔ یعنی مال کے صندوق اتنے تھے جن کی کنجیاں اٹھاتے ہوئے کئی زور آور آدمی تھک جائیں۔ اور یہ چنداں مستبعد نہیں جیسا کہ بعض تفاسیر میں اس کی صورت بتلائی گئی ہے۔

ف۲ یعنی اس فانی و زائل دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں پر پشہ کی برابر بھی نہیں۔ خوب سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اس مالک کو نہ بھائے اس کا نتیجہ بجز تباہی و ہلاکت کے کیا ہے۔

ف۳ یعنی خدا کا دیا ہوا مال اس لیے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے۔ نہ یہ کہ غفلت کے نشہ میں چور ہو کر غرور و تکبر کی چال چلنے لگے۔

ف۴ یعنی حصہ موافق کھا، پہن اور زیادہ مال سے آخرت کما۔ اور مخلوق کے ساتھ سلوک کر۔

ف۵ یعنی حضرت موسیٰ کی ضد نہ کر، خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ۔ خواہ مخواہ ملک میں اودھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ

یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے ف۱ کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ غارت کر چکا ہے اس سے پہلے کتنی جماعتیں

یہ تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے۔ کیا نہ جانا ؟ کہ اللہ کھپا چکا ہے اس سے پہلے کتنی سنگتیں،

مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى

جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں زور اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع ف۲ اور پوچھے نہ جائیں گناہ گاروں سے ان کے گناہ ف۳ پھر نکلا

جو اس سے زیادہ رکھتے تھے زور، اور زیادہ مال کی جمع۔ اور پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے ان کے گناہ۔ پھر نکلا

قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ

اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ طالب تھے دنیا کی زندگانی کے اے کاش ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے

اپنی قوم کے سامنے اپنی تیاری سے۔ کہنے لگے، جو طالب تھے دنیا کی زندگی کے، اے کسی طرح ہم کو ملے، جیسا کچھ ملا ہے

قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ

قارون کو بیشک اس کی بڑی قسمت ہے ف۴ اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے

قارون کو، بیشک اس کی بڑی قسمت ہے۔ اور بولے جن کو ملی تھی بوجھ، اے خرابی تمہاری ! اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے

لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ

ان کے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا ف۵ اور یہ بات انہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں ف۶ پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں

ان کو جو یقین لائے اور کیا بھلا کام۔ اور یہ بات انہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں۔ پھر دھنسایا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں۔

ف۱ یعنی میں ہنرمند تھا۔ کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ اپنی لیاقت و قابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت حاصل ہوئی۔ اللہ نے بھی میری لیاقت کو دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یونہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے حکم اور تمہارے مشورہ کے موافق خدا کے نام پر خرچ کر ڈالوں۔

ف۲ یعنی دولت کمانے کی لیاقت کس نے دی۔ افسوس ہے منعم حقیقی کو بھول کر اس کی دی ہوئی دولت ولیاقت پر غرہ کرنے لگا۔ کیا اسی دولت کو اس نے اپنی نجات کا ضامن تصور کر رکھا ہے۔ اسے معلوم نہیں کتنی جماعتیں اپنی شرارت وسرکشی کی بدولت پہلے تباہ کی جا چکی ہیں۔ جن کے پاس بادشاہتیں تھیں اور اس ملعون سے زیادہ خزانوں اور لشکروں کے مالک تھے۔ ان کا انجام سن کر اسے عبرت نہ ہوئی۔

ف۳ یعنی پوچھنے کی ضرورت کیا ہوگی۔ اللہ کو ان کے گناہ ایک ایک کر کے معلوم ہیں، فرشتوں کے ہاں سب لکھے ہوئے ہیں، ہاں بطور توبیخ وتقریع اگر کسی وقت سوال ہو وہ دوسری بات ہے۔ یا یہ کنایہ ہے گناہوں کی کثرت سے۔ یعنی اتنی تعداد میں ہوں گے کہ ایک ایک جزئی کی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "پوچھے نہ جائیں گے گناہ، یعنی گناہ گار کی سمجھ درست ہو تو گناہ کیوں کرے۔ جب سمجھ الٹی پڑے تو الزام دینے سے کیا فائدہ کہ یہ برا کام کیوں کرتا ہے اس کی برائی نہیں سمجھتا۔" (موضح)

ف۴ یعنی لباس فاخرہ پہن کر بہت سے خدم وحشم کے ساتھ بڑی شان وشکوہ اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ بیشک یہ بڑا ہی صاحب اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔

ف۵ یعنی سمجھ دار اور ذی علم لوگوں نے کہا کہ کم بختو! اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو ریجھے جاتے ہو۔ مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشی ہے اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ =

فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ

پھر نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت جو مدد کرتی اس کی اللہ کے سوائے اور نہ وہ خود مدد لاسکا ف۱ اور فجر کو

پھر نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت جو مدد کرتی اس کی اللہ کے سوا۔ اور نہ وہ مدد لا سکا۔ اور فجر کو

الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

لگے کہنے جو کل شام آرزو کرتے تھے اس کا سا درجہ ارے خرابی یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں

لگے کہنے، جو کل شام مناتے تھے اس کا سا درجہ، ارے یہ تو خرابی ! اللہ کھولتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں،

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

اور تنگ کردیتا ہے ف۲ اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو بھی دھنسا دیتا اے خرابی یہ تو چھٹکارا نہیں پاتے منکر ف۳

اور روکتا ہے، اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو دھنسا دیتا۔ ارے خرابی یہ تو بھلا نہیں پاتے منکر۔

ذکر قصۂ قارون برائے عبرت مغروران مال ودولت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى ... الى ... وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

ربط:...... شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے تکبر اور فساد کا ذکر کیا۔ ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ اب اخیر سورت میں ایک دوسرے متکبر اور مفسد یعنی قارون کا ذکر کرتے ہیں کہ فرعون کی طرح قارون بھی تکبر اور فساد فی الارض کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں اللہ نے یہ بتلایا کہ متاع دنیا ہیچ ہے اور چند روزہ ہے اور فانی ہے اور گزرگاہ ہے اور

= ف۶ یعنی دنیا سے آخرت کو بہتر وہی جانتے ہیں جن سے محنت کہی جاتی ہے۔ اور بے صبر لوگ حرص کے مارے دنیا کی آرزو پر گرتے ہیں۔ نادان آدمی دنیا کی آسودگی دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس کی بڑی قسمت ہے اس کی شب و روز کی فکر و تشویش، دردسری اور آخرت کی ذلت کو اور سو جگہ خوشامد کرنے کو نہیں دیکھتا اور یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا میں کچھ آرام ہے تو دس بیس برس، اور مرنے کے بعد کاٹنے ہیں ہزاروں برس۔ (موضح بتغییر یسیر)

ف۱ یعنی نہ کوئی دوسرا اپنی طرف سے مدد کو پہنچا، نہ یہ کسی کو بلاسکا۔ نہ اپنی ہی قوت کام آئی نہ دوسروں کی۔

ف۲ یعنی جو لوگ قارون کی ترقی و ترفع کو دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا عروج حاصل ہوتا، آج اس کا یہ برا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے۔ کسی شخص کی دنیاوی ترقی و عروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے کہ اللہ کے ہاں وہ کچھ عزت و وجاہت رکھتا ہے۔ یہ چیز کسی بندے کے مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ جس پر مناسب جانے روزی کے دروازے کھول دے جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال و دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے ۔ ع

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ اَعْيَتْ مَذَاهِبُهٗ ... وَكَمْ جَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقًا

هٰذَا الَّذِيْ تَرَكَ الْاَوْهَامَ حَائِرَةً ... وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيْرَ زِنْدِيْقًا

ف۳ یعنی خدا تعالیٰ کا احسان ہے اس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا، ورنہ یہ ہی گت ہماری بنتی، اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے "يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ" کی آرزو کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا۔ اور نہ ہماری حرص پر سزا دی۔ بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار فرما دیا، اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال و زر کی ترقی سے حقیقی فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، اور یہ کہ ناشکر گزار منکروں کے لیے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔

آرائش ہے اور اس کے شیدائی گم راہ ہیں اور بقول حافظ شیرازی ؎

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم — جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محمل ہا

دنیا کی بے ثباتی کو دیکھ رہے ہیں اور پھر نہیں سمجھتے۔ اب ان آیات میں سر دفتر اہل ضلال یعنی قارون کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ حیات دنیوی کے مال ومنال کے نشہ میں کس درجہ مغرور تھا تاکہ اہل دنیا اس سے عبرت پکڑیں کہ دنیا کے چند روزہ مال و دولت پر تفاخر اور تکبر کا اور دنیاوی زندگی پر اطمینان کا انجام کیا ہوتا ہے۔

یا یوں کہو کہ جس طرح فرعون کا قصہ موسیٰ علیہ السلام کے دلائل نبوت اور براہین رسالت پر مشتمل تھا اسی طرح قارون کا قصہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کی دلیل ہے اس لئے کہ قارون کا مع گھر کے اور مع خزانوں کے زمین میں دھنسنا موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ہوا جس کو تمام شہر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ معجزہ عصا کی طرح یہ معجزہ بھی سب کے سامنے ظاہر ہوا جس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام خدا کے دو برگزیدہ رسول اور درویش تھے جن کا مقابلہ فرعون اور قارون سے تھا اول الذکر صاحب اقتدار اور فرماں روائے سلطنت تھا اور دوسرا دولت وثروت کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک تھا۔ خداوند عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے دنیا کے سب سے بڑے دو متکبروں اور دو مفسدوں کو اپنی بارگاہ کے دو درویشوں کے ہاتھ سے ایسا تباہ اور برباد کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ دنیا کا جاہ وجلال اور دنیا کا مال ومنال سب ہیچ ہے۔ اصل چیز آخرت کی لازوال نعمتیں ہیں۔ پہلا متکبر اور مغرور جو سلطنت کے نشہ میں چور تھا یعنی فرعون، وہ قبطی تھا۔ اور دوسرا مغرور جو مال و دولت کے نشہ میں چور تھا یعنی قارون، وہ سبطی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ پہلا مغرور دریا میں غرق ہوا اور دوسرا مغرور زمین میں دھنسایا گیا۔ فرعون کا غرق ہونا موسیٰ علیہ السلام کا بحری معجزہ تھا اور قارون کا خسف، موسیٰ علیہ السلام کا بری معجزہ تھا۔ فرعون نے سلطنت کے زعم میں قبول ہدایت سے انحراف کیا اور قارون نے مال و دولت کے نشہ میں اتباع ہدایت سے گریز کیا۔ دیکھ لو کہ دونوں کا کیا انجام ہوا۔ اللہ کے قہر اور عذاب سے نہ سلطنت بچا سکتی ہے اور نہ مال و دولت۔ لہٰذا اس کی حرص اور طمع میں پڑنا بڑا برا ہے اور دنیاوی مال و دولت کو خوش نصیبی سمجھنا بھی غلط ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں اہل علم کی نصیحت سے واضح ہوتا ہے۔

قارون، موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ سامری کی طرح منافق تھا بڑا مالدار تھا۔ کثرت مال کی وجہ سے غرور اور تکبر میں مبتلا ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حسد کرنے لگا۔ ایک عورت کو رشوت دے کر اس پر آمادہ کیا کہ مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے۔ چنانچہ اس عورت نے جب موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی۔ تو موسیٰ علیہ السلام کانپ گئے اور اس عورت کو خدا تعالیٰ کی قسم دے کر کہا کہ سچ بتا بات کیا ہے اس عورت نے سچ سچ کہہ دیا کہ قارون نے مجھے اس قدر مال دے کر اس پر آمادہ کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر پڑے اور قارون کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے زمین کو تیرے لئے مسخر کر دیا ہے قارون کے بارے میں جو تو زمین کو حکم دے گا وہ تیری فرماں برداری کرے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اس کو نگل لے۔ لوگوں نے اس کو مضحکہ اور جادو سمجھا یہاں تک کہ زمین نے اس کو گھٹنوں تک نگل لیا تو قارون چلانے لگا اور قرابت کا واسطہ دینے لگا مگر موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب اور بغض فی اللہ کی وجہ سے کچھ التفات نہ کیا یہاں تک کہ

پورا زمین میں دھنس گیا اور ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ وہ اسی طرح ساتویں زمین تک دھنستا چلا جائے گا۔ قارون، موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا مگر قرابت کام نہ آئی۔ ایمان لاتا تو عزت پاتا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہدایت اور ضلالت سب من جانب اللہ ہے قرابت اور اجنبیت پر موقوف نہیں۔

غرض یہ کہ آئندہ آیت میں ایک مغرور دولت مند کا قصہ سناتے ہیں کہ ان کو یہ خوف تھا کہ اگر ہم نے اسلام اختیار کر لیا تو قوم ہم سے برسر پرخاش ہو جائے گی اور جو کچھ مال و منال اور جاگیر وغیرہ اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے وہ سب چھین لیں گے اور ہم مفلس اور فقیر ہو جائیں گے گویا کہ ان کی دولت مندی ایمان لانے میں ان کی سد راہ بنی۔ قارون کا قصہ سنا کر یہ بتلا دیا کہ مال و زر کے لالچ میں حق کی دعوت کو رد کرنے کا انجام ایسا ہوتا ہے جیسا کہ قارون کا ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق قارون ❶ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اور بقول ابن عباس ؓ وغیرہ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔

اور توریت کو نہایت خوش آوازی سے پڑھتا تھا لیکن سامری کی طرح یہ کم بخت بھی منافق تھا پس کثرت مال کی وجہ سے بنی اسرائیل پر سرکشی کرنے لگا اور یہ چاہنے لگا کہ سب پر حاکم بن جائے۔ اور اس کی مال و دولت کا یہ حال تھا کہ ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک صاحب قوت جماعت پر بھاری ہوتی تھیں یعنی اس کے خزانوں کی کنجیاں اتنی کثیر تھیں کہ ایک جماعت کو ان کا اٹھانا گراں تھا اس لئے وہ اترایا پھرتا تھا اتنے میں اس کی قوم کے صالح اور نیک لوگوں نے کہا اترا مت۔ اس لئے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بنی اسرائیل کے صالحین نے اس کو نصیحت کی کہ مال و دولت پر اترانا اچھا نہیں اور ان ناصحین نے یہ کہا کہ اللہ نے جو مال و دولت تجھ کو عطا کیا ہے اس کے ذریعے دار آخرت کو طلب کر۔ یعنی اس دار فانی پر مطمئن نہ ہو اور اس مال فانی پر نازاں ہو بلکہ اس کو دار آخرت کا ذریعہ بنا۔ ؎

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری بخر جان من ورنہ حسرت بری

اور دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھول جا۔ یعنی دنیا میں سے بقدر ضرورت و راحت اپنے اوپر خرچ کر اور باقی مال خدا کی راہ میں خرچ کر اور اس سے آخرت کما۔ کیونکہ دنیا میں سے آدمی کا حصہ وہی ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور جو چھوڑ دیا وہ دوسروں کا ہے۔ انسان کا دنیا سے حصہ صرف اتنا ہے جو نیک کام کر کے اور خدا کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے خزانہ میں جمع کرا دے جو مرنے کے بعد اس کے کام آئے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

اگر گنج قاروں بچنگ آوری نماند مگر آنکہ بخشی بری

اور بعض علماء نے ﴿نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کا حصہ دنیا سے کفن ہے جب اس جہان سے جانے لگے گا تو اتنا ہی نصیب ہوگا لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے کہ میرا حصہ دنیا سے صرف کفن کی دو چادریں ہیں اسی خیال کو پیش نظر رکھے اور دنیا کے مال و منال پر گھمنڈ نہ کرے اسی بناء پر کسی شاعر کا قول ہے۔ ؎

❶ قارون عجمی نام ہے علیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے وزن اس کا فاعول ہے زجاج کہتے ہیں کہ اگر یہ لفظ عربی ہوتا اور قرنت سے مشتق ہوتا تو منصرف ہوتا۔ ۱۲

نصیبک مما تجمع الدھر کلہ ردا ان تلوی فیھما وحنوط

یعنی جو کچھ تو ساری عمر جمع کرے گا۔ اس میں سے تیرا حصہ صرف کفن کی دو چادریں ہیں جن میں تو لپیٹا جائے گا۔ اور حنوط یعنی خوشبو ہے جو کفن پر لگائی جاتی ہے۔ نظم

گر ملک تو شام تا یمن خواہد بود
وز سرحد روم تا ختن خواہد بود

آں روز کزیں جہان کنی عزم سفر
ہم راہ تو چند گز کفن خواہد بود

اگر پہلوانی اگر تیغ زن!
نخواہی بدر بردن الا کفن

(سعدی)

اور بندگان خدا کے ساتھ احسان کر۔ جیسے خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ہے جس سے اللہ کی نعمتیں اور زیادہ ہوں گی۔

اور خدا کی نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلا اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ کی معصیت اور اس کی نافرمانی اور خدا کے دیئے ہوئے مال و دولت کو خدا کی نافرمانی میں خرچ کرنا بھی فساد ہے۔

بالجملہ جب نیک لوگوں نے قارون کو یہ نصیحتیں کیں جن کا ذکر ہوا تو قارون یہ سن کر جواب میں بولا کہ مجھ کو جو کچھ مال و دولت ملا ہے وہ میری علمی قابلیت اور فہم و فراست کا نتیجہ ہے خدا کے نیک بندوں نے قارون کو یہ نصیحت کی کہ یہ مال و دولت خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے اس کو آخرت کا توشہ بنا۔ وہ مغرور بولا کہ یہ مال و متاع تو مجھ کو اپنے علم و دانش اور حسن تدبیر سے ملا ہے۔ دن رات جدوجہد کر کے اپنے کاروبار سے کمایا ہے یہ مال میرا کمایا ہوا ہے۔ میں اس کا مالک ہوں جس طرح چاہوں خرچ کروں جو حاجت مند ہیں وہ آپ کمائیں۔ آج کل کے مغرور اور سنگ دل دولت مند بھی اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

یا یوں کہو کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری لیاقت اور قابلیت اور صلاحیت دیکھ کر مجھ کو یہ دولت دی ہے اور میں اس کا مستحق ہوں فضیلت اور استحقاق کی بناء پر مجھ کو دولت و ثروت ملی ہے اور پھر میں نے اس میں بڑی محنت کی ہے بلا مشقت اور بلا محنت کے یونہی نہیں مل گئی۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے حکم اور تمہارے مشورہ کے مطابق کس طرح خدا کے نام پر اس دولت کو خرچ کر ڈالوں۔

(جی ہاں) جس علم و دانش اور قابلیت اور صلاحیت پر اترا رہے ہو اور جس پر اکڑ رہے ہو وہ بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے اور جن اعضاء اور جوارح سے آپ نے اس مال و دولت کے کمانے میں دوڑ دھوپ کی ہے وہ بھی خدا ہی کی پیدا کردہ اور عطا فرمودہ ہیں اور محنت اور مشقت کی قدرت اور قوت بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے تم تو اپنے وجود کے بھی مالک اور مختار نہیں اور

تمہاری تن درستی اور بیماری بھی تمہارے اختیار میں نہیں پھر خدا کے مقابلہ میں یہ تکبر اور غرور کیا اور جب خدا کا رسول (موسیٰ علیہ السلام) تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہے کہ ہماری عطا فرمودہ نعمتوں کے یہ حقوق اور فرائض ہیں ان کو ادا کرو اور فقراء ومساکین پر صدقہ اور خیرات کرو تو حکم خداوندی سن کر یہ تمہارا سر ہلانا کیسا۔

غرض یہ کہ جب قارون نے ناصحین کی نصیحتیں سن کر یہ جواب دیا تو خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کیا اس نادان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بہت سی گزشتہ امتوں کو غارت کر چکا ہے جو قوت وطاقت میں اور مال کے جمع کرنے میں اس سے کہیں زیادہ تھیں اور قوت اور مال و دولت ان کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ ان کے مقابلہ میں قارون کی کیا ہستی ہے۔ قارون کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑے کہ جس طرح پہلی امتیں مال و دولت کے نشہ میں منعم حقیقی کو بھول گئیں اور اس کے احکام سے سرتابی کے جرم میں ہلاک اور تباہ ہو چکی ہیں۔ اسی طرح مال و دولت کے غرہ میں منعم حقیقی کے حکم سے سرتابی میری ہلاکت اور تباہی کا بھی سبب بن سکتی ہے پہلی امتوں کی تباہی سے قارون کو سمجھ لینا چاہئے کہ قوت وطاقت اور مال و دولت اللہ کی رضا اور محبت کی دلیل نہیں ورنہ اللہ ان کو ہلاک نہ کرتا معلوم ہوا کہ اصل جرم کفر اور ناشکری اور ناسپاسی ہے اور قیامت کے دن اہل جرم سے ان کے جرائم کے متعلق تحقیق حال یعنی علم حاصل کرنے کے لئے سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مجرمین کے ذنوب کی کیفیت خوب معلوم ہے اس کو سوال کرنے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں البتہ توبیخ اور سرزنش کے لئے ان سے سوال اور باز پرس ہوگی۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ قیامت کے دن فرشتے مجرموں سے سوال نہ کریں گے ان کی پیشانی کے نشان سے پہچان لیں گے کیونکہ یہ لوگ سیاہ رو اور نیلگوں چشم محشور ہوں گے اپنی علامت سے پہچانے جائیں گے۔ ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ﴾۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ قیامت کے دن اس قسم کے مجرموں سے کوئی سوال نہ ہوگا بغیر سوال اور بغیر حساب کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے یعنی ان کے گناہ اور جرم اس قدر کثیر تعداد میں ہوں گے کہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ ہماری سنت جاریہ یہ ہے کہ ایسے مجرمین کو بغیر پوچھ گچھ کے ہی دنیا میں کیفر کردار کو پہنچا دیا جاتا ہے اور آخرت کے سوال اور وہاں کی پوچھ گچھ الگ رہی۔ فی الحال دنیا میں ایسے مجرموں کو یک لخت عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور آخرت کا سوال اپنے وقت پر ہوگا۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ جب وقت آ جاتا ہے تو مجرموں سے کچھ نہیں پوچھا جاتا یعنی ان کا کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے مختلف اقوال ہدیہ ناظرین کر دیئے ہیں۔ تفصیل کے لئے روح المعانی: ۲۰/۱۰۵ و تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۱۶ دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ قارون نے نہ تو گزشتہ اہل دولت وثروت کی تباہی اور ہلاکت سے عبرت پکڑی اور نہ اپنی قوم کے ناصحین کی نصیحت سنی اور اپنے غرور اور نخوت پر قائم رہا پس نوبت بایں جا رسید کہ ایک روز قارون اپنی قوم بنی اسرائیل پر زیب وزینت کے ساتھ آراستہ ہو کر نکلا تا کہ لوگوں کے سامنے اپنی شان وشوکت کا مظاہرہ کرے چنانچہ جب وہ اس زیبائش اور

آرائش کے ساتھ نکلا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں متحیر ہونے لگیں تو جو لوگ دنیا کے طالب اور راغب تھے وہ اس شان وشوکت اور دبدبہ کو دیکھ کر کہنے لگے۔ کاش ہم کو بھی ایسا ہی مال ومنال اور جاہ وجلال ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے بے شک قارون بڑے نصیبہ والا ہے کہ اس کو یہ بخت اور دولت حاصل ہے ان لوگوں کی نظر آخرت کی نعمت سے چوک گئی اور اس دنیائے فانی کی ظاہری زینت کی تمنا کرنے لگے اور جن لوگوں کو صحیح علم اور فہم عطا کیا گیا تھا اور صبر اور قناعت اور توکل وغیرہ کی حقیقت کو جانتے تھے جیسے حضرت یوشع علیہ السلام اور ان کے اصحاب، انہوں نے ان جہال تمنا کرنے والوں سے کہا۔ افسوس اور صد افسوس تم پر اے طالبان دنیا اور گرفتاران حرص وطمع اس دنیائے فانی پر کیا للچاتے اور رال ٹپکاتے ہو۔ خدا کا ثواب اس دنیا کے مال و دولت اور اس کی شان وشوکت اور زیب وزینت سے لاکھوں درجہ بہتر ہے اور یقین رکھو کہ اللہ کا ثواب اس دنیا کے اس شخص کے واسطے ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائے اور نیک کام کرے ایمان اور عمل صالح کے مقابلہ میں دنیا کی کچھ ہستی نہیں اور قارون کے پاس جو ہے وہ تو ہیچ در ہیچ ہے ایمان اور عمال کا اجر قیاس اور گمان سے باہر ہے اور نہیں اترتا علما کا یہ کلمہ نصیحت کسی دل میں مگر صبر کرنے والوں کے دل میں جنہوں نے دنیا کی حرص اور طمع سے صبر کیا۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ ایمان اور عمل صالح کی دولت صبر کرنے والوں ہی کو ملتی ہے (یا یہ معنی ہیں) کہ آخرت کی لازوال نعمتیں دنیا سے صبر کرنے والوں ہی کو ملتی ہیں۔

اہل صبر از جملہ عالم برترند   صابراں از اوج گردوں بگذرند
ہر کہ کارد تخم صبر اندر جہاں   بدرود محصول عیش صابراں

پس جب قارون دنیا سے صبر نہ کرسکا اور دل سے ایمان بھی نہ لایا اور علماء وصلحا کی نصیحت بھی نہ سنی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے حسد میں گرفتار ہوگیا تو ہم نے قارون کو مع اس کے مکان کے جس میں اس کے تمام خزانے تھے زمین میں دھنسا دیا ساری بڑائی یک لخت خاک میں مل گئی۔ قارون مع خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا اگر فقط قارون کو دھنسایا جاتا اور خزانے بطور مال غنیمت چھوڑ دیئے جاتے تو ممکن تھا کہ کوئی بد باطن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں مال کی حرص اور طمع کا گمان کر بیٹھتا۔

قصہ یہ ہوا کہ قارون کو موسیٰ علیہ السلام پر بڑا حسد تھا۔ درپے ایذا رہتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے جیسا کہ قرآن کریم میں اجمالا اس ایذا کا ذکر ہے۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰی﴾ یہاں تک کہ قارون جوش حسد میں علانیہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کی تحقیر وتذلیل پر اتر آیا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر زکوٰۃ کا حکم نازل کیا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے زکوٰۃ لوں۔ قارون نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا کہ زکوٰۃ خواہ کتنی ہی قلیل ہو مگر پھر بھی مجموعہ مل کر ایک کثیر رقم ہوجاتی ہے۔ زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کردیا اور کہنے لگا کہ اے بنی اسرائیل! یہ شخص (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نماز کا حکم لے کر آیا ہے اور اس کے علاوہ اور احکام لے کر آیا ہے تم نے برداشت کرلیا۔ اب یہ زکوٰۃ کا حکم لے کر آیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مال ہضم کر جائے اور (اپنے خاص مجمع میں) بولا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو قوم میں رسوا کروں کہ اس کی کوئی بات نہ سنے اور تدبیر یہ کی کہ ایک بدکار عورت کو ایک کثیر رقم دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ

بھرے مجمع میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے یہ بات اندرونی طور پر طے پا گئی۔ دوسرے یا تیسرے دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو امر و نہی بیان فرمارہے تھے اسی میں یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جو شادی شدہ شخص زنا کرے گا اس پر رجم (سنگ سار) کیا جائے تو قارون کا کوئی آدمی کھڑا ہوا اور بولا اگرچہ تو ہی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ ہاں۔ اس پر قارون کے لوگوں نے اس عورت کو بلوایا۔ اس عورت نے بھرے مجمع میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت سے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ بتلا اس عورت پر ہیبت الٰہی غالب ہوئی اور بولی کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب تم نے مجھے اللہ کی قسم دی ہے تو میں سچ سچ بتلائے دیتی ہوں کہ قارون نے مجھ کو اتنی رقم دے کر اس پر آمادہ کیا ہے کہ میں تجھ پر تہمت لگاؤں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ تم اس سے بالکل بری ہو اور میں گواہی دیتی ہوں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ (اس طرح قارون کا سارا مکر بنی اسرائیل پر کھل گیا)

موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر سجدہ میں گر گئے اور زار و قطار رو کر دعا مانگنے لگے اور کہنے لگے کہ اے اللہ اگر میں تیرا رسول برحق ہوں تو میرے لئے اس پر اپنا قہر اور غضب نازل فرما۔ اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ قارون کے بارے میں تم زمین کو جو حکم دو گے وہ اس کی اطاعت کرے گی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو مع اس کے گھر کے نگل جائے۔ زمین نے فوراً اس کو پکڑ لیا اور وہ دھنسنا شروع ہو گیا یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی: ۲۰/۱۰۶ و تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۰۱۔

نکتہ:...... حدیث میں ہے کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین قارون کے جسم کو نہیں کھائے گی۔ پس ممکن ہے کہ اس سے ایک معمہ بنایا جائے اور یہ کہا جائے کہ بتلاؤ وہ کون سا کافر ہے کہ مرنے کے بعد جس کا جسم بوسیدہ نہ ہو گا اور وہ قارون ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قارون ملعون بقدر اپنے قد کے روزانہ زمین میں دھنستا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب قیامت کے لئے نفخ صور ہو گا۔ تب بالکل زمین کے نیچے پہنچ جائے گا۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۰۱ و تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۱۸۔

جس طرح فرعون کی غرقابی موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اسی طرح قارون کا موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زمین میں دھنسنا بھی موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ تھا۔ پہلا معجزہ بحری تھا اور یہ معجزہ بری تھا۔

گنج قاروں کہ فرومی رود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشاں ست

پس جب قارون اس ذلت وخواری کے ساتھ زمین میں دھنسا تو کوئی ایسی جماعت اور پارٹی نہ ہوئی جو اس کی مدد کرتی اور اللہ کے عذاب سے اس کو بچاتی اور نہ وہ بذات خود اپنے سے عذاب کو روکنے والوں میں سے ہوا خدا کے انتقام کو کون روک سکتا ہے یعنی وہ نہ خود اپنے سے عذاب کو روک سکا اور نہ اس کی پارٹی روک سکی اور اس ذلت وخواری کی ابتداء اس سے ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو قارون نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ یہ خزانہ میں نے اپنی قابلیت اور صلاحیت اور جد و جہد سے حاصل کیا ہے میں کیوں اس کی زکوٰۃ دوں۔ انکار زکوٰۃ کے بعد تمرد اور سرکشی کا مادہ بڑھتا گیا۔ نوبت

بایں جارسید کہ زمین میں مع خزانوں کے دھنسا دیا گیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو منکرین زکوٰۃ کے ساتھ معاملہ فرمایا غالبا قارون کا واقعہ ہی ان کی نظروں کے سامنے ہوگا امت محمدیہ ﷺ کو اس فتنہ اور وبال سے محفوظ رکھنے کے لئے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ مرتدین جیسا معاملہ فرمایا پورے دین سے ارتداد یا دین کے کسی جز سے ارتداد و کفر میں سب برابر ہے ﴿اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ﴾۔

اور جب صبح ہوئی تو ان لوگوں کی بھی خواب غفلت سے آنکھ کھلی جو کل گزشتہ قارون کے مکان اور جاہ کے آرزومند تھے۔ قارون کے دھنستے ہی ہوش میں آ گئے اور آپس میں کہنے لگے وائے اور ہائے افسوس ہم نے جو سمجھا تھا وہ غلط تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رزق کو فراخ کرتا ہے جس کے لئے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم سمجھے ہوئے تھے کہ رزق کی وسعت اور فراخی کرامت اور بزرگی کی دلیل ہے اور تنگی اور تنگ دستی ذلت اور خواری کا نشان ہے۔ قارون جیسے دولت مند کے خسف کو دیکھ کر ہماری سمجھ میں آ گیا کہ ہمارا خیال غلط تھا۔ صحیح حقیقت یہ ہے کہ رزق کی فراخی اور تنگی بمقتضائے مشیت الٰہی ہے اور اس بھید کو وہی خوب جانتا ہے۔ اس میں عزت و ذلت کا کچھ لحاظ نہیں۔ سعادت اور شقاوت کا دارومدار ایمان اور کفر پر ہے۔ امیری اور فقیری پر نہیں۔ رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیت کے کرشمے ہیں دنیاوی عزت و وجاہت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر لینا کہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مقبول ہے غلط ہے اور ایک فقیر اور درویش کو دیکھ کر یہ رائے قائم کر لینا کہ یہ شخص ذلیل اور خوار ہے یہ بھی غلط ہے۔ دیکھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام خدا کے ایک درویش تھے اور قارون اس زمانہ کا سب سے بڑا دولت مند تھا۔ ایک درویش کی دعا سے کس طرح ذلت و خواری کے ساتھ زمین میں دھنسایا گیا جس ذلت و خواری کا تماشہ دنیا نے دیکھا۔

جملہ قرآن ہست وقطع سبب ۔۔۔ عز درویش و ہلاک بولہب

غرض یہ کہ کل گزشتہ جو لوگ قارون کے مکان اور رتبہ جیسی آرزو کر رہے تھے۔ قارون کی اس ذلت و خواری کو دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلیں اور سمجھے کہ معاملہ تو برعکس ہے اور یہ ہماری تنگی اللہ کی نعمت ہے تو مال و دولت کی حسرت کو چھوڑ کر اپنی تنگی کے شکر میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ کا ہم پر احسان نہ ہوتا تو ہم کو بھی قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیتا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم کو مال و دولت کے فتنہ سے بچایا کیونکہ مال کی کثرت تکبر اور غرور اور فسق و فجور کا ذریعہ ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں قارون کی طرح نہیں بنایا اور ہم نے اپنی نادانی سے جو اس جیسے مکان اور رتبہ کی تمنا کی تھی وہ اس نے پوری نہیں کی۔

ہائے خرابی اللہ ہم کو اس قسم کی تمنا اور آرزو سے پناہ میں رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ منکروں اور ناشکروں کے لئے فوز و فلاح نہیں۔ الحمد للہ ہم اگرچہ مفلس ہیں مگر خوش نصیب ہیں اور قارون اگرچہ دولت مند تھا مگر بدنصیب تھا کیا برا انجام ہوا مال و زر کی ترقی سے حقیقی فلاح اور کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ حقیقی فلاح اور کامیابی ایمان اور عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ علمیہ ونحویہ دربارہ تحقیق کلمۂ ویکان

کلمہ ﴿وَيۡكَاَنَّ﴾ جو اس رکوع کے آخر میں دو مرتبہ آیا ہے اس کے بارے میں ائمۂ نحو کا اختلاف ہے بصریین اور

خلیل بن احمد اور سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ لفظ وی مستقل کلمہ ہے اور اسم فعل ہے۔ بمعنی اَعْجَبُ اور یہ کلمہ تعجب اور ندامت اور حسرت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی بات پر نادم اور پشیمان ہوتا ہے تو اظہار ندامت وحسرت کے لئے یہ لفظ بولتا ہے اور لفظ کان تشبہ کے لئے ہے یا تعلیل کے لئے ہے اور معنی یہ ہے، اعجب لان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء اس صورت میں لفظ وی پر وقف ہوگا اور یہی قراءت کسائی کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی زبان سے اتفاقاً جو یہ تمنا نکل گئی تھی۔ ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ﴾ جب ان کو تنبہ ہوا تو اپنی اس تمنا اور آرزو پر نادم اور پشیمان ہوئے اور بصد حسرت وندامت کہنے لگے کہ ہائے افسوس ہم سے غلطی ہوئی ہم نے جو خیال کیا تھا وہ غلط تھا ہم نے قارون کی ظاہری شان وشوکت کو دیکھ کر یہ خیال کیا کہ رزق کی وسعت عزت وکرامت کی علامت ہے اور تنگی ذلت وخواری کی علامت ہے ہمارا یہ خیال غلط ہے بلکہ فراخی اور تنگی بمقتضائے مشیت الٰہی ہے جس کی حکمت سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور کوفیین یہ کہتے ہیں کہ ویك ایک کلمہ ہے جو اصل میں ویلك تھا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے لام تخفیفاً حذف کر دیا گیا اس صورت میں اصل کلمہ ویل ہوگا اور کاف حرف خطاب کا ہوگا اور لفظ ویك پر وقف ہوگا جیسا کہ ابوعمرو رحمہ اللہ کی قرات میں ہے اور یہ کلمہ بطور بددعا زجر اور توبیخ کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور لفظ ان اللہ بفتح ہمزہ اعلم مقدر کا مفعول یہ ہے اور اس صورت میں آیت کا مطلب ان لوگوں کی زجر وتوبیخ ہوگی جنہوں نے اپنی جہالت سے مال فراخی کو عزت اور تنگ دستی کو ذلت سمجھا اور اس بات پر تنبیہ مقصود ہوگی کہ رزق کی وسعت اور تنگی محض اللہ کی مشیت اور حکمت کے تابع ہے عزت اور ذلت کی دلیل نہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ لفظ ویکان پورا ایک کلمۂ بسیط ہے دو حرفوں سے مل کر نہیں بنا بلکہ ایک مستقل کلمہ ہے جس کے معنی ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اور ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ کے ہیں یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا اور کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی کھولتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی کسی بزرگی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔

حضرات اہل علم ویکان کی تحقیق کے لئے حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۳/ ۵۲۳۔ اور حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین: ۳/ ۲۲۸ دیکھیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ

وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا

وہ گھر پچھلا ہے، ہم دیں گے وہ ان کو جو نہیں چاہتے چڑھنا ملک میں، اور نہ بگاڑ ڈالنا۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۞ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا

اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی ف۱ جو لے کر آیا بھلائی اس کو ملنا ہے اس سے بہتر ف۲ اور جو کوئی لے کر آیا برائی سو

اور آخر بھلا ہے ڈر والوں کا۔ جو کوئی لایا بھلائی، اسکو ملنا ہے اس سے بہتر۔ اور جو کوئی لایا برائی، سو

ف۱ یعنی قارون کی دولت کو نادانوں نے کہا کہ اس کی بڑی قسمت ہے، بڑی قسمت یہ نہیں، آخرت کا ملنا بڑی قسمت ہے۔ سو وہ ان کے لیے ہے جو اللہ کے ملک =

يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

برائیاں کرنے والے ان کو وہی سزا ملے گی جو کچھ کرتے تھے ف ا

برائیاں کرنے والے وہی سزا پائیں گے جو کرتے تھے۔

بیان مستحقین نعمائے دار آخرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ ... الی ... اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں قارون کا قصہ ذکر کیا جس کے ضمن میں اہل علم کی یہ نصیحت ذکر کی۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾۔ یعنی آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے کہیں بہتر ہیں اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ دار آخرت کی لازوال نعمتوں کے مستحق کون لوگ ہیں اور دار آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ کیا ہے سو بتلایا کہ دار آخرت کی نعمتوں کے وہ لوگ مستحق ہیں کہ جو دنیا میں علو اور رفعت کا اور کسی قسم کے فساد کا ارادہ نہیں رکھتے یعنی متواضع اور متقی اور پرہیز گار ہیں اور اعمال صالحہ بجالانے والے ہیں۔ پھر ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ سے یہ بتلایا کہ آخری انجام پرہیز گاروں کا ہے اور حسن عاقبت کا دار و مدار تقویٰ اور عمل صالح پر ہے اور تقویٰ میں ترک تکبر اور ترک فساد فی الارض سب داخل ہے اور بتلا دیا کہ تمام خرابیوں کی جڑ تکبر اور فساد فی الارض اور غفلت عن الآخرت ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں وہ دار آخرت جو مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہے وہ گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں علو اور سر بلندی نہیں چاہتے اور فساد نہیں چاہتے ہیں جیسے قارون نے چاہا تھا اور انجام خیر متقی اور پرہیز گاروں کے لئے مخصوص ہے اور تعلّی اور تکبر اور فساد عمل اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو سراسر تقویٰ کے منافی ہے اس کا انجام بہت برا ہے جیسے فرعون نے اور قارون نے زمین میں علو اور بڑائی چاہی اور اعمال فاسدہ کے مرتکب ہوئے تو دیکھ لو کہ ان دونوں کا کیا انجام ہوا اور دار آخرت بہت بلند اور عالی شان ہے یہ عالی شان مقام ان لوگوں کے لئے ہے جو دنیا میں علو نہیں چاہتے۔ جاننا چاہئے کہ عمدہ لباس اور سامان راحت علو میں داخل نہیں۔ علو کے معنی اپنے کو دوسروں سے بالا اور برتر سمجھنا اور دوسروں کو حقیر اور کمتر

= میں شرارت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ تواضع وانکسار اور پرہیز گاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش بجائے اپنی ذات کو اونچا رکھنے کے یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں، حق کا بول بالا کریں اور اپنی قوم مسلم کو ابھارنے اور سربلند کرنے میں پوری ہمت صرف کر ڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ دنیا خود ان کے قدم لیتی ہے۔ اب سوچ لو کہ دنیا کا مطلوب کیا دنیا کے طالب سے اچھا نہیں ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ لو! وہ سب سے زیادہ تارک الدنیا تھے مگر متروک الدنیا نہ تھے۔ بہر حال مومن کا مقصد اصلی آخرت ہے۔ دنیا کا جو حصہ اس مقصد کا ذریعہ بنے وہ ہی مبارک ہے ورنہ ہیچ۔

ف ۲ یعنی جو بھلائی یہاں کرے گا اس سے کہیں بہتر بھلائی وہاں کی جائے گی۔ ایک نیکی کا جو مقتضی ہو گا کم از کم اس سے دس گنا ثواب پائے گا۔

ف ا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا، وہ یقینا ملنا ہے، اور برائی پر برائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی کیونکہ ممکن ہے معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرما دیا کہ اپنے کیے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

سمجھنا یہ ناجائز اور حرام ہے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک وسادہ (گدا) ڈالا۔ عدی بجائے گدے کے زمین پر بیٹھ گئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو زمین میں علو اور بڑائی نہیں چاہتا ہے اور نہ فساد چاہتا ہے پس یہ (کلمہ حکمت) سن کر عدی اسلام لے آئے (رواہ ابن مردویہ) تفسیر [1] روح المعانی: ۲۰/۱۰۹۔

جو شخص قیامت کے دن نیکی لے کر آئے گا اس کو بمقتضائے فضل اس سے کہیں بہتر بدلہ ملے گا جو اس کے وہم وگمان سے بڑھ کر ہوگا اور جو شخص بدی لے کر آئے گا سوا یسے لوگوں کو جنہوں نے برے اعمال کئے ہیں صرف ان کے کیے کی سزا ملے گی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا (دس گنا) وہ یقیناً ملنا ہے اور برائی پر برائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرمایا کہ اپنے کئے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ

جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ ف۱ تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے کون لایا ہے راہ کی سوجھ

جس شخص نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا، وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ۔ تو کہہ، میرا رب خوب جانتا ہے کون لایا راہ کی سوجھ؟

وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن

اور کون پڑا ہے صریح گمراہی میں ف۲ اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر مہربانی سے

اور کون پڑا ہے صریح بہکاوے میں۔ اور تو تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب، مگر مہر ہو کر

ف۱ پہلے فرمایا تھا "وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ" کہ انجام بھلا پرہیزگاروں کا ہے۔ یعنی آخرت میں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ اب بتلاتے ہیں کہ دنیا میں بھی آخر فتح ان ہی کی ہوتی ہے۔ دیکھو آج کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر تم کو مکہ چھوڑنا پڑا ہے مگر۔ جس خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ آیت اتری ہجرت کے وقت، یہ تسلی فرما دی کہ پھر مکہ میں آ دے گے۔ سو خوب طرح آئے پورے غالب ہو کر۔" بعض مفسرین نے "معاد" سے مراد موت لی ہے، بعض نے آخرت بعض نے جنت، بعض نے سرزمین شام جہاں پہلے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ان اقوال میں بہت عمیق ولطیف تطبیق دی۔ یعنی "معاد" سے مراد اس جگہ مکہ معظمہ ہے (کما فی البخاری) مگر فتح مکہ علامت تھی قرب اجل کی جیسا کہ ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہم نے "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ آگے اجل کے بعد "حشر" حشر کے بعد "آخرت" اور آخرت کی انتہائی منزل جنت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر لائے گا مکہ میں، اس کے چند روز بعد اجل واقع ہوگی، پھر ارض شام کی طرف حشر ہوگا (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پھر آخرت میں بڑی شان وشوکت سے تشریف لائیں گے اور اخیر میں جنت کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لیے پہنچ جائیں گے۔

ف۲ یعنی حق تعالیٰ میری ہدایت کو مکذبین ومعاندین کی گمراہی کو خوب جانتا ہے۔ یقیناً وہ ہر ایک کے ساتھ ان کے احوال کے موافق معاملہ کرے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میری کوششوں کو ضائع کر دے، یا گمراہوں کو رسوا نہ کرے۔

[1] اخرج ابن مردویہ عن عدی بن حاتم انہ لما دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القی الیہ وسادۃ فجلس علی الارض فقال علیہ السلام اشھد انک لا تبغی علوا فی الارض ولا فسادا فاسلم صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر روح المعانی: ۲۰/۱۰۹۔

رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكٰفِرِينَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ

تیرے رب کی ف۱ سو تو مت ہو مددگار کافروں کا ف۲ اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے بعد اس کے اتر چکے

تیرے رب کی طرف سے، سو تو نہ ہو مددگار کافروں کا۔ اور نہ ہو کہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے، جب اتر چکے

اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ

تیری طرف اور بلا اپنے رب کی طرف اور مت ہو شریک والوں میں ف۳ اور مت پکار اللہ کے سوائے دوسرا حاکم ف۴ کسی کی

تیری طرف، اور بلا اپنے رب کی طرف، اور نہ ہو شریک والوں میں۔ اور مت پکار اللہ کے سوا اور حاکم، کسی کی

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۸﴾ ع ۹ / ۱۲

بندگی نہیں اس کے سوائے ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ ف۵ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے ف۶

بندگی نہیں اس کے سوا۔ ہر چیز فنا ہے، مگر اس کا منہ۔ اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

خاتمۂ سورت بر بشارت وہدایت ونصیحت در بارہ تبلیغ ودعوت

ذکر فناء عالم وتذکیر آخرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ... الی... لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

ربط:...... یہ سورت کا خاتمہ ہے جس کو ایک بشارت پر اور چند نصائح اور ہدایات پر ختم کیا جا رہا ہے آنحضرت ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ رنجیدہ اور غمگین تھے تو آپ ﷺ کی تسلی اور بشارت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ﷺ عن قریب پھر مکہ واپس آئیں گے اور آپ کا یہ دوبارہ آنا فاتحانہ اور حاکمانہ ہوگا۔ بعد ازاں آپ کو ایک دوسری تسلی دیتے ہیں کہ یہ نبوت اور رسالت اور نزول قرآن سب اللہ کی رحمت ہے جو آپ ﷺ کو بلا کسی امید اور بلا کسی توقع کے عطا کی گئی ہے لہٰذا آپ ﷺ اس کی تبلیغ اور دعوت میں لگے رہئے اور کافروں کی مخالفت اور عداوت کی پروانہ کیجئے اور پھر توحید اور

ف۱ یعنی آپ پہلے سے کچھ پیغمبری کے انتظار میں نہ تھے، محض رحمت وموہبت الہٰیہ ہے جو حق تعالیٰ نے پیغمبری اور وحی سے سرفراز فرمایا۔ وہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دنیا وآخرت میں کامیاب فرمائے گا لہٰذا اسی کی امداد پر ہمیشہ بھروسہ رکھیے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھ جنہوں نے تجھ سے یہ بدی کی (کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا) اب جو تیرا ساتھ دے وہی اپنا ہے۔

ف۳ یعنی دین کے کام میں اپنی قوم کی خاطر اور رعایت نہ کیجئے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں گنیے گو کہ اپنے قرابت دار ہوں۔ ہاں ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے اور خدا کے احکام پر جمے رہیے۔

ف۴ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دوسروں کو سنایا۔ اوپر کی آیتوں میں بھی بعض مفسرین ایسا ہی لکھتے ہیں۔

ف۵ یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تقریباً تمام چیزوں کو فنا ہونا ہے، خواہ کبھی ہو۔ مگر اس کا منہ یعنی وہ آپ نہ کبھی معدوم تھا، نہ کبھی فنا ہو سکتا ہے۔ سچ ہے۔ "الا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ۔" قال تعالیٰ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (اور بعض سلف نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ سارے کام مٹ جانے والے اور فنا ہو جانے والے ہیں بجز اس کام کے جو خالصۃً بوجہ اللہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۶ یعنی سب کو اس کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا۔ صورۃً وظاہراً بھی کسی کا حکم واقتدار باقی نہ رہے گا۔ اے اللہ اس وقت اس گناہ گار بندہ پر رحم فرمائیے اور اپنے غضب سے پناہ دیجئے۔ (تم سورۃ القصص وللہ الحمد والمنۃ)

فناء عالم اور جزا آخرت کے مضمون پر سورت کو ختم کیا اور یہی باتیں دین اور شریعت کا خلاصہ اور لب لباب ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جس ذات نے آپ ﷺ پر یہ قرآن نازل کیا وہ تجھ کو پھر پہلی جگہ واپس لانے والا ہے۔ " معاد" کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ معاد سے مکہ مکرمہ مراد ہے یہ قول ابن عباس ؓ کا ہے جس کو امام بخاری ؒ نے روایت کیا۔

اور مطلب یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو دوبارہ مکہ واپس لائے گا یعنی دین حق بلند ہوگا اور مکہ دار الاسلام ہو جائے گا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ معاد سے مراد موت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معاد سے جنت مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عالم آخرت مراد ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ آپ ﷺ عن قریب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

اس قول کی بناء پر یہ مضمون گزشتہ آیت ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ کے ساتھ مربوط ہوگا۔ اور پہلے قول کی بناء پر جب کہ معاد سے مکہ مکرمہ کی طرف واپسی مراد ہو تو خاتمہ سورت آغاز سورت کے ساتھ مربوط ہو جائے گا۔ اول سورت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا تھا کہ اس بچہ کو دریا میں ڈال دو اور وعدہ فرمایا تھا۔ ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ﴾۔ کہ ہم اس بچہ کو پھر تمہاری طرف واپس کر دیں گے اسی قسم کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے کیا کہ تم اطمینان رکھو ہم تمہیں پھر مکہ واپس لائیں گے اور شان و شوکت کے ساتھ لائیں گے چنانچہ یہ وعدہ اسی طرح پورا ہوا جیسے وعدہ ام موسیٰ علیہ السلام پورا ہوا تھا۔ دوسری مشابہت اول سورت اور آخر سورت میں یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس کو اپنے معجزات دکھائے اور اس نے اس کو سحر اور افتراء بتلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا۔ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾۔

اسی طرح اخیر سورت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اسی بات کے کہنے کا حکم دیا۔ ﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی کتاب ہدایت میں کوئی تردد کریں تو آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس بندہ کو جو ہدایت لے کر آیا ہے اور اس کو بھی جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور میری مشعل ہدایت سے آنکھیں بند کئے ہوئے اور جو کتاب ہدایت آپ ﷺ کو دی گئی وہ آپ ﷺ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت ہے آپ ﷺ کو کوئی توقع اور امید نہ تھی کہ آپ ﷺ پر ایسی کتاب مستطاب نازل کی جائے گی مگر تیرے پروردگار کی رحمت اور عنایت سے تجھ پر یہ کتاب ہدایت نازل کی گئی تاکہ لوگوں کو آخرت کا راستہ معلوم ہو۔ معلوم ہوا کہ نبوت امر وہبی ہے نہ کہ امر کسبی۔ پس ان کافروں کی ہرگز پشت و پناہ نہ بنیں جو لوگوں کو خدا کی راہ سے ہٹانے پر کمر بستہ ہیں آپ ﷺ نہ ان کی رعایت کیجئے اور نہ ان کی قرابت کا لحاظ کیجئے اور نہ ان کی طرف التفات کیجئے اور ایسا نہ ہو کہ یہ کافر آپ ﷺ کو اللہ کے احکام پہنچانے سے روک دیں جبکہ وہ احکام آپ ﷺ کی طرف اتر چکے ہیں۔ یعنی کافروں کی مخالفت سے تبلیغ احکام میں سست نہ پڑیئے جیسے کہ آپ ﷺ اب تک رہے ہیں۔ اور آپ بدستور اپنے پروردگار کی عبادت اور طاعت کی دعوت میں لگے رہیے اور ہرگز ہرگز مشرکین میں سے نہ. وجئے یعنی عوت وتبلیغ میں نہ کوئی سستی

کریں اور نہ ان کی رعایت کریں یعنی ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ جیسے آپ ﷺ اب تک ان سے بے تعلق رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے۔ یعنی ہر قدم پر اخلاص اور توحید کو ملحوظ رکھئے ان آیات میں بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مراد بندگان خدا ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے کہ سوائے ذات خداوندی کے ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے کسی شے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں خدا کو خدا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کا وجود ذاتی ہے اس کے سوا جو چیز بھی موجود کہلاتی ہے تو اس کا وجود خدائے واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

وقال اللہ تعالیٰ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (ع) الا کل شیء ما خلا اللہ باطل۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نفخ صور کے وقت ہر چیز پر فنا طاری ہو جائے گی۔ مگر آٹھ چیزیں فنا اور ہلاکت سے مستثنیٰ ہوں گے۔

ثمانیة حکم البقاء یعمها من الخلق والباقون فی حیز العدم

ھی العرش والکرسی ونار وجنة وعجب وارواح کذا اللوح والقلم

وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں (۱) عرش۔ (۲) کرسی۔ (۳) دوزخ۔ (۴) بہشت۔ (۵) عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی) (۶) ارواح۔ (۷) لوح۔ (۸) قلم۔

ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے کوئی چیز اپنی قدرت سے اپنے لئے بقا کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ چیزیں قیامت کے دن محض اللہ کی قدرت سے فنا اور ہلاکت سے بچ جائیں گی۔ کسی ممکن کا وجود اور اس کا عدم اور اس کی موت اور اس کی حیات اختیار میں نہیں۔

تفسیر دیگر:...... اور بعض علما نے اس آیت یعنی ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ کی ایک دوسری تفسیر کی ہے وہ یہ کہ ہر عمل اور ہر کام فنا ہو جائے گا اور مٹ جائے گا مگر جو عمل خالصاً لوجہ اللہ کیا جائے وہ باقی رہے گا۔

اب آئندہ آیت میں معاد کا مضمون ذکر کرتے ہیں خاص اللہ ہی کے لئے ہے فرماں روائی اسی کی قضا جاری اور نافذ ہوتی ہے وہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اور اسی کا حکم اور تصرف چلتا ہے اور قیامت کے دن جزا اور سزا کے لئے تم سب اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے نہ کسی اور کی طرف اور اس روز ظاہراً و باطناً صرف اللہ ہی کا حکم چلے گا اور اس روز نہ کسی کا حکم رہے گا اور نہ کسی کی حکومت رہے گی۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۰ ربیع الاول یوم سہ شنبہ بوقت چاشت سورۂ قصص کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قبول فرمائے اور باقی تفسیر کے لکھنے کی توفیق عطا کرے۔ امین یا رب العالمین۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

تفسیر سورۃ العنکبوت

سورۃ العنکبوت مکیہ وھی تسع وستون اٰیۃ وسبع رکوعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سورۂ عنکبوت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سورت میں انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں اس سورت کا نام سورۂ عنکبوت ہے اس لئے کہ اس سورت میں ابطال شرک کے لئے اللہ تعالیٰ نے عنکبوت (مکڑی) کی مثال ذکر کی ہے۔ ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ﴾۔

ربط:...... گزشتہ سورت کے خاتمہ پر ﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ﴾۔ میں فتح مکہ کی بشارت کی طرف اشارہ تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ فلاح اور کامیابی کوئی آسان چیز نہیں اس سے پہلے بڑی جاں فشانی کرنی پڑتی ہے اور طرح طرح کی سختیاں اٹھانی ہوتی ہیں جو اللہ کی طرف سے آزمائشیں ہوتی ہیں لہٰذا فتنوں (آزمائشوں) سے گھبرانا نہ چاہئے بلکہ صبر اور استقلال سے کام لینا چاہئے۔ بغیر اس کے ایمان کامل نہیں ہوتا محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کافی نہیں۔ مصائب اور شدائد میں ابتلا، ایمان کے امتحان کے لئے ہے کہ دعوائے ایمان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

ربط دیگر:...... نیز اس سورت میں اہل ایمان کو تسلی ہے کہ کافروں کی ایذاؤں سے گھبرائیں نہیں آخر فرعون سے بنی اسرائیل کو کیا کیا ایذائیں نہیں پہنچیں مگر بالآخر اہل باطل اور ظالم لوگ خائب و خاسر ہوئے اسی طرح مکہ کے کافر و ظالم بالآخر خائب و خاسر ہوں گے۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ سورت میں فرعون کے فتنہ اور فساد کا ذکر تھا اور اس سورت میں قریش کی طرف سے فتنہ اور ابتلاء کا ذکر ہے جس سے مقصود اہل ایمان کو تسلی دینا ہے کہ ان وقت ایذاؤں سے گھبرائیں نہیں۔

غرض یہ کہ اس سورت کا تمام مضمون امتحان اور ابتلاء کے بیان میں ہے اور فتنہ کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں جس سے اس سورت کا آغاز ہوا ہے اور مقصود یہ بتلانا ہے کہ تم نے فرعون اور قارون کا قصہ سن لیا سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی طرف سے فتنہ اور ابتلاء یعنی امتحان اور آزمائش تھی آئندہ چل کر مکہ فتح ہوگا اور اس کے بعد قیصر و کسریٰ کے خزانے تم کو مال غنیمت میں ملیں گے اور قیصر و کسریٰ کے تخت اور تاج کے تم مالک بنو گے جس کے سامنے فرعون کی حکومت کی اور قارون کی دولت کی کوئی حقیقت نہیں وہ وقت قریب آنے والا ہے وہ تمہاری آزمائش کا وقت ہوگا۔ اس وقت یہ سمجھنا کہ یہ سب فتنہ ہے اس وقت علو اور تکبر میں نہ پڑنا بلکہ شکر کرنا تاکہ اور مزید نعمتیں تم کو ملیں۔ دنیا میں رہو مگر مقصود دار آخرت کو جانو اور یقین رکھو کہ دار دنیا کی دار آخرت کے مقابلہ میں بیت عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں۔

۲۹ سُوْرَةُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّةٌ ۸۵ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | ایاتہا ۶۹ رکوعاتہا ۷

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا

کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے ف۱ اور ہم نے جانچا ہے

کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر، کہ ہم یقین لائے، اور ان کو جانچ نہ لیں گے۔ اور ہم نے جانچا ہے

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ③ اَمْ حَسِبَ

ان کو جو ان سے پہلے تھے ف۲ سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو ف۳ کیا یہ سمجھتے ہیں

ان کو جو ان سے پہلے تھے، سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں، اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹے۔ کیا یہ سمجھے ہیں

الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ④ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ

جو لوگ کہ کرتے ہیں برائیاں کہ ہم سے بچ جائیں بری بات طے کرتے ہیں ف۴ جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی

جو لوگ کرتے ہیں برائیاں؟ کہ ہم سے چیر جائیں۔ بری بات چکاتے ہیں۔ جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی،

فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ⑤ وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ ؕ اِنَّ

سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا ف۵ اور جو کوئی محنت اٹھائے سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے

سو اللہ کا وعدہ آتا ہے۔ اور وہ ہے سنتا جانتا۔ اور جو کوئی محنت اٹھائے، سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے۔

ف۱ یعنی زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنا کچھ سہل نہیں جو دعویٰ کرے امتحان و ابتلاء کے لیے تیار ہو جائے یہ ہی کسوٹی ہے جس پر کھرا کھوٹا کسا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے، ان کے بعد صالحین کا، پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ نیز امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے۔ جس قدر کوئی شخص دین میں مضبوط اور سخت ہوگا اسی قدر امتحان میں سختی کی جائے گی۔

ف۲ یعنی پہلے نبیوں کے متبعین بڑے بڑے سخت امتحانوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ حضرت! ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے اور دعاء فرمائیے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر سختی اور ظلم و ستم کی انتہاء کر رکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر (کھڑا) گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے سر پر آرہ چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے، بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چمڑا اور گوشت ادھیڑ دیا جاتا تھا۔ تاہم یہ سختیاں ان کو دین سے نہ ہٹا سکیں۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ علانیہ ظاہر کر دے گا اور دیکھ لے گا کہ دعوائے ایمان میں کون سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا، اسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔

(تنبیہ) "فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ" الخ سے جو حدوث علم باری کا وہم ہوتا ہے اس کا نہایت محققانہ جواب مترجم علام قدس سرہ نے دیا ہے۔ ملاحظہ کیا جائے پارہ دوم رکوع اول ﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ﴾ کے تحت میں۔ ہم نے یہاں ان توجیہات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو مفسرین نے لکھی ہیں۔

ف۴ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "پہلی دو آیتیں مسلمانوں کے متعلق تھیں جو کافروں کی ایذاؤں میں گرفتار تھے اور یہ آیت ان کافروں سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو ستا رہے تھے۔" (موضح) یعنی مومنین کے امتحانات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور سختیوں سے بچے رہیں گے۔ وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جو سخت ترین سزا ان کو ملنے والی ہے اس کے سامنے مسلمانوں کے امتحان کی سختی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر اس وقت کی عارضی مہلت سے انہوں نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور سزا دہی کے وقت خدا کے ہاتھ نہ آئیں گے تو حقیقت میں بہت ہی بری بات طے کی ایسا احمقانہ فیصلہ آنے والی مصیبت کو روک نہیں سکتا۔

اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ⑥ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ

اللہ کو پروا نہیں جہان والوں کی ف۱ اور جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ہم اتار دیں گے ان پر سے

اللہ کو پرواہ نہیں جہان والوں کی۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام، ہم اتار دیں گے ان سے

سَیِّاٰتِھِمْ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑦ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ

برائیاں ان کی اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا ف۲ اور ہم نے تاکید کردی انسان کو اپنے ماں باپ سے

برائیاں ان کی، اور بدلہ دیں گے بہتر سے بہتر کاموں کا۔ اور ہم نے تقید کردیا انسان کو اپنے ماں باپ سے

حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاھَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ

بھلائی سے رہنے کی اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں ف۳ تو ان کا کہنا مت مان ف۴ مجھی تک پھر آنا ہے تم کو

بھلے رہنا۔ اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک پکڑ میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں، تو ان کا کہنا نہ مان۔ مجھی تک پھر آنا ہے تم کو،

فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّھُمْ فِی

سو میں بتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے ف۵ اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے ہم ان کو داخل کریں گے

سو میں جتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے، ہم ان کو داخل کریں گے

= ف۵ یعنی جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں بات بات پر پکڑ ہوگی۔ ناکام یاب ہوا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں ڈھل جائیں گی اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے، کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔ اللہ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان۔ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اس کا پھل دنیا و آخرت میں اسی کو ملے گا، پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے راستہ میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ (العیاذ باللہ) اس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لیے طاعت و ریاضت کی توفیق بخشے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

ف۲ یعنی جہاں سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت و شفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی ایمان کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی۔" (موضح القرآن)

ف۳ یعنی تمام کائنات میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو خدا کی شریک ہو سکے۔ پھر اس کی خبر کسی کو کہاں سے ہوئی۔ جو لوگ شرکاء ٹھہراتے ہیں محض جاہلانہ اوہام اور بے سند خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ واقعہ کی خبر انہیں کچھ بھی نہیں۔

ف۴ دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں۔ پر اللہ کا حق ان سے زیادہ ہے۔ ان کی خاطر دین نہ چھوڑے۔ (موضح) حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے جو مشرکہ تھی بیٹے کے اسلام کی خبر سن کر عہد کیا کہ دانہ پانی کچھ نہ چکھوں گی نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی، تاوقتیکہ سعد رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) اسلام سے نہ پھر جائے چنانچہ کھانا پینا ترک کر دیا اور بالکل نڈھال ہوگئی۔ لوگ زبردستی منہ چیر کر کھانا پانی دیتے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ گویا بتلا دیا کہ والدین کا اس طرح خلاف حق پر مجبور کرنا یہ بھی ایک ابتلاء و امتحان ہے، چاہیے کہ مومن کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہو۔

ف۵ یعنی سب کو عدالت میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی اور کون حق پر تھا۔

الصّٰلِحِيْنَ ۝٩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ

نیک لوگوں میں ف۱ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر پھر جب اس کو ایذاء پہنچے اللہ کی راہ میں کرنے لگے

نیک لوگوں میں۔ اور ایک لوگ ہیں کہ کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر، پھر جب اس کو ایذا پہنچے اللہ کے واسطے، ٹھہرا دے

النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ

لوگوں کے ستانے کو برابر اللہ کے عذاب کی ف۲ اور اگر آپہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ف۳ کیا یہ نہیں کہ

لوگوں کا ستانا برابر اللہ کی مار کے۔ اور اگر آ پہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے، کہنے لگیں، ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا یوں نہیں کہ

اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ

اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہان والوں کے ف۴ اور البتہ معلوم کرے گا اللہ ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جو لوگ

اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ جیوں میں ہے جہان والوں کے۔ اور البتہ معلوم کرے گا اللہ جو یقین لائے ہیں، اور البتہ معلوم کرے گا جو لوگ

الْمُنٰفِقِيْنَ ۝١١ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ

دغا باز ہیں ف۵ اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو تم چلو ہماری راہ اور ہم اٹھا لیں

دغا باز ہیں۔ اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو، تم چلو ہماری راہ، اور ہم اٹھا لیں گے

خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١٢ وَلَيَحْمِلُنَّ

تمہارے گناہ ف۶ اور وہ کچھ نہ اٹھائیں گے ان کے گناہ بیشک وہ جھوٹے ہیں اور البتہ

تمہارے گناہ۔ اور وہ کچھ نہ اٹھائیں گے ان کے گناہ۔ وہ جھوٹے ہیں۔ اور البتہ

ف۱ یعنی جو اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود بھی ایمان اور نیکی کی راہ پر قائم رہے حق تعالیٰ ان کا حشر اپنے خاص نیک بندوں میں کرے گا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں یعنی اولاد نے اگر ناحق بات میں والدین کا کہنا نہ مانا اور والدین ناحق پر قائم رہے تو اولاد کا حشر صالحین کے زمرہ میں ہوگا، ان والدین کے زمرہ میں نہ ہوگا گو طبعی و نسبی تعلقات کی بناء پر وہ اس سے سب سے زیادہ قریب تھے۔ معلوم ہوا "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" میں حب دینی مراد ہے، حب طبعی مراد نہیں۔

ف۲ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے اپنے کو مومن کہتے تھے۔ مگر دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا۔ ان کو جہاں اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچی یا دین کی وجہ سے لوگوں نے ستایا تو آزمائش کو خدائی عذاب سمجھنے لگے۔ جس طرح آدمی عذاب الٰہی سے گھبرا کر جان بچانا چاہتا اور اپنے پہلے دعووں سے دست بردار ہونے لگتا ہے اور ناچار اعتراف کرتا ہے کہ میں غلطی پر تھا، یہی حال ان ضعفاء القلوب کا ہے۔ جہاں دین کے معاملہ میں کوئی سختی پہنچی بس گھبرا کر دعویٰ ایمان سے دست بردار ہونا شروع کر دیا اور زبان سے یا عمل سے گویا اقرار کرنے لگے کہ ہم اس دعوے میں غلطی پر تھے یا ایسا دعویٰ کیا ہی نہ تھا۔

ف۳ یعنی اگر مسلمان کی کوئی کامیابی اور عروج دیکھیں تو باتیں بنانے لگیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔ خصوصاً اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور فرض کیجیے یہ لوگ کفار کا ساتھ دیتے ہوئے ان کے ہاتھ میں قید ہو جائیں، پھر تو نفاق و تملق کی کوئی حد نہ رہے۔

ف۴ یعنی جیسے کچھ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعوے کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں؟

ف۵ یعنی معلوم تو اسے پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ لے گا کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغاباز منافق ہے۔

(تنبیہ) اس قسم کے مواضع میں "لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ" کے معنی "لَيَرَيَنَّ اللّٰهُ" کے لینا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کما فی تفسیر ابن کثیر۔

ف۶ یعنی مسلمان کو چاہیے ایمان پر مضبوط رہے، نہ کوئی تکلیف و ایذاء دہی اس کو طریق استقامت سے ہٹا سکے اور نہ کفار کی احمقانہ استمالت سے متاثر ہو، مثلاً کفار=

ع۱۲ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ ۚ وَلَيُسۡـَٔـلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ⑬

اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے ف۱ اور البتہ ان سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن جو باتیں کہ جھوٹ بناتے تھے ف۲

اٹھاویں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے۔ اور البتہ ان سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن، جو باتیں جھوٹ بناتے تھے۔

تنبیہ اہل ایمان برحکمت اہل شدائد وآفات زمان کہ آں تمیز مخلص ومنافق است وتشجیع اہل ہدایت برصبر واستقامت وتشنیع اہل ضلالت وغوایت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا ... الی ... وَلَيُسۡـَٔـلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ﴾

(شانِ نزول) ایک دن آنحضرت ﷺ کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے تھے تو بعض صحابہ نے مشرکین کی شکایت کی کہ وہ ہمیں طرح طرح سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں آپ ﷺ ہمارے لئے دعا کریں کہ کافروں کا یہ ظلم وستم ہم سے ٹل جائے یہ سن کر آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے گزشتہ دین داروں کے سر، آروں سے چیرے گئے اور ان کے دو ٹکڑے کئے گئے مگر وہ اپنے دین سے نہیں ہٹے اور بعضوں کے سروں میں لوہے کے کنگھے کئے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈیوں تک پہنچ گئے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرے اور قسم ہے خدا کی یہ دین اسلام مکمل اور پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار صفاء سے لے کر حضر موت تک امن وامان کے ساتھ چلا جائے گا اور اسے کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔ (رواہ البخاری عن خباب بن الارت رضی اللہ عنہ)

مطلب یہ ہے کہ عجلت نہ کرو۔ صبر اور استقامت سے کام لو اور اللہ کے وعدہ کا انتظار کرو اور کافروں کی طرف سے جو تم کو ایذائیں پہنچ رہی ہیں وہ من جانب اللہ آزمائش اور امتحان ہیں تاکہ مخلص اور منافق کا فرق ظاہر ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں۔ ﴿الٓمّٓ﴾ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں گزرا۔

خرد عاجز وفہم در وے گم است

= مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر اپنی برادری میں آملو اور ہماری راہ پر چلو، تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو۔ اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مؤاخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھالیں گے، اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے کما قال الشاعر ع

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ف۱ یعنی جھوٹے ہیں، تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ ہاں اپنا بوجھ بھاری کر رہے ہیں۔ ایک تو ان کے ذاتی گناہوں کا بار تھا، اب دوسروں کے اغواء واضلال کے بارنے اس میں مزید اضافہ کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "کوئی چاہے کہ رفاقت کر کے کسی کے گناہ اپنے اوپر لے لے، یہ نہیں ہوگا۔ مگر جس کو گمراہ کیا اور اس کے بہکائے سے اس نے گناہ کیا، وہ گناہ اس پر بھی اور اس پر بھی۔" (موضح) جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں تو جو کوئی کسی کو (ناحق) قتل کرے، اس کے گناہ کا حصہ آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کو پہنچتا ہے۔ جس نے اول یہ بری راہ نکالی۔

ف۲ یعنی جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں کہ ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے، یہ خود مستقل گناہ ہے جس پر ماخوذ ہوں گے۔ آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغواء اور شرارت کرتے رہیں اور سچوں کو مدتوں تک امتحان وابتلاء کے دور میں سے گزرنا پڑا ہے۔ مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا، منکر اور شریر لوگ خائب وخاسر رہے سچے کامیاب وسربلند ہوئے۔ اشقیاء کے تمام مکائد تار عنکبوت سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔

بعض مسلمان جب کافروں کی ایذاؤں سے گھبرائے اور آنحضرت ﷺ سے مشرکین کی شکایت کی تو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ہم محض آمنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کا کوئی امتحان نہ ہوگا یعنی کچھ لوگوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ محض زبان سے یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے اور ہم مومن ہیں فقط یہ کہہ دینا ان کے لئے کافی ہوگا۔ اور ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا اور بلاؤں اور مصیبتوں سے ان کی کوئی آزمائش نہ ہوگی جس سے ان کے دعوائے ایمان کی حقیقت کھل جائے اور دل کا نفاق اور اخلاص ظاہر ہو جائے یہ گمان صحیح نہیں ضرور ان کا امتحان ہوگا۔

عاشقاں را درد دل بسیار می باید کشید
جور یار وقصۂ اغیار می باید کشید

اور امتحان تین طرح سے ہوگا۔ (۱) احکام خداوندی کی پابندی سے۔ (۲) مصائب وامراض سے۔ (۳) کافروں کی ایذاء رسانیوں اور تکلیفوں سے۔

اور البتہ تحقیق ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی مصیبتوں اور بلاؤں سے آزمایا ہے اور ان کے دعوائے ایمان کا امتحان لیا ہے پس اس آزمائش اور امتحان سے اللہ ظاہر کر دیتا ہے ان لوگوں کو جو دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور ظاہر کر دیتا ہے جھوٹے دعوے کرنے والوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان لوگوں کی غلطی پر متنبہ کیا جنہوں نے یہ گمان کرلیا کہ صرف ایمان واسلام کا دعویٰ کافی ہے لیکن یہ خیال غلط ہے دعوائے ایمان واسلام کے ساتھ ابتلاء اور امتحان بھی ضروری ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اگر ابتلاء نہ ہوتا تو جھوٹے اور سچے سب برابر ہو جاتے کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ سنگ وسیم دونوں ایک بھاؤ بکتے غرض یہ کہ امتحان اور ابتلاء سچ اور جھوٹ کے ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ علم خداوندی اور تقدیر الٰہی میں تو پہلے ہی سے دونوں فریق متمیز ہیں اور اللہ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ مگر دنیا کو معلوم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود اس امتحان سے اپنے علم ازلی کو ظاہر کرنا ہے کہ دنیا بھی دیکھ لے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ پس جس طرح امتحان دنیا میں کھرا کھوٹا ظاہر کرنے کے لئے ہے اسی طرح دعوائے ایمان میں امتحان صادق اور منافق کے صدق اور کذب ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ ایمان [1] کے معنی دعوائے محبت کے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ پس آمنا کہنا درپردہ احببنا اور عشقنا کہنے کے مترادف ہے اور دعوائے محبت کے لئے امتحان لازم ہے۔

در محبت ہر کہ او دعویٰ کند صد ہزار امتحان بروے تند
گر بود صادق کشد بار جفا در بود کاذب گریزد از بلا

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ میں گھرے ہوئے تھے اور بخوف کفار ہجرت نہیں کر سکتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں لکھا کہ تمہارا اسلام مقبول نہیں ہو سکتا۔ جب تک تم ہجرت نہ کرو چنانچہ انہوں نے ہجرت کی مگر کفار ان کو واپس لے گئے پھر یہ آیت

[1] کذا فی استمرار التوبہ ص ۴۱ وعظ پنجم از سلسلہ البلاغ۔

نازل ہوئی۔ ﴿الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا﴾ الخ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں کہلا بھیجا کہ تمہارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اب ہجرت کے لئے نکلے اور کفار نے ان کا پیچھا کیا باوجود مقابلہ کرنے کے کچھ مسلمان مارے گئے اور کچھ بچ کر مدینہ پہنچے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾۔ (ازالۃ الخفا)

اس تفسیر کی بنا پر یہ آیت مدنی ہوگی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ (واللہ اعلم)

یہ تو مسلمانوں کی تسلی کے لئے شدائد اور مصائب کی حکمت بیان کی اب آگے ان کافروں کو تہدید فرماتے ہیں جو مسلمانوں کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں کیا وہ لوگ برائیاں کرتے ہیں جیسے کفر اور گناہ اور اہل اسلام کو ستانا اور ایذا پہنچانا اس گمان اور خیال میں ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے چھوٹ جائیں گے اور بچ نکلیں گے سو ان کا یہ حکم لگانا بہت ہی برا ہے اور بالکل غلط ہے ہم عن قریب اپنے نبی کی مدد کریں گے اور سرکشوں کا سر توڑ ڈالیں گے۔ چنانچہ چند روز بعد ایسا ہی ہوا۔ خدا کی مہلت سے یہ سمجھ لینا کہ آئندہ چل کر عذاب نہ ہوگا یہ غلط خیال ہے دنیا کی حکومت بھی اپنے مجرم کو فوراً نہیں پکڑتی بلکہ کچھ مہلت دیتی ہے دنیاوی حکومت کی گرفت سے تو انسان چھوٹ بھی سکتا ہے مگر خدا کی گرفت سے کون چھوٹ سکتا ہے لہٰذا ان سرکشوں کا یہ خیال کہ اگرچہ ہم کتنی ہی نافرمانی کرتے رہیں ہم پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہوگا یہ غلط حکم ہے جو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے یہ تو تکلیف دینے والوں کو تنبیہ اور تہدید تھی اب آئندہ ان تکالیف کے برداشت کرنے والوں کی طرف روئے سخن کر کے فرماتے ہیں جس شخص کو خدا سے ملنے کا اشتیاق اور امید ہو یا جس کو خدا سے ملنے کا خوف ہو یعنی اس کو ڈر ہو کہ ایک روز خدا کے سامنے پیشی ہوگی اور اس کے روبرو کھڑا ہونا ہوگا تو اس شخص کو دشمنوں کی ایذا رسانی سے مغموم اور پریشان نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کو آخرت کی فکر کرنی چاہئے جس دن اس کی امید پوری ہو جائے گی اس لئے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے جس میں اس کی امید پوری ہو جائے گی اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا صلہ اس کو مل جائے گا اور اس کے سارے غم غلط ہو جائیں گے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اس سے بندوں کا کوئی قول اور فعل مخفی نہیں۔

فائدہ:...... جاننا چاہئے کہ یرجوا کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک امید اور دوسرے خوف۔ اس لئے تفسیر میں امید یا خوف کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اور ﴿فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾ اگرچہ بظاہر جزا معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت جزا محذوف کی علت ہے اور اصل کلام اس طرح سے ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ﴾ فلیتھیأ لہ ویستعدّ لہ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کو خدا سے ملنے کا اشتیاق ہو اس کو آخرت کی تیاری کرنی چاہئے اور اس طرح جس کو خدا کا خوف ہو اس کو بھی تیاری لازم ہے امید ہو یا خوف ہر ایک کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آخرت کی تیاری کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ سوچا کرے کہ خدا سے ملنے کا وقت ضرور آنے والا ہے اور جنت اور جہنم کے احوال کو دل سے سوچے اس سے طاعت میں رغبت اور معصیت سے نفرت پیدا ہوگی اور جوں جوں آخرت اور نعمائے آخرت کی رغبت بڑھے گی اسی قدر طاعت میں سستی اور غفلت اور کاہلی کم ہوتی جائے گی اسی

وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے حضور ﷺ کی دو شانیں بیان فرمائی ہیں۔ ﴿مُبَشِّرًا وَّنَذِیرًا﴾۔ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے یعنی بندوں میں رغبت اور خوف پیدا کرنے والے۔ خوف سے معصیت کا تقاضا دور ہوگا اور بشارت دینے سے طاعات میں سستی اور کاہلی دور ہوگی۔ ملخص از رجاء اللقاء وعظ نمبر ۲۳ از سلسلہ تبلیغ۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابتلاء اور تکلیف شرعی کی حکمت بیان کی اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اس ابتلا اور تکلیف سے خدا کو خود کوئی فائدہ نہیں وہ تو اس سے غنی ہے فائدہ خود بندہ کا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ کے کام میں محنت اور مشقت اٹھاوے تو وہ اپنے ہی نفع کے لئے مشقت اور محنت اٹھاتا ہے ورنہ حق تعالیٰ تو بلاشبہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے وہ کسی مخلوق کی طاعت کا محتاج نہیں بندوں کو جو اعمال صالحہ کا حکم دیتا ہے وہ انہیں کے نفع کے لئے دیتا ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں ہم ان کی برائیوں کو دور کر دیں گے ایمان اور عمل صالح سے سیئ کا اثر نسیاً منسیاً ہوجاتا ہے اور البتہ تحقیق ہم ان کے اعمال کی بہترین جزا عطا کریں گے جو ان کے عمل سے کہیں زیادہ بہتر ہوگی ایک کے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو گنا تک دیں گے اس لئے اہل ایمان کو چاہئے کہ کافروں کی ایذا رسانی سے گھبرائیں نہیں اور دین اسلام پر قائم اور مستقیم رہیں حتی کہ اگر ان کے والدین بھی کفر اور شرک پر مجبور کریں۔ چنانچہ آئندہ آیت میں اس بارے میں ہدایت فرماتے ہیں کہ والدین کے ساتھ سلوک اور احسان ضروری ہے اگرچہ وہ کافر ہوں مگر کفر اور معصیت میں ان کی اطاعت جائز نہیں بے شک دنیا میں ماں باپ سے زیادہ کسی کا حق نہیں مگر اللہ کا حق ان سے بھی زیادہ ہے ماں باپ کی خاطر خدا کو نہ چھوڑے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اسلام پر ان کی والدہ کا مقاطعۂ جوعی

(یعنی بھوک ہڑتال)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب اسلام لے آئے تو ان کی والدہ جو مشرکہ تھیں ان کو اس کی خبر پہنچی کہ ان کا بیٹا "صابی" ہوگیا ہے تو انہوں نے قسم کھائی کہ مجھ پر کھانا اور پینا اور چھت کے نیچے بیٹھنا حرام ہے جب تک سعد، محمد ﷺ کا انکار نہ کرے اور اس کے دین سے علیحدہ اور بے زار نہ ہوجائے اس طرح ان کی ماں پر تین دن گزر گئے تب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ماں سے کہا کہ اے ماں اگر تو سو بار مرے اور زندہ ہو تو میں دین اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ سعد، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض حال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے انسان کو بحق تربیت والدین کے ساتھ عظیم احسان کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اگرچہ والدین کافر اور مشرک ہوں جب تک کہ والدین کفر اور شرک اور اللہ کی معصیت کا حکم نہ دیں تو اللہ کے حق سے بڑھ کر کسی کا حق نہیں اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔ ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیکی کرو اور اگر والدین تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی خبر اور دلیل نہیں تو تو ان کا کہنا نہ ماننا خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی فرماں برداری درست نہیں خوب سمجھ لو کہ تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے پس جزا دینے کے وقت تم کو آگاہ کردوں گا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے اور ایک ایک کر کے تمہارے اعمال تم کو جتا دوں گا خویش و

اقارب کی پاس داری کا خیال نہ کرو ہمارے سامنے کی حاضری اور پیشی کو پیش نظر رکھو۔ بالآخر تم کو ہمارے ہی پاس آنا ہے اور ہمارے روبرو پیش ہونا ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ اس وقت ہم تم سے دور اور غائب ہیں اور تمہارے خویش واقارب تمہارے سامنے حاضر ہیں اور تم کو چاہئے کہ ہمارے اس قانون اور ضابطہ کو یاد رکھو کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اللہ کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہیں کی اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہے تو ہم ان کو ضرور بالضرور صالحین کے زمرہ میں داخل اور شامل کریں گے ایمان اور عمل صالح کی برکت سے ان کے گناہ معاف ہوں گے اور ان کے ساتھ صالحین جیسا معاملہ ہوگا اور بعضے لوگ جو منافق اور ضعیف الایمان ہیں اور زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں پس ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ایمان اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے راہِ خدا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی اس ایذاء کو وہ اللہ کے عذاب کی مانند عظیم سمجھتا ہے اور اس فتنہ سے ڈر کر جو درحقیقت کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایمان سے منہ موڑنے لگتا ہے اور لوگوں کی معمولی تکلیف کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھنے لگتا ہے منافق کا عجب حال ہے زبان سے تو اسلام کا دم بھرتا ہے مگر دل اس کا ہر دنیاوی مال و منال کے گرد گھومتا رہتا ہے جدھر کوئی فائدہ نظر آتا ہے ادھر جھک جاتا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اے نبی ﷺ اگر کسی وقت تیرے پروردگار کی طرف سے جہاد میں تجھے فتح و نصرت اور غنیمت آ جائے تو یہ منافق لوگ اس وقت مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ تحقیق ہم تمہارے ساتھ ہیں اور کلمہ گو ہیں اور مسلمان بھائی ہیں ہم کو بھی غنیمت میں شریک کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ خوب نہیں جانتا جو جہان والوں کے سینوں میں اخلاص اور نفاق چھپا ہوا ہے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے واقعات سے مؤمنین کے اخلاص کو اور منافقین کے نفاق کو ظاہر کرتا رہتا ہے تاکہ ظاہری طور پر مخلص اور منافق کا امتیاز ہو جائے اللہ کو تو پہلے ہی سے معلوم تھا لیکن اس قسم کے امتحانات سے دنیا کو بھی منافق اور مخلص کا علم ہو جاتا ہے۔

ان آیات میں کفار مذبذبین اور منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کے فتنہ کا ذکر تھا اب آئندہ آیت میں ان پختہ کافروں کے فتنہ کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مسلمانوں کو راہ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بڑے پکے کافر نہایت ڈھٹائی سے اور بے باکی سے مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ کی پیروی کرو اور باپ دادا کے طریقہ پر رہو اور آخرت کی فکر نہ کرو جنت اور دوزخ کوئی چیز نہیں۔ بالفرض اگر قیامت ہوئی تو ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ تم بےفکر رہو تمہارے کفر اور شرک اور معصیت کے ہم ذمہ دار ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دعویٰ تو ان لوگوں کا یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم تمہارے بوجھ اٹھالیں گے۔ حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں کسی میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کا گناہ اٹھاسکے۔ اور یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں محض ڈھٹائی اور بے باکی سے ایسی باتیں بناتے ہیں اور بلکہ اس کے برعکس ہوگا کہ یہ کفار قیامت کے دن اپنا بوجھ بھی اٹھادیں گے اور اپنے بھاری بوجھوں کے ساتھ دوسرے بوجھ بھی اٹھا کر لادیں گے یعنی جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا تھا ان کے گناہوں کا بوجھ بھی ان کے سر پر لدا ہوا ہوگا۔ یعنی یہ لوگ دوسروں کو کیا سبک دوش کر سکتے ہیں ان کو تو دوہرا بوجھ اٹھانا پڑے گا اور قیامت کے دن تابع اور متبوع سب سے باز پرس ہوگی اس چیز کے متعلق جو باطل باتیں افتراء کرتے تھے جس کے سبب مخلوق گمراہ ہوتی تھی اور پھر ان کو حسب جرم سزا دی جائے گی اب آئندہ آیات میں انبیاء سابقین علیہم السلام کے ابتلاء اور ان کے منکرین کے عبرت ناک عذابوں کا ذکر کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس برس کم ف۱ پھر پکڑا ان کو

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم پاس، پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس برس کم۔ پھر پکڑا ان کو

الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮

طوفان نے اور وہ گناہ گار تھے ف۲ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جہاز والوں کو ف۳ اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہان والوں کے واسطے ف۴

طوفان نے، اور وہ گنہگار تھے۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جہاز والوں کو، اور رکھا ہم نے جہاز نشانی جہان والوں کو۔

قصۂ اول نوح علیہ السلام با قوم او

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ... الی ... وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں ابتلاء اور آزمائش کا ذکر تھا اب اسی سلسلہ میں انبیا سابقین علیہم السلام کے ابتلاء کے واقعات ذکر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کے ابتلاء کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو تقریبا ایک ہزار سال تک ممتد رہا اتنا طویل ابتلاء اور اتنا طویل صبر سوائے نوح علیہ السلام کے کسی نبی کو پیش نہیں آیا۔ اور باوجود اس قدر طویل وعریض اور شدید ومدید ابتلاء کے دعوت وتبلیغ میں سست نہیں پڑے جب کافروں کی سرکشی حد سے گزر گئی تو بحکم خداوندی مع اپنے اصحاب کے ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ بعد میں طوفان آیا سب ہلاک ہو گئے اور نوح علیہ السلام اور ان کے صحابہ علیہم الرحمہ غرقابی سے بچ گئے اور نوح علیہ السلام کا کشتی پر سوار ہونا یہ بھی ایک قسم کی ہجرت تھی اور ہجرت بھی ایک قسم کا ابتلا ہے اس قصہ کے ذکر سے آنحضرت ﷺ کی اور مہاجرین کی تسلی مقصود ہے کہ آپ ﷺ کافروں کی ایذاء رسانی سے دل گیر نہ ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال تک ٹھہرے اور ان کو توحید کی طرف بلاتے رہے اور کفر اور شرک سے منع کرتے رہے مگر وہ کسی طرح راہ پر نہ آئے پس جب اس طویل وعریض فہمائش کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو طوفان نے ان کو آ پکڑا اور وہ بڑے ہی ظالم تھے کہ کفر وشرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور نوح علیہ السلام نے جب ان کو سمجھایا تو ان کو مجنون کہا اور جھڑکا اور مارا پس ہم نے نوح کو اور یاران کشتی کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے طوفان سے نجات دی

ف۱ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ساڑھے نو سو برس دعوت وتبلیغ اور سعی واصلاح میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا، طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔

ف۲ یعنی جب گناہوں اور شرارتوں سے باز نہ آئے تو طوفان نے سب کو گھیر لیا۔ بجز چند نفوس کے سب ہلاک ہو گئے۔

ف۳ یعنی جو آدمی یا جانور جہاز پر سوار تھے ان کو نوح علیہ السلام کی معیت میں ہم نے محفوظ رکھا۔ سورۃ "ہود" میں یہ قصہ مفصل گزر چکا۔

ف۴ کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا جہاز مدت دراز تک "جودی" پر لگا رہا تا کہ دیکھنے والوں کے لیے عبرت ہو اور اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے جسے دیکھ کر سفینہ نوح کی یاد تازہ ہوتی اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ یا شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کے لیے عبرت بنا دیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" جس وقت یہ سورت اتری ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آ کر جہاز پر سوار ہو کر ملک حبشہ کی طرف گئے تھے جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر آئے تب وہ جہاز والے صحابہ بھی سلامتی سے آ ملے۔" (موضح بتغییر یسیر) گویا نوح وسفینہ نوح کی تاریخ اس رنگ میں دہرائی گئی۔

اس لئے کہ یاران کشتی اس ظاہری سفینہ پر سوار ہونے سے پہلے سفینہ نجات یعنی ایمان اور عمل صالح کی کشتی پر سوار ہو چکے تھے اور ہم نے اس واقعہ کو اہل عالم کے لئے نشان عبرت بنایا کہ دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ حق کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اور عبرت پکڑیں یعنی دنیا فانی پر ایسے فریفتہ نہ ہوں کہ کسی ہادی کی نصیحت نہ سنیں بالآخر موت میں مبتلا ہو کر سب کو چھوڑ جائیں۔

فائدہ:...... عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی مدت میں نبوت ملی اور ساڑھے نو سو برس ان کو خدا کی طرف بلاتے رہے پھر طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے (اخرجه ابن ابی شیبة والحاکم وصححه) روح المعانی: ۲۰/۱۴۳۔

اس حساب سے نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہوئی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے تو یہ کہا کہ پیغمبروں میں سب سے دراز عمر آپ نے پائی آپ نے دنیا کو کیسا پایا تو کہا جیسے ایک شخص اس مکان میں داخل ہوا جس کے دو دروازے تھے ایک دروازہ سے داخل ہوا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر دوسرے دروازہ سے نکل گیا۔ اخرجه ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الدنیا عن انس رضی الله عنه۔ روح المعانی: ۲۰/۱۴۳۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سورۃ ہود میں مفصل گزر چکا ہے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اور ابراہیم کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور ڈرتے رہو اس سے یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ

اور ابراہیم کو جب کہا اپنی قوم کو، بندگی کرو اللہ کی اور اس کا ڈر رکھو۔ یہ بہتر ہے تم کو، اگر تم سمجھ

تَعْلَمُوْنَ ⑯ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ

رکھتے ہو۔ تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوا یہی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں ف۱ بیشک جن کو تم پوجتے ہو

رکھتے ہو یہی۔ بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں بیشک جن کو تم پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا

اللہ کے سوائے وہ مالک نہیں تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق

اللہ کے سوا، مالک نہیں تمہاری روزی کے، سو تم ڈھونڈو اللہ کے ہاں روزی اور اس کی بندگی کرو، اور اس کا حق

لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

مانو۔ اسی کی طرف پھر جاؤ گے ف۲ اور اگر تم جھٹلاؤ گے، تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے۔ اور رسول کا

مانو اسی کی طرف پھر جاؤ گے تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوائے اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے اور رسول کا

ف۱ یعنی جھوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھوٹے خیالات و اوہام کی پیروی کرتے ہو، چنانچہ اپنے ہاتھوں سے یہ بت بنا کر کھڑے کر لیے ہیں۔ جنہیں جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اکثر خلق روزی کے پیچھے ایمان دیتی ہے۔ سو جان رکھو کہ اللہ کے سوا روزی کوئی نہیں دیتا وہی دیتا ہے۔ اپنی خوشی کے=

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى

ذمہ تو بس یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر ف۱ کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو پھر اس کو دہرائے گا ف۲ یہ

ذمہ یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔ کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو؟ پھر اس کو دہرائے گا، یہ

اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑲ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ

اللہ پر آسان ہے ف۳ تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر شروع کیا ہے پیدائش کو پھر اللہ اٹھائے گا پچھلا

اللہ پر آسان ہے۔ تو کہہ، ملک میں پھرو، پھر دیکھو، کیونکر شروع کی ہے پیدائش؟ پھر اللہ اٹھائے گا پچھلا

الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ

اٹھان ف۴ بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے دکھ دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس پر چاہے ف۵ اور اسی کی طرف

اٹھان۔ بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ مار دے گا جس کو چاہے، اور رحم کرے جس پر چاہے۔ اور اسی کی طرف

تُقْلَبُوْنَ ㉑ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پھر جاؤ گے اور تم عاجز کرنے والے نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی نہیں تمہارا اللہ سے

پھر جاؤ گے۔ تم چیر جانے والے نہیں زمین میں، اور نہ آسمان میں۔ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ سے

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ㉒ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ ع

ورے حمایتی اور نہ مددگار ف۶ اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے وہ ناامید ہوئے میری رحمت سے ف۷

ورے حمایتی، اور نہ مددگار۔ اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے، اور اس کے ملنے سے وہ ناامید ہوئے میری مہر سے،

=موافق۔ "لہٰذا اس کے شکر گزار بنو اور اسی کی بندگی کرو۔ وہیں تم کو لوٹ کر جانا ہے، آخر اس وقت کیا منہ دکھاؤ گے۔

ف۱ یعنی جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا، میں صاف صاف تبلیغ و نصیحت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا، بھلا برا سمجھا چکا، نہ مانو گے نقصان اٹھاؤ گے جیسے "عاد" "ثمود" وغیرہ تم سے پہلے اٹھا چکے ہیں۔

ف۲ یعنی خود اپنی ذات میں غور کرو، پہلے تم کچھ نہ تھے، اللہ نے تم کو پیدا کیا اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے گا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "شروع تو دیکھتے ہو، دوہرانا اسی سے سمجھ لو"

ف۳ یعنی اللہ کے نزدیک تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے کہ جس نے بدون نمونہ کے اول ایک چیز کو بنایا، نمونہ قائم ہونے کے بعد بنانا تو اور زیادہ آسان ہونا چاہیے۔

ف۴ یعنی اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور چل پھر کر دیکھو کہ کیسی کیسی مخلوق خدا نے پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کر لو۔ اس کی قدرت اب کچھ محدود نہیں ہو گئی۔

ف۵ یعنی دوبارہ پیدا کر کے جسے اپنی حکمت کے موافق چاہے گا سزا دے گا اور جس پر چاہے گا اپنے فضل و کرم سے مہربانی فرمائے گا۔

ف۶ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے وہ نہ زمین کے سوراخوں میں گھس کر سزا سے بچ سکتا ہے نہ آسمان میں اڑ کر، کوئی بلندی یا پستی خدا کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتی نہ کوئی طاقت اس کی حمایت اور مدد کو پہنچ سکتی ہے۔

ف۷ یعنی جنہوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کر دیا اور اس سے ملنے کی امید نہیں رکھی۔ (کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے قائل ہی نہ ہوئے) انھیں رحمت الٰہی کی امید=

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا اقۡتُلُوۡهُ اَوۡ حَرِّقُوۡهُ

اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلا دو ف۱

اور انکو دکھ کی مار ہے۔ پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا، مگر یہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلا دو،

فَاَنۡجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ

پھر اس کو بچا دیا اللہ نے آگ سے ف۲ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لاتے ہیں ف۳ اور ابراہیم بولا ف۴ جو ٹھہرائے ہیں تم نے

پھر اس کو بچا دیا اللہ نے آگ سے۔ اس میں بڑے پتے ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں۔ اور بولا، جو ٹھہرائے ہیں تم نے

دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيۡنِكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُ بَعۡضُكُمۡ

اللہ کے سوا بتوں کے تھان سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگانی میں ف۵ پھر دن قیامت کے منکر ہوجاؤ گے ایک سے

اللہ کے سوا بتوں کے تھان، سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگی میں۔ پھر دن قیامت کے منکر ہوجاؤ گے ایک سے

بِبَعۡضٍ وَّيَلۡعَنُ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ۙ وَّمَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ

ایک اور لعنت کرو گے ایک کو ایک ف۶ اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار ف۷ پھر مان لیا اس کو

ایک اور پھٹکارو گے ایک کو ایک۔ اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارے مددگار۔ پھر مانا اس کو

= کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وہ آخرت میں بھی محروم ومایوس ہی رہیں گے۔ یہ گویا ﴿مَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾ کا عکس ہوا۔

ف۱ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی تمام معقول باتیں اور دلائل وبراہین سن کر جب ان کے ہم قوم جواب سے عاجز ہوئے تو قوت کے استعمال پر اتر آئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ یا تو قتل کر کے ایک دم ان کا قصہ ہی تمام کر دو اور یا آگ میں جلاؤ شاید تکلیف محسوس کر کے اپنی باتوں سے باز آجائے تو نکال لیں گے ورنہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔

ف۲ یعنی انہوں نے مشورہ کر کے آگ میں ڈال دیا، مگر حق تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا۔ جیسا کہ سورۃ "انبیاء" میں مفصلاً گزر چکا ہے۔

ف۳ یعنی اس واقعہ سے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے بندوں کو کس طرح بچا لیتا ہے۔ اور مخالفین حق کو کس طرح خائب وخاسر کرتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تاثیر اس کے حکم سے ہے۔ جب حکم نہ ہو تو آگ جیسی چیز جلا نہیں سکتی۔

ف۴ یعنی آگ سے نکل کر پھر نصیحت شروع کر دی۔

ف۵ یعنی بت پرستی کو کون عقل مند جائز رکھ سکتا ہے؟ بت پرست بھی دل میں جانتے ہیں کہ یہ نہایت مہمل حرکت ہے۔ مگر شیرازہ قومی کو جمع رکھنے کے لیے ایک مذہب ٹھہرالیا ہے کہ اس کے نام پر تمام قوم متحد ومتفق رہے اور ایک دوسرے کے دوست بنے رہیں کہ جیسا کہ آج کل ہم یورپ کی عیسائی قوموں کا حال دیکھتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ بت پرستی کا شیوع ورواج اس بناء پر نہیں ہوا کہ وہ کوئی معقول چیز ہے بلکہ اندھی تقلید، قومی مروت ولحاظ اور تعلقات باہمی کا دباؤ اس کا بڑا سبب ہے۔ یا یہ غرض ہو کہ بت پرستی کی اصل جڑ آپس کی محبت اور دوستی تھی۔ ایک قوم میں کچھ نیک آدمی جنہیں لوگ محبوب رکھتے تھے انتقال کر گئے۔ لوگوں نے جوش محبت میں ان کی تصویریں بنا کر بطور یادگار رکھ لیں پھر تصویروں کی تعظیم کرنے لگے۔ وہی تعظیم بڑھتے بڑھتے عبادت بن گئی۔ یہ سب احتمالات آیت میں مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ اور ممکن ہے، "مَّوَدَّةَ بَيۡنِكُمۡ" سے بت پرستوں کی اپنے بتوں سے جو محبت ہے وہ مراد ہو جیسا کہ دوسری جگہ "انداد یحبونهم کحب الله" فرمایا۔ واللہ اعلم۔

ف۶ یعنی یہ سب دوستیاں اور محبتیں چند روزہ ہیں۔ قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بنو گے اور بعض بعض کو لعنت کرو گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں،، یعنی وہ شیطان جس کے نام کے تھان ہیں اللہ کے روبرو منکر ہوں گے کہ ہم نے نہیں کہا کہ ہم کو پوجو۔ تب یہ پوجنے والے ان کو لعنت کریں گے کہ ہماری نذر ونیاز لے کر وقت پر پھر گئے۔ (موضح)

ف۷ جو دوزخ کی آگ سے تم کو بچالے جیسے میرے پروردگار نے تمہاری آگ سے مجھ کو بچا لیا۔

لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

لوط نے اور وہ بولا میں تو وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کی طرف بیشک وہ ہی ہے زبردست حکمت والا ف۱ اور دیا ہم نے اس کو اسحاق

لوط نے۔ اور وہ بولا میں وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کی طرف۔ بیشک وہی ہے زبردست حکمت والا۔ اور دیا ہم نے اس کو اسحاق

وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی

اور یعقوب ف۲ اور رکھ دی اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب ف۳ اور دیا ہم نے اس کو اس کا ثواب دنیا میں اور وہ

اور یعقوب، اور رکھی اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب، اور دیا ہم نے اس کو اس کا نیگ دنیا میں۔ اور وہ

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

آخرت میں البتہ نیکوں سے ہے ف۴

آخرت میں نیکوں سے ہے۔

قصۂ دوم ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ... الی ... وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾

یہ دوسرا واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے کہ دشمنوں نے آگ میں ڈالا اور جلاوطن کیا اور اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کو طرح طرح کے ابتلاء اور امتحان پیش آئے۔ جن میں سے ذبح ولد کا واقعہ ابتلاء عظیم تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں ان میں اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان آٹھ واسطے ہیں۔ سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ بت پرستی میں بھی مبتلا تھے اور صابی مذہب رکھتے تھے یعنی عناصر اور کواکب اور روحانیات کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے اور ان کو دنیاوی سامان حیات کا مالک اور متصرف جانتے تھے اور آخرت کے منکر تھے اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اولا دلائل اور براہین سے توحید کو سمجھایا اور خالص اللہ کی عبادت اور تقویٰ کا ان کو حکم دیا اور چونکہ یہ لوگ آخرت اور حشر ونشر کے بالکل منکر تھے اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے یہ مسئلہ بھی ان کو دلیل سے سمجھایا اور ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ﴾ سے مبدأ و معاد اور حشر ونشر کے مسئلہ کو واضح فرمایا کہ جو چیز خود بخود وجود میں نہیں

ف۱ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے کسی مرد نے نہ مانا۔ البتہ لوط نے فوراً بلا توقف تصدیق کی۔ دونوں کا وطن "عراق" میں شہر بابل تھا۔ خدا کے توکل پر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اللہ نے ملک شام میں پہنچا کر بسایا۔

(تنبیہ) "وقال اِنّی مُهَاجِرٌ" الخ میں دونوں احتمال ہیں۔ قائل ابراہیم ہوں یا لوط علیہما السلام۔

ف۲ یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا دیا۔ جن کی نسل "بنی اسرائیل" کہلاتی ہے۔

ف۳ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بجز ان کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری نہ دی جائے گی۔ چنانچہ جس قدر انبیاء ان کے بعد تشریف لائے ان ہی کی ذریت سے تھے۔ اسی لیے ان کو "ابو الانبیاء" کہا جاتا ہے۔

ف۴ یعنی دنیا میں حق تعالیٰ نے مال، اولاد، عزت اور ہمیشہ کا نام نیک دیا، اور ملک شام ہمیشہ کے لیے ان کی اولاد کو بخشا۔ (کذا فی الموضح) اور آخرت میں اعلیٰ درجہ کے صالحین کی جماعت میں (جو انبیائے اولو العزم کی جماعت ہے) شامل رکھا۔

آ سکتی وہ خود بخود باقی نہیں رہ سکتی ہر حادث کے لئے فنا ضروری ہے اور ہر حادث کا وجود دو عدموں کے درمیان میں گھرا ہوا ہے ایک عدم سابق اور ایک عدم لاحق۔ انسان کا اور حیوان کا اور شجر و حجر کا ہر لحہ تغیر وتبدل اس کے حدوث کی دلیل ہے اور آنے والی گھڑی فناء کی گھنٹی ہے عالم کے تغیرات اور انقلابات بزبان حال اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ہم وجود کی پتلیاں ہیں کوئی پوشیدہ دست قدرت ہم کو اپنی انگلیوں پر نچا رہا ہے اور ہمارا تماشہ دکھلا رہا ہے بڑا ہی نادان ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ان پتلوں کا مادہ اور ایتھر ہی ان کو نچا رہا ہے اور دنیا کو ان کا تماشہ دکھا رہا ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نوح علیہ السلام کے ابتلاء کا اور ان کی قوم کے غرق ہونے کا ذکر فرمایا اب ابراہیم علیہ السلام کے ابتلاء کا ذکر فرماتے ہیں کہ پہلا ابتلاء ابتلائے غرق تھا اور یہ ابتلاء حرق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو ابراہیم علیہ السلام کو جن کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کا امتحان کیا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا جو بابل کے رہنے والے تھے اے قوم ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے قہر اور عذاب سے ڈرو۔ حق جل شانہ کی اطاعت اور عبادت اور تقویٰ اور پرہیزگاری ہی سفینہ نجات ہے اللہ کی عبادت کرو اور دریائے قہر کی غرقابی سے ڈرو۔ عبادت اور تقویٰ کی کشتی میں سوار ہو کر ہی غرقابی سے بچ سکتے ہو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں کچھ علم اور فہم ہے جس کے ذریعہ تم خیر وشر اور نفع اور ضرر کو سمجھ سکو لیکن تم علم اور عقل سے عاری نظر آتے ہو اس لئے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پرستش کرتے ہو جن کی دونیت یعنی حقارت تمہارے سامنے ہے کہ تم نے ان کو بسولوں سے تراش کر بنایا ہے اور ظاہر ہے کہ خود تراشیدہ چیز اول تو غایت درجہ حقیر ہے اور پھر یہ کہ وہ تراشیدہ چیز اپنے تراشنے والے کے سامنے بالکل بے بس اور عاجز ہے اور اپنی تراشیدہ چیز کو اپنا معبود بنانا غایت درجہ کی حماقت ہے اور درحقیقت تم جھوٹ بناتے ہو کہ اپنی تراشیدہ چیز کا نام خدا رکھ لیا اور ان سے رزق مانگنا شروع کر دیا۔

تحقیق جن کو تم سوائے خدا کے معبود بنائے ہوئے ہو اور ان سے تم رزق مانگتے ہو وہ تمہیں رزق دینے پر قدرت نہیں رکھتے جو خود کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ دوسرے کو کیا دے دے گا پس رزق اللہ کے پاس سے طلب کرو جو آسمان اور زمین کے خزانوں کا مالک ہے اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو جس نے تم کو یہ نعمتیں عطا کیں مطلب یہ ہے کہ جو روزی دیتا ہے اسی کی بندگی کرو اور اسی کا حق مانو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت ہر شخص کو اس کی عبادت کا اور اس کے شکر کا صلہ ملے گا۔ اور کفر اور شرک سے باز پرس ہوگی۔ روزی دینے والا تو اللہ ہے اور میں اس کا رسول ہوں اس کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں تم کو چاہئے کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور اگر تم میری تصدیق کرتے ہو تو تم کو سعادت دارین حاصل ہوگی اور اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو میرا کوئی ضرر نہیں۔ تحقیق تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں اپنے پیغمبروں کی تکذیب کر چکی ہیں اور ان کی تکذیب سے پیغمبروں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ بلکہ خود انہی کو ضرر پہنچا اور تباہ ہوئے اور نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر پیغام کو صاف طور پر پہنچا دینا۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اول توحید کو واضح کیا جو دین کی پہلی اصل ہے اور پھر ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ سے رسالت کو بیان کیا جو دین کی دوسری اصل ہے اب آگے حشر ونشر کو بیان کرتے ہیں جو دین کی تیسری اصل ہے فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو خدا کی طرف لوٹنے کے منکر ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو بار اول پیدا کرتا ہے

کہ نیست سے اس کو ہست کرتا ہے پھر وہی خدا ان کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا پہلی زندگی کو تو تم نے دیکھ لیا۔ اب دوسری زندگی کو اس پر قیاس کرلو۔ کیا دیکھتے نہیں کہ بدن پر دل پھوڑا پھنسی نمودار ہوتا ہے اور اس حصہ کا گوشت اور پوست زائل ہوجاتا ہے پھر چند روز کے بعد دوسرا گوشت اور پوست نمودار ہوجاتا ہے اسی طرح جسم روح کا لباس ہے جو مرنے کے بعد بوسیدہ ہوجاتا ہے قیامت کے دن اسی قسم کا دوسرا نیا لباس پہنا دیا جائے گا۔

دم بدم گر شود لباس بدل　　شخص صاحب لباس را چہ خلل

بے شک یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے۔ ایک دلیل تو یہ ہوئی۔ اب آگے دوسری دلیل بیان ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ابراہیم علیہ السلام آپ علیہ السلام اپنی قوم سے کہہ دیجئے کہ اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور تم کو اگر دوبارہ زندگی میں کچھ تردد ہے تو زمین میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے زمین میں قسم قسم کی مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کیا ہے قسم قسم کے درخت فنا ہوجاتے ہیں اور پھر دوسری بار پیدا ہوجاتے ہیں جن کا شب و روز تم مشاہدہ کرتے ہو تو سمجھ لو کہ پھر پچھلی بار بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرے گا۔ دوسری زندگی کو پہلی زندگی پر قیاس کرلو۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار سب برابر ہے۔ بلاشبہ وہی اپنی قدرت کاملہ سے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا پھر جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحمت کرے گا وہ مالک اور مختار ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور موت اس کا نمونہ اور پیش خیمہ ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ موت کو ٹلا سکے اور تمہاری عاجزی اور درماندگی کا یہ حال ہے کہ تم آسمان میں ہو یا زمین میں ہو خدا تعالیٰ کو اپنے پکڑنے سے عاجز نہیں کرسکتے۔ تمام مخلوق اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور اس کے پیدا کردہ آسمان و زمین میں محصور ہے اس کے احاطہ سے نہیں نکل سکتی اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی مددگار ہے اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کے اور قیامت کے دن کی پیشی سے منکر ہوئے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو میری رحمت سے ناامید ہوئے اور ایسے ہی لوگوں کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

یہاں [1] تک ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کو نصیحت کا ذکر تھا جس میں انہوں نے دین کے تین اصول۔ توحید اور رسالت اور قیامت کو دلائل اور براہین سے واضح کردیا اور ان پر حجت قائم کردی اب آگے ان کی قوم کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

قوم جب ابراہیم علیہ السلام کی ان معقول باتوں اور دلائل اور براہین کا جواب نہ دے سکی تو قوت اور طاقت کے استعمال پر اتر آئی کہ اس شخص کو قتل کردیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تاکہ قصہ ہی تمام ہو چنانچہ آئندہ آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

قوم کا جواب

پس جب ابراہیم علیہ السلام قوم کو نصیحت کر چکے سو قوم ابراہیم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ یہ کہنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام

[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا کہ یہ تمام کلام از اول تا آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام ہے۔ کما قال ابن کثیر والظاهر من السیاق ان کل هذا من کلام ابراهیم الخلیل علیہ السلام یحتج علیهم لاثبات المعاد لقوله بعد هذا کله فما کان جواب قومه الخ۔ واللہ اعلم۔ ابن کثیر: ۳/۴۰۸۔

کو قتل کردو یا اس کو آگ میں جلا دو اور دیکھو کہ اس کا معبود ہم کو جلانے سے کیسے عاجز کرتا ہے مقصد یہ تھا کہ اگر قتل کرڈالو تو ہمیشہ کے لئے اس شخص سے بے فکری ہو جائے اور اگر آگ میں ڈالو تو ممکن ہے کہ آگ سے ڈر کر اپنی بات سے رجوع کرے۔

غرض یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت و موعظت کا اثر اس بد بخت قوم پر یہ ہوا کہ قتل کرنے اور جلانے کے مشورے کرنے لگے آخری مشورہ یہ ٹھہرا کہ ان کو جلا دیا جائے۔ بڑی عظیم آگ تیار کی اور منجنیق کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا پس اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو آگ سے نجات دی اور آگ کے ضرر سے ان کو محفوظ کر دیا کہ وہ آگ ان کے حق میں برد وسلام اور باغ و بہار ہو گئی۔ بے شک اس واقعہ میں خدا کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو خدا کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی قدرت سے آگ کو بجھایا اور اس کو برد وسلام اور گل زار اور باغ و بہار بنایا۔ معلوم ہوا کہ آگ بذات خود کسی کو جلانے والی نہیں جب تک خدا کا حکم نہ ہو جائے آگ میں حرارت اور پانی میں برودت کا جو اثر نظر آتا ہے وہ آگ اور پانی کی ذات اور طبیعت کا ذاتی اقتضا نہیں بلکہ وہ خدا کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے بحر قلزم اپنی ذات سے اور اپنی طبیعت سے حقیقت واحدہ اور ماہیت بسیطہ تھا مگر وہی بحر قلزم جب موسیٰ علیہ السلام گزرے تو رحمت بن گیا اور فرعون اور فرعونیوں کے لئے مصیبت اور ہلاکت بن گیا۔ یہ کسی مادہ اور طبیعت ایتھر اور نیچر کا اقتضا نہ تھا بلکہ قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا۔ اگر بتوں میں کچھ قدرت ہوتی تو آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر برد وسلام نہ بننے دیتے مگر وہ بد بخت ان آثار قدرت اور کرشمہ ہائے کرامت کو دیکھ کر ایمان نہ لائے اور یہ قصہ سورۃ انبیاء میں مفصل گزر چکا ہے۔

بالآخر جب ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سالم نکل آئے تو پھر قوم کو نصیحت فرمائی اور کہا اے قوم کے لوگو تم نے خدا کے سوا ان بتوں کو اس لئے اختیار نہیں کیا کہ وہ حق چیز ہے بلکہ اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ تمہارا یہ باہمی اتحاد اور اتفاق دنیاوی زندگانی میں محبت کا ذریعہ بنے اور اس اتفاق سے آپس میں میل ملاپ اور رشتہ اخوت و مودت قائم رہے کیونکہ دنیا میں ایک ملت و مذہب والے اور ایک نظریہ رکھنے والے باہم متفق ہوتے ہیں لیکن یہ باہمی محبت دنیاوی زندگی تک محدود رہتی ہے پھر قیامت کے دن یہ محبت مبدل بعداوت ہو جائے گی اس روز تم میں سے بعض بعض کا کافر اور منکر ہوگا یعنی اس روز ایک دوسرے سے بے زار ہوگا اور تم میں کا بعض بعض پر لعنت کرے گا اور پیروی کرنے والے اپنے سرداروں سے بے زاری ظاہر کریں گے اور یہ مشرکین آج جن کے پیرو اور دوست بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان سے پناہ مانگیں گے اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ان کے حال اور مآل سے آگاہ کر دیا دیکھو کہ تمام نصاریٰ تثلیث پر متفق ہیں اور تمام مشرکین بت پرستی پر متفق ہیں سو یہ اتفاق حق اور حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ آبائی رسم و رواج پر مبنی ہے تاکہ تمام قوم اس پر متفق اور متحد رہے اور بتلا دیا کہ تم سب کا ٹھکانہ آگ ہے اور کوئی بھی تمہارے لئے مددگار نہیں جن لوگوں کو تم مددگار سمجھے ہوئے ہو کوئی تمہارے کام نہ آئے گا۔

پس جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلے اور قوم کو یہ نصیحت کی تو ان کی قوم میں سے صرف لوط علیہ السلام ایمان لائے یعنی سوائے لوط علیہ السلام کے کوئی مردان کی قوم میں سے ایمان نہ لایا اور عورتوں میں سے حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھیں اور بعد ازاں ابراہیم [1] علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اب میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا بلکہ اب

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ وقال کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

میں تم سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جاتا ہوں جہاں جانے کا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے بے شک میرا پروردگار عزت والا اور حکمت والا ہے ہجرت کے بعد مجھ کو عزت دے گا اور دشمنوں سے میری حفاظت کرے گا اور اس نے جو مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے وہ عین حکمت ہے اس نے جو مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ دین خداوندی کو تمکین اور عزت اور غلبہ حاصل ہو۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے صحیح سالم نکلنا دیکھ لیا تو نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ آپ علیہ السلام یہ ملک چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں ابراہیم علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق اس کو منظور کر لیا اور بہ نیت ہجرت وہاں سے روانہ ہوئے۔ حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت لوط علیہ السلام سفر ہجرت میں آپ علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جب ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور اپنی قوم کو کفر کی وجہ سے چھوڑا اور تمام خویش و اقارب سے مفارقت اختیار کی تو ہم نے اس کے صلہ میں ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے کی حالت میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا اس کو عطا کیا تاکہ اولاد صالح سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ اس سفر ہجرت میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نہ تھے بلکہ بحکم خداوندی اس سے بہت بیشتر حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ برس پہلے پیدا ہوئے۔

غرض یہ کہ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اولاد صالح عطاء کی اور مزید برآں یہ فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت اور آسمانی کتاب کو رکھ دیا کہ آئندہ جس کو نبوت اور کتاب ملے گی وہ ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے ہوگا چنانچہ نبوت ابتداء میں بنی اسرائیل میں رہی پھر آخر میں بنی اسماعیل میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوگئی اور توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن یہ تمام کتابیں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد پر اتریں۔

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کے صدق اور اخلاص کا صلہ دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں تو وہ بلاشبہ بڑے کامل نیک بندوں کے زمرہ میں سے ہوگا۔ اعلیٰ درجہ کے صالحین انبیاء اولوالعزم کی جماعت ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت کا صلہ تو آخرت میں ظاہر ہوگا باقی دنیا میں ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دی اور ظالم و جابر بادشاہ کو ذلیل و خوار کیا اور اولاد صالح عطا کی اور نبوت کو ان کی اولاد کے ساتھ مخصوص کر دیا اور تمام امتوں میں ان کا ذکر خیر جاری فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ﴾۔ اور یہ مضمون وہی ہے جو سورۃ بقرہ میں گزرا۔ ﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ

اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو بےحیائی کے کام پر تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے

اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو، تم آتے ہو بےحیائی کے کام پر تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ

جہان میں ف۱ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر اور راہ مارتے ہو ف۲ اور کرتے ہو اپنی مجلس میں

جہان میں۔ تم کیا دوڑتے ہو مردوں پر، اور راہ مارتے ہو؟ اور کرتے ہو اپنی مجلس میں

الْمُنْکَرَ ؕ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتَ مِنَ

برا کام ف۳ پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے لے آ ہم پر عذاب اللہ کا اگر تو ہے

برا کام۔ پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے، لے آ ہم پر آفت اللہ کی اگر ہے تو

الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ

سچا ف۴ بولا اے رب میری مدد کر ان شریر لوگوں پر ف۵ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے

سچا۔ بولا، اے رب! میری مدد کر ان شریر لوگوں پر۔ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے

اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِکُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے ہم کو غارت کرنا ہے اس بستی والوں کو بیشک اس کے لوگ ہو رہے ہیں گناہ گار ف۶

ابراہیم پاس خوشخبری لے کر، بولے، ہم کو کھپا دینی ہے یہ بستی۔ بیشک اس کے لوگ ہو رہے ہیں گنہگار۔

ف۱ یعنی یہ فعل شنیع تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ فطرت انسانی اس سے نفور ہے۔ ایسے خلاف فطرت و شریعت کام کی بنیاد تم نے ڈالی۔

ف۲ راہ مارنے سے مراد ممکن ہے کہ ڈاکہ زنی ہو، یہ بھی ان میں رائج ہوگئی، یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اس طرف ہو کر نہ نکلیں یا "تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ" کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر توالد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔

ف۳ شاید یہی بدکاری علانیہ لوگوں کے سامنے کرتے ہوں گے۔ اس بات کی شرم بھی نہ رہی تھی یا کچھ اور ٹھٹھے اور چھیڑ اور بے شرمی کی باتیں کرتے ہوں گے۔

ف۴ یعنی اگر تم سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو دیر کیا ہے وہ عذاب لے آئیے۔ دوسری جگہ فرمایا ﴿وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِکُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ یعنی ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک بننا چاہتے ہیں۔ شاید قوم میں سے بعض نے یہ، بعض نے وہ جواب دیا ہوگا، یا ایک وقت میں ایک بات اور دوسرے میں دوسری کہی ہوگی۔ مثلاً اول عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا، پھر آخری فیصلہ یہ کیا ہوگا کہ انہیں بستی سے نکال دیا جائے بہرحال ثابت ہوگیا کہ وہ قوم نہ صرف اس فعل شنیع کی مرتکب اور بانی تھی، بلکہ اس کے جاری رکھنے پر اس قدر اصرار تھا کہ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو اپنی بستی سے نکالنے پر تیار ہو گئے۔ ان کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی تھی کہ خوف خدا کا کوئی شائبہ دلوں میں باقی نہ رہا تھا۔ عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے تھے اور پیغمبر کے مقابلہ پر آمادہ تھے۔ جرم کی یہی نوعیت ان کے ہلاک کرنے کے لیے کافی تھی۔ اور اگر اس کے ساتھ توحید کے بھی قائل نہ تھے تو "کڑوا کریلا نیم چڑھا" سمجھیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے مشہور ہو کر پہنچ چکی ہوگی۔ اس لیے لوط علیہ السلام خاص اسی فعل شنیع سے روکنے پر مامور ہوئے۔ اور ممکن ہے انہوں نے توحید وغیرہ کی دعوت بھی دی ہو۔ مگر اس کو یہاں نقل نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

ف۵ یہ ان کی طرف سے مایوس ہو کر فرمایا، شاید سمجھ گئے ہوں گے کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی درست ہونے والی نہیں۔ وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں گی جیسے نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ ﴿اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا﴾ کذا قال النیشا بوری فی تفسیرہ۔

ف۶ لوط علیہ السلام کی دعا پر فرشتوں کو اس بستی کے تباہ کرنے کا حکم ہوا۔ فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے، ان کو بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت سنائی اور اطلاع دی کہ ہم اس بستی (سدوم) کو تباہ و برباد کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ کسی طرح اپنی حرکات شنیعہ سے باز نہیں آتے۔ ان واقعات کی تفصیل سورۃ اعراف، ہود اور حجر وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫

بولا اس میں تو لوط بھی ہے ف۱ وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے ہم بچالیں گے اس کو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت

بولا اس میں لوط ہے۔ وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے۔ ہم بچالیں گے اس کو اور اس کے گھر والوں کو، مگر اس کی عورت۔

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۲ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا

کہ رہے گی رہ جانے والوں میں ف۲ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس ناخوش ہوا انکو دیکھ کر، اور تنگ ہوا دل میں ف۳

رہی رہ جانے والوں میں۔ اور جب کہ پہنچے ہمارے بھیجے لوط پاس، ناخوش ہوا ان کو دیکھ کر، اور خفا ہوا دل سے،

وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۳

اور وہ بولے مت ڈر اور غم نہ کھا ہم بچائیں گے تجھ کو اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری رہ گئی رہ جانے والوں

اور وہ بولے نہ ڈر نہ غم کھا۔ ہم بچا دیں گے تجھ کو اور تیرے گھر کو، مگر عورت تیری رہ گئی رہنے والوں میں۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۳۴ وَلَقَدْ

ہم کو اتارنی ہے اس بستی والوں پر ایک آفت آسمان سے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہو رہے تھے ف۴ اور

ہم کو اتارنی ہے اس بستی والوں پر ایک آفت آسمان سے، اس پر کہ یہ بےحکم ہو رہے تھے۔ اور

تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۳۵

چھوڑ رکھا ہم نے اس کا نشان نظر آتا ہوا سمجھدار لوگوں کے واسطے ف۵

چھوڑ رکھا ہم نے اس کا نشان نظر آتا بوجھتے لوگوں کو۔

= (تنبیہ) شاید ہلاکت کی خبر کے ساتھ بیٹے کی بشارت دینے کا مطلب یہ ہو کہ ایک قوم سے اگر خدا کی زمین خالی کی جانے والی ہے تو دوسری طرف حق تعالیٰ ایک عظیم الشان قوم "بنی اسرائیل" کی بنیاد ڈالنے والا ہے۔ نبہ علیہ العلامۃ النیشابوری فی تفسیرہ۔

ف۱ یعنی کیا لوط علیہ السلام کی موجودگی میں بستی کو تباہ کیا جائے گا؟ یا انھیں وہاں سے علیحدہ کر کے تعذیب کی کارروائی عمل میں لائی جائے گی؟ غالباً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو از راہ شفقت خیال آیا کہ لوط علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے یہ آفت نازل ہوئی تو عجب نہیں کہ عذاب کا ہولناک منظر دیکھنے سے وحشت اور گھبراہٹ ہو۔ فرشتوں نے اپنے کلام میں کوئی استثناء کیا نہ تھا، اس سے ان کے ذہن میں یہ ہی شق آئی ہو گی کہ لوط علیہ السلام کی موجودگی میں کارروائی کریں گے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں اور جو ان میں خدا کے مجرم ہیں۔ تنہا لوط علیہ السلام نہیں، بلکہ اس کے گھر والوں کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ سب کو عذاب کے موقع سے علیحدہ کر لیں گے صرف اس کی ایک عورت وہاں رہ جائے گی۔ کیونکہ اس پر بھی عذاب آنا ہے۔

ف۳ فرشتے نہایت حسین و جمیل مردوں کی شکل میں وہاں پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اول پہچانا نہیں۔ بہت تنگ دل اور ناخوش ہوئے کہ اب ان مہمانوں کی عزت قوم کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں گا۔ اگر اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں تو اخلاق و مروت اور مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ ٹھہراتا ہوں تو اس بدکار قوم سے آبرو کس طرح محفوظ رہے گی۔

ف۴ یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈرے مت۔ یہ کچھ نہیں کر سکتی اور ہمارے بچاؤ کے لیے غمگین نہ ہو ہم آدمی نہیں، فرشتے ہیں، جو تجھ کو اور تیرے ہم مشرب گھر والوں کو بچا کر اس قوم کو غارت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ گزر چکا۔

ف۵ یعنی ان کی الٹی ہوئی بستیوں کے نشان مکہ والوں کو ملک شام کے سفر میں دکھائی دیتے ہیں۔

قصہ سوم لوط علیہ السلام با قوم او

قال تعالیٰ: ﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ... الی... وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾

یہ تیسرا قصہ لوط علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور اپنے چچا کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ مقامات پر مبعوث فرمایا تاکہ دونوں علاقے کے لوگ ہدایت پا دیں حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ہجرت کر کے شام چلے آئے اور لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں شہر سدوم اور اس کے اطراف و جوانب کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے یہاں کے لوگ اول درجہ کے بدمعاش اور اوباش اور رہزن اور قزاق اور بے حیا اور مسخرے اور مرغ باز اور کبوتر باز تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو بہتیرا سمجھایا مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۴۱۔

اور ہم نے لوط علیہ السلام کو اس کی قوم کا امتحان لینے کے لئے اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بیشک تم ایسی بے حیائی (لواطت) کے مرتکب ہو کہ تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ کیا تم بقصد شہوت مردوں کے پاس آتے ہو اور ان سے مباشرت کرتے ہو اور اس کے علاوہ تم رہزنی بھی کرتے ہو۔ رہزنی اور قتل سے جان و مال لوٹتے ہو اور لواطت سے نسل قطع کرتے ہو اور پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ اپنی کھلی مجلس میں بھی تم ناپسندیدہ اور نازیبا امور کا ارتکاب کرتے ہو جو اہل عقل کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں جیسے گالی دینا اور فحش باتیں کرنا اور قہقہے لگانا اور شراب پینا اور تنبورے بجانا اور راہ چلنے والوں کو کنکریاں مارنا وغیرہ وغیرہ۔ تم اپنی مجالس میں ایسے اقوال و افعال قبیحہ وشنیعہ کا ارتکاب کرتے ہو جن کو ادنیٰ عقل والا بھی پسند نہیں کرتا۔

لوط علیہ السلام نے نہایت خیرخواہی سے ان کو بہتری کی راہ سمجھائی۔ پس نہ ہوا ان کی قوم کا جواب سوائے اس کے کہ یہ کہنے لگے کہ آپ ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیے اگر آپ علیہ السلام سچوں میں سے ہیں کہ ان افعال شنیعہ کا ارتکاب موجب عذاب ہے لوط علیہ السلام نے اس جواب سے محسوس کر لیا کہ دلیری اور بے باکی حد کو پہنچ گئی ہے اور ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے تو جناب الٰہی سے متوجہ ہوئے اور عرض کیا اے میرے پروردگار اس مفسد قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما اور اس قوم پر اپنا غضب اور قہر نازل فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ملائکہ عذاب کو حکم دیا کہ اس مفسد قوم کو تباہ اور برباد کر دیں اور حسب الحکم وہ فرشتے روانہ ہو گئے اور دو کام ان کے سپرد کئے گئے ایک تو یہ کہ قوم لوط پر عذاب نازل کریں اور دوسرا یہ کہ عذاب نازل کرنے سے پہلے لوط علیہ السلام کے چچا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی خبر دے دیں کہ ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے جا رہے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تولد فرزند کی بشارت بھی دے دیں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل تھے اور لوط علیہ السلام ان کے تابع تھے اس لئے وہ فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ چنانچہ جب وہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے تولد فرزند کی بشارت لے کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو بصورت انسان اور بطور مہمان آئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمان سمجھ کر ان کے

لئے کھانا تیار کرایا۔ جب دیکھا کہ یہ لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تو گھبرائے تو اس وقت فرشتوں نے کہا آپ علیہ السلام گھبرایئے نہیں ہم فرشتے ہیں اور آپ علیہ السلام کے بھتیجے لوط علیہ السلام کی مدد کے لئے آئے ہیں تحقیق ہم اس بستی والوں کو یعنی اہل سدوم کو ہلاک کرنے والے ہیں اس لئے کہ تحقیق اس بستی کے رہنے والے بڑے ہی ظالم ہیں۔ کفر کے علاوہ انواع و اقسام کی برائیوں کے مرتکب ہیں۔ فرشتوں نے بشارت فرزند کے علاوہ یہ دوسری بشارت دی کہ ہم قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے جارہے ہیں اور کافروں اور ظالموں کی ہلاکت کی خبر دینا یہ بھی عظیم بشارت ہے ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ خبر سنی تو گھبرا کر بولے کہ تحقیق اس بستی میں لوط بھی رہتے ہیں اور وہ تو ظالمین میں سے نہیں اس کا کیا ہوگا تو فرشتے بولے آپ علیہ السلام گھبرایئے نہیں ہم خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں رہتا ہے کون کافر و ظالم ہے۔ اور کون مومن و صالح ہے۔ تحقیق ہم ضرور بالضرور لوط علیہ السلام کو اور اس کے خاص متعلقین کو عذاب سے بچالیں گے اور عذاب سے پہلے ہی ان کو بستی سے نکال لے جائیں گے مگر ان کی زوجہ کہ وہ باقی ماندہ لوگوں میں سے ہوگی جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا وہ بھی ان کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہوگی اس لئے کہ یہ زوجہ اگرچہ ان افعال شنیعہ میں شامل نہ تھی مگر اپنی قوم سے محبت رکھتی تھی اور ان سے راضی تھی لہٰذا وہ بھی انہی کے ساتھ باقی رہے گی پھر یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر لڑکوں کی صورت میں لوط علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہمارے یہ فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو لوط علیہ السلام نے اول ان کو پہچانا نہیں اس لئے اس طرح سے آنے کی وجہ سے لوط علیہ السلام مغموم اور تنگ دل ہوئے کہ دیکھئے قوم کے اوباش ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ فرشتے جب حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں پہنچے تو آنا فانا اوباش جمع ہوگئے۔ لوط علیہ السلام یہ منظر دیکھ کر گھبرائے اور مہمانوں کی رسوائی اور اپنی شرمندگی سے خوف زدہ ہوگئے فرشتوں نے جب رنج و غم اور پریشانی کے آثار لوط علیہ السلام کے چہرہ پر دیکھے تو ان کو تسلی دی اور بولے اے لوط نہ ڈرو اور نہ رنجیدہ اور غمگین ہو ہم انسان نہیں بلکہ ہم عذاب کے فرشتے ہیں۔ ﴿اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾ تحقیق ہم تمہاری دعا ﴿رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ کے مطابق تمہاری مدد کے لئے آئے ہیں ہم تجھ کو اور تیرے گھر والوں کو عذاب سے بچائیں گے مگر تمہاری بیوی کہ وہ پیچھے رہنے والوں اور ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگی تحقیق ہم اس بستی والوں پر بغیر اسباب طبعیہ و مادیہ آسمان سے ایک خاص قسم کا عذاب نازل کرنے والے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ برابر فسق و فجور کرتے رہے اس لئے یہ عذاب کے مستحق ہوئے اور فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ علیہ السلام راتوں رات اس بستی سے اپنے متعلقین کو لے کر نکل جایئے۔ صبح کے قریب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کے نکل جانے کے بعد وہ بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے ان پر پتھر برسائے گئے اور ہلاک کر دیئے گئے اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی میں ایک واضح نشان بھی چھوڑ دیا ہے ان لوگوں کی عبرت کے لئے جو کچھ عقل اور سمجھ رکھتے ہیں جن کو عقل ہے وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں اور جن کی عقل فلسفہ اور سائنس سے خراب ہو چکی ہے اور ان کا دائرہ ادراک محسوسات سے متجاوز نہیں ان کا گمان یہ ہے کہ اس تختہ زمین کے نیچے کوئلہ اور گندھک کی کان تھی باہمی رگڑ سے آتشی مادہ میں اشتعال پیدا ہوا اس لئے وہ بستی ہلاک اور تباہ ہوگئی۔

سبحان اللہ وہ خطہ زمین تو نہایت سرسبز اور شاداب تھا ہر طرف پانی کے چشمے جاری تھے وہاں آتشی مادہ کہاں سے آیا

اور کیا آگ اور پانی کا مادہ ایک جگہ جمع ہو سکتا ہے۔
مفصل قصہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں گذر چکا ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا

اور بھیجا مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو پھر بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن کی ف۱ اور مت

اور بھیجا مدین پاس ان کا بھائی شعیب، پھر بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، اور توقع رکھو پچھلے دن کی، اور مت

تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ

پھرو زمین میں خرابی مچاتے ف۲ پھر اس کو جھٹلایا تو پکڑ لیا ان کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں

پھرو زمین میں خرابی مچاتے۔ پھر اس کو جھٹلایا، تو پکڑا ان کو بھونچال نے، پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں

جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾

اوندھے پڑے۔

اوندھے پڑے۔

قصۂ چہارم شعیب علیہ السلام با قوم او

قال تعالیٰ: ﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ... الی ... فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ﴾

یہ چوتھا قصہ شعیب علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ مدین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا جو بی بی قتورا کے شکم سے تھے آپ دریائے قلزم کے ایک کنارہ پر بستے تھے اور آپ ہی کے نام سے اس بستی کو مدین کہنے لگے حضرت شعیب علیہ السلام انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس بستی میں نبی بنا کر بھیجے گئے یہ لوگ نہ صرف بت پرست اور منکر قیامت تھے بلکہ قزاقی کا پیشہ بھی کرتے تھے اور مفسد اور فتنہ پرداز تھے۔ شعیب علیہ السلام نے ہر چند ان کو سمجھایا مگر انہوں نہ مانا بالآخر قہر خداوندی نازل ہوا اور سب ہلاک اور برباد ہوئے گزشتہ رکوع میں لوط کے صالحین اور فاسقین کا انجام بیان کیا اب ان آیات میں قوم شعیب علیہ السلام کا حال ذکر کرتے ہیں اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا پس شعیب علیہ السلام نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت اور اطاعت کرو اور امید رکھو دنیا کے آخری دن کی جس میں بداعمالیوں کی سزا ملے گی اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو پس انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور فتنہ فساد سے باز نہ آئے پس ان کو ایک سخت زلزلہ نے آ پکڑا پس انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے تھے۔ جب زلزلہ آیا تو اوندھے منہ گر کر مر گئے۔ معلوم نہیں کہ فلاسفۂ عصر اس واقعہ کو کس مادہ کا اقتضاء اور اثر بتلائیں گے۔

ف۱ یعنی آخرت کی طرف سے غافل نہ بنو۔ اکیلے خدائے واحد کی پرستش کرو۔
ف۲ خرابی مچانے سے شاید مراد ہے لین دین میں دغابازی کرنا، سود سٹہ لگانا، جیسا کہ ان کی عادت تھی۔ اور ممکن ہے رہزنی بھی کرتے ہوں۔ وقیل غیر ذلک۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۟ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

اور ہلاک کیا عاد کو اور ثمود کو اور تم پر حال کھل چکا ہے ان کے گھروں سے ف۱ اور فریفتہ کیا ان کو شیطان نے ان کے کاموں پر

اور عاد اور ثمود کو، اور تم پر کھل چکا ہے ان کے گھروں سے۔ اور رجھایا ان کو شیطان نے ان کے کاموں پر،

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۟ وَلَقَدْ

پھر روک دیا ان کو راہ سے اور تھے ہوشیار ف۲ اور ہلاک کیا قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے

روک دیا ان کو راہ سے، اور تھے ہوشیار۔ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو۔ اور ان

جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا

پاس پہنچا موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر، پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں اور نہیں تھے ہم سے جیت جانے والے ف۳ پھر سب کو پکڑا

پاس پہنچا موسیٰ کھلے نشان لے کر، پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں، اور نہ تھے چڑھ جانے والے۔ پھر سب کو پکڑا

بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ

ہم نے اپنے اپنے گناہ پر ف۴ پھر کوئی تھا کہ اس پر ہم نے بھیجا پتھراؤ ہوا سے ف۵ اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے ف۶ اور کوئی تھا

ہم نے اپنے اپنے گناہ پر، پھر کوئی تھا اس پر بھیجا پتھراؤ باؤ سے۔ اور کوئی تھا اس کو پکڑا چنگاڑ نے۔ اور کوئی تھا

مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کہ اس کو دھنسا دیا ہم نے زمین ہیں ف۷ اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا ہم نے ف۸ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے پر تھے

کہ اس کو دھنسایا ہم نے زمین میں۔ اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبو دیا۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے، پر تھے

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٠﴾

وہ اپنا آپ ہی برا کرتے ف۹

وہ اپنا آپ برا کرتے۔

ف۱ یعنی ان کی بستیوں کے کھنڈر تم دیکھ چکے ہو ان سے عبرت حاصل کرو۔

ف۲ یعنی دنیا کے کام میں ہشیار تھے اور اپنے نزدیک عقل مند تھے پر شیطان کے بہکائے سے نہ بچ سکے۔

ف۳ یعنی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی حق کے سامنے نہ جھکے اور کبر و غرور نے ان کی گردن نیچے نہ ہونے دی۔ پھر نتیجہ کیا ہوا؟ کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے؟ یا العیاذ باللہ خدا کو تھکا دیا۔

ف۴ یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا دی گئی۔

ف۵ یہ قوم لوط ہے اور بعض نے "عاد" کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

ف۶ یہ "ثمود" تھے اور اہل مدین بھی۔

ف۷ یعنی قارون کو جیسا کہ سورۂ قصص میں گزرا۔

ف۸ یہ فرعون و ہامان ہوئے اور بعض نے قوم نوح کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

ف۹ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ کوئی ناانصافی یا بے موقع کام کرے، اس کی بارگاہ عیوب و نقائص سے بکلی مبرا و منزہ ہے۔ ظلم تو وہاں متصور ہی نہیں، ہاں =

قصۂ پنجم مشتمل بر ذکر اجمالی عاد وثمود وقارون وفرعون وہامان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ... الی ... وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾

یہ پانچواں قصہ ہے جو اجمالی طور پر عاد اور ثمود اور قارون اور فرعون اور ہامان کے ذکر پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے ان پانچ سرکشوں کا ذکر کر کے ایک جملہ میں اجمالاً سب کی سزا کو بیان کر دیا۔ ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ﴾ ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا اور بتلا دیا کہ یہ ازلی بدنصیب تھے ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہی لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق سزا دی اور ہلاک کیا ان آیات میں ان سرکشوں کی سزاؤں کا اجمالاً ذکر کیا۔ تفصیل نہیں کی اس لئے کہ تفصیل دوسری جگہ گزر چکی ہے۔

اور ہم نے قوم عاد کو اور ثمود کو بھی اسی تکذیب اور عناد کے جرم میں ہلاک کیا اور ان کی یہ تباہی اور بربادی ان کے مکانوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ اجاڑ اور کھنڈر پڑے ہیں جن کو تم یمن آتے جاتے دیکھتے ہو اور ان کھنڈروں سے آثار عذاب محسوس کرتے ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کے اعمال کو یعنی کفر اور تکذیب کو ان کی نظر میں آراستہ کر دیا تھا حالانکہ وہ لوگ دنیا کے کام میں بڑے ہوشیار تھے اور اپنے نزدیک بڑے عقلمند تھے مگر شیطان نے ان پر ایسا جادو کیا کہ پیغمبروں کی معقول باتیں تو ان کی سمجھ میں نہ آئیں اور شیطان کے جال اور فریب میں پھنس گئے۔

اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کیا اور یہ اسی کے مستحق تھے اس لئے کہ البتہ تحقیق موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس روشن دلائل اور واضح حجتیں اور کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے جن میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہ تھی پس ان لوگوں نے زمین میں رہتے ہوئے بڑے بننے کی کوشش کی اور آسمانی حکم کا اپنی فانی اور مجازی قوت اور طاقت سے مقابلہ کیا اور چاہا کہ اللہ سے سبقت لے جائیں اور نہیں تھے یہ حکم الٰہی پر سبقت لے جانے والے بلکہ حکم الٰہی ان پر جاری ہوا پس ان میں سے ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ اور جرم کے سبب پکڑا اور کوئی ہماری گرفت سے نکل نہ سکا۔ پس ان میں سے بعض پر تو ہم نے پتھراؤ کیا جیسے قوم لوط۔ اور ان میں سے بعض کو سخت آواز سے پکڑا جیسے قوم ثمود جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے جیسے کتوں کو سخت آواز سے زجر کیا جاتا ہے اسی طرح ان سنگ دلوں کو سگان دنیا کی طرح سخت آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور بعضوں کو زلزلہ سے ہلاک کیا گیا جن کو اپنی سنگین عمارتوں پر فخر تھا۔ اور بعضوں کو یعنی قوم عاد کو ہوا سے ہلاک اور ریزہ ریزہ کیا گیا جو ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ کا نعرہ لگاتے تھے کہ تم ہوا کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسا یا جیسے قارون جسے اپنے خزینوں اور دفینوں پر فخر تھا کہ اس کے خزینے زمین میں مدفون ہیں اور اس کو مع اس کے خزانوں کے زمین میں دفن کر دیا اور ان میں سے بعض کو غرق کیا۔ جیسے قوم نوح اور فرعون جو کفر میں غرق تھے۔ فرعون بطور فخر یہ کہا کرتا تھا۔ ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ﴾ اس کو اسی کی قابل فخر نہر میں غرق کر دیا گیا پس ان قوموں کی دنیا اور آخرت دونوں ہی تباہ اور برباد ہوئیں اور ممکن نہیں کہ اللہ کسی پر ظلم کرے لیکن یہ لوگ خود ہی ایسے تھے کہ اپنی ہی جانوں

= بندے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی ایسے کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ لا محالہ ان کے حق میں برا ہو۔

پر ظلم کرتے تھے اور کفر و معصیت کر کے خود ہی اپنے آپ کو تیر عذاب کا نشانہ بنا رہے تھے۔

رباعی

اے کہ حکم شرع را ردی کنی راہ باطل میروی بد می کنی
چوں تو بدکردی بدی یابی جزاء پس بدی ہا جملہ باخود می کنی

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ

مثال ان لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی جیسے مکڑی کی مثال بنا لیا اس نے ایک گھر اور

کہاوت ان کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی کہاوت مکڑی کی۔ بنا لیا اس نے ایک گھر۔ اور

اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ

سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی ف۱ اللہ جانتا ہے جس جس کو وہ پکارتے ہیں

سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر۔ اگر ان کو سمجھ ہوتی۔ اللہ جانتا ہے جس کو پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴۲ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا

اس کے سوائے کوئی چیز ہو ف۲ اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا ف۳ اور یہ مثالیں بٹھلاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اور ان کو

اس کے سوا کوئی چیز ہو۔ اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا۔ اور یہ کہاوتیں بٹھاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے۔ اور ان کو

يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۴۳ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے ف۴ اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں ف۵ اس میں نشانی ہے

بوجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے۔ اللہ نے بنائے آسمان و زمین جیسے چاہئیں۔ اس میں پتہ ہے

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۴ ع

یقین لانے والوں کے لیے ف۶

یقین لانے والوں کو۔

ع ۱۴/۱۶

ف۱ یعنی گھر اس واسطے ہے کہ جان مال کا بچاؤ ہو، نہ مکڑی کا جالا کہ دامن کے جھٹکے سے ٹوٹ پڑے۔ یہ ہی مثال اس کی ہے جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا بچانے والا اور محافظ سمجھے بدون مشیت الٰہی کچھ بچاؤ نہیں کر سکتے۔

ف۲ یعنی ممکن تھا سننے والا تعجب کرے کہ سب کو ایک ہی ذیل میں کھینچ دیا کسی کو مستثنیٰ نہ کیا۔ بعض لوگ بت کو پوجتے ہیں، بعض آگ پانی کو، بعض اولیاء انبیاء یا فرشتوں کو، سو اللہ نے فرما دیا کہ اللہ کو سب معلوم ہیں۔ اگر کوئی ایک بھی ان میں سے مستقل قدرت و اختیار رکھتا تو اللہ سب کی یک قلم نفی نہ کرتا۔

ف۳ یعنی اللہ کو کسی کی رفاقت نہیں چاہیے، وہ زبردست ہے، اور مشورہ نہیں چاہیے کیونکہ حکیم مطلق ہے۔

ف۴ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ "مکڑی" اور "مکھی" وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اس کی عظمت کے منافی ہیں اس کا جواب دیا، کہ مثالیں اپنے مواقع کے لحاظ سے نہایت موزوں اور ممثل لہ پر پوری منطبق ہیں۔ مگر سمجھ دار ہی اس کا مطلب ٹھیک سمجھتے ہیں۔ جاہل بے وقوف کیا جانیں۔ مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت کو دیکھو، اگر وہ حقیر و کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر و کمزور چیزوں سے =

ابطال شرک واثبات توحید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ ... الی ... اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ ان ظالموں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور کفر اور شرک میں مبتلا ہوئے اور مورد عذاب الٰہی بنے اب ان آیات میں ان کے ظلم کی تشریح کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی مثال جو بت پرستی کرتے ہیں مکڑی کی سی ہے جس کا گھر بہت بودا ہوتا ہے مکڑی کی طرح یہ بھی اپنے اعتقاد کا تانا بانا بنتے ہیں جو محض لغو ہے۔

(یا یوں کہو) کہ ان ظالموں نے جس دین کو اپنا قلعہ اور حصن حصین سمجھا ہوا ہے اس کی حقیقت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں مثال ان لوگوں کی جنہوں نے خدا کے سوا اپنے کارساز اور حمایتی ٹھہرائے ہیں۔ اور ان کو اپنی مرادیں پوری کرنے والا سمجھتے ہیں مثل مکڑی کے ہے کہ جو ایک گھر بنالیتی ہے اور وہ اس کو اپنا گھر سمجھتی ہے جس کی حقیقت ایک تنا ہوا جالا ہوتی ہے اور بلاشبہ تمام گھروں میں سب سے کم زور مکڑی کا گھر ہے اسی طرح جو لوگ بتوں کو اپنی پناہ گاہ سمجھے ہوئے ہیں اور اپنا محافظ اور نگہ بان جانے ہوئے ہیں یہ پناہ مکڑی کے گھر کے مشابہ ہے کہ جو ذرا ہوا لگنے سے ہوا ہو جائے اور ظاہر ہے کہ مکڑی کا گھر غایت درجہ ضعیف ہے اور بے فائدہ اور بے کار ہے اسی طرح یہ بت نہ ان کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی پناہ اور سہارا دے سکتے ہیں مکڑی کا گھر نہ سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ گرمی سے۔ ان بتوں کا سہارا ڈھونڈنا ایسا ہے جیسا کہ مکڑی کے گھر کا سہارا ڈھونڈنا۔ پس جس شخص نے بتوں پر اعتماد کیا اس کا حال اس مکڑی کے مشابہ ہے کہ جس نے اپنے تانے ہوئے جالے کے گھر پر اعتماد کیا۔

حکماء کا قول ہے کہ مکڑی کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں اور اس کے اندر ایک زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اور زہر عنکبوت آدمی کو ہلاک کرڈالتا ہے اسی طرح مشرکین ہر طرف دوڑتے ہیں اور ان کی نظریں چکا چوند رہتی ہیں اور اندر شرک کا زہریلا مادہ ہوتا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

کاش یہ کافر جانتے کہ ان کا دین مکڑی کے جالے کے مشابہ ناپائیدار اور ذلیل وخوار ہے اور بے حقیقت اور بے مقدار ہے اگر مشرکین کو کچھ بھی سمجھ بوجھ ہوتی اور یہ جان لیتے کہ ہمارا دین مکڑی کے گھر کی طرح بے بنیاد ہے۔ تو کبھی اس دین کو اختیار نہ کرتے۔ غرض یہ کہ کچھ نہیں جانتے بے شک اللہ ہی خوب جانتا ہے ان چیزوں کی حقیقت کو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے اور کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے۔ عزیز اور حکیم کو چھوڑ کر ضعیف اور ناتواں کو سہارا بنانا کمال ابلہی ہے۔

اور یہ مثالیں ہم ان لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ان مثالوں کو مگر علم والے اور سمجھ والے ان بت پرستوں کو چاہئے کہ ایک طرف تو اپنے بتوں کی کم زوری بلکہ مجبوری اور لاچاری پر نظر کریں اور دوسری طرف اللہ کی

= ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔

ف۵ یعنی نہایت حکمت سے بنایا، بے کار پیدا نہیں کیا۔

ف۶ یعنی جب آسمان وزمین اس اکیلے نے بنا دیئے تو چھوٹے چھوٹے کاموں میں اسے کسی شریک یا مددگار کی کیا احتیاج ہوگی۔ ہوتی تو ان بڑے کاموں میں ہوتی۔

قدرت اور قوت پر نظر کریں کہ اللہ نے آسمان اور زمین بنائے نہایت حکمت کے ساتھ جو اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی دلیل ہے اس لئے کہ آسمان وزمین کی پیدائش میں خدا کا کوئی شریک نہیں لہٰذا لائق پرستش وہی ذات ہے کہ جو آسمان وزمین کی خالق ہے پس تم کو جو حاجتیں مانگنی ہوں وہ آسمان وزمین کے خالق سے مانگو۔

الحمد للہ بیسویں سپارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔
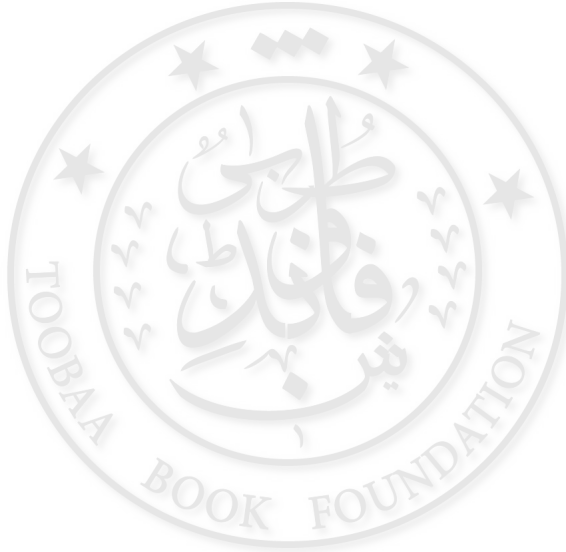
اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ

تو پڑھ جو اتری تیری طرف کتاب ف۱ اور قائم رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی

تو پڑھ جو اتری تیری طرف کتاب، اور کھڑی رکھ نماز۔ بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی سے،

وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ

اور بری بات سے ف۲ اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی ف۳ اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو ف۴ اور جھگڑا نہ کرو اہل کتاب سے

اور بری بات سے۔ اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی۔ اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔ اور جھگڑا نہ کرو کتاب والوں سے،

ف۱ یعنی قرآن کی تلاوت کرتے رہیے تاکہ دل مضبوط اور قوی رہے، تلاوت کا اجر وثواب الگ حاصل ہو۔ اس کے معارف وحقائق کا انکشاف بیش از بیش ترقی کرے۔ دوسرے لوگ بھی سن کر اس کے مواعظ اور علوم وبرکات سے منتفع ہوں، جو نہ مانیں ان پر خدا کی حجت تمام ہو، اور دعوت واصلاح کا فرض بحسن وخوبی انجام پاتا رہے۔

ف۲ نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے۔ ایک بطریق تسبب۔ یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت وتاثیر رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے۔ جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی، فرماں برداری، خضوع وتذلل، اور حق تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور حکومت وشہنشاہی کا اظہار واقرار کر کے آیا ہے، مسجد سے باہر آ کر بھی بد عہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔ گویا نماز کی ہر ایک ادا نمازی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت وسرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ پس جو بد بخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہو گا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی، ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرات قرآن یا دعاء وتسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کو مستحضر اور زبان ودل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں موثر ثابت ہو گی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی وغافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا۔ "لا یذکر اللہ فیھا الا قلیلا۔" اسی کی نسبت "لم یزدد بھا من اللہ الا بعدا" کی وعید آئی ہے۔

ف۳ یعنی نماز برائی سے کیوں نہ روکے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا، ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کو ہے۔ یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لے جائے وہ دوسری بات ہے، لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے۔ بہر حال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے اور جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہو گا۔ پس بندے کو چاہیے کہ کسی وقت خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو خصوصاً جس وقت کسی برائی کی طرف میلان ہو فوراً خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کو یاد کر کے اس سے باز آ جائے۔ قرآن وحدیث میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو یاد فرماتا ہے۔ بعض سلف نے آیت کا یہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اس لئے نماز بڑی چیز ہوئی لیکن اس =

اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ٭ۖ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ وَ قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَ اُنۡزِلَ

مگر اس طرح پر جو بہتر ہو مگر جو ان میں بےانصاف ہیں ف۱ اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اترا ہم کو اور اترا

مگر اس طرح جو بہتر ہو، مگر جو ان میں بےانصاف ہیں۔ اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اترا ہم کو، اور اترا

اِلَیۡکُمۡ وَ اِلٰـہُنَا وَ اِلٰــہُکُمۡ وَاحِدٌ وَّ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ کَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ ؕ

تم کو ف۲ اور بندگی ہماری اور تمہاری ایک ہی کو ہے اور ہم اسی کے حکم پر چلتے ہیں ف۳ اور ویسی ہی ہم نے اتاری تجھ پر کتاب ف۴

تم کو، اور بندگی ہماری تمہاری ایک کو ہے، اور ہم اسی کے حکم پر ہیں۔ اور ویسے ہی ہم نے اتاری تجھ پر کتاب۔

فَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ۚ وَ مِنۡ ہٰۤؤُلَآءِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِہٖ ؕ وَ مَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ

سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو مانتے ہیں اور ان مکہ والوں میں بھی بعضے ہیں کہ اس کو مانتے ہیں اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے

سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کو مانتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں بھی بعضے ہیں کہ اس کو مانتے ہیں۔ اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے،

اِلَّا الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنۡ کِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیۡنِکَ اِذًا

جو نافرمان ہیں ف۵ اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو

جو بےحکم ہیں۔ اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب، اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے، تو

= کے جواب میں جو ادھر سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو یاد فرماتا ہے۔ یہ سب سے بڑی چیز ہے۔ جس کی انتہائی قدر کرنی چاہیے اور یہ شرف و کرامت محسوس کر کے اور زیادہ ذکر اللہ کی طرف راغب ہونا چاہیے۔ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے احکام بہت ہیں، مجھے کوئی ایک جامع ومانع چیز بتلا دیجئے، فرمایا "لا یزال لسانك رطبا من ذکر الله" (تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جتنی دیر نماز میں لگے اتنا تو ہر گناہ سے بچے، امید ہے آگے بھی بچتا رہے۔ اور اللہ کی یاد کو اس سے زیادہ اثر ہے یعنی گناہ سے بچے اور اعلیٰ درجوں پر چڑھے۔" (موضح) یہ "لذکر اللہ اکبر۔" کی ایک اور لطیف تفسیر ہوئی۔

ف۴ یعنی جو آدمی جس قدر خدا کو یاد رکھتا ہے یا نہیں رکھتا خدا تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ لہٰذا ذاکر اور غافل میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی جداگانہ ہوگا

ف۱ یعنی مشرکوں کا دین جڑ سے غلط ہے اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا، تو ان سے ان کی طرح مت جھگڑو کہ جڑ سے ان کی بات کاٹنے لگو۔ بلکہ نرمی، متانت، خیر خواہی اور صبر و تحمل سے واجبی بات سمجھاؤ۔ البتہ جو ان میں صریح بے انصافی، عناد اور ہٹ دھرمی پر تل جائے اس کے ساتھ مناسب سختی کا برتاؤ کر سکتے ہو اور آگے چل کر ایسوں کو سزا دینی ہے۔

(تنبیہ) پہلے قرآن کی تلاوت کا حکم تھا، اغلب ہے کہ منکرین اسے سن کر الجھنے لگیں، تو بتلا دیا کہ بحث کے وقت فریق مقابل کی علمی و دینی حیثیت کا خیال رکھو۔ جوش مناظرہ میں صداقت و اخلاق کی مد سے نہ نکلو۔ جہاں کہیں جتنی سچائی ہو اس کا اعتراف کرو۔

ف۲ یعنی ہمارا جیسا کہ قرآن پر ایمان ہے اس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ و مسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انبیاء پر جو کتابیں اتاریں بے شک وہ سچی تھیں۔ ایک حرف ان کا غلط نہ تھا۔ (گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت وحقیقت میں باقی نہ رہیں)۔

ف۳ یعنی اصلی معبود ہمارا تمہارا ایک ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ہم تنہا اسی کے حکم پر چلتے ہیں، تم نے اس سے ہٹ کر اوروں کو بھی خدائی کے حقوق و اختیارات دے دیے۔ مثلاً حضرت مسیح یا حضرت عزیر علیہما السلام کو یا احبار و رہبان کو۔ نیز ہم نے اس کے تمام احکام کو مانا سب پیغمبروں کی تصدیق کی، سب کتابوں کو برحق سمجھا اس کے آخری حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ تم نے کچھ مانا کچھ نہ مانا۔ اور آخری صداقت سے منکر ہو گئے۔

ف۴ یعنی اس کتاب میں آخر تمہاری کتابوں سے کونسی بات کم ہے جو قبول کرنے میں تردد ہے۔ جس طرح انبیائے سابقین علیہم السلام پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اترتے رہے، پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب لاجواب اتری اس کے ماننے سے اتنا انکار کیوں ہے۔ .... =

لَارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٤٨﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ

البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے ف۱ بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ ف۲ اور منکر نہیں

البتہ شبہ کھاتے یہ جھوٹے۔ بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف، سینے میں ان کے جن کو ملی ہے سمجھ۔ اور منکر نہیں

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں ف۳ اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب سے تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں

ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں، اس کے رب سے، تو کہہ، نشانیاں تو ہیں اختیار میں

اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥٠﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ

اللہ کے اور میں تو بس سنا دینے والا ہوں کھول کر ف۴ کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے

اللہ کے۔ اور میں تو یہی سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے؟

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ

بیشک اس میں رحمت ہے اور سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں ف۵ تو کہہ کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے بیچ گواہ

بیشک اس میں مہر ہے، اور سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں۔ تو کہہ، بس ہے اللہ میرے تمہارے بیچ گواہ۔

=ف۵ یعنی جن اہل کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصافاً ماننا چاہیے۔ چنانچہ ان میں سے جو منصف ہیں، وہ اس کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ صرف اہل کتاب بلکہ بعض عرب کے لوگ بھی جو کتب سابقہ کا کچھ علم نہیں رکھتے اس قرآن کو مانتے جارہے ہیں۔ حقیقت میں قرآن کریم کی صداقت کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ بجز سخت حق پوش نافرمان کے کوئی ان کی تسلیم سے انکار نہیں کرسکتا۔

ف۱ نزول قرآن سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے چالیس سال ان ہی مکہ والوں میں گزرے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی استاد کے پاس بیٹھے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی جگہ رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کرلی ہوں گی، ان ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سنا دیتے ہیں۔ گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا، کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کرسکتے، تاہم جھوٹوں کو بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا مسلمات میں سے ہے تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی اور یوں ضدی لوگ کہنے کو تو اس پر بھی کہتے تھے۔

﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾۔

ف۲ یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں۔ بلکہ یہ وحی جو ان پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ وقراء کے سینے اس کے الفاظ ومعانی کی حفاظت کریں گے اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں۔ یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا اس پر افزود ہے (موضح باضافہ یسیر)

ف۳ یعنی ناانصافی کا کیا علاج۔ ایک شخص یہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا، وہ روشن سے روشن چیز کا بھی انکار کردے گا۔

ف۴ یعنی میرے قبضہ میں نہیں کہ جو نشان تم طلب کیا کرو وہی دکھلا دیا کروں نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہوسکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ بدی کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشان چاہے دکھلا دے، یہ اس کے اختیار میں ہے۔

ف۵ یعنی کیا یہ نشان کافی نہیں جو کتاب انہیں دن رات پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان کون سا ہوگا۔ دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ

جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں ف۱ اور جو لوگ یقین لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے وہی ہیں

جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔ اور جو لوگ یقین لائے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے، انہی کا

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ

نقصان پانے والے ف۲ اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے آفت ف۳ اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ مقرر تو آپہنچتی ان پر آفت

برا ہونا ہے۔ اور شتاب مانگتے ہیں تجھ سے آفت۔ اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہر رہا، تو آپہنچتی ان پر آفت۔

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

اور البتہ آئے گی ان پر اچانک اور ان کو خبر نہ ہوگی ف۴ جلدی مانگتے ہیں تجھ سے عذاب ف۵ اور

اور آئے گی ان پر اچانک، ان کو خبر نہ ہوگی۔ شتاب مانگتے ہیں تجھ سے عذاب۔ اور دوزخ

لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو ف۶ جس دن گھیر لے گا ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے

گھیر رہی ہے منکروں کو۔ جس دن گھیرے گا ان کو عذاب اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے،

وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور کہے گا چکھو جیسا کچھ تم کرتے تھے ف۷

اور کہے گا چکھو جیسا کچھ کرتے تھے۔

ف۱ یعنی خدا کی زمین پر اس کے آسمان کے نیچے میں علانیہ دعویٰ رسالت کر رہا ہوں جسے وہ سنتا اور دیکھتا ہے پھر روز بروز مجھے اور میرے ساتھیوں کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا رہا ہے۔ برابر میرے دعوے کی فعلی تصدیق کرتا ہے۔ میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کئے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن وانس عاجز ہیں۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی گواہی کافی نہیں۔

ف۲ آدمی کی بڑی شقاوت اور خسران یہ ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ کتنی ہی بدیہی البطلان ہو فوراً قبول کر لے اور سچی بات سے گو کتنی ہی صاف روشن ہو انکار کرتا رہے۔

ف۳ یعنی اگر باطل پر ہیں تو ہم پر دنیا میں کوئی آفت کیوں نہیں آتی۔

ف۴ یعنی ہر چیز اپنے وقت معین پر آتی ہے، گھبراؤ نہیں، وہ آفت بھی آکر رہے گی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس امت کا عذاب یہ ہی تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونا اور پکڑے جانا۔ سو فتح مکہ کے لوگ بے خبر رہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر سر پر آ کھڑا ہوا۔

ف۵ یہاں عذاب سے شاید آخرت کا عذاب مراد ہو جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

ف۶ یعنی آخرت کا عذاب تو فضول مانگتے ہیں، اس عذاب میں تو پڑے ہی ہیں۔ یہ کفر اور برے کام دوزخ نہیں تو اور کیا ہے۔ جس نے ہر طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے۔ موت کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کس طرح جلاتی ہے جب یہ ہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے۔

ف۷ یہ اللہ تعالیٰ کہے گا، یا وہ عذاب ہی بولے گا جیسے زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال۔ حدیث میں آیا ہے کہ سانپ ہو کر گلے میں پڑے گا، گلے چیرے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔

اثبات رسالت محمدیہ وازالہ شکوک وشبہات منکرین نبوت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ... الی... ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں توحید کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ انبیاء کرام ﷤ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع کیا بالآخر وہ منکرین ہلاک ہوئے اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور منکرین رسالت کے بعض شبہات کا جواب دیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کیجئے جو توحید کے مضامین پر اور گزشتہ امتوں کے حال اور مآل پر مشتمل ہے اور آپ ﷺ کی رسالت کا عظیم معجزہ ہے عجب نہیں کہ آیات خداوندی کے انوار و برکات سے ان کی ظلمتیں دور ہو جائیں اور نماز کو قائم کیجئے نماز ایک عجیب عبادت ہے جو فحشاء اور منکر کے دور کرنے میں تریاق کا حکم رکھتی ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن کا حکم دیا کہ بغیر اللہ کا حکم سنے کیسے راہ یاب ہو سکتے ہیں اور پھر نماز کا حکم دیا جو خشوع اور خضوع کی تصویر ہے بعد ازاں ذکر الٰہی کا حکم دیا جو نماز کی اور تمام عمل صالحہ کی روح ہے بلکہ تمام عالم کی روح ہے جب تک دنیا میں اللہ کا نام باقی ہے اس وقت تک دنیا قائم ہے بعد ازاں اہل کتاب سے مناظرہ اور مجادلہ کا طریقہ بتایا کہ ان کو حسن اسلوب سے حق کی دعوت دیجئے اس لئے کہ علماء اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کی گزشتہ پیغمبروں نے خبر دی ہے اور جو کتاب ہدایت وحکمت آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے وہ آپ ﷺ کی نبوت کی کافی اور شافی دلیل ہے یہ بات لوگوں کے سامنے ہے کہ آپ ﷺ امی ہیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے مگر علم وحکمت کا چشمہ آپ ﷺ کی زبان سے جاری ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ علم من جانب اللہ ہے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ اس حجت واضحہ کے بعد بھی اگر معاندین ایمان نہ لائیں تو وہ اپنے انجام کو سوچ لیں۔

اس لئے اب آئندہ آیات میں اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ان منکرین کے عناد اور تکبر کی پروانہ کیجئے اور ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو جیئے جو کتاب ہدایت اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس کی تلاوت کرتے رہیے خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی سنائیے اور اقامت صلوٰۃ میں لگے رہئے اور کسی وقت اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوئیے خطابات تو حضور پرنور ﷺ کو ہیں مگر مقصود امت کو سنانا ہے۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیات میں کفار کے احوال کو بیان کیا اب ان آیات میں مومنین کا بیان شروع ہوتا ہے اور ان کو ہدایتیں اور نصیحتیں کی جاتی ہیں کہ اے اہل ایمان تمہارے لئے تین چیزیں بہت ضروری ہیں۔

(۱) اول تلاوت قرآن (۲) دوم اقامت صلوٰۃ (۳) سوم ذکر اللہ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ﷺ ان متکبرین اور ظالمین کے اعراض اور انکار کی پروانہ کیجئے آپ ﷺ برابر دعوت اور تبلیغ رسالت میں لگے رہیے اور جو کتاب بذریعہ وحی کے آپ ﷺ کے پاس بھیجی گئی ہے اس کتاب کو آپ ﷺ خود بھی پڑھیے تاکہ پیغام خداوندی کی مسلسل تبلیغ ہوتی رہے اور اس کی بار بار تلاوت سے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا مزید قرب

حاصل ہو قرآن کریم تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور آپ علیہ السلام کے قلب کو قوت حاصل ہو اور بار بار پڑھنے سے آپ ﷺ پر بیش از بیش کلام الٰہی کے اسرار اور معارف منکشف ہوں نیز قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی دعوت اور تبلیغ کا اور ان کی امتوں کی تکذیب اور ایذاء رسانیوں کا ذکر ہے ان کے بار بار پڑھنے سے آپ ﷺ کو تسلی ہو گی اور دنیا کی بے ثباتی بار بار آپ علیہ السلام کی نظروں کے سامنے آتی رہے گی اور علیٰ ہذا یہ کتاب دوسروں کو بھی پڑھ کر سنایئے تاکہ لوگ اس کو سن کر ہدایت پاویں اور نصیحت پکڑیں اور معاندین پر اللہ کی حجت پوری ہو کیونکہ یہ کتاب مستطاب اللہ کی نازل فرمودہ کتاب ہے جو دلائل توحید اور دلائل نبوت اور براہین پر مشتمل ہے اور اصول دین اور احکام شریعت اور مکارم اخلاق اور محاسن آداب کی حاوی اور ہادی ہے کیمیائے سعادت اور کلید ہدایت ہے اور اگر یہ متکبرین [1] اس کو نہیں سمجھتے تو اہل علم اور اہل فہم اس کو سمجھ لیں گے۔

غرض یہ کہ اس آیت میں اتل سے مطلق تلاوت مراد ہے جو خود پڑھنے کو اور دوسروں کے سامنے پڑھنے کو بھی شامل ہے اسی لئے اس آیت میں اتل علیھم نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مطلق تلاوت کا حکم ہے خواہ خود تلاوت کریں اور دوسروں کے سامنے تلاوت کریں۔

اور آپ ﷺ ان متکبرین اور معرضین سے اعراض فرمایئے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جایئے اور نماز کو قائم کیجئے جو افضل ترین عبادت ہے اور تمام عبادات قولیہ اور فعلیہ کا لب لباب اور عطر ہے اور تسبیح اور تحمید اور تلاوت قرآن اور آداب عبودیت قیام اور رکوع اور سجود پر مشتمل ہے ابتداء نماز میں بصد خشوع و خضوع خدا کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا ہے اور اخیر نماز میں دو زانو خدا کے سامنے بیٹھنا اور مانگنا ہے اور بلاشبہ نماز جیسی عظیم عبادت بشرطیکہ وہ اپنے شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کی جائے اور حقیقۃً وہ صحیح نماز ہو تو ایسی نماز بلاشبہ بے حیائی سے اور ہر ناپسندیدہ فعل سے روکتی اور باز رکھتی ہے جو شخص نماز پر مداومت کرے گا تو ایک نہ ایک دن نماز اس کو کھینچ کر ترک معاصی وسیات کی طرف لے جائے گی جتنا نماز سے قریب ہوتا جائے گا اتنا ہی فحشاء اور منکر سے بعید ہوتا جائے گا کیونکہ نماز مقام مناجات ہے اور محل ادب ہے اور از اول تا آخر اللہ کی عظمت اور محبت اور عبودیت کے اقرار اور اعتراف پر مشتمل ہے لہٰذا ایسے اقرار و اعتراف کے بعد فحشا اور منکر کا ارتکاب اپنے سابق اقرار و اعتراف کی تکذیب کے مترادف ہے اور علاوہ ازیں نماز کی حقیقت اور صورت از اول تا آخر ذکر الٰہی ہے۔

اور اللہ کا ذکر اور اس کی یاد سب سے برتر اور بڑھ کر ہے قلب کی ظلمتوں اور کدورتوں اور نجاستوں کے ازالہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی دوا نہیں اور ذکر الٰہی نماز کا رکن اعظم ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ بلکہ تمام اعمال صالحہ کی روح ہے اب آگے طاعت کی ترغیب اور معصیت سے ترہیب کے لئے ارشاد فرماتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو جیسا کرو گے اس کے مطابق جزا ملے گی آیت ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ کی تفسیر میں جو تقریر کی گئی اس سے وہ شبہ دور ہو گیا کہ جو لوگ کیا کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ باوجودیکہ نماز کے پابند ہیں مگر پھر بھی برے کاموں کے مرتکب ہیں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں نماز کی خاصیت بیان کی ہے جیسے اطباء بیان کرتے ہیں کہ فلاں دوا کی خاصیت

[1] یہ عبارت اس لئے لکھی گئی تاکہ اس آیت کا گزشتہ آیت ﴿وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ سے ربط ظاہر ہو جائے۔ ۱۲

یہ ہے کہ اس سے بخار رک جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ دوا اپنے صحیح اور پورے اجزاء پر مشتمل ہو تو اس دوا کا استعمال بخار کے روکنے میں موثر ہوتا ہے بشرطیکہ ایک خاص مدت تک اس دوا کا استعمال جاری رکھا جائے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز استعمال نہ کی جائے جس کی خاصیت اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایک خوراک پینے ہی سے بخار رک جائے گا۔

تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ دوا کی تاثیر جب ہوتی ہے کہ جب نسخہ کے تمام اجزاء اصلی ہوں نقلی نہ ہوں اور ایک خاص مقدار کے ساتھ خاص مدت تک پابندی کے ساتھ نسخہ کا استعمال کیا جائے تب دوا کا اثر ظاہر ہوگا اور اس کے ساتھ یہ بھی التزام رکھا جائے کہ کوئی چیز ایسی استعمال نہ کی جائے کہ جس کی خاصیت دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔

اسی طرح سمجھو کہ طبیب روحانی نے تمہاری روحانی بیماریوں کے لئے نماز کا نسخہ جو تجویز کیا ہے اس کو پورے اجزاء اور صحیح اجزاء یعنی خشوع اور خضوع اور آداب عبودیت کے ساتھ ایک مدت تک استعمال کرو اور جو چیزیں روح کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہیں ان سے پرہیز رکھو اور نماز میں فقط ظاہری طور پر قیام اور رکوع اور سجود کر لینا یہ نماز کی حقیقت نہیں بلکہ نماز کی ظاہری صورت ہے اور ظاہر ہے کہ دوا کا نام اور اس کی محض ظاہری صورت بیماری کو دور نہیں کر سکتی اور نماز کی روح اللہ کا ذکر اور اس کی یاد ہے جب تک نماز میں اللہ کا جلال اور اس کی عظمت مستحضر نہ ہو وہ نماز بے جان ہے اس لئے امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾: صلوٰۃ سے مطلق نماز مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ جو شرعاً صحیح ہو اور عند اللہ قابل قبول ہو اور نماز کے لئے شرط ہے کہ کپڑے پاک صاف ہوں کما قال تعالیٰ ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ اسی طرح ضروری ہے کہ نمازی کا باطنی لباس یعنی لباس تقویٰ بھی طاہر و مطہر اور نظیف ہو اور اس پر فحشاء و منکر کی نجاست اور گندگی لگی ہوئی نہ ہو اور جب اللہ اکبر کہہ کر نماز کے لئے کھڑا ہو تو دل سے یہ سمجھتا ہو کہ میں دربار خداوندی میں احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہوں معاذ اللہ میں بھنگی نہیں ہوں کہ جو بیت الخلا کی نجاستوں کو اپنی بالٹی میں جمع کرتا ہے پس جو شخص نماز کی حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لے گا تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد فحشاء اور منکر کی جانب جانے سے ایسی ہی نفرت کرے گا جیسا کہ ایک عاقل، شہنشاہ کے دربار سے نکلنے کے بعد بیت الخلاء اور کوڑی کے دیکھنے سے بھی نفرت کرتا ہے۔

غرض یہ کہ ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ میں صلوٰۃ سے مطلق صلاۃ مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ شرعاً صحیح ہو اور آداب عبودیت اور شروط ظاہری اور باطنی کی جامع ہو بلا شبہ ایسی نماز کا اثر یہ ہے کہ فی الحال یا فی المآل بدیر یا بسویر فحشاء اور منکر سے ضرور روک دے گی حق جل شانہ نے اس آیت میں تین باتوں کا ذکر فرمایا ایک تلاوت کتاب کا اور ایک اقامت صلوٰۃ کا اور پھر ذکر اللہ کا اور ذکر اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ذکر الٰہی سب سے بڑھ کر ہے جس سے اللہ کی کمال عظمت اور کمال محبت کی طرف اشارہ ہے کما قال تعالیٰ ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ یعنی جس طرح عظمت اور محبت کے ساتھ تم اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے ہو اسی طرح عظمت اور محبت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرو بلکہ اس سے بڑھ کر۔ (دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی: ۵/ ۵۳۲)

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص رات میں نماز پڑھتا ہے اور

دن میں چوری کرتا ہے اور برے کام کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب نماز اس کو اس چیز سے روک دے گی جو تو کہہ رہا ہے چنانچہ کچھ روز نہ گزرے تھے کہ اس شخص نے توبہ کی اور اس کا حال درست ہو گیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۳؍۳۴۷)

مطلب یہ تھا کہ یہ ضروری نہیں کہ دوا پیتے ہی شفا ہو جائے بعض مرتبہ کچھ عرصہ بعد بیماری کا ازالہ ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دوا کا استعمال نہ چھوڑے اگرچہ بد پرہیزی بھی کرتا رہے۔

فائدہ:...... جاننا چاہئے کہ ہر عمل کی ایک خاص خاصیت ہوتی ہے قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جو دل کو منور کرتا ہے اور دل سے جہالت کی ظلمت کو دور کرتا ہے اور نماز دل میں اللہ کی محبت اور عظمت پیدا کرتی ہے اور معصیت سے متنفر اور بے زار کرتی ہے جس کا ثمرہ قرب الٰہی ہے اور ذکر الٰہی دل سے اللہ کی غفلت کو دور کرتا ہے اور دل کی اصل بیماری خدا تعالیٰ سے غفلت ہے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں اہل شرک سے مجادلہ اہل کتاب ہیں جو اصل اور بنیاد تو رکھتے ہیں اور آسمانی کتاب اور پیغمبر برحق کے قائل ہیں برخلاف مشرکین اور مجوس کے کہ وہ اصل ہی سے باطل محض ہیں۔

اور اے مسلمانو اگر اہل کتاب تمہاری کتاب کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کریں تو اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ اور مباحثہ نہ کرو مگر بطریق احسن یعنی اس طریقہ کے ساتھ کہ جو بہتر ہو دلائل اور براہین سے ان پر حق واضح کرو کیونکہ اہل کتاب فی الحال اگرچہ گم راہ ہیں مگر ایک اصل تو رکھتے ہیں آسمانی کتاب اور نبی برحق کے قائل ہیں بخلاف مشرکین اور مجوس کے کہ ان کی اصل بنیاد ہی غلط ہے وہ قابل مجادلہ اور مباحثہ نہیں لہٰذا اہل کتاب سے مجادلہ میں نرمی برتو وہ اگر خشونت اور سختی کریں تو تم ان کے ساتھ نرمی کرو اور اگر وہ بد مزاجی کریں تو اس کے مقابلہ میں خوش خوئی کرو مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین کا سا معاملہ نہ کرو اس لئے کہ مشرکین کا دین اصل سے ہی غلط ہے اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا بعد میں بگڑا نیز اہل کتاب اہل علم ہیں کسی درجہ میں توحید کا اقرار کرتے ہیں اور انبیاء ﷺ کی نبوت کے قائل ہیں مگر ان میں سے جو ضدی اور بے انصاف ہیں اور کھلے طور پر عناد پر اترے ہوئے ہیں اگر ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرو اور ترکی بہ ترکی ان کو جواب دو تو ایسا کر سکتے ہیں اور وہ طریقہ احسن یہ ہے کہ مثلاً تم ان سے یہ کہو کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے کہ جو من جانب اللہ ہماری طرف اتاری گئی اور ہم ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو من جانب اللہ تم پر نازل کی گئیں کیونکہ مدار ایمان کا منزل من اللہ ہونا ہے پس جس طرح اللہ کی طرف سے توریت اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام سابقین پر لوگوں کی ہدایت کے لئے اتریں اسی طرح سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ پر من جانب اللہ یہ قرآن نازل ہوا جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی طرف نازل ہوئی وہ حرف بحرف حق تھی ان سب پر ہمارا ایمان ہے مگر وہ آسمانی کتابیں اب اپنی اصل صورت اور حقیقت پر باقی نہیں رہیں بکثرت ان میں تغیر و تبدل واقع ہوا اور بہت سی جھوٹی باتیں ان میں خلط ملط ہو گئیں جن کے معلوم ہونے کی اب کوئی صورت نہیں ہم موجودہ توریت وانجیل کی نہ تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب کرتے ہیں اور ہم صرف اس توریت وانجیل پر ایمان لاتے ہیں

جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

پس جس دلیل سے تم توریت اور انجیل کو منزل من اللہ مانتے ہو اسی دلیل سے قرآن بھی منزل من اللہ ہے لہٰذا تم کو قرآن پر بھی ایمان لانا چاہئے اور اے مسلمانو بوقت مباحثہ اہل کتاب سے یہ بھی کہو کہ ہمارے تمہارے درمیان توحید الٰہی مسلم ہے اور تم تسلیم کرتے ہو کہ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے سو جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے تو پھر تم حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو کیوں خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہو اور ہم تو اسی ایک خدائے برحق کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں جس کی وحدانیت تم کو بھی تسلیم ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ ایک ہی خدا کے سامنے سر تسلیم خم اور اپنی مسلمہ بات سے انحراف نہ کرو اور اے نبی جس طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسولوں پر کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب (قرآن) اتاری جو تمام کتب سماویہ کا خلاصہ اور لب لباب اور تمام علوم ہدایت کا عطر ہے پس اس کتاب پر ایمان لانا درحقیقت تمام کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے اور اس کا انکار درپردہ تمام کتب الٰہیہ کا انکار ہے پس جن لوگوں کو ہم نے توریت اور انجیل دی اور انہوں نے اپنی کتاب کو ٹھیک سمجھا اور ضدی اور عنادی نہیں وہ آپ والی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ قرآن کریم علوم ہدایت میں توریت وانجیل سے بہت بلند ہے پس کیا وجہ ہے کہ ایسی لاجواب کتاب پر ایمان نہ لایا جائے۔

پس علمائے اہل کتاب میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسے تو فوراً اس قرآن پر ایمان لے آئے اور ان اہل عرب میں سے بھی بعضے ایسے ہیں جو اس کو مانتے ہیں اور ہماری اس کتاب کی آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ کہ جو بڑے سخت کافر ہیں اور ہٹ دھرمی پر اترے ہوئے ہیں "جحود" لغت میں اس انکار کو کہتے ہیں کہ جو ہٹ دھرمی کی بنا پر ہو اور اس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے یعنی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا جانتے تھے اگر ایسا ہوتا تو ایسی صورت میں یہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے اور یہ کہتے کہ یہ تو لکھے پڑھے ہیں آسمانی کتابوں کو دیکھ کر یہ مضامین بیان کرتے ہیں اور جب سب کو معلوم ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں تو اب اس کے کہنے کی بھی گنجائش نہ رہی بجز اس کے کہ یہ کتاب وحی الٰہی اور منزل من السماء ہے کسی بندہ کی بنائی ہوئی اور لکھی ہوئی نہیں۔

غرض یہ کہ اس قرآن کے بارے میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں بلکہ یہ قرآن تو کتاب الٰہی کی روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں بالفرض اگر دنیا کے تمام قرآن گم ہو جائیں تو ہر شہر میں حافظوں کے سینوں سے دوبارہ لکھا جا سکتا ہے اسی وجہ سے اس امت کے اوصاف میں یہ آیا ہے صدورھم اناجیلھم یعنی ان کے سینے ہی ان کی انجیل ہوں گے یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوگی وہ اس امت کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور ہر حافظ کا سینہ ہی انجیل ہوگا چنانچہ زمین کے ہر خطہ میں اس کے بے شمار حافظ موجود ہیں اور پورا قرآن لفظ بلفظ ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور توریت وانجیل کے تو کسی ایک باب کا بھی آج تک روئے زمین پر کوئی کچا پکا حافظ بھی نہیں ہوا چودہ سو سال سے اب تک قرآن کے الفاظ اور معانی حفاظ اور قراء اور علماء کے سینوں میں محفوظ چلے آرہے ہیں جو چیز کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو تو اس میں یہ احتمال

ہے کہ پانی سے اس کے حروف ڈھل جائیں یا مٹ جائیں یا آگ سے جل جائیں لیکن جو چیز ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں محفوظ ہو اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں علماء اہل کتاب میں کچھ ہمت ہے تو روئے زمین پر توریت وانجیل کا ایک ہی کچا پکا حافظ دنیا کے سامنے پیش کر دیں قرآن تو حافظوں کے سینوں میں محفوظ ہے یہود اور نصاری بتلائیں کہ توریت وانجیل کس کے سینہ میں محفوظ ہے بالفرض والتقدیر اگر صفحہ ہستی سے توریت کے تمام نسخے اور قرآن مجید کے تمام نسخے گم ہو جائیں تو مسلمان تو اپنا قرآن حافظوں کے سینوں سے دوبارہ کتابت کر کے شائع کر دیں گے اور یہود اور نصاریٰ کس سینہ سے توریت اور انجیل لکھوا کر شائع کریں گے۔

پس یہ قرآن بارگاہ الٰہی سے نازل ہوا ہے معاذ اللہ حضور پرنور ﷺ کا بنایا ہوا نہیں اور ہماری نازل کردہ آیتوں کا نہیں انکار کرتے مگر وہی لوگ کہ جو بڑے بے انصاف اور ہٹ دھرم ہیں یہاں تک اہل کتاب کے ساتھ بطریق احسن مجادلہ تھا اور ان کے ظلم اور عناد کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ یہ ظالم ہٹ دھرمی سے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے وہ نشان کیوں نہیں اتارے گئے جو پہلے پیغمبروں پر اتارے گئے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء کا نشان دیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو احیا موتی اور ابراء اکمہ وابرص کا معجزہ دیا گیا آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں جس نے اپنی حکمت سے ان کو انبیاء میں تقسیم کیا جیسے رزق کو اپنی حکمت سے بندوں میں تقسیم کیا ہر نبی کو ایک خاص نشان دیا جو دوسرے نبی کو نہیں دیا ورنہ یہ باطل پرست یہ کہتے کہ ایک ہی سحر ہے جو بطور میراث مسلسل چلا آ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے بہت سے معجزات مجھ کو عطا کئے کہ جو انبیا سابقین علیہم السلام کو عطا نہیں ہوئے مثلاً شق قمر اور تسلیم شجر و حجر وغیرہ وغیرہ جن کی تفصیل کتب حدیث میں مذکور ہے۔

غرض یہ کہ اے نبی آپ ﷺ ان معاندین سے یہ کہہ دیجئے کہ معجزات اور نشانات میرے قبضہ قدرت میں نہیں وہ سب کے سب اللہ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور حق کو ظاہر کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی صداقت کے لئے نشان دکھلائے ہیں اور میری صداقت کے لئے بھی بہت سے نشان دکھلائے ہیں اور کیا منکرین کے لئے یہ نشان کافی نہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب مستطاب نازل کی جو دن رات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے جس کا اعجاز روز روشن کی طرح واضح ہے عرب اور عجم اس کی ایک آیت کا مثل لانے سے عاجز رہے اور یہ نشان تو قیامت تک باقی رہے گا آپ ﷺ کی نبوت کی یہ نشانی تو دائمی ہے کیا یہ نشان ان کے لئے کافی نہیں اس سے بڑھ کر اور کیا نشان ہوگا۔

بے شک اس کتاب معجز میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب پر ایمان لائے ہیں جو اس کا اتباع کرے گا وہ اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور ہوگا اور یہ کتاب سرتا پا نصیحت ہے بری باتوں سے منع کرتی ہے اور اگر کسی بدبخت کو یہ کتاب ہدایت سراپا نصیحت کافی نہ ہو تو پھر اس کے لئے کوئی معجزہ کافی نہیں ہو سکتا اور اے نبی ﷺ اگر یہ منکرین نبوت اس کتاب معجز کو بھی آپ ﷺ کی رسالت کے ثابت کرنے کے لئے کافی نہ سمجھیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کا گواہ ہونے کے لئے بس اللہ کافی ہے وہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے پس جس ذات نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اس پر میری رسالت پوشیدہ نہیں اس نے میری رسالت پر

ہزار ہا دلائل قائم کئے وہ سب من جانب اللہ میری نبوت کے گواہ ہیں اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم حق بات کا انکار کرتے ہو اور باطل کا اقرار کرتے ہو اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ سے منکر ہوئے ایسے ہی لوگ خسارہ میں پڑنے والے ہیں کہ انہوں نے حق کے بدلہ میں باطل کو اختیار کیا اور اب ان کی بے باکی کا یہ عالم ہے کہ اے نبی آپ ﷺ جب ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں تو یہ لوگ بطور تکذیب واستہزاء آپ ﷺ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جس عذاب سے آپ ﷺ کو ڈراتے ہیں وہ ابھی لے آؤ دیکھیں وہ کیسا عذاب ہے اور کہتے ہیں ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ یعنی یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ اگر یہ دین اور یہ قرآن تیرے پاس سے ہے اور حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا اور کوئی دردناک عذاب نازل فرما اس طرح اللہ کے عذاب کا استہزاء اور تمسخر یہ بھی ان کے خسران کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور اگر ان کے عذاب کی میعاد مقرر نہ ہوتی تو ابھی ان کو عذاب آپہنچتا لیکن خدا تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت معین ہے وہ اپنے وقت پر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وقت موعود تک مہلت دیتا ہے اور گھبرائیں نہیں وہ عذاب ان پر اچانک آئے گا اور ان کو اس کی آمد کی خبر بھی نہ ہوگی اور یہ بے شعور اور بے عقل اپنی جہالت اور حماقت سے آپ ﷺ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ حق پر ہیں تو اپنے منکرین پر فوراً عذاب لے آئیے اور اس میں شک نہیں کہ دوزخ کافروں کو اپنے احاطہ اور گھیرے میں لئے ہوئے ہے دنیا میں کفر کے اسباب ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور آخرت میں تو اس کا مشاہدہ ہو جائے گا کہ کافروں کو عذاب کس طرح اپنے گھیرے میں لیتا ہے جس دن وہ عذاب ان کے سروں کے اوپر سے بھی ان کو گھیرے گا اور پیروں کے نیچے سے بھی گھیرے گا جو لوگ ملائکہ اور کواکب اور ارواح کی پرستش کرتے تھے ان پر اوپر سے عذاب آئے گا اور جو لوگ شجر وحجر کی پرستش کرتے تھے اور سفلی خواہشوں میں گرفتار تھے ان پر نیچے سے عذاب آئے گا اور اللہ تعالیٰ خود یا فرشتہ کے ذریعہ دوزخیوں سے کہے گا چکھو مزہ اس چیز کا جو تم دنیا میں کرتے تھے دنیا میں تم نے جو کفر کیا تھا ابھی تک تم نے اس کا مزہ نہ چکھا تھا اب چکھ لو کہ کفر ایسا ہوتا ہے اور یہ وہی عذاب ہے جس کو دنیا میں جلدی طلب کر رہے تھے۔

لطائف ومعارف

گزشتہ آیات میں یہ بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ امی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اہل کتاب حضور پر نور ﷺ کے امی ہونے کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ تعلیم یافتہ اور لکھے اور پڑھے تھے۔

جواب یہ کہ اچھا اگر ایسا ہے تو آپ ﷺ تاریخی حیثیت سے اس استاد اور معلم کا نام بتلائیے کہ جس نے آپ ﷺ کو ان علوم ومعارف کی تعلیم دی جن سے قرآن اور حدیث بھرا پڑا ہے۔

(۱) عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ چار دانگ عالم میں محمد رسول اللہ ﷺ کے علم اور حکمت کا تو ڈنکا بج جائے اور جس فاضل اور کامل استاد نے آپ ﷺ کو یہ علوم سکھائے اس کو دنیا تو کیا جانے وہ دشمن بھی نہ جان سکے جو آپ ﷺ کے ہم عصر تھے اور آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ پر یہ طعن کرتے تھے کہ آپ ﷺ یہ باتیں کسی سے سیکھ کر آتے ہیں تعلیم کے لئے یہ

ضروری ہے کہ متعلم، معلم کے پاس بار بار حاضر ہو اور پابندی کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے ایک مدت مدید چاہئے مقام حیرت ہے کہ اہل مکہ کو ساری عمر اس کا پتہ نہ چلا کہ آپ ﷺ کس سے یہ علم حاصل کر کے آتے ہیں اور مجلس میں آ کر اپنی وحی کہہ کر سناتے رہتے ہیں آخر مکہ میں وہ کون سا پوشیدہ مکان یا تہ خانہ تھا جس میں آپ ﷺ نے جا کر اور چھپ کر تعلیم پائی جس کا ساری عمر، ابوجہل اور ابولہب اور امیہ بن خلف کو پتہ نہ چلا اور نہ اس راستہ کا کسی کو علم ہوا کہ آپ ﷺ فلاں راستہ اور فلاں گلی کوچہ سے فلاں شخص کے پاس فلاں وقت علم سیکھنے جاتے ہیں اور نہ یہ پتہ چلا کہ اس زمین دوز تہ خانہ میں کون سا فاضل چھپا بیٹھا ہے جو آپ ﷺ کو تنہائی میں یہ عجیب وغریب علوم سکھا دیتا ہے اور خود اس تہ خانہ سے باہر قدم نہیں نکالتا اور نہ سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی کو اس تہ خانہ کے اندر قدم رکھنے کی اجازت دیتا ہے آخر وہ معلم کہاں چھپا ہوا تھا کہ ساری عمر کسی نے اس کی صورت نہ دیکھی۔

(۲) اور اگر بالفرض اس فاضل معلم نے کسی مصلحت سے اپنے آپ کو مکہ کے کسی خانہ یا تہ خانہ میں رکھا تو اہل مکہ کو کیا ہوا کہ ہلہ بول کر اس کے مکان گھس جاتے اور اس سے کہتے کہ آپ تشریف لائیے غرض یہ کہ ایسے فاضل استاد کا جس نے بزعم دشمنان اسلام، محمد رسول اللہ ﷺ کو تعلیم دی ہو تاریخ عالم میں نام ونشان نہ ملنا سراسر خلاف عقل ہے۔

(۳) پھر یہ کہ جس معلم نے آپ ﷺ کو اولین اور آخرین کے علوم کی اور توریت اور انجیل کی باتیں اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعتوں کی تعلیم دی لامحالہ اس کے پاس بڑا عظیم کتب خانہ بھی ہوگا نہ معلوم وہ کتب خانہ مکہ کے کس مکان میں چھپا ہوا تھا جس کا آج تک کسی کو پتہ نہیں چلا۔

(۴) نیز اس معلم کو کیا داعی پیش آیا جس سے ساری عمر اس نے اپنی تعلیم کو مخفی رکھا اور کسی متنفس پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ محمد ﷺ مجھ سے تعلیم پاتے ہیں اور میرے شاگرد ہیں فضلاء ہمیشہ اس پر فخر کرتے آئے کہ فلاں اور فلاں نے مجھ سے علم حاصل کیا ہے اس معلم نے کبھی اس پر فخر نہ کیا کہ "محمد صاحب" میرے شاگرد ہیں اور کیا اس فاضل معلم کا کوئی اور شاگرد نہ تھا کہ جو برسر مجلس آپ ﷺ سے یہ کہتا کہ آپ ﷺ جو یہ کہتے ہیں کہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے غلط ہے یہ ساری باتیں آپ فلاں شخص سے سیکھ کر آئے ہیں۔

(۵) پھر یہ کہ وہ معلم اگر مشرکین میں سے تھا تو اس نے آپ ﷺ کو توحید کے علم اور اس کے دلائل کی اور شرک کے ابطال اور اس کے دلائل کی اور مشرکین کی تحمیق اور تجہیل کی تعلیم کیسے دی جس سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے اور اگر وہ معلم یہود میں سے تھا تو اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی منقبت اور فضیلت کی اور ان کی والدہ مطہرہ مریم صدیقہ علیہا السلام کی براءت اور نزاہت اور طہارت کی کیسے تعلیم دی اور علماء یہود کو توریت کی تحریف پر کیسے ملامت کی اور ان کی غلط بیانیوں پر کیسے ان کو فضیحت کی اور اگر وہ معلم نصرانی تھا تو اس نے تثلیث اور حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کے الوہیت کے ابطال کی کیسے تعلیم دی اور حضرت مسیح کے قتل اور صلب کی تردید اور ان کے رفع الی السماء کی تعلیم کیسے دی۔

خلاصہ کلام یہ کہ تاریخی حیثیت سے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا امی ہونا روز روشن کی طرح ایسا واضح ہے کہ جس میں

ذرہ برابر انکار بلکہ تردد کی بھی گنجائش نہیں۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

اے بندو میرے جو یقین لائے ہو ! میری زمین کشادہ ہے، سو مجھی کو بندگی کرو ف۱ جو جی ہے سو چکھے گا

اے بندوں میرے جو یقین لائے ہو میری زمین کشادہ ہے سو میری ہی بندگی کرو جو جی ہے سو چکھے گا

الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ

موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے ف۲ اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ان کو ہم جگہ دیں گے

موت۔ پھر ہماری طرف پھر آؤ گے۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام، ان کو ہم جگہ دیں گے

الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِیْنَ

بہشت میں جھروکے نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں سدا رہیں ان میں خوب ثواب ملا کام والوں کو جنہوں نے

بہشت میں جھروکے، نیچے بہتی نہریں، سدا رہیں ان میں، خوب نیگ ملا کام والوں کو۔ جو

صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اللّٰهُ یَرْزُقُهَا

صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا ف۳ اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی دیتا ہے ان کو

ٹھہرے رہے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا۔ اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی، اللہ روزی دیتا ہے ان کو

وَاِیَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۴ اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان اور زمین کو

اور تم کو، اور وہی ہے سنتا جانتا۔ اور جو تو لوگوں سے پوچھے، کس نے بنائے آسمان و زمین،

ف۱ یعنی یہ مکہ کے کافر اگر تم کو تنگ کرتے ہیں تو خدا کی زمین تنگ نہیں دوسری جگہ جا کر خدا کی عبادت کرو۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جب کافروں نے مکہ میں بہت زور باندھا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا۔ چنانچہ اسی تراسی گھر حبشہ چلے گئے۔ اس کو فرمایا کئی دن کی زندگی ہے جہاں بن پڑے وہاں کاٹ دو، پھر ہمارے پاس اکٹھے آ ؤ گے۔ اس میں مہاجرین کی تسلی کر دی تاکہ وطن چھوڑنا اور حضرت سے جدا ہونا دل پر بھاری نہ گزرے۔ گویا جتلا دیا کہ وطن، خویش و اقارب، رفقاء اور چھوٹے بڑے آج نہیں کل چھوٹیں گے۔ فرض کرو اس وقت مکہ سے ہجرت نہ کی تو ایک روز دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے مگر وہ بے اختیار ہوگا۔ بندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑ دے جو پروردگار حقیقی کی بندگی میں مزاحم اور خلل انداز ہوتی ہیں۔

ف۳ یعنی جو صبر و استقلال سے اسلام و ایمان کی راہ پر جمے رہے اور خدا پر بھروسہ کر کے گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے ان کو اس وطن کے بدلے وہ وطن ملے گا اور یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیے جائیں گے۔

ف۴ یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کر دی کہ" اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا۔ نیا دن اور نئی روزی" (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہ ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے۔ کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انھیں ضائع نہیں کرے گا۔ سامان معیشت ساتھ لے جانے کی فکر نہ کریں۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے، پھر بھی رازق حقیقی ان کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ نے پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں ف۱ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے

اور کام لگائے سورج اور چاند؟ تو کہیں اللہ نے۔ پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں۔ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ

اپنے بندوں میں اور ناپ کر دیتا ہے جس کو چاہے ف۲ بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے ف۳ اور جو تو پوچھے ان سے کس نے اتارا

اپنے بندوں میں، اور ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے۔ بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔ اور جو تو پوچھے ان سے، کس نے اتارا

السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ

آسمان سے پانی پھر زندہ کردیا اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر

آسمان سے پانی؟ پھر جلا دیا اس سے زمین کو، اس کے مرے پیچھے، تو کہیں اللہ نے۔ تو کہہ، سب خوبی اللہ کو ہے۔ پر

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ع

بہت لوگ نہیں سمجھتے ف۴ اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے اور پچھلا گھر جو ہے

بہت لوگ نہیں بوجھتے۔ اور یہ دنیا کا جینا تو یہی ہے جی بہلانا اور کھیلنا۔ اور پچھلا گھر جو ہے

لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

سو وہی ہے زندہ رہنا اگر ان کو سمجھ ہوتی ف۵ پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو خالص اسی پر رکھ کر

سو یہی ہے جینا۔ اگر یہ سمجھ رکھتے۔ پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو، نرے، اسی پر رکھ کر

الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ

اعتقاد پھر جب بچا لایا ان کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک بنانے تاکہ مکرتے رہیں ہمارے دیئے ہوئے سے

نیت۔ پھر جب بچا لایا ان کو زمین کی طرف، اسی وقت لگے شریک پکڑنے۔ مکرتے رہیں ہمارے دیئے سے

وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۗ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ

اور مزے اڑاتے رہیں سو عنقریب جان لیں گے ف۶ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ

اور برتتے رہیں۔ اب آگے جان لیں گے۔ کیا نہیں دیکھتے؟ کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی، اور لوگ

ف۱ یعنی رزق کے تمام اسباب (سماویہ وارضیہ) اسی نے پیدا کئے سب جانتے ہیں، پھر اس پر بھروسہ نہیں کرتے کہ وہ ہی پہنچا بھی دے گا۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا تم چاہو۔ یہ اگلی آیت میں سمجھا دیا ہے (موضح)۔

ف۲ ناپ کر دیتا ہے یہ نہیں کہ بالکل نہ دے۔

ف۳ یعنی یہ خبر اسی کو ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہیئے۔

ف۴ یعنی مینہ بھی ہر کسی پر برابر نہیں برستا اور اسی طرح حال بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ذرا دیر میں مفلس سے دولت مند کردے۔

مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۞ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

اچکے جاتے ہیں ان کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا احسان نہیں مانتے ف۱ اور اس سے زیادہ بے انصاف کون ہے جو

اچکے جاتے ہیں ان کے پاس سے۔ کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کا احسان نہیں مانتے ؟ اور اس سے بے انصاف کون ؟ جو

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۞

باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے سچی بات کو جب اس تک پہنچے کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں منکروں کے لئے ف۲

باندھے اللہ پر جھوٹ، یا جھٹلائے سچی بات کو، جب اس تک پہنچے ؟ کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں منکروں کی ؟

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞

اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں ف۳ اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے ف۴

اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے، ہم سجھائیں گے ان کو اپنی راہیں۔ اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے۔

ترغیب ہجرت وذکر بقائے عالم آخرت

وبیان حقارت دنیا وفناء وزوال او

قَالَ تَعَالٰى: ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ ... الی ... وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

ربط:...... جب کفار مکہ مسلمانوں کی ایذاء رسانی پر تل گئے اور مسلمانوں کو احکام اسلام بجالانا دشوار ہوگیا تو حکم نازل ہوا کہ مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائیں اور جہاں ارکان اسلام آزادی کے ساتھ ادا کرسکیں وہاں چلے جائیں کافروں کی زمین میں

= ف۵ یعنی آدمی کو چاہیے یہاں کی چند روزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کہ اصلی و دائمی زندگی وہ ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہو کر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفر آخرت کے لئے توشہ درست کرے۔

ف۶ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ آدمی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو اور آخرت کو فراموش نہ کرے۔ لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقیدت مندی سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا، اللہ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ گویا غرض یہ ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔ خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں، عن قریب پتہ لگ جائے گا کہ اس بغاوت وشرارت، احسان فراموشی اور ناسپاسی کا نتیجہ کیا ہے۔

ف۱ مکہ کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے۔ حالانکہ سارے ملک عرب میں فساد اور کشت وخون کا بازار گرم تھا۔ بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں اللہ کا یہ سچا احسان نہیں مانتے۔

ف۲ یعنی سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔ یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ یا پیغمبر جو سچائی لے کر آئے ہیں اسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ایسی بے باکی اور بے حیائی سے عقل وانصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

ف۳ یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب و رضا یا جنت کی راہیں سجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ ریاضات ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معرفت وانکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔

ف۴ یعنی اللہ کی حمایت ونصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (تم سورۃ العنکبوت فللہ الحمد واللمنہ)

کافروں کے ساتھ رہنا درست نہیں چنانچہ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے اول حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر بعد چندے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی زجاج ؒ کہتے ہیں کہ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت نماز روزہ ممکن نہ ہو یا جس جگہ علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی معصیت ہونے لگے اور اس کا متغیر کرنا ممکن نہ ہو وہاں سے ہجرت واجب ہے ورنہ مستحب ہے اور چونکہ ترک وطن اور ہجرت اور خویش و اقارب سے مفارقت ابتلاء عظیم ہے اور بہت بھاری چیز ہے اس لئے مہاجرین کی تسلی کے لئے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں یہ دنیا فانی ہے کل نفس ذائقۃ الموت ہر شخص کو ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے فرض کرو کہ آج ہجرت نہ کی تو ایک نہ ایک روز اس دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے اور اس دنیا کو چھوڑنا ہے اگر خدا کے لئے تم وطن اور خویش و اقارب کو چھوڑو گے وہ تم کو اس کے بدلہ میں اس سے بہتر عطا کرے گا رزق کسی مکان کے ساتھ مخصوص نہیں چوپاؤں سے عبرت حاصل کرو کہ وہ بھی تو اپنی روزی ساتھ لئے نہیں پھرتے مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزی پہنچاتا ہے۔

اے مسلمانو! اس دنیا کو لہو ولعب سمجھو اور آخرت کی جدوجہد میں لگے رہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو خدا کی راہ میں مجاہدہ کریں اور اس کے احکام کی تعمیل میں محنتیں اور مشقتیں اٹھائیں چنانچہ فرماتے ہیں اے میرے ایمان والے بندو! اگر اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو میرے دشمنوں سے الگ ہو جاؤ اور ان کے درمیان سے نکل جاؤ اور جس جگہ تم علانیہ میری عبادت نہیں کر سکتے وہاں سے ہجرت کر جاؤ البتہ میری زمین کشادہ ہے یہاں سے دوسری جگہ چلے جاؤ پس وہاں جا کر خالص میری ہی عبادت کرو وطن مالوف کی اقامت کو اللہ کی عبادت کے مقابلہ میں ترجیح نہ دو یعنی میرے بندوں کو چاہئے کہ عبادت الٰہی کو مقصود اصلی سمجھیں اور آخرت کو اپنا وطن اصلی جانیں جہاں عبادت میسر نہ آسکے وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جاویں جہاں اللہ کی عبادت میسر آسکے اور اگر اہل وعیال کی محبت کی وجہ سے اپنا شہر نہیں چھوڑ سکتے تو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے مفارقت ضروری ہے کیونکہ ہر نفس ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر بالآخر سب کو چھوڑ کر ہماری ہی طرف واپس آنا ہے تو بہتر یہ ہے کہ ابھی سے ہمارے پاس آنے کی فکر کرلو اور وطن اصلی کی تیاری کرو اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا رخ کرو ان پر ایمان لاؤ اور ان کی ہدایت کے مطابق اعمال صالحہ بجالاؤ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو ضرور بالضرور جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جو تمہارے متروکہ محلوں سے لاکھوں درجہ بہتر ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی دنیا کی منازل فانیہ کے بدلہ میں ان کو یہ منازل عالیہ اور باقیہ عطا کریں گے وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کیا ہی خوب ثواب ہے نیک کام کرنے والوں کا یعنی ہجرت کرنے والوں کا جنہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر اور ہجرت کے مصائب پر اور خویش و اقارب اور وطن کی مفارقت پر صبر کیا اور رزق کے بارے میں وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہر جگہ رزق دینے والا ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وطن میں تو اسباب معیشت مہیا ہیں باہر جا کر کیا ہوگا تو خوب سمجھ لے کہ زمین پر چلنے والے کے کتنے جانور ہیں کہ اپنا رزق اپنے ساتھ اٹھائے اور لادے نہیں پھرتے اللہ ہی اپنے فضل سے رزق دیتا ہے ان کو بھی اور تم کو بھی اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے جو خدا چرند اور پرند کو روزی دے سکتا ہے وہ مہاجرین کو بھی روزی دے سکتا ہے لہٰذا ہجرت کے بارے میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں تو ہم روزی کہاں سے پائیں گے تم تو اہل ایمان ہو تمہارا درجہ جانوروں سے کہیں بلند ہے جب خدا تعالیٰ

جانوروں کو روزی دیتا ہے تو اس کی راہ میں ہجرت کرنے والے اہل ایمان کو کیوں روزی نہ دے گا لہٰذا مہاجرین کو چاہئے کہ آسمان وزمین کے خالق پر بھروسہ رکھیں کیونکہ رزق کا اصل سرچشمہ زمین اور آسمان ہے اور خدا ہی ان سب کا خالق ہے جس میں کسی کو انکار نہیں چنانچہ اگر آپ ﷺ مکہ کے کافروں سے دریافت کریں کہ بتاؤ کس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا کہ آسمان سے تمہارے لئے پانی برستا ہے اور زمین سے تمہارے لئے غلہ پیدا ہوتا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا سورج کی روشنی سے پھل اور کھیتیاں پکتی ہیں اور چاند کی روشنی سے بڑھتی اور ابھرتی ہیں اگر چاند اور سورج ایک ہی جگہ پر ٹھہرے رہتے اور حرکت نہ کرتے تو نہ دن ہوتا اور نہ رات ہوتی اور نہ موسم بدلتا اور نہ گرمی اور سردی ہوتی لیل ونہار کا اختلاف اور موسم سرما اور گرما کا اختلاف شمس وقمر کی حرکت سے ہے جو اللہ کے حکم سے ہے تو جواب میں سب کے سب ضرور یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے تو پھر کہاں بہکے جاتے ہیں اور اس اقرار کے بعد کیوں شرک میں مبتلا ہیں اور غیر اللہ سے کیوں مرادیں مانگتے ہیں کیا یہ شمس وقمر کی حرکت ان کے مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے یا کسی قادر مختار کی قدرت کا کرشمہ ہے سب جانتے ہیں کہ اسباب رزق اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں پھر بھی اس پر بھروسہ نہیں کرتے اور جس طرح اصل رزق اور اصل روزی اس کے ہاتھ میں ہے اسی طرح رزق کی کمی اور زیادتی اور فراخی اور تنگی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے خدا تعالیٰ ہی فراخ اور کشادہ کرتا ہے روزی کو جس کے لئے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی سب اللہ کی مشیت اور حکمت پر ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے تنگی اور فراخی کی مصلحت اس پر پوشیدہ نہیں لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہجرت سے رزق کی وسعت ختم ہو جائے گی خیال خام ہے حسب الحکم اور حسب الہدایت تدبیر میں لگے رہو مگر نظر اور بھروسہ ہماری تقدیر پر رکھو۔

اور اگر آپ ﷺ مشرکین عرب سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا پھر کس نے اس پانی کے ذریعہ زمین کو مردہ اور افسردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ اور سرسبز وشاداب کیا تو جواب میں ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کہئے الحمد للہ یعنی شکر ہے خدا کا سب نے اس بات کا اقرار کیا کہ آسمان سے لے کر زمین تک رزق اور سامان رزق سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے پس عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب اس کی خالقیت اور رازقیت کا اقرار کرتے بلکہ معاملہ برعکس ہو گیا کہ اکثر کافر باوجود دنیا کے ہوشیار ہونے کے آخرت کے بے عقل ہو گئے اور آخرت کو چھوڑ کر دنیا کے شیدائی بن گئے اور دار بقا کو چھوڑ کر دار فنا اور فانی حیات پر فریفتہ ہونا بھی بے عقلی کی دلیل ہے اور مادہ پرستوں کا عجب حال ہے کہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں اور نہیں سمجھتے دیکھتے ہیں اور نہیں دیکھتے ہر وقت ایتھر کے چکر اور بھنور میں ہیں اللہ ان کو عقل دے۔

دار دنیا کی حقارت اور دار آخرت کی فضیلت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ... الى ... وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ یعنی اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے دنیا کی ظاہری آرائش پر مفتون ہیں اگر عقل سے کام لیں تو سمجھ جائیں کہ دنیا کا تمام کارخانہ فنا اور زوال اور ضعف اور اضمحلال پر مبنی ہے تو

جان لیں کہ یہ دنیا بالکل بے حقیقت ہے اور سرائے فانی ہے جس سے ایک دن کوچ قطعی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں ہے یہ دنیاوی زندگانی جس پر یہ بے عقل فریفتہ ہیں مگر طفلان بے شعور کے دل بہلانے کا ایک مشغلہ جیسے بچے لاٹھی کو گھوڑا بنا کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں اس کو بازی طفلاں کہتے ہیں اور محض ایک کھیل اور تماشا ہے جیسے گانا بجانا اور پتنگ بازی اور کبوتر بازی جس میں بسا اوقات جوان بھی شریک ہو جاتے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کی حقارت بیان کرنے کے لئے دو لفظ اختیار فرمائے ایک لھو اور ایک لعب اور دونوں کے مفہوم میں لغت کے اعتبار سے کچھ فرق ہے لھو اس مشغلہ کو کہتے ہیں جس سے دل بہل جائے اور لعب کھیل تماشہ کو کہتے ہیں جو تھوڑی دیر رہ کر ختم ہو جائے مگر اس پر کوئی معتد بہ ثمرہ مرتب نہیں ہوتا یہی حال دنیاوی زندگی کا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جو اس قابل نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے اور تحقیق دار آخرت وہی حقیقی زندگی ہے جو ہر قسم کے تکدر سے پاک اور منزہ ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے جہاں موت نہیں پس جس جگہ ہر وقت کوچ کا طبل بجتا رہتا ہو وہ جگہ جی لگانے کے قابل نہیں کاش کہ لوگ دنیا اور آخرت کے فرق کو سمجھتے تو دنیا میں اس قدر محو نہ ہوتے اور سمجھ لیتے کہ قابل توجہ اور التفات دار آخرت ہے لہٰذا اگر کچھ عقل ہے تو اصل فکر آخرت کی کرو اور دنیا کو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بناؤ پس یہ شیدایان حیوٰۃ دنیا جب کبھی دریا کا سفر کرتے ہیں اور کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور ان کو غرق ہونے کا ڈر ہوتا ہے تو اس وقت اس دنیائے لہو ولعب کو بھول جاتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھی بھول جاتے ہیں اور اللہ کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ خالص اللہ کی عبادت کی نیت کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں اور خوف اور اضطراب کو دفع کرنے کے لئے اللہ کو پکارتے ہیں اور اس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں جب اللہ کا نبی توحید کی طرف بلاتا ہے تو صاف انکار کر دیتے ہیں اور جب سر پر مصیبت آپڑتی ہے تو توحید اور اخلاص کے نعرے لگانے لگتے ہیں پھر جب خدا ان کو اس مصیبت سے نجات دیتا ہے اور سلامتی کے ساتھ دریا سے خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو کشتی سے اترتے ہی حسب عادت پھر شرک کرنے لگتے ہیں جب آفت سر پر آ پہنچی تو اللہ کو پکارنے لگے پھر جب وہ آفت سر سے ٹلی تو پھر وہی کفر اور شرک اور بتوں کو پکارنا شروع کر دیا گویا[1] کہ کفر و شرک سے ان کی غرض یہ ہوئی ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں سو عنقریب جان لیں گے کہ ناشکری کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اب آئندہ آیت میں ان کے نامعقول حیلہ اور بہانہ کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہتے تھے ﴿اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا﴾ یعنی اگر ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کی ہدایت کا اتباع کریں تو لوگ ہم کو اچک لیں اور مار ڈالیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس بہانہ کی لغویت مشاہدہ سے ثابت ہے کیا ان کفار نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو ان کے لئے مقام امن بنایا اور ان کے ارد گرد کے لوگ اچک لئے جاتے ہیں یعنی لوٹ لئے جاتے ہیں اور مار دیئے

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ لیکفروا کا لام، لام عاقبت ہے اس لئے کہ کفار کا یہ قصد نہ تھا بلکہ ان کے فعل کا نتیجہ تھا جیسا کہ ﴿لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا﴾ میں لام۔ لام عاقبت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے کفران نعمت کا قصد نہیں کیا تھا مگر نجات کی نعمت کا انجام یہ ہوا کہ بجائے شکر کے کفر اور شرک کرنے لگے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

جاتے ہیں اور حرم مکہ قتل و غارت سے بالکل مامون اور محفوظ ہے اور یہ لوگ اس میں بے خوف وخطر زندگی بسر کر رہے ہیں لہٰذا ایمان سے تخلف کے لئے تخطف کو عذر قرار دینا غیر معقول ہونے کے علاوہ مشاہدہ کے بھی خلاف ہے اور یہ نعمت حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اس میں ان کے معبودوں کو ذرہ برابر دخل نہیں پس کیا یہ لوگ اس درجہ ضد اور عناد پر اتر آئے ہیں کہ باطل اور جھوٹ بات کا تو یقین کرتے ہیں اور باطل معبودوں پر ایمان لاتے ہیں اپنے ہاتھ کے تراشیدہ بت کو تو خدا ماننے کے لئے تیار ہیں مگر خدا کے برگزیدہ بندہ کو خدا کا رسول ماننے پر تیار نہیں اور اللہ کے احسان کو نہیں مانتے کہ اس کی رحمت سے حرم میں امن کے ساتھ بے خوف وخطر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ اللہ نے بتوں کو اور دوسرے معبودوں کو کارخانہ کا مختار کار بنا دیا ہے یا اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا کہ جس کے پاس حق پہنچا اور اس نے اس کو جھٹلا دیا کیا ان کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں یعنی ضرور ہے یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جو اس سرائے فانی پر شیدا اور فریفتہ ہوں اور وہ لوگ جو دار آخرت کے دلدادہ اور شیدائی ہیں جنہوں نے ہماری راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور علم کے مطابق عمل کیا اور نفسانی خواہش کو شریعت کے تابع کر دیا ہم ان کو اپنے تک پہنچنے کی راہیں دکھادیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے یعنی مجاہدوں کے ساتھ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور خدا جس کے ساتھ ہو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ یعنی ظاہری اور باطنی جہاد اور جد و جہد ضروری ہے اور لنھدینھم سبلنا میں سبل سے خدا تعالیٰ کے قرب اور رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مآل بہشت ہے۔

اگر در جستجوئے من شتابی
مراد خود بزودی باز یابی

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ بروز پنج شنبہ بعد از اذان عصر جامعہ اشرفیہ لاہور میں خدا تعالیٰ کی رحمت سے سورۃ عنکبوت کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی جس کے ختم سے بفضلہ تعالیٰ تفسیر کے دو ثلث اختتام کو پہنچے وللہ الحمد والمنة اور اللہ کے فضل و کرم سے اور اسی کی رحمت سے امید ہے کہ باقی ماندہ ایک ثلث کے اتمام اور اکمال کی توفیق عطا فرمائیں گے اور اپنے قبول سے نوازیں گے اور اپنی ہدایت اور معیت خاصہ دائمہ سے سرفراز فرمائیں گے۔ امین یا رب العالمین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد واله واصحابه وازواجه وذریاته اجمعین وعلینا معهم یا ارحم الرحمین الی یوم الدین۔

سورۃ الروم

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام سورت بالاتفاق مکی ہے اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

ربط: ...... گزشتہ سورت کے اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کا ذکر تھا اب اس آیت کے شروع میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبوت کی ایک اور دلیل کا ذکر ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے غلبہ روم کی پیش گوئی فرمائی اور پھر وہ اسی طرح ہو بہو ظاہر ہوئی جس طرح آپ ﷺ نے خبر دی تھی۔

نیز گزشتہ سورت کے آخر میں حیوۃ دنیا کا لہو ولعب ہونا بیان کیا اب اس سورت کے شروع میں یہ بتلاتے ہیں کہ حیات دنیا ہیچ ہے خدا تعالیٰ جب چاہتا ہے تو کسی کو غلبہ دیتا ہے اور پھر اسی غالب کو مغلوب کر دیتا ہے اور معلوم ہوا کہ دنیوی غلبہ حقانیت کی دلیل نہیں پھر یہ کہ جب دنیا کی عزت اور ذلت سب خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو یہ نادان کیوں جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کی اس وقتی فقیری اور درویشی کو دیکھ کر مسلمانوں کو کیوں حقیر سمجھ رہے ہیں اہل اسلام اس وقت ابتلاء کی منزل سے گزر رہے ہیں عن قریب یہ متکبرین دیکھ لیں گے کہ یہی درویشان اسلام قیصر وکسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے کچے صحن میں بیٹھ کر تقسیم کریں گے۔

نیز گزشتہ سورت میں ہجرت کی ترغیب اور ہجرت کے مصائب پر صبر کی تلقین تھی کہ کربت غربت پر صبر کریں اب اس سورت میں اس کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ تغیرات عالم اور سلطنتوں کے انقلابات سب خدا کے ہاتھ میں ہیں۔

۳۰ سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ایاتھا ۶۰ رکوعاتھا ۶

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ

مغلوب ہوگئے ہیں رومی ملتے ہوئے ملک میں ف۱ اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند

دب گئے ہیں روم۔ لگتے ملک میں، اور وہ اس ڈبنے پیچھے اب غالب ہوں گے۔ کئی

سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ

برسوں میں ف۲ اللہ کے ہاتھ ہیں سب کام پہلے اور پچھلے ف۳ اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے ف۴

برس میں۔ اللہ کے ہاتھ ہیں کام پہلے اور پچھلے۔ اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان۔ اللہ کی مدد سے۔

ف۱ "ادنی الارض" (ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک) سے مراد "اذرعات" "وبصری" کے درمیان کا خطہ ہے جو "شام" کی سرحد پر "حجاز" سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہوا ہے یا "فلسطین" مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا، یا "جزیرہ ابن عمر" جو فارس سے اقرب ہے۔ ابن حجر نے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی نو سال کے اندر اندر رومی غالب ہو جائیں گے۔ کیونکہ لغت میں اور حدیث میں "بضع" کا اطلاق تین سے نو تک ہوا ہے۔ ان آیات میں قرآن نے ایک عجیب وغریب پیشین گوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں "فارس" (جسے "ایران" کہتے ہیں) اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں۔ ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا کیا، جیسا کہ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ ۵۷۰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم وفارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیے جاتے تھے۔ جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئندہ توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی طبعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، ادھر ان کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت =

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ۙ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا ف۱ اللہ کا وعدہ ہوچکا خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا وعدہ لیکن بہت

مدد کرے جس کی چاہے۔ اور وہی ہے زبردست رحم والا۔ اللہ کا وعدہ ہوا۔ خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا وعدہ لیکن بہت

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ

لوگ نہیں جانتے ف۲ جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کے جینے کو اور وہ لوگ آخرت کی

لوگ نہیں جانتے۔ جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا۔ اور وہ لوگ آخرت سے

غٰفِلُوْنَ ۝

خبر نہیں رکھتے ف۳

خبر نہیں رکھتے۔

= کے پانچ سال گزر چکے) خسرو پرویز (خسرو ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہرقل قیصر روم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دار السلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں۔ مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اس وقت قرآن نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بے شک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے اس پیشین گوئی کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو اونٹ تم کو دوں گا، ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے "بضع سنین" کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے "بضع" کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ ادھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو "حمص" سے پیدل چل کر "ایلیا" (بیت المقدس) تک پہنچوں گا۔ قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشین گوئی کے مطابق نو سال کے اندر یعنی ہجرت کا ایک سال گزرنے پر عین بدر کے دن جبکہ مسلمان، اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہو گئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایرانی مجوسیوں پر غالب فرمایا، اس ضمن میں مشرکین مکہ کو مزید خذلان و خسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشین گوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے، بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ مشرکین مکہ سے وصول کئے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیے جائیں۔ فللہ الحمد علی نعمائہ الظاہرۃ والائہ الباہرۃ۔

ف۳ پہلے فارس کو غالب کرنا، روم کو مغلوب کرنا، اور پیچھے حالات کو الٹ دینا، سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ صرف اتنی بات سے کسی قوم کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ "وتلک الایام نداولہا بین الناس۔"

ف۴ یعنی ایک تو اس دن اپنی فتح کی خوشی اس پر مزید خوشی یہ ہوئی کہ رومی اہل کتاب (جو نسبۃً مسلمانوں سے اقرب تھے) فارس کے مجوسیوں پر غالب آئے۔ قرآن کی پیشین گوئی کے صدق کا لوگوں نے مشاہدہ کر لیا۔ کفار مکہ کو ہر طرح ذلت نصیب ہوئی۔

ف۱ یعنی جسے مغلوب کرنا چاہے تو کوئی زبردستی کر کے روک نہ سکے اور جس پر مہربانی فرمانا چاہے اسے بے روک ٹوک غالب کر کے رہے۔

ف۲ یعنی اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ غالب یا مغلوب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں ہیں اور یہ قدرت جب کوئی کام کرنا چاہے تو سب ظاہری رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے اکثر ظاہر بیں بغیر اسباب ظاہری خدا پر بھروسہ نہیں رکھتے اور کسی کا عارضی غلبہ دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ ہی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔

ف۳ یعنی یہ لوگ دنیاوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کی آسائش و آرائش، کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، بونا جوتنا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا بس یہ ہی ان =

پیشین گوئی غلبہ روم بر ایران و بشارت فتح و نصرت

و فرحت و مسرت برائے اہل ایمان

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ... الی... وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾

شان نزول:......ہجرت سے قبل جب حضور پر نور ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے تو فارس اور روم میں جنگ ہوئی اور اہل فارس بمقابلہ اہل روم غالب آئے مشرکین مکہ اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ فارس روم پر غالب ہوں کیونکہ اہل فارس اہل مکہ کی طرح مشرک تھے اہل مکہ بت پرست تھے اور اہل فارس آتش پرست تھے اور مسلمان اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اہل روم فارس پر غالب ہوں اس لئے کہ اہل روم نصرانی تھے انبیاء علیہم السلام کے ماننے والے اور دین اسلام کے قریب تھے فارس کی فتح سے کفار قریش کو بہت خوشی ہوئی اور مسلمانوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ تم بھی اہل کتاب ہونے کے مدعی ہو اور رومی بھی اہل کتاب ہیں اور اہل فارس تمہارے نزدیک مشرک ہیں اور ہم بھی مشرک ہیں اور ہم دونوں امی ہیں اس سے ہم یہ فال نکالتے ہیں کہ جس طرح آج ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آئے اسی طرح ہم بھی ایک دن تم پر غالب آئیں گے حق تعالیٰ نے کفار قریش کا منہ بند کرنے کے لئے اس سورت کی شروع کی آیتیں نازل فرمائیں اور دو پیشین گوئیاں فرمائیں پہلی پیشین گوئی تو فارس اور روم کی سلطنتوں کے متعلق فرمائی کہ رومی فی الحال اگرچہ مغلوب ہو گئے مگر چند سالوں میں یعنی نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ جائیں گے اس پیشین گوئی سے مسلمانوں کو ایک قسم کی ڈھارس بندھ گئی اور یہ پیشین گوئی کوئی معمولی پیشین گوئی نہ تھی اس کا تعلق دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں سے تھا پھر یہ کہ یہ پیشین گوئی ظاہر حالت کے بھی خلاف تھی جو کسی کی عقل میں نہیں آ سکتی تھی اس لئے کہ روم کی سلطنت فارس کی سلطنت کے مقابلہ میں چھوٹی تھی اور جدید اور حادث بھی تھی اور فارس کی سلطنت بہت بڑی تھی اور بہت قدیم تھی ہزارہا سال سے ایک ہی خاندان میں چلی آ رہی تھی خزانے معمور تھے اور فوج اور لشکر کی کوئی انتہا نہ تھی لہٰذا ایسی عظیم الشان سلطنت کے متعلق یہ پیشین گوئی کرنا کہ ایک چھوٹی اور شکست خوردہ سلطنت سے یہ عظیم الشان سلطنت مغلوب ہو جائے گی کوئی معمولی پیشین گوئی نہیں بلکہ بہت بڑی پیشین گوئی ہے پھر پیشین گوئی بھی ایسی کہ جو بالکل واضح اور صاف ہے جس میں کسی قسم کا اجمال اور ابہام نہیں نجومیوں کی پیشین گوئی کی طرح گول مول نہیں پھر ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ پر سین داخل کر کے اس کے قرب کو بتلا دیا کہ عن قریب رومی غالب آ جائیں گے پھر ﴿بِضْعِ سِنِيْنَ﴾ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ نو سال کے اندر اندر ایسا ہو جائے گا دوسری پیشین گوئی حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق فرمائی کہ چند سال میں مسلمان مظفر و منصور ہوں گے اور کافروں پر غالب آ جائیں گے اس طرح مسلمانوں کو فتح اور نصرت نصیب ہونے کی بشارت دے دی۔

پھر صاف طور پر یہ فرما دیا ﴿وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ

= کے علم و تحقیق کی انتہائی جولان گاہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیاوی زندگی کے بھلے برے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دور ہے، یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اس کا آخری انجام ذلت و ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

وعدہ کر چکا ہے کہ چند روز میں مسلمانوں کو دونوں قوموں پر غالب کر دے گا لیکن اکثر لوگ ظاہری اسباب کے سوا کچھ نہیں جانتے یہ پیشین گوئی پہلی پیشین گوئی سے بڑھ کر ہے اس لئے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت اس درجہ کمزور اور پست تھی کہ کوئی عقل مند ان کے لئے معمولی ریاست کا بھی تصور نہیں کر سکتا تھا روم کی سلطنت اگر چہ فارس کی سلطنت کے اعتبار سے چھوٹی تھی مگر فی حد ذاتہ ایک سلطنت تو تھی بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اس وقت اس درجہ کمزور تھے کہ عقل ان کے لئے کسی معمولی عزت و وجاہت کا بھی تصور نہیں کر سکتی تھی ایسی قوم کے لئے پیشین گوئی کرنا کہ وہ قیصر و کسریٰ جیسی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادے گی یہ تو خدائے توانا اور قادر مطلق ہی کا کام ہے اور ایسی محیر العقول پیشین گوئی خدا ہی کا کلام ہو سکتی ہے۔

چنانچہ خدائے علیم و حکیم اور قدیر و خبیر کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور دنیا نے اس کی صداقت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر لیا اس سے بڑھ کر قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے اس قسم کا قطعی فیصلہ سنا دینا کسی بشر کا کام نہیں عالم الغیب ہی اس کی خبر دے سکتا ہے۔

حق جل شانہ نے مشرکین مکہ کی فال کا اور ان کے استدلال سراپا خیال و خبال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس دو پیشین گوئیاں فرما دیں اس لئے کہ ایک قوم کے دوسری قوم پر غالب آ جانے سے عقلاً یہ ضروری نہیں کہ اس قوم کی نظیر بھی دوسری قوم کی نظیر پر غالب آ جائے اور پھر ان دو پیشین گوئیوں کے ساتھ ایک بشارت اور خبر مسرت بھی سنا دی کہ جس دن تم اپنی فتح اور غلبہ کی خوشی اور مسرت میں مشغول ہو گے اسی دن تم کو یہ خوشی کی خبر بھی پہنچے گی کہ روم فارس پر غالب آ گئے اور یہ دونوں مسرتیں تم کو ایک ہی دن میں حاصل ہوں گی چنانچہ مسلمان بدر کے میدان میں مشرکین مکہ پر فتح اور نصرت کی خوشیاں منا رہے تھے اسی دن یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل فارس پر غالب آ گئے چنانچہ فرماتے ہیں، ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ﴾ یعنی ایک ہی دن میں دو مسرتیں حاصل ہوں گی ایک خوشی غلبہ روم کی فارس پر اور دوسری خوشی غلبہ اہل اسلام کی کفار مکہ پر اور مسلمانوں کو جو خوشی حاصل ہو گی وہ حقیقی خوشی ہو گی بخلاف کفار مکہ کے کہ وہ اس وقت جو کچھ خوشی منا رہے ہیں وہ سب خیالی ہے اور انجام اس کا ذلت اور ندامت ہے اور ان نادانوں کو انجام کی خبر نہیں چنانچہ ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ میں اس طرف اشارہ فرمایا جس کا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری آرائش اور زیبائش اور آسائش کو دیکھ کر مفتون ہو گئے اور اصل حقیقت کا ان کو علم نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ پیشین گوئی حضور پر نور ﷺ کا معجزہ تھی اور معجزہ کا فائدہ یہ ہے کہ معجزہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کا تعلق عالم غیب اور علام الغیوب سے ہے جس کے لئے یہ معجزات ظاہر کئے جا رہے ہیں اب اس تمہید کے بعد آیات کی تفسیر پڑھیے اور دیکھئے الم اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں اے رسول ﷺ آج عرب کی قریبی سرزمین میں ایک موقع پر یعنی مقام اذرعات اور بصریٰ میں اہل روم فارس کے مقابلہ میں مغلوب ہو گئے اور اہل فارس ان پر غالب آ گئے جس سے مشرکین مکہ خوش ہو گئے ولیکن ان کو اس فی الحال فتح سے خوش نہ ہونا چاہئے اہل روم کی یہ مغلوبی عارضی ہے اور وہ رومی اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد عن قریب چند سال کے اندر یعنی تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر ضرور غالب آ جائیں گے اور اس طرح مغلوب اور کم زور ہو جانے کے بعد پھر غالب آ جانا مشرکین کے لئے اور زیادہ باعث رنج و غم ہو گا خصوصاً

جب کہ قریبی مدت میں ایک شکست خوردہ ضعیف وکم زور ایک قوی اور فاتح پر غالب آجائے اور یہ غالب اور مغلوب ہوجانا سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے سب اختیار اللہ ہی کو ہے اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی جس کو چاہتا ہے وہ غالب کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مغلوب کرتا ہے غالب کو مغلوب کردینا اور مغلوب کو غالب کردینا سب اسی کے اختیار میں ہے لہٰذا کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جو شخص ایک مرتبہ مغلوب ہوگیا اور کم زور پڑ گیا وہ دوبارہ اپنے سے زیادہ قوی اور زور آور پر کیسے غالب آسکتا ہے۔

اور اس روز یعنی جب اہل روم اہل فارس پر غالب آئیں گے مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی امداد سے کہ اہل کتاب کو مشرکین کے مقابلہ میں فتح ہوئی اور خوشی کی ایک وجہ یہ ہوگی کہ اہل کتاب، دین اسلام کے قریب ہیں اور نبوت اور رسالت اور حشر ونشر اور قیامت کے قائل ہیں اور دوسری وجہ یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا صدق ظاہر ہوگا اور مشرکین ذلیل وخوار ہوں گے مسلمانوں نے مشرکین کو غلبہ روم کی خبر دی تھی تو اس کا صدق ظاہر ہونا یہ اللہ کی مدد ہے چنانچہ جس روز بدر میں مسلمانوں کو کفار مکہ پر فتح نصیب ہوئی اسی روز جبریل امین علیہ السلام نے آکر رومیوں کے فتح کی خبر دی تو مسلمانوں کی خوشی دوچند ہوگئی ایک خوشی تو جنگ بدر میں اپنے مظفر ومنصور ہونے کی تھی اور دوسری خوشی اس کے ساتھ یہ مل گئی کہ اہل کتاب (رومی) مجوس یعنی اہل فارس پر غالب آگئے اور قرآن کریم نے جو پیشین گوئی کی تھی اس کا صدق ظاہر ہوگیا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی زبردست ہے اور رحم والا ہے جس کو چاہے عزت اور غلبہ دے اور جس پر چاہے مہربانی کرے حکومت اس کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے فتح دے اور جس کو چاہے شکست دے۔

زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت من جملہ ان آیتوں کے ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ایسی بات کی خبر دی کہ جو آئندہ واقع ہوگی جس کا علم سوائے اللہ پاک کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔

ف:...... علماء تفسیر کا کثیر گروہ یہ کہتا ہے کہ غلبۂ روم کی خبر بدر کے دن آئی جیسا کہ ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خبر صلح حدیبیہ کے دن آئی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہم راہ مسلمان خوش ہوئے دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۲۶ وتفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲-۳۔

بہر حال اللہ نے وعدہ کیا ہے غلبہ روم کا یا مسلمانوں کی خوشی کا یا ان کی نصرت اور مدد کا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا ولیکن اکثر لوگ اللہ کے تصرفات کو جانتے اور سمجھتے نہیں اکثر لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر ہوتی ہے خدا پر ان کا بھروسہ نہیں ہوتا اور ایسے لوگ صرف دنیوی زندگی کی کچھ ظاہری سطح اور ظاہری زیبائش اور آرائش کو کچھ جانتے ہیں باقی دنیا کی حقیقت اور اس کے باطن کو کچھ نہیں جانتے اور یہ لوگ آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر اور بے فکر ہیں دنیا ان کے قریب ہے اور ان کی نظروں کے سامنے ہے اس لئے اس کے ظاہر سے کچھ واقف ہوگئے اور آخرت تو دور ہے اور ان کی نظروں سے اوجھل ہے اس میں تو کبھی غور وفکر بھی نہیں کرتے اس لئے آئندہ آیت ﴿أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ﴾ میں تفکر کی ترغیب دیتے ہیں کہ خیر اور کچھ نہیں تو اپنے اندر ہی غور کرلو تاکہ تم پر خدا کی قدرت واضح ہو۔

لطائف ومعارف

(۱) اس آیت یعنی ﴿غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ﴾ میں دو قراءتیں ہیں مشہور قراءت میں غلبت بصیغۂ مجہول اور ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ بصیغۂ معروف ہے اور یہی جمہور کی قراءت ہے اور گذشتہ تمام تفسیر اسی مشہور قراءت کی بنا پر تھی۔

اور ایک قراءت شاذہ میں ﴿غُلِبَتِ﴾ بصیغۂ معروف اور ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ بصیغۂ مجہول وارد ہوا ہے اور یہ قراءت پہلی قراءت کے بالکل برعکس ہے اس لئے کہ مشہور قراءت میں رومیوں کے مغلوب ہونے کا ذکر ہے اور دوسری قراءت میں رومیوں کے غالب ہونے کا ذکر ہے بظاہر دونوں قراءتیں ایک دوسرے کا بالکل عکس ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں قراتوں میں اختلاف ہے اور تفاوت ضرور ہے لیکن تناقض اور تضاد نہیں ہر قراءت میں ایک نئی بشارت کا ذکر ہے جو اپنے اپنے وقت میں ظاہر ہوئی اور پوری ہوئی۔

مشہور قراءت (یعنی ﴿غُلِبَتِ﴾ بصیغۂ مجہول اور ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ بصیغۂ معروف) پر آیت کا مطلب یہ ہے کہ رومی قریبی زمین میں اگرچہ فی الحال مغلوب ہوگئے ہیں مگر چند سال بعد رومی اہل فارس پر غالب آئیں گے اور اس روز مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اور ہماری گزشتہ تفسیر اسی قراءت مشہورہ اور متواترہ کی بنا پر تھی۔

اور دوسری قراءت شاذہ (جس میں ﴿غُلِبَتِ﴾ بصیغۂ معروف اور ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ بصیغۂ مجہول پڑھا گیا ہے) کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ رومی غالب آگئے مگر اس غالب آنے کے بعد رومی عن قریب مغلوب ہوں گے۔

پہلی قراءت میں رومیوں کے مغلوب ہونے کے بعد ان کے غالب ہونے کی خبر کا ذکر ہے اور دوسری قراءت میں رومیوں کے غالب ہونے کے بعد ان کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی ہے رومیوں کی یہ دوسری مغلوبی مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوگی جیسا کہ تفسیر ابوالسعود: ۶/ ۷۰۷ اور تفسیر بیضاوی اور حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی: ۷/ ۱۱۲ میں ہے۔

سو[1] جاننا چاہئے کہ ان دونوں قراءتوں کے معنی اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان دونوں معنی میں تناقض اور تضاد نہیں اس لئے کہ ہر قراءت میں ایک نئی چیز کی خبر دی گئی ہے اور عقلاً اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک فریق ایک زمانہ میں مغلوب ہو اور دوسرے زمانہ میں غالب ہو مشہور قراءت میں تو یہ خبر دی گئی ہے کہ رومی یعنی اہل کتاب اگرچہ ایرانیوں کے ہاتھ سے مغلوب ہوگئے ہیں مگر عن قریب چند سال میں رومی (اہل کتاب) ایرانیوں پر غالب آئیں گے اس خبر کا ظہور بدر کے دن ہوا جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی گزشتہ تمام تفسیر اسی مشہور قراءت کی بنا پر تھی یعنی جب کہ ﴿غُلِبَتِ﴾ بصیغہ مجہول اور ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ بصیغہ معروف پڑھا جاوے اور دوسری قراءت میں یعنی جب کہ ﴿غَلَبَتِ﴾ بصیغہ معروف اور ﴿سَيُغْلَبُوْنَ﴾ بصیغہ مجہول پڑھا جاوے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ رومی غالب آئے مگر اس غالب آنے کے بعد رومی مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے یعنی مسلمان ان پر غالب ہوں گے اس قراءت میں مسلمانوں کا روم پر فتح یاب ہونے کا ذکر ہے کہ مسلمان عن قریب

---

[1] یہاں سے لے کر اخیر تک تمام کلام حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ازالۃ الخفا سے ماخوذ ہے۔

روم کو فتح کرلیں گے اور اس پر غلبہ پاویں گے یہ دوسری بشارت ہے جس کا اسی قراءت میں ذکر ہے اور یہ بشارت آنحضرت ﷺ کے زمانہ سعادت میں واقع اور ظاہر نہیں ہوئی بلکہ شیخین (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کے زمانہ سعادت میں واقع اور ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ خلیفہ دوم یعنی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پورا ہوا مشہور قراءت میں جس پیشین گوئی کا ذکر تھا وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سعادت میں پوری ہوئی اور قراءت شاذہ میں جس پیشین گوئی کا ذکر ہے وہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پوری ہوئی۔

بہرحال آیت میں دو قراءتیں ہیں اور ہر قراءت میں نئی بشارت کا ذکر ہے پہلی بشارت یعنی رومیوں کا اہل فارس پر غلبہ یہ بشارت بدر کے دن پوری ہوئی اور دوسری بشارت یعنی رومیوں کا مسلمانوں کے ہاتھ مغلوب ہونا یہ بشارت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پوری ہوئی کہ مسلمان، رومیوں اور فارسیوں پر بیک وقت غالب آئے اور اللہ کی ہر خبر اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوئی غرض یہ کہ چندروز بعد دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں اور ہر پیشین گوئی آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل تھی کہ مسلمان بے سروسامانی تھے مگر قیصر وکسریٰ جیسی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

تنبیہ:......ان دو مختلف قراتوں میں یہ تطبیق وتوفیق جو ہم نے ہدیہ ناظرین کی ہے وہ سب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ کے کلام کی تشریح ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفا میں ذکر کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ آیت میں دو قراءتیں ہیں اور ہر قراءت میں ایک نئی پیشین گوئی کا ذکر ہے اور ہر پیشین گوئی قرآن کریم کے من جانب اللہ تعالیٰ ہونے کی بھی دلیل ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی بھی دلیل ہے کہ بغیر وحی الٰہی کے اس قسم کی پیشین گوئی ناممکن اور محال ہے۔

چنانچہ علاء بن زبیر کلابی اپنے باپ، زبیر کلابی سے راوی ہیں کہ میرے باپ زبیر نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ یہ تینوں غلبے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اول بار فارس کا غلبہ روم پر دیکھا دوسری بار روم کا غلبہ فارس پر دیکھا تیسری بار مسلمانوں کا غلبہ روم اور فارس دونوں پر دیکھا اور یہ سب کچھ پندرہ سال کے اندر اندر ہوا رواہ ابن ابی حاتم دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۴۲۶/۳۔

(۲) ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ کا مطلب [1] یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری آرائش اور آسائش کو دیکھ کر مفتون ہو گئے اور اصل حقیقت کا ان کو علم نہیں یہ دنیا ایک ایسی چڑیل بڑھیا کے مشابہ ہے جس کو ریشمی لباس پہنا کر بٹھا دیا گیا ہے اور منہ پر نقاب ڈال دیا گیا ہے جب نقاب اٹھا کر دیکھو گے تب حقیقت معلوم ہوگی۔

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد ۔۔۔ چوں باز کنی مادر مادر باشد

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

عار فے خواب رفت در فکرے ۔۔۔ دید دنیا بصورت بکرے

کرد از وے سوال کا ے دلبر ۔۔۔ بکر چونی بایں ہمہ شوہر

[1] ماخوذ از هم الآخرۃ ص۳۰ وعظ ہم از سلسلہ البلاغ۔

گفت یک حرف باتو گویم راست   کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست
وآں کہ نامرد بود خواست مرا   زاں بکارت ہمیں بجاست مرا

(۳) اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ روم مغلوب ہونے کے بعد عن قریب پھر اہل فارس پر غالب آئیں گے لوگوں نے اس پیشین گوئی کو عجیب سمجھا اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ ان لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر ہے اور مسبب الاسباب سے غافل ہیں اس لئے جب وہ اس قسم کی پیشین گوئیاں سنتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ ہر چیز کا اصلی سبب حق تعالیٰ کا ارادہ ہے وہی فتح و نصرت کا مالک ہے اس لئے وعدہ میں تخلف ممکن نہیں اس لئے اخیر سورت تک دلائل قدرت کو بیان کیا تا کہ ان دلائل قدرت میں غور کریں اور ہوش میں آ جائیں کہ سب کچھ اللہ ہی کی قدرت اور اختیار میں ہے عزت اور غلبہ ذلت اور مغلوبی سب اس کے اختیار میں ہے لہٰذا مسلمانوں کے اس وقتی فقر اور درویشی کو دیکھ کر مسلمانوں کو حقیر نہ سمجھیں اہل اسلام کو اس وقت ابتلاء کی منزل سے گزارا جا رہا ہے جیسا کہ گزشتہ سورت میں گزرا ﴿الۗمّۗ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾ عن قریب یہی درویشان اسلام قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے کچے صحن میں بیٹھ کر تقسیم کریں گے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ

کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں کہ اللہ نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے سو ٹھیک

کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں ؟ اللہ نے جو بنائے آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ ہے، سو ٹھیک

وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي

سادھ کر اور وعدہ مقرر پر ف۱ اور بہت لوگ اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے ف۲ کیا انہوں نے سیر نہیں کی

سادہ کر اور ٹھہرے وعدہ پر۔ اور بہت لوگ اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے۔ کیا پھرے نہیں

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً

ملک کی جو دیکھیں انجام کیسا ہوا ان سے پہلوں کا ان سے زیادہ تھے زور میں

ملک میں ؟ جو دیکھیں آخر کیسا ہوا ان سے اگلوں کا ؟ ان سے زیادہ تھے زور میں،

وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا

اور جوتا انہوں نے زمین کو اور بسایا اس کو ان کے بسانے سے زیادہ اور پہنچے ان کے پاس رسول ان کے لے کر کھلے حکم ف۳ سو

اور زمین اٹھائی اور بسائی، ان کے بسانے سے زیادہ، اور پہنچے ان کے پاس رسول ان کے لے کر کھلے حکم۔ اور

ف۱ یعنی عالم کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے بے کار پیدا نہیں کیا۔ کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرت میں نظر آئے گا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی لیکن اس کے تغیرات و احوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہو گا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائے گا۔

ف۲ وہ سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب و کتاب دینا پڑے۔

ف۳ یعنی بڑی بڑی طاقت ور قومیں (عاد و ثمود) جنہوں نے زمین کو بو، جوت کر لالہ و گلزار بنایا، اسے کھود کر چشمے اور کانیں نکالیں، ان منکرین سے بڑھ کر تمدن کو ترقی =

كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ

اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنا آپ برا کرتے تھے ف۱ پھر ہوا انجام برا کرنے والوں کا

اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا، لیکن وہ اپنا آپ برا کرتے تھے۔ پھر ہوا آخر برا کرنے والوں کا

اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ ع

برا اس واسطے کہ جھٹلاتے تھے اللہ کی باتیں اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے ف۲ اللہ بناتا ہے پہلی بار پھر

برا، اس پر کہ جھٹلائیں باتیں اللہ کی، اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے۔ اللہ بناتا ہے پہلی بار، پھر

يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ

اس کو دہرائے گا پھر اسی کی طرف پھر جاؤ گے اور جس دن برپا ہوگی قیامت آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار اور نہ ہوں گے

اس کو دہرائے گا، پھر اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔ اور جس دن اٹھے گی قیامت آس ٹوٹے رہ جائیں گے گنہگار۔ اور نہ ہوں گے

لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

ان کے شریکوں میں کوئی ان کی سفارش والے، اور وہ ہوجائیں گے اپنے شریکوں سے منکر ف۳ اور جس دن اٹھے گی قیامت،

ان کے شریکوں میں کوئی ان کے سفارش کرنے والے اور وہ ہوجائے گا اپنے شریکوں سے منکر اور جس دن قائم ہوگی قیامت

يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝

اس دن لوگ ہوں گے قسم قسم ف۴ سو جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام سو باغ میں ہوں گے ان کی آؤ بھگت ہوگی ف۵

اس دن بھانت بھانت ہوں گے۔ سو جو یقین لائے، اور کئے بھلے کام، سو باغ میں ہیں، ان کی آؤ بھگت ہوتی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝

اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں اور ملنا پچھلے گھر کا سو وہ عذاب میں پکڑے آئیں گے

اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں اور ملنا پچھلے گھر کا، سو شتاب میں پکڑے آئے ہیں۔

= دی، لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا۔ وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر کھلے نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو کیا نہیں سنا کہ انجام کیا ہوا کس طرح تباہ و برباد کئے گئے۔ ان کے ویران کھنڈر آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں۔ کیا ان میں ان بے فکروں کے لئے کوئی عبرت نہیں۔

ف۱ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان نہیں۔ ہاں یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں۔ جن کا نتیجہ بربادی ہو تو یہ اپنی جان پر ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے عدل و رحم کی کیفیت تو یہ ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدون پوری طرح ہوشیار کئے کسی کو پکڑتا بھی نہیں۔

ف۲ وہ نتیجہ تو دنیا میں دیکھا تھا پھر آخرت میں تکذیب و استہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ موجودہ اقوام کو چاہیے کہ گزشتہ قوموں کے احوال سے عبرت پکڑیں کیونکہ ایک قوم کو جن باتوں پر سزا ملی سب کو وہی سزا مل سکتی ہے۔ سب کی فنا بھی ایک کی فنا ہے سمجھو اور سب کی سزا بھی ایک کی سزا ہے۔

ف۳ یعنی جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے جب وقت پر کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ "واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔" (خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے)

ف۴ یعنی نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچا دیئے جائیں گے۔ جس کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔

ف۵ یعنی انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت و سرور سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ یہ نیکوں کا ٹھکانہ ہوا۔ آگے بدوں کی جگہ بتلائی ہے۔ مطلب =

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

سو پاک اللہ کی ذات ہے، جب شام کرو اور صبح کرو۔ اور اسی کی خوبی ہے آسمان و زمین میں،

سو پاک اللہ کی یاد کرو جب شام کرو اور جب صبح کرو اور اسی کی خوبی ہے آسمان میں اور زمین میں

وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ وَيُحۡىِ

اور پچھلے وقت اور جب دوپہر ہو ف۱ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے

اور پچھلے وقت اور جب دوپہر ہو۔ نکالتا ہے جیتا مردے سے، اور نکالتا ہے مردہ جیتے سے، اور جلاتا ہے

الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ

زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے ف۲ اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب

زمین کو اس کے مرے پیچھے۔ اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے، پھر اب

اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا

تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے ف۳ اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو

تم انسان ہو پھیل پڑے۔ اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ بنا دیئے تم کو تمہاری قسم سے جوڑے، کہ چین پکڑو

= یہ ہے، کہ دونوں میں ایسی تفریق اور جدائی کر دی جائے گی جس سے بڑھ کر کوئی جدائی نہیں ہو سکتی۔

ف۱ یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے۔ نماز میں تینوں قسم کی یاد جمع کر دی گئی۔ اور اوقات فرض نماز کے یہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے۔ یعنی صبح، شام، (جس میں مغرب و عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دوپہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب عالم اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے عالم اسباب میں شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو (جیسا کہ ارض الجنوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اسے اپنا معبود اکبر قرار دیا تھا جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول "هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ" میں اشارہ ہے۔ اس کے عجز و بے چارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دوپہر ڈھلنے پر جب کہ اس کے عرض میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جب کہ اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آ گیا اور غروب کے بعد جب اس کی نورانی شعاعوں کے اتصال سے اس کے پجاری محروم ہو گئے۔ پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہو گئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی افق پر باقی نہ رہے۔ ان اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں۔ اور شروع صلوٰۃ ہی میں "اللہ اکبر" کہہ کر اس موحد اعظم (ابراہیم خلیل اللہ) کی اقتداء کرتے رہیں۔ جس نے "هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ" کے بعد فرمایا تھا ﴿اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴾ (انعام۔ رکوع ۹) شاید آیت ہذا میں ﴿وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ فرما کر یہی یاد دلایا ہے کہ تسبیح و تنزیہ اور یاد کرنے کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبان حال و قال سے بیان کر رہی ہے کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آگے اسی خدائے اکبر کی بعض شئون عظیمہ اور صفات کاملہ کا بیان ہے تا کہ معبودیت کا استحقاق اور زیادہ واضح ہو جائے اسی ضمن میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ف۲ یعنی انسان کو نطفہ سے، نطفہ کو انسان سے، جانور کو بیضہ سے اور بیضہ کو جانور سے، مومن کو کافر سے، کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے اور زمین جب خشک ہو کر مر جاتی ہے تو رحمت کے پانی سے پھر زندہ کر کے سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔ غرض موت و حیات حقیقی ہو یا مجازی، حسی ہو یا معنوی، سب کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر تم کو زندہ کر کے قبروں سے نکال کھڑا کرنا اس کے نزدیک کیا مشکل ہوگا۔

ف۳ یعنی آدم کو مٹی سے بنایا، پھر دیکھو قدرت نے اسے پھیلایا کہ ساری زمین پر اس کی ذریت چھا گئی اور زمین میں پھیل کر کیسی کیسی عجیب و غریب ہشیاریاں =

إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝٢١ وَمِنْ

ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں ف۱ اور اس کی

اس کے پاس، اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہر، اس میں بہت پتے ہیں ان کو جو دھیان کرتے ہیں۔ اور اس کی

اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ اس میں بہت نشانیاں ہیں

نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور بھانت بھانت بولیاں تمہاری، اور رنگ۔ اس میں بہت پتے ہیں

لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝٢٢ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

سمجھنے والوں کو ف۲ اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات میں اور دن میں تلاش کرنا اس کے فضل سے ف۳ اس میں بہت

بوجھنے والوں کو۔ اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات میں اور دن میں اور تلاش کرنی اس کے فضل سے۔ اس میں بہت

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝٢٣ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ

پتے ہیں ان کو جو سنتے ہیں ف۴ اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہے تم کو بجلی ڈر اور امید کے لیے ف۵ اور اتارتا ہے آسمان سے

پتے ہیں ان کو، جو سنتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ دکھاتا ہے تم کو بجلی، ڈر اور امید، اور اتارتا ہے آسمان سے

مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٢٤ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ

پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اس میں بہت پتے ہیں ان کے لیے جو سوچتے ہیں ف۶ اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ

پانی، پھر جلاتا ہے اس سے زمین کو مر گئے پیچھے۔ اس میں بہت پتے ہیں ان کو، جو بوجھتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ

= اس مٹی کے پتلے نے دکھلائیں۔

ف۱ یعنی اول مٹی سے ایک آدم کو پیدا کیا پھر اسی کے اندر سے اس کا جوڑا نکالا تا کہ اس سے انس اور چین پکڑے اور پیدائشی طور پر دونوں صنفوں (مرد وعورت) کے درمیان خاص قسم کی محبت اور پیار رکھ دیا۔ تا کہ مقصود ازدواج حاصل ہو۔ چنانچہ دونوں کے میل جول سے نسل انسانی دنیا میں پھیل گئی۔ کما قال تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً﴾۔

ف۲ سب انسان ایک ماں باپ سے بنائے، ملا کر بسائے، پھر تمام روئے زمین پر ان کو پھیلا دیا۔ سب کی جدا جدا بولیاں کر دیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر زبان کے اعتبار سے محض اجنبی ہو گیا۔ پھر دیکھو شروع دنیا سے آج تک کتنے بے شمار آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب ولہجہ، تلفظ، طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی کی شکل وصورت اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز ہے، آواز اور لب ولہجہ بھی بالکل الگ ہے کوئی دو شخص ایسے نہ ملیں گے جن کی آواز اور رنگ، روپ میں کوئی مابہ الامتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی نئی صورتیں اور بولنے کے نئے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ حقیقت میں یہ کتنا بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں بدلی جاتی ہیں، سویا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہوشیار کوئی نہیں۔ اصل تو رات ہے سونے کو اور دن تلاش کو، پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔

ف۴ یعنی جو سن کر محفوظ رکھتے ہیں۔ کما فی تفسیر ابن کثیر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اپنے سونے کا احوال نظر نہیں آتا۔ سو لوگوں کی زبانی سنتے ہیں۔" (موضح) یہ لفظ "یسمعون" اختیار کرنے کا نکتہ ہوا۔

ف۵ بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈرتے ہیں کہیں کسی پر گر نہ پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے جان ومال تلف ہوں۔ اور امید بھی رکھتے ہیں کہ بارش ہو تو =

تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ

کھڑا ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے ف۱ پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین میں سے اسی وقت تم

کھڑا ہے آسمان و زمین اس کے حکم سے۔ پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار، زمین میں سے، تبھی تم

تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا

نکل پڑو گے ف۲ اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں سب اس کے حکم کے تابع ہیں ف۳ اور وہ ہی ہے جو پہلی بار

نکل پڑو گے۔ اور اسی کے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں۔ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ اور وہی ہے جو پہلی بار

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا اور وہ آسان ہے اس پر ف۴ اور اس کی شان سب سے اوپر ہے آسمان اور زمین میں

بناتا ہے اور پھر اس کو دہرائے گا، اور وہ آسان ہے اس پر۔ اور اس کی کہاوت سب سے اوپر، آسمان و زمین میں۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع ۸

اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ف۵

اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا۔

ذکر دلائل قدرت وعظمت برائے اثبات الوہیت واثبات قیامت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ... الی ... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

= دنیا کا کام چلے۔ مسافر کبھی اندھیرے میں اس کی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے کہ دور تک راستہ نظر آ جائے۔ اور کبھی خوف کھا کر گھبراتا ہے۔

ف۶ یعنی اسی سے سمجھ لو کہ مرے پیچھے تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

ف۱ پہلے آسمان و زمین کا پیدا کرنا مذکور ہوا تھا یہاں ان کے بقاء و قیام کو بتلایا کہ وہ بھی اسی کے حکم سے ہے مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکز ثقل سے ہٹ جائے۔ یا ایک دوسرے پر گر کر نظام کائنات کو درہم برہم کر دے۔

ف۲ یعنی زمین و آسمان جب تک اس کا حکم ہے قائم رہیں گے۔ پھر جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے نکلے چلے آؤ گے میدان حشر کی طرف۔

ف۳ یعنی آسمان و زمین کے رہنے والے سب اسی کے مملوک بندے اور اسی کی رعیت ہیں کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم تکوینی سے سرتابی کر سکے۔

ف۴ یعنی قدرت الٰہی کے سامنے تو سب برابر ہیں لیکن تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اول بار پیدا کرنے سے دوسری بار دوہرا دینا آسان ہونا چاہیے پھر یہ عجیب بات ہے کہ اول پیدائش پر اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو مستبعد سمجھو۔

ف۵ یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات اور اونچی شان اس کی ہے۔ آسمان و زمین کی کوئی چیز اپنے حسن وخوبی میں اس کی شان وصفت سے لگاؤ نہیں کھا سکتی۔ مساوی ہونا تو کجا، وہ تو اس سے بھی بالا و برتر ہے جہاں تک مخلوق اس کے جلال و جمال کا تصور کر سکتی ہے۔ بلکہ جو خوبی کسی جگہ موجود ہے وہ اسی کے کمالات کا ادنیٰ پرتو ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "آسمان کے فرشتے نہ کھائیں نہ پئیں نہ حاجت بشری رکھیں، سوائے بندگی کے کچھ کام نہیں۔ اور زمین کے لوگ سب چیز میں آلودہ۔ پر اللہ کی صفت نہ ان سے ملے نہ ان سے، وہ پاک ذات ہے" (موضح)۔ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ؛ و ز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر ؛ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم۔ وللہ در من قال۔

اے بروں از وہم و قال و قیل من ؛ خاک بر فرق من و تمثیل من

ربط:...... گزشتہ آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا کہ جو دنیا کی ظاہری زیبائش اور آرائش پر فریفتہ ہیں اور آخرت سے غافل ہیں اب آئندہ آیات میں غافلان آخرت کی تنبیہ کے لئے آیات قدرت کو ذکر کرتے ہیں جن کے ذکر سے الوہیت اور وحدانیت کا بھی ثابت کرنا ہے اور قیامت اور جزاء اور سزا کا بھی ثابت کرنا ہے تا کہ منکرین آخرت کو ایمان اور کفر کا مآل معلوم ہو جائے نیز ان دلائل قدرت میں غور کر کے سمجھ جائیں کہ یہ اسباب ظاہری اعتماد اور بھروسہ کے لائق نہیں۔

اخیر سورت تک آیات قدرت کا ذکر چلا گیا ہے اور ان دلائل قدرت میں چھ جگہ لفظ آیت استعمال کیا گیا ہے جس کا منتہی ﴿إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ﴾ ہے اور ان دلائل قدرت [1] کا آغاز انسان کی پیدائش سے کیا پھر عالم علوی اور عالم سفلی کی پیدائش کو بیان کیا اس لئے کہ کائنات عالم سے نفع اٹھانے والا وہ انسان ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان لوگوں نے جو دنیا کے ظاہر پر فریفتہ ہیں اور آخرت سے غافل ہیں اپنے ضمیر میں اور دل میں یہ نہیں سوچا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو نہیں پیدا کیا مگر حکمت کے ساتھ عالم کی ہر چیز حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے کوئی کھیل اور تماشا نہیں اور فقط ایک مدت معینہ اور وقت مقرر تک کے لئے یعنی آسمان و زمین ایک مدت معینہ کے لئے پیدا کئے گئے اس مدت کے گزرنے کے بعد ان کو فنا کر دیا جائے گا ان کا وجود دائمی نہیں لہٰذا منکرین توحید اور منکرین نبوت اور منکرین قیامت کو ہوش میں آ جانا چاہئے کہ وہ فنا سے بچ نہیں سکتے۔ (شیخ زادہ: ۲۱/۴)

اگر یہ لوگ خدا کی قدرت کی نشانیوں میں تفکر کرتے تو اسباب ظاہری پر اعتماد نہ کرتے بلکہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کرتے غرض یہ کہ الی اجل مسمی کے قید سے یہ بتلا دیا کہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں ازلی اور ابدی نہیں بلکہ ایک مدت معینہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اس کے بعد ان کو فنا کر دیا جائے گا پس اب حشر و نشر میں اور خدا کے سامنے پیش ہونے میں کیا شبہ رہا اور تحقیق بہت سے لوگ جو دنیا کے علم کے مدعی ہیں وہ خدا کے سامنے پیش ہونے کے منکر ہیں اور ان کا یہ انکار غفلت عن الآخرۃ اور عدم تفکر پر مبنی ہے کیا یہ شیدایان آرائش دنیا اور غافلان آخرت زمین میں پھرے نہیں اور کیا اثنائے سفر میں عاد اور ثمود کی بستیوں پر سے نہیں گزرے پس دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر گئے کہ انکار نبوت اور انکار آخرت کی وجہ سے کیسے تباہ اور برباد ہوئے وہ لوگ ان لوگوں سے قوت میں بہت زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ جوتا یعنی ان سے زیادہ کھیتی باڑی کی اور ہل چلائے اور زراعت کو ترقی دی وہ لوگ زرعی ترقیات میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے اور ان لوگوں نے ان سے زیادہ زمین کو آباد کیا جتنا کہ ان لوگوں نے آباد کیا ان گزشتہ کافروں نے دنیا کی آرائش اور زیبائش میں اور زرعی اور تعمیری ترقی میں ان موجودہ کافروں سے زیادہ کوششیں صرف کیں اور انہی لوگوں کے پاس اللہ کے رسول معجزات لے کر آئے اور ان کو آخرت کی دعوت دی مگر وہ لوگ دنیا کی ظاہری آرائش و زیبائش

[1] قال الصاوی فی حاشیته علی تفسیر الجلالین قوله تعالیٰ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ﴾ الخ شروع فی ذکر جملة من الآیات الدالة علی وحدانیته سبحانه وتعالیٰ وذکر لفظ من آیات مستمرات تنتهی عند قوله ﴿إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ﴾ وابتداءها بذکر خلق الانسان ثم بخلق العالم علویا وسفلیا اشارة ان الانسان هو المنتفع بها والحکمة فی ذکر تلك الآیات لیهتدی من اراد الله هدایته وتقوم الحجة علی من لم یهتد (حاشیة الصاوی: ۲۴۶/۳)

پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ رسول کے اور اہل ایمان کے دشمن ہو گئے بالآخر عذاب الٰہی سے تباہ اور برباد ہوئے پس اس ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے کہ خدا کے رسولوں کا مقابلہ کیا اور اس پر قائم رہے اور اس جرم کی پاداش میں ہلاک ہوئے پھر ان بدکاروں کا انجام بھی بہت ہی برا ہوا بروں کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے استہزاء اور تمسخر کا درجہ تکذیب اور انکار سے بڑھ کر ہے اور یہ استہزا ان کی عادت بن گئی تھی۔

ذکر مبدأ ومعاد برائے تہدید اہل عناد

اب آئندہ آیات میں غافلان آخرت اور منکرین قیامت کی تہدید کے لئے مبدا ومعاد کا ذکر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا پھر تم سب حساب وکتاب کے لئے اسی کی جانب لوٹائے جاؤ گے تاکہ اس روز اپنے برے انجام کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو اور تم کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے تمام اعمال محض جرم تھے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز یہ تمام مجرم ناامید اور حیرت زدہ رہ جائیں گے اس لئے کہ جرم ثابت ہو جائے گا اور انکار کی مجال نہ ہوگی اور حجت منقطع ہو جائے گی اور ان کے خود ساختہ شریکوں میں سے جن کو انہوں نے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا ان میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا یہ کافر دنیا میں یہ کہا کرتے تھے کہ یہ شرکاء ہماری شفاعت کریں گے اس دن ظاہر ہو جائے گا کہ جن کو ہم نے شرکا سمجھا تھا وہ مجبور محض ہیں الوہیت کا ان میں نام ونشان بھی نہیں اور بلکہ اس وقت یہ مشرکین خود اپنے شرکاء کے منکر ہو جائیں گے اور ان سے بری اور بیزار ہو جائیں گے کما قال تعالیٰ ﴿قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز متفرق ہو جائیں گے ہر فریق دوسرے فریق جیسا ہو جائے گا ایک گروہ اعلیٰ علیین کی طرف جائے گا اور ایک گروہ اسفل السافلین کی طرف۔

یکے خنداں بصد عشرت یکے نالاں بصد عسرت
یکے در راحت وصلت یکے در شدت ہجراں

اہل جنت، اہل جہنم سے جدا کر دیئے جائیں گے پس جو لوگ دنیا میں ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کئے تو وہ لوگ باغ جنت میں ایسے مسرور ہوں گے کہ سرور کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہوگا اور جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا اور ہماری قدرت کی نشانیوں کو یا قرآن کی آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا ایسے پابجولاں عذاب میں حاضر کئے جائیں گے اس طرح اہل سعادت اہل شقاوت سے جدا ہو جائیں گے اس امتیاز کا دارومدار ایمان اور کفر ہے۔

فائدہ:...... جمہور علماء تفسیر کے نزدیک ﴿فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ﴾ سے جنت کی خوش حالی مراد ہے۔

اور یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے خوش الحانی کے ساتھ تسبیح وتحمید اور تہلیل کا سماع مراد ہے جس کو سن کر اہل جنت مسرور ہوں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اہل جنت کو میری تسبیح وتحمید وتہلیل کا گیت سناؤ پس فرشتے ایسی خوش الحانی کے ساتھ اللہ کی تسبیح وتحمید کا گیت سنادیں گے کہ کسی سننے والے کے کان نے کبھی نہ سنا ہوگا اور

فرشتوں کو یہ حکم ہوگا کہ میری تسبیح وتحمید کا گیت ان لوگوں کو سناؤ جنہوں نے دنیا میں اپنے کانوں کو شیطانی باجوں سے محفوظ رکھا تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی: ۱۴ / ۱۲ دیکھیں اور تفسیر مظہری: ۷ / ۲۴۳ دیکھیں۔

مسئلہ:...... کسی خوش الحان سے اللہ کی تسبیح وتحمید کا سماع یا کسی ایسے اشعار کا سماع جو یاد آخرت میں ممد ہوں وہ جائز ہے بشرطیکہ وہ خوش الحان اور غزل خواں اجنبی عورت یا کم سن لڑکا نہ ہو اور بشرطیکہ طبلہ اور سارنگی نہ ہو اس لئے کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے غزل کا تو ذکر ہی کیا ہے اور طبلہ اور سارنگی اور اس قسم کے گانے بجانے کے آلات، تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں حرام رہے ہیں البتہ اگر کسی کی بیوی خوش الحان ہو تو فقط اس کو اپنی بیوی کا سماع جائز ہے بشرطیکہ وہ خلوت اور تنہائی میں ہو اور کوئی نامحرم مرد اور نامحرم عورت وہاں موجود نہ ہو اور جو سماع قواعد شریعت کے تحت جائز ہو اس کے متعلق حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ فتویٰ ہے۔

"زندہ دلاں مردہ تناں را رواست
مردہ دلاں زندہ تناں را خطا ست"

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بگویم سماع اے برادر کہ چیست مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گراں برج معنی بود طیراو فرشتہ فرو ماند از سیر او
دگر مرد لہوست وبازی دلاغ قوی تر شود لہوش اندر دماغ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سماع کی حقیقت جب بیان کروں کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ مستمع (سننے والا) کون ہے آیا وہ سماع کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں اگر بوقت سماع، مستمع کا مرغ روح عالم بالا کی طرف ایسی پرواز کرے کہ جہاں تک پہنچنے سے فرشتہ بھی عاجز ہو جائے تو اس کا حکم دوسرا ہے یہ شخص سماع کا اہل ہے اور نا اہل وہ ہے کہ سماع سے اس کے لہو ولعب اور نفسانیت میں اور اضافہ اور ترقی ہو جائے تو ایسا سماع بلاشبہ حرام ہے خاص کر جب کہ گانے والی کوئی خوبصورت عورت ہو یا کوئی حسین لڑکا ہو اور طبلہ اور سارنگی بھی ہو اور شیرینی اور مٹھائی کی ٹوکریاں بھی ہوں اور طبلہ بجانے والی چھوکریاں بھی ہوں تو اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قیامت کے دن ہر فریق کو دوسرے فریق سے ممتاز اور جدا کر دیا جائے گا دنیا میں اہل سعادت اور اہل شقاوت مخلوط تھے دنیا میں فریقین کا امتیاز ایمان اور کفر تھا مگر ظاہری طور پر مجتمع تھے آخرت میں بھی اول سب مجتمع ہوں گے پھر سب کو الگ الگ کر دیا جائے گا اہل سعادت منزل سعادت میں چلے جائیں گے اور اہل شقاوت منزل شقاوت میں چلے جاویں گے اور اہل سعادت کی صفت ایمان اور عمل صالح ہے اور من جملہ اعمال صالحہ کے محبوب ترین عمل اللہ کے نزدیک تسبیح وتحمید ہے اسی سے جنت میں اہل سعادت کو تسبیح وتحمید کا گیت سنایا جائے گا اس لئے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کو بیان کرتے ہیں جب تم کو اللہ کی کمال قدرت اور مبدأ و معاد کا علم ہو گیا تو تم نعمت ایمان کے شکر میں اللہ کی تسبیح وتحمید میں لگے رہو یعنی اس کی تنزیہہ وتقدیس بیان کرتے رہو کہ وہ خداوند قدوس جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور جس نے ہم کو

ایمان اور عمل صالح کی توفیق عطا کی وہ تمام عیبوں سے پاک اور منزہ ہے غرض یہ کہ تم ہر وقت اللہ کی تسبیح وتحمید میں لگے رہو خاص کر شام کے وقت میں اور صبح کے وقت میں یہ دونوں وقت اللہ کے خاص انوار وتجلیات کے ہیں اور اللہ ہی کے لئے حمد وثنا ہے آسمانوں میں اور زمین میں اخیر دن میں اور جس وقت کہ تم (ظهیره) دوپہر کے وقت میں داخل ہوتے ہو ان اوقات میں خدا کا ذکر اور اس کی تسبیح وتحمید عذاب دوزخ سے رہائی کا ذریعہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم کو آسمان اور زمین کی پیدائش سے اللہ کی قدرت اور عظمت کا علم ہو گیا تو پھر صبح وشام اس کی تسبیح وتحمید اور تقدیس وتمجید میں لگے رہو ظاہری اسباب پر بھروسہ مت کرو حق عبودیت تو یہ ہے کہ بندہ کسی وقت بھی اللہ کی تسبیح وتحمید سے غافل نہ ہو لیکن صبح وشام اور دوپہر اور سہ پہر کے وقت خاص طور پر تسبیح وتحمید کا اہتمام ضروری ہے کہ ان اوقات میں خاص طور پر اللہ کی قدرت اور عظمت کے آثار خوب ظاہر ہوتے ہیں اس لئے ان اوقات میں خاص طور پر تسبیح کیا کرو نیز ان اوقات میں اللہ کی نعمتوں کا بھی خاص طور پر ظہور ہوتا ہے اس لئے ان اوقات میں بھی تسبیح وتحمید مناسب ہوئی پس اگر تم ان اوقات میں تسبیح وتحمید کرتے رہے تو تمہارا حشر اہل سعادت کے زمرہ میں ہوگا اور جنت کے باغوں میں تم کو حبور اور سرور نصیب ہوگا۔

جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں جب کہ پانچ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں اس لئے ان آیات میں مطلق تسبیح وتحمید مراد ہے کہ ان اوقات مذکور میں خاص طور پر اللہ کی تسبیح وتحمید کا اہتمام کریں اس وقت تک چونکہ پانچ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں اس لئے اوقات مذکورہ میں اللہ کی تسبیح وتحمید کافی تھی جس کی کوئی تعداد معین نہ تھی اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان اوقات مذکورہ سے نماز پنج گانہ مراد ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۴ وروح المعانی: ۲۱/۲۵۔

﴿حِيْنَ تُمْسُوْنَ﴾ سے مغرب اور عشا کی نماز مراد ہے اور ﴿حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ سے صبح کی نماز مراد ہے اور عشیا سے نماز عصر مراد ہے اور ﴿حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ سے نماز ظہر مراد ہے غرض یہ کہ اس آیت میں نماز کے اوقات پنج گانہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿عَشِيًّا﴾ کا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے آخر روز سے کیا ہے اور شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ نے تیسرے پہر سے اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے پچھلے وقت سے کیا ہے اس لئے عشیا سے عصر کی نماز مراد لینا صحیح اور درست ہے۔

اور ان تینوں ترجموں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ عصر کا وقت تیسرے مثل سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کیونکہ عرف میں آخرت روز اور پچھلا وقت اور تیسرا پہر کا لفظ تو تیسرے ہی مثل پر صادق آتا ہے جو دن کا آخری حصہ ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے ﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ﴾ بظاہر اس آیت میں وجہ النہار سے صبح کی نماز کا وقت مراد ہے اور آخر النہار سے عصر کی نماز کا وقت مراد ہے جو دن کا آخری حصہ ہے۔

بہر حال اس آیت یعنی ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ کی تفسیر میں دو قول ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ آیت میں عام اور مطلق تسبیح وتحمید کی تلقین وترغیب مراد ہے کہ اوقات مذکورہ میں تسبیح وتحمید کرنی چاہئے اسی قول کو امام رازی رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا اس لئے کہ اس سے پہلے آیت ﴿فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ﴾ میں نعمائے جنت کا ذکر ہے جو ہر لحہ تسبیح وتحمید سے معمور اور منور ہے اس لئے مناسب ہے کہ آیت کو مطلق تسبیح وتحمید کے حکم پر محمول کیا جائے اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے دیکھو تفسیر روح المعانی: ۲۱/ ۲۵۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں نماز پنج گانہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے دیکھو تفسیر روح المعانی: ۲۱/ ۲۵۔

اور دوسرا قول پہلے قول کے منافی نہیں اس لئے کہ نماز کا افتتاح بھی تسبیح وتحمید سے ہوتا ہے۔ سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك... الی اخرہ لہٰذا نماز کی تسبیح وتحمید بھی عام تسبیح وتحمید میں داخل ہے اس لئے کہ عام میں خاص بھی داخل ہوتا ہے۔

ذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

بہر حال اور بہر تقدیر حق تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہنا چاہئے اخروی سعادت اور شقاوت کا دار ومدار اسی پر ہے اور وہ بلاشبہ اسی کا مستحق ہے اور خداوند قدوس کی قدرت کا عجیب حال ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جیسے نطفہ سے انسان کو اور بیضہ سے چوزہ کو اور مردہ کو یعنی بے جان کو زندہ سے نکالتا ہے جیسے انسان سے نطفہ اور مرغی سے بیضہ اور ہزاروں حشرات الارض کا یک لخت زمین سے وجود میں آتے رہنا اور پھر ان کا مٹی میں مل جانا اور خاک ہو جانا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اور زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے یعنی وہ نباتات سے ہری بھری ہو جاتی ہے پس قیامت میں یہی ہوگا اور قیامت کے دن اسی طرح تم زندہ کر کے زمین سے نکالے جاؤ گے انسان صبح کے وقت نیند سے بیداری کی طرف نکلتا ہے حدیث میں ہے کہ النوم اخو الموت نیند موت کا بھائی ہے اور بیداری زندگی کے مشابہ ہے تو صبح کے وقت نیند سے بیداری کی طرف نکلنا گویا کہ موت سے حیات کی طرف نکلنا ہے اور عشاء کے بعد سو جانا یہ زندگی سے مردگی کی طرف نکلنا ہے۔ لہٰذا صبح کی بیداری اور عشا کے بعد کی نیند یہ موت سے حیات کی طرف اور حیات سے موت کی طرف نکلنے کا نمونہ ہے جس کا انکار ناممکن ہے لہٰذا اس کے مماثل پیش آنے والے واقعہ کا کیوں انکار کرتے ہو اور کیوں اس کو محال بتاتے ہو لہٰذا اس انکار اور اصرار کو چھوڑ و اور خدا کی آیات قدرت پر نظر ڈالو صبح وشام اور دوپہر اور سہ پہر کے وقت میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور ہوتا ہے اور ان اوقات میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی ظہور ہوتا ہے لہٰذا ان وقتوں میں خاص طور پر تسبیح وتحمید کا اہتمام کرو تا کہ قیامت کے دن تم کو کام آئے اس لئے اب آئندہ آیات میں دوبارہ زندگی کے اثبات کے لئے دلائل قدرت بیان کرتے ہیں اور ان سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ تسبیح وتحمید کی وہی ذات مستحق ہے کہ جو کمال قدرت کے ساتھ موصوف ہے اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے چھ دلائل بیان کئے۔

دلیل اول

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾

اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک امر یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اچانک تم آدمی ہو کر زمین میں پھیل پڑے اور اسباب معاش کے مہیا کرنے کے لئے چلنے پھرنے لگے انسان کی جسمانی صورت اور اس کی روحانی حقیقت جس سے وہ اشیاء کا ادراک کرتا ہے حکمت کاملہ کا مخزن ہے کہ یہ جسم خاکی کس طرح عناصر اربعہ سے مرکب ہو کر علم و حکمت کا چشمہ بن گیا ظاہر ہے کہ نہ تو خود بخود ایسا ہو گیا اور نہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے بلکہ کسی قدیر و علیم کے علم وقدرت کا کرشمہ ہے اسی طرح قیامت کے دن اجزاء منتشر کو جمع کر کے دوبارہ زندگی بخشی جائے گی۔

ف:...... بنی آدم کی اصل اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو مٹی سے پیدا ہوئے اور انسان کی قریبی اصل نطفہ ہے جو غذا سے بنتا ہے اور غذائیں سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے قرآن مجید میں کہیں ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ آیا ہے اور کہیں ﴿خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا﴾ اور ﴿مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ آیا ہے سب درست ہے کسی جگہ انسان کے مادہ بعیدہ کی طرف اشارہ ہے اور کسی جگہ مادہ قریبہ کی طرف اشارہ ہے انسان کی اصل اول مٹی ہے اور اصل ثانی پانی ہے۔

دلیل دوم

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

اور من جملہ اس کی آیات قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے یعنی تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کئے یعنی عورتیں تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے ان کی طرف میل کرو اور ان سے مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو اس لئے کہ ہم جنس ہونا سیلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا نفرت کا باعث ہے۔ نظم

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ　　ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ
بجنس خویش دار و میل ہر جنس　　فرشتہ با فرشتہ انس با انس

اور رکھ دیا تمہارے درمیان باہمی محبت و الفت عقد تزویج ہوتے ہی آپس میں محبت اور الفت ہو جاتی ہے حالانکہ بسا اوقات پہلے سے کوئی جان پہچان ہی نہیں ہوتی اور تمہارے درمیان مہربانی رکھ دی کہ ایک دوسرے پر رحم کرتا ہے بے شک ان باتوں میں یعنی انسان کے مٹی سے پیدا کرنے میں اور پھر اس کی جنس سے ایک جوڑا پیدا کرنے میں اور پھر باہم محبت اور الفت پیدا کرنے میں خدا کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں اور صنائع الٰہیہ میں غور کرتے ہیں غرض یہ کہ زن و شوہر کی محبت صرف خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ دو چیزوں کو جوڑ کر ایک بنا دیا اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن پراگندہ اجزاء کو جوڑ دے۔

دلیل سوم

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾

اور من جملہ اس کی قدرت کی نشانیوں کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے کہ آسمان تو غایت درجہ بلند اور زمین غایت درجہ پست اور زمین کے قطعات باہم مختلف اور من جملہ دلائل قدرت کے تمہاری زبانوں کا اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے ہر خطہ کی زبان الگ کوئی عربی کوئی فارسی اور کوئی ترکی اور کوئی ہندی وغیرہ وغیرہ اور ہر ایک کا لب ولہجہ مختلف اور کسی کا رنگ سرخ اور کسی کا سفید اور کسی کا کالا وغیرہ وغیرہ یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ خداوند عالم کی کاری گری ہے بے شک اس میں یعنی زبانوں اور لہجوں اور رنگتوں کے مختلف ہونے میں اس کی قدرت وحکمت کی بہت سی نشانیاں ہیں علم والوں کے لئے اور جس کو یہ دلائل قدرت نظر نہ آئیں وہ قطعاً جاہل ہے آسمان وزمین کی عظمت پر نظر ڈالو اور اپنی مختلف قسم کی بولی اور اپنی صورتوں اور شکلوں کی رنگا رنگی پر نظر ڈالو کیا یہ چیزیں خدا کی غیر متناہی قدرت پر دلالت نہیں کرتیں پس جس طرح دنیا میں صفات اور حالات مختلف ہیں اسی طرح اگر آخرت میں بھی درجات مختلف ہوں تو کیا استبعاد ہے۔

دلیل چہارم

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾

اور من جملہ اس کی آیات قدرت کے تمہارا رات میں اور دن میں سونا ہے کہ سونے سے قوائے بدنیہ کو راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے اور من جملہ دلائل قدرت کے اللہ کے فضل کو یعنی رزق کو تلاش کرنا ہے کہ اس کی تلاش میں محنت اور مشقت اٹھاتے ہو اس میں یعنی سونے میں اور طلب معاش میں بہت سی آیات قدرت ہیں ان لوگوں کے لئے جو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور جو بد بخت نیچر کے سامنے گونگے اور بہرے بنے ہوئے ہیں وہ کچھ نہیں سنتے۔

یہاں تک دلائل انفس کا ذکر تھا اب آگے دلائل آفاق کا ذکر ہے۔

دلیل پنجم

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾

اور من جملہ دلائل قدرت کے نشانیوں کے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے ڈر کے لئے اور امید کے لئے بجلی کے گرنے سے تم کو جان کا ڈر ہوتا ہے اور بارش کی طمع ہوتی ہے خدا کی قدرت کو دیکھو کہ اس نے ایک چیز میں بیک وقت دو متضاد صفتوں کو جمع کر دیا برق ایک ہے کوئی اس سے ڈر رہا ہے اور کوئی اس سے امید لگا رہا ہے اور آسمان کی طرف سے یا بادل سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس کے سبب سے زمین کو مردگی اور پژمردگی کے بعد زندہ کرتا ہے یعنی اس کو سرسبز اور

شاداب کر دیتا ہے بے شک اس برق اور باراں میں قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب خدا کی قدرت کے کرشمے ہیں کسی نیچر اور ایتھر کا اثر نہیں اور اگر کسی کا گمان یہ ہے کہ یہ سب ایتھر اور نیچر کا اثر ہے تو بتلائے اور سمجھائے کہ کس طرح سے ہے محض زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ابر کو دیکھو کہ آب اور ہوا کا مجموعہ ہے یا خالص پانی ہے جو آگ کا دشمن ہے خدا کی قدرت کو دیکھو کہ وہ آب خالص میں سے ہوا اور پانی میں سے آگ نکال رہا ہے ضد میں سے ضد کا نکالنا اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دلیل ششم

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾

اور من جملہ اس کی قدرت کی نشانیوں کے یہ ہے کہ آسمان بدون ستون کے قائم ہے اور زمین پانی پر ٹھہری ہوئی ہے اور یہ سب اللہ کے حکم سے ہے اس میں کسی ایتھر اور نیچر کو ذرہ برابر دخل نہیں۔

یہاں تک دلائل قدرت کا بیان ختم ہوا ظاہر میں یہ دلائل چھ ہیں لیکن درحقیقت دس سے زیادہ ہیں۔ ایک ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ کے ساتھ ایک دوسری دلیل بھی مذکور ہے ان سب دلائل کا حاصل یہ ہے کہ یہ تمام نظام عالم جس کا ان آیات قدرت میں ذکر ہوا وہ سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے چل رہا ہے اور ایک دن یہ سارا نظام درہم و برہم ہو جائے گا پھر اس وقت یہ ہوگا کہ وہ جب تم کو پکار کر زمین کے اندر سے بلا دے گا تو تم سب ایک بارگی زمین سے یعنی اپنی قبروں سے نکل پڑو گے تو اس وقت دوسرا نظام شروع ہو جائے گا اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ آیات قدرت تمہارے سمجھانے کے لئے بیان کی گئیں ورنہ بات یہ ہے کہ قیامت کے دن ایک خدائی ندا ہوگی جس کو سنتے ہی تم کھڑے ہو جاؤ گے اور قبروں سے نکل کر ہمارے سامنے حاضر ہو جاؤ گے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی اور اسی کے لئے مسخر ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ سب کا خالق اور مالک اور رب ہے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرکشی کر سکے اور وہی اللہ عزوجل ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر مار ڈالتا ہے پھر اس کو وہ دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ دوبارہ زندہ کرنا اس پر بہت آسان ہے تو پھر تم دوبارہ پیدا کرنے کے کیوں منکر ہوا اور اسی کے لئے شان اور صفت سب سے اعلیٰ اور برتر ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی غالب ہے عاجز اور مغلوب نہیں اور وہی حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں جن کے دل زنگ آلودہ نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ

بتلائی تم کو ایک مثل تمہارے اندر سے دیکھو جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں ان میں ہیں کوئی ساجھی تمہارے

بتائی تم کو ایک کہاوت، تمہارے اندر سے۔ تمہارے جو ہاتھ کے مال ہیں، ان میں کوئی ساجھی تمہارے؟

مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

ہماری دی ہوئی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر رہو خطرہ رکھو ان کا جیسے خطرہ رکھو اپنوں کا یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں

ہماری دی روزی میں، کہ تم سب اس میں برابر رہو، خطرہ رکھو ان کا جیسے خطرہ رکھو اپنوں کا۔ یوں کھولتے ہیں ہم پتے

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ

ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں ف۱ بلکہ چلتے ہیں یہ بے انصاف اپنی خواہشوں پر بن سمجھے ف۲ سو کون سمجھائے جس کو

ان لوگوں کو جو بوجھتے ہیں۔ بلکہ چلے ہیں یہ بےانصاف اپنے چاؤ پر، بن سمجھے۔ سو کون سجھائے جس کو

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ

اللہ نے بھٹکایا اور کوئی نہیں ان کا مددگار ف۳ سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر ف۴ وہی تراش اللہ کی

اللہ نے بہکایا ؟ اور کوئی نہیں ان کے مددگار۔ سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر، ایک طرف کا ہو کر۔ وہی تراش اللہ کی،

الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

جس پر تراشا لوگوں کو ف۵ بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو ف۶ یہی ہے دین سیدھا و لیکن اکثر

جس پر تراشا لوگوں کو۔ بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو۔ یہی ہے دین سیدھا، لیکن بہت

ف۱ یعنی شرک کا قبح و بطلان سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتا ہے۔ وہ یہ کہ تمہارے ہاتھ کا مال (یعنی لونڈی غلام) جن کے تم محض ظاہری اور مجازی مالک ہو کیا اپنی روزی اور مال ومتاع میں جو حق تعالیٰ نے دے رکھی ہے، تم ان کو برابر کا شریک تسلیم کر سکتے ہو جس طرح مشترک اموال و جائیداد میں اپنے بھائی بند حصہ دار ہوتے ہیں اور ہر وقت کھٹکا رہتا ہے کہ مشترک چیز میں تصرف کرنے پر برہم ہو جائیں یا تقسیم کرنے لگیں یا کم ازکم سوال کر بیٹھیں کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بدون فلاں کام کیوں کیا۔ کیا ایسا ہی کھٹکا ایک آقا کو اپنے غلام یا نوکر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر نہیں تو سمجھنا چاہیے کہ جب ایک چھوٹے مالک کا یہ حال ہے تو اس سچے مالک کو اپنے غلام کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ جس کو تم حماقت سے اس کا ساجھی گنتے ہو۔ ایک غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہو سکے۔ حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ مگر ایک مخلوق بلکہ مخلوق در مخلوق، خالق کی خدائی میں شریک ہو جائے! ایسی مہمل بات کوئی عقل مند قبول نہیں کر سکتا۔

ف۲ یعنی یہ بے انصاف لوگ ایسی صاف و واضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اوہام و خواہشات کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔

ف۳ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی بے انصافی جہل اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی۔ اب کون طاقت ہے جو اسے سمجھا کر راہ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچالے لہٰذا ایسوں کی طرف سے زیادہ متحسر اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف توجہ کیجئے۔ اور دین فطرت پر جمے رہیے۔

ف۴ یعنی جو گمراہی سے کسی طرح نکلنا نہیں چاہتا اسے شرک کی دلدل میں پڑا رہنے دو اور تم ہر طرف سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو۔ اور اس کے سچے دین کو بڑی توجہ اور یک جہتی سے تھامے رکھو۔

ف۵ اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور بدء فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اس کے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گرد وپیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصلی بیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار کرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ "عہد الست" کے قصہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرۃ اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعدہ ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو "حنفاء" پیدا کیا۔ =

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٠ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ

لوگ نہیں سمجھتے ف۱ سب رجوع ہو کر اس کی طرف ف۲ اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو

لوگ نہیں سمجھتے۔ سب رجوع ہو کر اس کی طرف اور اس سے ڈرتے رہو، اور کھڑی رکھو نماز، اور مت ہو

الْمُشْرِكِيْنَ ۝٣١ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ

شرک کرنے والوں میں جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر

شریک والوں میں۔ جنہوں نے پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہوئے ان میں بہت جتھے۔ ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اس پر

فَرِحُوْنَ ۝٣٢ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ

خوش ہے ف۳ اور جب پہنچے لوگوں کو کچھ سختی تو پکاریں اپنے رب کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے

ریجھ رہے ہیں۔ اور جب لگے لوگوں کو کچھ سختی، پکاریں اپنے رب کو اس کی طرف رجوع ہو کر، پھر جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے

رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝٣٣ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا

کچھ مہربانی اسی وقت ایک جماعت ان میں اپنے رب کا شریک لگی بتانے کہ منکر ہو جائیں ہمارے دیئے ہوئے سے سو مزے اڑالو

کچھ مہر، تبھی ایک لوگ ان میں اپنے رب کا شریک لگے بتانے۔ کہ منکر ہو جائیں ہمارے دیئے سے۔ سو کام چلا لو

= شیاطین نے اغوا کر کے انھیں سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا۔ بہر حال دین حق، دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اس کی فطرت پر مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبعیت سے اسی کی طرف جھکے۔ تمام انسانوں کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ فرض کرو اگر فرعون یا ابو جہل کی اصلی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت نہ ہوتی تو ان کو قبول حق کا مکلف بنانا صحیح نہ ہوتا۔ جیسے اینٹ پتھر، یا جانوروں کو شرائع کا مکلف نہیں بنایا۔ فطرت انسانی کی اسی یکسانیت کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصول مہمہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں گو ان پر ٹھیک ٹھیک قائم نہیں رہتے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اللہ سب کا مالک حاکم، سب سے نرالا، کوئی اس کے برابر نہیں، کسی کا زور اس پر نہیں، یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ اس پر چلنا چاہئے۔ ایسے ہی کسی کے جان و مال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا، ہر کوئی برا جانتا ہے۔ ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغا نہ کرنا ہر کوئی اچھا جانتا ہے۔ اس (راستہ) پر چلنا ہی دین سچا ہے (یہ امور فطری تھے مگر) ان کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیا۔"

ف۶ یعنی اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر و تبدل نہیں۔ ہر فرد انسان کی فطرت قبول حق کے لئے مستعد بنائی ہے یا یہ مطلب کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا اس کو تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو۔ بیج تم میں ڈال دیا ہے اسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت ہونے دو۔

ف۱ یعنی سیدھا دین یہ ہی فطرت کی آواز ہے۔ پر بہت لوگ اس نکتہ کو سمجھتے نہیں۔

ف۲ یعنی اصل دین پکڑے رہو، اس کی طرف رجوع ہو کر۔ اگر محض دنیاوی مصلحت کے واسطے یہ کام کئے تو دین درست نہ ہوگا۔ آگے دین فطرت کے چند اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثلاً اتقاء (خدا سے ڈرتے رہنا) نماز قائم رکھنا، شرک جلی و خفی سے بے زار اور مشرکین سے علیحدہ رہنا، اپنے دین میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

ف۳ یعنی دین فطرت کے اصول سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں نے اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی، بہت سے فرقے بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ مذہب و مشرب جدا، جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کر لیا، ایک جماعت اسی کے پیچھے ہو گئی، تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول و عقائد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

اب آگے جان لو گے ف۱ کیا ہم نے ان پر اتاری ہے کوئی سند سو وہ بول رہی ہے جو یہ شریک بتاتے ہیں ف۲

اب۔ آگے جان لو گے۔ کیا ہم نے ان پر اتاری ہے کوئی سند ؟ سو وہ بولتی ہے جو یہ شریک بتاتے ہیں۔

وَاِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا

اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو کچھ مہربانی اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر آپڑے ان پر کچھ برائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے پر

اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو کچھ مہر، اس پر ریجھنے لگیں۔ اور اگر آ پڑے ان پر کوئی برائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے پر،

هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

تو آس توڑ بیٹھیں ف۳ کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلا دیتا ہے روزی کو جس پر چاہے اور ناپ کر دیتا جس کو چاہے اس میں نشانیاں ہیں

تبھی آس توڑ دیں۔ کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس پر چاہے اور ماپ کر دیتا ہے۔ اس میں پتے ہیں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ

ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں ف۴ سو تو دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو یہ

ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں۔ سو تو دے ناتے والے کو اس کا حق، اور محتاج کو، اور مسافر کو، یہ

ف۱ یعنی جیسے بھلے کام ہر انسان کی فطرت پہچانتی ہے۔ اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے۔ چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔ اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ وہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی۔ مگر افسوس کہ انسان اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی، پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگا۔ گویا اس کے پاس سب کچھ ان ہی کا دیا ہوا ہے! خدا نے کچھ نہیں دیا! (العیاذ باللہ) اچھا چند روز مزے اڑا لے، آگے چل کر معلوم ہو جائے گا کہ اس کفر اور ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ اس کا ضمیر جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہی اس لائق ہے کہ ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔

ف۲ یعنی عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی حجت اور سند رکھتے ہیں، جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اس کے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو انھیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا۔

ف۳ یعنی ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب اللہ کی مہربانی اور احسان سے عیش میں ہوں تو پھولے نہ سمائیں ایسے اترانے لگیں اور آپے سے باہر ہو جائیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہ رکھیں۔ اور کسی وقت شامت اعمال کی بدولت مصیبت کا کوڑا پڑا تو بالکل آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہیں۔ گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کے دور کرنے پر قادر ہو۔ مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ عیش و راحت میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے۔ اس کے فضل و رحمت پر خوش ہو کر زبان و دل سے شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر و تحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے۔ اور امید رکھتا ہے کہ کتنی ہی سخت مصیبت ہو اور ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اس کے فضل سے سب فضا بدل جائے گی۔ (تنبیہ) ایک آیت پہلے فرمایا تھا کہ "لوگ سختی کے وقت خالص خدا کو پکارنے لگتے ہیں"۔ یہاں فرمایا کہ "برائی پہنچتی ہے تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں"۔ دونوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ پہلی حالت یعنی خدا کو پکارنا، ابتدائی منزل ہے۔ پھر جب مصیبت اور سختی میں امتداد ہوتا ہے تو آخر گھبرا کر ناامید ہو جاتا ہے یا بعض لوگوں کا وہ حال ہو بعض کا یہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۴ یعنی ایمان و یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر و شکر سے رضا بقضا رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے، اور ڈرتا رہے کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے سختیوں کو دور فرما دے گا۔

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا

بہتر ہے ان کے لیے جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور وہی ہیں جن کا بھلا ہے ف۱ اور جو دیتے ہو بیاج پر کہ

بہتر ہے ان کو جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ۔ اور وہی جن کا بھلا ہے۔ اور جو دیتے ہیں بیاج پر، کہ

لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ

بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر رضامندی

بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں، وہ نہیں بڑھتا اللہ کے ہاں۔ اور جو دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر منہ

اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ

اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دونے ہوئے ف۲ اللہ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے پھر

اللہ کا، سو وہی ہیں جن کے دونے ہوئے۔ اللہ وہی ہے جس نے تم کو بنایا، پھر تم کو روزی دی، پھر تم کو مارتا ہے، پھر

يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

تم کو جلائے گا کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو کر سکے ان کاموں میں سے ایک کام وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ

تم کو جلاوے گا۔ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں؟ جو کر سکے ان کاموں میں ایک۔ وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے جو

يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۱۴

شریک بتلاتے ہیں ف۳

شریک بتاتے ہیں۔

بیان مثال برائے اظہار جہالت اہل شرک وضلال

قَالَ تَعَالٰی: ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ... الی ... سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

ف۱ یعنی جب فطرت کی شہادت سے ثابت ہوگیا کہ حقیقی مالک ورب وہ ہی اللہ ہے۔ دنیا کی نعمتیں سب اسی کی عطا کی ہوئی ہیں تو جو لوگ اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اس کی لقاء اور دیدار کے آرزومند ہیں، چاہیے کہ اس کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ مسافر، محتاج اور غریب رشتہ داروں کی خبر لیں، اہل قرابت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں۔ ایسے ہی بندوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔

ف۲ یعنی سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا بدن ورم سے پھول جائے وہ بیماری یا پیام موت ہے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہوگا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے جیسے کسی مریض کا بدن مسہل وتنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اس کا صحت ہو۔ سود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھ لو۔ ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ حدیث میں ہے کہ ایک کھجور جو مومن صدقہ کرے قیامت کے دن بڑھ کر پہاڑ کے برابر نظر آئے گی۔
(تنبیہ) بعض مفسرین نے "ربا" سے یہاں سود بیاج مراد نہیں لیا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کسی کو کچھ دے اس غرض سے کہ دوسرا اس سے بڑھ کر احسان کا بدلہ کرے گا تو یہ دینا اللہ کے ہاں موجب برکت وثواب نہیں۔ گو مباح ہو۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو مباح بھی نہیں۔ کقولہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی مارنا جلانا، روزی دینا، سب کام تو تنہا اس کے قبضہ میں ہوئے۔ پھر دوسرے شریک کدھر سے آ کر الوہیت کے مستحق بن گئے۔

ربط :...... گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے وحدانیت کے دلائل ذکر کئے۔ اب مشرکین کی جہالت اور ضلالت ظاہر کرنے کے لئے خود انہی کے احوال میں سے ایک مثال بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے خود تمہارے ہی احوال میں سے شرک کی برائی ظاہر کرنے کے لئے ایک مثال بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ کیا اے آزاد لوگو! تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ جس چیز کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی تمہارے لونڈی غلام جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں اور محض ظاہری اور مجازی طور پر تم ان کے مالک ہو اور یہ ملک مجازی بھی دائمی اور مستقل نہیں بیع اور ہبہ کے ذریعہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہوسکتی ہے بخلاف ملک خداوندی کے کہ وہ حقیقی اور دائمی ہے خدا کا بندہ کسی طرف بھی خدا کی ملک سے نکل نہیں سکتا پس کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ ان مجازی غلاموں میں سے کوئی تمہارا اس مال و دولت میں شریک اور ساجھی اور حصہ دار بن جائے جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے یعنی وہ رزق جو تمہارے پاس ہے وہ ہمارا ہی عطا کردہ ہے تمہارا پیدا کردہ نہیں جیسے مشترک جائیداد میں کئی بھائی حصہ دار ہوتے ہیں پھر تم اور وہ سب اس میں مساوی اور برابر ہوجائیں یعنی اس مال و دولت کے تصرف میں سب یکساں ہوجائیں حاصل یہ کہ تم میں سے کوئی اس پر راضی نہیں کہ اس کا مجازی غلام اس کے مال و دولت میں برابر کا ساجھی اور شریک ہوجائے تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم اپنے مملوک غلاموں سے ایسا ڈرتے ہو جیسے تم اپنے جیسوں آزاد بھائیوں اور خویش و اقارب سے ڈرتے ہو پس جب تم اپنے مجازی غلاموں کو ہمارے دیئے ہوئے رزق میں اپنا شریک بنانا پسند نہیں کرتے تو بندوں کا مالک حقیقی کے ساتھ شریک کرنا کیسے پسند کرتے ہو جس کی ملکیت ایسی دائم اور قائم ہے کہ کوئی کسی طرح بھی اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوسکتا پس جب کہ مملوک مجازی مالک مجازی کے برابر نہیں ہوسکتا تو مملوک حقیقی مالک حقیقی کے کیسے برابر ہوسکتا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی قباحت اور برائی ظاہر کرنے کے لئے ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے جو ان کے احوال کے مناسب ہے اور درحقیقت وہ وحدانیت کی دلیل ہے اور مسکت دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تم اپنے حال اور مآل کی خبر رکھتے ہو تو ذرا دیکھو تو سہی تم بھی بزعم خود غلاموں کے مالک ہو گو یہ ملکیت محض اضافی اور مجازی ہے اور چند روزہ ہے جس کو خدا کی ملکیت سے کوئی نسبت نہیں یہ غلام تمہارے پیدا کردہ نہیں اور یہ مال و دولت جو ہم نے تم کو دے رکھا ہے وہ بھی تمہارا پیدا کردہ نہیں تم سب اللہ ہی کی روزی کھاتے ہو پس جب تم اپنے مجازی غلاموں کا اپنا شریک ہونا پسند نہیں کرتے تو خدا کے مخلوق کا خالق حقیقی اور مالک حقیقی کے ساتھ شریک گردانا کیسے پسند کرتے ہو اور جب تم اپنے مجازی غلاموں کی پروا نہیں کرتے جو تمہارے ہم جنس ہیں تو مالک حقیقی تمہاری کیا پروا کرے۔

اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں دلائل قدرت و وحدت کو اس گروہ کے واسطے جو عقل سے کام لیتے ہیں مگر ظالم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ ان مشرکوں نے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا بجائے عقل سے کام لینے کے بغیر جانے اور بغیر سمجھے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے اور گمراہ ہوئے پس اس شخص کو کون ہدایت دے جس کو اللہ نے گمراہ کیا ہو اور نہ ایسوں کا کوئی مددگار ہے کہ جو عذاب دوزخ سے ان کو بچا سکے۔

دین فطرت پر قائم رہنے کی ہدایت

پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ دین اسلام حق ہے اور عین عقل اور فطرت سلیمہ کے مطابق ہے تو اے طالب ہدایت

سب ادیان باطلہ سے ہٹ کر اپنا چہرہ اور اپنا رخ سیدھا دین حق کی طرف کردے اور ہر دین باطل سے منہ پھیر کر اور منہ موڑ کر دین اسلام کی طرف جھک جا جو دین توحید ہے اور دین فطرت ہے سب کو چھوڑ کر فطرت الٰہی کو لازم پکڑو اور اس پر قائم ہو جاؤ جس پر اللہ نے بنی آدم کو پیدا کیا ہے فطرت کے معنی خلقت کے ہیں اس جگہ "فطرت" سے مراد دین اسلام اور توحید ہے اور حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس لئے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جو بچہ خواہ وہ مسلمان کا یا کافر کا نابالغی کی حالت میں مرجائے تو وہ مسلمان مرا اس پر عذاب نہ ہوگا۔

اور علماء محققین یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے عین اسلام مراد نہیں بلکہ استعداد اور صلاحیت اور قابلیت مراد ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ فطری اور طبعی طور پر اسلام کے طریقہ پر پیدا ہوتا ہے اور اس کی فطرت میں اسلام قبول کرنے کا مادہ رکھا جاتا ہے کہ اگر اس کو مانع پیش نہ آئے تو وہ بلاشبہ اسلام ہی کو قبول کرے لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں یعنی جس دین پر اس کے ماں باپ ہوتے ہیں اسی پر اس مولود کو کر لیتے ہیں لیکن اس سے اس کی اصل استعداد اور صلاحیت زائل نہیں ہوجاتی بلکہ وہ ہمیشہ اس کی طبیعت میں قائم رہتی ہے لیکن عوارض اور موانع کی وجہ سے مستور ہوجاتی ہے اور جب وہ مانع اور عارض دور ہوجاتا ہے تو وہ استعداد پھر ظاہر ہوجاتی ہے جیسا کہ آئندہ آیت یعنی ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ میں اس کی طرف اشارہ ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کی بنائی فطرت اور پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ جملہ خبریہ ہے کہ انسان کی اصل فطرت اور اصل طبیعت میں قبول حق کی صلاحیت اور استعداد رکھی گئی ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اللہ کی فطرت اور خلقت میں تغیر و تبدل کر سکے یہودی اور نصرانی ہوجانے کے بعد بھی قبول حق کی استعداد اور صلاحیت باقی رہتی ہے ورنہ اگر فرض کرو کہ فرعون اور ہامان اور ابوجہل اور ابولہب میں قبول حق اور قبول اسلام کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہوتی تو وہ ایمان اور اسلام کے مکلف ہی نہ ہوتے اینٹ اور پتھر یا جانور کی طرح ہوتے اور اتباع شریعت کے مکلف نہ ہوتے۔

اور اس آیت یعنی ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جملہ انشائیہ ہے یعنی لا تبدیل سے نفی کے معنی مراد نہیں بلکہ نہی کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک کر کے اللہ کی فطرت کو متغیر اور متبدل نہ کرو جس فطرت پر اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہ ایک تخم ہدایت ہے اس کو تم اپنے اختیار سے خراب نہ کرو اور بے توجہی سے اس کو ضائع نہ کرو یہ فطرت سلیمہ حق جل شانہ کا خاص عطیہ ہے اس کی پوری پوری حفاظت کرو اندیشہ ہے کہ شیاطین الانس والجن اس کو خراب نہ کردیں یہی دین جس کی طرف تم کو منہ سیدھا کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہی سیدھا اور درست دین ہے جو عین خدا داد فطرت کے مطابق ہے جس میں کجی کا نام و نشان نہیں سیدھا خدا تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اور اس کے سوا جو اور دین ہیں وہ سب ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشوں کے پیدا کئے ہوئے ہیں ولیکن بہت سے لوگ جانتے اور سمجھتے نہیں کج طبعی کی وجہ سے سیدھی راہ کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہ پر جا رہے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ میں فطرت سے عہد الست مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ عہد الست اور اقرار ربوبیت پر پیدا ہوتا ہے اور یہ اقرار ربوبیت ہر شخص کی فطرت میں راسخ ہے کما

قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ لیکن شریعت میں اس ایمان فطری کا اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ امر محض اضطراری ہے اور شریعت میں اس ایمان کا اعتبار ہے جو اختیاری ہو یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے حق کو قبول کرے اور احکام خداوندی کی تصدیق کرے اور اس تحقیق سے پہلے قول والوں کا بھی جواب ہو گیا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے عین اسلام مراد ہے اس لئے کہ وہ ایمان فطری ہے جس میں شعور اور اختیار کو کوئی دخل نہیں اور نجات اخروی کا دارومدار ایمان اختیاری پر ہے۔ (شیخ زادہ حاشیہ تفسیر بیضاوی: ۴ر ۲۷)

خلاصہ کلام یہ کہ اے لوگو! فطرت اسلامی کو مضبوط پکڑو اور عہد الست اور اقرار ربوبیت پر قائم رہو در آں حالیکہ تم سب سے منہ موڑ کر بالکلیہ اور ہمہ تن اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور متوجہ ہونے والے ہو جاؤ تا کہ تمہاری فطرت سلیمہ خراب نہ ہو اور اقرار ربوبیت کے بعد اپنے عہد اور اقرار سے رجوع نہ کرو اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اور نماز کو قائم رکھو جو دین کا ستون ہے اور شرک کرنے والوں میں سے مت بنو ہر عمل خالص اللہ کے لئے کرو اعتقاداً اور عملاً کسی کو اس میں شریک نہ کرو کفر اور شرک سے عہد الست اور اقرار ٹوٹ جاتا ہے اور جس فطرت سلیمہ پر اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہ خراب یا ضائع ہو جاتی ہے خدا داد فطرت کی اگر حفاظت مطلوب ہے تو ان باتوں کو ملحوظ رکھو۔

اخلاص اور تقویٰ اور نماز۔

گزشتہ آیت یعنی ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ میں یہ ارشاد فرمایا کہ شرک کرنے والوں کی جماعت میں نہ داخل ہونا اب آئندہ آیت میں اس جماعت کی تشریح فرماتے ہیں یعنی ان لوگوں کی جماعت میں سے نہ ہو جانا کہ جنہوں نے اپنے اصل دین کے یعنی دین فطرت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور جس دین فطرت پر ان کو قائم رہنے کا حکم تھا اس پر تو قائم اور متفق نہ رہے بلکہ اپنی خواہشوں اور خیالات کی بنا پر گروہ گروہ بن گئے اور شیعہ ہو گئے اور ہر گروہ اور ہر فرقہ اس چیز پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے ہر فرقہ اپنے خیال پر ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اسے اپنی غلطی کے امکان کا تصور بھی نہیں اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ لوگوں نے دنیا میں نئے نئے مذہب نکال لئے ہیں لیکن دین اسلام اور دین توحید یہی دین، فطرت سلیمہ کے مطابق ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور دلیل اس کی کہ توحید اسلام دین فطرت ہے یہ ہے کہ جب لوگوں کو کوئی سختی اور شدت اور مصیبت پہنچتی ہے اور ظاہری اسباب جواب دے دیتے ہیں تو اس وقت فطرت اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے اور فطرت کا جو ذاتی اقتضاء ہے وہ ظاہر ہونے لگتا ہے بایں طور کہ جب اس شدت اور سختی میں پھنس جاتے ہیں تو بے اختیار ہو کر اپنے اسی رب کو پکارتے ہیں جس کی ربوبیت کا عہد الست کے وقت اقرار کر چکے ہیں اور یہ اقرار ربوبیت اس درجہ طبیعت میں راسخ ہو چکا ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو بے قرار ہو کر اسی رب کی طرف رجوع کرنے والے ہو جاتے ہیں جس کی ربوبیت کا ازل میں اقرار کر چکے ہیں اس وقت خدا کے سوا جن کو مشکل کشا سمجھے ہوئے تھے ان کو بھول جاتے ہیں مصیبت کے وقت نفسانی خواہشیں دور ہو جاتی ہیں اور فطرت اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتی ہے۔

مثل مشہور ہے کہ "مصیبت کے وقت خدا یاد آتا ہے" مگر پھر قریب ہی میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کسی مہربانی کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ پھر خدا کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے گویا کہ

ان کے اس طرز عمل کا حاصل یہ ہے کہ تاکہ ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے ان کو عطا کی یعنی ہم نے تو ان کو اپنی رحمت سے بلا سے نجات دی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے شکر اور اطاعت کے کفران نعمت اور معصیت کرنے لگے اچھا اے لوگو! چند روز مزے اڑا لو عنقریب جان لو گے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے کیا ہم نے ان لوگوں پر کوئی دلیل اور برہان اتاری ہے پس وہ دلیل بولتی ہو اس چیز کے متعلق جو یہ شرک کرتے ہیں یعنی وہ دلیل ان کو شرک کی تعلیم دیتی ہو یہ تو کھلے مشرکوں کے حال کا بیان تھا اب آئندہ آیت میں عام انسانی جبلت کا حال بیان کرتے ہیں خواہ وہ علانیہ طور پر مشرک ہوں یا نہ ہوں اس لئے کہ بعض ضعیف الایمان اور ناقص الایمان، اللہ کے فضل ہونے سے خوش ہو جاتے ہیں اور اترانے لگتے ہیں اور سختی اور مصیبت کی حالت میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں چونکہ یہ مایوسی بھی ایک قسم کا کفر ہے اس لئے خاص مشرکین اور کافرین کے حال کے بعد عام لوگوں کا حال بیان فرمایا تاکہ اس ضمن میں اہل ایمان کو تنبیہ ہو جائے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے اعمال بد کے بدلہ میں جو ان کے ہاتھوں نے کئے ہیں انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پس وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ فراخی میں نہ اتراتے ہیں اور نہ تنگی میں ناامید ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ رزق کی وسعت اور تنگی سب اللہ کی تقدیر اور اس کی مشیت اور حکمت سے ہے کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے اس کے رزق میں وسعت دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے بیشک اس میں ایمان والوں کے لئے ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں دونوں صورتیں اللہ کی حکمت اور مشیت سے ہیں رزق کی وسعت کا دارومدار کسی کے ذاتی استحقاق پر نہیں لہٰذا اہل ایمان کو چاہئے کہ تنگی میں پریشان اور ناامید نہ ہوں اور فراخی میں مغرور اور مست ہو کر خدا کو نہ بھول جائیں لہٰذا فطرت سلیمہ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ ہی کو رازق سمجھے اسباب ظاہری پر اعتماد نہ کرے پس مومن کو چاہئے کہ تنگی ہو یا فراخی ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہے اور اس کی رضا اور خوشنودی کا طلب گار رہے اپنے فائدہ پر نظر نہ رکھے پس اے انسان جب تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ اصل رزق دینے والا حق تعالیٰ ہے تو تجھ کو چاہئے کہ خدا کے دیئے ہوئے رزق کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرے لہٰذا صاحب قرابت کو حق قرابت دے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کر اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق دے یعنی اگر اللہ تجھ کو فراخی دے تو یہ تین کام کر۔ شریعت نے اقربا اور فقرا کے ساتھ جس طرح تم کو سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرو یعنی شریعت کے مطابق مالی حقوق ادا کرنا بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں نہ کہ نام آوری اور کسی دنیاوی غرض کے لئے اور خویش و اقارب اور فقراء و مساکین کی اعانت اور امداد محض اللہ کی رضامندی کے لئے یہی اعلیٰ ترین تمدن ہے۔

اہل زمانہ چونکہ سودی کاروبار میں مبتلا تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سود سے مال میں زیادتی اور ترقی ہوتی ہے اور صدقہ و خیرات سے مال میں کمی آ جاتی ہے اس لئے آئندہ آیات میں متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ مت سمجھنا کہ اقرباء اور فقراء کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے سے مال میں کمی آ جائے گی سلوک اور احسان سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ سود سے کم ہوتا ہے چنانچہ

فرماتے ہیں اور جو تم سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں زیادتی ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا حرام کے ذریعہ سے جو مال آئے وہ ظاہر میں بڑھتا ہے مگر حقیقت میں گھٹتا ہے جیسے رشوت سے بظاہر مال بڑھتا نظر آتا ہے مگر درحقیقت وہ مال پیشاب اور پاخانہ کا سنڈاس ہے نجاست کے سنڈاس کو ترقی سمجھنا حماقت ہے فطرت سلیمہ اس حرص اور طمع کی اجازت نہیں دیتی اور سارا قرآن اور حدیث اسی سے بھرا پڑا ہے نجاست کے کیڑے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر سودی کاروبار بند ہو جائے تو ہم سب پر موت آ جائے گی اس لئے کانفرنسیں کرتے ہیں اور علماء سے کہتے ہیں کہ سود کی حرمت ترقی کی راہ میں مزاحم ہے سبحان اللہ، فطرت سلیمہ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ پیشاب کو عرق گلاب کہنے لگے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں ربا سے سود بیاج مراد نہیں بلکہ ربا سے وہ ہدیہ اور ہبہ مراد ہے جو کسی کو اس نیت سے دیا جائے کہ وہ شخص اس سے بڑھ کر احسان کر دے گا تو ایسا احسان اللہ کے نزدیک موجب خیر و برکت نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ ایسا مال اللہ کے نزدیک پھلتا اور پھولتا نہیں کسی شخص کو کوئی چیز اس نیت سے دینا کہ وہ مجھے اس سے زیادہ دے دے گا بظاہر اگرچہ یہ ربا حرام نہیں مگر نیت اور ارادہ کے اعتبار سے یہ بھی ایک قسم کا ربا ہے۔

آیت کی یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے خوب سمجھ لو شریعت کی نظر میں جس طرح ظاہری ربا حرام ہے اسی طرح باطنی اور پوشیدہ ربا بھی حرام ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ کسی کی حرمت اور نجاست ظاہر ہے اور کسی کی پوشیدہ ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ سود سے مال میں ترقی اور زیادتی نہیں ہوتی اب آگے اس کے بالمقابل زکوٰۃ اور صدقات کو بیان کرتے ہیں کہ خدا کی راہ میں خدا کی خوشنودی کے لئے خرچ کرنے سے مال میں برکت اور ترقی اور زیادتی ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو تم زکوٰۃ اور خیرات دو جس سے تمہارا مقصود محض اللہ کی رضامندی اور خوشنودی ہو تو سمجھ لو کہ ایسے ہی لوگ اپنے مال کو اضعافاً مضاعفة (زیادہ در زیادہ) کرنے والے ہیں ایک کے کم از کم دس بنانے والے ہیں ترقی تو یہ ہے حدیث میں ہے کہ صدقہ اللہ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے اور پھر اللہ اس کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

اب آگے پھر مشرکین کی تنبیہ کے لئے توحید کو بیان کرتے ہیں خدائے برحق وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، تم کو روزی دی تا کہ تم اس کی روزی سے زندہ رہ سکو پھر تم کو موت دے گا پھر قیامت کے دن تم کو زندہ کرے گا بھلا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ایسا ہے کہ جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے یا مار سکے یا جلا سکے اور ظاہر ہے کہ کوئی کچھ نہیں کر سکتا پس ثابت ہو گیا کہ وہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں کوئی اس کا شریک نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي

پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہیے ان کو کچھ مزہ ان کے

کھل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں، لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے، چکھایا چاہے ان کو کچھ مزہ ان کے

عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کام کا تاکہ وہ پھر آئیں ف۱ تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام

کام کا کہ شاید یہ پھر آئیں۔ تو کہہ، پھرو ملک میں، تو دیکھو آخر کیسا ہوا

مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿٤٢﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

پہلوں کا ف۲ بہت ان میں تھے شرک کرنے والے سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ سیدھی راہ پر ف۳ اس سے پہلے کہ آپہنچ

پہلوں کا؟ بہت ان میں تھے شریک والے۔ سو تو سیدھا کر اپنا منہ سیدھی راہ پر اس سے پہلے کہ آپہنچ

يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ

وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے ف۴ اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے ف۵ جو منکر ہوا سو اس پر پڑے اس کا منکر ہونا ف۶ اور جو کوئی کرے

ایک دن، جس کو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے، اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے۔ جو منکر ہوا سو اس پر پڑے اس کا منکر ہونا۔ اور جو کرے

صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ

بھلے کام سو وہ اپنی راہ سنوارتے ہیں ف۷ تاکہ وہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کام کئے بھلے اپنے فضل سے ف۸

بھلے کام، سو اپنی راہ سنوارتے ہیں۔ کہ وہ بدلہ دے ان کو، جو یقین لائے اور بھلے کام کئے، اپنے فضل سے،

ف۱ یعنی لوگ دین فطرت پر قائم نہ رہے کفر و ظلم دنیا میں پھیل پڑا اور اس کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل گئی۔ نہ خشکی میں امن و سکون رہا نہ تری میں، روئے زمین کو فتنہ و فساد نے گھیر لیا بحری لڑائیوں اور جہازوں کی لوٹ مار سے سمندروں میں بھی طوفان بپا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندوں کی بد اعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلا دیں۔ ممکن ہے بعض لوگ ڈر کر راہ راست پر آجائیں۔

(تنبیہ) بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ لیکن جس خوف ناک عموم و شمول کے ساتھ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشارق و مغرب اور بر و بحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اس زمانہ کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مورخ بھی اس مشہور و معروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے (دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی، مادہ محمد) شاید اسی عموم فتنہ و فساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہ رحمہ اللہ نے آیت کا محمل زمانہ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔

ف۲ یعنی اکثروں کی شامت شرک کی وجہ سے آئی۔ بعضوں پر دوسرے گناہوں کی وجہ سے آئی ہو گی۔

ف۳ یعنی دنیا میں فساد پھیل گیا تو تم دین قیم پر جو دین فطرت ہے ٹھیک ٹھیک قائم رہو۔ سب خرابیوں کا ایک یہی علاج ہے۔

ف۴ یعنی اللہ کی طرف سے اس دن کا آنا اٹل ہے نہ کوئی طاقت اسے پھیر سکتی ہے نہ خود اللہ ملتوی کرے گا۔

ف۵ یعنی نیک جنت میں اور بد دوزخ میں بھیج دیے جائیں گے۔ "فريق في الجنة وفريق في السعير" (شوریٰ۔ رکوع ۱) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کو دنیا کے احوال پر حمل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی دین کا غلبہ ہو، سزا پانے والے الگ ہوں اور اللہ کے مقبول بندے الگ"

ف۶ یعنی انکار کا وبال اسی پر پڑے گا۔

ف۷ یعنی جنت میں آرام کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ف۸ یعنی کتنا ہی بڑا نیک ہو اسے بھی اللہ کے فضل سے جنت ملے گی۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ

بیشک اس کو نہیں بھاتے انکار والے ف۱ اور اس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اور تاکہ چکھائے تم کو کچھ مزہ

بیشک اس کو نہیں بھاتے انکار والے۔ اور اس کی نشانیوں میں ایک یہ کہ چلاتا ہے بادیں خوشخبری لانے والی، اور تا چکھائے تم کو کچھ مزہ

رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ

اپنی مہربانی کا ف۲ اور تاکہ چلیں جہاز اس کے حکم سے ف۳ اور تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو ف۴ اور ہم

اپنی مہر کا، اور تا چلیں جہاز اس کے حکم سے۔ اور تلاش کرو اس کے فضل سے، اور شاید تم حق مانو۔ اور ہم

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ

بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس سو پہنچے ان کے پاس نشانیاں لے کر پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے جو

بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم پاس، پھر آئے ان پاس پتے لے کر، پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے جو

اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

گناہ گار تھے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی ف۵

گنہگار تھے۔ اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔

ذکر وبال ونحوست کفر ومعصیت در دار دنیا

قَالَ تَعَالٰی: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ... الی... وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کفر اور شرک اور معصیت پر تہدید تھی اب ان آیات میں کفر اور معصیت کی نحوست کو بیان کرتے ہیں کہ یہ ایسی منحوس چیزیں ہیں کہ بسا اوقات دنیا ہی میں بداعمالی کی وجہ سے طرح طرح کی بلائیں اور آفتیں اور مصیبتیں پیش

ف۱ جو اس سچے مالک کو نہ بھائے اسکا کہاں ٹھکانا۔

ف۲ یعنی باران رحمت کی خوش خبری لاتی ہیں پھر خدا کی مہربانی سے مینہ برستا ہے

ف۳ یعنی بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوا سے چلتی ہیں اور دخانی اسٹیمروں کی رفتار میں بھی باد موافق مدد دیتی ہے۔

ف۴ یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجارتی مال سمندر پار منتقل کر سکو۔ اور اللہ کے فضل سے خوب نفع کماؤ۔ پھر ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ (تنبیہ) پہلے خشکی تری میں فساد پھیلنے کا ذکر تھا اس کے مقابل یہاں بشارت ونعمت الٰہی کا تذکرہ ہوا۔ شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ آندھی اور غبار پھیل جانے کے بعد امید رکھو کہ باران رحمت آیا چاہتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی ہیں جو رحمت وفضل کی خوش خبری سنا رہی ہیں کافروں کو چاہیے کہ شرارت اور کفران نعمت سے باز آجائیں اور خدا کی مہربانیوں کو دیکھ کر شکر گزار بندے بنیں۔

ف۵ پہلے فرمایا تھا کہ مقبول اور مردود جدا جدا کر دیے جائیں گے منکروں پر ان کے انکار کا وبال پڑے گا۔ وہ اللہ کو اچھے نہیں لگتے۔ اب بتلاتے ہیں کہ اس کا اظہار دنیا ہی میں ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اللہ کی عادت اور وعدہ ہے کہ مجرمین ومکذبین سے انتقام لے اور مومنین کاملین کو اپنی امداد واعانت سے دشمنوں پر غالب کرے۔ بیچ میں ہوا کا ذکر اس واسطے آیا کہ جیسے باران رحمت کے نزول سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں اسی طرح دین کے غلبہ کی نشانیاں روشن ہوتی جاتی ہیں۔

آتی ہیں جیسے قحط اور سیلاب اور طاعون وغیرہ اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سزا کا کچھ مزا چکھا دیا جاتا ہے باقی پوری سزا تو آخرت میں ملے گی اور ان دنیاوی مصائب وآفات کے نازل کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی بداعمالی پر متنبہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے دنیا میں چل پھر کر دیکھ لے کہ دنیا کی بڑی بڑی قومیں کفر اور معصیت کے جرم میں کیسی تباہ اور برباد ہوئیں کہ آج صفحہ ہستی پر کہیں ان کا نام ونشان نظر نہیں آتا چنانچہ فرماتے ہیں خشکی اور تری میں جنگل اور دریا میں یعنی تمام دنیا میں لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے فساد اور تباہی ظاہر ہوگئی کہیں قحط اور وبا ہے اور بیماری ہے اور کہیں طوفان اور سیلاب ہے ہر طرف لوٹ مار ہے یہ ساری بلائیں لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ظاہر ہو رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا کچھ مزہ دنیا ہی میں چکھا دے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی شاید وہ سزا کا کچھ مزہ چکھنے سے اپنے کفر اور معصیت سے باز آجائیں یعنی وباؤں اور بلاؤں کو دیکھ کر غفلت سے بیدار ہوں اور شرک اور بداعمالیوں کو چھوڑ دیں اور توحید اور طاعت کی طرف رجوع کریں۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے زمین میں اللہ کی نافرمانی کی اس نے زمین میں فساد پھیلایا اور جس نے طاعت کی اس نے زمین کو درست کیا۔

اے نبی ﷺ اگر مشرکین کو اس بارے میں کچھ تردد ہے تو آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ جاؤ اور زمین میں چلو پھرو پھر آنکھیں کھول کر دیکھو کہ پچھلے لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا ان ہلاک ہونے والوں میں اکثر مشرک ہی تھے سو اے مخاطب تو اپنا رخ اسی دین راست یعنی توحید اسلام کی طرف کر لے قبل اس کے خدا کی طرف سے وہ دن آئے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا جب وہ دن آئے گا تو لوگ الگ الگ ہو جائیں گے ہر فریق دوسرے فریق سے جدا ہو جائے گا ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ بایں طور کہ جس نے دنیا میں کفر کیا تو اس پر کفر کا وبال ہوگا اور جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں وہ اپنی ہی راحت کا سامان کر رہے ہیں اور قیامت کے دن ہر فریق کا جدا ہونا اس لئے ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزاء خیر دے جو اول ایمان لائے اور پھر جنہوں نے نیک کام کئے اس لئے کہ بغیر ایمان کے کوئی عمل خیر معتبر نہیں بالیقین اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا اس لئے کافروں کو جدا کر کے دوزخ میں بھیجے گا وہ فضل کے مستحق نہیں دن رات خدا کی قدرتوں کا اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتا رہا پھر بھی ایمان نہ لایا اور نہ خدا کی نعمتوں کی قدر کی چنانچہ فرماتے ہیں اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ باران رحمت کی خوش خبری دینے والی ہوتی ہیں تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھائے تاکہ تمہاری کھیتیاں اور باغات سرسبز وشاداب ہوں اور تم ان کا پھل کھاؤ اور تاکہ ان ہواؤں کے ذریعہ کشتیاں اللہ کے حکم سے رواں ہوں اور تم بسہولت سفر کر سکو اور تاکہ تم دریا کا سفر کر کے اللہ کے فضل کی جستجو اور تلاش کر سکو یعنی کشتیوں کے ذریعہ تجارت کر سکو تاکہ سمجھ لو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا ظہور اسباب کے پردہ میں ہوتا ہے اور تاکہ تم اللہ کی ان نعمتوں کا شکر کرو اور کفر اور معصیت کو چھوڑ دو اللہ نے تمہارے لئے یہ سامان راحت مہیا کئے تاکہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر کرو اور ہمارے رسول کی ہدایت کے مطابق ہماری اطاعت کرو اور اے نبی ﷺ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا پس وہ رسول اپنی قوموں کے پاس معجزات واضحہ

لے کر آئے اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچایا پس بعض ان میں سے ایمان لائے اور بعض نے کفر اور انکار کیا اور مجرم بنے اور رسول کی اور اہل ایمان کی عداوت اور ایذاء رسانی پر تل گئے پس ہم نے مجرمین سے رسول کا اور اہل ایمان کا انتقام لے لیا مجرموں کو ہلاک کیا اور اہل ایمان کی مدد کی اور ہم پر اہل ایمان کی مدد کرنا حسب وعدہ لازم تھا مطلب یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کوئی نئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے آپ ﷺ سے پہلے جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام سے سرکشی کی ہم نے ان کو سزا دی ان آیات سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے آپ ﷺ ان کی تکذیب اور عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں یہ لوگ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہم حسب سابق آپ کی اور اہل ایمان کی مدد کریں گے اور ان مجرموں سے آپ کا انتقام لیں گے اور اہل ایمان کی نصرت من جملہ آثار رحمت کے ہے اور سب چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اس لئے آئندہ آیات میں پھر اپنے آثار قدرت اور آثار رحمت کو ذکر کرتے ہیں کہ مختلف قسم کی ہوائیں اور مختلف قسم کے بادل اور مختلف قسم کی بارشیں سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ

اللہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر پھیلا دیتا ہے اس کو آسمان میں جس طرح چاہے ف۱ اور رکھتا ہے

اللہ ہے جو چلاتا ہے بادیں، پھر ابھارتیاں ہیں بدلی، پھر پھیلاتا ہے اس کو آسمان میں، جس طرح چاہے، اور رکھتا ہے

كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ

اس کو تہ بہ تہ پھر تو دیکھے مینہ کو کہ نکلتا ہے اسکے بیچ میں سے پھر جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو کہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں تبھی وہ لگتے ہیں

اس کو تہ بر تہ، پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے۔ پھر جب اس کو پہنچایا جس کو چاہے اپنے بندوں میں، تبھی وہ لگے

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ

خوشیاں کرنے ف۲ اور پہلے سے ہو رہے تھے اسکے اترنے سے پہلے ہی ناامید ف۳ سو دیکھ لے

خوشیاں کرنے۔ اور پہلے ہو رہے تھے اس کے اترنے سے پہلے ہی ناامید۔ سو دیکھ،

اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي

اللہ کی مہربانی کی نشانیاں کیونکر زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے ف۴ بیشک وہی ہے مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ

اللہ کی مہر کے نشان، کیونکر جلاتا ہے زمین کو، اس کے مرے پیچھے۔ بیشک وہ ہے مردے جلانے والا۔ اور وہ

ف۱ یعنی پہلے کسی طرف، پیچھے کسی طرف، اسی طرح دین بھی پھیلائے گا۔ چنانچہ پھیلا دیا۔

ف۲ اسی طرح جو ایمانی اور روحانی بارش سے منتفع ہوں گے وہ خوشیاں منائیں گے۔

ف۳ یعنی پہلے سے لوگ ناامید ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی امید نہ تھی کہ مینہ برس کر ایسی جگ پرلو ہو جائیگی۔ انسان کا حال بھی عجیب ہے۔ ذرا دیر میں ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر ذرا سی دیر میں خوشی سے کھل پڑتا ہے۔

ف۴ یعنی چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک، بے رونق اور مردہ پڑی تھی ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلد ابھار دیا۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا سمجھو، اس سے مردہ دلوں میں جان پڑے گی اور خدا کی زمین "ظهر الفساد في البر والبحر" والی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے جو قابلیتیں مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں باران رحمت کا=

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾ وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ﴿٥١﴾

ہر چیز کرسکتا ہے ف۱ اور اگر ہم بھیجیں ایک ہوا پھر دیکھیں وہ کھیتی کو کہ زرد پڑگئی تو لگیں اس کے پیچھے ناشکری کرنے ف۲

ہر چیز کرسکتا ہے۔ اور اگر ہم بھیجیں ایک باؤ، پھر دیکھیں وہ کھیتی زرد پڑگئی، تو لگیں اس پیچھے ناشکری کرنے۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أَنتَ

سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا جبکہ پھریں پیٹھ دے کر اور نہ تو

سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو، اور نہیں سنا سکتا بہروں کو، پکارنا، جب پھریں پیٹھ دے کر۔ اور نہ تو

بِهَادِ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٥٣﴾ اللَّهُ

راہ سجھائے اندھوں کو ان کے بھٹکنے سے تو تو سنائے اسی کو جو یقین لائے ہماری باتوں پر، سو وہ مسلمان ہوتے ہیں ف۳ اللہ ہے

راہ سجھائے اندھوں کو، ان کے بھٹکنے سے۔ تو تو سنائے اس کو جو یقین مانے ہماری باتیں، سو وہ مسلمان ہوتے ہیں۔ اللہ ہے

الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ

جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا کمزوری کے پیچھے زور پھر دے گا

جس نے بنایا تم کو کمزوری سے، پھر دیا کمزوری پیچھے زور، پھر دے گا

=ایک چھینٹا ان کو ابھار کر نمایاں کر دے گا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بعثت محمدی کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا۔ ہمارے صوبہ کے شاعر حکیم نے کیا خوب کہا ہے۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کردے سما ابھار کر
اکبر اسی کو ورد تو صدق سے بے شمار کر

صل علی محمد صل علی محمد

ف۱ یعنی یہاں مردہ دلوں کو روحانی زندگی عطا فرمائے گا اور قیامت کے دن مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈالے گا۔ اس کی قدرت کاملہ کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔

ف۲ یعنی پہلے ناامید تھے، بارش آئی، زمین جی اٹھی، خوشیاں منانے لگے۔ اب اگر اس کے بعد ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ جائیں تو یہ لوگ فوراً پھر بدل جائیں گے اور اللہ کے سب احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں۔ غرض ان کا شکر اور ناشکری سب دنیاوی اغراض کے تابع ہیں اور یہاں اس پر فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے مراد پا کر بندہ نڈر نہ ہو جائے۔ اس کی قدرت رنگارنگ ہے۔ معلوم نہیں دی ہوئی نعمت کب سلب کر لے۔ اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کر دین کی کھیتی دنیا میں سرسبز و شاداب ہونے کے بعد پھر باد مخالف کے جھونکوں سے مرجھا کر زرد پڑ جائے گی۔ اس وقت مایوس ہو کر ہمت ہارنی نہیں چاہیے۔

ف۳ یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مردہ کو زندہ کر دے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں سے اپنی بات منوا سکو یا بہروں کو سنا دو۔ یا اندھوں کو دکھلا دو۔ خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ کریں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کفر و ناسپاسی سے ملول و غمگین نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا نقصان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات وہ ہی سنیں گے جو ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم و انقیاد کی خو اختیار کرتے ہیں۔

(تنبیہ) اسی قسم کی آیت سورۃ "نمل" کے آخر میں گزر چکی، اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ مفسرین نے اس موقع پر "سماع موتی" کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر باختیار خود کرے وہ اسکی طرف منسوب ہوتا=

ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﮓ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

زور کے پیچھے کمزوری اور سفید بال بناتا ہے جو کچھ چاہے اور وہ ہے سب کچھ جانتا کرسکتا ف۱ اور جس دن قائم ہوگی قیامت

زور پیچھے کمزوری، اور سفید بال۔ بناتا ہے جو چاہے، اور وہ ہے سب جانتا کرسکتا۔ اور جس دن اٹھے گی قیامت،

يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﮔ وَقَالَ الَّذِيْنَ

قسمیں کھائیں گے گناہ گار کہ ہم نہیں رہے تھے ایک گھڑی سے زیادہ ف۲ اسی طرح تھے الٹے جاتے ف۳ اور کہیں گے

قسمیں کھائیں گے گنہگار، کہ ہم نہیں رہے ایک گھڑی سے زیادہ، اسی طرح تھے الٹے جاتے۔ اور کہیں گے

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ

جن کو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اٹھنے کا دن

جن کو ملی سمجھ اور یقین، تمہارا ٹھہراؤ تھا اللہ کے لکھے میں، جی اٹھنے کے دن تک، سو یہ ہے جی اٹھنے کا دن،

الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﮕ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ

پر تم نہیں تھے جانتے ف۴ سو اس دن کام نہ آئے گا ان گناہ گاروں کو قصور بخشوانا

پر تم نہ تھے جانتے۔ سو اس دن کام نہ آئے گی ان گنہگاروں کو تقصیر بخشوانی،

= ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے اسے براہ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا یہ اس قاتل کا فعل کہلائے گا اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا، اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے۔ ورنہ اس کی مشیت کے بدون گولی یا گولا کچھ بھی اثر نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے "قتل" و "رمی" کی نفی کرکے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح "انك لاتسمع الموتیٰ" کا مطلب سمجھو۔ یعنی تم یہ نہیں کرسکتے کہ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنادو۔ کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کرسکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا اسی حد تک ہم کو سماع موتیٰ کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کرکے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لاسکتے۔ بہرحال آیت میں "اسماع" کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی بچہ شروع میں پیدائش کے وقت بے حد کمزور و ناتواں ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ قوت آنے لگتی ہے حتیٰ کہ جوانی کے وقت اس کا زور انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور تمام قوتیں شباب پر ہوتی ہیں، پھر عمر ڈھلنے لگتی ہے اور زور و قوت کے پیچھے کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ جس کی آخری حد بڑھاپا ہے۔ اس وقت تمام اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے اور قویٰ معطل ہونے لگتے ہیں۔ قوت وضعف کا یہ سب اتار چڑھاؤ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرح چاہے جس چیز کو بنائے۔ اور قوت وضعف کے مختلف ادوار میں سے گزارے۔ اسی کو قدرت حاصل ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت تک کن حالات میں رکھنا مناسب ہے۔ لہٰذا اسی خدا کی اور اس کے پیغمبروں کی باتیں ہمیں سننی چاہئیں۔ شاید اس میں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ جس طرح تم کو کمزوری کے بعد زور دیا، مسلمانوں کو بھی ضعف کے بعد قوت عطا کرے گا اور جو دین بظاہر اس وقت کم زور نظر آتا ہے کچھ دنوں بعد زور پکڑے گا اور اپنے شباب و عروج کو پہنچے گا۔ اس کے بعد پھر ہوسکتا ہے کہ ایک زمانہ مسلمانوں کے ضعف کا آئے، سو یاد رکھنا چاہئے کہ خدائے قادر و توانا ہر وقت ضعف کو قوت سے تبدیل کرسکتا ہے۔ ہاں ایسا کرنے کی خاص صورتیں اور اسباب ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی قبر میں یا دنیا میں رہنا تھوڑا معلوم ہوگا جب مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی کہیں گے کہ افسوس بڑی جلدی دنیا کی اور برزخ کی زندگی ختم ہوگئی۔ کچھ بھی مہلت نہ ملی جو ذرا سی دیر لو اس عذاب الیم سے بچے رہتے۔ یا دنیا میں کچھ زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع ملتا تو اس دن کے لئے تیاری کرتے یہ تو ایک دم مصیبت کی گھڑی سامنے آگئی۔

ف۳ یعنی جیسے اس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح سمجھو کہ دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔ =

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے ف ۱

اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے۔

ذکر بعض دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ ... الی ... وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ﴾

ربط:......گزشتہ آیات میں زیادہ تر ایسے دلائل قدرت ذکر کئے جو الوہیت اور وحدانیت کے مثبت تھے اب ایسے چند دلائل قدرت ذکر کرتے ہیں کہ جو قیامت اور فناء عالم اور بعث بعد الموت اور حیات ثانیہ کے لئے مثبت ہوں اور بعد ازاں کچھ احوال قیامت کو بیان کیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں خدا برحق وہ ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں پھر اٹھاتی ہیں وہ ہوائیں ابر کو پھر پھیلاتا ہے اللہ اس ابر کو آسمان کی جانب میں جس طرح چاہے کہیں کم اور کہیں زیادہ اور کہیں سفید اور کہیں سیاہ پھر اس کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس ابر کے درمیان سے نکلتی ہے اور جہاں جتنی بارش چاہتا ہے اتنی ہی بارش ہوتی ہے پھر جب خدا اس بارش کو اپنے بندوں میں سے جس کو پہنچاتا ہے تو ناگاہ وہ خوش ہو جاتے ہیں اور ان کو قحط کے دور ہونے کی امید ہو جاتی ہے اور تحقیق وہ اس بارش کے نازل ہونے سے پہلے ناامید تھے بارش کے نازل ہونے سے ان کی ناامیدی امید میں بدل گئی باران رحمت کے نزول کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہے اور فلاسفہ جو یہ کہتے ہیں کہ سمندر سے بخارات بذریعہ ہوا بلند ہو کر سحاب بن کر برستے ہیں اگر یہ امر کسی دلیل قطعی سے ثابت بھی ہو جائے تو یہ محض ایک ظاہری سبب ہے اور ظنی ہے قطعی نہیں یہ سب چیزیں اللہ کے فضل کے ظہور کے اسباب ہیں بالذات موثر نہیں ان میں سے بندہ کے اختیار میں کوئی چیز نہیں لہٰذا چاہئے کہ خدا کی قدرت کاملہ پر نظر رکھیں اور اسی پر اعتماد کریں بندوں کا کبھی خوش ہونا اور کبھی رنجیدہ ہونا یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کی نظر اسباب ظاہری پر ہے اللہ کی قدرت کاملہ پر نظر نہیں اور اس کی رحمت پر اعتماد نہیں۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قحط کی وجہ سے اہل وعیال بھوکے ہیں آپ ﷺ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر باران رحمت نازل فرمائے آپ ﷺ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی حضرت انس ؓ کہتے ہیں واللہ اس وقت سوائے آفتاب کی تمازت کے آسمان پر ابر کا نام ونشان نہ

= ف۴ یعنی مومنین اور ملائکہ اس وقت ان کی تردید کریں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر میں یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اور اس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے، ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا۔ اب وہ دیکھ لو جسے تم جانتے اور مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے اور یہاں کی مسرتیں دیکھ کر کہتے کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ بڑے انتظار واشتیاق کے بعد آیا۔ جیسا کہ مومنین سمجھتے ہیں۔

ف ۱ یعنی نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے جو کام آئے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کر لو، کیونکہ اس کا وقت گزر چکا اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔

تھا ادھر آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا فرمائی کہ یکا یک کوہ سلع کی طرف سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور پھیل کر آسمان کو محیط ہو گیا اور بارش شروع ہو گئی اور نماز سے فارغ ہو کر اسی بارش میں ہم اپنے گھروں کو واپس ہوئے اسی طرح وہ پانی آٹھ روز تک مسلسل برستا رہا یہاں تک کہ دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص اثناء خطبہ کھڑا ہوا جس نے پہلے جمعہ کو بارش کی التجاء کی تھی اس نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کثرت بارش سے راستے بند ہو گئے اور مکانات منہدم ہو گئے آپ ﷺ نے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللھم حوالینا ولا علینا اے اللہ ہمارے اردگرد پہاڑوں اور ٹیلوں پر بارش ہو اور ہم پر نہ ہو اسی وقت بادل کھل گیا اور بارش بند ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری جن کے فلاسفہ مدعی ہیں اگر ثابت ہو جائیں تو کوئی مستقل اور قطعی چیز نہیں اصل سبب اللہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور مشیت ہے۔

پس اے ظاہر بین، اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت کی طرف نظر کر اور دیکھ کہ وہ خدا کس طرح زمین کو مردگی اور افسردگی کے بعد زندہ کر دیتا ہے تحقیق جو ذات پاک زمین کو مردگی کے بعد زندہ کرتی ہے وہی ذات قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گی اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت تمام مخلوقات کے ساتھ یکساں ہے اور بارش کا بہرہ مند اور سودمند ہونا اس کی طبیعت کا ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ ہماری مشیت کے تابع ہے اس لئے کہ اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں جو کھیتوں کو ہلاک کرنے والی ہو تو یہ اپنے کھیتوں کو زرد دیکھیں کہ وہ کھیتی خشک ہو جائے اور اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو اس کے بعد وہ ناشکری کرنے والے ہو جائیں اور کیا کیا باتیں منہ سے بکنے لگیں غرض یہ کہ اللہ کی قدرت طرح طرح کے رنگ دکھاتی ہے کبھی مبشرات کے رنگ میں اور کبھی آفات کے رنگ میں پس اے نبی ﷺ جس شخص نے ان واضح آیت قدرت اور صریح آثار رحمت کا انکار کیا اور مردہ زمین کے زندہ ہونے کا انکار کیا تو ایسا شخص خود مردہ ہے آپ ﷺ اس کے انکار سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو جیے تحقیق آپ ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز اور پکار سنا سکتے ہیں خاص کر جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں "بہرا" اول تو کسی کی پکار نہیں سنتا اور اس پر مزید یہ کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو ایسی حالت میں اس کا سننا اور بھی ناممکن ہو جاتا ہے اس لئے کہ اگر بہرے کا منہ پکارنے والے کی طرف ہو تو ممکن ہے کہ لب و دہان کی سیر کی حرکت سے یا ہاتھ کے اشارہ سے کچھ سمجھ لے لیکن جب بہرے نے بات کرنے والے کی طرف پشت کر دی تو اس سے بھی محروم ہو گیا اے نبی ﷺ آپ ﷺ میں یہ قدرت نہیں کہ آپ ﷺ ان اندھوں کو راہ دکھا سکیں اور ان کی گمراہی سے ان کو ہٹا سکیں پس اگر ایسے مردے اور اندھے اور بہرے ان آیات قدرت پر ایمان نہ لائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں آپ ﷺ ان ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں اور پھر وہ ہمارے مطیع اور فرماں بردار ہیں یعنی جن لوگوں کے دل زندہ ہیں وہ ہماری باتوں کو سنتے اور مانتے ہیں۔

ف:...... اس آیت میں۔ "الموتی" سے کفار مراد ہیں مردہ دل ہونے کی وجہ سے ان پر موتی کا اطلاق کر دیا گیا یعنی جن کے دل مردہ ہو چکے ان پر کلام ہدایت کچھ اثر نہیں کرتا باقی سماع موتی کی تحقیق سورۃ نمل کے آخری رکوع میں گزر چکی ہے سماع موتی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔

ف:...... ظاہر اسباب میں مردہ کا سنانا محال ہے اور بہرے اور اندھے کا سنانا کسی درجہ میں ممکن ہے اشارہ اس طرف ہے کہ

بعض کافر تو بالکل مردہ ہو چکے ہیں اور بعضے بمنزلہ اندھے اور بہرے کے ہیں اگر توجہ کریں تو ممکن ہے کہ راہ راست پر آ جائیں یہ لوگ اگر اپنے جسمانی اور بدنی تغیرات اور انقلاب میں غور کریں تو وحدانیت کے بھی قائل ہو جائیں اور حشر ونشر کے بھی قائل ہو جائیں آئندہ آیت میں یہی مضمون ہے خداوند مطلق اور معبود برحق وہ ہے جس نے تم کو ناتوانی اور کم زوری سے پیدا کیا نطفہ سے لے کر بچپن تک زمانہ کمزوری کا ہے پھر کم زوری کے بعد اللہ نے تم کو قوت دی یعنی جوانی دی پھر قوت اور توانائی کے بعد تم کو کم زوری اور بڑھاپا دیا جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے کبھی کم زوری اور کبھی توانائی کبھی تندرستی اور کبھی بیماری اسی طرح قوت اور ضعف کے بیابانوں میں تمہیں پلٹیاں دے رہا ہے اور وہ علم والا اور قدرت والا ہے ضعف اور قوت کی پلٹیاں دے کر تمہیں اپنی قدرت اور تمہاری لاچارگی کا تماشا دکھا رہا ہے اور علیم وقدیر وہ ہے کہ جو صفتوں اور کیفیتوں کے بدلنے پر قادر ہو یہ مشرکین اور منکرین قیامت اگر اپنے جسمانی تغیرات میں ذرا غور کریں تو وحدانیت کے بھی قائل ہو جائیں اور قیامت کے بھی قائل ہو جائیں۔

یہ تو کافروں کی دنیاوی حماقت اور جہالت کا بیان تھا کہ دنیا میں کفر اور شرک کیا اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو رد کیا اب آئندہ آیت میں ان کی اخروی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرمین قسم کھائیں گے کہ وہ دنیا میں یا عالم برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے اسی طرح دنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے یعنی انہوں نے اس وقت جھوٹ بولا جس طرح کہ اس سے پہلے دنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے عالم آخرت میں پہنچنے کے بعد دنیا یا برزخ کا رہنا ایسا معلوم ہوگا کہ گویا کہ دنیا میں ایک ساعت رہے آخرت کی عقوبات اور آفات دیکھنے کے بعد دنیا خواب وخیال ہو جائے گی اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا وہ ان مجرمین سے کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو۔

البتہ تحقیق تم دنیا میں اللہ کے کہنے کے مطابق قیامت تک ٹھہرے ہو پس یہی وہ جی اٹھنے کا دن ہے جس کا پہلے تم انکار کیا کرتے تھے لیکن اب اس کا انکار ناممکن ہے اس لئے کہ وہ دن اب تمہارے سامنے آ گیا اور مشاہدہ کے بعد انکار محال ہے لیکن تم تو پہلے ہی جاہل نادان تھے ایسی واہی تباہی باتیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔

پس آج کے دن ان ظالموں کو ان کی معذرت یعنی عذر خواہی کوئی نفع نہ دے گی تا کہ عذر کریں کوئی عذر ان کو فائدہ نہ دے گا اور ان کو خدا کی رضا جوئی کا کوئی موقعہ نہ دیا جائے گا بلکہ صرف جزاء اور سزا کا دن ہوگا اس دن نہ کسی کا کوئی عذر مقبول ہوگا اور نہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کا موقع ملے گا وہ اگر توبہ کریں اور آئندہ کے لئے ایمان اور طاعت کا وعدہ کریں اور یہ درخواست کریں کہ ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ درخواست قبول نہ ہوگی۔

کما قال تعالیٰ ﴿وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ

اور ہم نے بتلائی ہے آدمیوں کے واسطے اس قرآن میں ہر ایک طرح کی مثل اور جو تو لائے ان کے پاس کوئی آیت تو ضرور کہیں

اور ہم نے بٹھائی ہے آدمیوں کو، اس قرآن میں ہر طرح کی کہاوت۔ اور جو تو لائے ان پاس کوئی آیت تو مقرر کہیں

الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا

وہ منکر تم سب جھوٹ بناتے ہو ف۱ یوں مہر لگا دیتا ہے اللہ ان کے دلوں پر جو سمجھ

وہ منکر، تم جھوٹ بناتے ہو۔ یوں مہر کرتا ہے اللہ ان کے دلوں پر، جو سمجھ

یَعْلَمُوْنَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

نہیں رکھتے ف۲ سو تو قائم رہ بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور اکھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے ف۳

نہیں رکھتے۔ سو تو ٹھیرا رہ، بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، اور اچھال نہ دیں تجھ کو جو یقین نہیں لاتے۔

خاتمۂ سورت براعجاز قرآن

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ... الی ... لَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ﴾

ربط:...... سورت کا آغاز ایک دلیل نبوت سے فرمایا اب اس سورت کو پھر ایک دلیل نبوت پر ختم کرتے ہیں کہ یہ قرآن عجیب وغریب کتاب حکمت اور دستور ہدایت ہے اس کی خوبی پر نظر کرو تم پر واضح ہو جائے گا کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے جو قیامت تک باقی رہے گی انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات ختم ہو گئے مگر قرآن ایسا معجزہ ہے کہ قیامت تک باقی رہے گا اور ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ ﷺ ان مشرکین کے عناد اور جہالت پر صبر کیجئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اپنے وقت پر ظاہر ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اتمام حجت کے لئے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں جا بجا ہر قسم کی مثال بیان کر دی جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے اور غافلوں کو تنبیہ ہو جائے یہ قرآن ان کی ہدایت کے لئے کافی تھا مگر غایت عناد کی وجہ سے اس حجت واضحہ کو قبول نہ کیا اور اے نبی ﷺ اگر آپ ﷺ ان کے پاس کیسی ہی واضح اور روشن نشانی لے کر آئیں تو یہ کافر غایت عناد اور عداوت اور سرکشی کے باعث یہی کہیں گے کہ نہیں ہو تم یعنی پیغمبر اور اہل ایمان مگر بے ہودہ گو اور جھوٹے دیکھو لو کہ اسی طرح اللہ مہر لگاتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے اور بے عقلی اور بدعقلی سے انکار کرتے ہیں جن

ف۱ یعنی اس وقت پچھتائیں گے اور آج خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع ہے قرآن کریم کیسی عجیب مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح سے ان کو سمجھاتا ہے، پر ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنائیے یا صاف سے صاف معجزے دکھلائیے وہ سن کر اور دیکھ کر یہی کہہ دیتے ہیں کہ تم (پیغمبر اور مسلمان) سب مل کر جھوٹ بنا لائے ہو۔ ایک نے چند آیتیں بنا لیں دوسروں نے تصدیق کر دی۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح مل بھگت کر کے اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہو۔

ف۲ یعنی جو آدمی نہ سمجھے، نہ سمجھنے کی کوشش کرے اور ضد وعناد سے ہر بات کا انکار کرتا رہے اور اسی طرح شدہ شدہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور آخر کار ضد وعناد سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ العیاذ باللہ!

ف۳ یعنی جب ان بدبختوں کا حال ضد وعناد کے اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ پیغمبرانہ صبر وتحمل کے ساتھ اپنے دعوت واصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہے گا۔ اس میں رتی برابر تفاوت و تخلف نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے کام پر جمے رہیے۔ یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔ تم سورۃ الروم وللہ الحمد والمنہ۔

لوگوں کے دلوں پر خدا مہر لگا دیتا ہے وہ ایسے ہوجاتے ہیں پس اے نبی ﷺ ان معاندین کی ایذا رسانی پر صبر کیجئے بے شک اللہ نے اظہار دین کا جو وعدہ آپ ﷺ سے کیا ہے وہ حق ہے اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور جو لوگ خدا کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے چاہئے کہ وہ آپ ﷺ کو یقین اور اذعان سے جنبش نہ دے سکیں اللہ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق اور درست ہے یقیناً ضرور پورا ہوگا مبادا یہ بے یقین لوگ آپ ﷺ کو گھبراہٹ میں ڈال دیں اور آپ ﷺ کو ہلکا بنا دیں آپ بالکل مطمئن رہیں مبادا یہ بے یقین آپ ﷺ کو اضطراب میں نہ ڈال دیں۔

الحمد للہ آج بروز یک شنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۱۶ رجب الحرام ۱۳۹۲ھ سورۃ روم کی تفسیر سے فراغت ہوئی اے اللہ اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما اور تفسیر کے اتمام کی توفیق عطا فرما۔

امین یارب العالمین

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

تفسیر سورۃ لقمان

سورۃ لقمان مکی ہے اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں تفصیل کے ساتھ لقمان حکیم کا قصہ مذکور ہے اس لئے یہ سورت "لقمان" کے نام سے موسوم ہوئی جمہور علماء اسلام اور سلف صالحین کا متفقہ قول یہ ہے کہ لقمان حکیم اور دانا تھے مگر نبی نہ تھے صرف عکرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ وہ نبی تھے مگر سند اس کی ضعیف ہے سوڈان کے رہنے والے تھے نجاری ان کا پیشہ تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ خیاط (درزی) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے واللہ اعلم بعض کہتے ہیں کہ وہ ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ان کے خالہ زاد بھائی تھے اور ایوب علیہ السلام سے علم حاصل کیا طویل عمر پائی یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل کے قاضی اور مفتی تھے جب داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے تو فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ نبی کا وجود با جُود کافی ہے۔

ربط (۱):...... گزشتہ سورت کے اخیر میں یعنی ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ میں قرآن کے اعجاز اور حقانیت کی طرف اشارہ تھا اب اس سورت کے شروع میں پھر قرآن کی حقانیت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب کتاب رحمت ہے اور کتاب ہدایت اور کتاب حکمت ہے اس کو قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا باعث سعادت ہے اور اس کتاب حکمت کو چھوڑ کر لھو الحدیث یعنی گانے بجانے اور ناولوں اور قصے اور کہانیاں کی طرف مائل ہونا شقاوت کی علامت ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے سفہاء اور اشقیاء کا حال بیان کیا کہ جو لوگ قرآن کو چھوڑ کر گانے بجانے کی طرف مائل ہیں اور دین کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں یہ لوگ بدنصیب اور محروم ہیں اور پھر اس کے مقابلہ میں عقلاء اور سعداء کا حال بیان کیا جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ربط (۲):...... حق جل شانہ نے اس سورت میں لقمان حکیم کی حکیمانہ اور عاقلانہ نصائح کا ذکر فرمایا جو توحید کی دعوت اور شرک

کی مذمت پر اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی ترغیب پر اور اخلاق ذمیمہ اور افعال قبیحہ سے ترہیب پر مشتمل ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ توحید اور مکارم اخلاق تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک مستحسن ہیں اور یہ تمام امور فطری ہیں عقل سلیم اور فطرت سلیمہ ان کو قبول کرتی ہے اور شرک عقلاً قبیح ہے اور خلاف فطرت ہے اور گزشتہ سورت میں ﴿فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّیۡنِ﴾ میں جس دین قیم پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ یہی دین توحید ہے جس کی لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی لوگوں کو چاہئے کہ ان نصیحتوں کو حرز جان بنائیں۔

ربط (۳):...... نیز گزشتہ سورت میں مبدا اور معاد کا ذکر تھا اس سورت میں مبدأ اور معاد کا اور دلائل قدرت کا ذکر ہے۔

ربط (۴):...... نیز گزشتہ سورت کے اول میں ان لوگوں کی مذمت تھی کہ جو اللہ کے وعدہ پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اسباب ظاہری پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس سورت کے شروع میں ان لوگوں کی مدح ہے جو آخرت پر اور اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔

ربط (۵):...... نیز گزشتہ سورت کے اخیر میں قیامت کا ذکر تھا اور اس سورت کے اخیر میں یہ بتلایا کہ قیامت کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس سورت کی شروع آیات میں اللہ تعالیٰ نے سعداء اور اشقیاء کے مراتب اور مقامات کا فرق بیان کیا اور چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لئے کہ نزول آیات کے وقت دونوں فریق موجود تھے لہٰذا سعداء کا مصداق اولین مہاجرین اولین ہوں گے اور وہی اس سے مراد ہوں گے۔ (ازالۃ الخفاء)

(۳۱ سُوۡرَۃُ لُقۡمٰنَ مَکِّیَّۃٌ ۵۷) ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ (اٰیاتھا ۳۴ رکوعاتھا ٤)

الٓمّٓ ۟ۚ﴿۱﴾ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ هُدًی وَّ رَحۡمَةً لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی ہدایت ہے اور مہربانی نیکی کرنے والوں کے لئے ف۱ جو کہ قائم رکھتے ہیں

یہ باتیں ہیں پکی کتاب کی۔ سوجھ ہے اور مہر نیکی والوں کو۔ جو کھڑی رکھتے ہیں

الصَّلٰوةَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ

نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت پر ان کو یقین ہے انہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی طرف سے

نماز، اور دیتے ہیں زکوٰۃ، اور وہ ہیں جو آخرت کو وہ یقین کرتے ہیں۔ یہ ہیں سوجھ پر اپنے رب کی طرف سے،

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ

اور وہی مراد کو پہنچے ف۲ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ بچلائیں

اور وہ ہیں جن کا بھلا ہے۔ اور ایک لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے، تا بچلا دیں

ف۱ یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت وہدایت ہے۔ کیونکہ وہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت ورحمت بن کر آئی ہے۔

ف۲ "سورۃ بقرہ" کے شروع میں اسی طرح کی آیات گزر چکی ہیں وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى

اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اسی کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے ف۱ اور جب سنائے

اللہ کی راہ سے بن سمجھے، اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی، وہ جو ہیں ان کو ذلت کی مار ہے۔ اور جب سنائے

عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ

اس کو ہماری آیتیں پیٹھ دے جائے غرور سے گویا انکو سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو خوشخبری دے اس کو دردناک

اس کو ہماری باتیں پیٹھ دے جاوے غرور سے، گویا ان کو سنا ہی نہیں، گویا اس کے دو کان بہرے ہیں۔ سو خوشخبری دے اس کو دکھ والی

اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

عذاب کی ف۲ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کے واسطے ہیں نعمت کے باغ ہمیشہ رہا کریں ان میں

مار کی۔ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ہیں نعمت کے باغ۔ رہا کریں ان میں۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي

وعدہ ہوچکا اللہ کا سچا اور زبردست ہے حکمتوں والا ف۳ بنائے آسمان بغیر ستونوں کے تم اس کو دیکھتے ہو ف۴ اور رکھ دیئے

وعدہ ہوچکا اللہ کا سچا، اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا۔ بنائے آسمان بن ٹیکے، اسے دیکھتے ہو، اور ڈالے

ف۱ سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ ان اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناچ رنگ کھیل تماشے، یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں چاہتے ہیں، کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل وتفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کردیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ "لھو الحدیث" کے متعلق فرماتے ہیں، کل ما شغلك عن عبادة الله وذكره من السمر والاضاحيك والخرافات والغناء ونحوها (روح المعانی) (یعنی "لھو الحدیث" ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ) روایات میں ہے کہ نضر بن حارث جو رؤسائے کفار میں تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہان عجم کے قصص وتواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں آ ؤ میں تم کو رستم واسفندیار اور شاہان ایران کے قصے سناؤں۔ بعض لوگ ان کو دل چسپ سمجھ کر ادھر متوجہ ہوجاتے۔ نیز اس نے ایک گانے والی لونڈی خریدی تھی، جس کو دیکھتا کہ دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا، اس کے پاس لے جاتا اور کہہ دیتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا، پھر اس شخص کو کہتا کہ دیکھ یہ اس سے بہتر ہے جدھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور جان مارو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تنبیہ) شان نزول گو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔ جو لہو (شغل) دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے۔ ہاں جو لہو کسی امر واجب کا مفوت (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض ومصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح، لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ گھڑ دوڑ، یا تیر اندازی اور نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت (جو حد شریعت میں ہو) چونکہ معتد بہ اغراض ومصالح شرعیہ پر مشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنٰی قرار دی گئی ہیں۔ رہا غناء وسماع کا مسئلہ اس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنی چاہئے۔ مزامیر وملاہی کی حرمت پر تو صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ البتہ نفس غنا کو ایک درجہ تک مباح لکھتے ہیں اس کی قیود شروط بھی کتابوں میں دیکھ لی جائیں۔ صاحب روح المعانی نے آیت ہذا کے تحت میں مسئلہ غناء وسماع کی تحقیق نہایت شرح وبسط سے کی ہے۔ فلیراجع۔

ف۲ یعنی غرور وتکبر سے ہماری آیتیں سننا نہیں چاہتا بالکل بہرا بن جاتا ہے۔

ف۳ یعنی کوئی قوت اس کو ایفائے وعدہ سے روک نہیں سکتی نہ کسی سے بے موقع وعدہ کرتا ہے۔

ف۴ اس لفظ کی تفسیر سورۃ "رعد" کے شروع میں گزر چکی۔

الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

زمین پر پہاڑ کہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے ف۱ اور بکھیر دیئے اس میں سب طرح کے جانور اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی

زمین پر بوجھ، کہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے، اور بکھیرے اس میں سب طرح کے جانور۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی،

فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ⑩ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ

پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے ف۲ یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو

پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے۔ یہ کچھ بنایا ہے اللہ کا، اب دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو

دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ⑪ ع ۱۱ / ۱۰

اس کے سوا ہیں ف۳ کچھ نہیں پر بے انصاف صریح بھٹک رہے ہیں ف۴

اس کے سوا ہیں؟ کوئی نہیں پر بے انصاف صریح بہکتے ہیں۔

آغاز سورت بمدح کتاب ہدایت وحکمت وبیان حال ومآل سعداء مفلحین واشقیاء خاسرین

قال تعالیٰ: ﴿الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ... الی ... بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾

ربط: ...... یہ سورت "سورۃ لقمان" کے نام سے موسوم ہے جس میں لقمان حکیم علیہ السلام کے کلمات حکمت وموعظت مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا ذکر ہے اس لئے سورت کا آغاز قرآن کریم کی مدح اور توصیف سے کیا گیا کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب حکمت وہدایت ہے جس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں گزشتہ سورت کے اخیر میں قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے مکذبین کا ذکر تھا اور اس سے ذرا پہلے اہل علم اور اہل ایمان کا ذکر تھا اس لئے اس سورت کے شروع میں اول قرآن کی مدح اور توصیف ذکر فرمائی اور اس کے بعد سعداء مفلحین ❶ اور اشقیاء خاسرین کا حال اور مآل اور ان کے مراتب اور مقامات کو بیان کیا تاکہ دونوں فریق میں کمال تباین ظاہر ہو جائے جیسا کہ گزشتہ سورت کی آیت ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىٕذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ﴾

ف۱ یعنی سمندر کی موجوں اور سخت ہوا کے جھٹکوں سے یا دوسرے اسباب طبیعہ سے مرتعش ہو کر جھک نہ پڑے۔ اس کا انتظام بڑے بڑے پہاڑ قائم کر کے کر دیا گیا۔ سورۃ "نحل" کے اوائل میں یہ مضمون گزر چکا ہے، باقی پہاڑوں کے پیدا کرنے کی حکمت کچھ اسی میں منحصر نہیں۔ دوسرے فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ کو معلوم ہیں۔

ف۲ یعنی ہر قسم کے پر رونق، خوش منظر اور نفیس وکار آمد درخت زمین سے اگائے۔ سورۃ شعراء کے شروع میں اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے۔

ف۳ جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے ان کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہ ہی ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ یہاں ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔

ف۴ یعنی ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ آگے شرک وعصیان کی تقبیح کے لئے حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل فرماتے ہیں۔ جو انہوں نے اللہ سے دانائی پا کر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

❶ یہ نکتہ ازالۃ الخفاء مصنفہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لیا گیا ہے۔

میں ذکر تھا کہ قیامت کے دن نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔

اور چونکہ سورۃ لقمان مکیہ ہے لہٰذا ان سعداء محسنین مفلحین کا مصداق مہاجرین اولین ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں ﴿الٓمّٓ﴾ اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یہ سورت آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی درآں حالیکہ وہ مشعل ہدایت اور عظیم رحمت ہیں نیکو کاروں کے لئے جو خدا کی اس طرح عبادت کرتے ہیں گویا کہ وہ اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہیں جو نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا قطعی یقین رکھتے ہیں آخرت ہر وقت ان کے پیش نظر رہتی ہے اور وہ دنیا کو سرائے فانی سمجھتے ہیں ہدایت اور صلاح اور فلاح کی اصل جڑ آخرت کا یقین ہے ورنہ سب ہیچ ہے ایسے ہی بندے اپنے رب کی طرف سے عظیم ہدایت پر ہیں اور ایسے ہی بندے فلاح پانے والے ہیں یعنی رضائے الٰہی اور نعمائے غیر متناہی سے سرفراز ہوں گے جو کسی بشر کے وہم و گمان میں نہیں آسکتیں یہاں تک سعداء یعنی محسنین مفلحین کا بیان تھا اب آگے ان کے بالمقابل اشقیاء کا حال بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ان سعداء محسنین مفلحین کے بالمقابل کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن سے اعراض کر کے کھیل کی باتوں کے یعنی قصے کہانیوں اور خرافات اور گانے بجانے والی لونڈیوں کے خریدار ہیں تاکہ یہ قصے سنا کر محفل گرم کریں اور لوگوں کو خدا کی راہ سے یعنی اس کے دین سے بے سمجھے بوجھے یعنی بوجہ بے علمی اور جہالت کے گمراہ کریں خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں ہیں اور یہ گمراہ اس فکر میں ہے کہ اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑا دے یعنی بالکل جاہل ہے نیک و بد کو کچھ نہیں سمجھتا آیات الٰہی کا لھو الحدیث سے مقابلہ کرتا ہے اور راہ حق کا ٹھٹھا بناتا ہے اور اللہ کی باتوں کے ساتھ تمسخر کرتا ہے ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت اور رسوائی کا عذاب ہے آپ ان کو اسی عذاب کی خبر سنا دیجئے اور اس شخص کی حالت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہمارے آیت تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ شخص مغرور بن کر پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے گویا کہ اس نے آیات کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں سخت گرانی یعنی بہرہ پن ہے آیات الٰہی کی عظمت کا حق تو یہ تھا کہ ان کے سامنے سر جھکاتا اور بصد تواضع و ادب ہدایت و معرفت کا خواستگار ہوتا لیکن اس نے بجائے توجہ کے بے التفاتی برتی اور بجائے عاجزی کے تکبر کیا اور بجائے مدح کے ان کے ساتھ ٹھٹھہ کیا اور عین ہدایت و حکمت کے مقابلہ میں لھو الحدیث یعنی لغو اور باطل کو لایا پس آپ ایسے شخص کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے کیونکہ ایسا شخص خدا کا اور اس کے دین کا دشمن ہے اور دشمن ایسی ہی بشارت کا مستحق ہے۔

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ سے ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ تک نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو تجارت کرتا تھا اور حیرہ وغیرہ سے قصص اور اخبار کی لغو کتابیں خرید کر لایا کرتا تھا جس میں اکاسرہ ایران اور رستم اور اسفندیار کی داستانیں ہوتی تھیں اور قریش اور اہل مکہ کو قرآن سے روکنے کے لئے یہ داستانیں سناتا اور کہتا کہ محمد ﷺ تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار اور شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں اور کچھ گانے والی لونڈیاں بھی خرید لایا تھا جس کو اسلام کی طرف راغب دیکھتا تو اس کو بلا کر لاتا اور شراب پلاتا اور گانا سنواتا اور کہتا کہ بتلا یہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جس کی طرف تم کو محمد ﷺ بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو اور اس کے ساتھ ہو کر اپنی جان کھپاؤ یعنی جہاد کرو مقصود اس کا یہ تھا کہ لوگ قرآن چھوڑ کر یہ قصے سنیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں امام قرطبی ؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس ؓ اور عبداللہ بن مسعود ؓ اور عبداللہ بن عمر ؓ اور جابر بن عبداللہ ؓ وغیرہم

سے یہی منقول ہے کہ یہ آیت گانے بجانے اور لغو کہانیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۵۱/۱۴)

اور عکرمہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر اور مجاہد اور مکحول رحمہم اللہ اور عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ (علماء تابعین) سے یہی منقول ہے کہ یہ آیت غناء مزامیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۴۴۳۔

اور جو غنا تحریک اصوات اور تحسین نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔

غرض کہ یہ کہ اس آیت میں لھو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان مراد ہے جیسے باجا اور بانسری اور موسیقی اور ستار اور سارنگی اور خرافات اور مضحکہ خیز باتیں اور ناول اور افسانہ جات اور گانے بجانے والی لڑکیاں یہ سب چیزیں لھو الحدیث کے عموم میں داخل ہیں اور یہ سب چیزیں باجماع صحابہ و تابعین و باتفاق آئمہ مجتہدین، حرام ہیں جن کے حرام ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں اور گانا بجانا تو تمام ملتوں اور دینوں میں حرام رہا ہے یہ نفسانی اور شہوانی چیزیں کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوئیں اور غنا اور مزامیر کی حرمت میں بے شمار احادیث آتی ہیں جن کو علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے کتاب الزواجر میں ذکر کیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس قسم کے ہفوات اور خرافات اور ناولوں اور افسانوں کا پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور جب کہ اس سے مقصود استماع حق اور سماعت قرآن سے روکنا ہو تو وہ بلاشبہ کفر ہے دشمنان حق کا طریقہ ہی یہ ہے کہ استماع حق سے باز رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی مشغلہ نکال کھڑا کرتے ہیں اور حق کا مذاق اڑاتے ہیں اور جب ان کو حق بات سنانے کی کوشش کی جاتی ہے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ گویا کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور مغرورانہ گردن ہلاتے ہوئے چلتے ہو جاتے ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے لوگوں کا حال بیان کیا اور وعید اور عذاب کی بشارت دی ہے۔

اہل ایمان اور عاشقان قرآن کے لئے بشارت

اب آئندہ آیات میں اہل ایمان کا حال اور مآل کا ذکر کرتے ہیں کہ اہل ایمان کا حال ان کے برعکس ہے کہ وہ لوگ جب آیات قرآنی کو سنتے ہیں تو گردن جھکا دیتے ہیں اور ہمہ تن گوش بن جاتے ہیں ان کا انجام وہ ہے جس کو آئندہ آیت میں بیان کرتے ہیں بالیقین جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے نعمتوں کے باغ ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ عزوجل نے ان سے پکا وعدہ کیا ہے جو پورا ہو کر رہے گا اور وہ خدا تعالیٰ عزت والا اور حکمت والا ہے اور اگر تم اس کی شان عزت و حکمت کو پہنچانا چاہتے ہو تو اس کے عجائب قدرت میں غور کرو تحقیق اسی نے آسمانوں کو بلا ستون کے پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ آسمان بلا عمود کے قائم ہیں یہ اس کی کمال صنعت کی دلیل ہے کہ اس نے اتنا بلند اور طویل و عریض جسم بغیر عمود کے پیدا کر دیا اور بلا ستون اور سہارے کے اسے قائم کر دیا جس کو تم ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہو دیکھ لو کہ یہ آسمان خود بخود باقتضاء طبیعت موجود نہیں ہو گئے بلکہ خدا کی قدرت سے وجود میں آئے ہیں اور فضاء اور خلاء میں بغیر کسی ستون کے قائم ہیں اور ان آسمانوں کا کوئی مکان بھی نہیں کہ جہاں یہ سات آسمان مستقر اور متمکن ہیں اگر ہر جسم اور ہر مکان کے لئے مکان لازم ہو تو تسلسل لازم آئے اور اس نے زمین میں بڑے بھاری پہاڑ ڈال دیئے کہ زمین تم کو لے کر جنبش نہ کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی پشت پر پہاڑوں کو اس لئے جما دیا تاکہ وہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے زمین پانی کی پشت پر قائم ہے اور اوپر سے ہوائیں ہیں اگر اس کے اوپر پہاڑوں کا ثقل اور بوجھ نہ ہوتا تو مخلوق ارضی اس کی جنبش اور اضطراب

سے تہ وبالا ہوجاتی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ثقل سے زمین کو ثابت اور مستقر کر دیا۔

زمین از تپ ولرزہ آمد ستوہ　　فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

فلاسفۂ عصر کہتے ہیں کہ زمین پہلے گیلی مٹی کی طرح دلدل تھی جب اس نے ذاتی قوت سے حرکت شروع کی تو سخت پڑگئی یہ سب اٹکل کی باتیں ہیں جن پر دلیل کوئی نہیں پہاڑ تو گہرے سمندروں کے اندر بھی موجود ہیں جن سے بعض مرتبہ جہاز ٹکرا کر تباہ ہوجاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ کی صنعت ہے زمین کی حرکت اور اس کے اجزاء کی باہمی کشش کو اس میں دخل نہیں اور زمین کے لئے کشش ثابت کرنے کے لئے پہاڑ جیسی دلیل تو کہاں سے آئے ایک ڈھیلے کے برابر بھی فلاسفہ عصر کے پاس دلیل نہیں اور اس نے اپنی قدرت سے زمین میں ہر قسم کے جانور بکھیر دیئے جن کی صورتیں اور شکلیں مختلف ہیں اور ہر ایک کے اعضاء دوسرے سے متمیز ہوئے کوئی جانور کسی زمین میں پیدا ہوتا ہے اور کوئی کسی زمین میں زمین ساکن ہے اور جانور اس پر چلتے پھرتے ہیں اگر زمین میں تزلزل اور اضطراب ہوتا تو اس پر ٹھہرنا اور چلنا مشکل ہوجاتا۔ بقول فلاسفہ عصر اگر زمین متحرک ہوتی تو ہندوستان کی زمین حرکت کر کے امریکہ کی جگہ اور امریکہ حرکت کر کے ہندوستان کی جگہ آجاتا اور ہندوستان کا طلوع وغروب اور موسم امریکہ جیسا ہوجاتا۔

اور ہم نے اپنی قدرت سے آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا اور نجاستوں کے دور کرنے کا سامان ہے اور پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ عمدہ نباتات اگائے جن کے فوائد اور منافع کو کوئی شمار نہیں کرسکتا زمین میں تخم ریزی ہوتی ہے اور آسمان سے پانی برستا ہے اگر بارش نہ ہوتی تو زمین سے پیداوار کس طرح ہوتی مطلب یہ ہے کہ آسمان سے زمین پر بارش ہوتی ہے اور اس علوی اور سفلی کے امتزاج سے قسم قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں دیکھ لو کہ یہ سب چیزیں اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں آسمان اور زمین اور پہاڑ اور حیوانات اور نباتات یہ سب اللہ ہی کی مخلوقات ہیں پس اے مشرکین مجھے دکھاؤ تو سہی کہ جن کو تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو انہوں نے خدا کے سوا کون سی چیز پیدا کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ چیز تمہارے معبودوں کی پیدا کی ہوئی ہے مگر یہ لوگ زنہار کوئی ایسی چیز پیش نہیں کرسکتے جو ان کے مزعوم معبودوں نے بنائی ہو بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں اور گمراہی کا ازالہ کلمات حکمت وہدایت ہی کے سننے سے ہوسکتا ہے اس لئے آئندہ آیات میں لقمان حکیم علیہ السلام کی نورانی حکمت کا نمونہ ذکر کرتے ہیں تاکہ ان ظالموں اور گمراہوں کو تنبیہ ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی ف ۱ کہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو اور جو کوئی

اور ہم نے دی ہے لقمان کو عقلمندی، کہ حق مان اللہ کا۔ اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو۔ اور جو کوئی

ف ۱ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک پاک باز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل وفہم اور متانت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں، جو پیغمبروں کے احکام وہدایات کے موافق تھیں۔ ان کی عاقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں۔ رب العزت نے ایک حصہ قرآن میں نقل فرما کر ان کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا، شاید مقصود یہ جتلانا ہو کہ شرک وغیرہ کا قبیح ہونا جس طرح فطرت انسانی کی شہادت اور انبیاء کی وحی سے ثابت ہے، دنیا کے منتخب عقل مند بھی اپنی عقل سے اسکی تائید وتصدیق کرتے رہے ہیں۔ پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا ضلال مبین نہیں تو اور کیا ہے؟

(تنبیہ) حضرت لقمان کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کس زمانہ میں پیدا ہوئے؟ اس کی پوری تعیین نہیں ہوسکتی، اکثر کا قول ہے کہ حبشی تھے اور =

كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ

منکر ہوگا تو اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا ف۱ اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا ف۲ بیشک

منکر ہوگا تو اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا۔ اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو، جب اس کو سمجھانے لگا، اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا۔ بیشک

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ

شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے ف۳ اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تھک تھک کر

شریک بنانا بڑی بے انصافی ہے۔ اور ہم نے تقید کیا انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے، پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تھک تھک کر،

وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ

اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے ف۴ اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ

اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں، کہ حق مان میرا، اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھی تک آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس پر کہ

تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا

شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان ف۵ اور ساتھ دے ان کا دنیا میں

شریک مان میرا جو تجھ کو معلوم نہیں، تو ان کا کہا نہ مان، اور ساتھ دے ان کا دنیا میں

= حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ہوئے۔ ان کے بہت سے قصے اور اقوال تفاسیر میں نقل کئے ہیں۔ فاللہ اعلم بصحتہا۔

ف۱ یعنی اس احسان عظیم اور دوسرے احسانات پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا اور حق ماننا ضروری ہے، لیکن واضح رہے کہ اس حق شناسی اور شکرگزاری سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جو کچھ فائدہ ہے خود شاکر کا ہے کہ دنیا میں مزید انعام اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر ناشکری کی تو اپنا نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے شکریہ کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ اس کی حمد و ثناء تو ساری مخلوق زبان حال سے کر رہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہو تب بھی جامع الصفات اور منبع الکمالات ہونے کی بنا پر وہ بذات خود محمود ہے کسی کے حمد و شکر کرنے یا نہ کرنے سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوتی۔

ف۲ معلوم نہیں بیٹا مشرک تھا؟ سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا؟ اسے توحید پر خوب مضبوط کرنے اور جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی؟

ف۳ اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دے دیا جائے اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر کیا ہوگا کہ اشرف المخلوقات ہو کر خسیس ترین اشیاء کے آگے سر عبودیت خم کر دے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ف۴ یعنی ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ وہ مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھری، پھر وضع حمل کے بعد دو برس تک دودھ پلایا۔ اس دوران میں نہ معلوم کیسی کیسی تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔ اپنے آرام کو اس کے آرام پر قربان کیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی اولاً خدا تعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا، خصوصاً ماں کا حق پہچانے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں بقدر استطاعت مشغول رہے جہاں تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اس کا حق سب سے مقدم ہے اور اسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔ انسان دل میں سوچ لے کہ کیا منہ لے کر وہاں جائے گا۔

(تنبیہ) دودھ چھڑانے کی مدت جو یہاں دو سال بیان ہوئی باعتبار غالب اور اکثر عادت کے ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو اکثر مدت اڑھائی سال بتاتے ہیں ان کے پاس کوئی اور دلیل ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دو ہی سال ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "شریک نہ مان جو تجھے معلوم نہیں یعنی شبہ میں بھی نہ مان اور یقین سمجھ کر تو کیوں مانے۔"

مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

دستور کے موافق ف۱ اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف ف۲ پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا میں پھر جتلا دوں گا تم کو جو کچھ

دستور سے۔ اور راہ چل اس کی، جو رجوع ہوا میری طرف۔ پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا، پھر میں جتاؤں گا تم کو، جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ ⑮ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ

تم کرتے تھے ف۳ اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں

تم کرتے تھے۔ اے بیٹے! اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانے کے، پھر رہی ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں

اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ

یا زمین میں لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے ف۴ اے بیٹے قائم رکھ نماز اور سکھلا

یا زمین میں، لا حاضر کرے اس کو اللہ۔ بیشک اللہ چھپے جانتا ہے، خبردار۔ اے بیٹے کھڑی رکھ نماز، اور سکھلا

بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⑰

بھلی بات اور منع کر برائی سے ف۵ اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے بیشک یہ ہیں ہمت کے کام ف۶

بھلی بات، اور منع کر برائی سے، اور سہار جو تجھ پر پڑے۔ بیشک یہ ہیں ہمت کے کام۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف ف۷ اور مت چل زمین پر اتراتا بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا

اور اپنے گال نہ پھیلا لوگوں کی طرف، اور مت چل زمین پر اتراتا، بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا

ف۱ یعنی دین کے خلاف ماں باپ کا کہنا نہ مان۔ ہاں دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور سلوک کرتا رہ اسی مضمون کی آیت سورۂ عنکبوت میں گزر چکی وہاں کا فائدہ دیکھ لیا جائے۔

ف۲ یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل! دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت مت کر۔

ف۳ یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی۔ (تنبیہ) ووصینا الانسان سے یہاں تک حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ پہلے لقمان کی وصیت بیٹے کو تھی۔ اور آگے بھی "یابنی انہا ان تلک۔" الخ سے اسی وصیت کا سلسلہ ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ضروری تنبیہ فرما دی۔ یعنی شرک اتنی سخت قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت سے پیچھے اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرما دیا کہ بعد اللہ کے حق کے ماں باپ کا۔ باقی پیغمبر یا مرشد ہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اسی کے نائب ہوتے ہیں۔" (موضح بتغیر یسیر)

ف۴ یعنی کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بری اگر رائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہیے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار پردوں میں بھی جو کام کیا جائے اس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے جسے اہل نظر بے تکلف محسوس کر لیتے ہیں۔

ف۵ یعنی خود اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم ہو کر دوسروں کو بھی نصیحت کر کہ بھلی بات سیکھیں اور برائی سے رکیں۔

ف۶ یعنی دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں جن کا پیش آنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اغلب ہے ان کو تحمل اور اولو العزمی سے برداشت کر۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند بہادروں کا کام نہیں۔

=

فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ

بڑائیاں کرنے والا ف۱ اور چل بیچ کی چال اور نیچی کر آواز اپنی بیشک بری سے بری آواز گدھے کی

برائیاں کرتا۔ اور چل بیچ کی چال، اور نیچی کر اپنی آواز، بیشک بری سے بری آواز گدھوں کی

الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

آواز ہے ف۲

آواز ہے۔

ع ۸ / ۱۱

ذکر نصائح لقمان علیہ السلام سراپا حکمت وعرفان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ... الی ... اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مشرکین کے فساد اعتقاد کو بیان کیا اور بتلایا کہ جہالت اور عناد کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہیں اور یہ کتاب حکمت وہدایت لوگوں کو جہالت سے نکالنے کے لئے نازل ہوئی ہے جس کا حق یہ تھا کہ اس نعمت کا شکر ادا کرتے مگر کفر اور کفران میں مبتلا ہو گئے اب آئندہ آیات میں لقمان حکیم علیہ الرحمہ کے کلمات حکمت وموعظت کو ذکر کرتے ہیں کہ لقمان حکیم نے کس طرح اپنے بیٹے کو توحید اور اخلاص اور شکر اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی وصیت اور نصیحت کی اور یہی امور، امور حکمت ہیں اور مدار سعادت وفلاح ہیں اور بلاشبہ یہ وصیتیں اور نصیحتیں لوح قلب پر کندہ کرنے کے قابل ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اپنے بندہ لقمان کو علم وحکمت یعنی دانائی عطا کی جو تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور یہ نعمت ہمارا عطیہ ہے لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ لقمان حکیم علیہ الرحمہ کی حکمتوں اور نصیحتوں کو یاد رکھیں اور ان پر عمل کریں وہ حکمتیں ہماری الہام کردہ ہیں۔

"حکمت" کی تفسیر میں بہت سے قول ہیں، حکمت اس علم صحیح اور فہم صحیح کا نام ہے جس کے ساتھ عمل بھی مقرون ہو اس مجموعہ کا نام حکمت ہے ورنہ علم خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو لیکن اگر عمل صحیح اس کے ساتھ نہ ہو تو وہ حکمت کا مصداق نہیں ہو سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ حکمت کی شان میں فرماتا ہے ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ یعنی حکمت بڑی خیر کثیر ہے ورنہ علم بے عمل ہیچ ہے حکمت کا جزء اول علم صحیح اور فہم صحیح ہے اور جزء متمم عمل صحیح ہے اور جو حکمت کی باتیں لقمان علیہ الرحمہ کو عطا کی گئیں وہ بطور الہام کے عطا کی گئیں لقمان علیہ السلام نبی نہ تھے حکیم تھے اور ملہم من اللہ تھے۔

▪ ف یعنی غرور سے مت دیکھ اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات نہ کر بلکہ خندہ پیشانی سے مل۔

ف۱ یعنی اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی عزت نہیں بڑھتی بلکہ ذلیل وحقیر ہوتا ہے۔ سامنے نہیں تو پیچھے لوگ برا کہتے ہیں۔

ف۲ یعنی تواضع، متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کر، بے ضرورت مت بول، کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلا، اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو، وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر کس قدر کریہہ وکرخت ہوتی ہے۔ بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سری ہو جاتی ہے۔ (ربط) لقمان کا کلام یہاں تک تمام ہوا۔ آگے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی عظمت وجلال اور احسان وانعام یاد دلا کر توحید وغیرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی رحمت اور عنایت سے لقمان کو علم اور حکمت کی نعمت عطا کی اور اس کو حکم دیا کہ اے لقمان اللہ کا شکر کر کہ جس نے تجھ کو علم و حکمت اور فہم و فراست جیسی عظیم نعمت عطا کی اس لئے مقتضائے حکمت یہ ہے کہ محسن اور منعم کا شکر ادا کیا جائے جس درجہ کی نعمت ہو اسی درجہ کا شکر بھی ہونا چاہئے پس اے لقمان جب ہم نے تم کو حکمت جیسی نعمت سراپا کرامت عطا کی تو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ جس نے تم کو یہ نعمت عطا کی اس کا شکر بجالاؤ کہ اس نے تم کو خیر کثیر عطا کی خوب سمجھ لو کہ جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ اور بھلے کے لئے کرتا ہے شکر سے نعمت باقی رہتی ہے اور اس میں زیادتی ہوتی ہے یہ نفع شکر کرنے والے کو پہنچتا ہے خدا کو کسی کے شکر کی ضرورت نہیں اور نہ بندوں کے شکر سے اسے کوئی فائدہ اور جو ناشکری کرتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے پس تحقیق اللہ تعالیٰ تو بالکل بے نیاز ہے اور بذات خود ہر حال میں ستودہ ہے خواہ کوئی اس کی ستائش کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات و افعال میں بذات خود حمید اور پسندیدہ ہے اس کا کمال و جمال کسی کی حمد اور ستائش کا محتاج نہیں۔

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است

اور حکمت اور دانائی کا تقاضہ یہ ہے کہ اول خود اپنے منعم اور محسن کا شکر گزار بنے اور پھر اپنے اہل و عیال کو شکر کی تعلیم دے اور شرک سے منع کرے اس لئے آئندہ آیات میں لقمان حکیم علیہ الرحمہ کی ان نصیحتوں کو ذکر کرتے ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کو کیں تاکہ لوگ ان سے ہدایت اور نصیحت پکڑیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ لقمان نے اپنے فرزند دل بند کو کہا در آں حالیکہ وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا اے میرے پیارے بیٹے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک بڑی بے انصافی ہے منعم اور غیر منعم کو اور حقیر اور کبیر کو اور ذلیل اور جلیل کو اور قادر اور عاجز کو اور مخلوق اور خالق کو برابر کرنا صریح ظلم ہے مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نصیحت ہے کہ جو حکیم لقمان علیہ الرحمہ نے اپنے فرزند دل بند کو کی تھی کسی غیر کو نہیں کی تھی کہ جس میں کوئی وہم پرست یہ شبہ کر سکے کہ شاید کسی دوسرے کو بہکا دیا ہو معلوم نہیں کہ لقمان کا بیٹا مشرک تھا کہ اس کو سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا کہ اس کو توحید پر مستحکم اور مضبوط کرنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی۔ دور تک لقمان حکیم کے کلمات حکمت کا ذکر چلا گیا ہے لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے جو وصیت اور نصیحت نہیں کی جس میں اپنی غرض کا احتمال تھا تو اللہ تعالیٰ نے وصایائے لقمان کے ضمن میں بطور جملہ معترضہ، والدین کی شکر گزاری کا ذکر فرمایا تاکہ لقمان کی نصیحت مکمل ہو جائے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہم نے انسان کو وصیت کی ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کی کہ انسان کو لازم ہے کہ حق تعالیٰ کے بعد والدین کا حق جانے جنہوں نے اس کو پرورش کیا ہے والد کے احسانات ہوش اور شعور کے زمانہ میں ہوتے ہیں بخلاف ماں کے کہ اس کے احسانات بے خبری کے عالم میں ہوتے ہیں اس لئے ماں کے احسانات کو خاص طور پر یاد دلایا کہ ماں نے انسان کو پیٹ میں رکھا سستی پر سستی اور ناطاقتی پر ناطاقتی یعنی بچہ کے حمل میں ضعف پر ضعف کی حالت میں مشقت پر مشقت اٹھاتی رہی اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا رحم سے تمہارے وجود کی ابتدا ہوئی اور دودھ پلانے سے تمہاری تربیت ہوئی اور تمہارے وجود کو بقا حاصل ہوئی اور ان تین سال کے عرصہ میں ماں نے جو تمہاری خدمت گزاری اور بیماری میں مشقتیں اٹھائیں جو طرح طرح کے دکھ اور درد اٹھائے وہ بیان سے باہر ہیں غرض یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ماں نے ضعف کی حالت میں اس کی پرورش میں بڑی مشقت اٹھائی اس لئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ وصیت کی کہ اے انسان اول میرا شکر کر کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور پھر اپنے والدین کا شکر گزار بن جو تیرے پیدا ہونے کا ظاہری سبب بنے حقیقی مربی تو میں ہوں اور والدین کی تربیت میری تربیت کا نمونہ ہے ان کے سامنے اف بھی نہ کرنا یہ چندروزہ زندگی ہے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس دن شکر اور شرک کی جزا دوں گا یعنی میں تیرے اصل وجود کا مبدأ اور منتہی ہوں اور ماں باپ محض تیرے وجود مجازی کے سبب ہیں بقدر نعمت ہر ایک کا شکر تجھ پر واجب ہے اور باوجودیکہ ہم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا اور ان کی خدمت اور اطاعت کا اور ان کے حق تربیت کے فکر کا تجھ کو تاکیدی حکم دیا ہے ولیکن اگر تیرے والدین کوشش کر کے تجھے اس بات پر آمادہ کریں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی صحت اور حقیقت کا نہ تجھے کچھ علم ہے اور نہ تیرے پاس کوئی دلیل ہے تو ایسی صورت میں ماں باپ کی فرماں برداری نہ کرنا خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کو ترجیح نہیں ہو سکتی اور البتہ دنیاوی زندگی میں والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو حتی کہ اگر والدین کافر ہوں تو کھانے پینے کی ضرورت سے ان کی خبر گیری کرو اور ان کو کوئی جسمانی تکلیف نہ پہنچاؤ غرض یہ کہ دنیاوی زندگی میں ان کی خدمت اور راحت رسانی میں کمی نہ کرو بہر حال دنیا میں والدین کے ساتھ ادب اور مروت کا برتاؤ ضروری ہے اور دین کے بارے میں اس شخص کی راہ پر چلو جو ہمہ تن میری جانب جھکا ہوا ہے یعنی دین کے بارے میں عباد صالحین اور ائمہ دین کی تقلید کرو جو خدا کے سامنے سرافگندہ ہیں ماں باپ کی تقلید اور اطاعت نہ کرو خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ﴿الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ﴾ یعنی اہل انعام کی پیروی ہے والدین تیرے جسم کے مربی ہیں اور ائمہ دین تیری عقل کے مربی ہیں لہٰذا جو شخص منیبین کے پیچھے پیچھے چلے گا وہ ہی انشاء اللہ تعالیٰ خدا تک پہنچ جائے گا پھر اس دنیوی زندگی گزارنے کے بعد تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے پس اس وقت میں تم کو آگاہ کروں گا کہ تم کیا عمل کرتے تھے پس جس نے میرے حکم کی فرماں برداری کی اور میرے حکم کے مقابلہ میں والدین کی اطاعت نہیں کی اس کی جزا جمیل عطا کروں گا اور والدین کے ساتھ سلوک اور احسان کا بھی بدلہ دوں گا یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں گزرا ہے۔

فائدہ:...... والدین کے ساتھ احسان کرنے میں والدین کے لئے دعا مغفرت کرنا بھی جائز ہے۔

نکتہ:...... ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے والدین کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا کیونکہ والدین انسان کے وجود مجازی کے اصل ہیں جیسا کہ وجود حقیقی کی اصل اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے حقیقی شکر اللہ کے لئے ہے اور مجازی شکر غیر اللہ کے لئے ہے۔ (روح البیان: ۷/۷۸)

تنبیہ:...... سلسلہ کلام کا آغاز لقمان حکیم علیہ الرحمہ کی نصیحتوں اور وصیتوں سے ہوا پھر درمیان میں بطور جملہ معترضہ، اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی نصیحت اور وصیت کا ذکر فرمایا جس کی ابتدا ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾ سے ہوئی ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾ سے لے کر یہاں تک اللہ تعالیٰ کا کلام تھا اب اس کے بعد پھر لقمان علیہ الرحمہ کی وصیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کو کی تھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں لقمان علیہ الرحمہ کی وصیتوں اور نصیحتوں کا اس

لئے ذکر فرمایا کہ لوگ خود بھی ان پر عمل کریں اور اپنی اولاد کو بھی ان باتوں کی نصیحت اور وصیت کریں چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب لقمان علیہ الرحمہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تو اس نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ اگر میں ایسے مقام پر گناہ کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو تو کیا اللہ اس کو جان لے گا اور اس پر مواخذہ کرے گا تو لقمان نے کہا بیٹا اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہو نیک ہو یا بد ہو اور پھر وہ عمل جو رائی کے دانہ کے برابر ہے کسی سخت پتھر کے اندر چھپا ہوا ہو اور وہ پتھر ایسا ہو کہ جس میں کوئی سوراخ بھی نہ ہو یا وہ عمل آسمانوں میں ہو جہاں عام طور پر کسی کی رسائی نہیں یا وہ عمل زمین کی تہ میں کہیں چھپا ہوا ہو آسمان سے زیادہ بلند کوئی چیز نہیں اور زمین سے زیادہ پست کوئی چیز نہیں اور اندرون صخرہ سے زیادہ کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں اس لئے ان تین چیزوں کا ذکر کیا اور رائی کے دانہ سے بڑھ کر کوئی چھوٹی چیز نہیں غرض یہ کہ عمل کتنا ہی چھوٹا اور پوشیدہ کیوں نہ ہو قیامت کے دن حساب وکتاب کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو لا کر حاضر کرے گا اور کرنے والے سے اس کا حساب لے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے اس کا علم دقیق اور غیر متناہی ہے اور ذرہ ذرہ کو محیط ہے چٹان ہو یا آسمان ہو۔ یا زیر زمین کوئی تہ خانہ ہو باریک سے باریک چیز بھی اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

لقمان حکیم علیہ الرحمہ نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت اور وصیت یہ کی کہ کفر اور شرک نہ کرنا جس کا حاصل توحید اور اخلاص تھا اور دوسری نصیحت اور وصیت یہ کہ ہر عمل کے وقت خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ یقین رکھنا کہ بندہ کا کوئی عمل اللہ سے مخفی نہیں اور یہ تصور اور استحضار کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں گناہوں سے بچنے میں تریاق کا حکم رکھتا ہے بندہ پر پہلا فرض توحید اور اخلاص ہے اور دوسرا فرض اللہ کے علم و حکمت اور اللہ کی عظمت اور قدرت اور ہیبت کا استحضار ہے اور اس کے بعد درجہ ہے اطاعت اور عبودیت کا اس لئے لقمان حکیم علیہ الرحمہ نے اپنے فرزند کو اول دو بنیادی فرض بتلائے بعد ازاں اپنے فرزند کو طاعت اور عبودیت اور چند فضائل ادا کرنے اور چند رذائل افعال سے باز رہنے کی نصیحت کی اس لئے کہ اعتقاد بمنزلہ بنیاد کے ہے اور عمل بمنزلہ عمارت کے ہے اس لئے آئندہ آیات میں اعمال کے متعلق نصیحتوں کا بیان ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ لقمان علیہ الرحمہ نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ بیٹا نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہنا یعنی نماز کو اپنے حدود اور آداب اور اوقات کے ساتھ قائم رکھنا نماز دین کا ستون ہے اس کے قائم رہنے سے دین قائم رہتا ہے نماز کے قائم کرنے سے تو خود تمہاری تکمیل ہوگی اور اس کے بعد درجہ دوسروں کی تکمیل کا ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کو نیک باتوں اور پسندیدہ باتوں کا حکم کر اور بری اور ناپسندیدہ باتوں سے ان کو منع کر اور اس خصوص میں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارہ میں تجھ کو جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر بے شک ایذاؤں پر صبر کرنا بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے جو شخص صبر نہ کرے وہ اس لائق نہیں کہ اس کا امام اور پیشوا بنایا جائے اول شکر کی تعلیم دی جس کا تعلق نعمتوں سے ہے اور پھر اخیر میں صبر کی تعلیم دی جس کا تعلق مصیبتوں سے ہے خاص کر نصیحت کے وقت صبر کرنا بہت مشکل کام ہے صبر ایسا جامع اور کامل مقام ہے کہ جو تمام فضائل اور شمائل کو شامل ہے اور تمام اخلاق فاضلہ کا سرتاج ہے اب صبر کی تاکید کے بعد بعض اخلاق رذیلہ سے منع کیا جن کا تعلق حقوق عامہ سے ہے اور جن آنے والے رذائل سے اپنے بیٹے کو منع کیا ان سب کا اصل مادہ تکبر اور تفاخر ہے چنانچہ لقمان علیہ الرحمہ نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی اور اے بیٹے جب تو لوگوں سے ملاقات کرے تو ان کو حقیر سمجھ کر ان سے اپنا رخسار نہ موڑنا جیسا کہ متکبرین کا طریقہ ہے کہ وہ منہ اور گردن

موڑ کر بات کرتے ہیں ادب اور تواضع کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بات کرو اور اے بیٹے زمین پر اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے مت چلنا بے شک اللہ ہر تکبر کرنے والے اور شیخی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا زمین جو کہ نہایت پست جگہ ہے وہاں کے باشندہ کے لئے تو تواضع ہی مناسب ہے بڑائی اور شیخی اس کو زیب نہیں دیتی مختال کا لفظ ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ کے مقابلہ میں ہے اور فخور کا لفظ ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ کے مقابلہ میں ہے اور اے بیٹے اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر یعنی بیچ کی چال چل اور فروتنی سے قدم رکھ اور اے بیٹے جب بولے تو اپنی آواز کو نرم اور پست کر دے بے ضرورت آواز کو بلند کرنا برا ہے سخت اور کرخت آواز لوگوں پر گراں ہوتی ہے اور باعث ایذاء ہے بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہے لہٰذا تجھ کو چاہئے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ آواز بلند کر کے گدھوں کے مشابہ نہ بنے۔

نکتہ:...... سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حیوانات میں گدھے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ہر حیوان کی آواز اللہ کی تسبیح ہے مگر گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے کے سبب سے ہوتی ہے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب گدھے کی آواز سنو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو اس لئے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے (اس لئے وہ چیخ رہا ہے) اور بعض بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ گدھے کا چیخنا اور چلانا گھاس اور پانی کے لئے ہوتا ہے یا شہوت جھاڑنے کے لئے ہوتا ہے یا دوسرے گدھے سے لڑنے کے لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو آواز بہیمیت اور سبعیت کے سبب سے پیدا ہوگی وہ سب آوازوں سے بدتر ہوگی اور اسی وجہ سے حدیث میں گدھے کے نمازی کے سامنے سے گزرنے کو قاطع صلوٰۃ قرار دیا ہے نیز قرآن کریم میں جہنمیوں کے چیخنے اور چلانے کے متعلق ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ آیا ہے اور زفیر اور شہیق لغت میں گدھے کی باریک آواز اور بلند آواز کو کہتے ہیں اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

(ایشاں را آں جا مانند زیر و بم خر باشد)

یہاں تک لقمان علیہ الرحمہ کا کلام حکمت التیام ختم ہوا اب آئندہ آیات میں حسب سابق پھر اپنی عظمت و جلال اور جود و نوال کا ذکر کر کے شکر اور توحید کی طرف متوجہ کرتے ہیں چنانچہ اس کے بعد کی آیتوں میں ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ میں اپنی قدرت کی نشانیوں کو اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو ذکر کرتے ہیں تا کہ بندے اپنے منعم حقیقی کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں اور تمام حکمتوں کا سر اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے سب چیزوں کو پہچان لیا مگر خدا کو نہ پہچانا تو وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں۔

لطائف و معارف

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں جن وصایاء لقمان کا ذکر کیا ہے ان کا ثبوت تو لقمان علیہ الرحمہ سے قطعی اور یقینی ہے اور ان کے علاوہ جو دیگر کلمات حکمت و نصیحت لقمان علیہ الرحمہ سے روایت کئے گئے ہیں اگر چہ ان کا ثبوت قرآن کی طرح قطعی تو نہیں مگر ان میں سے بعض چیزیں احادیث میں مذکور ہیں اور بعض بزرگوں کے کلام میں مذکور ہیں اس لئے بطور نمونہ کچھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں حق جل شانہ نے وصایائے لقمان علیہ السلام میں ایک وصیت یہ ذکر فرمائی ہے ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ

اِلَیَّ﴾ جس کا مقتضاء یہ ہے کہ عباد صالحین اور ربانیین سے اگر کوئی کلمہ حکمت و نصیحت سنے تو اس کی پیروی کرنی چاہیے ناقص پیر کامل اور غافل پر عاقل کی تقلید عقلاً و شرعاً واجب ہے۔

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لقمان حکیم علیہ الرحمہ یہ کہا کرتا تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے (رواہ احمد) لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ اپنا ایمان اور اسلام اللہ کے پاس ودیعت رکھ دے تا کہ وہ شیطان کی دست برد سے محفوظ ہو جائے۔

(۲) قاسم بن مخیمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لقمان علیہ الرحمہ نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کہ اے بیٹے تقنع سے بچنا (تقنع کے معنی سر کے اوپر اس طرح چادر لپیٹنا کہ گھونگٹ کی طرح ہو جائے) اس لئے کہ تقنع سے رات میں ٹھوکر کھا جانے کا ڈر ہے اور دن میں مذمت کا ڈر ہے کہ لوگ اس ہیئت کو برا سمجھیں گے اور برا کہیں گے۔

اخرجه ابن ابی حاتم ورجاله ثقات ولكنه مرسل۔

(۳) عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تو کسی مجلس میں جائے تو ان پر اسلام کا تیر چلا یعنی ان پر سلام کر پھر ایک گوشہ میں خاموش بیٹھ جا اور ان کو دیکھتا رہ پس جب وہ بولیں تو اگر ذکر الٰہی کی باتیں شروع کریں تو تو بھی ان میں حصہ لے اور اگر ادھر ادھر کی باتیں کریں تو وہاں سے نکل کر اور اٹھ کر کہیں اور چلا جا (ابن ابی حاتم) یہ تینوں روایتیں تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۴۷ سے لی گئی ہیں۔

امام خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

امام نحو یہ دعا مانگا کرتے تھے اللهم اجعلني عندك من ارفع خلقك واجعلني في نفسي من اوضع خلقك وعند الناس من اوسط خلقك تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۴۸۔

ترجمہ: اے اللہ مجھ کو اپنے نزدیک بلند ترین مخلوق میں سے بنا اور میرے نفس میں مجھ کو کم ترین مخلوق میں سے بنا کہ میں اپنے دل میں اپنے آپ کو حقیقۃً سب سے حقیر اور کم تر جانوں (نہ یہ کہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ اور ناچیز کہوں) اور اے اللہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک متوسط درجہ کی مخلوق میں سے بنا۔ آمین۔

خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر سراج منیر میں مختصر طریق پر بلا سند کے ان نصائح کو ذکر کیا ہے کہ جو لقمان حکیم علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہیں جو بلاشبہ خزینہ حکمت اور گنجینہ معرفت ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطیب شربینی کی طرح ہم بھی ان نصائح کا ترجمہ اپنی تفسیر میں ذکر کریں۔

(۱) اے پسر، اللہ کے تقویٰ کو اپنی تجارت بنا بغیر سرمایہ مال کے تجھ کو نفع حاصل ہوگا۔

(۲) اے پسر، جنازوں پر حاضر ہوا کر اور شادیوں کی محفل میں مت جایا کر کیونکہ جنازے تجھ کو آخرت یاد دلائیں گے اور شادی کی محفلیں تجھ کو دنیا یاد دلائیں گی کہ دنیا ایسی ہوتی ہے۔

(۳) اے پسر، پیٹ بھر کر نہ کھانا، کتے کے سامنے ڈال دینا زیادہ کھانے سے بہتر ہے۔

(۴) اے پسر، مرغ کو دیکھ کہ صبح کو اٹھ کر اذان دیتا ہے اور تو بستر پر سویا ہوا ہوتا ہے لہٰذا مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن۔

(۵) اے پسر، توبہ میں تاخیر نہ کر کیونکہ موت اچانک آتی ہے خبر کر کے نہیں آتی۔

(۶) اے پسر، تو مرد جاہل سے دوستی کرنے کی طرف راغب نہ ہو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ تو بھی اس کے عمل اور طریقہ سے راضی ہے تو تیری وجہ سے لوگ دھوکہ میں پڑیں گے۔

(۷) اے پسر، اللہ سے ڈرتا رہ اور اس کے تقویٰ کو لازم پکڑ مگر اس طرح رہ کہ لوگوں پر تیرا تقویٰ ظاہر نہ ہو اور لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس لئے تیرا اکرام کریں اور حالانکہ اندر سے تیرا دل بدکار ہو۔

(۸) اے پسر، خاموشی کو لازم پکڑ خاموشی پر کبھی تجھ کو ندامت نہ ہوگی کیونکہ اگر تیرا کلام چاندی کا ہے تو تیری خاموشی خالص سونا ہے۔

(۹) اے پسر، شر سے علیحدہ اور دور رہ ایک شر دوسرے شر کا خلیفہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اے پسر، شدت غضب سے پرہیز کرنا، شدت غضب دل کو خراب کر دیتا ہے اور شدت غضب سے حکیم کے دل کا نور مٹ جاتا ہے

(۱۱) اے پسر، علماء کی مجلس کو لازم پکڑ اور حکماء کا کلام سنا کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نور حکمت سے مردہ دل کو زندہ کر دیتا ہے جیسا کہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اور جو جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور بد خلق آدمی کو غم بہت لاحق ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے پتھر لانا آسان ہے بہ نسبت نادان اور بے عقل کے سمجھانے کے۔

(۱۲) اے پسر، کسی نادان اور بے عقل کو ایلچی بنا کر نہ بھیج اور اگر تجھ کو کوئی دانا میسر نہ آوے تو خود چلا جا۔

(۱۳) اے پسر، کسی کی باندی سے نکاح نہ کرنا کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کی غلامی کے غم میں ڈال دے۔

(۱۴) اے پسر، لوگوں پر ایک زمانہ آئے جس میں علم اور حلم والے کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہوگی۔

(۱۵) اے پسر، وہ مجلس اختیار کر جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہو کیونکہ ان پر جو اللہ کی رحمت آوے گی اس میں سے تو بھی حصہ پاوے گا اور اس مجلس میں نہ بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو کیونکہ اگر ان پر کوئی غضب الٰہی آیا تو تو بھی ان کے ساتھ اس میں پس جائے گا۔

(۱۶) اے پسر، چاہئے کہ تیرا کھانا صرف متقی اور پرہیزگار لوگ کھائیں بُرے لوگوں کو کھانا نہ کھلا۔

(۱۷) اہل علم اور اہل فہم سے مشورہ کر۔

(۱۸) اے پسر، دنیا بحر عمیق ہے یعنی بڑا گہرا دریا ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو گئے پس اگر تو نجات چاہتا ہے تو اللہ کے تقویٰ کو اپنی کشتی بنا اور اس کو ایمان کے سامان سے بھر لے اور اللہ پر توکل اس کا لنگر بنا دے تو امید ہے کہ تو ڈوبنے سے بچ جائے گا۔

(۱۹) اے پسر، میں نے بڑے بڑے پتھر اور بڑے بڑے لوہے اٹھائے ہیں مگر برے پڑوسی سے زیادہ کسی کو ثقیل اور بوجھل نہیں پایا۔

(۲۰) اور میں نے بڑی بڑی تلخیاں چکھی ہیں مگر فقیری اور محتاجی سے بڑھ کر کوئی تلخ چیز نہیں دیکھی۔

(۲۱) اے پسر، علم اور حکمت نے فقراء اور مساکین کو ملوک اور سلاطین کی جگہ پر بٹھلا دیا۔

(۲۲) اے پسر، تو ان لوگوں میں سے نہ ہونا کہ جو اپنی تعریف کے طلب گار رہتے ہیں۔

(۲۳) اے پسر، جب علم حاصل کر و تو اس پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کرو (علم بغیر عمل کے ہیچ ہے)۔

(۲۴) اے پسر، علماء اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑ اور دوزانوں ان کے سامنے بیٹھا کر۔

(۲۵) اے پسر، جب کسی سے دوستی کرنا مقصود ہو تو اس کا امتحان کرلو اس کو غضب ناک کرو اور دیکھو کہ وہ اس غصہ کی حالت میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے اگر وہ انصاف کرتا ہے تو وہ دوستی کے لائق ہے ورنہ اس سے پرہیز کرنا۔

(۲۶) اے پسر، قرضہ سے بچنا قرضہ دن میں ذلت ہے اور رات میں فکر اور غم ہے۔

(۲۷) اے پسر، جب سے تو دنیا میں اترا ہے تو تیری پشت دنیا کی طرف ہے اور منہ تیرا آخرت کی طرف ہے پس جس گھر کی طرف تو جارہا ہے وہ اس گھر سے کہیں زیادہ قریب ہے جس سے تو دور ہوتا جارہا ہے۔

(۲۸) اے پسر، اپنی زبان کو اللھم اغفرلی کا عادی اور خوگر بنالے کیونکہ دن رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں دعا رد نہیں ہوتی۔

(۲۹) اے پسر، اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رکھ مگر ایسی امید نہ ہو کہ جو تجھے گناہوں پر جری اور دلیر بنادے اور اللہ سے ڈرتا رہ مگر وہ خوف ایسا نہ ہو کہ جو تجھ کو اللہ کی رحمت سے ناامید بنادے۔

لقمان حکیم علیہ الرحمہ کی حکمتوں اور نصیحتوں کی تو کوئی شمار نہیں یہ چند نصائح میں نے تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی: ۳/۱۵۰ اور حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین: ۲/۲۵۵ سے نقل کردی ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو اور ناظرین کو ان سے نفع دے۔ آمین یارب العالمین۔

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں ف۱ اور پوری کردیں تم پر اپنی نعمتیں

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام لگائے تمہارے جو کچھ ہیں آسمان اور زمین میں، اور بھر دیں تم کو اپنی نعمتیں

ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

کھلی اور چھپی ف۲ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں نہ سمجھ رکھیں نہ سوجھ اور نہ روشن

کھلی اور چھپی، اور ایک آدمی وہ ہیں، جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں۔ نہ سمجھ رکھیں، نہ سوجھ، نہ کتاب

ف۱ یعنی آسمان و زمین کی کل مخلوق تمہارے کام میں لگادی ہے۔ پھر تم اس کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔

ف۲ کھلی نعمتیں وہ جو حواس سے مدرک ہوں یا بے تکلف سمجھ میں آجائیں چھپی وہ عقلی غور و فکر سے دریافت کی جائیں۔ یا ظاہری مادی و معاشی اور باطنی سے روحانی و معادی نعمتیں مراد ہوں۔ گویا پیغمبر بھیجنا کتاب اتارنا، نیکی کی توفیق دینا، سب باطنی نعمتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

کتاب ف۱ اور جب ان کو کہیے چلو اس حکم پر جو اتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم تو چلیں گے اس پر جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو

چمکتی۔ اور جب ان کو کہیے، چلو اس حکم پر، جو اتارا اللہ نے کہیں، نہیں! ہم تو چلیں گے اس پر جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو۔

اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ

بھلا اور جو شیطان بلاتا ہو ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی ف۲ اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف

بھلا اور جو شیطان بلاتا ہو ان کو دوزخ کی مار کو، تو بھی؟ اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف،

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ

اور وہ ہو نیکی پر سو اس نے پکڑ لیا مضبوط کڑا ف۳ اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا ف۴ اور جو کوئی منکر ہوا

اور وہ ہو نیکی پر، سو اس نے پکڑا محکم کڑا۔ اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا۔ اور جو کوئی منکر ہوا

فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

تو تو غم نہ کھا اس کے انکار سے ہماری طرف پھر آنا ہے ان کو پھر ہم جتلادیں گے ان کو جو انہوں نے کیا ہے البتہ اللہ جانتا ہے جو بات ہے

تو تو غم نہ کھا اس کے انکار سے۔ ہماری طرف پھر آنا ہے ان کو پھر ہم جتائیں گے ان کو، جو انہوں نے کیا ہے۔ مقرر اللہ جانتا ہے جو بات ہے

الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

دلوں میں ف۵ کام چلادیں گے ہم ان کا تھوڑے دنوں پھر پکڑ بلائیں گے ان کو گاڑھے عذاب میں ف۶ اور اگر تو پوچھے ان سے کس نے

جیوں میں۔ کام چلائیں گے ہم ان کا تھوڑے دنوں، پھر پکڑ بلائیں گے ان کو گاڑھی مار میں۔ اور جو تو پوچھے ان سے، کس نے

ف۱ یعنی ایسے کھلے ہوئے انعام واحسان کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی وحدانیت میں یا اس کی شئون وصفات میں یا اس کے احکام وشرائع میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں۔ نہ کوئی علمی اور عقلی اصول ان کے پاس ہے نہ کسی ہادی برحق کی ہدایت، نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ محض باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔

(تنبیہ) ترجمہ سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ غالباً مترجم محقق قدس اللہ روحہ، نے "علم" سے عقلی طور پر سمجھنا مراد لیا ہے۔ اور "ہدی" سے ایک طرف بصیرت مراد لی ہے جو سلامتی ذوق ووجدان اور ممارست عقل وفکر سے ناشی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو نہ معمولی سمجھ ہے نہ وجدانی بصیرت حاصل ہے نہ روشن کتاب یعنی نقلی دلیل رکھتے ہیں۔ یہ معنی بہت لطیف ہیں۔ ہم نے آیت کی جو تقریر اختیار کی محض تسہیل کی غرض سے کی ہے۔

ف۲ یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لئے جارہا ہو، تب بھی تم ان کے پیچھے چلو گے؟ اور جہاں وہ گریں گے وہیں گرو گے؟

ف۳ یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا راستہ اختیار کیا اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا، سمجھو کہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا ہے جب تک یہ کڑا پکڑے رہے گا، گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

ف۴ یعنی جس نے یہ کڑا مضبوط تھامے رکھا وہ آخر اس کے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور خدا اس کا انجام درست کر دے گا

ف۵ یعنی تم اپنا علاقہ خدا تعالیٰ سے جوڑے رکھو، کسی کے انکار وتکذیب کی پروانہ کرو۔ منکرین کو بھی بالآخر ہمارے ہاں آنا ہے۔ اس وقت سب کیا دھرا سامنے آجائے گا کسی جرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے وہ تو دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔

ف۶ یعنی تھوڑے دن کا عیش اور بے فکری ہے۔ مہلت ختم ہونے پر سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ چھوڑ کر بھاگ جائیں؟

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵

بنائے آسمان اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے ف۱

بنائے آسمان و زمین ؟ تو کہیں اللہ نے۔ تو کہہ، سب خوبی اللہ کو ہے، پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں بیشک اللہ وہی ہے بے پروا سب خوبیوں والا ف۲ اور اگر جتنے

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں۔ بیشک اللہ ہی ہے بے پرواہ سب خوبیوں سراہا۔ اور اگر جتنے

شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اس کی سیاہی اس کے پیچھے ہوں سات سمندر نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی بیشک اللہ

درخت ہیں زمین میں، قلم ہوں، اور سمندر ہو اس کی سیاہی، اس کے پیچھے سات سمندر، نہ نبڑیں باتیں اللہ کی۔ بیشک اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸

زبردست ہے حکمتوں والا ف۳ تم سب کا بنانا اور مرے پیچھے جلانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جی کا ف۴ بیشک اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے ف۵

زبردست ہے حکمتوں والا۔ تم سب کو بنانا اور مرے پر جلانا وہی جیسا ایک جی کا۔ بیشک اللہ سنتا ہے دیکھتا۔

ف۱ یعنی الحمدللہ اتنا تو زبان سے اعتراف کرتے ہو کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنا بجز اللہ کے کسی کا کام نہیں، پھر اب کونسی خوبی رہ گئی جو اس کی ذات میں نہ ہو۔کیا ان چیزوں کا پیدا کرنا اور ایک خاص محکم نظام پر چلانا بدون اعلیٰ درجہ کے علم وحکمت اور زور وقدرت کے ممکن ہے؟ لامحالہ "خالق السموات والارض" میں تمام کمالات تسلیم کرنے پڑیں گے۔اور یہ بھی اسی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے کہ تم جیسے منکرین سے اپنی عظمت کا اقرار کرادیتا ہے۔جس کے بعد تم ملزم ٹھہرتے ہو کہ جب تمہارے نزدیک خالق تنہا وہ ہے تو معبود دوسرے کیونکر بن گئے۔بات تو صاف ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے اور یہاں پہنچ کر اٹک جاتے ہیں۔

ف۲ یعنی جس طرح آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ایسے ہی آسمان وزمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب بلاشرکت غیرے اسی کی مخلوق ومملوک اور اسی کی طرف محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، کیونکہ وجود اور توابع وجود یعنی جملہ صفات کمالیہ کا مخزن ومنبع اسی کی ذات ہے۔اس کا کوئی کمال دوسرے سے مستفاد نہیں۔وہ بالذات سب عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔پھر اسے کسی کی کیا پرواہ ہوتی؟

ف۳ یعنی اگر تمام دنیا کے درختوں کو تراش کر قلم بنالیں اور موجودہ سمندر کی سیاہی تیار کی جائے، پھر پیچھے سے سات سمندر اور اس کی کمک پر آجائیں اور فرض کرو تمام مخلوق اپنی اپنی بساط کے موافق لکھنا شروع کرے، تب بھی ان باتوں کو لکھ کر تمام نہ کرسکیں گے جو حق تعالیٰ کے کمالات اور عظمت وجلال کو ظاہر کرنیوالی ہیں، لکھنے والوں کی عمریں تمام ہوجائیں گی قلم گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی ختم ہوجائے گی پر اللہ کی تعریفیں اور اس کی خوبیاں ختم نہ ہوں گی، بھلا محدود متناہی قوتوں سے لامحدود اور غیر متناہی کام سرانجام کیونکر ہو۔ "اللھم لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك۔"

ف۴ یعنی سارے جہاں کا پیدا کرنا اور ایک آدمی کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے لئے دونوں برابر ہیں۔نہ اس میں کچھ دقت نہ اس میں کچھ تعب۔ایک "کن" سے جو چاہے کر ڈالے اور لفظ "کن" کہنے پر بھی موقوف نہیں۔یہ ہم کو سمجھانے کا ایک عنوان ہے بس ادھر ارادہ ہوا ادھر وہ چیز موجود۔

ف۵ یعنی جس طرح ایک آواز کا سننا اور بیک وقت تمام جہان کی آوازوں کو سننا، یا ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت تمام جہان کی چیزوں کو دیکھنا، اس کے لئے برابر ہیں۔ایسے ہی ایک آدمی کا مارنا، جلانا، اور سارے جہان کا مارنا اور جلانا اس کی قدرت کے سامنے یکساں ہے پھر دوبارہ جلانے کے بعد بیک وقت تمام اولین وآخرین کے اگلے پچھلے اعمال کا رتی رتی حساب چکا دینے میں بھی اسے کوئی دقت نہیں ہوسکتی کیونکہ ہمارے تمام اقوال کو سنتا اور تمام افعال کو دیکھتا ہے۔کوئی چھپی کھلی بات وہاں پوشیدہ نہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَيُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا ہے سورج

تو نے نہیں دیکھا ؟ کہ اللہ پیٹھاتا ہے رات کو دن میں، اور پیٹھاتا ہے دن کو رات میں، اور کام لگائے ہیں سورج

وَالۡقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجۡرِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۝٢٩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وقت تک ف۱ اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے اس کی جو تم کرتے ہو ف۲ یہ اس لیے کہا کہ اللہ

اور چاند، ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ تک، اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے جو کرتے ہو۔ یہ اس پر کہ اللہ

هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الۡبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ ۝٣٠ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ

وہی ہے ٹھیک اور جس کسی کو پکارتے ہیں اس کے سوا سو وہی جھوٹ ہے ف۳ اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا ف۴ تو نے نہ دیکھا کہ

وہی ٹھیک ہے، اور جو پکارتے ہیں اس کے سوا، سو وہی جھوٹ ہے۔ اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا۔ تو نے نہ دیکھا کہ

الۡـفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِنِعۡمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمۡ مِّنۡ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّـكُلِّ

جہاز چلتے ہیں سمندر میں اللہ کی نعمت لے کر تا کہ دکھلائے تم کو کچھ اپنی قدرتیں ف۵ البتہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک

جہاز چلتے ہیں سمندر میں، اللہ کی نعمت لے کر، کہ دکھائے تم کو کچھ اپنی قدرتیں۔ البتہ اس میں پتے ہیں ہر

صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ۝٣١ وَاِذَا غَشِيَهُمۡ مَّوۡجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ فَلَمَّا

تحمل کرنے والے احسان ماننے والے کے واسطے ف۶ اور جب سر پر آئے ان کے موج جیسے بادل پکارنے لگیں اللہ کو خالص کر کے اسی کے لیے بندگی ف۷ پھر جب

ٹھہرنے والے حق بوجھنے والے کو۔ اور جب سر پر آئے ان کے لہر، جیسے بدلیاں، پکاریں اللہ کو نری کر کر اسی کو بندگی۔ پھر جب

ف۱ "مقرر وقت" سے قیامت مراد ہے یا چاند سورج میں سے ہر ایک کا دورہ کیونکہ ایک دورہ پورا ہونے کے بعد گویا از سر نو چلنا شروع کرتے ہیں۔

ف۲ یعنی جو قوت رات کو دن اور دن کو رات کرتی اور چاند سورج جیسے کرات عظیمہ کو ادنیٰ مزدور کی طرح کام میں لگائے رکھتی ہے۔ اُسے تمہارا مرے پیچھے زندہ کر دینا کیا مشکل ہوگا۔ اور جب ہر ایک چھوٹے بڑے عمل سے پوری طرح باخبر ہے تو حساب کتاب میں کیا دشواری ہوگی۔

ف۳ یعنی حق تعالیٰ کی یہ شئون عظیمہ اور صفات قاہرہ اس لئے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اس کی عبادت کرنا ہی ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کا موجود بالذات اور واجب الوجود ہونا جو "بان اللہ ھو الحق" سے سمجھ میں آتا ہے اور دوسروں کا باطل و ہالک الذات ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اکیلے اسی خدا کے واسطے یہ شئون وصفات ثابت ہوں پھر جس کے لئے یہ شئون وصفات ثابت ہوں گی وہ ہی معبود بننے کا مستحق ہوگا۔

ف۴ لہٰذا بندہ کی انتہائی پستی اور تذلل (جس کا نام عبادت ہے) اسی کے لئے ہونا چاہئے۔

ف۵ یعنی جہاز بھاری بھاری سامان اٹھا کر خدا کی قدرت اور فضل و رحمت سے کس طرح سمندر کی موجوں کو چیرتا پھاڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔

ف۶ یعنی اس بحری سفر کے احوال و حوادث میں غور کرنا انسان کے لئے صبر و شکر کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ جب طوفان اٹھ رہے ہوں اور جہاز پانی کے تھپیڑوں میں گھرا ہو، اس وقت بڑے صبر و تحمل کا کام ہے اور جب اللہ نے اس کشمکش موت و حیات سے صحیح و سالم نکال دیا تو ضروری ہے کہ اس کا احسان مانے۔

ف۷ اوپر دلائل و شواہد سے سمجھایا تھا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے، اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ یہاں بتلایا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدت مندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر و فطرت کی اصلی آواز یہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

بچادیا ان کو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر ف۱ اور منکر وہی ہوتے ہیں ہماری قدرتوں سے جو قول کے جھوٹے ہیں حق نہ ماننے والے ف۲

بچادیا ان کو جنگل کی طرف، تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر۔ اور منکر ہوئے ہیں ہماری قدرتوں سے، جو قول کے جھوٹے ہیں، حق نہ بوجھنے والے۔

تہدید مجادلین بر انکار توحید

مع مشاہدۂ آثار قدرت وانواع واقسام نعمت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ ... الی ... اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ﴾

ربط:...... امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابتداء سورت میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد تھا اور دلائل توحید کے ذکر ﴿فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ میں مشرکین کی توبیخ اور سرزنش تھی اور بعد ازاں وصایائے لقمان کو ذکر کیا جس میں سب سے اہم اور مقدم توحید کی وصیت تھی اس لئے اب ان آیات میں پھر توحید کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور منکرین توحید پر تہدید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کے آثار تمہارے سامنے ہیں لہٰذا تم کو خدا سے ڈرنا چاہئے اس لئے تقویٰ کا حکم دیا اور دن رات تم اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں میں پلٹیاں کھا رہے ہو پھر بھی اپنے خالق کو نہیں پہچانتے اور اپنے منعم اور محسن کے شکر گزار نہیں بنتے کہ ان نعمتوں کا پیدا کرنے والا اور دینے والا کون ہے ذرا سوچو تو سہی اپنے خالق اور مربی کی معرفت اپنے منعم اور محسن کی شکر گزاری عین عقل اور عین حکمت اور عین فطرت ہے یہ باتیں عقل سے بھی سمجھ میں آ سکتی ہیں ان کا جاننا نبوت اور بعثت پر موقوف نہیں توحید باری اور شکر خداوندی کو عقل سلیم اور فطرت سلیمہ قبول کرتی ہے اور شرک اور ناشکری عقلاً قبیح ہے اور خلاف فطرت ہے انبیاء کرام علیہم السلام تم کو انہی عقل وحکمت اور امور فطرت کی دعوت دیتے ہیں پھر اعراض کی کیا وجہ۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اشارہ اس طرف ہے کہ الوہیت اور وحدانیت کی معرفت نبوت اور بعثت پر موقوف نہیں انسان اگر ذرا غور کرے اور عقل سے کام لے تو اپنے خالق اور منعم کو پہچان سکتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر: ۶/۶۷۵ وحاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۴/۳۸۔

نعمت کو دیکھ کر فقط نعمت میں مشغول نہ ہو جائے بلکہ منعم جس کی طرف سے یہ نعمت آتی ہے اس کی معرفت اور اس کی اطاعت کی فکر کرے اور ہر وقت اپنے منعم سے ڈرتا رہے کہ مبادا منعم میری نافرمانی سے ناراض ہو کر اپنی نعمتیں واپس نہ لے

ف۱ یعنی جب خدا تعالیٰ طوفان سے نکال کر خشکی پر لے آیا تو تھوڑے نفوس ہیں جو اعتدال و توسط کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے "فمنهم مقتصد" کا ترجمہ کیا "تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر۔" حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ یعنی جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا نہیں، مگر بالکل بھول بھی نہ جائے۔ ایسے بھی کم ہیں، نہیں تو اکثر قدرت سے منکر ہوتے ہیں۔ اپنے بچ نکلنے کو تدبیر پر رکھتے ہیں یا کسی ارواح وغیرہ کی مدد پر۔

ف۲ یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول و قرار اللہ سے کر رہے تھے، سب جھوٹے نکلے۔ چند روز بھی اس کے انعام واحسان کا حق نہ مانا اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔

لے حکمت اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے منعم اور محسن سے غافل نہ ہو حماقت اور بے فائدہ شور و شغب گدھوں کی خاصیت ہے انسان کو چاہئے کہ عقل سے کام لے چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں جیسے چاند اور سورج اور ستارے اور بادل کہ ان سے نفع اٹھاتے ہو اور مسخر کر دیا تمہارے لئے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں حیوانات اور نباتات اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی ظاہری نعمت صورت ظاہرہ کی درستی کا سبب ہے اور باطنی نعمت، سیرت کی درستی کا سبب ہے ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں کہ جو حواس ظاہری سے محسوس اور مدرک ہیں جیسے کھانا اور پینا اور پہننا اور باطنی نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں کہ جو عقل سے دریافت ہوں جیسے ایمان اور علم دین اس طرح ظاہری اور باطنی اور آسمان اور زمین کی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور باوجود اس کے بعضے آدمی ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ کی شان توحید میں جھگڑتے ہیں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے علم سے مراد دلیل عقلی ہے اور ھدیٰ سے دلیل کشفی اور الہامی مراد ہے جو کسی ہادی نبی یا ولی کے ذریعہ سے بذریعہ وحی اور الہام معلوم ہوئی ہے اور کتاب منیر سے کتاب آسمانی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اس بارے میں ان لوگوں کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی ہے محض آباء و اجداد کی تقلید کی بنا پر شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہیں پس جب ان کے پاس کا قسم کا علم نہیں تو اہل علم سے مجادلہ کیوں کرتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے اور اس پر ایمان لاؤ جو عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی روش پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو چلتے پایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو تب بھی یہ لوگ انہی کی پیروی کئے جائیں گے اور جہاں جا کر وہ گریں گے وہیں یہ بھی گریں گے مطلب یہ ہے کہ ان کے آباء و اجداد کا راستہ درحقیقت شیطان کا راستہ ہے شیطان ان پر غالب تھا اس نے ان کو مشرک اور گم راہ بنایا اور ایسی گم راہی کی ان کو دعوت دی جس کا انجام عذاب دوزخ ہے پس یہ لوگ درحقیقت اس شیطان کی پیروی کر رہے ہیں کہ جس نے ان کے آباء و اجداد کو دوزخ کے عذاب کی طرف دعوت دی ہے۔

مسئلہ:...... اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کا اتباع بلاشبہ فرض ہے لیکن اس کے اتباع کی دو صورتیں ہیں ایک بالذات اور ایک بالغیر جو شخص خود عالم اور فاہم ہو اور قواعد عربیت اور قواعد شریعت سے واقف ہو وہ بذات خود کتاب الٰہی کا اتباع کرے اور جو شخص خود عالم نہ ہو اور نہ وہ عربی زبان جانتا ہو تو وہ اہل علم سے پوچھ کر حکم خداوندی کا اتباع کرے کما قال تعالیٰ ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور یہ اتباع درحقیقت اس عالم کا اتباع نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کے اتباع ہے مگر عالم کے واسطہ سے ہے تو یہ بھی ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کا اتباع ہے لیکن بالغیر ہے یعنی خود نہیں بلکہ بواسطہ عالم شریعت کے ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کے یہی معنی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی ان علماء ربانیین کے علم اور فہم کے مطابق کی جائے معاذ اللہ کسی حنفی اور شافعی نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا رب قرار نہیں دیا جو یہ کہا جائے کہ مقلدین ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کے مصداق ہیں منکرین تقلید کا عجب حال ہے کہ تقلید کے معنی تو سمجھتے نہیں اور بے سوچے مشرکین کی آیات مقلدین پر چسپاں کرتے ہیں

سب کو معلوم ہے کہ ہر شخص عربی زبان نہیں جانتا اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو مرتبۂ اجتہاد کی اس میں صلاحیت نہیں تو پھر وہ بذات خود کتاب وسنت کو سمجھ کر کیسے اللہ اور اس کے رسول کا اتباع کر سکتا ہے لامحالہ کسی عالم دین سے پوچھ کر ہی کرے گا اور ظاہر ہے کہ وہ عالم دین اس جاہل کو یہ نہیں بتلا سکتا کہ یہ آیت قطعی الدلالت یا ظنی الدلالت ہے اور یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا غریب ہے یا شاذ ہے یا منکر ہے لامحالہ وہ جاہل بغیر دلیل معلوم کئے ہی اس عالم کا اتباع کرے گا اور اسی کا نام تقلید ہے عجب نہیں کہ منکرین تقلید کی اس قسم کی بے سروپا باتیں ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ﴾ میں داخل ہوں۔

یہ تو مجادلین اور شیطان کے متبعین کا ذکر تھا اب آگے اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار بندوں کا ذکر ہے اور جو شخص اپنا منہ اللہ کی طرف متوجہ کر دے اور اپنے تمام امور اللہ کے سپرد کر دے اور دین اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑ لے در آں حالیکہ وہ مخلص ہو تو سمجھو کہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ پکڑ لیا اور ایسا سہارا پا لیا جس کے ذریعہ وہ بالا سے بالاتر ہوتا چلا جائے گا اور وہ حلقہ اور رسی نہایت مضبوط ہے جس کے ٹوٹ جانے کا امکان نہیں البتہ ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے برخلاف جھوٹے معبودوں کے کہ ان کا رشتہ تار عنکبوت ہے اور سب کاموں کا اخیر انجام اللہ ہی کی طرف ہے اور جو شخص کافر اور منکر ہوا اور عروہ وثقی کو اس نے ہاتھ بھی نہ لگایا تو اے نبی ﷺ اس کا انکار آپ ﷺ کو رنج اور غم میں نہ ڈالے آپ ﷺ اپنے کام میں لگے رہئے اور ان کو ہم پر چھوڑ دیجئے انہیں ہم خود سمجھ لیں گے ہماری ہی جانب سب کو لوٹ کر آنا ہے پس ہم ان کو آگاہ کر دیں گے اس چیز سے جو انہوں نے کیا بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے بھیدوں کو جانتا ہے ظاہری اعمال کا تو کیا ذکر اور اگر یہ لوگ اپنی اس دنیاوی عیش پر پھول رہے ہیں تو یہ ان کی نادانی ہے ہم چند روز ان کو فائدہ پہنچا دیں گے پھر ان کو مجبور کر کے سخت عذاب کی طرف لے جاویں گے جس میں کبھی تخفیف نہ ہوگی بلکہ دن بدن اس میں ترقی ہوتی رہے گی اور اگر آپ ﷺ ان منکرین توحید سے سوال کریں کہ بتلاؤ، ان آسمانوں کو اور اس زمین کو کس نے پیدا کیا تو جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے معلوم ہوا کہ انکار عدم علم کی بنا پر نہیں بلکہ عناد کی بنا پر ہے اس اقرار پر آپ ﷺ یہ کہیے کہ الحمد للہ کہ ان پر الزام قائم ہو گیا اور خود اقرار کر لیا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں بلکہ ان میں کے اکثر بے علم اور بے عقل ہیں کہ سمجھتے نہیں کہ ہمارے اس اقرار کا مقتضاء یہ ہے کہ ہم شرک سے باز آ جائیں اور جان لیں کہ جب وہی تمام اشیاء کا خالق ہے تو وہی عبادت کا مستحق ہے اس کے سوا کوئی کسی چیز کا مالک نہیں اللہ ہی کی ملک ہے جو چیز بھی آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے غیر سے بے نیاز ہے اور وہی اپنی ذات اور صفات میں ستودہ ہے خواہ کوئی حمد کرے یا نہ کرے اس لئے کہ وہ بذات خود بخود صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آسمان اور زمین اگرچہ محدود اور متناہی ہیں مگر اللہ کا علم اور اس کی قدرت غیر محدود اور غیر متناہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر بالفرض زمین کے درخت قلم ہو جائیں اور بحر محیط سیاہی ہو جائے اور بعد ازاں سات سمندر اور اس کی مدد کریں اور وہ بھی مداد یعنی سیاہی بن جائیں اور پھر ان سے اللہ کی باتیں لکھی جائیں تو یہ تمام قلم اور روشنائی سب ختم ہو جائیں اور اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں سات سمندروں کا ذکر بطور حصر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ علم الٰہی کے مقابلہ میں سات سمندر بلکہ سات ہزار سمندر بھی بمنزلہ ایک قطرہ کے ہیں کسی مخلوق کی مجال نہیں کہ وہ کلمات

الٰہیہ کا اندازہ کر سکے دنیا کے تمام درخت اور تمام سمندر محدود اور متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلمات علم وحکمت یا اس کے عجائب قدرت وصنعت یا اس کی معلومات غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اللہ کی معلومات اور اس کی مقدورات کی کوئی حد نہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کلمات اللہ سے وہ کلمات قدسیہ مراد ہیں جو اللہ کی ذات مقدس کے ساتھ قائم ہیں وہ حصر اور شمار سے باہر ہیں اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔

فائدہ:...... مفسرین نے لکھا ہے کہ سات سمندر یہ ہیں (۱) دریائے حبشہ (۲) دریائے روم (۳) دریائے ہند (۴) دریائے قلزم، جدہ جس کے کنارے پر ہے (۵) دریائے چین (۶) دریائے فارس تا بہ بصرہ (۷) بحیرہ طبریہ۔

بے شک غالب ہے اور حکمت والا ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو بیان کیا کہ نہ اس کے علم کی کوئی حد اور نہایت ہے اور نہ اس کی قدرت کی کوئی حد اور غایت ہے اب آئندہ آیات میں منکرین قیامت کے استبعاد کا رد فرماتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد حشر نشر کیسے ہوگا نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور نہیں ہے موت کے بعد تمہارا اٹھانا مگر مثل ایک جان کے پیدا کرنے اور جلانے کے اس کی قدرت کے اعتبار سے سب لوگوں کا پیدا کرنا اور اور ایک جان کا پیدا کرنا سب برابر ہے اس کی قدرت ازلیہ میں قلیل و کثیر سب برابر ہیں ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بیک وقت تمام عالم کی آوازیں سننے والا ہے اور بیک وقت تمام کائنات کو دیکھنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے قادر مطلق کی قدرت کاملہ میں عجز کا دخل نہیں ایسی ذات کو سارے عالم کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس طرح سمع اور بصر سے اشیاء کا ادراک دفعۃً ہوتا ہے اسی طرح خدا کے لئے سارے عالم کا دفعۃً احیاء (دوبارہ زندہ کرنا) بھی ممکن ہے۔

اے منکر قدرت کیا تو نے دیکھا نہیں اور کیا تو نے جانا نہیں کہ اللہ ہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں گرمیوں میں رات کا حصہ دونوں طرف سے کم ہو کر دن میں داخل ہو جاتا ہے اور جاڑوں میں دن دونوں طرف سے کم ہو کر رات میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک کی ایک مدت مقرر ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اس عالم کی بھی ایک مدت مقرر ہے اور اللہ ہی نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ ہر وقت اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں ہر ایک وقت مقرر تک یعنی قیامت تک اسی طرح چلتا رہے گا اس دن اس کا چلنا بند ہو جائے گا کسی کی مجال نہیں کہ اس میں تغیر و تبدل کر سکے یہ سب اللہ کی قدرت کی رنگا رنگی ہے نہ بالذات ہے اور نہ آفتاب اور زمین کی گردش کا نتیجہ ہے اور بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے یہ سب نظام عالم اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی موجود برحق اور واجب الوجود اور موجود بالذات ہے جس کے اشارہ سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے اور اس کے سوا جس چیز کو یہ پکارتے ہیں وہ سب بے اصل اور بے حقیقت ہے کسی کا وجود بالذات اور خود بخود نہیں اور بے شک اللہ ہی عالی شان اور سب سے بڑا ہے اس سے بڑا کوئی نہیں اے مخاطب کیا نہیں دیکھا تو نے یا نہیں جانا تو نے کہ یہ کشتیاں دریا میں چلتی ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے کہ نیچے پانی ہے اور اوپر ہوا ہے یا یہ معنی ہیں کہ کشتیاں سامان نعمت کو لے کر چلتی ہیں تاکہ وہ تم کو اپنی قدرت اور نعمت کی کچھ نشانیاں دکھا دے کہ پانی میں اس نے یہ قوت رکھی کہ وہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکے کی طرح اٹھائے پھرتا ہے بے شک اس کشتی اور دریا میں اس کے کمال قدرت اور کمال حکمت اور کمال نعمت کی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لئے دریا کے سفر میں محنت اور مشقت بھی

ہے اور بہت سے فوائد اور منافع بھی ہیں مومن کے لئے یہ سفر باعث صبر بھی ہے اور موجب شکر بھی ہے اور صبر اور شکر کے جمع ہوجانے سے ایمان کامل ہوجاتا ہے اور من جملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ جب ان کشتی والوں کو دریا کی کوئی موج مثل سائبانوں کے ڈھانک لیتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں ایسی حالت میں کہ خالص اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہوتے ہیں یعنی ایسی حالت میں خالص اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو اس ہولناک موج کی غرقابی سے نجات دے اور سارا شرک بھول جاتے ہیں جب موت سامنے آتی ہے تب توحید نظر آنے لگتی ہے پھر حق تعالیٰ ان کو غرق سے نجات کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو بعض تو ان میں سے بیچ کی راہ پر چلتے ہیں اور اکثر منکر ہوجاتے ہیں اور نہیں منکر ہوتا ہماری آیتوں کا مگر ہر بدعہد اور ناشکرا ختار کے معنی غدار اور مکار کے ہیں جو عہد کر کے توڑ دیتا ہے اور کفور اس کو کہتے ہیں کہ جو جان بوجھ کر ناشکری کرتا ہو مُقْتَصِدٌ کے معنی متوسط اور معتدل کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب طوفان سے نجات پا کر خشکی پر آ گئے تو جو حال خوف کے وقت تھا وہ کسی کا باقی نہ رہا البتہ بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ اس حالت پر نہ رہے مگر بالکل بھول بھی نہیں جاتے ایسے کم ہیں کہ نجات پانے کے بعد ان کے شر میں ذرا کمی آ جاتی ہے اور اکثر تو ایسے ہوتے ہیں کہ دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مقتصد کے معنی یہ ہیں کہ نجات پانے کے بعد سیدھی راہ پر آ جاتا ہے اور کفر اور شرک کو چھوڑ دیتا ہے اور اس حالت میں جو دعا کی تھی اور خدا سے جو توحید کا عہد کیا تھا نجات پانے کے بعد اس پر قائم رہتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں اور اکثر وہ ہیں جو نجات پانے کے بعد پھر مشرک اور منکر ہوجاتے ہیں۔

غرض یہ کہ مقتصد کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ نجات پانے کے بعد اس کے کفر اور شرک میں کمی آ گئی اور ایک معنی یہ ہیں کہ نجات پانے کے بعد سیدھی راہ پر تو آ گیا مگر اخلاص اور اعمال صالحہ میں کچھ کمی رہی ایسا شخص مقتصد ہے اور جو شخص ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ میں برق رفتار ہوجائے وہ سابق بالخیرات ہے اور جو شخص نجات پانے کے بعد حسب سابق پھر کفر و شرک پر اتر آئے وہ ظالم لنفسہ اور ختار اور کفور ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ

اے لوگو بچتے رہو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو

لوگو ! بچتے رہو اپنے رب سے، اور ڈرو اس دن سے، کہ کام نہ آئے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے، اور نہ کوئی بیٹا ہو

هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا

جو کام آئے اپنے باپ کی جگہ کچھ بھی ف۱ بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو تم کو نہ بہکائے دنیا کی زندگانی اور نہ

جو کام آئے اپنے باپ کی جگہ کچھ، بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، سو تم کو نہ بہکائے دنیا کا جینا۔ اور نہ

ف۱ طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری ہوتی ہے۔ ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل غافل نہیں ہوجاتی۔ ایک دوسرے کے بچانے کی تدبیر کرتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات والدین کی شفقت چاہتی ہے کہ ہوسکے تو بچہ کی مصیبت اپنے سر لے کر اس کو بچالیں لیکن ایک ہولناک اور ہوش ربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا۔ اور تیار بھی ہو تو یہ تجویز چل نہ سکے گی۔ چاہیے کہ آدمی اس دن سے ڈر کر غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرے۔ آج اگر سمندر کے =

يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي

دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغا باز **ف۱** بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ہے

دھوکہ دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغا باز۔ اللہ جو ہے اس پاس ہے قیامت کی خبر۔ اور اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو ہے

الْاَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ

ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں

ماں کے پیٹ میں۔ اور کوئی جی نہیں جانتا، کیا کرے گا کل۔ اور کوئی جی نہیں جانتا، کس زمین میں

تَمُوْتُ ۖ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۱۲

مرے گا تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے **ف۲**

مرے گا۔ تحقیق اللہ ہی ہے سب جانتا ہے خبردار۔

=طوفان سے بچ گئے تو کل اس سے کیونکر بچو گے۔

ف۱ یعنی وہ دن یقیناً آ کر رہے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لہٰذا دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا نہ کھاؤ کہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ اور یہاں آرام سے ہو تو وہاں بھی آرام کرو گے؟ نیز اس دغا باز شیطان کے اغواء سے ہوشیار رہو جو اللہ کا نام لے کر دھوکا دیتا ہے۔ کہتا ہے میاں اللہ غفور رحیم ہے خوب گناہ سمیٹو، مزے اڑاؤ، بوڑھے ہو کر اٹھی توبہ کر لینا۔ اللہ سب بخش دے گا۔ تقدیر میں اگر اس نے جنت لکھ دی ہے تو گناہ کتنے ہی ہوں ضرور پہنچ کر رہو گے اور دوزخ لکھی ہے تو کسی طرح بچ نہیں سکتے پھر کاہے کے لئے دنیا کا مزہ چھوڑیں

ف۲ یعنی قیامت آ کر رہے گی، کب آئے گی؟ اس کا علم خدا کے پاس ہے۔ نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے آدمی دنیا کے باغ و بہار اور رونق ترو تازگی پر ریجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوش حالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مینہ نہ برسے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ نہ سامان معیشت رہیں نہ اسباب راحت۔ پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور ترو تازگی پر فریفتہ ہو کر اس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی باران رحمت سے اس کو ترو تازہ اور پر رونق بنا رکھا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کر کے اور ایڑیاں رگڑ کر مر جاتے ہیں لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیر الٰہی پر بھروسہ کیے بیٹھا ہو، دنیاوی جدو جہد میں تقدیر پر قانع ہو کر ذرہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہیے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوگی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں۔ یہ ہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آئیں۔ بیشک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا کو ہے مگر عموماً اچھی یا بری تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی۔ جنتی ہے یا دوزخی، مفلس ہے یا غنی، لہٰذا ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوئی جس سے عادۃً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہو۔ روزی کتنی ملے، سعید ہو یا شقی۔ اسی کی طرف "وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ" میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اڑا لو، پھر توبہ کر کے نیک بن جانا، اس کا جواب ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ میں دیا ہے۔ یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لئے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آ جائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کر لے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم و خبیر کو ہے۔

(تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے، اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی، اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ جس کی جزئیات کی=

خاتمۂ سورت بر حکم تقویٰ وتذکیر آخرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں دلائل قدرت اور مبدأ اور معاد کی تفصیل تھی اب سورت کو تقویٰ کی نصیحت اور وصیت پر ختم کرتے ہیں کما قال تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ یعنی صرف ایک خدا سے ڈرو اور قیامت کے دن سے ڈرو کہ جس دن سوائے تقویٰ کے کوئی قرابت اور مودت کام نہ آئے گی تقویٰ کی وصیت اور نصیحت سے بڑھ کر کوئی وصیت اور نصیحت نہیں اور آخرت کے لئے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی توشہ نہیں۔

بعد ازاں یہ بتلایا کہ روز جزاء کا کسی کو علم نہیں اور کسی کو خبر نہیں کہ میری موت کب آئے گی خوب سمجھ لو کہ جس طرح کسی کو مبدأ کا علم نہیں اسی طرح کسی کو معاد کا بھی علم نہیں۔

اور اس آخری آیت میں یہود اور نصاریٰ کے عقائد باطلہ کے رد کی طرف بھی اشارہ فرما دیا یہود اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اس لئے ہم پر کوئی عذاب نہ ہوگا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام سب کی طرف سے کفارہ ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نجات کا دار ومدار ایمان اور تقویٰ اور عمل صالح پر ہے نہ کہ ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے انسانو خواہ تم کشتی میں ہو یا خشکی میں ہو اپنے پروردگار کے قہر سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو وہ بر اور بحر سب کا مالک ہے اس کی قدرت سب جگہ یکساں ہے اور اس دن سے ڈرو کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا اس دن تو نفسی نفسی ہوگی بے شک اللہ نے جو یوم حساب کے آنے کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل سچا ہے اور پکا ہے اور یقیناً تمہارے سامنے آنے والا ہے اللہ کے وعدہ پر بھروسہ کرو جنات اور شیاطین اور نجومیوں اور کاہنوں کے وعدوں کے چکر میں نہ پڑو سو یہ دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش ونمائش تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور یہ شیطان تم کو اللہ کے بارے میں دھوکہ نہ دے دے۔ کہ تم کو لمبی لمبی امیدوں اور آرزؤں میں مبتلا کرے اور کہے کہ جو کچھ مزہ اڑانا ہے وہ یہیں اڑا لو اس دنیا کے سوا اور کوئی جہان نہیں اور اگر مسلمان ہو تو شیطان اسے یہ دھوکہ دیتا ہے کہ خوب مزے اڑاؤ

= تفصیل وتبویب اذکیائے امت نے کی۔ اور اکوان غیبیہ کی کلیات واصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا۔ "بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" میں غیوب مکانیہ ماذا تکسب غدا" میں زمانیہ مستقبلہ "مَا فِی الْاَرْحَامِ" میں زمانیہ حالیہ اور "یُنَزِّلُ الْغَیْثَ" میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔ یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی، ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی؟ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟ اس جہل وبے چارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیاوی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔ بہر حال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہی پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کما فی الحدیث۔ پہلے سورۃ انعام اور سورۂ نمل میں بھی ہم علم غیب کے متعلق کچھ لکھ چکے ہیں۔ ایک نظر ڈال لی جائے، تم سورۃ لقمان بمنہ وکرمہ،

اللہ بڑا غفور رحیم ہے یہ سب دھوکہ ہے کسی کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کب پکڑ لے دن رات مصیبتیں اور آفتیں آتی رہتی ہیں مگر پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور دن رات موت اور بیماری کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ یکا یک آجاتی ہے اور پہلے سے کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو یوم حساب کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق اور صدق ہے مگر تم کو اس کا وقت نہیں بتلایا وہ ایسا امر غیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کسی چیز کا وقت نہ معلوم ہونے سے اس کے وقوع کا انکار کر دینا سراسر خلاف عقل ہے اس لئے کہ دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں واقعات ایسے ہیں کہ واقع ہو رہے ہیں مگر پہلے سے ان کا وقت معلوم نہیں، معلوم ہوا کہ وقت کے نہ معلوم ہونے سے کسی چیز کے وقوع کا انکار جہالت اور حماقت ہے چنانچہ فرماتے ہیں بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے کہ کب قائم ہوگی قیامت قائم ہونے کا وقت نہ کسی پیغمبر کو معلوم ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کو البتہ قیامت کی کچھ علامتیں جو احادیث سے ثابت اور معلوم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا ہے جو لوگوں کے رزق کا سامان ہے اور جس پر لوگوں کی حیات اور بقاء موقوف ہے بارش نازل ہونے کا وقت بھی پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور بادل دیکھنے کے بعد بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ بادل کہاں برسے گا اور کتنا پانی برسائے گا اور کس طرح برسائے گا اور اس بادل میں کتنے ٹن پانی ہے بارش تیز ہوگی یا ہلکی ہوگی اور کتنی دیر تک بارش ہوگی اور رات کو ہوگی یا دن کو ہوگی اور کس وقت پر ہوگی ٹھیک وقت کوئی بھی نہیں بتلا سکتا اور اگر کسی "فلسفی صاحب" کو کچھ بخارات زمین سے یا پہاڑ سے اٹھتے ہوئے نظر آ گئے تو فلسفی صاحب کو ان بخارات کی نہ کمیت معلوم اور نہ کیفیت معلوم اور نہ وقت اور ساعت معلوم فلسفی صاحب جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب ان کے قیاسات ہیں جن کو علم قطعی اور یقینی ہرگز نہیں کہا جاسکتا دوسروں کو تو کیا یقین آئے خود فلسفی صاحب کو بھی اپنے قیاسات پر یقین نہیں ہوتا۔

اور اللہ ہی کو معلوم ہے جو رحم مادر میں ہے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے ناقص ہے یا پورا ہے کالا ہے یا گورا ہے نیک ہے یا بد ہے عاقل ہے یا غافل ہے آئندہ چل کر وہ وزیر ہوگا یا فقیر ہوگا بڑا ہو کر امیری کرے گا یا مزدوری اور اس کی عمر کیا ہوگی جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے تو اللہ کو اس کے تمام احوال کا بتمام و کمال علم ہوتا ہے یہ علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں انسان کو جب اپنے محل ولادت اور مکان خلقت کا علم نہیں تو قیامت کا علم اس کے لئے کیسے ممکن ہے۔

اور کسی نفس کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا بھلائی کرے گا یا برائی اور اگر بالفرض کمائی کی کوئی خاص عادت تھی تو معلوم نہیں کہ صبح کو اٹھ کر تندرست ہوگا یا بیمار ہوگا اور اگر تندرست ہوا تو معلوم نہیں کیا مزدوری کرے گا اور کس قسم کی نوکری یا چاکری کرے گا بندہ کو تو اپنے افعال و اعمال کا بھی علم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کون سا کام کس وقت کرے گا حالانکہ بندہ جو کماتا ہے اس میں اس کی قدرت اور اختیار کو دخل ہوتا ہے تو پھر قیامت کا علم اس کو کیسے ہوسکتا ہے جس میں اس کے علم اور قدرت کو بھی دخل نہیں۔

اور کسی نفس کو تو اپنی صفات اور اپنے موت و حیات کا بھی علم نہیں اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کس زمین میں مرے گا اور کس وقت مرے گا اور کس حالت میں مرے گا بسا اوقات ایسی جگہ جا کر مرتا ہے کہ جہاں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا پس جب تجھے اپنے بچہ کی ولادت کا زمانہ نہیں اور نہ تجھے اپنی موت کا زمانہ معلوم ہے اور نہ تجھے اپنے آئندہ کے امور معاش کا علم ہے کہ کل کو کیا کرے گا اور کیا کماوے گا تو سارے عالم کی موت و حیات کا زمانہ تو کیسے جان سکتا ہے بندہ تو مخلوق اور محدود ہے تو

لامحالہ اس کا علم بھی محدود ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب چیزوں کا جاننے والا ہے اور خبردار ہے ہر چیز کا ظاہر و باطن اس کی نظروں کے سامنے ہے ان پانچ چیزوں کو جن کا ذکر آیت میں ہے ان کو مفاتیح الغیب کہتے ہیں یعنی غیب کی کنجیاں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ پانچ باتیں ایسی ہیں کہ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پھر یہ آیت یعنی ﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اخیر تک پڑھی رواہ احمد باسناد صحیح اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پھر یہی آیت پڑھی۔ (رواہ البخاری بسادین واحمد باسانید)

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک اعرابی کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام وارث بن عمرو بن حارثہ تھا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے مجھے خبر دیجئے کہ وہ کیا جنے گی اور ہمارے بلاد قحط زدہ ہیں مجھے خبر دیجئے کہ بارش کب ہوگی مجھے معلوم ہے کہ میں کب پیدا ہوا مجھے خبر دیجئے کہ میں کب مروں گا مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کام کیا مجھے خبر دیجئے کہ کل آئندہ میں کیا کام کروں گا اور مجھے خبر دیجئے کہ قیامت کب قائم ہوگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۸۳ اور تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۵۵ مگر تفسیر ابن کثیر میں بجائے مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔

نکتہ: ...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا اول کی تین چیزیں نہایت عظیم تھیں (یعنی قیام قیامت اور نزول غیث اور مافی الارحام) اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کی اسناد اور نسبت اپنی طرف فرمائی اور اخیر کی دو چیزیں بندہ کی صفات اور افعال سے متعلق تھیں یعنی کسب اور موت اس لئے ان دو چیزوں کی نسبت بندوں کی طرف فرمائی۔ (صاوی حاشیۂ جلالین: ۳/ ۲۶۱)

فائدہ: ...... آیت میں پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا مگر مقصود حصر نہیں غالباً چونکہ سوال انہی پانچ چیزوں کے متعلق تھا اس لئے آیت میں انہی پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا۔

(یا یوں کہو) کہ ﴿يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ سے انسان کے مبدأ حیات کی طرف اشارہ ہے اور ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ سے انسان اور حیوان کے سامان حیات کی طرف اشارہ ہے اور ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ سے انسان کے امور معیشت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ سے انسان کے منتہائے حیات کی طرف اشارہ ہے اور ﴿عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ سے تمام عالم کے معاد کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کل عالم کے مبدأ اور معاد اور معاش کا علم کلی اور تفصیل اور بہمہ وجوہ محیط اور قطعی اور یقینی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں اکوان غیبیہ کا علم کلی اور تفصیلی اور محیط اللہ رب العزۃ کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر کسی نبی کو بذریعہ وحی کے اور کسی ولی کو بذریعہ الہام کے اور کسی مرد صالح کو بذریعہ خواب کے کسی کی موت اور حیات کا کچھ علم ہوجائے تو وہ ایک علم جزئی اور ناتمام ہے جس کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہو اور بعض اوقات کافروں کو بھی بذریعہ خواب یا کشف کچھ امور دکھلا دیئے جاتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوتے ہیں جیسا کہ دجال کی حدیث میں اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے تو وہ بطور استدراج ہے نہ کہ بطریق کرامت۔

حکایت: ...... شاہ منصور خلیفۂ عباسی نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ میری عمر کتنی ہے تو ملک الموت نے پانچ

انگلیوں سے اشارہ کردیا بادشاہ جب خواب سے بیدار ہوا تو معبرین سے اس کی تفسیر پوچھی کسی نے پانچ برس اور کسی نے پانچ مہینہ اور کسی نے پانچ دن اس کی تعبیر دی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ پانچ انگلیوں کے اشارہ سے اس آیت یعنی ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ الی آخرہا کی طرف اشارہ ہے جس میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ تفسیر مظہری ص ۲۸۰ ج ۷۔

الحمد للہ آج بروز شنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۶ رجب الحرام ۱۳۹۲ھ بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور، سورۃ لقمان کی تفسیر سے فراغت ہوئی وللہ الحمد اولاً واخراً وظاھراً وباطناً اے اللہ اپنی رحمت اور توفیق اور عنایت سے باقی قرآن کریم کی تفسیر بھی اس حقیر سراپا تقصیر کے ہاتھ مکمل فرما ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

تفسیر سورۃ سجدہ

سورۃ سجدہ مکی ہے اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سونے سے پہلے ﴿الٓمّٓ تَنْزِيْلُ﴾ السجدۃ اور ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ پڑھ لیا کرتے تھے (اخرجه الامام احمد والترمذی والنسائی وغیرھم عن جابر)

ربط:...... گزشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید اور دلائل حشر ونشر ذکر کئے اس سورت کا آغاز بھی قرآن کی حقانیت سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید ودلائل حشر ونشر ذکر کرکے پہلی سورت کی طرف سعداء اور اشقیاء کا حال اور مآل ذکر کیا اور پھر حسب سابق ﴿اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ سے ادلہ توحید کا ذکر شروع کیا اسی طرح سلسلہ کلام اخیر سورت تک چلا گیا۔

(یا یوں کہو) کہ سورۃ لقمان میں آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر تھا اور اس سورت میں تدبیر عالم اور انتظام خلائق کا ذکر ہے۔

۳۲ سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۷۵ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ایاتہا ۳۰ رکوعاتہا ۳

الٓمّٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ

اتارنا کتاب کا اس میں کچھ دھوکا نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے ف۱ کیا کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ باندھ لایا ہے کوئی نہیں

اتارا کتاب کا ہے، اس میں کچھ دھوکا نہیں جہان کے صاحب سے۔ کیا کہتے ہیں یہ باندھ لایا؟ کوئی نہیں!

هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③

وہ ٹھیک ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو ڈر سنادے ان لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ راہ پر آئیں ف۲

وہ ٹھیک ہے تیرے رب کی طرف سے، کہ تو ڈر سنائے ایک لوگوں کو جن کو نہیں آیا کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے، شاید وہ راہ پر آئیں۔

ف۱ بلا شبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین نے اتاری ہے نہ اس میں کچھ دھوکا ہے نہ شک وشبہ کی گنجائش۔

ف۲ یعنی جس کی کتاب کا معجزہ اور من اللہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، کیا اس کی نسبت کفار کہتے ہیں کہ اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے۔ اور=

آغاز سورت بحقانیت قرآن برائے اثبات رسالت محمدیہ ﷺ

قال اللہ تعالیٰ: ﴿الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ... الى ... لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾

﴿الٓمّٓ﴾ اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یہ نازل کردہ کتاب ہے جس میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے جس کا ظاہری اور معنوی اعجاز اس کی دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتری ہے بتائیں کہ کیا وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اس کو خود بنا لیا ہے اور خدا کی طرف اس کو منسوب کر دیا ہے یہ قول بالکل غلط ہے بلکہ وہ سچی کتاب ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے تاکہ آپ ﷺ اس کتاب حکمت کے ذریعہ ایسی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ ﷺ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہ راست پر آ جائیں آپ ﷺ سے پہلے جس قدر نبی گزرے اگرچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے مگر وہ بنی اسحاق اور بنی اسرائیل میں سے تھے جو قریش کے بنی الاعمام تھے اور آپ ﷺ بنی اسماعیل میں پیدا ہوئے آپ ﷺ سے پہلے اس قوم میں کوئی نبی نہ آیا تھا اس لئے آپ ﷺ کو بھیجا تاکہ اللہ کی حجت اور ہدایت ان پر پوری ہو جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن کے اندر پھر قائم ہوا

اللہ ہے جس نے بنائے آسمان و زمین، اور جو ان کے بیچ ہے، چھ دن میں، پھر قائم ہوا

الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ

عرش پر ف۱ کوئی نہیں تمہارا اس کے سوائے حمایتی اور نہ سفارشی پھر تم کیا دھیان نہیں کرتے ف۲ تدبیر سے اتارتا ہے کام

عرش پر۔ کوئی نہیں تمہارا اس کے سوا حمایتی نہ سفارشی، پھر تم کیا سوچ نہیں کرتے؟ تدبیر سے اتارتا ہے کام

▪ معاذ اللہ جھوٹ طوفان خدا کی طرف نسبت کرتا ہے؟ حد ہوگئی جب ایسی روشن چیز میں بھی شبہات پیدا کیے جانے لگے، ذرا غور و انصاف کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب ٹھیک پروردگار عالم کی طرف سے آئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کو بیدار کر لے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی اپنی طرف سے وہی چیز بنا کر لاتا ہے یا بنا سکتا ہے جس کی کوئی نظیر یا زبردست خواہش اس کے ماحول میں پائی جاتی ہو۔ کسی ملک میں ایسی بات دفعۃً منہ سے نکال دینا جو ان کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر مخالف ہو اور جس کے قبول کی ادنیٰ ترین استعداد بھی بظاہر نہ پائی جائے، کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں اللہ کی قدرت قاہرہ کسی کو مامور کرے وہ الگ بات ہے پس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اعقل الناس ہونا ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) مفتری کہتے ہیں، اگر کوئی بات بنا کر لاتے تو یقیناً ایسی لاتے جو عرب کی اس فضا کے مناسب اور عام جذبات کے موافق ہوتی اور جس کا کوئی نمونہ ان کے گرد و پیش پایا جاتا۔ یہ ہی بات ایک انصاف پسند کو یقین دلا سکتی ہے کہ وہ خود اپنی ذاتی خواہش سے کھڑے نہیں ہوئے اور نہ جو پیغام لائے وہ ان کا تصنیف کیا ہوا تھا۔

ف۱ اس کا بیان سورۃ اعراف میں آٹھویں پارہ کے اختتام کے قریب گزر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

ف۲ یعنی دھیان نہیں کرتے کہ اس کے پیغام اور پیغامبر کو جھٹلا کر کہاں جاؤ گے۔ تمام زمین و آسمان میں عرش سے فرش تک اللہ کی حکومت ہے۔ اگر پکڑے گئے تو اس کی اجازت و رضاء کے بدون کوئی حمایت اور سفارش کرنے والا بھی نہ ملے گا۔

السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۵

آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں ف۱

آسمان سے زمین تک، پھر چڑھتا ہے اس کی طرف ایک دن جس کا پیمانہ ہزار برس ہیں تمہاری گنتی میں۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۶ الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ

یہ ہے جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا ف۲ جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی

یہ ہے جاننے والا چھپے اور کھلے کا، زبردست رحم والا۔ جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی، اور شروع کی

خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ

انسان کی پیدائش ایک گارے سے پھر بنائی اس کی اولاد نچڑے ہوئے بےقدر پانی سے ف۳ پھر اس کو برابر کیا ف۴

انسان کی پیدائش ایک گارے سے۔ پھر بنائی اس کی اولاد نچڑے پانی بےقدر سے۔ پھر اس کو برابر کیا،

وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا

اور پھونکی اس میں اپنی ایک جان ف۵ اور بنا دیئے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا

اور پھونکی اس میں اپنی جان میں سے، اور بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل۔ تم تھوڑا

ف۱ بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرش عظیم سے مقرر ہو کر نیچے حکم اترتا ہے۔ سب اسباب حسی و معنوی، ظاہری و باطنی، آسمان و زمین سے جمع ہو کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں۔ آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت و حکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے۔ جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا، یا کسی بڑی قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح بتغیر یسیر) مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں، آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرما دیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کاروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں جو سمائے دنیا کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جدا گانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک لحظہ یا اس سے بھی کم میں قطع کرے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی و اسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج و آثار اس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک "یوم" سے یوم قیامت مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہوگا۔ اس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کے برابر ہے۔ بہرحال "فی یوم" کو بعض نے یعرج کے متعلق کیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین مانا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام و تدبیر کا قائم کرنا اسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے، زبردست اور مہربان ہو۔

ف۳ یعنی نطفہ جو بہت سی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔

ف۴ یعنی شکل و صورت، اعضاء موزوں و متناسب رکھے۔

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں جو مخلوق ہے اسی کا مال ہے مگر جس کی عزت بڑھائی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ حالانکہ سب خدا کے بندے ہیں کما قال "اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔" سو انسان کی جان عالم غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں۔ بنی اس کو اپنا کہا۔ ورنہ اللہ کی جان کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مثلاً آدمی کی جان کا لیتے ہیں تو چاہے جان کسی بدن میں ہو، بدن =

تَشْكُرُوْنَ ۝۹

شکر کرتے ہو۔

شکر کرتے ہو۔

دلائل توحید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... الی ... قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾

ربط: ...... اب اثبات رسالت کے بعد دلائل توحید بیان کرتے ہیں اللہ ہی ہے وہ جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے دنیا کے دنوں کے اعتبار سے چھ دن کی مقدار میں پھر وہ قائم اور جلوہ افروز ہوا عرش پر جو اس کی شان الوہیت ہے امت محمدیہ کے تمام سلف اور خلف کا اس پر اجماع ہے کہ عرش اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے نہیں کیونکہ اللہ رب العزت ازلی ہے اور وہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے سے موجود ہے اور عرش اللہ کا مخلوق ہے عقلا یہ محال ہے کہ کوئی عرش اور تخت اللہ کو اپنے اوپر اٹھا سکے اور تھام سکے اللہ تعالیٰ کون ومکان سے ہے بے نیاز ہے اور بے مثل اور بے چون وچگون ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ پس جس طرح خدا تعالیٰ کا سمیع اور بصیر ہونا اس کی شان کے لائق ہے جس شان بے چونی وچگونی پر وہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے تھا اسی شان پر عرش کے پیدا کرنے کے بعد بھی ہے وہ مخلوق کے خیال سے بالا اور برتر ہے مخلوق کا خیال بھی مخلوق ہے۔

ہر چہ اندیشی پذیرائے فناست　　　وآن کہ در اندیشہ ناید آں خداست

"عرش" لغت میں سریر الملک یعنی بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں اور شریعت میں عرش ایک جسم نورانی ہے جو تمام عالم کو محیط ہے قرآن کریم میں سات جگہ استوا علی العرش کا ذکر آیا ہے اس پر تو اجماع ہے کہ استوا علی العرش سے ظاہری اور حسی معنی یعنی تمکن استقرار کے معنی مراد نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا استوا علی العرش بلا کیف اور بلا مکان اور بلا جہت کے حق اور ثابت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور یہ اعتقاد رکھنا فرض ہے کہ وہ بے چون وچگون ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول سورۃ اعراف کی تفسیر میں ہم نقل کر چکے ہیں باقی تفصیل وہاں دیکھ لی جائے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش تدبیر الٰہی کا مظہر ہے یعنی وہ ایسا مقام ہے کہ جہاں سے تدابیر الٰہیہ اور احکام خداوندی جاری ہوتے ہیں غرض یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کو بیان کیا کہ عرش سے لے کر فرش تک سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے اور اوپر سے لے کر نیچے تک ہر کون ومکان اور ہر زمین وزمان میں اسی کا حکم جاری ہے

= ہوا تو ترکیب آئی، ترکیب آئی تو حدوث آیا، ذات پاک کہاں رہی (موضح بتغییر)

ف۱ ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ آنکھوں سے اس کی آیات تکوینیہ کو بنظر امعان دیکھتے۔ کانوں سے آیات تنزیلیہ کو توجہ وشوق کے ساتھ سنتے۔ دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے۔ پھر سمجھ کر اس پر عامل ہوتے۔ مگر تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

پس اپنی قدرت کاملہ کے بیان کرنے کے بعد آئندہ آیت میں مشرکین کو تہدید فرماتے ہیں کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ خدا کی یہ شان ہے تو سمجھ لو کہ تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی سفارشی پس کیا تم سوچتے بھی نہیں اور ان کلمات حکمت کے سننے اور دیکھنے سے اندھے اور بہرے بن گئے ہو سب کو چھوڑ و اور خدائے برحق کی رجوع کرو۔ یہاں تک آسمان اور زمین کی خلقت کو بیان کیا اب آئندہ ان کی تدبیر کو بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے یعنی اپنی حکمت تقدیر کے موافق حکم قضا جاری کرتا ہے۔ کوئی ذرہ اس کے حکم قضاء سے باہر نہیں نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تم دوسروں کی عبادت کرتے ہو اور ان پر بھروسہ کرتے ہو ذرا اپنی جہالت پر غور تو کرو پھر وہ امر الٰہی جو اللہ کی طرف سے اترا تھا لوٹ کر پھر اللہ ہی کی طرف چڑھ جاتا ہے ایک ہی دن میں جس کی مقدار تمہاری شمار کے حساب سے ایک ہزار سال ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم عرش سے اترتا ہے اور ساتویں زمین تک پہنچتا ہے کما قال تعالیٰ ﴿اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ اور پھر وہ متعلقہ کارروائی مکمل ہونے کے بعد دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے زمین سے آسمان دنیا پر جاتی ہے اور جو فرشتہ اس کام کے لئے معین تھا بجالانے کے بعد آسمان کی طرف چڑھ جاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اس کو پیش کرتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اس کو پیش کرتا ہے اور آسمان سے لے کر زمین تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار کے لحاظ سے پانسو برس کا ہے اور آمد و رفت اور اترنے اور چڑھنے کے لحاظ سے ایک ہزار سال کی مسافت ہے جس کو آدمی ایک ہزار سال سے کم عرصہ میں قطع نہیں کر سکتا اگرچہ فرشتے اس مسافت کو چشم زدن سے بھی کم وقت میں طے کر لیتے ہیں اس لئے ایک ہزار سال حق تعالیٰ کے یہاں ایک دن قرار دیا گیا بہرحال مسافت تو اتنی ہے اگرچہ فرشتہ اس کو چند منٹ ہی میں طے کر لے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''یعنی اگر مردمان نزول تدبیر وعروج او تصور کنند در کم از ہزار سال خیال نمایند و ایں ہمہ پیش خدا تعالیٰ در یک روز تمام می شود غرض آنست کہ اوہام ایشاں بقدرت او نمی رسند۔ واللہ اعلم'' (فتح الرحمن)۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم سے یوم قیامت مراد ہے جس دن تمام امور خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے کما قال تعالیٰ ﴿وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ گو تم اس وقت نہ ہمارا شکر کرتے ہو اور نہ ہماری طرف رجوع کرتے ہو لیکن قیامت کے دن تم اور تمہاری ہر بات ہمارے حضور میں پیش ہونے والی ہے خوب سمجھ لو کہ عرش سے لے فرش تک اس کی تدبیر جاری ہے پھر ایک وقت آئے گا کہ دنیا کا یہ سارا کارخانہ ختم ہو جائے گا اور سارا معاملہ اس کے حضور میں پیش ہوگا اور وہی اس کا فیصلہ کرے گا اور وہ قیامت کا دن ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اپنی سرکشی سے باز آجاؤ اور اس دن کے آنے سے ڈرو۔

ایک شبہ:...... اس آیت میں تو یہ آیا ہے ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ کہ اس دن کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے اور دوسری آیت ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے علماء نے اس شبہ کے کئی جواب دیئے ہیں۔

جواب:......ایک جواب یہ ہے کہ روز قیامت کی مقدار دنیا کے دنوں کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہوگی لیکن صعوبت اور شدت اور سختی اور مصیبت کے اعتبار سے مثل پچاس ہزار سال کے ہوگی۔

جواب دیگر:......قیامت کے دن کا طول لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا کسی کے حق میں پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور کسی کے حق میں ایک ہزار سال کے برابر ہوگا اور کسی کے حق میں دنیا کے دن برابر ہوگا اور حدیث میں ہے کہ وہ دن مومن کے حق میں فرض نماز کے وقت کے برابر ہوگا۔ **کما اخرجه ابو یعلی وابن حبان والبیهقی بسند عن ابی سعید رضی الله عنه تفسیر مظهری: ۲۸۴/۷۔**

جواب دیگر:......ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ یہ دنیا میں ہے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ یہ آخرت میں ہے، تفسیر مظہری: ۲۸۵/۷۔

تفسیر دیگر

اس آیت کی دو تفسیریں ہو چکی ہیں اس آیت کی ایک تیسری تفسیر یہ بھی ہے جو مجاہد ؒ سے مروی ہے اور اس کو حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ایک ہزار سال کے لئے دنیا کے انتظامات اور تدبیرات کی بابت احکام عطا کرتا ہے اور یہ ایک ہزار سال اللہ کے نزدیک بمنزلہ ایک دن کے ہیں جب یہ ایک ہزار سال گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے ہزار سال کے لئے دوسرے احکام عطا کر دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح سلسلہ جاری رہتا ہے، دیکھو تفسیر روح المعانی: ۱۰۸/۲۱ اور زاد المسیر لابن الجوزی: ۳۳۴/۶ اور دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۴۵/۴ و تفسیر قرطبی [1]: ۸۷/۱۴۔

حضرت شاہ عبدالقادر ؒ فرماتے ہیں بڑے بڑے کام کا حکم عرش سے مقرر ہو کر نیچے اترتا ہے سب اسباب اس کے آسمان و زمین سے جمع ہو کر بن جاتا ہے پھر ایک مدت تک جاری رہتا ہے پھر اٹھ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں تک رہا یا بڑی قوم میں سرداری جو عمروں چلی وہ ہزار برس اللہ کے یہاں ایک دن ہے (موضح القرآن)

حضرت شاہ عبدالقادر ؒ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب ؒ نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہد ؒ کا قول اختیار فرمایا۔

یہی ذات والا صفات جس کا حکم اور جس کی تدبیر عرش سے لے کر فرش تک جاری ہے وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور غالب ہے اور مہربان جس کی پیدائش فقط آسمان و زمین تک محدود نہیں بلکہ جس نے ہر چیز کو خوب بنایا جو چیز بھی اس نے پیدا کی وہ نہایت خوب ہے اور انسان کی پیدائش کو گارے مٹی سے شروع کیا اس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے خلاصہ سے یعنی نطفہ سے بنایا نطفہ کو سلالہ اس لئے کہا کہ وہ سارے بدن سے کھینچا جاتا ہے پھر رحم مادر میں اس کا قالب درست کیا

[1] قال القرطبی المعنی انه یقضی امر کل شیء لالف سنة فی یوم واحد ثم یلقیه الی ملائکته فاذا مضت قضی لالف سنة اخری ثم کذالك ابدا قاله مجاهد (تفسیر قرطبی: ۸۷/۱۴)

اور اس کے اعضاء میں خاص تناسب رکھا پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے فائدہ کے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ کانوں سے سن سکو اور آنکھوں سے دیکھ سکو اور دل سے سمجھ سکو اللہ نے اپنی رحمت سے یہ نعمتیں تم میں جمع کر دیں افسوس کہ تم ایسی عظیم نعمتوں کی بھی برائے نام قدر کرتے ہو بجائے منعم حقیقی کے ایتھر اور نیچر کا نام لیتے ہو کیا یہ کان اور آنکھ اور دل کسی ایتھر اور نیچر کا عطیہ ہیں فلاسفۂ عصر کا اقرار ہے کہ ایتھر اور نیچر کے نہ کان ہیں اور نہ آنکھ ہے اور نہ دل ہے پس سوال یہ ہے کہ اس اندھے اور بہرے اور بے شعور مادہ اور ایتھر نے اس فلسفی کو کہاں سے کان اور آنکھ اور دل عطا کر دیئے جو خود فقیر اور لنگوڑا ہے وہ دوسرے کو کیا دے گا۔

پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے کہ جو کمال قدرت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور کان اور آنکھ اور دل جیسی نعمتیں تم کو عطا کیں مگر تم اپنی جہالت سے خدا کی نعمتوں میں غور نہیں کرتے اور خدا کو ناقص سمجھ کر مادہ اور ایتھر کا محتاج بتاتے ہو عن قریب مرنے کے بعد جان لو گے کہ حقیقت کیا ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

اور کہتے ہیں کیا جب ہم رل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بننا ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے

اور کہتے ہیں کیا جب ہم رل گئے زمین میں ؟ کیا ہم کو نیا بننا ہے ؟ کوئی نہیں ! وہ اپنے رب کی ملاقات سے

كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع ۱۱ / ۱۴

منکر ہیں ف۱ تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے ف۲

منکر ہیں۔ تو کہہ، بھر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا، جو تم پر تعین ہے، پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا

اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ منکر سر ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے ف۳ اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا

اور کبھی تو دیکھے جس وقت منکر سر ڈالے ہوں گے اپنے رب کے پاس۔ اے رب ! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا،

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ

اب ہم کو پھر بھیج دے کہ ہم کریں بھلے کام ہم کو یقین آ گیا ف۴ اور اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ لیکن

اب ہم کو پھر بھیج، ہم کریں بھلائی، ہم کو یقین آیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو دیتے ہر جی کو سوجھ اپنی راہ کی، لیکن

ف۱ یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے ان کو اول مٹی سے پیدا کیا ہے۔ الٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے۔ اور شبہ یا استبعاد ہی نہیں بلکہ صاف طور پر یہ لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہو گئے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی "تم آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل مل کر برابر ہو گئے۔ ایسا نہیں تم حقیقت میں جان ہو جسے فرشتہ لے جاتا ہے بالکل فنا نہیں ہو جاتے۔" (موضح)

ف۳ یعنی ذلت و ندامت سے محشر میں۔

ف۴ یعنی ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آ گیا۔ بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے =

حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ

ٹھیک پڑ چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے ف۱ سو اب چکھو مزہ جیسے تم نے بھلا دیا تھا

ٹھیک پڑی میری کہی بات، کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ، جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔ سو اب چکھو مزہ، جیسے بھلا دیا تھا

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا

اس دن کے ملنے کو ہم نے بھی بھلا دیا تم کو ف۲ اور چکھو عذاب سدا کا عوض اپنے کیے کا ہماری

اس اپنے دن کا ملنا۔ ہم نے بھلا دیا تم کو، اور چکھو مار سدا کی، بدلہ اپنے کئے کا۔ ہماری

يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا

باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب ان کو سمجھائے ان سے گر پڑیں سجدہ کر کے اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور وہ

باتوں کو مانتے وہ ہیں کہ جب ان کو سمجھائیے ان سے، گر پڑیں سجدہ کر کر، اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں سے، اور وہ

يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ۩ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا

بڑائی نہیں کرتے ف۳ جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے ف۴ پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے ف۵ اور ہمارا

بڑائی نہیں کرتے۔ الگ رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے۔ اور ہمارا

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھری ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اس کا

دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی جی کو معلوم نہیں، جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی، بدلہ اس کا

= ہاں کام دیتا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے دیکھئے کیسے کام کرتے ہیں۔

ف۱ دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر وہی شرارتیں کریں۔ ان کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغواء کو قبول کر لیں اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگیں۔ بے شک ہم کو قدرت تھی چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردست اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور و طریق اختیار کرنے کے لئے مضطر کر دینا حکمت کے خلاف تھا جس کا بیان کئی جگہ پہلے ہو چکا ہے۔ لہٰذا وہ بات پوری ہوئی تھی جو ابلیس کے دعوے ﴿لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ کے جواب میں فرمائی تھی۔ ﴿قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ معلوم ہوا کہ یہاں جن و انس سے مراد وہی شیاطین اور ان کے اتباع ہیں۔

ف۲ ہم نے بھی تم کو بھلا دیا۔ یعنی کبھی رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے۔ آگے مجرمین کے مقابلہ میں مومنین کا حال و مآل بیان فرماتے ہیں۔

ف۳ یعنی خوف و خشیت اور خشوع و خضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، زبان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، دل میں کبر و غرور اور بڑائی کی بات نہیں رکھتے جو آیات اللہ کے سامنے جھکنے سے مانع ہو۔

ف۴ یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ مراد تہجد کی نماز ہوئی جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ اور بعض نے صبح کی یا عشاء کی نماز یا مغرب و عشاء کے درمیان کی نوافل مراد لیے ہیں۔ گو الفاظ میں اس کی گنجائش ہے لیکن راجح وہی پہلی تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اللہ سے لالچ اور ڈر برا نہیں، دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ اور اس واسطے بندگی کرے تو قبول ہے۔ ہاں اگر کسی اور کے خوف و رجاء =

يَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ۝ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جو کرتے تھے ف۱ بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر ہے اس کے جو نافرمان ہے نہیں برابر ہوتے ف۲ سو وہ لوگ جو یقین لائے

جو کرتے تھے۔ بھلا ایک جو ہے ایمان پر، برابر اس کے جو بے حکم ہے؟ نہیں برابر ہوتے۔ وہ جو یقین لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

اور کیے کام بھلے تو ان کے لئے باغ ہیں رہنے کے مہمانی ان کاموں کی وجہ سے جو کرتے تھے ف۳ اور وہ لوگ جو

اور کئے بھلے کام، تو ان کو باغ ہیں رہنے کے۔ مہمانی اس پر جو کرتے تھے۔ اور وہ جو

فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ

نافرمان ہوئے سو ان کا گھر ہے آگ جب چاہیں کہ نکل پڑیں اس میں سے الٹا دیئے جائیں پھر اسی میں اور کہیں ان کو

بے حکم ہوئے، سو ان کا گھر ہے آگ۔ جب چاہیں کہ نکل پڑیں اس میں سے، الٹے جائیں پھر اس میں، اور کہیے ان کو،

ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى

چکھو آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ف۴ اور البتہ چکھائیں گے ہم ان کو تھوڑا عذاب ورے

چکھو آگ کی مار، جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ اور البتہ چکھائیں گے ہم ان کو۔ تھوڑا سا عذاب، ورے

دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ

اس بڑے عذاب سے تاکہ وہ پھر آئیں ف۵ اور کون بے انصاف زیادہ اس سے جس کو سمجھایا گیا اس کے رب کی باتوں سے، پھر

اس بڑے عذاب سے، شاید وہ پھر آئیں۔ اور کون بے انصاف اس سے جس کو سمجھایا اس کے رب کی باتوں سے، پھر

اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝

ع ۱۱ / ۱۵

ان سے منہ موڑ گیا ف۶ مقرر ہم کو ان گناہ گاروں سے بدلہ لینا ہے ف۷

ان سے منہ موڑ گیا؟ مقرر ہم کو ان گنہگاروں سے بدلہ لینا ہے۔

= سے بندگی کرے تو ریا ہے کچھ قبول نہیں۔

ف۱ جس طرح راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انہوں نے بے ریا عبادت کی۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔

ف۲ اگر ایک ایمان دار اور بے ایمان کا انجام برابر ہو جائے تو سمجھو خدا کے ہاں بالکل اندھیر ہے۔ (العیاذ باللہ)

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے عمل جنت کی مہمانی کا سبب بن جائیں گے۔

ف۴ کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازہ کی طرف پھینکیں گے۔ اس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں۔ فرشتے پھر ادھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو۔ جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو (اللھم اعذنی من النار واجرنی من غضبک)

ف۵ یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں ذرا کم درجہ کا عذاب بھیجیں گے تا کہ جسے رجوع کی توفیق ہو ڈر کر خدا کی طرف رجوع ہو جائے۔ کم درجہ کا =

منکرین قیامت کا رد اور مجرمین کی ذلت اور رسوائی کا اجمالی حال

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ... الٰی ... اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں منکرین وحدانیت اور منکرین رسالت کا رد تھا اب ان آیات میں منکرین بعث و جزا و سزا کا رد ہے جو احیاء موتی کے منکر تھے اور دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یہ اہل شقاوت کا گروہ ہے پھر اس کے بالمقابل اہل ایمان اور اہل سعادت کا حال اور مآل ذکر کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُوْنَ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر زمین میں رل مل گئے اور اس میں غائب اور گم ہو گئے اور ہمارے اعضاء اور زمین کے اجزاء میں کوئی تمیز نہ رہی تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ منکرین بعث کا یہ قول محض تعجب کی بنا پر نہیں بلکہ یہ لوگ از راہ عناد خدا کے سامنے پیش ہونے کے بالکل منکر ہیں آپ ﷺ ان منکرین آخرت کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تم لوگ محض اس جسم خاکی کو آدمی سمجھتے ہو کہ جب وہ مر گیا تو مٹی میں رل مل کر نیست و نابود ہو گیا بلکہ تم جسم اور روح سے مل کر بنے ہو اور اصل حقیقت تمہاری وہ روح یعنی جان ہے اور یہ پیکر جسمانی روح انسانی کا لباس ہے اصل انسان وہ جان ہے مرنے کے وقت موت کا فرشتہ تمہاری روح اور جان کو تمام اعضاء بدن سے پوری طرح قبض کر کے اور اس جسم خاکی سے نکال کر دوسرے عالم میں لے جاتا ہے اور یہ موت کا فرشتہ وہ ہے جو تمہاری جان نکالنے ہی کے لئے تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری جان نکال کر لے جاتا ہے اور جسم کو یہاں چھوڑ دیتا ہے موت سے بظاہر جسم اور روح الگ الگ ہو گئے جسم یہاں رہ گیا اور مٹی بن گیا اور روح دوسرے عالم میں چلی گئی پھر جب قیامت آئے گی تو تمہاری اس مٹی میں پھر روح پھونک دی جائے گی اور تم دوبارہ زندہ ہو جاؤ گے اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اس کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے جس خدا نے تم کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا اور تم میں روح ڈالی وہی خدا پھر تمہارے خاکی اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ ان میں روح ڈال دے گا خلاصہ کلام یہ کہ موت سے انسان بالکل فنا اور نیست نہیں ہو جاتا بلکہ انسان کی روح کو فرشتہ لے جاتا ہے اور جسم خاکی یہاں رہ جاتا ہے اور حسب سابق مٹی بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان خاکی اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے پھر ان میں روح ڈال دے گا۔

اب آئندہ آیات میں کافروں کا وہ حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ جو قیامت کے دن خدا کی طرف رجوع ہونے کے بعد ظاہر ہو گا چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مجرمین کے دیکھنے والے اگر تو اس وقت کو دیکھے کہ جب یہ مجرمین حشر ❶ کے منکر اپنے

= عذاب یہی دنیا کے مصائب، بیماری، قحط، قتل، قید، مال اولاد وغیرہ کی تباہی وغیرہ۔

ف۶ یعنی سمجھنے کے بعد پھر گیا۔

ف۷ جب تمام گنہگاروں اور ظالم مجرموں سے بدلہ لینا ہے تو یہ اظلم کیونکر بچ سکتے ہیں۔ آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظلم و اعراض سے دل گیر نہ ہوں۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی۔ اور اس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلاشبہ اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی۔ اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر آپ کی امت میں امام اور سردار اٹھیں گے۔ رہے منکر، ان کا فیصلہ حق تعالیٰ خود کر دے گا۔

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ مجرمین سے ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ کہنے والے لوگ مراد ہیں۔

پروردگار کے سامنے کمال خجالت وندامت کے ساتھ سر جھکائے ہوئے ہوں گے تو اس وقت عجیب خوف ناک کیفیت دیکھے گا جس کی شدت کا اندازہ نہیں ہوسکتا اس وقت یہ مجرمین نہایت ذلت وخواری اور غایت شرم ساری سے یہ کہیں گے اے پروردگار ہم نے دیکھ لیا کہ تیری لقاء اور جزا حق ہے اور انکار حشر پر تیری توبیخ کو اپنے کانوں سے سن لیا اور معلوم ہو گیا کہ تیرے پیغمبروں نے جو کہا تھا وہ حق تھا پس اب ہماری درخواست یہ ہے کہ ہم کو دنیا میں پھر واپس بھیج دے ہم وہاں جا کر تیری ہدایت کے مطابق نیک عمل کریں گے ہم اب خوب یقین کئے ہوئے ہیں اور اب ہمیں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور دنیا میں ہم کو جو شکوک وشبہات تھے وہ سب زائل ہو گئے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اگر ہم اس طرح تم کو ہدایت دینا چاہتے تو پہلے ہی سے دنیا میں ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے یعنی اگر ہم کو اس طرح برائی العین ہدایت دینی منظور ہوتی تو ہم پہلے ہی سے یہ سب کچھ برائی العین دکھلا دیتے اور سب کے سب راہ یاب ہو جاتے پھر کوئی ان میں سے کافر نہ رہتا لیکن ہمیں یہ منظور نہ تھا کہ مشاہدہ حقیقت کے بعد مجبور ہو کر ہدایت کو قبول کریں بلکہ ہم نے بندہ کو قدرت واختیار دیا کہ وہ اپنے اختیار سے ہدایت قبول کرے میری بارگاہ میں جزا وسزا کا دار ومدار اختیاری ایمان اور عمل صالح پر ہے نہ کہ اضطراری ایمان پر مگر میں نے اپنے علم ازلی سے جان لیا تھا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں گے اور بعض اپنے اختیار سے کفر اور انکار کریں گے اور میری طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ میں دوزخ کو کافروں سے بھروں گا خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ہوں سب سے دوزخ کو بھر دوں گا یعنی میری قضاء وقدر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ بعضوں کو ہدایت دوں گا اور ان کو جنت میں داخل کروں گا اور بعضوں کو گم راہ کروں گا اور ان کو جہنم میں داخل کروں گا اور جنت اور جہنم دونوں سے میرا وعدہ ہے کہ میں تم کو رزق دوں گا میں سب کا رازق ہوں اور سب کا مالک ہوں بلا وجہ بھی دوزخ میں ڈال سکتا ہوں پس اے کافرو تم سب جہنم کا ایندھن ہو اس میں جاؤ اور عذاب کا مزہ چکھو بوجہ اس کے کہ تم مجرم ہو اس لئے کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا پس ہم نے بھی تم کو فراموش کر دیا یعنی آج ہم تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو فراموش کے ساتھ ہوتا ہے اور چکھو دائمی عذاب کو بوجہ اس کے کہ جو عمل تم کرتے تھے کہ بجائے پیغمبروں کے تم نے شیطان کی پیروی اختیار کی یہ تو ان لوگوں کا حال بیان کیا کہ جنہوں نے دنیا میں رہ کر دار آخرت کو بھلا دیا اور اپنے اصل گھر کو یاد نہ کیا اب آئندہ آیات میں ان لوگوں کا حال بیان کرتے جو دنیا میں رہ کر بھی دار آخرت کی فکر میں اور مولائے برحق کی اطاعت میں لگے رہے تو کہ معلوم ہو جائے کہ اہل ہدایت کا حال اہل ضلالت کے برعکس ہے کہ کفار فجار اپنے رب سے منحرف اور برگشتہ ہیں اور اہل ایمان دن رات اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں جس طرح دنیا میں فریقین کا حال مختلف ہے اسی طرح آخرت میں دونوں کا مآل مختلف ہے چنانچہ فرماتے ہیں جز ایں نیست ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کو سچا سمجھتے ہیں کہ جب ان کو ہماری آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد وتسبیح کرنے لگتے ہیں اور وہ ایمان لانے سے تکبر نہیں کرتے اور طاعت سے سرکشی نہیں کرتے اور ان کے کمال ایمان کی صفات میں ایک صفت یہ ہے کہ ان کے پہلو، ان کی خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں خواہ فرض عشاء کے لئے یا تہجد کے لئے یا مغرب اور عشاء کے درمیان صلوۃ الاوابین کے لئے اس حالت میں خوف اور امید کے ساتھ اپنے رب سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہتے ہیں یہ ہیں خدا تعالیٰ کے کامل الایمان بندے جو امید وبیم کی حالت میں اپنے رب کو پکارتے

ہیں اور جان و مال سے اس کی فرماں برداری میں لگے ہوئے ہیں پس کوئی نہیں جانتا کہ ان مومنین کاملین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے بمقابلہ اس مخلصانہ بندگی کے جو یہ لوگ عمل میں لاتے ہیں "قُرَّةِ اَعْيُنٍ" سے وہ انعامات مراد ہیں جن کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اللہ تعالیٰ نے ان انعامات کو لوگوں کی نظر سے مخفی رکھا ہے اس لئے کہ یہ عباد مخلصین اپنے اعمال کو لوگوں سے مخفی رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی جزا کو مخفی رکھا ہے کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اس کا خطرہ گزرا بھلا بتلاؤ تو سہی کہ جو شخص ایمان رکھتا ہے کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو نافرمان ہے مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے ضدین اور نقیضین کا برابر ہونا عقلاً محال ہے جس طرح دنیا میں مختلف تھے آخرت میں بھی مختلف رہیں گے ایمان نور ہے اور کفر ظلمت ہے پس مومن اور کافر کیسے برابر ہو سکتے ہیں سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے بطریق مہمانی ان کے لئے دائمی باغات ہوں گے جہاں وہ ٹھکانا پکڑیں گے بعوض ان اعمال کے جو وہ دنیا میں کرتے رہے "نزلا" کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ پیش کش ہوگی وہ بطور ماحضر ہوگی جیسا کہ مہمانوں کے سامنے لائی جاتے ہے اور کلی نعمتیں تو جنت میں داخل ہونے کے بعد عطا ہوں گی اور یہ لوگ ایمان اور عمل صالح کی بنا پر اس عزت و کرامت کے مستحق ہوں گے اور جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا دائمی ٹھکانا دوزخ ہے اور جب بھی دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر ذلت و خواری کے ساتھ زبردستی اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا ان سے کہ چکھو مزہ اس عذاب نار کا جس کو تم جھٹلاتے تھے یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا اور البتہ تحقیق ہم ان اہل مکہ کو دنیا ہی میں قریبی عذاب چکھائیں گے یعنی قتل اور قحط کا اور دنیاوی آفات اور مصائب کا عذاب ان کو چکھائیں گے جو بڑے عذاب سے کم ہوگا یعنی عذاب دوزخ سے کم ہوگا شاید یہ لوگ اس قریب اور ہلکے عذاب کو دیکھ کر راہ حق کی طرف پھر جاویں اور کفر سے باز آ جاویں مگر یہ ظالم باز آنے والے نہیں اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جسے اپنے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے یعنی بطریق وعظ و نصیحت اس کو اللہ کی آیتیں سنائی جائیں پھر وہ ان سے منہ پھیر لے اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرے تو ایسے شخص کے مجرم ہونے میں کیا شبہ ہے بے شک ہم مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے اور ان کے جرم کی ضرور ان کو سزا دیں گے جس درجہ کا جرم ہوگا اسی درجہ کا انتقام ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىٓ

اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ دھوکے میں اس کے ملنے سے فـ۱ اور کیا ہم نے اس کو ہدایت بنی

اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب، سو تو مت رہ دھوکے میں اس کے ملنے سے، اور وہ کی ہم نے سوجھ بنی

اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

اسرائیل کے واسطے اور کیے ہم نے ان میں پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے فـ۲ اور رہے ہماری باتوں پر

اسرائیل کو۔ اور کئے ہم نے ان پر سردار، جو راہ چلاتے ہمارے حکم سے، جب وہ ٹھہرے رہے۔ اور رہے ہماری باتوں پر

فـ۱ یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بے شک و شبہ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح کی کتاب ملی اس میں کوئی دھوکا اور فریب نہیں۔ یا موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر فرما دیا کہ تم جو موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں۔

فـ۲ دنیا کے شدائد اور منکرین کے جور و ستم پر۔

يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾ أَوَلَمْ

یقین کرتے ف۱ تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کرے گا ان میں دن قیامت کے جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے تھے ف۲ کیا ان کو

یقین کرتے۔ تیرا رب جو ہے وہی چکائے گا ان میں دن قیامت کے، جس بات میں کہ وہ پھوٹ رہے تھے۔ کیا ان کو

يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

راہ نہ سوجھی اس بات سے کہ کتنی غارت کر ڈالیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں کہ پھرتے ہیں یہ ان کے گھروں میں اس میں بہت

سوجھ نہ آئی اس سے کہ کتنی کھپا دیں ہم نے ان سے پہلے سنگتیں، پھرتے ہیں ان کے گھروں میں۔ اس میں بہت

لَآيَاتٍ ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ

نشانیاں ہیں کیا وہ سنتے نہیں ف۳ کیا دیکھا نہیں انہوں نے کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی کو ایک زمین چٹیل کی طرف ف۴ پھر ہم نکالتے ہیں اس سے

پتے ہیں۔ کیا سنتے نہیں؟ کیا دیکھا نہیں انہوں نے؟ کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی ایک زمین چٹیل کو، پھر نکالتے ہیں اس سے

زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ

کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں سے انکے چوپائے اور خود وہ بھی پھر کیا دیکھتے نہیں ف۵ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ فیصلہ

کھیتی، کہ کھاتے ہیں اس میں سے ان کے چوپائے اور آپ۔ پھر کیا دیکھتے نہیں؟ اور کہتے ہیں کب ہے یہ فیصلہ؟

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ

اگر تم سچے ہو ف۶ تو کہہ کر فیصلہ کے دن کام نہ آئے گا منکروں کو ان کا ایمان لانا اور نہ ان کو

اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ، دن فیصلہ کے کام نہ آئے گا منکروں کو ان کا ایمان لانا، اور نہ ان کو

يُنظَرُونَ ﴿٢٩﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾

ع ۸ / ۱۶

ڈھیل ملے گی ف۷ سو تو خیال چھوڑ ان کا اور منتظر رہ وہ بھی منتظر ہیں ف۸

ڈھیل ملے گی۔ سو تو خیال چھوڑ ان کا اور راہ دیکھ وہ بھی راہ دیکھتے ہیں۔

ف۱ یعنی مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کر کے اپنے کام پر جمے رہیں تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ ہوا اور خوب ہوا۔

ف۲ یعنی اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ ہاں دنیا میں بھی بہت سی مثالیں ایسی دکھلائی جا چکی ہیں کہ آدمی انہیں دیکھ کر سمجھ اور عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ کیا عاد و ثمود کی بستیوں کے تباہ شدہ کھنڈر اور نشان ان منکروں نے نہیں دیکھے؟ جن پر شام وغیرہ کے سفر میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ اور کیا ان کی ہلاکت کی داستانیں نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ وہ چیزیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ان کو تنبہ نہ ہوا اور نجات و فلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔

ف۳ یعنی نہروں اور دریاؤں کا پانی یا بارش کا۔

ف۴ "ارض جرز" سے ہر ایک خشک زمین جو نباتات سے خالی ہو مراد ہے بعض نے خاص سرزمین مصر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور "نسوق الماء" سے دریائے نیل کا پانی مراد لیا ہے۔ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔ کما نبہ علیہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔

ف۵ یعنی ان نشانات کو دیکھ کر چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور رحمت و حکمت کے قائل ہوتے اور سمجھتے کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ نیز اللہ کی نعمتوں کے جان و دل سے شکرگزار بنتے۔

=

رجوع بہ مضمون رسالت محمدیہ ﷺ وتہدید مکذبین ومعاندین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ... الی ... وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾

ربط: ...... شروع سورت میں رسالت اور توحید اور بعث بعد الموت کا ذکر تھا اب اخیر سورت میں پھر مضمون رسالت کی طرف رجوع فرماتے ہیں جس کا شروع سورت ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ میں ذکر تھا اور آپ ﷺ کی تسلی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہدایت کا ذکر کرتے ہیں کہ باوجود واضح اور روشن کتاب ہونے کے مجرمین نے کس طرح اس سے اعراض کیا اور کس کس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایذائیں پہنچائیں اور موسیٰ علیہ السلام نے ان پر صبر کیا آپ ﷺ کا حال ان کے مشابہ ہے آپ ﷺ صبر کیجئے اور ان کے ظلم اور اعراض سے دل گیر نہ ہوں آپ ﷺ ان معاندین اور مجرمین سے اعراض کیجئے اور اللہ کی فتح کا انتظار کیجئے۔

توریت کی طرح آپ ﷺ کی کتاب بھی کتاب ہدایت وحکمت ہے اور جس طرح ہم نے بنی اسرائیل میں ائمہ ہدایت بنائے اسی طرح ہم آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کے تبعین میں ایمہ ہدیٰ اور نجوم ہدایت بنائیں گے اور ساتھ ساتھ اس پر متنبہ کر دیا کہ مقام امامت صبر اور استقامت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اصحاب کے لئے مقدور کیا ہے اور اس تمام مضمون سے آپ ﷺ کی تسلی اور آپ ﷺ کے منکرین کی تہدید ووعید مقصود ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور تحقیق ہم نے اپنے بندہ اور رسول موسیٰ علیہ السلام کو توریت جیسی عظیم کتاب دی جیسے آپ ﷺ کو قرآن عظیم جیسی کتاب حکیم دی پس آپ ﷺ اس کے ملنے سے کسی شک اور شبہ میں نہ رہیے یعنی آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملنے کے بارے میں کوئی شک اور تردد نہ کریں یہ معنی مجاہد رحمہ اللہ[1] اور زجاج رحمہ اللہ سے منقول ہیں (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۰۸) یعنی موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اللہ نے ان پر ایک کتاب اتاری اسی طرح تم بھی خدا کے پیغمبر ہو لہٰذا تم پر کتاب کا اتارا جانا کوئی امر جدید اور عجیب نہیں کما قال تعالیٰ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ اس آیت میں بظاہر خطاب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہے کہ آپ ﷺ شک میں نہ پڑیں لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ وہ ان کی نبوت میں شک نہ کریں معاذ اللہ، نبی کریم ﷺ کو کوئی شبہ نہ تھا لوگوں کے سنانے کے لئے کہا گیا کہ شبہ مت کرو (دیکھو حاشیہ قنوی علی تفسیر البیضاوی: ۶/ ۱۰۴)

= ف ۶ پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس پر منکرین کہتے ہیں کہ قیامت قیامت کہے جاتے ہو، اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آچکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی دھمکیاں ہیں قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

ف ۷ یعنی ابھی موقع ہے کہ اللہ ورسول کے کہنے پر یقین کرو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کرلو ورنہ اس کے پہنچ جانے پر نہ ایمان لانا کام دے گا نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ استہزاء وتکذیب میں رائیگاں مت کرو جو گھڑی آنے والی ہے یقیناً آکر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔

ف ۸ یعنی جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود انتہائی مجرم اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض دعوت وتبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑ دیے اور ان کی تباہی کے منتظر رہیے جیسے وہ اپنے زعم میں معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تباہی کے منتظر ہیں۔ تم سورۃ السجدہ وللہ الحمد والمنۃ۔

---

[1] قال القرطبی قیل فلا تکن فی شک من لقاء موسیٰ الکتاب بالقبول قالہ مجاهد والزجاج تفسیر قرطبی ص: ۱۴/ ۱۰۸۔

یا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آسمان اور زمین میں شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اس سے آپ ﷺ شک میں نہ پڑیئے وہ ایک حقیقت تھی کوئی دھوکہ اور فریب نہ تھا اشارہ اس طرف تھا کہ آپ ﷺ کی امت میں بھی موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح ایمۂ ہدایت ہوں گے جیسے خلفاء راشدین سرخیل ایمۂ ہدایت تھے اور صحابہ کے بعد طبقۂ تابعین میں ائمہ اجتہاد اور ائمہ حدیث اور ایمۂ علم کلام پیدا ہوئے۔

یا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اپنی زندگی میں موسیٰ علیہ السلام سے ضرور ملاقات کریں گے مگر سیاق آیت کے ساتھ زیادہ مربوط پہلے ہی معنی ہیں۔

اور کر دیا ہم نے اس کتاب کو جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی تھی بنی اسرائیل کے لئے ذریعہ ہدایت اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کی کتاب کو لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنایا اور پھر ہم نے بنی اسرائیل میں سے مقتدا اور پیشوا بنائے کہ جو لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا اور خدا کی راہ میں ان کو جو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچیں ان کو برداشت کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے اس آیت میں حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے حال کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے تشبیہ دیتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے پیغمبر جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی اسی طرح ہم نے تم کو قرآن دیا اور امت مرحومہ کے لئے ذریعہ ہدایت ٹھہرایا اور جس طرح ان کے اصحاب کو ائمۂ ہدایت بنایا اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کے اصحاب کو ائمہ ہدایت بنایا جیسا کہ حدیث میں ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم رواہ الدار قطنی وابن عبد البر من حدیث ابن عمر وقد روی بمعناہ من حدیث انس وفی اسانیدہ مقال لکن یشد بعضھا بعضا کذا فی ظفر الامانی بشرح مختصر الجرجانی للشیخ عبد الحی الکھنوی رحمہ اللہ، ص: ۱۸۰۔

ف:...... خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے بعد ائمہ مجتہدین بلاشبہ ﴿اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ کا مصداق تھے ان کا اتباع موجب رشد و ہدایت ہے اور خود رائی تو رائی کے دانہ کے برابر بھی مہلک ہے نیز اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ امامت کے استحقاق کے لئے صبر کامل اور یقین کامل ضروری ہے بغیر اس کے پیشوائی کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

غرض یہ کہ ائمہ ہدایت لوگوں کو حق کی طرف بلائیں گے کوئی سنے گا اور کوئی نہیں سنے گا قیامت تک اختلاف کا سلسلہ جاری رہے گا البتہ تیرا رب ہی قیامت کے دن ان کے اختلاف کا فیصلہ کرے گا حق کو باطل سے جدا کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جزاء دے گا اب آئندہ آیت میں منکرین نبوت کی تہدید فرماتے ہیں کیا ان عذابوں کی تکذیب کرنے والوں کے لئے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ہم اس سے پہلے کتنی قوموں اور امتوں کو آسمانی اور زمینی عذابوں سے ہلاک کر چکے ہیں حالانکہ یہ لوگ ان کے گھروں میں چلتے پھرتے ہیں اور اثناء سفر میں ان پر سے گزرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مگر اپنی تیرہ بختی اور شامت اعمال کی وجہ سے عبرت پذیر نہیں ہوتے بے شک اس میں ہمارے قہر و غضب کی نشانیاں موجود ہیں کہ یہ قومیں پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے غضب الٰہی سے ایسی تباہ اور برباد ہوئیں کہ ان میں سے کسی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور یہ ان کی بلند عمارتیں ہیں جن پر ان کو غرور تھا وہ ان کو چھوڑ کر چلے گئے کیا یہ لوگ ان کے قصے بھی نہیں سنتے جو زبان زد

خلائق ہیں اب اس کے بعد منکرین قیامت کی تہدید فرماتے ہیں کیا یہ منکرین حشر ونشر دیکھتے نہیں کہ ہم پانی یعنی بادل کو بجر اور خشک زمین کی طرف ہانکتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ کھیتی نکالتے ہیں جس سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں سو کیا یہ لوگ اس نشان قدرت کو نہیں دیکھتے پس جو خدا خشک زمین سے گھاس اگانے پر قادر رہے وہ انسانوں کو مٹی ہو جانے کے بعد بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے بوقت زراعت ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ دانہ زمین میں دفن ہو گیا مگر اس کی باطنی کیفیت نہیں جانتے کہ وہ دانہ کس طرح غلہ اور پھل کی شکل میں نمودار ہوا اور انسان خود اپنی پیدائش میں اصلی کیفیت کو نہیں جانتا کہ غذا جسم میں متحیل ہو کر کس طرح خون بنی اور کس طرح قطرہ منی پیدا ہوا اور کس طرح رحم مادر میں پہنچ کر نو ماہ میں ولادت کی منزلیں کس طرح طے ہوئیں اور پھر ولادت سے لے کر لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں کس طرح طے ہوئیں اور یہ سب باتیں نظروں کے سامنے ہیں مگر باطنی کیفیت اور اندرونی حقیقت کسی فلسفی کو بھی معلوم نہیں پس اگر کسی کو دوبارہ زندہ ہونے کی کیفیت اور حقیقت معلوم نہ ہو سکے تو اس سے دوبارہ زندہ ہونے کا محال ہونا لازم نہیں آتا دنیا کی ہزارہا چیزیں محسوس ہیں مگر عقل ان کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے تو فقط اتنی بات سے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب احیاء موتی کے نمونے تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں تو پھر دوبارہ زندگی کا کیوں انکار کرتے ہو۔

اب آگے مشرکین مکہ کے ایک اور شبہ کا جواب دیتے ہیں اور یہ لوگ بطور استہزاء اور تمسخر مسلمانوں سے کہتے ہیں بتلاؤ تمہاری فتح اور غلبہ کا دن کب آئے گا اگر تم اپنے وعدے اور دعوے میں سچے ہو کہ اللہ دین اسلام کو اور مسلمانوں کو فتح اور غلبہ دے گا بتلاؤ وہ دن کب آئے گا اور بعض کہتے ہیں کہ فتح سے فیصلہ کا دن یعنی قیامت کا دن مراد ہے منکرین قیامت مسلمانوں سے کہتے کہ تم قیامت قیامت کہے جاتے ہو یہ تو بتلاؤ کہ قیامت کا دن کب آئے گا اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ وہ یوم فتح ایسا دن ہے کہ اس دن کافروں کو ایمان لانا بالکل نفع نہ دے گا کہ نجات پا جائیں اور نجات تو درکنار ان کو تو مہلت بھی نہ ملے گی یعنی آپ ان لوگوں کو آگاہ کر دیجئے کہ "یوم الفتح" کے سوال سے تمہاری کیا غرض ہے اگر یہ مطلب ہے کہ اس دن کے عذاب اور قہر کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو یہ غلط ہے موت کو یا نزول عذاب کو دیکھ کر ایمان بے سود ہے دیکھ کر تو سب ہی ایمان لے آئیں گے اور اگر اس سوال سے تمہاری غرض یہ ہے کہ آخرت کوئی چیز نہیں تو بے شک عالم آخرت اور عالم جاودانی کے سامنے تمہاری دنیاوی زندگانی پلک مارنے کے برابر بھی نہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ وہ وقت یقیناً آ کر رہے گا تمہاری ان باتوں سے اس کا آنا ٹل نہیں سکتا۔

اور اگر "یوم فتح" سے فتح مکہ کا دن یا بدر کا دن مراد ہو تو پھر ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ سے عام کافر مراد نہ ہوں گے بلکہ وہ خاص مقتولین بدر اور مقتولین فتح مکہ مراد ہوں گے کہ جو بدر کے دن یا فتح مکہ کے دن مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تو حالت قتل اور حالت موت میں ایمان لانا ان کو نفع نہ دے گا جیسے فرعون کو حالت غرق میں ایمان لانے سے کچھ نفع نہ ہوا۔

دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۴/۵۱ و حاشیہ قنوی علی تفسیر البیضاوی: ۶/۱۰۷۔

پس اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان ہنسی کرنے والوں سے منہ پھیر لیجئے اور ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور آپ ﷺ اس وقت کے منتظر رہیے تحقیق وہ بھی اس کے منتظر ہیں یعنی آپ ﷺ قیامت کے دن کا بھی انتظار کریں جس دن سب کا فیصلہ ہو جائے گا اور فتح مکہ اور بدر کے دن کا بھی انتظار کریں وہ دن بھی عن قریب آ رہا ہے اس دن یہ استہزاء کرنے والے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے لہٰذا یہ بد اندیش جو آواز کس رہے ہیں آپ ﷺ اس کی پرواہ نہ کیجئے یوم فتح کا انتظار کیجئے اور ان کی تباہی کے منتظر رہیے جیسے یہ لوگ اپنے زعم میں آپ کی تباہی کے منتظر ہیں یہ لوگ باطل کے منتظر ہیں آپ ﷺ حق کا انتظار کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ حق اپنے وقت پر ظاہر ہو جائے گا اور یہ لوگ ناحق بات کے منتظر ہیں۔

الحمد للہ آج بروز چہار شنبہ بوقت چاشت بتاریخ ۱۸ شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ سورۂ سجدہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی وللہ الحمد اولا و آخرا یا اللہ جس طرح تو نے اپنے فضل و کرم سے یہاں تک لکھنے کی توفیق دی اسی طرح اپنے فضل و کرم سے باقی قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کی بھی توفیق عطا فرما اور قبول فرما اور مجھ کو اور میری اولاد کو اور اقارب اور احباب کو دین و دنیا میں اس سے نفع دے اور ہر شر اور فتنہ سے محفوظ رکھ آمین یا رب العالمین۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

تفسیر سورۃ الاحزاب

اس سورت کا نام سورۃ الاحزاب ہے اَحْزَاب، حِزْبٌ کی جمع ہے جس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں چونکہ ہر طرف سے مشرکین کی مختلف جماعتیں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوتی تھیں اس لئے اس غزوہ کو غزوۃ الاحزاب کہتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ہوا سے اور فرشتوں سے مدد کی اس لئے یہ سورت، سورت الاحزاب کے نام سے موسوم ہوئی اور اس جہاد کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس وقت مدینہ کے گرد خندقیں کھود کر کفار کا مقابلہ کیا تھا۔

یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں حق جل شانہ نے اس سورت میں صادقین اور مخلصین کی مدح فرمائی اور منافقین کی مذمت اور شناعت بیان کی اور منافقین کی مختلف قسم کی ایذاؤں کا ذکر کر کے ان کا جواب دیا اور آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ﷺ مخالفین کی ایذاؤں اور دھمکیوں کی پرواہ نہ کریں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

ربط:...... یہ سورت گزشتہ سورت کا تتمہ ہے گزشتہ سورت کے اخیر میں کافروں کی ایذاؤں پر صبر کا حکم دیا اور سب سے فتح کا وعدہ فرمایا کافروں اور منافقوں نے بطور طعن کہا ﴿مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ﴾ کہ وہ فتح کب ہوگی اللہ نے اجمالی جواب تو پہلے ہی دے دیا تھا ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ اب اللہ تعالیٰ نے اجمالی جواب تو پہلے ہی دے دیا تھا ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ اب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں غزوۂ احزاب کا ذکر فرمایا جس میں اللہ کی

فتح اور نصرت کا ظہور اس طرح ہوا کہ جس میں اسباب ظاہری کو دخل نہ تھا اور نصرت خداوندی کے جو غیبی کرشمے اس غزوہ میں ظاہر ہوئے وہ سب آپ ﷺ کے معجزے تھے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل تھے اور ابتدائے سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو چند ہدایتیں اور نصیحتیں فرمائیں جن پر اللہ کی فتح اور نصرت کا مدار ہے کہ تقویٰ اور صبر اور توکل پر قائم رہیں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں اور نہ کسی چیز کی جانب التفات کریں اور بالکلیہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اللہ نے کسی کے دو دل نہیں بنائے کہ جو بیک وقت دو جانب متوجہ ہو سکے اور آغاز سورت میں ایک حکم یہ دیا کہ وحی الٰہی کا اتباع کریں اور ایک حکم یہ دیا کہ کافرین اور منافقین کے مشوروں اور ان کے کہنے پر نہ چلیں کافروں اور منافقوں کے کہنے پر چلنا سخت خطرناک ہے اس طرح یہ پانچ حکم ہو گئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح گزشتہ سورت کے آغاز میں اور خاتمہ میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو اور آپ ﷺ کی محبوبیت اور منصوریت کو بیان کیا اسی طرح اس سورت کے آغاز اور خاتمہ میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی محبوبیت اور منصوریت کو بیان کیا از اول تا آخر اس بات کو واضح کیا کہ خدا کے رسول کو ایذا پہنچانا قطعاً حرام ہے کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ اور اپنی جان سے زیادہ نبی کا احترام فرض ہے ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس لئے اس سورت میں کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں اور ان کی طعن آمیز باتوں کا جواب دیا اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ان کی دھمکیوں اور ایذاؤں سے گھبرا کر اسلام کی تبلیغ اور دعوت میں کوئی کمی نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں (یا یوں کہو) کہ گزشتہ سورت کے اخیر میں کفار کو قریبی عذاب کی دھمکی دی گئی تھی ﴿وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ﴾ اس سورت میں اسی قریبی عذاب کا ذکر ہے یعنی غزوہ احزاب میں کفار کی شکست کا بیان ہے جو عذاب ادنیٰ کا ایک ادنیٰ مصداق ہے یہ سورت جب ابتدا میں نازل ہوئی تو قریب قریب سورۃ بقرہ کے تھی اور اس میں آیت رجم بھی تھی یعنی الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم یعنی بیاہا ہوا مرد اور بیاہی ہوئی عورت یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ضرور بضرور ان کو سنگسار کردو اللہ کی طرف سے بطور عقوبت یہ حکم ہے بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمتوں والا ہے پھر اللہ نے اس سورت میں سے جس قدر حصہ چاہا اٹھا لیا رواہ احمد والنسائی عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ واسنادہ حسن تفسیر ابن کثیر: ۴۶۵/۳۔

یعنی اس سورت کا بیشتر حصہ عہد رسالت میں اٹھا لیا گیا اور سینوں میں سے نکال لیا گیا اور ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی مگر اس میں سے ایک آیت رجم تو ایسی ہے کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہو گئی مگر اس کا حکم تا ہنوز باقی ہے اور اس پر عمل جاری ہے اور تا قیامت اس پر عمل جاری رہے گا۔

چنانچہ عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے منبر پر حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنے خطبہ میں یہ فرمایا اے لوگو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ محمد ﷺ کو بھیجا اور آپ ﷺ پر کتاب مجید نازل کی پس اس میں آیت رجم بھی تھی جسے ہم

نے پڑھا اور خوب یاد کیا اور یہ آیت پڑھی۔ الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو قطعا دونوں کو سنگسار کر ڈالو اللہ کے حکم سے بطور عقوبت وسزا کے بے شک اللہ عزیز اور حکیم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں رجم کیا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے زانی اور زانیہ کا رجم کیا پر مجھے خوف ہے کہ جب لوگوں پر زمانہ دراز گزر جائے تو کوئی کہنے والا یہ نہ کہنے لگے کہ ہم کتاب الٰہی میں آیت الرجم نہیں پاتے اور پھر اللہ کے اس فریضہ کے (یعنی رجم کے حکم قطعی کے) چھوڑنے سے گمراہ ہو جائیں۔ (رواہ البخاری ومسلم وغیرھما)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف بجا نکلا اس زمانہ میں بہت سے نام کے مسلمان رجم کے حکم یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ ہم آیت کو قرآن میں نہیں پاتے اس لئے ہم رجم کے حکم کو نہیں مانتے یہ سب بہانہ ہے اس قسم کے لوگ تو سرے سے مطلق زنا ہی کو حرام نہیں سمجھتے اور ﴿اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ کے قائل نہیں اس قسم کے لوگوں کا اسلام قومی ہے شرعی نہیں برسر منبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو چکی ہے اور اسی وجہ سے وہ قرآن میں نہیں لکھی گئی مگر اس کا حکم بلاشبہ باقی ہے اور واجب العمل ہے خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور اپنے قول اور عمل سے یہ بتلا دیا کہ یہ حکم منزل من اللہ ہے اگرچہ اس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے مگر یہ حکم تا قیامت باقی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں ایک آیت بڑھا دی تو میں آیت الرجم کو مصحف میں لکھوا دیتا اس خوف کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آیت الرجم کو مصحف میں نہ لکھوا سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرح برسر منبر فرمانے سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ علیہم الرضوان کے نزدیک یہ امر مسلم تھا کہ آیت الرجم کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور اس کا حکم باقی ہے اور تمام صحابہ علیہم الرضوان اس پر متفق تھے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا اس کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو چکی ہے مگر رجم کا حکم بلاشبہ باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ڈر تھا کہ خدانخواستہ آئندہ چل کر مسلمان بھی یہود کی طرح رجم کے حکم پر عمل کرنا نہ چھوڑ دیں توریت میں رجم کا حکم صراحۃ مذکور تھا لیکن یہود نے یہ خیال کیا یہ حکم سخت ہے عوام اس کو قبول نہ کریں گے اس لئے عوام کی رعایت سے یہود نے اس حکم کو بدل دیا اور بجائے رجم کے کالا منہ کرنے کی سزا جاری کر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار برسر منبر اس کا اعلان کیا تاکہ عام وخواص سب پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو چکی ہے مگر اس کا حکم تا ہنوز باقی ہے وہ منسوخ نہیں ہوا وہ قیامت تک رہے گا اور تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سراپا ارشاد کو دل وجان سے قبول کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع باتفاق علماء حجت قطعیہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے یا قریب بکفر ہے منکر اجماع کا حکم اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے اس میں شک نہیں کہ رجم کا حکم سخت ہے لیکن زنا کا جرم اس سے کہیں زیادہ سخت ہے مدعیان تہذیب کے نزدیک رجم کا حکم تو خلاف تہذیب ہے مگر شادی شدہ کے زنا کی بربریت اور بہیمیت اور بے ضرورت اور کھلی بے حیائی ان کے نزدیک خلاف تہذیب نہیں جو شخص اپنے لئے دوسرے کی بیوی یا بیٹی سے زنا

کو جائز سمجھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اپنی بیوی یا بیٹی سے بھی دوسرے شخص کے لئے زنا کو جائز سمجھتا ہے بلکہ اپنی ماں اور بیٹی سے بھی دوسرے کے لئے زنا کو جائز سمجھتا ہے آخر جس عورت سے یہ زنا کرتا ہے بلاشبہ وہ عورت بھی تو کسی کی بیوی یا بیٹی ہوگی ایسے بے غیرت کو غیر کا مسئلہ کس طرح سمجھایا جائے۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

ایک شبہ مع جواب:...... روافض خوافض، اس قسم کی روایات سے (جیسا کہ آیت رجم کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کی گئی) اہل سنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن محرف ہے سو یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے اس لئے کہ تحریف تو جب ہوتی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے املاء فرمودہ قرآن میں کمی ہو جاتی یا بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کی اس میں تغیر و تبدل کر ڈالتے لیکن بحکم خداوندی بذریعہ وحی کے قرآن کا کوئی حصہ کم کر دیا گیا یا بحکم خداوندی اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی تو اس کو تحریف نہیں کہا جا سکتا تحریف اور نسخ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عرضۂ اخیرہ کے مطابق جس قدر قرآن لکھا گیا وہ سب کا سب بالکل محفوظ ہے اس میں سے ایک حرف کی کمی نہیں ہوئی اور نہ ایک حرف اور ایک نقطہ کی اس میں زیادتی ہوئی اور اللہ تعالیٰ جس آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ فرما دیتے ہیں وہ آیت قراء اور حفاظ کے سینہ سے بالکل محو ہو جاتی ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کی قدرت اور مجال باقی نہیں رہتی اور یہ [1] کہا جاتا ہے کہ وہ زیادتی ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پلی ہوئی بکری اس کو کھا گئی سو یہ بات ملاحدہ اور روافض کی تراشیدہ اور من گھڑت ہے۔ تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۱۳۔

۳۳ سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ایاتھا ۷۳ رکوعاتھا ۹

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ①

اے نبی ڈر اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا۔ مقرر اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا

اے نبی! ڈر اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا۔ مقرر اللہ ہے سب جانتا حکمتوں والا۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ② وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ

اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بیشک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے اور بھروسہ رکھ اللہ پر

اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب سے۔ مقرر اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے۔ اور بھروسہ رکھ اللہ پر۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ③ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا ف۱ اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اس کے اندر اور نہیں کیا تمہاری جوروؤں کو

اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔ اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اس کے اندر۔ اور نہیں کیا جوروؤں کو

ف۱ یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہیئے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہنا مانیئے۔ یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا =

[1] قال القرطبی واما ما یحکی من ان تلک الزیادۃ کانت فی صحیفۃ فی بیت عائشۃ اکلتھا الداجن فمن تالیف الملاحدۃ والروافض تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۱۳۔

الّٰٓئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ

جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچی مائیں تمہاری اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے

جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو، سچ تمہاری مائیں۔ اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے۔ یہ تمہاری بات ہے

بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ

اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سمجھاتا ہے راہ ف۱ پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے

اپنے منہ کی۔ اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سوجھاتا ہے راہ۔ پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کا کر کر، یہی پورا انصاف ہے،

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ

اللہ کے یہاں ف۲ پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں ف۳ اور گناہ نہیں

اللہ کے ہاں۔ پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں، اور رفیق ہیں۔ اور گناہ نہیں

= بنالیں، سازشیں کریں، جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں عیارانہ مشورے دیں، اپنی طرف جھکانا چاہیں، آپ اصلاً پروانہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانیے اسی کے آگے جھکیے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر آجائے اس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے۔ وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں تمہاری اصلی بہتری ہوگی۔ جب اس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اسی پر بھروسہ رکھو گے تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنادے گا۔ تنہا اسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔ جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا۔ دوسرا دل ہو تو دوسری طرف جائے لیکن سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "کافر چاہتے تھے اپنی طرف نرم کرنا اور منافق چاہتے تھے اپنی چال سکھانا اور پیغمبر کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے۔ اس سے زیادہ دانا کون؟"

ف۱ یعنی جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کی حقیقۃً دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لئے اس سے جدا ہو جاتی۔ گویا اس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے اس لفظی و مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم و مفروضات کی بڑی شدومد سے تردید فرمائی۔ اس نے بتلایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے اگر واقعی وہ ماں بن جاتی ہے تو کیا یہ دو ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے؟ ایک وہ جس نے اول جنا تھا، اور دوسری یہ جس کو ماں کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح کسی نے زید کو بیٹا بنالیا تو ایک باپ تو اس کا پہلے سے موجود تھا جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ کیا واقعی اب یہ ماننا چاہیے کہ یہ دو باپوں سے الگ الگ پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں تو حقیقی ماں باپ اور اولاد کے احکام ان پر جاری نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ بیوی کو ماں کہنے کا حکم سورۃ تحریم میں آئے گا۔ اور لے پالک (منہ بولے بیٹے) کا حکم آگے بیان ہوتا ہے۔ ان دو باتوں کے ساتھ تیسری بات (بطور تمہید و تشریح کے) یہ بھی سنادی کہ ایسی باتیں زبان سے کہنے کی بہتیری ہیں جن کی حقیقت واقع میں وہ نہیں ہوتی جو الفاظ میں ادا کی جاتی ہے جیسے کسی غیر مستقل مزاج یا دوغلے آدمی کو یا کسی قوی الحفظ اور قوی القلب یا ایسے شخص کو جو ایک وقت میں دو مختلف چیزوں کی طرف متوجہ ہو کہہ دیتے ہیں کہ اس کے دو دل ہیں، حالانکہ سینہ چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ اسی طرح ماں کے علاوہ کسی کو ماں یا باپ کے سوا کسی کو باپ یا بیٹے کے سوا کسی کو بیٹا کہہ دینے سے واقع میں وہ نسبت ثابت نہیں ہو جاتی جو بدون ہمارے زبان سے کہے قدرت نے قائم کر دی ہے۔ لہٰذا مصنوعی اور حقیقی تعلقات میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔

ف۲ یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے کسی نے "لے پالک" بنالیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا یوں شفقت و محبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکارلے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ و التباس واقع نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے متبنیٰ کر لیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انھیں زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارنے لگے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی سب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔

ف۳ یعنی اگر باپ معلوم نہ ہو تو بہرحال تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں ان ہی القاب سے یاد کرو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "انت اخونا و مولانا۔"

عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ۙ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا

تم پر جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا

تم پر جس چیز میں چوک جاؤ، پر وہ جو دل سے ارادہ کیا۔ اور ہے اللہ بخشنے والا

رَّحِيۡمًا ۞ اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ

مہربان ف۱ نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے ف۲ اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں ف۳ اور قرابت والے

مہربان۔ نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے، اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں۔ اور ناتے والے

بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰٓى

ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ سب ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ کرنا چاہو

ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں، اللہ کے حکم میں، زیادہ سب ایمان والوں اور وطن چھوڑنے والوں سے، مگر یہ کہ کیا چاہو

اَوۡلِيٰٓـئِكُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ۞

اپنے رفیقوں سے احسان ف۴ یہ ہے کتاب میں لکھا ہوا ف۵

اپنے رفیقوں سے احسان۔ یہ ہے کتاب میں لکھا۔

ف۱ یعنی بھول کر یا دانستہ اگر غلط کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں، وہ معاف ہے بھول چوک کا گناہ کسی چیز میں نہیں، ہاں ارادہ کا ہے۔ اس میں بھی اللہ چاہے تو بخش دے۔

ف۲ مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ بنابریں مومن (من حیث ھو مومن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مومنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں "انما انا لکم بمنزلة الوالد" الخ۔ اور ابی بن کعب وغیرہ کی قرآت میں آیت ﴿اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ الخ کے ساتھ وھو اب لھم کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت وشفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمان وروحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے اور شفقت وتربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت وتربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری جان ومال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان ومال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے دے تو فرض ہو جائے۔" ان ہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ، بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

ف۳ یعنی دینی مائیں ہیں تعظیم واحترام میں اور بعض احکام میں جو ان کے لئے شریعت سے ثابت ہوں کل احکام میں نہیں۔

ف۴ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنہوں نے وطن چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا۔ بعدہ مہاجرین کے دوسرے قرابت دار مسلمان ہو گئے تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ ناطہ اس بھائی چارہ سے مقدم ہے میراث وغیرہ رشتے ناطے کے موافق تقسیم ہوگی۔ ہاں سلوک احسان ان رفیقوں سے بھی کئے جاؤ۔

ف۵ یعنی قرآن میں یہ حکم ہمیشہ کو جاری رہا۔ یا تورات میں بھی ہوگا یا "کتاب" سے "لوح محفوظ" مراد ہو۔

آغاز سورت بحکم تقویٰ وتوکل وتحذیر از موافقت کفار ومنافقین

وتنبیہ برکید وعداوت مخادعین وجواب از بعض مطاعن مخالفین برائے تسلیہ نبی کریم ﷺ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ... الی ... كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کے ختم پر کافروں سے اعراض کا اور انتظار کا حکم دیا گیا ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ اور کافروں کو ﴿وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ﴾ کی دھمکی دی گئی اب اس سورت میں غزوہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کی غیبی فتح ونصرت کا ذکر کرکے یہ بتلاتے ہیں کہ جس فتح ونصرت کے وعدہ کا آپ ﷺ کو انتظار تھا وہ پورا ہوگیا اور وہ آپ ﷺ کے سامنے آگیا اور کافروں کو اپنی ذلت کا انتظار تھا وہ بھی ان کے سامنے آگئی اور روز روشن کی طرح نبی کریم ﷺ کی نبوت اور صداقت کا ظہور ہوگیا اور شکست احزاب سے اس عذاب ادنیٰ کا ظہور ہوگیا جس کی دھمکی دی گئی تھی وہ عذاب اولی تو سامنے آگیا اور عذاب اکبر قیامت کے بعد سامنے آئے گا نیز کفار آنحضرت ﷺ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتے تھے اس لئے اس سورت میں آنحضرت ﷺ کی جلالت شان کو بیان کیا کہ نبی تمہاری جان سے زیادہ تمہارے قریب ہے اس لئے نبی کو ایذا پہنچانا اور تکلیف دینا قطعاً حرام ہے اس لئے اس ضمن میں منافقین اور مخالفین کی بعض ایذاؤں کا ذکر کرکے ان کا جواب دیا ہے جن کا ایک دل آزار طعنہ یہ تھا کہ حضور پرنور ﷺ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی (زینب رضی اللہ عنہا) سے زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد نکاح کرلیا۔

اس سورت میں مختلف عنوانات سے یہ بتلایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتکریم فرض ہے اور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچانا بلاشبہ حرام اور موجب لعنت ہے اس لئے اس سورت کا آغاز وصف نبوت سے فرمایا یعنی ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ کے عنوان سے آپ ﷺ کے عنوان سے آپ ﷺ کو خطاب کیا گیا جو خطاب تشریف وتکریم ہے جس سے مقصود لوگوں کو تنبیہ ہے کہ آپ ﷺ کو نبی برحق جانیں اور آپ ﷺ کی اطاعت کریں اور آپ ﷺ کی ایذا سے بالکلیہ پرہیز کریں۔

شان نزول:...... ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی یہ لوگ مکہ سے چل کر مدینہ آئے اور راس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کے یہاں ٹھہرے اور گفتگو کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے ان لوگوں نے حاضر ہوکر نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیے ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے رب کے متعلق کچھ نہ کہیں گے آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی یہ بات نہایت شاق گزری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ حکم دیجئے کہ ان کو قتل کردیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا ان کو امان دے رکھی ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو مدینہ سے نکال دیا جائے چنانچہ وہ نکال دیئے گئے اس موقعہ پر مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴؍۱۱۴)

ان سرداران قریش کے ساتھ یہود بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے انہوں نے اہل مکہ کی تائید کی اور

دوستانہ لہجہ میں نہایت نرمی سے حضور پرنور ﷺ کو مشورہ دینے لگے کہ آپ ﷺ سرداران قریش کے ساتھ نرمی کریں اور چرب لسانی سے آپ ﷺ کو مشورہ دینے لگے کہ صلح اور آشتی میں خیر ہے اس ظاہری خیر خواہی میں مکروفریب چھپا ہوا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر آپ ﷺ ان کے مشورہ پر ہرگز عمل نہ کریں کذافی البحر المحیط: ۲۱۰/۷ والنہر[1] المراد: ۲۰۹/۷ مختصراً۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ آپ ﷺ اللہ سے ڈرتے رہئے اور خشیت اور تقویٰ پر قائم رہئے اور جو لباس تقویٰ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پہنایا ہے اس کو کافروں اور منافقوں کے گرد وغبار سے محفوظ رکھیے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیئے یعنی جو لوگ کفر کو ظاہر کرتے ہیں اور جو لوگ کفر کو چھپاتے ہیں یہ سب مکار ہیں آپ ﷺ ان سے مشورہ نہ لیجئے اور نہ ان کی بات سنیئے یہ لوگ آپ ﷺ کو نرم کرنا چاہتے ہیں اور چالاکی کی باتیں کرتے ہیں مثلاً یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر نہ کریں ہم آپ ﷺ سے تعرض کرنا چھوڑ دیں گے یا مثلاً آپ ﷺ ہماری فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ ﷺ کے دین میں داخل ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ آپ ﷺ ان کی چالوں میں نہ آیئے یہ اسلام کے دشمن ہیں آپ ﷺ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور ان کی دھمکیوں کی مطلق پروانہ کیجئے اور اللہ کی غیبی فتح ونصرت کا انتظار کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے خبردار ہے اور حکمت والا ہے جو کچھ ہو رہا ہے وہ ابتلاء ہے جو سراسر حکمتوں پر مبنی ہے وہ علیم وحکیم ہے اسے ہی سب کاموں کا انجام معلوم ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں لہٰذا اطاعت اس ذات کی کی جائے گی جو عواقب امور کو خوب جانتا ہو اور جو ذات ظاہر وباطن کی علیم وخبیر ہے اسی سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے خدا سے ڈرنے والوں کو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکتے لہٰذا تم ان کی قوت اور شوکت سے نہ ڈرو اللہ تمہارا ناصر اور معین ہے اور نہ ان کا کہنا مانو بلکہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے وحی کی گئی پورا پورا اس کا اتباع کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے اور تمہاری نیتوں سے خبردار ہے تمہارا ظاہر وباطن اس سے مخفی نہیں وحی الٰہی کے اتباع میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہونی چاہئے اور کسی کے خوف سے وحی الٰہی کے اتباع کو نہ چھوڑو بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کافی کارساز ہے اس کے کہنے پر چلو اور اسی پر بھروسہ رکھو وہ تمہارے سب کام بنا دے گا دشمنان دین سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔

اب آئندہ آیات میں چند احکام اور ہدایات بیان کرتے ہیں اور چند باتوں کا رد کرتے ہیں جو وحی ربانی کے خلاف لوگوں میں شائع تھیں مثلاً زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو وہ ساری عمر کے لئے اس پر حرام ہو جاتی اور مثلاً اگر کوئی کسی کو بیٹا کہہ کر بولتا تو وہ اس کا سچا بیٹا بن جاتا اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ باتیں غلط اور لغو ہیں جیسا کہ اہل جاہلیت کا یہ گمان غلط ہے کہ بعض شخص کے اندر دو دل ہوتے ہیں پس جس طرح اہل جاہلیت کی یہ بات بالکل غلط اور لغو ہے اس لئے آئندہ احکام کے بیان سے پہلے بطور تمہید اسی کو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں رکھے کہ ایک دل سے شک میں رہے اور ایک دل سے یقین کرے اور ایک دل سے سے ایمان لائے اور ایک دل سے کفر کرے ایک دل سے مسلمانوں

[1] عبارۃ النہر ھکذا سبب نزولھا روی انہ لما قدم المدینۃ وکان یحب اسلام الیھود فبایعہ ناس فھم علی التفاق وکان یلین لھم جانبہ وکانوا یظھرون النصائح الودیبہ فی طرق المخادعۃ ولخلقہ الکریم وحرصہ علی اسلامھم ربما کان یسمع منھم فنزلت تحذیر الہ منھم وتنبیھا علی عداوتھم کذافی النہر المراد: ۲۰۹/۷۔

کے ساتھ رہے اور ایک دل سے کافروں کے ساتھ رہے۔

کسی کے سینہ کو اگر چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا مطلب یہ ہے کہ دل تو ایک ہی ہوتا ہے چاہے اس میں کسی کی محبت بھرلو یا نفرت بھرلو منافقین کو چاہئے کہ دو رخی اور دو رنگی چھوڑ دیں منافقین دو طرفہ باتیں کیا کرتے تھے ان کی تنبیہ کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک دل میں دو باتیں جمع نہیں ہوسکتیں یا یہ مطلب ہے کہ سارے دل سے ایک اللہ ہی کا ہورہ دوسری طرف دل نہ لگا کسی شخص کے اندر دو دل نہیں ہوتے اور اگر بالفرض کسی کے دو دل ہوں تو دل تو مدبر بدن ہوتا ہے تو بتلایا جائے گا کہ اگر دو دلوں میں اختلاف ہو جائے ایک دل تو ایک تدبیر کا خواہاں ہو اور دوسرا دل دوسری تدبیر کا خواہاں ہو تو بتلاؤ کہ نظام بدن میں دونوں دلوں کی تدبیر چلے گی یا ایک دل کی تدبیر چلے گی اگر دونوں کی تدبیر چلی تو نظام بدن فاسد اور درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ دلوں کی تدبیریں متضاد اور مختلف ہیں ایک دل چاہتا ہے کہا کہ اعضاء حرکت کریں اور دوسرا دل سکون چاہتا ہے کہ اعضاء ساکن رہیں اور اگر کہو کہ ایک ہی دل کی تدبیر چلتی ہے تو دوسرا بے کار ہوا اور مدبر بدن نہ رہا۔

یہ آیت قریش کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کو قریش ذوالقلبین کہتے تھے یعنی دو دل والا اس کا زعم یہ تھا کہ اس کے دو دل ہیں ایک دل تو تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا دل ان کے ساتھ ہے گویا کہ وہ اس طرح اپنے نفاق اور دورنگی کی تاویل کیا کرتا تھا اس کے رد کے لئے یہ آیت نازل فرمائی جس سے جاہلیت کی ایک معروف و مشہور جہالت کا رد فرمایا اور اس کے بعد جاہلیت کی اور دو رسموں کو باطل فرمایا اور بتلایا کہ جس طرح ایک مرد کے دو دل نہیں ہوتے اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ بیوی کو بیوی بھی سمجھے اور ماں بھی جانے اور لے پالک کو لے پالک بھی جانے اور بیٹا بھی جانے انسان کا قلب یعنی اس کی قوت ادراکیہ تو ایک ہی ہے وقت واحد میں دو متضاد ادراک کیسے کرسکتا ہے

فائدہ:...... قلب سے مراد قوت ادراکیہ ہے محض مضغۂ گوشت مراد نہیں اور اگر بالفرض شاذ و نادر کسی کے اندر ظاہراً دو دل یعنی دو مضغۂ لحم ہوں بھی تو وہ قرآن کے خلاف نہیں اس لئے کہ قوت ادراکیہ یعنی نفس ناطقہ تو ایک ہی ہوگا کیونکہ قلب تو تمام قوائے ادراکیہ کا منبع ہے اور سرچشمہ ہے اس کا متعدد ہونا ناممکن ہے اور یہی نفس ناطقہ تمام بدن انسانی کے لئے مدبر ہے۔

حکایت:...... یہ آیت جمیل بن معمر فہری کے بارے میں نازل ہوئی جو قریش میں بڑا ہوشیار اور قوی الحافظہ آدمی تھا اس لئے قریش یہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کے دو دل ہیں اور وہ خود بھی کہتا تھا کہ میرے دو قلب ہیں اسی وجہ سے میں محمد (ﷺ) سے زیادہ عقل رکھتا ہوں مگر بدر کے دن جب مشرکین میں بھگدڑ پڑی تو جمیل اس طرح بھاگا کہ ایک جوتی ہاتھ میں ہے اور ایک جوتی پیر میں ہے ابوسفیان نے دیکھ کر پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے کہ ایک جوتی ہاتھ میں ہے اور ایک جوتی پیر میں ہے۔ کہنے لگا کہ میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ دونوں جوتیاں پاؤں میں پہنا ہوا ہوں اس دن لوگوں کو معلوم ہوا کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اس طرح نہ بھولتا یہ آیت اس زعم باطل کی تردید کے لئے نازل ہوئی۔ جس میں صراحۃ یہ بتلا دیا گیا کہ آدمی کے دو قلب (دو دل) نہیں ہوتے (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۱۶)

اور اسلام سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ جو شخص اپنی عورت کو یہ کہہ دیتا کہ تو مجھ پر ماں کے برابر ہے تو اس کہنے سے اس عورت پر طلاق پڑ جاتی اور وہ اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی گویا کہ اس لفظ کے کہنے سے وہ اس کی حقیقی ماں بن جاتی اور ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال اور اعتقاد جاہلانہ ہے اس کو ترک کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں

بنائے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان عورتوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو اور ان کو ماں کہہ بیٹھتے ہو اللہ تعالیٰ نے ان کو واقعی سچ مچ تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ماں کی اور بیوی کی حقیقت الگ الگ ہے دونوں ایک کیسے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس قول زور کے لئے کفارہ مقرر کیا ہے جس کو کفارہ ظہار کہتے ہیں اس کفارہ کے دے دینے کے بعد بیوی حلال ہو جاتی ہے جس کی تفصیل سورۃ مجادلہ میں آئے گی غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ اہل عرب کا یہ خیال غلط ہے ماں تو وہ ہے کہ جس کے پیٹ سے یہ پیدا ہوا ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ دو عورتوں کے پیٹ سے پیدا ہو نیز زوجہ تو خادمہ ہوتی اور ماں مخدومہ ہوتی ہے بیوی کا حقیقۃً والدہ ہو جانا عقلاً محال ہے نیز آدمی بیوی سے محبت کرتا ہے اور ماں سے بیوی جیسی محبت حرام ہے اور اگر کوئی ماں سے ایسی محبت جائز سمجھے تو وہ پرلے درجے کا بے غیرت اور بے حیا ہے لہٰذا ایسی بات زبان سے کہنا جہالت اور حماقت ہے اور زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم یہ تھی کہ اگر کسی نے کسی کو بیٹا کہہ لیا تو وہ اس کا سچ بیٹا سمجھ لیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خیال اور اعتقاد بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولوں کو حقیقۃً تمہارا بیٹا نہیں بنایا انسان کا اصلی بیٹا وہ ہے جو اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہو یہ کیونکر ممکن ہے کہ منہ بولا بیٹا حقیقتاً بیٹا ہو جائے عقلاً یہ بات محال ہے کہ حقیقتاً اس کے دو باپ ہو جائیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس مہمل خیال سے احتراز کرو یہ محض تمہارے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں جن کی نفس الامر میں کوئی حقیقت نہیں ہے منہ سے کسی کو بیٹا کہہ دینے سے حقیقۃً بیٹا نہیں بن جاتا ورنہ اگر منہ بولا بیٹا حقیقۃً بیٹا ہو جائے تو نسب درہم برہم ہو جائے اور حقیقی بیٹے کا وراثت میں مزاحم ہو جائے اور دیگر اقارب کا بھی شریک وراثت ہو جائے اور اس طرح کسی کو بیٹا بنا لینا حقیقی اقارب پر صریح ظلم اور ستم ہے یہ سب جھوٹ اور لغو باتیں ہیں جو تمہارے منہ سے نکلی ہیں واقع میں ان کی کوئی حقیقت نہیں حیوان کی آواز کے مشابہ ہیں اور اللہ ہی ٹھیک بات کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ بتاتا ہے جو حقیقت ہے اور واقع کے مطابق ہے اسی کی پیروی کرو تم کو چاہئے کہ لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارو یہی بات اللہ کے نزدیک پورا انصاف ہے منہ بولے بیٹا بنا لینا اور بیوی کو ماں بنا لینا صریح ظلم ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو کہ ان کے باپوں کا کیا نام ہے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اس نسبت سے تم انہیں پکار سکتے ہو یعنی ان کو بھائی اور دوست کہہ کر پکار سکتے ہو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور اگر تم اس حکم کے بعد بھی اپنے قدیم عادت کی بنا پر سہو اور خطا سے کسی کو اس کے فرضی باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو تو تم پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے خطا سے کہہ دیا اور بلا اختیار سبقت لسانی سے تمہاری زبان سے نکل گیا ولیکن گناہ اس چیز میں ہے کہ جس کا تمہارے دل قصد کریں یعنی اگر قصداً باپ کے سوا دوسرے کی جانب نسبت کرو گے تو تم پر گناہ ہوگا اور اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو معاف ہے اور اللہ تعالیٰ خطا کار کو بخشنے والا ہے اور مہربان ہے قصداً کہنے کے بعد جو توبہ اور استغفار کر لے اسے بھی معاف کر دیتا ہے ابتداء اسلام میں آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا اس لئے لوگ اپنے دستور کے مطابق زید بن محمد ﷺ پکارنے لگے جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حقیقۃً آپ ﷺ کے بیٹے نہیں اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اگرچہ نسبی طور پر کسی مسلمان کے باپ نہیں لیکن روحانی طور پر سب کے باپ ہیں اور ان کی جان سے زیادہ ان کے قریب ہیں اور نبی ﷺ کی بیبیاں تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں۔ اور نسبی ماؤں سے بڑھ کر واجب الاحترام ہیں اور نسبی باپ سے روحانی باپ کا درجہ بڑھا ہوا ہے نبی ﷺ کی اور نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعظیم اور احترام ماں باپ کی تعظیم سے زیادہ

فرض ہے کیونکہ پیغمبر ہر کام میں اور ہر بات میں مسلمانوں پر ان کی جان سے زیادہ قریب ہے نبی خدا کا نائب ہے لوگوں کا اپنی جان و مال میں اتنا تصرف نہیں چلتا جتنا کہ نبی کا چلتا ہے لوگ خود اپنے اتنے خیر خواہ نہیں جتنا کہ نبی ان کا خیر خواہ ہے ان کے نفوس شر اور فساد کا حکم دیتے ہیں اور خیر اور صلاح سے روکتے ہیں اور نبی ان کو ہر خیر کا حکم دیتا ہے اور ہر شر سے منع کرتا ہے جیسے مشفق باپ نادان بچے کے ساتھ معاملہ کرتا ہے بچہ خود اپنا خیر خواہ نہیں جتنا کہ باپ اس کا خیر خواہ ہوتا ہے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے لیکن اگر نبی حکم دے تو آگ میں کودنا فرض ہے باپ جسمانی حیات کا سبب ہے اور نبی ایمانی اور روحانی حیات کا سبب ہے غرض یہ کہ گزشتہ آیت میں نسبی ابوت کا مسئلہ بیان کیا اور اس آیت میں روحانی ابوت کا مسئلہ بیان کیا اب آئندہ آیت میں ازواج مطہرات کا مسئلہ بیان کرتے ہیں جو گزشتہ مسئلہ کی فرع اور اس کا تتمہ ہے اور پیغمبر کی بیبیاں مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں ماؤں سے بڑھ کر ان کی تعظیم فرض ہے اور یہ حکم باعتبار ادب اور احترام کے ہے پردہ اور میراث کے اعتبار سے نہیں ازواج مطہرات کی امومت یعنی ان کی مائیں ہونا صرف ادب اور احترام اور حرمت نکاح کے اعتبار سے ہے باقی اور امور میں وہ بالکل اجنبی عورتوں کی مانند ہیں اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک قراءت میں اس طرح آیا ہے النبی اولی بالمومنین من انفسھم وھو اب لھم وازواجہ امھاتھم (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۲۳ اور روح المعانی: ۲۱/ ۱۲۶)

یعنی نبی کی عورتیں مسلمانوں کی مائیں ہیں اور نبی ان کے لئے باپ ہیں یعنی ان کے روحانی باپ ہیں اور ان کے مربی ہیں روحانی اعتبار سے نبی تمام مسلمانوں کا باپ ہے نبی نسبی باپ کی طرح نہیں کہ اس کے مال میں میراث جاری ہو سکے وہ روحانی اور ایمانی باپ ہے اور امت مسلمہ اس کی روحانی اولاد ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے ایمانہ بھائی ہیں اور جس طرح نبی تمام اہل ایمان کا روحانی باپ ہے اسی طرح نبی کی ازواج مطہرات تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں جو نسبی ماؤں سے بڑھ کر ہیں اور ان سے نکاح حرام ہے جس طرح اپنی نسبی ماؤں سے نکاح حرام ہے اور ماں سے بڑھ کر ازواج مطہرات کا ادب اور احترام فرض ہے مقام حیرت وتعجب ہے کہ رافضی گروہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حق میں زبان درازی کرتا ہے بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام ازواج مطہرات کی شان میں گستاخانہ الفاظ زبان سے نکالتا ہے اور اس طرح سے اللہ کے نبی کو اور تمام فرزندان اسلام کو ایذا پہنچاتا ہے

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہ نے ان آیات میں نبی کی جلالت شان اور اس کا واجب الاحترام ہونا بیان کیا اور بعدہ ازواج مطہرات کی کرامت وحرمت کو بیان کیا اب اس کے بعد اہل اسلام میں بحق قرابت حسب مرتبہ لحاظ رکھنے کا حکم دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ میراث کا دارومدار قرابت پر ہے چونکہ ابتداء اسلام میں ہجرت اور دوستی اور بھائی چارہ کی وجہ سے میراث جاری ہوتی تھی آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا اس بنا پر ایک دوسرے کا وارث ہوتا بعدہ جب مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان ہو گئے تب یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد قدرتی رشتہ داروں کو میراث وغیرہ میں بھائی چارہ سے مقدم کر دیا اور یہ حکم نازل ہوا کہ قرابت والے بحق قرابت حکم خداوندی میں میراث میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے جو قرابت نہ رکھتے ہوں "مومنین" سے انصار مراد ہیں ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرا دیا تھا جس کی وجہ

سے مہاجر اور انصاری مرنے کے بعد ایک دوسرے کی میراث پاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ حکم دے دیا کہ اب آئندہ سے میراث کا دارومدار قدرتی رشتہ پر ہوگا نہ کہ اسلامی برادری پر مگر یہ کہ تم اپنی زندگی میں اپنے دوستوں کے ساتھ بطور وصیت کچھ سلوک اور احسان کرنا چاہو تو یہ جائز ہے اور تم کو اس کی اجازت ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے رشتے داروں کے علاوہ کسی اور مسلمان مہاجر یا انصاری کے ساتھ سلوک کرنا چاہے اور اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے جس کی حد، ثلث مال (تہائی مال) تک ہے جیسا کہ دوسری جگہ منصوص ہے یہ حکم لوح محفوظ میں یا قرآن میں لکھا جا چکا ہے کہ اب میراث کا دارومدار قرابت اور رشتہ داری پر ہے اور اسی طرح ہمیشہ جاری رہے گا اور اب تک جو میراث کا حکم اسلام اور ہجرت اور مواخات کی بنا پر دیا گیا ہے وہ ایک وقتی مصلحت اور ضرورت کی بنا پر تھا جو اب منسوخ ہو گیا صلہ رحمی اور سلوک اور احسان کا حکم اب بھی باقی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مسلمان بھی اپنا گھر اور کنبہ جو کافر تھے سب کو چھوڑ کر مدینہ میں آ بسے آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات (برادری) کا رشتہ قائم کر دیا اور یہ منہ بولے بھائی ایک دوسرے کے وارث قرار دیئے گئے ایک عرصہ تک یہ دستور رہا کہ اس دینی اخوت کے دو بھائیوں (مہاجرین اور انصار) میں سے اگر ایک کا انتقال ہو جاتا تو دوسرا بھائی اس کا وارث قرار پاتا اور عصبات کو کچھ نہ ملتا بعد میں مہاجرین کے خویش و اقارب بھی مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے تو اس وقت ایمانی اخوت کے ساتھ قرابت نسبی بھی مل گئی تو اس وقت یہ آیت ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾ الخ نازل ہوئی اور حکم ہو گیا کہ اب میراث مسلمان اولوا الارحام کو یعنی ان خویش و اقارب کو ملے گی جو مسلمان ہیں اور منہ بولے بھائیوں کو میراث نہیں ملے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قرابت اور رشتہ داری توارث کا مدار قرار دی گئی اور توارث بالہجرۃ اور توارث بالمواخاۃ اور بالحلف سب منسوخ ہو گیا دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۲۴۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی صلہ ارحام واجب است وتوارث ہجرت واسلام منسوخ شد بتوارث بقرابت وارحام۔ انتہی (فتح الرحمن)

ان آیات میں اول روحانی باپ کا حق بیان کیا پھر روحانی ماؤں کا حق بیان کیا پھر ایمانی بھائیوں کا حق اور حکم بیان کیا۔

نکتہ: ...... ازواج مطہرات کا امہات المومنین ہونا جسم ظاہری کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ کل مومنین کی پیدائش ان کے پیٹ سے نہیں ہوئی بلکہ روحانی اعتبار سے ہے اور روحانیت کا غلبہ صرف مومنین کاملین پر ہوتا ہے عام طور پر غلبہ جسمانیت ہی کا ہوتا ہے اس لئے کہ یہ دنیا عالم اجسام ہے اس حیات دنیاوی میں غلبہ جسم ظاہری اور محسوسات ہی کا ہے اور حقیقت روحانیہ نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے ازواج مطہرات ادب اور احترام میں اگرچہ جسمانی والدات سے کہیں بڑھ کر ہیں لیکن احکام ظاہری کے اعتبار سے مثلاً نظر اور خلوت کے لحاظ سے بمنزلہ اجنبیہ کے ہیں اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ جسمانیت اور محسوسات کے آثار میں مبتلا ہو کر اپنے دین و دنیا کو نہ خراب کر بیٹھیں فافہم ذلک واستقم اس وجہ سے شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حکم تحریمی بالاجماع ازواج مطہرات کی لڑکیوں اور بہنوں کی طرف متعدی نہیں ہوتا حتیٰ کہ

آنحضرت ﷺ کی صاحب زادیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ

اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا قرار اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے جو بیٹا

اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا قرار اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے جو بیٹا

مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٧﴾ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ

مریم کا اور لیا ہم نے ان سے گاڑھا قرار ف۱ تاکہ پوچھے اللہ سچوں سے ان کا سچ اور تیار رکھا ہے

مریم کا۔ اور لیا ہم نے ان سے گاڑھا قرار۔ تا پوچھے اللہ سچوں سے ان کا سچ۔ اور رکھی ہے

لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٨﴾

منکروں کے لیے دردناک عذاب ف۲

منکروں کو دکھ کی مار۔

ذکر عہد انبیاء سابقین دربارہ اتباع وحی تبلیغ دین

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ ... الی ... وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا﴾

گزشتہ آیات میں یہ ذکر فرمایا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وحی خداوندی کا اتباع کرنا اور کافرین اور منافقین کے کہنے پر نہ چلنا آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے اسی قسم کا عہد انبیاء سابقین سے بھی لیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اس وقت کا ذکر کیجئے کہ جب ہم نے تمام پیغمبروں سے بوقت عطاء[1] نبوت یا بوقت عہد الست، عہد واثق لیا کہ تم ہماری وحی کا اتباع کرنا اور دعوت و تبلیغ میں ثابت قدم رہنا اور مخالفین کے طعن اور ایذا کی پروانہ کرنا اور

ف۱ یعنی یہ قول و قرار کہ ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرے گا۔ اور دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے گا۔ "آل عمران" میں اس میثاق کا ذکر ہو چکا ہے۔" حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" او پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا تھا کہ مومنین پر ان کی جان سے زیادہ تصرف رکھتا ہے۔ یہاں اشارہ کر دیا کہ یہ درجہ نبیوں کو اس لئے ملا کہ ان پر محنت (اور ذمہ داری بھی) سب سے زیادہ ہے۔ اکیلے ساری خلق سے مقابل ہونا اور کسی سے خوف و رجا نہ رکھنا، پیغمبروں کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے لئے اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ ان کی ہدایت کا اثر ہزاروں برس رہا اور جب تک دنیا ہے رہے گا۔ ان میں پہلے نام لیا ہمارے نبی کا حالانکہ عالم شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور سب کے بعد ہوا ہے۔ مگر درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہیں، اور وجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم غیب میں سب سے مقدم ہے۔ کما ثبت فی الحدیث۔

ف۲ یعنی قول و قرار کے مطابق ان پیغمبروں کی زبانی اپنے احکام خلق کو پہنچائے اور حجت تمام کر دے تب ہر ایک سے پوچھ پاچھ کرے گا، تا کہ سچوں کا سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ آگے جنگ احزاب کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سچے پیغمبر اور مومنین اور ان کے ظاہری ثمرات و نتائج ذکر کیے ہیں۔

[1] اشارة الی ما قال ابن کثیر فهذا العهد والمیثاق اخذ علیهم بعد ارسالهم وقیل ان المراد بهذا المیثاق الذی اخذ منهم حین اخرجوا فی صورة الذر من صلب ادم علیه الصلوة والسلام الخ تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۶۹۔

کافروں اور منافقوں کے کہنے پر نہ چلنا اور نکاح وطلاق اور تبنی اور میراث وغیرہ کے بارے میں قومی رسموں کا خیال نہ کرنا بلکہ حکم خداوندی کی پیروی کرنا اور بعض آثار میں یہ آیا ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام سے یہ عہد بھی لیا گیا کہ اپنی اپنی امتوں میں یہ اعلان کرنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں (روح المعانی: ۱۲۹/۲۱ وتفسیر قرطبی: ۱۴/۷/۱۴) جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾۔

اور بطور خاص ہم نے آپ ﷺ سے اور نوح علیہ السلام سے اور ابراہیم علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ السلام سے اور عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہی عہد لیا کہ اتباع وحی اور تبلیغ دین اور پیغام الٰہی کے پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد سب پیغمبروں سے لیا اور یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے ذکر کئے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں اور آیت میں سب سے مقدم آپ ﷺ کا ذکر کیا اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور عالم شہادت میں آپ ﷺ کا ظہور اگرچہ سب کے بعد ہوا لیکن درجہ اور مرتبہ میں آپ ﷺ سب سے مقدم ہیں اور ہم نے ان پیغمبروں سے کوئی معمولی عہد نہیں لیا بلکہ نہایت محکم اور ایسا پختہ اور مضبوط عہد کیا کہ جس میں کسی قسم کا خلل نہ آوے اور یہ مضبوط عہد اس لئے لیا تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سچوں سے یعنی پیغمبروں سے اور اہل ایمان سے جو اپنے عہد اور میثاق میں سچے رہے ان کی راستی اور سچائی کے متعلق دریافت کرے تاکہ لوگوں پر ان کا صدق ظاہر ہو اور ان کے نہ ماننے والوں اور نہ تصدیق کرنے والوں پر حجت قائم ہو اور کافروں سے اور انبیاء کی تکذیب نے والوں سے بھی سوال کرے گا تاکہ ان کا کذب ظاہر ہو جائے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے سوال کرے گا کہ جب تم نے قوم کو ہمارا پیغام پہنچایا تو قوم کے لوگوں نے تمہیں کیا جواب دیا ہماری دعوت اور پیغام کو قبول کیا یا رد کیا بظاہر یہ سوال پیغمبروں سے ہوگا مگر اس سے مقصود قوم کی تصدیق وتکذیب کا حال ظاہر کرنا ہوگا اور ان لوگوں کی زجر وتوبیخ مقصود ہوگی جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول نہیں کیا کما قال تعالیٰ ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ الآیۃ غرض یہ کہ اس عہد اور میثاق سے انبیاء کی دعوت اور تبلیغ فرض ہوئی تھی اور لوگوں پر ایمان اور تصدیق اور اطاعت فرض ہوگئی تھی پس [1] جنہوں نے انبیاء کرام کی تصدیق کی اور ان کی صداقت پر ایمان لائے یہ صادقین کا گروہ ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے نعیم مقیم تیار کی ہے اور جن لوگوں نے انبیا کی تکذیب کی اور ان کی صداقت کے منکر ہوئے یہ کاذبین کا گروہ ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اس روز صادقین کو صدق کی جزاء اور کاذبین کو کذب کی سزا مل جائے گی۔

غرض یہ کہ روز ازل میں مومنین سے انبیا کرم علیہم السلام کے اتباع کا عہد لیا ہے اور انبیاء سے تبلیغ احکام کا عہد لیا اور علماء سے تبیین احکام کا عہد لیا (تفسیر عزیزی ص: ۲۰۲)

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ایک جملہ محذوفہ پر معطوف ہے یعنی فاثاب الصادقین پر معطوف ہے جو ﴿لِيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ سے مفہوم ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر

اے ایمان والو ! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، جب آئیں تم پر فوجیں، پھر بھیجی ہم نے ان پر

رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ

ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں ف۱ اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا ف۲ جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے

باؤ، اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں۔ اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھتا۔ جب آئے تم پر اوپر کی طرف سے

ف۱ یعنی فرشتوں کی فوجیں جو کفار کے دلوں میں رعب ڈال رہی تھیں۔

ف۲ ہجرت کے چوتھے پانچویں سال یہود بنی نضیر جو مدینہ سے نکالے گئے تھے (اس کا ذکر سورۂ "حشر" میں آئے گا) ہر قوم میں پھرے۔ اور ابھار اکسا کر قریش مکہ، بنی فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً بارہ ہزار کا لشکر جرار پورے ساز و سامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چور تھا، یہود "بنی قریظہ" جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی شرقی جانب تھا پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ نضیری یہود کی ترغیب و ترہیب سے آخر کار وہ بھی معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی۔ جن میں ایک بڑی تعداد ان دغاباز منافقوں کی تھی جو سختی کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدان جنگ سے کھسکنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ علیہم الرضوان سے مشورہ فرمایا۔ آخر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا خندق کھود دی گئی۔ سخت جاڑے کا موسم تھا غلہ کی گرانی تھی بھوک کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مگر عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار سپاہی اور ان کے سالار اعظم اس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے۔ مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے، اور کہتے

"نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد ما بقینا ابدا۔"

ادھر سرکار محمدی سے جواب ملتا۔

"اللهم لا عیش الا عیش الاٰخرة فاغفر للانصار والمهاجرة"

خندق تیار ہو گئی تو اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جما دیے۔ تقریباً بیس پچیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ درمیان میں خندق حائل تھی۔ باوجود کثرت تعداد کے کفار سے بن نہ پڑا کہ شہر پر عام حملہ کر دیتے۔ البتہ دور سے تیر اندازی ہوتی رہی اور گاہ بگاہ فریقین کے خاص خاص افراد میدان مبارزت میں بھی دو دو ہاتھ دکھانے لگتے تھے۔ مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان مسلمانوں کی جمعیت محصورین کی حیثیت رکھتی تھی تاہم انہوں نے سب عورتوں بچوں کو شہر کی مضبوط و محفوظ حویلیوں میں پہنچا کر خود بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت و مدافعت کا فرض انجام دیا۔ آخر کار نعیم ابن مسعود الاشجعی رضی اللہ عنہ کی ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہود بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی، ادھر کفار کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا غیر مرئی لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک جھکڑ ہوا کا چلا دیا۔ پروا ہوا سے ریت اور سنگریزے اڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ ان کے چولہے بجھ گئے، دیگچے زمین پر جا پڑے۔ بجھانے پکانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے لشکر پریشان ہو گیا، سردی اور اندھیری ناقابل برداشت بن گئی۔ آخر ابو سفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی طبل رحیل بجا دیا۔ ناچار سب اٹھ کر بے نیل مرام واپس چل دیے۔ ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا﴾ یہ جنگ "احزاب" کہلاتی ہے اور اسے "جنگ خندق" بھی کہتے ہیں۔ سخت جاڑے کے موسم اور فاقہ کشی کی حالت میں خندق کھودنا اور اتنے دشمنوں کے بیچ میں گھر کر لڑائی لڑنا یہ وہ حالات تھے جن میں منافق دل کی باتیں بولنے لگے اور مومن ثابت قدم رہے۔ اسی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آ سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا۔

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

اور نیچے سے ف۱ اور جب بدلنے لگیں آنکھیں ف۲ اور پہنچے دل گلوں تک ف۳ اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر

اور نیچے سے، اور جب ڈگنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلے تک، اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر

الظُّنُوْنَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪ وَاِذْ يَقُوْلُ

طرح طرح کی اٹکلیں ف۴ وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا ف۵ اور جب کہنے لگے

کئی کئی اٹکلیں۔ وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑانا۔ اور جب کہنے لگے

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ وَاِذْ

منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا ف۶ اور جب

منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے، جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا۔ اور جب

قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ

کہنے لگی ایک جماعت ان میں اے یثرب والو ف۷ تمہارے لیے ٹھکانہ نہیں سو پھر چلو اور رخصت مانگنے لگا ایک فرقہ ان میں

کہنے لگے ایک لوگ ان میں، اے یثرب والو! تم کو ٹھکانا نہیں، سو پھر چلو۔ اور رخصت مانگنے لگے ایک لوگ ان میں

النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬ وَلَوْ

نبی سے کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے ان کی کوئی غرض نہیں مگر بھاگ جانا ف۸ اور اگر

نبی سے، کہنے لگے، ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ اور وہ کھلے نہیں پڑے۔ غرض اور نہیں مگر بھاگنا۔ اور اگر

ف۱ یعنی مدینہ کی شرقی جانب سے جو اونچی ہے اور غربی جانب سے جو نیچی ہے۔

ف۲ یعنی دہشت و حیرت سے آنکھیں پھرنے لگیں اور لوگوں کے تیور بدلنے لگے۔ دوستی جتانے والے لگے آنکھیں چرانے۔

ف۳ یعنی خوف و ہراس سے دل دھڑک رہے تھے گویا اپنی جگہ سے اٹھ کر گلے میں آ لگے۔

ف۴ یعنی کوئی کچھ سمجھتا تھا کوئی کچھ اٹکلیں لڑا رہا تھا۔ مسلمانوں نے سمجھا کہ اس مرتبہ اور سخت آزمائش آئی، دیکھیے کیا صورت پیش آئے۔ کچے ایمان والوں نے خیال کیا کہ بس جی اب کی بار نہیں بچیں گے۔ منافقین کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آگے ان کے مقولے آ رہے ہیں۔

ف۵ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کا مفصل قصہ حدیث میں پڑھو تو اس جھڑ جھڑانے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو۔ یہاں ترجمہ کی گنجائش نہیں۔

ف۶ بعض منافق کہنے لگے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے کہ میرا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھ کو دیے گئے۔ یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مسلمان کو چاہیے اب بھی ناامیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔

ف۷ "یثرب" مدینہ طیبہ کا پرانا نام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے "مدینۃ النبی" ہو گیا۔

ف۸ یعنی سارے عرب ہمارے دشمن ہوئے تو ہم کو رہنے کا ٹھکانا کہاں۔ سب لشکر سے جدا ہو کر گھر لوٹ چلو۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ باہر کھڑے تھے۔ شہر میں مضبوط حویلیوں کے ناکے بند کر کے زنانے ان میں رکھ دیے تھے۔ یہ بہانہ کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں کہیں چور گھس کر لوٹ نہ لیں۔ اور یہ محض جھوٹ بات بنائی تھی۔ غرض یہی تھی کہ بہانہ کر کے میدان سے بھاگ جائیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیتے رہے کچھ پروا تکثیر سواد کی نہ کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تین سو نفوس قدسیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی رہ گئے۔

دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا

شہر میں کوئی گھس آئے ان پر اس کے کناروں سے پھر ان سے چاہے دین سے بچلنا تو مان لیں اور دیر نہ کریں اس میں مگر

شہر میں کوئی پیٹھ آئے کناروں سے، پھر ان سے چاہے دین سے بچلنا، تو لے لیں، اور ڈھیل نہ کریں اس میں مگر

يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

تھوڑی ف۱ اور اقرار کرچکے تھے اللہ سے پہلے کہ نہ پھیریں گے پیٹھ اور اللہ کے قرار کی

تھوڑی۔ اور اقرار کرچکے تھے اللہ سے آگے کہ نہ پھیریں گے پیٹھ۔ اور اللہ کے اقرار کی

مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا

پوچھ ہوتی ہے ف۲ تو کہہ کچھ کام نہ آئے گا تمہارے یہ بھاگنا اگر بھاگو گے مرنے سے یا مارے جانے سے اور پھر بھی چل

پوچھ ہونی ہے۔ تو کہہ، کام نہ آئے گا تم کو بھاگنا، اگر بھاگو گے مرنے سے یا مارے جانے سے اور پھر بھی چل

تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ

نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں ف۳ تو کہہ کون ہے کہ تم کو بچائے اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی یا چاہے

نہ پاؤ گے، مگر تھوڑے دنوں۔ تو کہہ، کون ہے کہ تم کو بچائے اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی یا چاہے

بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ

تم پر مہربانی ف۴ اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار ف۵ اللہ کو معلوم ہیں

تم پر مہر۔ اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمائی نہ مددگار۔ اللہ کو معلوم ہیں

ف۱ یعنی جھوٹے حیلے بنا رہے ہیں۔ اگر فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم ادھر ادھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ دین اسلام چھوڑ دو۔ جسے بظاہر یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں، یا کہے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنے فساد برپا کرو۔ اس وقت ان کا جھوٹ صاف کھل جائے، فوراً ان مطالبات کی تائید میں نکل پڑیں۔ نہ گھروں کے کھلے ہونے کا عذر کریں نہ لٹنے کا۔ بس بات چیت کرنے اور ہتھیار اٹھا کر لانے میں جو تھوڑی دیر لگے گی اسے مستثنیٰ کرکے ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ اسلام کے ظاہری دعوے سے دست بردار ہو کر فوراً فتنہ وفساد کی آگ میں کود پڑیں۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "جنگ احد کے بعد انہوں نے اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہ کریں گے۔" اس کی پوچھ اللہ کی طرف سے ہوگی کہ وہ قول وقرار کہاں گیا۔

ف۳ یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو میدان سے بھاگنا بے سود ہے۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہی ہوگیا تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔

ف۴ یعنی اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اسی کی مرضی کا طلب گار رہے۔ ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف ہٹ نہ سکے۔

ف۵ یعنی عرب کی مخالفت سے ڈرتے ہو، اگر اللہ حکم دے تو مسلمان اب تم کو قتل کر ڈالیں۔

الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآىِٕلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا

جو اٹکانے والے ہیں تم میں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں نہیں آتے مگر

جو اٹکاتے ہیں تم میں، اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو، چلے آؤ ہمارے پاس۔ اور لڑائی میں نہیں آتے مگر

قَلِیْلًا ⑱ اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ ۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ

کبھی ف۱ دریغ رکھتے ہیں تم سے ف۲ پھر جب آئے ڈر کا وقت تو تو دیکھے ان کو کہ تکتے ہیں تیری طرف پھرتی ہیں آنکھیں ان کی

کبھی۔ دریغ رکھتے ہیں تمہاری طرف سے، پھر جب آئے ڈر کا وقت، تو تو دیکھے تکتے ہیں تیری طرف، ڈگراتی ہیں آنکھیں ان کی،

كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً

جیسے کسی پر آئے بیہوشی موت کی پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈھکے پڑتے ہیں

جیسے کسی پر آئے بیہوشی موت کی، پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت، چڑھ چڑھ کر بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے، ڈھکے پڑتے ہیں

عَلَى الْخَیْرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ⑲

مال پر ف۳ وہ لوگ یقین نہیں لائے پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے ان کے کیے کام اور یہ ہے اللہ پر آسان ف۴

مال پر، وہ لوگ یقین نہیں لائے، پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے ان کے کئے۔ اور یہ ہے اللہ پر آسان۔

یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی

سمجھتے ہیں کہ فوجیں کفار کی نہیں پھر گئیں اور اگر آجائیں وہ فوجیں تو آرزو کریں کسی طرح ہم باہر نکلے ہوئے ہوں

جانتے ہیں، فوجیں نہیں گئیں۔ اور اگر آجائیں فوجیں تو آرزو کریں، کسی طرح باہر گئے ہوں

الْاَعْرَابِ یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِیْلًا ⑳ لَقَدْ كَانَ

گاؤں میں پوچھ لیا کریں تمہاری خبریں ف۵ اور اگر ہوں تم میں لڑائی نہ کریں مگر بہت تھوڑی ف۶ تمہارے لیے بھلی تھی

گاؤں میں، پوچھا کریں تمہاری خبریں۔ اور اگر ہوں تم میں لڑائی نہ کریں مگر تھوڑے۔ تم کو بھلی تھی

ف۱ یعنی ظاہری وضع داری اور دکھاوے کو شرما شرمی کبھی میدان میں آ کھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے عیش اڑاتے اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں جہاد میں آنے سے روکتے رہتے ہیں۔

ف۲ یعنی مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں اور ہر قسم کی ہمدردی و بہی خواہی سے بخل ہے۔ ہاں غنیمت کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہم ہی سمیٹ کر لے جائیں۔ اسی احتمال پر لڑائی میں قدرے شرکت بھی کر لیتے ہیں۔

ف۳ یعنی آڑے وقت رفاقت سے جی چراتے ہیں، ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور فتح کے بعد آ کر باتیں بناتے اور سب سے زیادہ مردانگی جتاتے ہیں اور مال غنیمت پر مارے حرص کے گرے پڑتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق طعن و تشنیع سے زبان درازی کرتے ہیں۔

ف۴ یعنی جب اللہ و رسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" جہاں حبط اعمال کا ذکر ہے تو فرمایا کہ یہ اللہ پر آسان ہے۔ یعنی بظاہر اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے اور یہ بات بھاری معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی کی محنت کو ضائع کر دے۔ لیکن اس لئے بھاری نہیں رہتی کہ خود عمل ہی کے اندر ایسی خرابی چھپی ہوتی ہے جو کسی طرح اس کو درست نہیں ہونے دیتی۔ جیسے بے ایمان کا عمل کہ ایمان شرط اور روح ہے ہر عمل کی۔ =

لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ

سیکھنی رسول اللہ کی چال اس کے لیے جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو

سیکھنی رسول کی چال، جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو

كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ

بہت سا ف۱ اور جب دیکھیں مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو

بہت سا۔ اور جب دیکھیں مسلمانوں نے فوجیں، بولے، یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا

اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور رسول نے اور ان کو اور بڑھ گیا یقین اور اطاعت کرنا ف۲ ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ

اللہ نے اور اس کے رسول نے، اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے، اور ان کو اور بڑھا یقین اور اطاعت کرنا۔ ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ

عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا

کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے پھر کوئی تو ان میں پورا چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں

کر دکھایا جس پر قول کیا تھا اللہ سے۔ پھر کوئی ہے ان میں کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ، اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھتا۔ اور بدلہ نہیں

تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ

ایک ذرہ ف۳ تاکہ بدلے دے اللہ سچوں کو ان کے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں پر اگر چاہے یا توبہ ڈالے

ایک ذرہ۔ تا بدلہ دے اللہ سچوں کو ان کے سچ کا، اور عذاب کرے منافقوں کو اگر چاہے، یا توبہ ڈالے

= بدون اس کے عمل مردہ ہے پھر قبول کس طرح ہو۔ کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔

ف۵ یعنی کفار کی فوجیں ناکام یاب واپس جا چکیں لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا۔ اور فرض کیجئے کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کر دیں تو ان کی تمنا یہ ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں جب تک لڑائی رہے کسی گاؤں میں رہنے لگیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ لڑائی کا نقشہ کیسا ہے۔

ف۶ یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتائیں اور لڑائی میں زیادہ کام نہ دیں۔ محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔

ف۱ یعنی پیغمبر کو دیکھو، ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر ان ہی پر ہے۔ مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جنبش کھا جائے۔ جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہیے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں ان کی چال سیکھیں۔

ف۲ یعنی پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے ان کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور ان کا یقین اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر اور زیادہ بڑھ گیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق ان کا وعدہ ہو چکا تھا جیسا کہ سورۃ بقرہ میں فرمایا۔ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۤءُ وَالضَّرَّاۤءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ اور سورۃ ص میں جو مکیہ ہے فرمایا تھا۔ ﴿جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ﴾

ف۳ یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا پچھلے رکوع میں گزر چکا۔ ﴿وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ﴾ اسے توڑ کر بے حیائی کے ساتھ =

عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۚ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِغَيۡظِهِمۡ لَمۡ يَنَالُوۡا

ان کے دل پر بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۱ اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ

ان کے دل پر، بیشک اللہ ہے بخشتا مہربان۔ اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو، اپنے غصہ میں بھرے، ہاتھ نہ لگی کچھ

خَيۡرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الۡقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيۡزًا ۚ﴿۲۵﴾ وَاَنۡزَلَ الَّذِيۡنَ

بھلائی ف۲ اور اپنے اوپر لے لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ زور آور زبردست ف۳ اور اتار دیا ان کو

بھلائی۔ اور آپ اٹھا لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی۔ اور ہے اللہ زورآور زبردست۔ اور اتار دیا ان کو

ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ وَقَذَفَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِيۡقًا

جو ان کے پشت پناہ ہوئے تھے اہل کتاب سے ان کے قلعوں سے اور ڈال دی ان کے دلوں میں دھاک کتنوں کو تم

جو ان کے رفیق ہوئے تھے کتاب والے، ان کی گڑھیوں سے، اور ڈالی ان کے دل میں دھاک، کتنوں کو تم

تَقۡتُلُوۡنَ وَتَاۡسِرُوۡنَ فَرِيۡقًا ۚ﴿۲۶﴾ وَاَوۡرَثَكُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَدِيَارَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ وَاَرۡضًا لَّمۡ

جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو قید کرلیا ف۴ اور تم کو دلائی ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال اور ایک زمین کہ

جان سے مارنے لگے، اور کتنوں کو بندی کیا۔ اور تم کو ملائی ان کی زمین، اور ان کے گھر، اور ان کے مال، اور ایک زمین

=میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ ان کے برعکس کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی جیسے شہدائے بدر و احد جن میں سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے اور بہت سے مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہرحال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے، اور جو مشتاق شہادت ہیں) اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔

فائدہ: حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا ھٰذا ممن قضٰی نحبہ (یہ ان میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا ان کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتی کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ف۱ یعنی جو عہد کے پکے اور قول و قرار کے سچے رہے ان کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور بدعہد دغاباز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف فرما دے۔ اس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں۔

ف۲ یعنی کفار کا لشکر ذلت و ناکامی سے پیچ و تاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا، نہ فتح ملی نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبدود جیسا ان کا نامور سوار جسے لوگ ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے کھیت رہا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار لے کر اس کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تم لے جاؤ، ہم مردوں کا ثمن کھانے والے نہیں۔

ف۳ یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کر دیا کہ کفار از خود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے۔ اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔

ف۴ یہ یہود "بنی قریظہ" ہیں۔ مدینہ کے شرقی جانب ان کا مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ جنگ احزاب کے موقع پر حیی ابن اخطب کے اغواء سے تمام معاہدات بالائے طاق رکھ کر مشرکین کی مدد پر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر بزدلانہ حملہ کرنا چاہا جس کا جواب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بہادری سے دیا۔ جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہو کر چلے گئے تو "بنو قریظہ" اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم=

تَطَـُٔوۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ﴿۲۷﴾

ع ۱۹

جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم، اور ہے اللہ سب کچھ کر سکتا ف ا

جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم، اور ہے اللہ سب چیز کر سکتا۔

ذکر قصہ غزوۂ احزاب وغزوۂ بنی قریظہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا﴾

ربط: ...... اس قصہ کے ذکر کرنے سے منافقین اور مخالفین کی ایذا رسانیوں اور دل خراش زبان درازیوں کا جواب دینا مقصود ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کس درجہ اللہ کے محبوب ہیں اور منصور اور موید من اللہ ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے رسول کی اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں کس طرح مدد فرماتے ہیں اس غزوہ میں جو واقعات پیش آئے اس سے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت بھی ثابت ہوئی اور منافقین اور مخلصین کا امتیاز ظاہر ہوا منافقین جو کاذبین کا گروہ تھا ان کا کذب اور نفاق ظاہر ہوا اور آپ ﷺ کے محبین [1] صادقین کی صداقت اور استقامت ظاہر ہوئی اور خبیث اور طیب کی تمیز قرآن کریم کے اعظم مقاصد میں سے ہے۔

نیز اس غزوہ میں جو واقعات پیش آئے ان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا دور کوع تک یہی مضمون چلا گیا ہے جو قصہ ان آیات میں مذکور ہے وہ اللہ کی عجیب وغریب نعمتوں اور کرامتوں پر مشتمل ہے ان دونوں غزووں میں اللہ تعالیٰ نے غیبی طور پر آپ ﷺ کو کامیابی عطا فرمائی جس سے آپ ﷺ کی اور مسلمانوں کی پریشانی دور

= جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار اتار دیے حالانکہ فرشتے ہنوز ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ "بنو قریظہ" پر حملہ کیا جائے۔ فوراً منادی ہو گئی کہ "بنو قریظہ" کے بدعہد یہودیوں پر چڑھائی ہے۔ نہایت سرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین تاب نہ لا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کیے۔ اخیر میں ان کی طرف سے بات اس پر ٹھہری کہ ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں اور "اوس" کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو حکم ٹھہراتے ہیں (کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے) جو فیصلہ ہمارے حق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کر دیں گے ہم کو منظور ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول فرما لیا۔ قصہ مختصر سعد رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلم حکم کے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کر دیے جائیں اور عورتیں لڑکے سب قید غلامی میں لائے جائیں اور ان کے اموال و جائیداد کے مالک مہاجرین ہوں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور ان کی بدعہدی کی سزا یہی تھی۔ اور یہ فیصلہ ٹھیک ان کی مسلمہ آسمانی کتاب "تورات" کے موافق تھا۔ چنانچہ تورات کتاب استثناء اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے "جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔" اس فیصلہ کے مطابق کئی سو یہودی جوان قتل کئے گئے اور کئی سو عورتیں لڑکے قید ہوئے اور ان کے املاک واموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔

ف ا یہ زمین جو مدینہ کے قریب ہاتھ لگی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ ان کے گزران کا ٹھکانا ہو گیا اور انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور دوسری زمین سے مراد خیبر کی زمین ہے جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی اس سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب رضی اللہ عنہم آسودہ ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک جو زمینیں فتح کی جائیں سب اس میں شامل ہیں واللہ اعلم۔

[1] اس لفظ سے گزشتہ آیت ﴿لِیَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِیۡنَ عَنۡ صِدۡقِهِمۡ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

فرمائی اور احزاب کثیرہ جو مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے خدا تعالیٰ نے اپنے قہر سے بغیر قتال کے سب کو بھگا دیا اور گزشتہ سورت کے اخیر میں کافروں کا قول نقل کیا تھا ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ اس کا جواب ہو گیا اور اس فتح میں جن معجزات بدیعہ کا ظہور ہوا وہ کتب حدیث میں مفصل مذکور ہیں۔

اس غزوہ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال جب یہود بنی نضیر، مدینہ سے نکالے گئے (جن کا ذکر سورۃ حشر میں آئے گا) تو یہ لوگ خیبر میں چلے گئے اور خیبر اس وقت یہود سے بھرا ہوا تھا اور وہاں ان کے بڑے قلعے اور باغات اور عمارتیں تھیں جس کو آنحضرت ﷺ نے سنہ سات ہجری میں فتح کیا ان لوگوں نے قبائل عرب میں پھر کر مشرکین کو مدینہ پر چڑھائی کے لئے آمادہ کیا تا کہ جب سب متحدہ قوت اور طاقت سے مدینہ پر حملہ کریں گے تو ضرور کامیاب ہوں گے اور مسلمانوں کا یکلخت خاتمہ ہو جائے گا اور یہود مدینہ نے بھی باوجود آپ ﷺ سے معاہدہ کے یہود بنی نضیر کا ساتھ دیا ان سب یہودیوں نے قریش کو اور دیگر قبائل عرب کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسایا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یہاں تک کہ اس مدعی نبوت کا قضیہ پاک ہو جائے چنانچہ بنی نضیر اور دیگر سرداران یہود کے بہکانے سے قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب بسرداری ابوسفیان بن حرب تقریباً دس بارہ ہزار کی تعداد میں لشکر جرار لے کر اچانک مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا مسلمانوں نے جب اس کثیر تعداد فوج کو دیکھا تو پریشان ہوئے یہود بنی قریظہ جن کا ایک قلعہ مدینہ منورہ کے شرقی جانب میں تھا وہ پہلے سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے بنو نضیر کی ترغیب وتر یب سے بنی قریظہ نے اپنے سابق معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا اور حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔
منافقین اس حالت کو دیکھ کر طرح طرح کی بولیاں بولنے لگے اور کہنے لگے کہ نبی ﷺ جو یہ کہتے تھے کہ اللہ نے ان سے فتح اور نصرت کا وعدہ کیا تھا اور ہم کو کہتے تھے کہ فتح کا انتظار کرو کما قال تعالیٰ ﴿وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ﴾ وہ جھوٹا ہوتا نظر آتا ہے اب مشرکین عرب، مدینہ کو فتح کر کے ہم کو پامال کریں گے اور جو مخلص ایمان دار تھے اور ایمان میں صادق اور سچے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ اللہ نے جو اپنے رسول سے وعدہ نصرت کیا ہے وہ حق اور صدق ہے یہ ظاہری حالت من جانب اللہ آزمائش ہے تا کہ کھرا اور کھوٹا معلوم ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے بالآخر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے آپ ﷺ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اس لئے یہ غزوہ، غزوۂ خندق کہلایا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب ہم فارس میں محصور ہو جایا کرتے تھے تو اپنے گرداگرد خندق کھود لیا کرتے تھے تا کہ دشمن کے حملہ سے محفوظ ہو جائیں رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔

اور تمام مسلمانوں نے اور خود رسول اللہ ﷺ نے ان کے شریک حال ہو کر خندق کھودی تقریباً ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ رہا دشمنوں کا لشکر دونوں طرف سے مدینہ کو گھیرے ہوئے تھا دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں اور درمیان میں خندقیں حائل تھیں درمیان میں خندق حائل ہونے کی وجہ سے کھل کر حملہ نہ ہو سکا اور باضابطہ قتل و قتال کی نوبت نہیں آئی سے تیر اندازی ہوتی رہتی تھی اور کبھی قریب سے بھی دو دو چار چار آدمیوں کا مقابلہ ہو جاتا تھا مسلمان سخت ابتلاء میں تھے کہ

دشمن ہر طرف سے چھایا ہوا تھا بیس پچیس روز تک یہی کیفیت رہی اور بنی قریظہ جن کا آنحضرت ﷺ سے عہد و پیمان تھا وہ آپ ﷺ سے کنارہ کش ہو کر اپنے قلعہ میں محفوظ ہو گئے اور قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔

بالآخر حسب وعدہ الٰہی غیبی مدد پہنچی اور خدا نے رات کے وقت ایسی شدت کی آندھی بھیجی کہ کافروں کے تمام ڈیرے اکھڑ گئے اور ریت اور سنگریزے اڑ اڑ کر کافروں کے منہ پر لگنے لگے اور ان کے تمام چولہے بجھ گئے سواروں اور گھوڑوں کے بھی پیر اکھڑ گئے اور لشکر میں بھگدڑ پڑ گئی اور ہر طرف سے یہ آواز آنے لگی اٹھو اور چلو سردی اور ٹھنڈی اور تیز ہوا اور رات کی تاریکی کی وجہ سے ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور بدحواس ہو کر کہنے لگے کہ واللہ، محمد ﷺ نے تم پر جادو کر دیا ہے بالآخر ابوسفیان جس کے ہاتھ میں لشکر کی کمان تھی اس نے کوچ کا طبل بجا دیا جب صبح ہوئی تو وہی مدینہ جو شروع رات میں دشمنوں کے نرغہ میں تھا دشمنوں سے خالی ہو گیا اور جو بڑے دم خم اور دعوؤں سے آئے تھے سب بے نیل مرام واپس گئے اور ذلیل و خوار ہو کر کوچ کر گئے اور اس غیبی مدد سے مسلمانوں کی پریشانی دور ہوئی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تم جو کہتے تھے ﴿مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ صادقین کو اس طرح فتح دیتا ہے اور کاذبین کو ذلیل و خوار کر کے اس طرح بھگاتا ہے اس لئے تذکیر نعمت سے اس قصہ کا آغاز فرماتے ہیں اے ایمان والو! تم اس نازک وقت میں اپنے اوپر اللہ کا انعام یاد کرو کہ اس نے بغیر قتال ہی کے تم کو کافروں پر غلبہ دیا اور کافروں کو باوجود پورے ساز و سامان کے ذلت و خواری کے ساتھ میدان جنگ سے بھگایا اللہ تعالیٰ کا ایسا انعام ایسے ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوں اور اپنے وعدوں پر سچے ہوں اور منافقین کے کہنے پر نہ چلتے ہوں اور صرف اللہ سے ڈرتے ہوں اور اسی کے حکم پر چلتے ہوں جس وقت کہ دشمنوں کے لشکر اور ان کی فوجیں تمہارے سر پر آ پہنچیں قریش مکہ اور غطفان اور کنانہ اور بنو قریظہ اور بنو نضیر یہ تمام جماعتیں متفقہ طور پر تم پر آ چڑھیں تو ہم نے دشمنان اسلام پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے ان کے تمام خیمے اکھاڑ دیئے اور ان کے گھوڑے چھوٹ گئے اور آگیں بجھ گئیں اور مٹی ان کے منہ میں آ کر لگنے لگی اور کافروں کی فوجیں گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئیں اور وہ آندھی [1] باوجود اس زور اور شدت باوجود اس زور اور شدت کے ان سے متجاوز نہیں ہوئی صرف کفار کے لشکر تک محدود رہی جیسا کہ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا﴾ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آندھی صرف کافروں پر بھیجی گئی تھی اور مسلمانوں پر نہیں بھیجی گئی تھی اور اہل اسلام کی مدد کے لئے ہم نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا فرشتوں کے لشکروں نے اگرچہ جنگ بدر کی طرح کافروں سے قتال نہیں کیا مگر ان کے دل میں رعب ڈالتے تھے اور لشکر کے اطراف و جوانب میں باآواز بلند اللہ اکبر کہتے تھے۔ دیکھو روح المعانی: ۱۲/ ۱۳۹۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے لشکر میں یکلخت سراسیمگی پھیل گئی اور سراسیمگی اور پریشانی سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر قبیلہ کا سردار اپنے لوگوں سے کہنے لگا چلو چلو بھاگو بھاگو اور بعض بدحواس ہو کر یہ کہنے لگے کہ واللہ، محمد ﷺ نے تم پر جادو کر دیا ہے اب تم یہاں نہیں ٹھہر سکتے لہٰذا کوچ کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا تھا کہ آندھی سے دشمنوں کو

[1] کما فی روایۃ حذیفۃ عند ابن کثیر رحمہ اللہ واذا الریح فی عسکرھم ما تجاوز عسکرھم شبرا الخ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۷۲۔

ہلاک کیا اور اپنے دوستوں اور وفاداروں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محفوظ رکھا لہٰذا اے مسلمانو! تم کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تازہ نعمت کا شکر کرو اور یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا کہ جب وہ احزاب یعنی کافروں کی مختلف جماعتیں ہر طرف سے تم پر چڑھ کر آئیں تمہارے اوپر کی جانب سے بھی اور تمہاری نیچی جانب سے بھی یعنی کوئی قبیلہ مدینہ منورہ کی اونچی جانب سے آیا اور کوئی نیچی جانب سے اور دونوں جانب سے تم کو محاصرہ میں لے لیا ہے اور جب کہ ان کی کثرت اور ہیبت دیکھ کر دہشت کے مارے نظریں خیرہ ہوگئیں اور خوف کے مارے دل حلقوم تک آ گئے اور نکلنے کے قریب ہوگئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے اہل ایمان کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ لشکر اسلام کو ضرور فتح دے گا اور منافقوں کا گمان یہ تھا کہ اب اسلام اور مسلمان ختم ہوئے ایسے ہی شدید وقت میں اہل ایمان کا امتحان کیا گیا تاکہ ثابت قدم اور متزلزل اور صادق اور منافق ایک دوسرے سے ممتاز ہوجائے۔ سو، الحمدللہ مسلمان امتحان میں پورے اترے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہوگیا اور اس موقع پر اہل ایمان خوف اور دہشت کے ساتھ خوب ہلائے گئے اور جھڑ جھڑائے گئے مخلصین ثابت قدم رہے اور ان کا صدق اور اخلاص ظاہر ہوا اور منافقوں کے اور کمزوروں کے قدم اکھڑ گئے اور اس شدت اور دہشت کو دیکھ کر منافقین اور جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا مگر محض دھوکہ اور فریب کے طور پر یعنی یہ کہنا کہ اللہ نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے محض دھوکہ اور فریب ہے اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب اس واقعہ میں منافقین میں سے ایک گروہ نے دوسرے حاضرین معرکہ سے کہا اے اہل یثرب یعنی اے اہل مدینہ یہ تمہارے رہنے اور ٹھہرنے کی جگہ نہیں پس تم اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹ جاؤ یا اپنے سابق آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ یہ قول اوس بن قبطی کا تھا جس میں کچھ اور لوگ بھی اس کے ہم نوا تھے اور ان میں کا ایک فریق اللہ کے نبی ﷺ سے گھر جانے کی اجازت مانگتا تھا یہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر بے پردہ اور غیر محفوظ ہیں حالانکہ ان کے گھر ان کے خیال میں بھی خالی اور غیر محفوظ نہ تھے ان کا ارادہ اور نیت محض لڑائی سے بھاگنے کی تھی اور ان کا اندرونی حال تو یہ ہے کہ اگر مدینہ میں لشکر کفار دفعۃً تمام اطراف اور جوانب سے داخل ہوجائے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں محفوظ ہوں پھر ان سے فتنہ فساد یعنی مسلمانوں سے لڑنے کی درخواست کی جائے تو فوراً اس فتنہ اور فساد میں شرکت کو منظور کریں گے اور نہیں دیر کریں گے مگر بہت تھوڑی یعنی یہ سنتے ہی مسلمانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے تیار ہوجائیں گے اور دیر نہ کریں گے مگر صرف اتنی جتنی کہ سوال و جواب اور ہتھیار لگانے اور گھر سے نکلنے میں دیر لگتی ہے معلوم ہوا کہ ان کا دل اسلام اور مسلمانوں کی عداوت سے بھرا ہوا ہے یہ لوگ مسلمانوں کی فتح و نصرت ہرگز نہیں چاہتے اور البتہ تحقیق ان لوگوں نے اس واقعہ سے قبل جنگ احد میں اللہ سے پختہ اور مضبوط عہد کیا تھا کہ آئندہ ہم کافروں سے جہاد میں پشت نہیں پھیریں گے بتلائیں کہ وہ عہد کہاں گیا اور اللہ کے عہد ضرور باز پرس ہوگی اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے موت کے ڈر سے ایسا کیا تو کہہ دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگنا چاہتے ہو تو یہ بھاگنا تم کو ہرگز نفع نہیں دے گا موت کا وقت مقرر ہے پھر اگر بھاگ کر موت یا قتل سے فی الحال بچ بھی گئے تو نہ فائدہ پہنچائے جاؤ گے مگر تھوڑا زمانہ یعنی بقیہ عمر مقدر اس واسطے کہ آخر فنا ہے اور اگر ان کا گمان یہ ہے کہ ان کے قلعے اور محلات ان کے محافظ اور نگہبان ہیں تو اے نبی آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ بتلاؤ کہ کون ہے جو تم کو اللہ کی گرفت سے

بچائے اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے یعنی وہ قادر مختار اگر تمہارے قتل کا یا شکست اور خواری کا ارادہ کرے تو کوئی قلعہ یا محل اس کو روک نہیں سکتا یا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کسی رحمت اور عنایت کا ارادہ فرمادے تو کون ہے جو اس کو روک دے اور سن لیں کہ نہیں پائیں گے یہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست جو ان کو نفع پہنچائے اور نہ کوئی یار و مددگار جو ان سے ضرر کو دفع کرسکے۔ اثنا کلام میں مسئلہ قضاء وقدر کو ذکر فرمادیا اب آئندہ آیات میں پھر منافقین کے وساوس اور بزدلی کو ذکر کرکے ان کی تشنیع فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو دوسروں کو لڑائی میں جانے سے روکتے ہیں جو اپنے نسبی یا وطنی بھائیوں سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف نہ جاؤ بلکہ ہماری طرف آجاؤ سلامت رہو گے مسلمانوں کی طرف جاکر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور ان کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ نہیں آتے یہ منافق لڑائی میں مگر بہت تھوڑا کبھی کبھی دکھانے اور سنانے کے لئے آجاتے ہیں درآنحالیکہ یہ منافقین تمہاری جانی اور مالی مدد کرنے میں بڑے بخیل ہیں ان کے دل حرص اور طمع سے بھرے ہوئے ہیں کسی وقت اگر لڑائی میں شرکت کرتے ہیں تو اس طمع کی بنا پر شرکت کرتے ہیں کہ مال غنیمت کا ہم کو استحقاق ہوجائے پھر جب بھی خوف کا موقع پیش آئے تو آپ ﷺ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ یہ لوگ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں ان کے گڑھوں میں حیرت اور دہشت سے ایسی چکراتی ہیں جیسے وہ شخص کہ جس پر موت کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی ہو تو اس کے ہوش وحواس جاتے رہتے ہیں اور اس کی نگاہ اوپر کو چڑھ جاتی ہے پھر وہ پلک نہیں مار سکتا اسی طرح لڑائی کے وقت نامردوں کا حال ہوتا ہے کہ خوف کی وجہ سے ان کی آنکھیں اوپر کو چڑھ جاتی ہیں پھر جب وہ خوف چلا جاتا ہے اور ڈر کا وقت نکل جاتا ہے اور امن ہوجاتا ہے تو تیز زبانوں سے تم پر زبان درازی کرتے ہیں درآنحالیکہ مال غنیمت کے بارے میں سخت حریص ہوتے ہیں یعنی فتح کے بعد اپنی بہادری جتلاتے ہیں اور چڑھ چڑھ کے باتیں کرتے ہیں کہ ہماری پشت پناہی سے تم کو فتح حاصل ہوئی لہٰذا مال غنیمت سے ہم کو بھی حصہ دو ان لوگوں کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں پس اللہ نے ان کے اعمال کو ملیامیٹ کردیا اور ان کا جہاد اور ان کا کوئی عمل اللہ کے یہاں مقبول نہیں اور یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے جس کو چاہے توفیق دے اور جس کو چاہے محروم کرے ان آیات میں منافقین کی تیز زبانی کو بیان کیا اب آئندہ آیات میں مزید ان کی بزدلی اور نامردی کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ان کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ احزاب (کفار کی فوجیں) ناکام اور واپس جاچکی ہیں مگر یہ منافقین خوف اور دہشت کے مارے ابھی یہی گمان کئے ہوئے ہیں کہ وہ احزاب یعنی کافروں کی جماعتیں اور ان کی فوجیں واپس نہیں گئیں اور اگر بالفرض کافروں کی یہ فوجیں دوبارہ چڑھ آئیں تو یہ منافقین خوف کے مارے یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم مدینہ میں نہ رہیں بلکہ جنگل میں جاکر بدویوں کی طرح صحرا نشین ہوجائیں اور وہاں بیٹھے بیٹھے تمہاری خبریں پوچھتے رہیں اور بغیر اس کے کہ لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھیں دور بیٹھے بیٹھے ہی آنے جانے والوں سے مسلمانوں کا اور لڑائی کا حال پوچھ لیا کریں کہ کیسا ہے اور وہاں کیا ماجرا گزرا ہے اور اگر اتفاق سے یہ لوگ دیہات میں نہ جائیں بلکہ تمہارے ہی درمیان یعنی مدینہ ہی میں رہیں اور دشمنوں سے مقابلہ ہو تو نہ قتال کریں مگر بہت تھوڑا سا یعنی برائے نام جس سے یہ کہہ سکیں کہ ہم نے بھی شرکت کی۔

اب ان آیات میں منافقین کی بزدلی کو بیان کیا آگے بتلاتے ہیں کہ ہمت اور شجاعت رسول خدا کے اتباع سے حاصل

ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں البتہ تحقیق تمہارے لئے رسول خدا کے اندر عمدہ نمونہ ہے کہ دیکھو رسول خدا ﷺ ان سختیوں اور مصیبتوں میں کیسے ثابت قدم رہے حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور خطرہ آپ ﷺ کو ہی تھا مگر ان سختیوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہے اہل ایمان کو چاہئے کہ آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلیں پس رسول خدا ﷺ ہی کی چال چلنی بہتر ہے اس شخص کے لئے کہ جو اللہ کے ثواب کی امید رکھتا ہو اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور اللہ کو بہت یاد رکھتا ہو یعنی اپنے خدا سے غافل نہ ہو تو ایسے شخص کو چاہئے کہ ہر معاملہ میں حضور پرنور ﷺ کی ذات بابرکات کی پیروی کرے اور شدائد اور مصائب میں صبر اور استقامت سے کام لے تو انشاء اللہ ضرور اس کو کامیابی ہوگی آخر دیکھو کہ آنحضرت ﷺ نے پیغام الٰہی کے پہنچانے میں مشرکین کی ایذاؤں پر کتنا صبر کیا اور پھر ہجرت کی خویش واقارب اور وطن سب کو چھوڑا اور پھر دشمنان خدا سے جہاد کیا اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کیں۔

اب آگے ان منافقین کے مقابلہ میں مومنین مخلصین کے صدق اور اخلاص کا ذکر ہے آنحضرت ﷺ نے اہل اسلام کو یہ خبر دی تھی کہ احزاب یعنی کفار کے لشکر تم پر چڑھ کر آئیں گے جس سے تم پر کام سخت ہو جائے گا لیکن بالآخر تم ہی ان پر فتح پاؤ گے چنانچہ فرماتے ہیں اور جب مومنین مخلصین نے احزاب یعنی کفار کے لشکروں کو آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی شے ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اور ان احزاب کے دیکھنے سے ان کے ایمان اور تسلیم میں اور ترقی ہوگئی یعنی ان کا یقین بڑھ گیا اور فرماں برداری اور جاں نثاری اور زیادہ ہوگئی اور کہنے لگے کہ یہ تو وہی بات ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے رسول نے پہلے ہی سے خبر دے دی تھی آج ہم نے اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا یہ حال دیکھ کر ان کا ایمان استدلالی ایمان شہودی اور عیانی بن گیا یہ تو عام مومنین مخلصین کا حال تھا اب آئندہ آیت میں بعض خاص الخاص مومنین صادقین کا حال ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں من جملہ ان مومنین مخلصین سے کچھ ایسے مردان خدا بھی ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا اس بات کو جس کا انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا جیسے انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جو اتفاق سے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے تو ان کو اس کا بہت افسوس ہوا کہ میں پہلے غزوہ میں لڑائی سے غائب رہا اور کہنے لگے کہ اگر خدا تعالیٰ نے پھر کافروں سے جہاد کا موقع دیا تو خدا دیکھ لے گا کہ میں اس کی راہ میں کیا کرتا ہوں پھر ان معاندین کی دو قسمیں ہوگئیں بعضے تو وہ ہیں کہ جو اپنی نذر کو پوری کر چکے اور خدا کی راہ میں ایسی جاں بازی اور سرفروشی دکھلا کر شہید ہوگئے جیسے انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ یہ لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے عہد کی وفا کی اور اپنی نذر سے فارغ ہوئے اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ جو وقت کے منتظر ہیں جیسے عثمان رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کہ ابھی شہید نہیں ہوئے مگر شہادت کے مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرہ برابر اپنا عہد بدلا نہیں اپنے عہد پر قائم ہیں اپنی بات سے پھرے نہیں ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہ توڑا اور نہ بدلا اہل صدق اور اہل وفا کا یہی حال ہوتا ہے بخلاف منافقین کے کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے جیسا کہ منافقین کے بیان میں گزر چکا ہے ﴿وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ﴾۔

اب آئندہ آیت میں اس غزوہ کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوہ من جانب اللہ ابتلاء اور امتحان تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ محبین صادقین کو ان کے صدق اور اخلاص کی جزا دے اور منافقوں اور جھوٹوں کو عذاب دے اگر چاہے کہ وہ نفاق پر مریں یا اس کو توبہ کی توفیق دے اگر چاہے کہ ان کی مغفرت کرے یہ سب لوگ اللہ کی زیر مشیت ہیں

بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے کہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق عطا کر کے اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔

اب آگے اس غزوہ کے انجام اور آخرت حالت کو بیان کرتے ہیں اور اس لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ بیس پچیس روز بعد ان تمام کافر جماعتوں کو جو مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے غیظ سمیت بے نیل مرام واپس کر دیا یعنی جس طرح غصہ میں بھرے ہوئے آئے تھے اسی طرح غصہ میں بھرے ہوئے ناکام واپس ہوا اور دل کی بھڑاس نہ نکال سکے اور کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکے اور اللہ تعالیٰ نے بادصبا اور فرشتوں کے ذریعہ اہل ایمان سے لڑائی کی کفایت فرمائی کہ بغیر لڑائی کے مسلمانوں کو فتح اور نصرت عطا کی اور بلا جنگ وجدال کے دشمنوں کو ان کے بلاد سے نکال باہر کیا اور اس آیت ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ میں اشارہ اس طرف کہ اب مسلمانوں اور قریش کے درمیان لڑائی ختم ہوئی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ احزاب کی واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا الان نغزوهم ولا يغزوننا (بخاری) اب ہم مشرکین عرب پر چڑھ کر جائیں گے اور ان پر حملہ آور ہوں گے اب آئندہ ان میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں رہی کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ ان پر چڑھ کر گئے اور مکہ فتح کیا اور اس طرح کافروں کی جماعتوں کو ہٹا دینے اور بھگا دینے کو عجیب نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ زورآور زبردست ہے اسے یہ کام کوئی دشوار نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حول اور قوت سے ان کو اس طرح غائب و خاسر پھیر دیا۔

ذکر غزوۂ بنی قریظہ

یہاں تک احزاب مشرکین کا حال بیان ہوا اب آئندہ آیات میں دشمنان اسلام کے دوسرے گروہ یعنی یہود بنی قریظہ کا حال بیان کرتے ہیں جس کا مختصر حال یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ، مدینہ کے قریب آباد تھے اور ان کا ایک مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے جنگ احزاب کے موقعہ پر جب مشرکین عرب کے مختلف قبائل مدینہ پر چڑھ کر آئے تو یہود بنی قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی اور احزاب کی معاونت کی اور ان کی ساتھ مل گئے جب اللہ تعالیٰ نے بادصبا اور فرشتوں سے اہل اسلام کی مدد کی اور احزاب کفار سراسیمہ ہو کر بھاگ گئے تو یہود بنی قریظہ جو احزاب کی مدد کر رہے تھے وہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے ان کے بارے میں اللہ کا حکم نازل ہوا کہ احزاب کے چلے جانے کے بعد ان کا محاصرہ کیا جائے آنحضرت ﷺ جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے اور ان کے چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیئے اور فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے اللہ کا حکم ہے کہ آپ ﷺ بنی قریظہ پر حملہ کریں اور مجھ کو یہ حکم ہے کہ میں جا کر ان کو متزلزل کروں اور ان کے دلوں میں رعب ڈالوں۔ حضور پر نور ﷺ کی طرف سے فوراً منادی ہوگئی اسلامی لشکر نے پہنچ کر ان بدعہدوں کے قلعہ کا محاصرہ کیا چوبیس یا پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا جب محاصرہ کی تاب نہ لا سکے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کئے آخر میں بات یہ ٹھہری کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (جو جاہلیت میں ان کے حلیف تھے) ہمارے حق میں جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مرد قتل کئے جائیں اور زن وفرزند کنیز و

غلام بنائے جائیں اوران کے اموال اور جائیداد کے مسلمان مالک بنا دیئے جائیں اور کہا کہ وقت آ گیا ہے کہ میں اللہ کے حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کروں یہاں تک احزاب کفار کا حال اور مآل بیان کیا جو بالذات مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس کے بعد بنی قریظہ کا حال بیان کرتے ہیں کہ جو حملہ آوروں کے معین اور مددگار بنے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جن اہل کتاب نے احزاب کی مدد کی اوران کی پشت پناہ بنے اور مسلمانوں سے جو عہد کیا تھا اس کو توڑا پچیس دن کے محاصرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتارا اور ان کے دلوں میں پیغمبر خدا اور لشکر اسلام کا خوف ڈال دیا باوجودیکہ ان کے لڑنے والے جوان آٹھ سو اور نو سو کے درمیان ہر طرح سے مسلح تھے مگر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے بعد جب ان کی مشکیں باندھی گئیں اوران کی گردن زدنی کے کے لئے کھائیاں اور گڑھے کھودے گئے تو اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب بھر دیا کہ سرکشی کی مجال نہ ہوئی حالانکہ یہ مسلح جماعت ایک بڑا لشکر تھا لیکن رعب کی وجہ سے اپنے آپ کو اہل ایمان کے سپرد کرتے تھے پس اے مسلمانو! اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ تم ان میں سے ایک فریق کو قتل کرتے تھے اور ایک فریق کو قید کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان غداروں کی زمین کا اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا جس طرح چاہو ان میں تصرف کرو چنانچہ ان میں کے سات سو جوان قتل کئے گئے اور بچے اور عورتیں قید کر کے غلام بنا لئے گئے اور ان کے کھیت اور باغات اور زمینیں اور قلعے سب مسلمانوں پر تقسیم کر دیئے گئے جس سے مسلمان آسودہ حال ہو گئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں تم کو ایسی زمین کا وارث بنا رکھا ہے جس کو تمہارے قدموں نے ابھی نہیں روندا ہے اس سے آئندہ فتوحات کی طرف اشارہ ہے کہ سرزمین قریظہ کے بعد اور زمینیں بھی فتح ہوں گی بعض سلف کے نزدیک اس دوسری زمین سے خیبر کی زمین مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فارس اور روم کی زمین مراد ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو صدق اور اخلاص کے صلہ میں روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ دوسری جگہ صراحۃً اس کا ذکر ہے ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ مفصل تفسیر سورۃ نور میں گذر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا وہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنے بے سروسامان محبین باوفا کو اپنے دشمنوں کی زمین کا وارث بنا دے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ

اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی اور یہاں کی رونق تو آؤ

اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو، اگر تم ہو چاہتیاں دنیا کا جینا اور یہاں کی رونق، تو آؤ

اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ

کچھ فائدہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کر دوں بھلی طرح سے رخصت کرنا اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھلے

کچھ فائدہ دوں تم کو اور رخصت کروں بھلی طرح سے۔ اور اگر تم ہو چاہتیاں اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھلے

الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ

گھر کو تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے ان کے لیے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب ف۱ اے نبی کی عورتوں جو کوئی کر لائے تم میں کام

گھر کو، تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے ان کو جو تم میں نیکی پر ہیں نیگ بڑا۔ اے نبی کی عورتو! جو کوئی کر لائے تم میں کام

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

بے حیائی کا صریح دونا ہو اس کو عذاب دوہرا اور ہے یہ اللہ پر آسان ف۲

بے حیائی کا صریح، دونی ہو اس کو مار دوہری۔ اور ہے یہ اللہ پر آسان۔

خطاب نصیحت مآب در بارہ مطالبۂ ازواج مطہرات

از زینت دنیا کہ ایں ہم نوع از ایذاء بود

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ... الی ... وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں ایذاء رسول ﷺ کی ممانعت اور مذمت کا ذکر تھا اور منافقوں کی ایذاؤں اور مطاعن کا ذکر اور جواب تھا اب آئندہ آیات میں ازواج مطہرات کی طرف سے جو ایک غیر اختیاری طور پر آنحضرت ﷺ کو ایک قسم کی ایذاء اور تکلیف پہنچی اس کا ذکر فرماتے ہیں جو اس سورت کے اعظم مقاصد میں سے ہے اور وہ تکلیف یہ تھی کہ ازواج مطہرات نے کچھ مزید نان ونفقہ کا مطالبہ کیا سو یہ مطالبہ بھی ایک قسم کی ایذاء تھا اگرچہ ارادہ ایذاء کا نہ تھا مگر بہر حال آپ ﷺ کی ناخوشی اور

ف۱ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں۔ ان میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش وترفہ کی زندگی بسر کر سکیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں شاق گزریں۔ قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالا خانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مضطرب تھے۔ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے۔ انھیں زیادہ فکر اپنی اپنی صاجزادیوں (عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما) کی تھی کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منشرح ہوئے ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اتری۔ یعنی اپنی ازواج سے صاف صاف کہہ دو کہ دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دو کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر (یعنی کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا) تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں (یعنی شرعی طریقہ سے طلاق دے دوں) اور اگر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اس کی کمی نہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی اللہ کے یہاں اس کے لئے بہت بڑا اجر تیار ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ رہیں۔ نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اول عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم سنایا۔ انہوں نے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اختیار کی پھر سب ازواج رضی اللہ عنھن نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کے عیش وعشرت کا تصور دلوں سے نکال ڈالا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رضی اللہ عنھن سب نیک ہی رہیں۔ الطیبات للطیبین۔ مگر حق تعالیٰ قرآن میں صاف خوش خبری کسی کو نہیں دیتا تاکہ نڈر نہ ہو جائے۔ خاتمہ کا ڈر لگا رہے یہی بہتر ہے۔ آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہے چاہیے کہ ان کی اخلاقی اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے کیونکہ علاوہ ان کی ذاتی بزرگی کے وہ امہات المومنین ہیں۔ مائیں اپنی اولاد کی بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لازم ہے کہ ان کے اعمال واخلاق امت کے لئے اسوۂ حسنہ بنیں۔

ف۲ بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے۔ اگر بالفرض تم میں کسی سے کوئی بداخلاقی کا کام ہو جائے تو جو سزا اوروں کو اس پر ملتی ہے اس سے دگنی سزا ملے گی۔ اور اللہ پر آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو روک نہیں سکتی۔

ناگواری کا باعث بنا اور یہ مطالبہ اگرچہ حقیقۃ ایذاء نہ تھا مگر بظاہر من وجہ ایذاء کے مشابہ تھا۔ ماخوذ از تفسیر [1] قرطبی: ۱۴/ ۱۶۲۔

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوہ بنی قریظہ و بنی النضیر کے بعد جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہوگئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اس لئے ازواج مطہرات نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی اور بمقتضائے محبت و ناز، مزید نان ونفقہ اور زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاع دنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی آنحضرت ﷺ کو بات ناگوار گزری ازواج مطہرات نے جو سامان دنیا کا تقاضا کیا اگرچہ وہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا لیکن وہ بمقتضائے بشریت تھا اور ان کا دل آنحضرت ﷺ کی محبت سے لبریز تھا اور ذرہ برابر اس میں آپ ﷺ کی ایذاء کا تصور بھی نہ تھا اور جس دنیاوی زینت کا مطالبہ کیا تھا وہ قدر ضرورت و راحت تھی معاذ اللہ امیرانہ عیش و عشرت نہ تھی مگر آنحضرت ﷺ کو یہ بھی ناگوار گزرا اور قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں فروکش ہوگئے صحابہ ؓ سخت مضطرب تھے خاص کر ابوبکر اور عمر ؓ ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا اور ان کو نصیحت کی کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی مطالبہ نہ کریں پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض معروض کی اور انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ ﷺ کا انقباض رفع ہوا اور آپ ﷺ قدرے منشرح اور منبسط ہوئے۔ دیکھو تفسیر قرطبی [2]: ۱۴/ ۱۶۲۔ ۱۶۳ و تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۸۱ و تفسیر روح المعانی: ۲۱/ ۱۶۲۔

اسی حال میں ایک ماہ گزرا ایک ماہ کے بعد یہ آیت یعنی ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ﴾ سے لے کر ﴿فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجۡرًا عَظِيمٗا﴾ نازل ہوئی جو آیت تخییر کے نام سے موسوم اور معروف ہے اسی آیت میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرلیں اگر دنیا کی زیب و زینت مرغوب ہے تو آپ ﷺ صاف طور پر کہہ دیجئے کہ میرا تمہارے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا آؤ میں تم کو کپڑا جوڑا دے کر (جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے) خوب صورتی سے رخصت کردوں اور اگر تم کو دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کی معیت اور فقر و فاقہ کی زندگی محبوب ہے تو ایسی

[1] قال الامام القرطبی قال علماءنا هذه الایة متصلة بمعنی ماتقدم من المنع من ایذاء النبی صلی الله علیه وسلم وکان قد تاذی ببعض الزوجات قیل سالنه شیئا من عرض الدنیا وقیل زیادة فی النفقة وقیل اذینه بغیرة بعضهن علی بعض۔ تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۶۲۔

[2] قال الامام القرطبی عن جابر بن عبد الله قال دخل ابوبکر یستاذن علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فوجد الناس جلوسا ببابه لم یوذن لاحد منهم قال فاذن لابی بکر فدخل ثم جاء عمر فاستاذن فاذن له فوجد النبی صلی الله علیه وسلم جالسا حوله نساءه واجما ساکتا قال والله لا قولن شیئا اضحك رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله لو رایت بنت خارجة سالتنی النفقة فقمت الیها فوجات عنقها فضحك رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال هن حولی کما تری یسالننی النفقة فقام ابوبکر الی عائشة یجاء عنقها وقال عمر الی حفصة یجاء عنقها کلاهما یقول تسالن رسول الله صلی الله علیه وسلم مالیس عنده فقلن والله لا نسال رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئا ابدا لیس عنده ثم اعتزلهن شهرا او تسعا وعشرین ثم نزلت علیه هذه الایة یایها النبی قل لازواجك حتی بلغ للمحسنات منکن اجرا عظیما۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص: ۱۶۳ و تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۸۱)

وقال الالوسی اخرجه احمد ومسلم والنسائی وابن مردویه عن طریق الی الزبیر عن جابر قال اقبل ابوبکر رضی الله عنه والناس ببابه جلوس فلم یؤذن له ثم اذن لابی بکر وعمر رضی الله عنه الی اخره روح المعانی: ۲۱/ ۱۶۲۔

صورت میں تم رسول کے ساتھ رہ سکتی ہو اور تم میں سے جو اس کے لئے تیار ہو اس کے لئے اللہ کے یہاں بڑا اجر عظیم تیار ہے۔

مقصود یہ تھا کہ جو عورتیں نبی کی زوجیت میں ہیں ان کا دل دنیاوی زینت کی طرف توجہ اور التفات سے پاک ہو جائے نبی کا جوڑا وہی عورت ہو سکتی ہے جس کا دل دنیائے فانی کی محبت اور رغبت سے پاک ہو دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے اس لئے نبی کے گھر کے مناسب نہیں کہ جس کے دل میں دنیا کی محبت کا کوئی جزلا یتجزی بھی موجود ہو وہ نبی کے ساتھ رہے دنیا کی زینت سے محبت اور اللہ اور اس کے رسول سے بعد کا سبب ہے۔

سورت کے ابتدائی تین رکوع میں منافقین کی ایذاؤں کا ذکر تھا اور ان آیات میں محبین مخلصین کی طرف سے غیر اختیار اور غیر شعوری پیش آمدہ ایذاء اور تکلیف کا ذکر ہے کہ ازواج مطہرات ؓ نے جو زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اگرچہ وہ حد ضرورت اور حد جواز میں تھا لیکن نبی اطہر ﷺ کے خاطر عاطر کے تکدر کا سبب بنا اس لئے ازواج مطہرات ؓ کی فہمائش کے لئے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ نبی کی بیبیوں کے لئے دنیائے حلال کا تصور بھی حلال نہیں دار آخرت کے تصور کو آب طہور اور آب زلال جانیں اور زینت دنیا کے تصور اور خیال سے آب زلال کو مکدر نہ کریں ان آیات کے نازل کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ازواج مطہرات ؓ کا دل زینت دنیا کی محبت سے بالکلیہ پاک اور مبرّ ہو جائے اور فقر و فاقہ کی محبت سے ان کا دل معطر ہو جائے۔

جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ ؓ سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائیں انہوں نے بلا کسی تردد اور تامل کے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا جس سے آپ ﷺ کا ملال جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آ گئی اس کے بعد باقی ازواج ؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی کہا اور سب نے دنیا کی رغبت کا تصور دل سے نکال ڈالا۔

نکتہ:...... دنیا اور آخرت یہ دو سوکنیں ہیں اور ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک سوکن اگر راضی ہوتی ہے تو دوسری سوکن ناراض ہو جاتی ہے ایک دل میں دونوں کی محبت اور رغبت جمع نہیں ہو سکتی ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ اور ایمان جب ہی کامل ہوتا ہے کہ جب دل دنیا کی محبت سے بالکلیہ پاک ہو جائے اور آخرت کی محبت سے لبریز ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ جن عورتوں کو امہات المومنین کا لقب عظیم عطا کیا جا رہا ہے ان کے دل زینت دنیا کی محبت اور رغبت سے بالکل پاک اور صاف ہونے چاہئیں تاکہ وہ علی وجہ الکمال والتمام مومنین کاملین کی امہات اور نبی اطہر ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ کہلا سکیں۔

ف:...... ظاہر یہ ہے کہ یہ قصہ فتح خیبر کے بعد پیش آیا غالباً جس کی وجہ یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کو ایک قسم کی مالی وسعت حاصل ہو گئی چنانچہ حضرت صفیہ ؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں جو فتح خیبر میں آپ ﷺ کو حاصل ہوئی تھیں اور اس کے بعد آیت ﴿وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا﴾ میں فتح خیبر کی طرف اشارہ غایت درجہ لطف اور حسن رکھتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ آپ ﷺ اپنی بیبیوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیاوی زندگی یعنی دنیا کا عیش و آرام اور اس کی آرائش چاہتی ہو جیسے لباس فاخرہ اور زیورات جو اللہ کے نبی کے پاس نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے اپنے نبی کو

دنیائے فانی کی زینت سے دور رکھا ہے ایسی حالت میں تمہارا اللہ کے نبی کے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا تو آؤ میں تم کو کپڑوں کا جوڑا دے دوں جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے اور حسن اسلوب کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں پھر جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کر سکو میں تم کو ترک دنیا کے صبر پر مجبور نہیں کرتا اور اگر تم اللہ کا قرب اور اس کی رضامندی اور دنیا اور آخرت میں اس کے رسول کی معیت اور زوجیت اور دار آخرت کی نعمت اور کرامت چاہو تو یہ جب ہی ممکن ہے کہ رسول خدا کے ساتھ ترک دنیا پر صبر کرو زبان پر کوئی حرف شکوہ اور مطالبہ کا نہ آنے پائے پس تحقیق اللہ تعالیٰ تم میں سے نیک کام کرنے والی عورتوں کے لئے اجر عظیم مہیا فرماتا ہے اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ آخرت میں بھی حضور پرنور ﷺ کی معیت اور مرافقت کی عزت و کرامت حاصل ہوگی نزول آیت کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے سب سے پہلے حضرت عائشہ ؓ کو اللہ کا حکم سنایا انہوں نے سنتے ہی اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا اور ان کے بعد تمام ازواج ؓ نے ایسا ہی کیا اور دل سے دنیا کا خیال ہی نکال دیا اور ہمیشہ کے لئے فقر و فاقہ کو اپنا شعار بنالیا اور اسی حالت میں آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنا قبول کیا اور اس اختیار کے بعد ازواج مطہرات ؓ سب ہی محسنات ہیں جیسا کہ حسب ارشاد باری ﴿الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ﴾ تمام ازواج مطہرات ؓ طیبات ہیں مگر اللہ تعالیٰ صاف خوش خبری کسی کو نہیں دیتا تا کہ نڈر نہ ہو جائیں اور خاتمہ سے ڈرتے رہیں پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج نبی کو محسنہ رہنے کی ترغیب دی تا کہ طاعت الٰہی میں بتمام و کمال کوشاں رہیں جیسا کہ آیت میں ان کو معصیت سے خوف دلایا ہے تا کہ معصیت سے اجتناب میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔

فائدہ:...... ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے جو اجر عظیم کا ارادہ کر رکھا ہے اس کا ظہور اور وقوع تمہارے ارادہ اور نیت پر موقوف ہے کہ اگر تم دل سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ارادہ اور نیت کر لو اور بجائے دنیا کے آخرت کو اپنا مطلوب بنالو تو ہم نے تمہارے لئے بڑی بڑی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔

خطاب تکریم و تشریف بہ ضمن تنبیہ و تخویف

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حضور پرنور ﷺ کے واسطہ سے ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا گیا کہ نبی کی بیبیوں کے لئے مناسب نہیں کہ وہ زینت دنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں اور جو عورتیں اللہ اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو اختیار کریں ان کے لئے اجر عظیم اور درجات عالیہ اور مراتب فائقہ کا وعدہ فرمایا اب آئندہ آیات میں حق جل شانہ خود ازواج مطہرات ؓ سے خطاب فرماتے ہیں اور آئندہ معصیت پر تنبیہ اور تخویف فرماتے ہیں کہ جس قدر مراتب بلند ہوتے ہیں اسی قدر خطر بھی عظیم ہوتا ہے جیسا کہ مکہ معظمہ میں نیکی کا اجر زیادہ ہے اسی قدر بدی کا گناہ بھی زیادہ ہے اس لئے [1] اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات ؓ کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے اور تمام جہان کی عورتوں پر ان کی فضیلت اور خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے یہ آیتیں ان کی کرامت میں نازل فرمائیں اور براہ راست ان کو مخاطب بنایا اور فرمایا اے نبی کی عورتو! تمہارا مقام جہان کی

[1] دیکھو صاوی حاشیہ جلالین: ۳/۲۷۶۔

سب عورتوں سے بڑھ کر ہے اس لئے کہ تم ایسے نبی کی عورتیں ہو جو تمام اولین اور آخرین سے افضل اور اکمل ہے لہٰذا تم میں سے بالفرض اگر کوئی عورت معصیت ظاہرہ اور کھلی بے حیائی کو عمل میں لاوے گی جو رسول کی ایذاء کا خاص طور پر باعث بنے تو اس عورت کو بہ نسبت دوسری عورتوں کے دو چند اور دوہرا عذاب دیا جائے گا کیونکہ نبی کی بیبیوں سے گناہ کا سرزد ہونا بہت ہی برا ہے اور دوہرا گناہ ہے ایک خدا کا گناہ دوسرے نبی کی دل آزاری اور حق صحبت میں کوتاہی۔

فائدہ:...... "فاحشہ مبینہ" کے معنی صریح بدکاری کے ہیں صریح کی قید اس لئے لگائی کہ بعض کام بظاہر برے ہوتے ہیں مگر ان کی برائی صریح اور ظاہر نہیں ہوتی تو ان کے ارتکاب پر یہ سزا نہ ہوگی۔ صریح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں اس کی برائی مذکور نہ ہو اور نہ صریح عقل سے اس کا برا ہونا ثابت ہو اور یہ دوہری سزا دینا اللہ پر بہت آسان ہے تمہاری عزت وکرامت اور نسبت زوجیت اور نساء نبی ہونا اللہ کو سزا دینے سے روک نہیں سکتی بلکہ یہ شرافت اور کرامت مزید سزا کا سبب ہے جیسے عالم بوجہ علم کے معصیت پر دوہری سزا کا مستحق ہے۔

فائدۂ اولی:...... ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہ خطاب بطور شرط ہے جس کے لئے وقوع ضروری نہیں اور شرط کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر تم سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو جو سزا اوروں کو ملتی تم کو اس سے دوگنی سزا ملے گی جس سے مقصود محض تخویف اور تنبیہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیا ہے۔ ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ یعنی اگر بالفرض والتقدیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک سرزد ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال حبط کر لئے جائیں گے اگرچہ پیغمبر خدا سے شرک کا سرزد ہونا محال ہے مقصود دوسروں کو سنانا ہے تاکہ شرک کی قباحت اور شناعت ان پر ظاہر ہو جائے۔

فائدہ دوم:...... ان تمام آیات سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوگی اور یہ عورتیں محسنات اور مخلصات ہیں اور امہات المومنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کرسکتا۔

فائدہ سوم:...... ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن باجماع صحابہ وتابعین دنیا اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وغیرہم نے صحابہ وتابعین کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں باآواز بلند یہ اعلان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں لہٰذا کسی اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کا زوجہ رسول ہونا فقط دنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔

لعنة الله على الكاذبين۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۸ شوال المکرم ۱۳۹۲ یوم چہارشنبہ ظہر اور عصر کے درمیان اکیسویں پارہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی وللہ الحمد اولا واخرا۔

❁❁❁

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا

اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے دیویں ہم اس کو اس کا ثواب دو بار اور رکھی ہے ہم نے اس کے واسطے

اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور کرے کام نیک، دیں ہم اس کو اس کا نیگ دو بار، اور رکھی ہے ہم نے اس کے واسطے

رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ

روزی عزت کی ف۱ اے نبی کی عورتوں تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں ف۲ اگر تم ڈر رکھو سو تم دب کر

روزی عزت کی۔ اے نبی کی عورتو! تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں، اگر تم ڈر رکھو، سو تم دب کر نہ کہو

بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا

بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول ف۳ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور

بات پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے، اور کہو بات معقول۔ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں، اور

تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ

دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں ف۴ اور قائم رکھو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور اطاعت میں رہو اللہ کی

دکھاتی نہ پھرو جیسا دکھانا دستور تھا پہلے وقت نادانی کے۔ اور کھڑی رکھو نماز، اور دیتی رہو زکوٰۃ، اور اطاعت میں رہو اللہ کی

ف۱ یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اس سے دوگنا ملے گا۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" یعنی بڑے درجہ کا لازم ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور برائی کا عذاب دونا" خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾۔

ف۲ یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لیے انتخاب فرمایا اور امہات المومنین بنایا۔ لہٰذا اگر تقویٰ وطہارت کا بہترین نمونہ پیش کرو گی جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔ اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا۔ اور بالفرض کوئی بری حرکت سرزد ہو تو اسی نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی عام مومنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔

ف۳ یعنی اگر تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے (جس کی ضرورت خصوصاً امہات المومنین کو پیش آتی رہتی ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے۔ لیکن پاک باز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہیے کہ حتی المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں بہ تکلف ایسا لب ولہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو اور کسی بد باطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے۔ امہات المومنین کو اس بارے میں اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ احتیاط لازم ہے تاکہ کوئی بیمار اور روگی دل کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ" یہ ایک ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو۔

ف۴ یعنی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بد اخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ امہات المومنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ مؤکد ہوگا جیسا کہ "لستن کاحد من النساء" کے تحت میں گزر چکا۔ باقی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بناء پر بدون زیب وزینت کے مبتذل اور ناقابل اعتناء لباس میں مستتر ہو کر احیانا باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنہ نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بداہتہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہرحال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "حجاب شرعی" میں ہے۔ رہا ستر کا مضمون یعنی عورت کے لیے کن اعضاء کو کن مردوں کے سامنے =

وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

اور اس کے رسول کی فـ۱ اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو اور ستھرا کر دے تم کو

اور اس کے رسول کی۔ اللہ یہی چاہتا ہے، کہ دور کرے تم سے گندی باتیں، اس گھر والو، اور ستھرا کرے تم کو

تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا

ایک ستھرائی سے فـ۲ اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقل مندی کی فـ۳ مقرر اللہ ہے بھید جاننے والا

ایک ستھرائی سے۔ اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی۔ مقرر اللہ ہے بھید جانتا

= کھلا رہنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورۃ نور میں گزر چکا۔

(تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کیے گئے تمام عورتوں کے لیے ہیں۔ ازواج مطہرات علیہن الرضوان کے حق میں چونکہ ان کا تاکد واہتمام زائد تھا اس لیے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب ان کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک "یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ" تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو شقیں ذکر کیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اس کی روک تھام فلا تخضعن بالقول سے تبرج الجاهلية الاولى تک کی گئی۔ دوسری اللہ ورسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے واقمن الصلوٰۃ سے اجرا عظیما تک اس کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ برائی کے مواقع سے بچنا اور نیکی کی طرف سبقت کرنا سب کے لیے ضروری ہے مگر ازواج مطہرات علیہن الرضوان کے لیے سب عورتوں سے زیادہ ضروری ہے۔ ان کی ہر ایک بھلائی برائی وزن میں دوگنی قرار دی گئی۔ اس تقریر کے موافق "فاحشة مبينة" کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آ گئی ہو گی۔

فـ۱ یعنی اوروں سے بڑھ کر ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرب اور امت کے لیے نمونہ ہو۔

فـ۲ یعنی اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک وصاف کر دے اور ان کے رتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز وفائق ہو (جس کی طرف يطهركم کے بعد تطهيرا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے) یہ تطہیر واذہاب رجس اس قسم کی نہیں جو آیت وضو میں ﴿وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾ سے یا "بدر" کے قصہ میں ليطهركم به ويذهب عنكم رجز الشيطان (انفال، رکوع ۲) سے مراد ہے۔ بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ لفظ يريد الله ليذهب الخ فرمانا اور اراد اللہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لیے عصمت ثابت نہیں۔

(تنبیہ) نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لحہ کے لیے اس میں شک وشبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات ان ہی سے ہوئے ہیں اور "بیوت" کی نسبت بھی پہلے وقرن فی بیوتکن میں اور آگے واذكرن مايتلى فى بيوتكن میں ان کی طرف کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ نے فرمایا اتعجبين من امر الله رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت (ہود، رکوع ۷) مطلقہ عورت باوجودیکہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا۔ ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ﴾ حضرت یوسف کے قصہ میں "بیت" کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ بہرحال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً ان ہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہل بیت (گھر والوں) میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں احق کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ، علی، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر "اللهم هولاء اهل بيتى" الخ وغیرہ فرمانا یا حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب گزرتے ہوئے "الصلوٰۃ اهل البيت يريد الله ليذهب عنكم الرجس" الخ سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور ان ہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لیے ان کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فـ۳ یعنی قرآن وسنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں، انہیں سیکھو، یاد کرو، دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں =

ع

خَبِيرًا ﴿۳۴﴾

خبر دار ف

خبر دار۔

فضائل وخصائص ازواج مطہرات

قَالَ تَعَالىٰ: ﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ... الى ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اگر چہ ازواج مطہرات علیہن الرضوان کی تنبیہ اور تادیب کا ذکر تھا لیکن وہ تنبیہ وتادیب بھی ان کے شرف اور امتیاز کو متضمن تھی اس لئے کہ فاحشہ کے ارتکاب پر دوہرے عذاب کی دھمکی بھی ان کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے تھی اور اسی شرف کی وجہ سے خطاب صراحۃً خود ازواج مطہرات علیہن الرضوان کو تھا۔ اب آئندہ آیات میں بھی صراحۃً ازواج مطہرات علیہن الرضوان کو خطاب کر کے ان کے مزید شرف اور امتیاز کو بیان کرتے ہیں تاکہ پہلے سے زیادہ انقیاد اور پرہیزگاری اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور زہد اور قناعت پر اور دنیا سے بیزاری بلکہ دست برداری اور دار آخرت کے اختیار اور اس کی تیاری پر خوب مستحکم ہو جائیں۔ اور ان کے دل دنیا کی حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک اور صاف ہو جائیں اور ان خداداد فضائل وخصائص پر حق تعالیٰ کا شکر بھی کریں۔ اور فخر بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی تمام عورتوں پر شرف اور فضیلت بخشی اور ان سے دوہرے اجر کا وعدہ فرمایا۔ اور ان کی تطہیر اور تزکیہ کا ارادہ فرمایا۔

(نیز) گزشتہ آیات میں جو تخییر کا مضمون تھا ان میں آنحضرت ﷺ کو خطاب تھا کہ آپ ﷺ اپنی بیبیوں سے یہ کہہ دیں کہ تم کو اختیار ہے کہ دنیا کو اختیار کرو یا آخرت کو۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ کی طرف سے خود ازواج مطہرات علیہن الرضوان کو خطاب ہے جو ان کے شرف اور کرامت کی واضح دلیل ہے کہ ازواج مطہرات علیہن الرضوان نے فقر وفاقہ کے ساتھ خدا کے رسول ﷺ کی زوجیت کو اختیار کیا اور دار آخرت کو دار دنیا کے مقابلہ میں ترجیح دی اس لئے حق جل شانہ آئندہ آیات میں ازواج مطہرات علیہن الرضوان کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم نبی کی بیبیاں ہو اور امہات المومنین ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبودیت اور تقویٰ اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں تم کو سب سے آگے ہونا چاہئے اور زمانہ جاہلیت کی بری عادتوں سے تم کو انتہائی دور رہنا چاہے تم طیبات اور مطہرات ہو۔ تمہارے گھروں میں اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور ملائکہ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ تمہارے گھرانے قدسیوں کی بازگشت ہیں طبقہ نسواں میں تم سے زیادہ بزرگ کوئی طبقہ نہیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ ان اپنے گھروں سے قدم باہر نہ نکالو۔ مبادا شیاطین الانس والجن کا کوئی تیر نظر تمہارے لباس تقویٰ وطہارت کو نہ آلگے اور گھر سے باہر نکل کر کسی گندگی اور پلیدی کا کوئی چھینٹا تم کو نہ لگ جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کی عورتو! تم

= رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سر چشمہ ہے۔

ف اس کی آیتوں میں بڑے باریک بھید اور پتے کی باتیں ہیں اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون اس امانت کے اٹھانے کا اہل ہے اس نے اپنے لطف ومہربانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے لیے اور تم کو ان کی زوجیت کے لیے چن لیا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے احوال واستعداد کی خبر رکھتا ہے کوئی کام یوں ہی بے جوڑ نہیں کر سکتا۔

میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور خشوع و خضوع کے ساتھ ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری میں لگی رہے اور نیک کام کرتی رہے تو ہم اس کو اس کے نیک کاموں کا دوہرا اجر دیں گے ایک اجر طاعت اور عمل صالح پر اور ایک اجر رسول ﷺ کی تطییب خاطر پر اور اس کے علاوہ ہم نے اس کے لئے جنت میں عزت کی روزی بطور ذخیرہ تیار کر رکھی ہے ازواج مطہرات چونکہ دنیا میں رزق دنیوی سے دستبردار ہوئیں اور دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت کو اختیار کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آخرت میں رزق کریم کا وعدہ فرمایا جو ان کے لئے بطور ذخیرہ وہاں محفوظ ہے۔ اے نبی کی بیبیو! تم اور عورتوں جیسی نہیں تمہاری شان تمام عورتوں سے ممتاز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین ﷺ کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ دنیا اور آخرت میں تم اس رسول کی ازواج مطہرات ہو اور تم کو امہات المومنین بنایا۔ دنیا کی کوئی عورت اس فضیلت اور منزلت میں تمہاری شریک اور سہیم نہیں مگر اس فضیلت کے لئے شرط یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرتی رہو۔ بارگاہ خداوندی میں فضیلت و کرامت کا دارومدار تقویٰ پر ہے کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ محض اللہ کے نبی کی زوجیت اور اس سے اتصال ضروری نہیں جب تک تقویٰ اور پرہیز گاری اس کے ساتھ مقرون نہ ہو۔

ع زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

فائدہ: ...... یہ کلام تعلیقی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن متقی نہ تھیں۔ تعلیقی کلام وقوع اور عدم وقوع پر دلالت نہیں کرتا اس شرط سے فقط یہ بتلانا مقصود ہے کہ رسول خدا سے فقط علاقۂ زوجیت اور محض اتصال ظاہری فضیلت اور شرف کے لئے کافی نہیں جب تک کہ ورع اور تقویٰ اس کے ساتھ مقرون نہ ہو اور واقعات اور حالات سے اور کتاب و سنت کی شہادات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ الحمد للہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن از اول تا آخر تمام زندگی تقویٰ اور پرہیز گاری پر قائم رہیں حضور پر نور ﷺ کی حیات میں بھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اور اسی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا ﴿وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر کوئی خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ بتا سکے جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جو ان آیات میں مذکور ہے۔

اب آئندہ آیات میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو کچھ آداب کی تلقین فرماتے ہیں پس اے پیغمبر ﷺ کی عورتو! اگر تم اپنے خداداد تقویٰ اور طہارت کی حفاظت چاہتی ہو تو نامحرم مردوں سے بات کرنے میں نرمی نہ کرنا۔ مبادا وہ شخص جس کے دل میں نفسانیت کی کوئی بیماری یا روگ ہے وہ تمہاری نرم اور نازک گفتگو سے تمہارے اندر کوئی طمع لگا بیٹھے۔ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نزاکت رکھی ہے پس کسی عورت کا کسی غیر مرد سے نرم گفتگو کرنا مقدمہ زنا کا ہے جو تقویٰ اور طہارت اور عفت اور عصمت کے لئے نقصان دہ اور مضرت رساں ہے جس کے دل میں شہوت کی بیماری ہوتی ہے وہ نرم اور نازک گفتگو سے عورت میں طمع کرنے لگتا ہے جس سے فساد عظیم کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے پس اے نبی ﷺ کی عورتو! تم اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اس بارے میں بہت زیادہ احتیاط برتو اور اس طرح بات نہ کرو کہ جس سے کوئی نفس پرست تمہارے اندر طمع کرنے لگے۔ اور اگر کسی ضرورت کی بنا پر کسی سے بات کرنی پڑے تو سیدھی سیدھی بات کرو یعنی ایسے انداز اور ایسے لب و لہجہ میں بات

کرو جس میں قدرے سختی اور درشتی اور روکھا پن ہوتا کہ بات سننے والا تمہارے اندر کوئی طمع نہ لگا سکے اور یہ بد اخلاقی نہیں بلکہ اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت ہے۔ بداخلاقی وہ ہے جو دوسرے کی دل آزادی اور ایذاء کا سبب بنے اور عصمت وناموس کی حفاظت کا بہترین طریقہ ہے کہ اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا اور وہ بھی بلا پردہ اور بلا نقاب کے شریعت میں قطعاً ممنوع ہے بلا پردہ اور بلا نقاب عورت کا گھر سے باہر قدم نکالنا شہوانی اور نفسانی لوگوں کی سوئی ہوئی طمع کو جگاتا ہے شریعت مطہرہ یہ چاہتی ہے کہ بدمعاشوں کی ناپاک نظروں سے عورت کے چہرہ کی حفاظت کی جائے اس لئے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ بلا ضرورت شدیدہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور اسی مصلحت کی بناء پر دوسرے مواقع میں بھی عورتوں کے لئے یہی حکم دیا گیا۔ ﴿لَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡۢ بُيُوۡتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ یعنی عورتوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دو تاکہ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ﴿وَالّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ ‌ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا﴾ یعنی جو عورتیں بے حیائی کی مرتکب ہوں تو ان کو گھروں میں روک کر رکھو۔ کیونکہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شہوت پرستوں کے دل اس کے طمع میں پڑ جاتے ہیں۔ ﴿فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ﴾ اور موجودہ قانون بھی یہی ہے کہ جو چیزیں قانوناً ممنوع اور جرم ہیں ان کے وسائل وذرائع بھی قانوناً ممنوع اور جرم ہیں کیونکہ وہ جرم میں معین ہیں جیسے کسی کو ڈرانا اور دھمکانا اور کوٹھڑی میں بند کرنا اور کسی قاتل کو تلوار اور پستول لا کر دینا اسی طرح قانون شریعت میں زنا کے ذرائع اور وسائل بھی ممنوع اور حرام ہیں مثلاً نامحرم کو دیکھنا اور اس سے باتیں کرنا یا اس کی باتیں سننا۔ کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۤئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا﴾ غرض یہ کہ عورتوں کا اپنے گھروں میں قرار پکڑنا بدباطنوں کی طمع سے حفاظت کا پورا سامان ہے اسی لئے اب اس حکم کی تاکید کے لئے ارشاد فرماتے ہیں اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تم اپنی زیب وزینت دکھاتی نہ پھرو۔ زمانہ جاہلیت کی عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں اور اپنے حسن وجمال اور زیب وزینت اور آرائش وزیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ شریعت مقدسہ نے اس بے حیائی کو تمام عورتوں کے لیے عموماً اور ازواج مطہرات ؓ کے لیے خصوصاً، خاص طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا کیونکہ عورتوں کا اظہار تجمل بلاشبہ اہل شہوت کی طمع کا سبب ہے اور ازواج مطہرات کے حق میں مزید ایذاء پیغمبر کا بھی سبب ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان آیات کا نزول اگرچہ ازواج مطہرات ؓ کے بارے میں ہوا مگر حکم عام ہے ان آیات کا تمام سیاق وسباق ازواج مطہرات ؓ کی فضیلت کے بیان میں ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ ازواج مطہرات ؓ کی شان اور عورتوں جیسی نہیں وہ نبی کی بیبیاں ہیں اور امہات المومنین ہیں وہ اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں تو ان کو دوہرا اجر ہے۔ اور اگر معصیت کریں تو دوہرا عذاب ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اطاعت خدا ورسول اور تقویٰ اور اعمال صالحہ کی بجا آوری صرف ازواج مطہرات ؓ کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح سمجھو کہ ﴿وَقَرۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ﴾ اور ﴿وَلَا تَبَـرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ الۡاُوۡلٰى﴾ میں اگرچہ خطاب ازواج مطہرات ؓ کو ہے لیکن قرار فی البیوت کا حکم اور تبرج جاہلیت کی ممانعت، ازواج مطہرات ؓ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام مومنات کے لئے ہے اور بلا ضرورت گھروں سے باہر نکلنا اور اپنی زینت اور حسن وجمال کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا اور کھلے منہ باہر پھرنا اور غیروں سے کلام کرنا۔ بلاشبہ ہر مسلمان عورت پر حرام ہے

اس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ ہر ادنی عقل والا جانتا ہے کہ ایسا خروج جس میں زینت کا اظہار ہو اور غیر مردوں سے فقط کلام ہی نہ ہو بلکہ ہنسی اور دل لگی بھی ہو بلا شبہ موجب فتنہ ہے اور زنا کا مقدمہ ہے جس میں کسی عقل کے اندھے کو بھی شبہ نہیں اس فتنہ کا انسداد بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ عورتیں اپنے گھروں ہی میں رہیں اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں اور اگر شدید ضرورت کی بناء پر باہر نکلیں تو بغیر زینت کے اپنے تمام بدن کو ڈھک کر اور میلے کچیلے کپڑوں میں نکلیں اور سڑک کے کنارے کنارے مردوں سے الگ تھلگ ہو کر چلیں۔ عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی یہ تمام قیود، احادیث سے ثابت ہیں۔

یہاں تک جو احکام بیان کئے گئے وہ عفت اور عصمت کے متعلق تھے جن سے بے حیائی کی روک تھام اور زنا ظاہری اور باطنی کی بندش مقصود تھی کیونکہ نفس کی طمع یہ باطنی زنا ہے اب آئندہ آیات میں دوسرے احکام عام کی ہدایت فرماتے ہیں اور اے نبی کی بیبیو! تم نماز کو ٹھیک قائم رکھو اور اس کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو جس درجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گی اسی درجہ کی تم کو طہارت حاصل ہوگی جس آئندہ آیت میں ذکر آتا ہے۔ اے نبی کے گھر والو! جان لو کہ بس اللہ ان احکام اور ہدایت سے یہی چاہتا ہے کہ ظاہری اور باطنی گندگی کو تم سے خاص طور پر دور کر دے تاکہ تمہارا لباس تقویٰ میلا اور خراب نہ ہو اور تم کو خوب پاک اور ستھرا کر دے۔ کہ معصیت کے میل وکچیل کا نام ونشان بھی نہ رہے اور یہ تطہیر تم کو جب حاصل ہوگی جب تم ہمارے ان احکام اور ہدایات پر عمل کرو گے۔ اس آیت میں اذہاب رجس سے اور تطہیر سے تزکیۂ باطن مراد ہے جو ولایت کا اعلیٰ ترین مقام ہے عصمت کے معنی مراد نہیں اس لئے کہ عصمت سوائے انبیا کرام علیہم السلام کے کسی کو حاصل نہیں۔

پس جس طرح ان آیات میں اگرچہ خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے مگر اقامۂ صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور اطاعت رسول کا حکم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عامہ مومنات ومسلمات پر یہ تینوں حکم فرض اور لازم ہیں اسی قرار فی البیوت اور ترک تبرج کا حکم بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مومنات ومسلمات اس حکم کی مکلف اور پابند ہیں چونکہ حق جل شانہ کا ارادہ یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانہ کو فواحش اور منکرات سے بالکلیہ پاک کر دے اس لئے ان آیات میں خاص طور پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب فرمایا کہ تمہاری شان عام مومنات جیسی نہیں اس لئے تم کو اطاعت خدا ورسول اور تقویٰ وطہارت میں سب سے آگے ہونا چاہئے تاکہ تمہارے لباس تقویٰ وطہارت پر اور تمہاری چادر عصمت ونزاہت پر کسی فاحشہ کا میل کچیل اور گرد وغبار بھی نہ لگنے پائے تم دنیا کی عورتوں کے لئے مثال اور نمونہ ہو لہٰذا تم سب کا کامل اور اکمل ہونا چاہئے۔ پھر دیکھو کہ اسی سورت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو اور تمام مسلمان عورتوں کو منہ ڈھکنے کا حکم دیا ہے۔

پس اسی طرح سمجھو کہ قرار فی البیوت فقط ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی پر فرض نہیں بلکہ تمام مومنات اور مسلمان پر فرض ہے اور تبرج جاہلیت تمام مسلمان عورتوں کے حق میں حرام ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں جس قدر بھی احکام مذکور ہیں وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام

عورتوں کے لئے عام ہیں البتہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ان کی خصوصیت کی وجہ سے سب سے زیادہ موکد اور مہتم بالشان ہیں جیسے عالم دین پر بہ نسبت جاہل کے احکام شریعت کی پابندی زیادہ لازم ہے۔ اسی طرح ان احکام کی پابندی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے تمام عورتوں سے زیادہ لازم اور موکد ہے۔ اس لئے کہ وہ اہل بیت نبی ہیں اور امہات المومنین ہیں اس لئے ان کا فریضہ اور ذمہ داری تمام عورتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ یہ احکام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جب علت عام ہے تو لامحالہ حکم بھی عام ہوگا کیا کوئی ادنیٰ عقل والا اس کے کہنے کی جرات کرسکتا ہے کہ آیت مذکور میں تبرج جاہلیت تک بے حیائی کی روک تھام کے لئے جو تین حکم دیئے گئے ہیں وہ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان دل دادہ گان مغربیت کے لئے اور ان کی بیگمات کے لئے ہر بے حیائی جائز ہے اور نماز اور زکوٰۃ اور اطاعت خدا ورسول اور تقویٰ اور اعمال صالحہ میں سے کوئی چیز ان پر فرض نہیں اس لئے کہ ان آیات میں تمام خطابات صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہیں۔

غرض یہ کہ جو احکامات ان آیات میں مذکور ہیں وہ کسی کے ساتھ مخصوص نہیں سب مسلمان عورتوں کے لئے ہیں البتہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے ان کے تقدس اور طہارت اور علو مرتبت کی وجہ سے ان احکام کی پابندی سب سے زیادہ ان پر ضروری ہے اور لازم ہے پس ثابت ہوگیا کہ قرار فی البیوت تمام مسلمان عورتوں پر فرض اور لازم ہے۔ اور بلا ضرورت منہ کھولے گھر سے باہر نکلنا۔ بلاشبہ موجب معصیت اور محل فتنہ وفساد ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المراۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشيطان۔ یعنی عورت سراپا ستر ہے جس کا مستور رکھنا واجب ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے سر اٹھا کر دیکھتا ہے اور اس کی تاک میں لگ جاتا ہے پھر کراتا جو کراتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن ممالک میں پردہ نہیں اور مرد وزن کے اختلاط میں وہاں کوئی رکاوٹ نہیں وہاں زنا کا بازار گرم ہے اور نصف سے زیادہ آبادی غیر ثابت النسب ہے اور انہی اولاد الزنا کی اکثریت اور جمہوریت ہے۔ جہاں زنا کو آزادی حاصل ہے اور نکاح پر پابندی ہے۔

پس ہماری اس تقریر سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ جو شرفاء ہند میں پردہ رائج ہے وہ بلاشبہ پردہ شرعی ہے جو قرآن اور حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہے معاذ اللہ پردہ مروجہ کوئی قومی رسم نہیں جیسا کہ آزاد منشوں کا خیال ہے یہ لوگ جو پردہ کے مخالف ہیں، زنا کے مخالف نہیں گویا کہ پردہ تو ان کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے۔ اور زنا ان کے نزدیک جائز اور حلال ہے اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون اے نبی کے گھر والو! چونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر تمہاری تطہیر اور تنویر کا ارادہ کیا ہے تو اس طہارت کی تحصیل اور تکمیل کا طریقہ یہ ہے کہ تم یاد کیا کرو اللہ کی آیتوں کو اور حکمت کی باتوں کو جو دن رات تمہارے گھروں اور حجروں میں پڑھی جاتی ہیں جو فلاح دارین کا ذریعہ ہیں ان کو فراموش نہ کرنا اور ان پر عمل سے غفلت نہ برتنا اور شکر کرو کہ تمہارے حجرے اور تمہارے گھر آیات الٰہیہ اور حکمت نبویہ کے انوار سے منور اور روشن ہیں یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ تمہارے گھرانوں میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ اور یہ چیز تمہارے باطن کی تطہیر اور تنویر میں اور اذہاب رجس یعنی باطنی گندگی کے دور کرنے میں

غایت درجہ معین اور مددگار ہے بلکہ تریاق اور اکسیر ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اہل بیت نبوت کو طہارت کاملہ عطا کرے اس لئے ان کو زینت دنیا اور آرائش دنیا کی رغبت اور میلان سے پاک کر دیا کیونکہ زینت دنیا کی رغبت یہ بھی ایک قسم کا رجس اور ایک نوع کی نجاست ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے اس کا لطف اور اس کی عنایت تمہارے ساتھ ہے اور وہ بڑا خبردار ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ نبی کا گھرانہ ہر قسم کی گندگی اور پلیدی سے پاک ہو جائے۔

لطائف ومعارف

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾

جاننا چاہئے کہ جس طرح عورتوں کے دیکھنے اور ان کی طرف آنکھ اٹھانے سے مردوں کے دل میں ان کا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح عورتوں کے مردوں کو دیکھنے سے ان کے دل میں مرد کا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ دیکھنا ہی ناجائز تعلق اور ناجائز طریقہ سے قضاء شہوات کا ذریعہ بن جاتا ہے اور بالفاظ دیگر زنا کا دروازہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں اور تمام حکماء کی حکمتیں اور تمام اہل غیرت کی غیور طبیعتیں زنا کے ناجائز اور قبیح اور شنیع ہونے پر متفق ہیں پس حکمت اور غیرت اس امر کی مقتضی ہے کہ زنا کا دروازہ بند کیا جائے۔ شریعت مطہرہ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ اس دروازہ کو ایسا بند کیا کہ کوئی سوراخ ایسا باقی نہ چھوڑا جس سے زنا کا جھانکنا ہی ممکن ہو سکے۔ شریعت مطہرہ نے اس ناپاک اور گندہ اور پلید فتنہ کی بندش کے لئے احکام صادر کئے۔

۱- ایک حکم تو یہ دیا ہے کہ عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں جیسا کہ آیت ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ خاص اسی بارے میں نازل ہوئی کہ عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑیں حتی کہ نماز بھی اپنے گھر ہی میں پڑھیں عورت کا گھر میں نماز پڑھنا بہ نسبت مسجد کے زیادہ فضیلت رکھتا ہے پھر یہ کہ اگر عورت کسی ضرورت اور مجبوری کی بناء پر گھر سے باہر نکلے تو برقعہ یا چادر میں بدن چھپا کر نکلے۔

۲- دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے جیسا کہ سورۃ نور کے ایک رکوع میں تفصیل کے ساتھ یہ احکام گذرے ہیں سورۃ نور کی اس آیت ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾۔ میں مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد والی آیت ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لئے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محل فتنہ یہ چہرہ ہی ہے۔ جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

۳- تیسرا حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اپنی زینت ظاہرہ یعنی چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ اپنے تمام بدن کو ہر وقت

مستور اور پوشیدہ رکھے کیونکہ چہرہ اور ہاتھوں کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا عادتاً ناممکن ہے گھر کے کام کاج بغیر منہ کھولے اور ہاتھ چلائے ممکن نہیں اور پھر اسی کے متصل دوسری آیت یعنی ﴿وَلَا يُبۡدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوۡ ءَابَآئِهِنَّ﴾ الی آخرہ میں اس کی تصریح کر دی کہ عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں۔ عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سر بازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھلاتی پھرے حسن و جمال کا تمام دارومدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے زنا کا دروازہ بند کرنے کے لئے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بناء پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں فتنہ کے خوف سے بھی محرم سے پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے زنا سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

۴- چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو پردہ کے پیچھے سے اس سے بات کر سکتی ہے نامحرم کے روبرو آنا ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ اسی سورت میں چند رکوع بعد یہ حکم آیا ہے۔ ﴿وَإِذَا سَأَلۡتُمُوهُنَّ مَتَٰعٗا فَسۡـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٖ﴾۔

۵- پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپیٹ کر نکلے۔ کما قال تعالیٰ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ﴾ باریک برقعہ یا باریک چادر میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں اور شریعت نے عورت کو گھر سے باہر جانے کی اجازت کے لئے دوسری شرط یہ لگائی کہ عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط یہ لگائی کہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا نہ حق ہے اور نہ اجازت۔ یہ طبرانی کی ایک حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

۶- چھٹا حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی مرد کسی کے گھر میں نہ جھانکے اور کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو۔

۷- ساتواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے فقہاء کرام نے لکھا کہ اجنبی جوان عورت کو سلام کرنا بھی ناجائز ہے۔ اور اس سے مصافحہ کرنا تو سلام کرنے سے بھی بڑھ کر حرام ہے۔

۸- آٹھواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت کے گھر میں بغیر شوہر کے اور بغیر محرم کے رات نہ گزارے۔

۹- نواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ شوہر کی عدم موجودگی میں کسی کے گھر میں جا کر عورت سے بات نہ کرو۔

۱۰- دسواں حکم شریعت نے یہ دیا:

عن الحسن مرسلا قال بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی (عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے) دیکھنے والے (اور دیکھنے والی) پر اور جس کی طرف دیکھا گیا (خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو)۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

غرض یہ کہ شریعت مطہرہ نے جو پردہ کا حکم دیا ہے وہ عورت کے لئے قید و بند نہیں بلکہ ناپاک نظروں اور گندی نگاہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے کہ عورت کا چہرہ بدکاروں کی ناپاک نظروں سے محفوظ رہے پردہ عورت کی عفت اور عصمت اور آبرو کا محافظ اور نگہبان ہے جس سے اس کی پاک دامنی اور آبرو پر حرف نہیں آ سکتا پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچہ کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ پردہ والی عورت کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے شوہر یقین کرتا ہے کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور بے پردہ والی عورت کا شوہر یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مولود میرا ہی بچہ ہے اور میرا ہی بیٹا ہے اور اس بے پردگی کی وجہ سے یورپ کے اکثر باشندے کسی کو یقینی طور پر اپنا بیٹا نہیں کہہ سکتے انگلستان کی ایک شریف عورت نے بصد حسرت و ندامت اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ "المنار" میں شائع ہوا جس میں یہ تھا کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت اور عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامن عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم اور حیا نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سرزمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقویٰ کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آ رہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے۔ (انگلستان کی عورت کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

نیز جس طرح زنا، تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام علماء اور تمام عقلاء کے نزدیک ایک نہایت شنیع اور قبیح خصلت ہے اسی طرح دیوثیت بھی ایک نہات شرمناک خصلت ہے۔ اور زنا سے بڑھ کر قبیح ہے پس مخالفین پردہ کے نزدیک جب ان کی بیوی اور بیٹی کا دوسروں کے ساتھ پھرنا جائز ہو گیا تو گویا ان کے نزدیک دیوثیت بھی جائز ہو گئی کہ باوجود اس علم اور خبر کے ان کی رگ حمیت جوش میں نہیں آتی جس میں ذرا بھی حیاء اور غیرت کا مادہ ہے وہ اس بے حیائی اور بے غیرتی کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی یا بیٹی کسی کے ساتھ تعلقات قائم کرے۔ اور بے حجابانہ اس سے خلط ملط رکھے۔

نیز ان بے حیائیوں اور بے غیرتیوں کا دروازہ بند کرنے کے لئے اسلام نے پردہ کا حکم دیا ہے اور بے پردگیوں کی

خرابیوں پر آگاہ کر دیا اور بتلا دیا کہ عورت کے پردہ میں رہنے میں یہ یہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور گھر سے باہر نکلنے میں یہ خرابیاں اور برائیاں ہیں اور اگر بالفرض ان دل دادہ گان مغربیت اور اسیران شہوت ونفسانیت کے خیال کے مطابق یہ مان لیا جائے کہ بے حجابی میں کچھ فوائد اور منافع ہیں تو شراب اور قمار اور سود میں بھی ضرور فوائد اور منافع ہیں لیکن ان کی مضرتیں اور خرابیاں ان کے چند وہمی اور خیالی فوائد اور منافع سے کہیں بڑھ کر ہیں اور اگر شہوت اور بے پردگی میں کس قدر مضرتیں اور خرابیاں ہیں۔

خلاصہ:......(۱) یہ کہ بے پردگی سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہوتی ہے۔(۲) زنا کا دروازہ کھلتا ہے۔(۳) اولاد حرام ہوتی ہے۔(۴) حسب اور نسب ضائع ہو جاتا ہے۔(۵) شوہر کو اپنی بیوی پر اطمینان نہیں رہتا تو دل سے کیسے محبت رہے۔ (۶) بے پردہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے شوہر کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو عورت بے پردہ پھرتی ہو اور غیروں سے میل جول رکھتی ہو۔ اس کی اولاد پر کیسے یقین ہو سکتا ہے۔(۷) اور جب اس بچہ کا اس کی اولاد ہونا یقین نہ رہا تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس بچہ کا وارث ہونا بھی یقینی نہ رہا۔ حلال اولاد میراث کی مستحق ہوتی ہے، حرام کا بچہ میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔(۸) بے پردہ عورت شوہر کی راحت اور سکون اور اطمینان کا باعث نہیں رہتی۔ شوہر جب گھر آتا ہے تو بیوی کو غائب پاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ نہ معلوم کہاں ہوگی۔(۹) بے پردہ عورت نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔(۱۰) بے پردہ عورت اولاد کی تربیت اور نگرانی بھی نہیں کر سکتی۔(۱۱) بے پردگی باہمی خصومت اور نزاع کا سبب ہے جو بدچلنی کا لازمی نتیجہ ہے۔(۱۲) بے پردگی اپنی آوارگی اور آزادی کی پردہ پوشی کے لئے عورت کو جھوٹ اور مکر اور فریب پر آمادہ کرتی ہے۔ گھر سے باہر جانے کے عجیب عجیب بہانے بناتی ہے۔(۱۳) جس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد بھی وہی کرے گی جو ماں کو کرتے دیکھے گی۔(۱۴) جس قدر بے پردگی بڑھتی جائے گی اسی قدر بے حیائی اور بے غیرتی بڑھتی جائے گی جس کا لازمی نتیجہ نحوست ہے اور خاندان اور محلہ میں بدنامی اور بے عزتی ہے۔(۱۵) حتی کہ اس گھرانہ سے حیاء اور شرم اور عفت اور عصمت اور غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مخالفین پردہ کے خیالات جن کو وہ اپنے دلائل کہتے ہیں

(۱) مرد اور عورت کی فطرت یکساں ہے لہٰذا عورتوں کو وہی پورے حقوق ملنے چاہئیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔

(۲) پردہ عورت کے لئے قید ہے۔(۳) پردہ عورت کی صحت کے لئے مضر ہے۔

(۴) پردہ عورت کی ترقی میں مزاحم ہے عورت پردہ کی وجہ سے علمی اور دنیوی ترقی نہیں کر سکتی۔ حالانکہ حدیث میں ہے۔ طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔

ان متمدنین کے نزدیک اس حدیث میں جس علم کی طلب کو فرض کیا گیا ہے اس سے وہ انگریزی علم مراد ہے جو کالج اور سکول میں پڑھایا جاتا ہے اور مسلم اور مسلمہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط کالج مراد ہے خوب سمجھ لو کہ اسلام نے دین کے علم کی طلب کو فرض قرار دیا ہے۔ اور

"علمے کہ راہ حق ننماید جہالت ست"

پہلی بات کا جواب: ...... مرد اور عورت کی فطرت ہرگز یکساں نہیں قوائے عقلیہ اور قوائے علمیہ اور قوائے جسمانیہ کے اعتبار سے مرد اور عورت میں زمین و آسمان کا فرق ہے فوجی بھرتی کے لئے مرد لئے جاتے ہیں عورت نہیں لی جاتی آج تک دنیا میں کسی بادشاہ نے عورتوں کی فوج بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لئے نہیں بھیجی جو متمدن عورتیں مرد اور عورت کو فطرت کو یکساں بتلاتی ہیں ان کو چاہئے کہ اول تمام اپوا کی ممبر عورتوں کی ایک فوج بنائیں اور کسی سرحد پر جا کر دشمن کی فوج کا مقابلہ کرائیں۔ ابھی دعوائے مساوات کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا۔

دوسری بات کا جواب: ...... پردہ عورتوں کے لئے قید نہیں بلکہ ان کی عصمت اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے اور ناپاک اور گندی نظروں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

تیسری بات کا جواب: ...... پردہ عورتوں کی صحت کے لئے مضر نہیں بلکہ عورتوں پردہ عورتوں کی صحت کے لئے مضر نہیں بلکہ عورتوں کی فطرت کے مناسب ہی پردہ ہے عورتوں کے قویٰ کمزور ہیں وہ مردوں کی طرح محنت اور مشقت برداشت نہیں کر سکتیں۔ سڑکیں نہیں کوٹ سکتیں۔ خندقیں نہیں کھود سکتیں جنگ اور جنگی مشقیں نہیں کر سکتیں بوجھ اٹھانے کی بھی عادی نہیں شریعت مطہرہ نے ان کی فطری کمزوری اور نزاکت کی رعایت سے ان کے لئے پردہ تجویز کیا ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ پردہ عورتوں کی جسمانی صحت کے لئے مضر ہے تو بے پردگی ان کی روحانی اور اخلاقی صحت کے لئے ہزار درجہ بڑھ کر مضر ہے بے پردگی ان کو طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور حیاء و شرم کا لباس ان سے اتار کر پھینک دیتی ہے۔

چوتھی بات کا جواب: ...... ہر جنس کی ترقی اس کی فطرت کے مناسب ہوتی ہے عورت کی ترقی اسی میں ہے کہ وہ عفیف اور پاکدامن اور نیک سیرت اور باحیا اور باغیرت ہو اور بقدر ضرورت دین سے باخبر ہو اور خانہ داری کا سلیقہ رکھتی ہو اور شوہر کی تابعدار اور خدمت گزار ہو۔ اور صحیح طریقہ سے اس کی اولاد کی تربیت اور پرورش کرے اور ایام حمل اور ایام ولادت میں عورت کو آرام اور سکون کی شدید ضرورت ہوتی ہے جو سوائے گھر کے کہیں میسر نہیں آ سکتا اور جو عورت بے پردہ ہو گی وہ نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اولاد کی تربیت کر سکتی ہے بے پردہ عورت بجائے شوہر کے اپنے آشناؤں کی تفریح کا سامان ہے شوہر اور اس کی اولاد اس کی محبت اور موانست اور معیت اور مرافعت سے محروم ہے بے پردگی سے کوئی دنیاوی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اخلاقی تنزل اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا آج کل متمدن اقوام کا حال یہ ہے کہ چپہ چپہ پر ناچ گھر قائم ہو گئے جن میں نوجوان مرد اور عورتیں جمع ہو کر اپنی نفسانی خواہش پوری کرتے ہیں اور ایک شخص کسی اجنبی عورت سے چمٹ جاتا ہے اور اس کا شوہر دیوث بھی وہاں موجود ہوتا ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کو غیرت نہیں آتی مغربی ممالک میں دن بدن حرام زادوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اب یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں لب سڑک لوگوں کو زنا کرتے دیکھا جاتا ہے گویا کہ مرد اور عورت بہائم کی طرح ہو گئے ہیں جس طرح ایک جانور کو کسی مادہ سے جفتی کرنے کے لئے کسی بند کمرہ کی ضرورت نہیں اسی طرح ان مدعیان تہذیب کی بھی یہی خواہش ہے کہ مسلمان عورتوں سے عفت اور عصمت کا خاتمہ ہو جائے اور ان کا معاشرہ بھی ان مہذب حیوانوں کی طرح ہو جائے اس شرمناک حالت کا نام ان لوگوں نے ترقی رکھ لیا ہے۔ خدا ان کو عقل دے۔ آمین۔ اقتباس "از نمک دن ظرافت"

آیت تطہیر

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾

اس آیت کو آیت تطہیر کہا جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی اور آیت میں اہل بیت نبی سے آپ ﷺ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے جو تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جس کے حصول کے بعد گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہوا جاتے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں۔ اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہرا اور حسنین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں ڈال دی اور فرمایا اللھم ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا اے اللہ یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس یعنی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور خوب پاک کر دے نیز اس آیت میں لفظ منکم اور ویطھر کم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتلا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج رضی اللہ عنہن کو نہیں معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔

دوسری بات اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اذہاب رجس اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا یعنی معصوم بنا دینا مراد ہے جس سے ان چار حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ، اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لئے آیت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

جواب:...... اہل تشیع کا یہ تمام استدلال دو باتوں پر مبنی ہے (اول) یہ کہ لفظ اہل بیت سے صرف چار اشخاص مراد ہیں۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہما (دوم) یہ کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنا دینا مراد ہے جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی شیعوں کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا مگر آج تک شیعہ ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکے۔

پہلی بات کا جواب:...... پہلی بات کے متعلق علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ لفظ "اہل بیت" اور لفظ "آل" لغت عربی میں دونوں ہم معنی ہیں لغت میں اہل بیت کے معنی اہل خانہ کے ہیں یعنی گھر والوں کے ہیں۔ جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہیں جس میں ازواج اصالۃً داخل ہیں اور اولاد اور ذریت تبعاً داخل ہیں۔ خدمت گاروں اور لونڈی اور غلاموں پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف میں اور محاورہ میں جب لفظ اھل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و ناکس اس کا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہوں اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے ہوں اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیبیاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کا ہمیشہ گھر میں رہنا خلاف عادت ہے خاص کر سرور عالم ﷺ کے حجروں اور گھروں میں تو سوائے آپ ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن کے کوئی نہیں رہتا تھا شادی ہونے کے بعد بیٹے خود اپنے مکان بنا لیتے ہیں۔ نکاح کے

بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نہ نان ونفقہ رہتا ہے اور نہ رہنے کا مکان اس کے ذمہ واجب رہتا ہے اور شادی ہونے کے بعد بیٹی داماد کے گھر چلی جاتی ہے چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہتی تھیں کہا جاتا ہے تاھل الرجل اذا تزوج۔ واھلك اللہ فی الجنة اور فلان متاھل ای متزوج۔

نیز قرآن کریم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالۃً داخل ہے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں کہ جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے یہ کہا ﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾۔

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں حضرت سارہ علیہا السلام داخل ہوئیں کیونکہ اصل خطاب انہی سے ہے اور فرشتوں نے حضرت سارہ علیہا السلام ہی کو اہل البیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں شاید حضرات شیعہ فرشتوں پر کوئی تنقید اور تبصرہ کریں کہ تم نے نبی کی زوجہ پر لفظ اہل البیت کا اطلاق کیسے کیا اور پھر تم نے مونث کے لئے مذکر کی ضمیر کیسے استعمال کی اور نبی کی زوجۂ مطہرہ کو تم نے ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ﴾ مذکر کے ساتھ کیوں خطاب کیا تم کو چاہئے تھا کہ علیکم کی بجائے علیکن کہتے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں اور تعجبین کا اصل خطاب حضرت سارہ علیہا السلام کو ہے جو صیغہ مؤنث کا ہے اور اس کے بعد ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ میں اہل بیت کو بلفظ مذکر علیکم خطاب کیا اور علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اظہار محبت وکرامت کے لئے عورتوں کے لئے مذکر کی ضمیریں لانا کلام عرب میں شائع اور ذائع ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔ ع

فان شئت حرمت النساء لواکم

اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾ اور نہ ظاہر کے مطابق امکثی یا امکثن ہونا چاہئے تھا اس قسم کے مواقع میں صیغہ مذکر اور خطاب مذکر لفظ اہل کی رعایت سے لایا گیا ہے کہ وہ اصل میں مذکر ہے۔ اور علی ہذا القفظ ''آل'' کے مفہوم اور مدلول میں بھی ازواج داخل ہیں اس لئے کہ ''آل'' کی اصل لغت میں ''اہل'' ہے لغت میں ''آل'' کا اطلاق اس شخص یا ان اشخاص پر آتا ہے جن کو کسی انسان سے ذاتی اختصاص حاصل ہو۔ خواہ قرابت قریبہ کی وجہ سے یا کسی خصوصی موالاۃ یا دینی علاقہ کی وجہ سے ہو اور عرف میں اہلیہ بیوی کو کہتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ اے آل داؤد اللہ کا شکر بجا لاؤ یہاں لفظ آل میں ان کی ازواج اور اولاد سب ہی داخل ہیں وقال تعالیٰ ﴿قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ ﴿وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ﴾ ﴿قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾۔ اس قسم کی آیات میں لفظ اہل کے مفہوم میں بیوی یقیناً داخل ہے وقال تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ﴾ یہاں آل فرعون سے وہ تمام اشخاص مراد ہیں جو فرعون سے تعلق رکھتے تھے۔ وقال تعالیٰ ﴿فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ﴾۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو آل فرعون نے اٹھا لیا یہاں آل فرعون سے فرعون کا تمام اہل بیت مراد ہے جن میں اس کی بیوی بھی داخل ہے حدیث میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم اجعل رزق ال محمد قوتا سے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے اور قدر قوت

ورزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جاوے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی شامل ہے۔

اس دعا سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا سالانہ نفقہ قدر قوت سے زیادہ نہ تھا اور پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سخی بھی تھیں خصوصاً حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت تو مشہور تھی اور بخیل تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بی بی نہ تھی اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تو سخی تھے ہی اور اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز بھی تھے پس اس سخاوت اور مہمان نوازی کے بعد تو زیادہ سامان بھی کفایت نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ قدر قوت اور قدر کفایت ان تمام ضروریات کے لئے مکتفی ہو جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کس قدر قانع اور تارک الدنیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق صادق تھیں کہ باوجود فقر و فاقہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کو دنیا اور مافیہا سے بہتر اور لذیذ جانتی تھیں۔

فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ درخواست کی کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو بے دریغ عطا فرما رہے ہیں اسی طرح ہم کو بھی مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اصرار کیا اس پر آیت تخییر کا نزول ہوا جس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ متاع دنیا کی طالب ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیں اور اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کی طالب ہیں تو اسی حالت (فقر و فاقہ) پر راضی رہیں جس حالت کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے اور وہ آیت تخییر یہ ہے جس کی مفصل تفسیر گزشتہ رکوع میں گذر چکی ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾۔

اس آیت تخییر کے نزول کے بعد تمام ازواج نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اختیار کیا۔ دنیا کو کسی بی بی نے بھی اختیار نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ محبت تھی کہ فقر و فاقہ اور تنگی میں رہنا منظور کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی منظور نہیں کی۔ چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو عذاب جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی بلکہ اس سے ڈرایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اپنی زوجیت سے علیحدہ نہ کر دیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں اول آیت تخییر نازل ہوئی پھر جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اللہ اور رسول اور دار آخرت کو اختیار کر لیا تو ان کے بارے میں دوبارہ آیت تطہیر نازل ہوئی جس سے ان کے شرف اور کرامت کو ظاہر کرنا مقصود ہے اور اس آیت تطہیر میں جو لفظ اھل البیت آیا ہے اس سے اصالۃً بلاشبہ وریب قطعاً ویقیناً ازواج نبی مراد ہیں کیونکہ ان آیات کے سیاق وسباق میں از اول تا آخر صراحۃً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو خطاب ہو رہا ہے اور ایسا صریح ہے کہ جس میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی کیونکہ ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ سے لے کر ﴿وَاَطِعْنَ اللّٰهَ﴾ بلکہ ﴿وَالْحِكْمَةِ﴾ تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے متعلق کلام ہے اور از اول تا آخر خطاب میں مونث ہی کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ ﴿لَسْتُنَّ﴾ اور ﴿فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اور ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ تک یہ تمام خطابات بہ ضمائر مونث، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں بلکہ اگر شروع رکوع ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

﴿الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ سے لے کر ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾ تک تمام صیغوں اور ضمیروں پر نظر ڈالی جائے تو اول سے لے کر آخر تک چھبیس صیغے اور ضمیریں سب مونث کی ہیں جو بلا کسی تردد اور تامل کے صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے ہیں اور یا نساء النبی اور قل لازواجك کا لفظ تو اس قدر واضح ہے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دخول اور شمول کا عقلاً ونقلاً کوئی امکان ہی نہیں۔ اب حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس کا کیا جواب ہے۔ کلام عرب میں اظہار محبت وعظمت کی غرض سے مونث کے لئے تو مذکر کا صیغہ استعمال ہو سکتا ہے مگر مذکر کے لئے مونث کا صیغہ اور مونث کی ضمیر کا استعمال کہیں سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

قال ابن عباس نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال عکرمة من شاء باهلته (روح المعانی: ۱۲/۲۲)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی اور عکرمہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں۔

حدیث نساء

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت تھانوی اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا۔

اللھم ھؤلاء اھل بیتی۔ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس سے بعض "عقلمندوں" نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے بعضے طرق میں آیا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو کذا فی النسوان فی رمضان ص ۴ وعظ چہارم از سلسلہ البلاغ۔ کیونکہ ان تمام آیات کا نزول تمہاری ہی بارے میں ہے اور ان آیات میں از اول تا آخر تمام خطابات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ان خطابات کی اولین مخاطب ہیں لہٰذا ان کے لئے اس قسم کے عمل کی اور کسی قسم کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں ان کا اہل بیت ہونا تو قطعی اور یقینی ہے البتہ داماد اور داماد کی اولاد کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ قرار دیا جائے۔ یا ان کو مستقل اور

علیحدہ گھرانہ سمجھا جائے اس لئے حضور پرنور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی اللھم ھولاء اھل بیتی الخ تاکہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ اس وعدہ نعمت وکرامت میں شریک ہوجائیں جو اللہ نے نبی ﷺ کے گھرانہ کے لئے ارادہ فرمایا ہے اگر اس آیت کا اصل نزول حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہوتا تو آپ ﷺ کو دعا کی ضرورت نہ ہوتی۔

غرض یہ کہ عباء میں داخل کر کے دعا کرنا ان لوگوں کے لئے تھا کہ جن کے اہل بیت ہونے میں کسی قسم کا شبہ ہوسکتا تھا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تو اہل بیت ہونا ایسا قطعی اور یقینی تھا کہ جس میں کسی قسم کے شبہ کا امکان ہی نہ تھا اس لئے ان کو عباء میں داخل کرنے اور اللھم ھولاء اھل بیتی کہنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اجنبی تھے اس لئے ان کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عبا میں کیونکر داخل کیا جاسکتا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا میں آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہما کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنی کساء میں داخل کر کے ان کے لئے دعا فرمائی (روح المعانی: ۲۲/ ۱۴) اور صواعق محرقہ ص: ۸۶۔ روایت مذکورہ ان دونوں کتابوں میں مذکور ہے۔

اور جس طرح احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو عبا میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دوسرے اعزاء واقارب بھی اس نعمت وکرامت میں داخل ہوجائیں پس ان کو اس نعمت اور کرامت میں شریک کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ دعائیں فرمائیں پس آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو بھی اپنی دعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا اگر یہ آیت انہی کے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی اور آپ ﷺ حصول حاصل کی کیوں دعا فرماتے اور جو بات حاصل تھی اس کے حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے، اسی لئے آپ ﷺ نے پہلی بار ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا کیونکہ اس دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا کیونکہ آیت کا نزول ہی آپ ﷺ کی بیبیوں کے بارے میں ہوا البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعا سے فارغ ہوجانے کے بعد ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر جو دعا کی وہ محض ان کی دلجوئی کے لئے فرمائی ورنہ آپ ﷺ نے صراحۃً فرمادیا تھا کہ تو بلاشبہ میرے اہل میں سے ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی فضیلت اور کرامت کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں تو آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ یہ آیتیں اگرچہ خاص ازواج ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور آیت ہذا سے پہلے اور اس تمام رکوع میں تمام خطابات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں اور ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ میں اور ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ میں بیوت کی نسبت بھی انہی کی طرف کی گئی ہے جو اللہ کے خاص الخاص عنایات پر دلالت کرتی ہیں اس لئے

آپ ﷺ کا دل چاہا کہ اہل بیت کے عموم میں اپنی اولاد کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ اے اللہ علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اس خاص رحمت اور کرامت اور عنایت میں شریک فرما۔

فائدہ:...... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اول الذکر تین صاحبزادیاں اس آیت کے نزول سے پہلے وفات پا چکی تھیں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باقی تھیں اس لئے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا کے ساتھ مخصوص فرمایا (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۹۳)

اور ایسا ہی معاملہ آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے ساتھ کیا جیسا کہ بیہقی کی ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ مدعا، آپ ﷺ کا یہ تھا کہ لفظ اہل بیت کے ظاہری عموم میں اپنے ان خاص عزیزوں کو بھی داخل فرما دیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اذہاب رجس اور تطہیر کی فضیلت اور کرامت میں شریک فرما باقی رہیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تو خطاب قرآنی میں وہی از اول تا آخر ان کرامات اور عنایات کی اولین مخاطب تھیں اس لئے اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ان کے لئے ضرورت نہیں سمجھی گئی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فعال لما یرید نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے اپنے ارادہ کو ظاہر کیا ہے اب اس کے وقوع میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ کریم اپنے کسی مقرب اور مصاحب سے یہ کہے کہ میرے پاس اپنے اہل خانہ اور اپنے گھر والوں کو حاضر کرو میں انہیں خاص خلعت دینا چاہتا ہوں اور میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ان پر خاص خلعت دینا چاہتا ہوں اور میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ان پر خاص نوازش کروں اس مقرب اور مصاحب نے عالی ہمت بادشاہ کے لطف وکرم پر نظر کر کے اپنے اہل خانہ کے سوا کچھ دیگر اعزاء اور اقارب بھی بارگاہ شاہی میں لا حاضر کئے اور کہنے لگا کہ حضور یہ سب میرے اہل خانہ ہیں جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ اعزاء اور اقارب بھی شاہی خلعت اور نوازش سے بہرہ مند ہوں اور ظاہر ہے کہ اس مقرب اور مصاحب کا اس عرض کرنے سے ''حضور یہ سب میرے اہل بیت اور اہل خانہ ہیں''۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کے اہل خانہ اس میں داخل نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اہل خانہ کے ساتھ یہ اعزاء بھی شاہی خلعت اور عنایت سے بہرہ مند ہو جائیں اور بادشاہ نے جس لطف وانعام کا میرے اہل خانہ کے لئے ارادہ فرمایا ہے اس میں میرے ان اعزاء و اقارب کا بھی داخل کر لیا جائے اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بجائے اہل خانہ کے میرے داماد کو اور اس کی اولاد کو اس خلعت سے نواز دیا جائے۔

خلاصۂ کلام:...... یہ کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پر نور ﷺ کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اس بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا۔ آیت کا نزول اصالۃً اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پر نور ﷺ کی کوئی بی بی اہل بیت میں داخل نہیں اور حضور ﷺ کی اولاد میں سے سوائے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے اور کوئی صاحبزادی اہل بیت کے مفہوم میں داخل

نہیں حضرت رقیہ ؓاور حضرت ام کلثوم ؓاور حضرت زینب ؓ کا آپ ﷺ کی صاحبزادی ہونا حدیث اور تاریخ اور اجماع سے ثابت ہے مگر شیعہ لوگ ان کو حضور ﷺ کی صاحبزادی نہیں سمجھتے اور ان کو حضور ﷺ کے نسب سے خارج سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ حضور پر نور ﷺ کی متعدد صاحبزادیاں تھیں۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ﴾ الاٰية، بناتك صیغہ جمع ہے جس کا ادنیٰ درجہ تین ہیں جیسا کہ ازواج صیغہ جمع کا ہے اور آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ حضور پر نور ﷺ کی متعدد بیبیاں تھیں مگر شیعہ شنیعہ سوائے حضرت خدیجہ ؓ کے کسی اور زوجہ کے قائل نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم کی جن آیتوں میں ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ﴾ اور ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾ ﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ﴾ (الاٰيات) آیا ہے جن میں صراحۃً لفظ نساء اور لفظ ازواج موجود ہے اور صیغہ جمع ہے اور صراحۃً ازواج کے متعدد ہونے پر دلالت کرتا ہے پس یہ تمام آیتیں مدنی ہیں حضرت خدیجہ ؓ وفات کے عرصہ بعد نازل ہوئی ہیں معلوم ہوا کہ ان آیات میں ازواج سے حضرت خدیجہ ؓ کے سوا اور دوسری بیبیاں مراد ہیں اور اہل تشیع یہ نہیں دیکھتے کہ اس تمام رکوع میں از اول تا آخر تمام خطابات خداوندی ازواج مطہرات ؓ ہی کو ہیں اور اس رکوع میں صرف ایک مرتبہ لفظ اھل البیت آیا ہے باقی دوسری جگہ بیوت کی نسبت بھی ازواج مطہرات ہی کی طرف کی گئی ہے ﴿فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اور ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ بیوت بھی صیغہ جمع کا ہے اور کن بھی ضمیر جمع کی ہے معلوم ہوا کہ اصل اہل بیت اور نبی کے اہل خانہ آپ ﷺ کی بیبیاں ہیں۔ قرآن کریم میں جا بجا بیوت کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ﴾ ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا﴾ مگر نہ معلوم کہ شیعوں کی آنکھوں پر کیا پٹی بندھی کہ باوجود ان صریح آیتوں کے ازواج مطہرات ؓ کو اہل بیت سے خارج سمجھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾ انہی کے لئے ہے۔

شیعوں کی دوسری بات کا جواب

ابتداء کلام میں ہم نے آیت تطہیر کے متعلق شیعوں کی دو باتیں ذکر کی تھیں پہلی بات تو یہ تھی کہ یہ آیت حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ ؓ اور حسنین ؓ کے بارے میں نازل ہوئی اور لفظ اہل بیت سے صرف یہی چار حضرات مراد ہیں ازواج مطہرات ؓ مراد نہیں۔ بحمد للہ شیعوں کی اس بات کا مفصل جواب گزر گیا۔ شیعوں کی دوسری بات اس آیت کے متعلق یہ تھی کہ اس آیت میں اذہاب رجس اور تطہیر سے یعنی گندگی دور کرنے سے اور پاک کرنے سے اہل بیت کو معصوم بنانا اور ان کو عصمت عطا کرنا مراد ہے۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنانا اور عصمت عطا کرنا مراد نہیں بلکہ ازالہ معاصی و نقائص مراد ہے جس کو تزکیہ نفس اور تخلیہ اور تجلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تطہیر سے تحلیۂ باطن اور تنویر قلب مراد ہے۔ علامہ آلوسی ؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

والمعنی انما یرید الله لیذهب عنکم الذنوب والمعاصی ویحلیکم بالطاعة

والتقوی تحلیة بلیغة فیما امرکم۔ (روح المعانی: ۲۲/۱۲)

اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے خطاؤں اور گناہوں کی گندگی دور کردے اور طاعت اور تقویٰ سے تم کو خوب مزین اور آراستہ کردے کہ اللہ نے تم کو جو حکم دیا ہے اس میں کمی نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ ان ہدایتوں اور نصیحتوں سے اللہ کا منشا یہ ہے کہ نبی کے گھر والے ان احکام پر عمل کر کے بالکل پاک اور صاف ستھرے ہوجائیں اور ان کا ظاہر اور باطن ایسا معطر اور مطہر اور منور ہوجائے کہ جو نبی کے گھرانہ کے مناسب اور شایان شان ہو اور ان کی صفائی اور ستھرائی اوروں سے ممتاز اور فائق ہو پس اگر تم نے ہماری ان ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل کیا تو تم برائیوں سے بالکل پاک اور صاف ہوجاؤ گے۔

اور اگر بالفرض، بقول شیعہ، اذہاب رجس اور تطہیر سے عطاء عصمت یعنی کسی کو معصوم بنانے کے معنی مراد لئے جائیں تو پھر اس سے تو صحابہ بدریین رضی اللہ عنہم کا بھی معصوم ہونا ثابت ہوجائے گا کیونکہ یہ لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بھی آیا ہے۔ ﴿وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور حاضرین جنگ بدر کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾۔

پس اگر شیعوں کے نزدیک آیت تطہیر اہل بیت کی عصمت کی دلیل ہے تو مذکورہ بالا دو آیتیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی اور خصوصاً صحابہ بدریین رضی اللہ عنہم کی عصمت کی دلیل بنیں گی بلکہ مزید برآں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے اتمام نعمت یعنی نعمت پورا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اتمام نعمت کا مضمون اذہاب رجس اور تطہیر سے بڑھ کر ہے نیز گزشتہ آیت میں یعنی ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ میں اہل بدر کے لئے شیطان کے شر سے محفوظ ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھنا بدون عطاء عصمت کے ممکن نہیں اور اتمام نعمت اس پر مزید اضافہ ہے اس لئے کہ اتمام نعمت کا لفظ تمام فضائل اور کمالات کو حاوی ہے پس شیعوں کو چاہیے کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی عصمت کے عموماً اور اہل بدر کی عصمت کے خصوصاً قائل ہوں۔

جواب دوم

(۲) نیز اگر آیت تطہیر شیعوں کے نزدیک صرف اہل بیت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت ان کی عصمت کی دلیل ہے تو آیت ﴿وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ﴾ بالاجماع عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہوئی ہے جس کا شیعہ بھی انکار نہیں کرسکتے اور ظاہر ہے کہ لفظ "الطیبات" جس قدر پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾۔ اتنا دلالت نہیں کرتا کیونکہ لفظ الطیبات صفت مشبہ ہے جو اصلی اور دائمی اور لازمی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ یذھب ویطھر تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں جس سے اس درجہ پاکیزگی ہونا ثابت نہیں ہوتا جتنا کہ صفت مشبہ کے صیغہ سے ثابت ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آیت تطہیر کے بھروسہ پر اہل بیت کو معصوم مانا جائے۔ اور آیت الطیبات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو معصوم نہ مانا

جائے کیونکہ آیت الطیبات کا مورد اگرچہ خاص ہے مگر الفاظ تو عموم پر دلالت کرتے ہیں اور ناظرین کرام کو چاہئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برات اور نزاہت اور عفت اور طہارت میں شک اور تردد کرنے والوں کے حق میں کیا تہدیداور وعید آئی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طہارت میں شک اور تردد ایمان کے منافی ہے۔

(۳) نیز اگر غور سے دیکھا جائے تو عجب نہیں کہ آیت تطہیر سے عدم عصمت ثابت ہو جائے اس لئے کہ جو پہلے سے معصوم اور طاہر ہو اس کی تطہیر کے ارادہ کے کیا معنی۔ تحصیل حاصل کا ارادہ بھی عقلاً قبیح ہے۔

(۴) نیز اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے وقت تک ائمہ کو عصمت حاصل نہ تھی بلکہ بعد نزول آیت آئندہ زمانہ میں ان کو عصمت حاصل ہوگی کیونکہ آیت میں صیغہ مضارع کا مستعمل ہوا ہے جو حال یا استقبال میں وقوع پر دلالت کرتا ہے ماضی سے متعلق نہیں اور شیعوں کے نزدیک ائمہ وقت ولادت سے لے کر وقت موت تک کسی وقت بھی عصمت سے خالی نہیں ہوتے ہاں اگر آیت میں بجائے صیغہ مضارع کے صیغہ ماضی ہوتا اور کلام اس طرح ہوتا۔ ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ اے اہل بیت اللہ نے تم سے گندگی کو دور کر دیا اور تم کو بالکل پاک کر دیا تو شاید شیعوں کا کچھ کام چل جاتا۔

(۵) نیز یہ لفظ شیعوں کی حدیثوں میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے مستعمل ہوا ہے لہٰذا شیعوں کو چاہئے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی معصوم سمجھیں کیونکہ شیعوں کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے بصیغہ ماضی وارد ہوئی ہے۔ وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۶۰۹ سے لے کر ص ۶۱۳ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جو مہاجرین صحابہ کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ الذین اخبر عنهم فی کتابه انه اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا بعد ازاں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے مہاجرین کو آیۃ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ﴾ اور آیت ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ الخ اور آیت ﴿اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ﴾ اور آیت ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ کا مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم معاذ اللہ، ظالم و فاسق نہ تھے۔

حضرات شیعہ کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لئے بھی کوئی موقع اور محل چاہئے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو کیا خوف لاحق تھا جس کی بنا پر آیات قرآنیہ کا حوالہ دے کر مہاجرین کے فضائل بیان کرنے پر مجبور ہوئے۔ نیز شیعوں کے نزدیک امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے لئے تقیہ ممنوع تھا۔ پھر انہوں نے کیسے تقیہ کی بناء پر مہاجرین کے یہ فضائل بیان کئے۔ ہاں اصول شیعہ پر ایک تاویل ممکن ہے وہ یہ کہ اللہ کو بدا واقع ہوا کہ پہلے تو ارادہ صحابہ کی تطہیر کا تھا بعد میں بدل گیا۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں

وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ

اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں ف۱ اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں ف۲

اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت سہنے والے مرد اور محنت سہنے والی عورتیں اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ

اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو

اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور تھامنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ

وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۵﴾

اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا ف۳

اور تھامنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں، رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور نیگ بڑا۔

تبشیر عام بر امتثال احکام اسلام

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ ... الى ... أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی بشارت کا ذکر تھا اب عام بشارت کا ذکر ہے کہ جو مسلمان عورت احکام اسلام بجالائے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب گزشتہ آیتیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئیں تو عورتوں کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ ہمارے لئے تو کچھ نازل نہیں ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں تاکہ تسلی ہوجائے کہ عورت ہو یا مرد ہو اللہ کے یہاں کسی کا عمل ضائع نہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ میں مردوں اور عورتوں کا حکم ایک ہے علیحدہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

ف۱ یعنی تکلیفیں اٹھا کر اور سختیاں جھیل کر احکام شریعت پر قائم رہنے والے۔

ف۲ یعنی تواضع وخاکساری اختیار کرنے والے یا نماز خشوع وخضوع سے ادا کرنے والے۔

ف۳ بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کہا تھا کہ قرآن میں اکثر جگہ مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا کہیں نہیں اور بعض نیک بخت عورتوں کو خیال ہوا کہ آیات سابقہ میں ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو آیا عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا اس پر یہ آیت اتری۔ تاکہ تسلی ہوجائے کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت اور کمائی اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتی۔ اور جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں عورتوں کے لیے بھی یہ میدان کشادہ ہے۔ یہ طبقہ اناث کی دلجمعی کے لیے تصریح فرمادی۔ ورنہ جو احکام مردوں کے لیے قرآن میں آئے وہ ہی عموماً عورتوں پر عائد ہوتے ہیں۔ جداگانہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں خصوصی احکام الگ بتلا دیے گئے ہیں۔

یا ایھا الناس ان اللہ یقول ﴿اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ الی آخر الأیۃ۔ (رواہ النسائی تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۸۷)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم سب کے بارے میں یہ فرمایا ہے۔ ﴿اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ الی اخر الآیۃ۔

قرآن کریم میں اکثر و بیشتر خطاب صرف مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں احکام میں مردوں کی تابع ہوتی ہیں مگر ان آیات میں عورتوں کی دلجوئی کے لئے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی خطاب میں شامل کر لیا گیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے اہم شعبوں کو بیان فرمایا جن سے خاص طور پر قلب کی طہارت اور باطن کی ستھرائی حاصل ہو اور اخلاقی اور عملی گندگیاں اس سے دور ہوں اور یہ ایسے اعمال صالحہ ہیں جن میں مرد اور عورت سب شریک ہیں جو اپنے دین کو درست کرنا چاہے وہ ان اعمال کو بجالائے اس کے بعد وہ اجر اور مغفرت کا مستحق ہوگا لہٰذا سب کو چاہئے کہ ان باتوں پر عمل کر کے اپنی حالت درست کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ اور سپرد [1] کر دیا اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ کے فرمانبردار بنے۔ اور تحقیق ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں جنہیں اللہ کی باتوں پر یقین کامل حاصل ہے اور ایمان [2] ان کے دل میں اتر چکا ہے اور اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قائم اور دائم اور ثابت رہنے والے مرد اور عورتیں "قنوت" کے معنی حق عبودیت میں قائم اور دائم اور ثابت ہو جانے کے ہیں۔ قنوت کے اصل معنی لزوم اور مداومت کے ہیں۔ قنوت کا مرتبہ ایمان کے بعد ہے ایمان اور اسلام کے مل جانے سے قنوت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اپنے قول اور فعل میں اور نیت میں سچے مرد اور سچی عورتیں اللہ سے اور بندوں سے جو عہد کریں وہ سچ کر دکھائیں اور کذب اور نفاق سے پاک اور صاف ہوں یہاں تک کہ صدیق کے مرتبہ کو پہنچ جائیں۔ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں طاعتوں پر قائم رہنے والے اور معصیتوں سے نفس کو روکنے والے اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں جو اپنے آپ کو حق عبودیت کی ادائیگی سے قاصر سمجھتے ہیں ان کی نظر ہمیشہ اپنے قصور اور تقصیر پر رہتی ہے۔ اعجاب اور خود پسندی سے ان کے قلوب پاک اور منزہ ہیں۔ "خشوع" اس فروتنی کو کہتے ہیں جو اللہ کے خوف سے اور اپنے اوپر اللہ کو نگہبان اور حاضر و ناظر سمجھنے سے پیدا ہو اور صدق دل سے خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنے والے مرد اور عورت خدا کی راہ میں صدق دل سے صدقہ دینا صدق ایمان کی دلیل اور برہان ہے جیسا کہ حدیث میں ہے الصدقۃ برھان اور متصدق صادق وہ ہے کہ جو اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک حقیقی نہ سمجھے۔ جو چیز خدا کی راہ میں صدق دل سے دی جائے اس کو صدقہ کہتے ہیں ورنہ وہ صدقہ نہیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں جنہوں نے اللہ کی محبت میں اپنی جائز خواہشوں کو بھی چھوڑ دیا اور حرام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں۔ شرمگاہ کی حفاظت سے نصف ایمان محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھنے والے مرد اور عورتیں جن کے

---

[1] اس تفسیر میں اسلام کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

[2] اس لفظ سے اس آیت کی اشارہ ہے۔ ﴿اٰمَنَّا قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ﴾

دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہیں۔ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ جو اپنے پروردگار سے غافل نہیں۔ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ جو ان کی محبت کی دلیل ہے اور اللہ کی محبت ایمان اور اسلام کی جڑ ہے۔ ﴿يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ﴾ سے لے کر ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ تک دس خصلتوں کا بیان ہے۔

ایسے ہی مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو ان کی طاعت سے کہیں زیادہ ہے ان آیات کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے رنج کو دور کر دیا جن کو یہ افسوس تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بابت قرآن مجید میں صراحۃً کچھ نازل نہیں کیا۔

نکتہ:...... ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو صراحۃً خطاب فرمادیا۔ باقی اکثر آیات میں صرف مردوں ہی کو خطاب کیا گیا ہے۔ کیونکہ مرد حاکم ہیں اور اصل ہیں۔ اور عورتیں ان کے تابع ہیں۔ اس لئے عورتوں کو جداگانہ خطاب نہیں کیا گیا حاکم کو خطاب کافی ہے محکوم اور تابع کو علیحدہ خطاب کی ضرورت نہیں جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل ہیں وہ قرآن اور حدیث سے بے خبر ہیں نیز سارا عالم اس بات پر متفق ہے کہ عورتیں جسمانی قوت میں اور عقل اور فہم اور فراست میں اور اعضاء ظاہری کی ساخت میں مردوں سے کم ہیں حتیٰ کہ آواز میں بھی مرد سے کم ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کے متعلق فرمایا ﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ یعنی عورتوں کو ابتداء ہی سے زیب و زینت کا شوق ہوتا ہے اور اسی میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور زیب اور زینت سے اور غیر ضروری چیزوں سے رغبت قلت عقل کی دلیل ہے اور اخیر سورت میں حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ عورتوں کے دوسرے نقص کا بیان ہے کہ وہ قوت بیانیہ میں ضعیف اور کمزور ہے پس جس کو قدرت نے محکوم اور کمزور اور ناقص بنایا ہو وہ حاکم اور قوی کے ساتھ کیسے مساوی ہوسکتا ہے بلکہ یہ محکومیت ہی عورتوں کے لئے اللہ کی رحمت اور نعمت ہے کہ ان کو مردوں کے تابع کر دیا۔ بیوقوف اور کم عقل کے لئے یہی مصلحت ہے کہ وہ کسی کے تابع ہو کر رہے اگر کسی بیوقوف کو حاکم بنادیا جائے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی تباہ کرے گا اگر چھوٹے بچے ماں باپ کے تابع نہ ہوں تو یقیناً وہ ہلاک ہوں گے اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ لا نکاح الا بولی عورت کو بغیر ولی کے ہرگز نکاح نہ کرنا چاہئے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ

اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایمان دار عورت کا جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے

اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا نہ عورت کا، جب ٹھہرا دے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام، کہ ان کو رہے اختیار اپنے

اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ

کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر ف۱ اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے

کام کا۔ اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے، سو راہ بھولا صریح چوک کر۔ اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے

ف۱ حضرت زینب رضی اللہ عنہا امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم =

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ

احسان کیا اور تو نے احسان کیا رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو کو اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ

احسان کیا، اور تو نے احسان کیا، رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو، اور ڈر اللہ سے، اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز، جو اللہ

مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا

کھولا چاہتا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ف۱

اس کو کھولا چاہتا ہے، اور تو ڈرتا تھا لوگوں سے۔ اور اللہ سے زیادہ چاہئے ڈرنا تجھ کو، پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض،

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ

ہم نے اس کو تیرے کو نکاح میں دے دیا تا کہ نہ رہے مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینا جوروئیں اپنے لے پالکوں کی جب وہ تمام کر لیں ان سے اپنی

ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی، تا نہ رہے سب مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینا جوروئیں اپنے لے پالکوں کی، جب وہ تمام کریں ان سے اپنی

وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ

غرض اور ہے اللہ کا حکم بجا لانا ف۱ نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو مقرر کر دی اللہ نے اس کے واسطے

غرض۔ اور ہے اللہ کا حکم کرنا۔ نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں، جو ٹھہرا دی اللہ نے اس کے واسطے۔

= نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔ یہ زید رضی اللہ عنہ اصل سے شریف عرب تھے۔ لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ جب یہ ہشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب سے گزرے، وہاں ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاوضہ لے کر ہمارے حوالہ کر دیں، فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں، اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لے جاؤ۔ انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا اور متبنیٰ بنا لیا۔ چنانچہ لوگ اس زمانہ کے رواج کے مطابق "زید بن محمد" کہہ کر پکارنے لگے تا آنکہ آیت ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی۔ اس وقت "زید بن محمد" کی جگہ پھر "زید بن حارثہ" رہ گئے چونکہ قرآن کے حکم کے موافق ان کے نام سے اس نسبت عظیمہ کا شرف جدا کر لیا گیا تھا شاید اس کی تلافی کے لیے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں سے صرف ان کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ ان کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ "فلما قضی زید منها وطرا۔" بہرحال حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ بظاہر داغ غلامی اٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لیے ان کی نیز ان کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح کرنے کی نہ تھی لیکن اللہ و رسول کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہوم تفریقات و امتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کر لیں۔ اسی وقت یہ آیت اتری اور ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔

ف۱ یعنی زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی، زینب سے کچھ غرض مطلب نہ رہا۔

ف۲ حضرت زینب رضی اللہ عنہا زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں تو وہ ان کی آنکھوں میں حقیر لگتا۔ مزاج کی موافقت نہ ہوئی۔ جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زید رضی اللہ عنہ آ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کرتے اور کہتے میں اسے چھوڑتا ہوں حضرت منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس نے تجھ کو اپنی منشاء کے خلاف قبول کیا۔ اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لیے خدا سے ڈرو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر۔ اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتا رہ۔ جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا، اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید رضی اللہ عنہ چھوڑ دے گا تو زینب رضی اللہ عنہا کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں لیکن جاہلوں اور منافق کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ کہیں گے =

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۟ۙ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ

جیسے دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو گزرے پہلے اور ہے حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں

دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو گزرے پہلے۔ اور ہے حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا۔ وہ جو پہنچاتے ہیں

رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ

پیغام اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوا اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنے والا ف۱ محمد

پیغام اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے، اور نہیں ڈرتے کسی سے سوا اللہ کے۔ اور بس ہے اللہ کفایت کرنے والا۔ محمد

=اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی۔ حالانکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے نزدیک "لے پالک" کو کسی بات میں حکم بیٹے کا نہیں۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس جاہلانہ خیال کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے عملی طور پر ہدم کر دے تاکہ مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش اور استنکاف باقی نہ رہے اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا کہ میں زینب رضی اللہ عنہا کو تیرے نکاح میں دینے والا ہوں۔ کیوں دینے والا ہوں؟ اس کو خود قرآن کے الفاظ "لکی لایکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم" صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دینے کی غرض یہی تھی کہ دلوں سے جاہلیت کے اس خیال باطل کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور کوئی تنگی اور رکاوٹ آئندہ اس معاملہ میں باقی نہ رہنے پائے۔ اور شاید یہی حکمت ہوگی جو اول زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح زید رضی اللہ عنہ سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مدت تک باقی نہ رہے گا۔ چند مصالح مہمہ تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ذاتی خیال اور اس آسمانی پیشین گوئی کے اظہار سے عوام کے طعن وتشنیع کا خیال فرما کر شرماتے تھے اور زید رضی اللہ عنہ کو طلاق کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے لیکن خدا کی خبر سچی ہونی تھی اور اس کا حکم تکوینی وتشریعی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے۔ آخرکار زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی۔ اور عدت گزر جانے پر اللہ نے زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ دیا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی اور اس کا خیال تھا اسی کو بعد میں اللہ نے ظاہر فرما دیا۔ جیسا کہ "زوجنا کھا" سے ظاہر ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ بعض لوگ اس بات پر بدگمانی یا بدگوئی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھیں یا گمراہی میں ترقی نہ کریں چونکہ مصالح مہمہ شرعیہ کے مقابلہ میں اس قسم کی جھجک بھی پیغمبر کی شان رفیع کے لئے مناسب نہ تھی۔ اس لیے بقاعدہ "حسنات الابرار سیأت المقربین" اس کو عتاب آمیز رنگ میں بھاری کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کی زلات کے ذکر میں واقع ہوا ہے۔

(تنبیہ) ہم نے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی خبر پہلے سے دے دی تھی۔ اس کی روایات فتح الباری سورۃ احزاب کی تفسیر میں موجود ہیں۔ باقی جو لغو اور دور از کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین ومورخین نے درج کر دیئے ہیں ان کی نسبت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ "لاینبغی التشاغل بھا" اور ابن کثیر لکھتے ہیں۔ "احببنا ان تضرب عنھا صفحا لعدم صحتھا فلا نوردھا۔"

ف۱ یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اس کے یہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں روا ہو گیا۔ انبیاء ورسل کو اللہ کے پیغامات پہنچانے میں اس کے سوا کبھی کسی کا ڈر نہیں رہا۔ (چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیغام رسانی میں آج تک کسی چیز کی پروا نہیں کی نہ کسی کے کہنے سننے کے خیال سے کبھی متاثر ہوئے) پھر اس نکاح کے معاملہ میں رکاوٹ کیوں ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کی کثرت ازواج مشہور ہے۔ جو الزام سفہاء، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے سکتے ہیں انبیائے سابقین علیہم السلام کی لائف میں اس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی سفیہانہ اور جاہلانہ نکتہ چینیوں پر نظر نہیں کرنا چاہیے۔ آگے بتلایا ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متبنیٰ کر لیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ ان کی مطلقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح نہ کر سکیں۔ اور ایک زید رضی اللہ عنہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں گزر گئے۔ اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی ذریت دنیا میں پھیلی۔

اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا ف۱ اور مہر سب نبیوں پر ف۲ اور ہے اللہ سب چیزوں کو

باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہے اللہ کا، اور مہر سب نبیوں پر۔ اور ہے اللہ سب چیز

عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

جاننے والا ف۳

جانتا۔

بیان حرمت اعراض وعدول از فیصلہ خدا ورسول ﷺ

کہ ایں نوعے است از انواع ایذاء رسول ﷺ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مسلمین اور مسلمان اور مومنین اور مومنات کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ اور سپرد کر دے اور خدا اور رسول جو حکم دیں۔ دل وجان سے بسر وچشم اس کو قبول کرے اور بجالائے مرد ہو یا عورت ہو جب خدا کا رسول کوئی حکم دے تو ایمان اور اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سر جھکا دیں غرض یہ کہ اس آیت میں خدا اور رسول کے فیصلہ سے اعراض اور عدول کو حرام اور ممنوع قرار دیا اس لئے کہ وہ ایمان اور اسلام کے منافی ہے علاوہ ازیں خدا اور رسول کے فیصلہ سے اعراض وانحراف یہ ایک قسم کی ایذاء بھی ہے اور اس سورت کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم اور اطاعت کی فرضیت اور آپ ﷺ کی ایذاء کی حرمت کو بیان کیا جائے اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں کا

ف۱ یعنی کسی کو اس کا بیٹا نہ جانو۔ ہاں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس حساب سے سب ان کے روحانی بیٹے ہیں جیسا کہ ہم ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ کے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں۔

ف۲ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی، بس جن کو ملنی تھی مل چکی۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دورہ سب نبیوں کے بعد رکھا جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اخیر زمانہ میں بحیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کے آئیں گے خود ان کی نبوت ورسالت کا عمل اس وقت جاری نہ ہوگا۔ جیسے آج تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر ششش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاری وساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام (زمین پر) زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے اتباع کا چارہ نہ تھا۔ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین علیہم السلام اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا۔ اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبوت ورسالت کے تمام مراتب وکمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(تنبیہ) ختم نبوت کے متعلق قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سے سینکڑوں دلائل جمع کر کے بعض علمائے عصر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مطالعہ کے بعد ذرا تردد نہیں رہتا کہ اس عقیدہ کا منکر قطعاً کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے۔

ف۳ یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ رسالت یا ختم نبوت کو کس محل میں رکھا جائے۔

ذکر کر کے ان کا جواب دیا اور اسی ذیل میں حق تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کا قصہ ذکر فرمایا اور اس بارے میں منافقین نے جو حضور پر نور ﷺ پر طعن و تشنیع کر کے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچائی تھی اس کا جواب دیا۔

اصل قصہ یہ تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں آنحضرت ﷺ نے یہ چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔ یہ زید دراصل عرب سے تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ کر لایا اور غلام بنا کر ان کو مکہ کے بازار میں بیچ دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید لیا اور بعد چندے آنحضرت ﷺ کو ہبہ کر دیا آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور بیٹوں کی طرح ان کی پرورش کی حتی کہ ان کو زید رضی اللہ عنہ بن محمد ﷺ کہہ کر پکارنے لگے آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ زید رضی اللہ عنہ کا زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو جائے مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی اس پر راضی نہ ہوئے ان کا گمان یہ تھا کہ زید رضی اللہ عنہ نسبی اور خاندانی حیثیت سے کم ہیں اور زینب رضی اللہ عنہا خاندانی حیثیت سے بلند ہیں۔ اس لئے ان کے گھر والے اس نکاح پر راضی نہ ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو اس میں چون و چرا کا اختیار نہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر گھر والے نکاح پر راضی ہو گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نکاح ہو گیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی کو انکار کی گنجائش نہ رہی اور انہوں نے اس منگنی کو منظور کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا۔

یہ تو پہلا مرحلہ تھا اور دوسرا مرحلہ یہ پیش آیا کہ نکاح تو ہو گیا مگر باہم مزاج میں موافقت اور موانست نہ ہوئی دن بدن کشیدگی بڑھتی گئی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طبیعت پر اثر یہ تھا کہ میں جس حسب و نسب اور خاندان کی ہوں تو میں ایک ایسے شخص کی بی بی بن کر کیسے رہوں جس پر ایک بار غلامی کا دھبہ لگ چکا ہے وہ زید رضی اللہ عنہ کو اپنا ہمسر نہ سمجھتی تھیں جب کبھی کوئی بات پیش آتی تو زید رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے آکر زینب رضی اللہ عنہا کی تیز زبانی کی شکایت کرتے تو آپ ﷺ ان کی تسلی کرتے اور کہتے کہ اپنی بی بی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور طلاق نہ دو۔ شریعت کے حکم کے مطابق آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور مشورہ دیا۔ بالآخر جب کشمکش نے طول کھینچا تو زید رضی اللہ عنہ نے آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا چاہتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: طلاق مت دو جہاں تک ہو سکے نباہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔ مگر زید رضی اللہ عنہ نہ مانے اور آخرت طلاق دے ہی دی۔ آنحضرت ﷺ نے تو بحکم شریعت، زید رضی اللہ عنہ کو یہی مشورہ دیا کہ طلاق نہ دو اور نباہ کرو اس لئے کہ ایسی صورت میں شریعت کا یہی حکم ہے مگر بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتلا دیا گیا کہ زید رضی اللہ عنہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں گے اور اس طلاق کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے نکاح ہو گا جیسا کہ امام زین العابدین [1] سے مروی ہے۔

[1] رواہ الحکیم الترمذی وغیرہ عن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ ما اوحی اللہ تعالیٰ بہ الیہ ان زینب سیطلقھا زید ویتزوجھا بعد علیہ الصلاۃ والسلام والی ھذا ذھب اھل التحقیق من المفسرین کالزھری وبکر بن العلاء القشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم۔ روح المعانی: ۲۲/۲۳۔

اور امام قرطبی اپنی تفسیر میں امام زین العابدین رحمہ اللہ کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ قال علماءنا رحمۃ اللہ علیہم ھذا القول احسن ما قبل فی تفسیر ھذہ الایۃ وھو الذی علیہ اھل التحقیق من المفسرین والعلماء الراسخین کالزھری والقاضی =

ایک پریشانی تو آپ ﷺ کو نکاح زینب ؓ کے وقت پیش آئی تھی اب آپ ﷺ کو ایک دوسری پریشانی لاحق ہوگئی کہ جب زید ؓ کی طلاق کے بعد زینب ؓ میرے نکاح میں آئیں گی تو جاہل اور منافقین یہ طعنہ دیں گے کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا اس بارے میں اگلی آیتیں نازل ہوئیں یعنی ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ... الی ... وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾۔

ہر شخص بمقتضائے بشریت لوگوں کی کہاسنی سے ڈرا ہی کرتا ہے اگرچہ وہ بات جائز اور مباح ہی کیوں نہ ہو آپ ﷺ بمقتضائے بشریت لوگوں کی طعن و تشنیع سے ڈرے اور شرم کے مارے اس پیشین گوئی کو دل میں پوشیدہ رکھا کسی پر ظاہرہ کیا مگر امر تقدیری پورا ہو کر رہتا ہے ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ چنانچہ وہ پورا ہوا کہ زید ؓ اور زینب ؓ میں موافقت نہ ہوئی اور نوبت طلاق کی آئی اس کے بعد بحکم خداوندی وہ آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ﷺ مخالفین اور منافقین کے طعنوں اور بدگوئیوں سے نہ ڈریں اس وقت اللہ کی حکمت اور مصلحت یہی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ متبنیٰ کا حکم بیٹے جیسا نہیں اس کی بیوی طلاق یا موت کے بعد اس پر حلال ہے۔ وکان امر اللہ مفعولا سے بتلا دیا کہ امر تقدیری پورا ہو کر رہتا ہے اور ہو کر رہے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی ایماندار مرد اور عورت کے لئے ایمان لانے کے بعد یہ امر کسی طرح زیبا اور روا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں تو پھر ان کو اپنے کام میں کوئی اختیار باقی رہے کہ چاہے تو اس کام کو کریں اور نہ چاہے تو نہ کریں۔ بلکہ بسروچشم قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے ایمان کی حقیقت ہی یہی ہے کہ اپنے اختیار کو نبی کے اختیار کے تابع کردے بلکہ اس میں فنا کردے اور جو شخص حکم وجوبی کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور حکم عدولی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا یہ آیت زینب ؓ بنت جحش اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش ؓ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم تمہید میں ذکر کر چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ ؓ کے نکاح کا پیام اپنی پھوپھی زاد بہن سے دیا تو زینب ؓ نے اور ان کے بھائی نے اس پیغام کے قبول کرنے سے عذر کردیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد مومن اور مومنہ کو اپنے کام میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ ان پر واجب ہے کہ اپنے اختیار کو خدا اور اس کے رسول کے اختیار کے تابع کریں اور خدا و رسول ﷺ کے حکم کے بعد کسی عار کی پروا نہ کریں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت زینب ؓ اور ان کے بھائی نکاح پر راضی ہوگئے اور حضرت زید ؓ کے ساتھ ان کا نکاح ہو گیا اللہ اور اس کے رسول کو منظور یہ تھا کہ حسب ونسب کا فخر اور خاندانی امتیاز نکاح کی راہ میں حائل نہ ہوا کریں حق تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ خاندانی خودداری اور غرور کا خاتمہ ہو۔ اس لئے یہ حکم نازل ہوا کہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو زینب ؓ اور عبداللہ ؓ کو کوئی مفر نہ رہا اور پیام کو منظور کرلیا اور زینب ؓ کا زید ؓ سے نکاح ہو گیا اور اس کے نکاح کے بعد جو بات پیش آئی وہ یہ تھی کہ زید ؓ اور زینب ؓ

=بکر بن العلاء القشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۹۰ تفسیر سورۃ احزاب۔

کے درمیان میں موافقت نہ ہوئی اگرچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تو آ گئیں مگر زید رضی اللہ عنہ ان کی نظر میں ذلیل اور حقیر رہے اس لئے گھر میں لڑائی رہتی۔ زید رضی اللہ عنہ حضور پرنور ﷺ سے زینب رضی اللہ عنہا کی بے اعتنائی کا شکوہ کرتے آپ ﷺ ان کو تسلی دیتے یہاں تک کہ زید رضی اللہ عنہ نے ان کے طلاق کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے پیغمبر آپ ﷺ اس وقت کو یاد کریں کہ جب آپ ﷺ اس شخص کو جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کیا کہ اس کو اسلام کی دولت سے نوازا اور آپ ﷺ کی خدمت سے اس کو عزت بخشی اور آپ ﷺ نے بھی اس پر انعام اور احسان کیا کہ اس کی پرورش کی اور اس کو آزاد کیا اور اپنی متبنی بنا لیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے اس کا نکاح کر دیا لیکن نکاح کے بعد مزاجی موافقت نہ ہوئی اور آپس میں لڑائی جھگڑے کی نوبت آئی تو زید رضی اللہ عنہ نے آ کر آپ ﷺ سے عرض حال کیا اور کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دوں تو آپ ﷺ بطور فہمائش و مشورہ اپنے پروردہ احسان یعنی زید رضی اللہ عنہ سے یہ کہنے لگے کہ تو اپنی بیوی (زینب رضی اللہ عنہا) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور طلاق دے کر اس کو تکلیف نہ پہنچا اور اس کی تنگ مزاجی پر نظر نہ کر۔ شاید آئندہ چل کر یہ منافرت مبدل بہ موانست ہو جائے اور اللہ سے ڈر اور طلاق دینے میں جلدی نہ کر۔ یہ نکاح بحکم خداوندی ہوا ہے اور میرے اصرار سے ہوا ہے لہٰذا طلاق میں عجلت کسی طرح مناسب نہیں ظاہری شریعت اور ازدواجی مصلحت کے لحاظ سے اور زوجین کی خیر خواہی اور حسن معاشرت کے اعتبار سے حضور پرنور ﷺ کا یہ مشورہ بالکل درست تھا لیکن پنہائی اور اندرونی طور پر بات دوسری تھی جس کا اظہار سے اس وقت مصلحت نہ تھا وہ یہ کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی کے بتلا دیا گیا تھا کہ زید عن قریب زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں گے اور ان کے طلاق دینے کے بعد ہم خود زینب رضی اللہ عنہا کو تمہارے نکاح میں دیں گے اور آپ ﷺ کی ازواج طاہرات رضی اللہ عنہن میں داخل کریں گے جس میں ہماری حکمتیں اور مصلحتیں ہیں چنانچہ اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ بعد میں ظاہر کرنے والا تھا یعنی زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد زینب رضی اللہ عنہا تمہاری ازواج رضی اللہ عنہن میں ہو گی آپ ﷺ نے اللہ کی اس خبر کو دل میں پوشیدہ رکھا اور کسی کو اس خبر پر مطلع نہ کیا اور آپ ﷺ بمقتضائے بشریت لوگوں کے طعن سے اور عار سے اور ملامت سے ڈرتے تھے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور خدا نے جو بات آپ ﷺ کو بذریعہ وحی کے بتلا دی تھی کہ وہ تیری بی بی ہو گی آپ ﷺ اس کے اظہار سے شرماتے تھے حالانکہ اللہ زیادہ لائق اور حقدار ہے اس بات کہ تو اس سے ڈرے اور شرماوے جانب حق کی رعایت، جانب خلق کی رعایت سے احق ہے اور بلاشبہ نبی کریم علیہ السلام تمام عالم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے اور شرمانے والے تھے اس لئے کہ خوف و خشیت کا دارومدار علم اور معرفت پر ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ اور حدیث میں ہے انا اعلمکم اللّٰہ واخشاکم میں سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔ پس جب زید رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے اپنی حاجت پوری کر لی یعنی اس کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی کیونکہ شوہر بیوی کو طلاق جب ہی دیتا ہے کہ جب اس کو بیوی کی حاجت نہ رہے تو زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دے دینے کے بعد ہم نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں زینب رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح کر دیا اور بذریعہ وحی کے پہلے ہی آپ ﷺ سے نکاح کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا اور جس وعدۂ خداوندی کو آپ ﷺ اپنے دل میں

چھپائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یعنی زوجنکھا نازل کر کے اس کو ظاہر کر دیا اور سب کو اس سے آگاہ کر دیا اور بتلا دیا کہ زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دے دینے کے بعد ہم نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان میں فرشتوں کی موجودگی میں آپ ﷺ کا نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا ہم ولی نکاح ہیں اور جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتے اس کے گواہ ہیں اور آسمانوں میں اس کا اعلان کر دیا یہ ایسا قطعی نکاح ہے جس میں فسخ کا احتمال نہیں اور ہم نے یہ نکاح اس لئے کیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے متبناؤں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں یعنی دل پھر جانے کے بعد ان کو طلاق دے دیں اور عدت بھی گزر جائے تو وہ ان سے نکاح کر سکتے ہیں بخلاف حقیقی بیٹے کے کہ اس کی جورو نفس عقد سے اس کے باپ پر حرام ہو جاتی ہے خواہ قبل از صحبت طلاق دے یا بعد از صحبت بہر صورت وہ باپ پر حرام ہو جاتی ہے اور جو کام خدا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں یہ مقدر ہو چکا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا ایک دن آپ ﷺ کے نکاح میں آئے گی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ جو مقدر کر دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ہمارا منشا یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا نسبی فرزند کے حکم میں نہیں اور متبنیٰ کی بیوی سے اس کے طلاق دینے کے بعد نکاح درست ہے۔ لہٰذا زینب رضی اللہ عنہا کو اس طرح سے آپ ﷺ کے نکاح میں دینے سے ہماری مصلحت یہ ہے کہ جاہلیت کی اس رسم کا قلع قمع ہو جائے اس لئے اول ہم نے زور دے کر زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح زید رضی اللہ عنہ سے کرایا اور پھر زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دے دینے کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے نکاح میں دیا تاکہ جاہلیت کی رسم کا قلع قمع ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ متبنیٰ کی زوجہ سے پردہ واجب ہے اور نسبی فرزند کی زوجہ سے باپ کا پردہ نہیں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ اپنے متبنیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کریں تاکہ مسلمانوں کو اس قسم کے نکاح میں انقباض اور توحش نہ رہے اور تیری ذات سے یہ حکم شرعی جاری اور نافذ ہوتا کہ اور مسلمان اگر اپنے منہ بولے بیٹوں کی زوجات مطلقات سے نکاح کرنا چاہیں تو ان کو تنگی پیش نہ آئے اور چونکہ مقصود اصلاح تھی اس لئے خود پیغمبر ﷺ کو حکم ہوا کہ تم زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرو اس سے اس رسم بد کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور زینب رضی اللہ عنہا کی دلجوئی بھی ہو جائے گی اور زینب رضی اللہ عنہا کو جو زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنے کا صدمہ اور رنج تھا وہ آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے دور ہو جائے گا صلہ رحمی اور حق قرابت اور حسن معاشرت کا اقتضاء بھی تھا کہ آپ ﷺ اپنی پھوپھی زاد بہن کو اپنے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل کر کے ان کے رنج و غم کو دور کر دیں۔

بحمد اللہ گزشتہ تقریر سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ بذریعہ وحی آپ ﷺ کو پہلے سے بتلا دیا گیا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ اور زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں گے اور ان کی طلاق کے بعد زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں گی پس جو چیز آپ ﷺ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی تھی۔ جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ سے ظاہر فرما دیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس پیش آنے والے واقعہ کی خبر دی تو آپ ﷺ کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ آپ ﷺ اس کا اعلان بھی کر دیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو کسی بات کا حکم دیں اور وہ اس کی تعمیل نہ کرے۔ اور ﴿تَخْشَى النَّاسَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ اس پیش گوئی کے اظہار سے شرماتے تھے یا منافقین کی زبان طعن کی درازی سے ڈرتے تھے اور آپ ﷺ کا یہ خوف طبعی تھا

لوگوں کے طعن اور ملامت کا ڈر اس کے چھپانے کا باعث بنا۔ اور اس آیت کے یہ معنی امام زین العابدین رحمہ اللہ سے منقول ہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ﴿وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ (زینب رضی اللہ عنہا) عن قریب آپ ﷺ کی زوجہ بنے گی اور تیرے نکاح میں آئے گی مگر آپ ﷺ کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ تم ہماری اس پیش گوئی کا اعلان بھی کر دو بلکہ آپ ﷺ کو فقط ایک آئندہ پیش آنے والے امر کی خبر رہی اور یہ نہیں فرمایا کہ تم اس کا اعلان بھی کر دو۔

پس بمقتضائے بشریت آپ ﷺ کو ایک قسم کی تشویش لاحق ہوئی اور شرم کے مارے اور مشرکین اور منافقین کے طعن کے ڈر سے آپ ﷺ کے ڈر سے آپ ﷺ نے اس کا اخفاء کیا جس کو بعد میں اللہ نے ظاہر کر دیا۔ معاذ اللہ، اگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی محبت کا اخفاء مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرتا۔

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ معنی امام زین العابدین رحمہ اللہ اور سدی رحمہ اللہ سے مروی ہیں اور حکیم ترمذی نے روایت مذکورہ بالا کی تحسین میں خوب بسط فرمایا ہے اور یہی معنی معتمد اور معتبر ہیں۔ دیکھو فتح الباری[1] : ۸ / ۴۰۳۔

اس تمام تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ بد باطنوں کا یہ کہنا کہ ﴿تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ سے زینب رضی اللہ عنہا کی محبت کا دل میں چھپانا مراد ہے قطعاً غلط ہے اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہے۔ معاذ اللہ، اگر زینب رضی اللہ عنہا کی محبت کا اخفا مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ظاہر فرماتے اس بارے میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ ہرگز ہرگز قابل اعتماد نہیں حسب ارشاد باری ﴿مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ اللہ نے کسی آیت میں اس محبت کا اعلان اور اظہار نہیں فرمایا بلکہ ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ سے اس نکاح کی پیش گوئی کا اظہار فرما دیا جس کی آپ ﷺ کو پہلے خبر دی تھی۔ اور علاوہ ازیں کہ یہ قصہ بالکل بے اصل اور موضوع ہے خلاف عقل بھی ہے اس لئے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں لڑکپن سے آپ ﷺ کے سامنے آتی تھیں اور بارہا آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تھا اور ابھی تک پردہ کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا تو کیا آنحضرت ﷺ نے حضرت

---

[1] اصل عبارت یہ ہے کہ جو اہل علم کے لئے ہدیہ کرتے ہیں۔ وقد اخرج ابن ابی حاتم هذه القصة من طريق السدی فساقها سياقا واضحا حسنا ولفظه بلغنا ان هذه الاية نزلت فی زينب (رضی الله عنها) بن حارثة مولاه فكرهت ذلك ثم انها رضيت بما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم فزوجها اياه۔ ثم اعلم الله عزوجل نبيه صلى الله عليه وسلم بعد انها من ازواجه فكان يستحی ان يامر بطلاقها وكان لا يزال يكون بين زيد وزينب ما يكون من الناس فامره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يمسك عليه زوجه وان يتقی الله وكان يخشى الناس ان يعيبوا عليه ويقولوا تزوج امراة ابنه وكان قد تبنی زيدا وعنده من طريق علی بن زيد عن علی بن الحسين بن علی قال اعلم الله تعالىٰ نبيه صلى الله عليه وسلم ان زينب ستكون من ازواجه قبل ان يتزوجها فلما اتاه زيد يشكوها اليه وقال له اتق الله وامسك عليك زوجك قال الله تعالىٰ قد اخبرتك انی مزوجكها وتخفی فی نفسك ما الله مبديه وقد اطنب الترمذی الحكيم فی تحسين هذه الرواية وقال انها من جواهر العلم المكنون وكانه لم يقف على تفسير السدی اوردته منها هو المعتمد والحاصل ان الذی كان يخفيه النبی صلى الله عليه وسلم هو اخبار الله اياه انها ستصير زوجته والذی كان يحمله على اخفاء ذلك خشية قول الناس تزوج امراة ابنه اراد الله ابطال ما كان اهل الجاهلية عليه من احكام التبنی بامر لا ابلغ فی الابطال منه وهو تزوج امراة الذی يدعی ابنا ووقوع ذلك من امام المسلمين ليوكون ادعی لقبولهم وانما وقع ذلك من امام المسلمين ليوكون ادعی لقبولهم وانما وقع الخبط فی تاويل متعلق الخشية والله اعلم۔ فتح الباری: ۸۴۰۳۔ تفسير سورة الاحزاب۔

زینب ؓ کو زید ؓ کے نکاح کے بعد پہلی بار دیکھا تھا کہ دیکھ کر ان کے حسن و جمال پر مائل ہو گئے زید ؓ کے نکاح سے پہلے بار بار دیکھا تھا اگر آپ ﷺ کو ان کا حسن و جمال پسند ہوتا تو پہلے ہی بار خاندان پر زور دے کر زید ؓ سے کیوں نکاح کرایا آپ ﷺ ہی کے اصرار سے اعزاء و اقارب زید ؓ سے نکاح کرنے پر بمشکل راضی ہوئے۔ جب آپ ﷺ کے کہنے سے آپ ﷺ کے غلام سے نکاح کر دیا تو اگر آپ ﷺ اپنے نکاح کا پیغام دیتے تو کیوں نہ راضی ہوتے۔ اس وقت تو حضرت زینب ؓ کا نکاح بھی نہ ہوا تھا اور ان سے نکاح کرنے میں کسی قسم کا مانع بھی نہ تھا اور بعض کتابوں میں جو اس قسم کی روایتیں نقل کی جاتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کی نظر حضرت زینب ؓ پر پڑی تو آپ ﷺ ان پر فریفتہ ہو گئے (جن پر دشمنان اسلام کے اعتراضات کی بنیاد ہے) وہ سب بے اصل اور نا قابل اعتبار اور نا قابل التفات ہیں مزید تفصیل اگر درکار ہو تو سیرۃ المصطفیٰ مصنفہ ناچیز: ۳/ ۳۴۳ دیکھیں۔

اب آگے منافقین اور مشرکین کے طعن کا جواب دیتے ہیں کہ زینب ؓ سے آپ ﷺ کا نکاح بحکم خداوندی ہوا اور نبی ﷺ پر اس چیز کے کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر اور مقدر کر دیا۔ جیسا کہ سنت الٰہی ان انبیاء میں جاری رہی جو آپ ﷺ سے پہلے گزرے یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام میں بھی دستور جاری رہا کہ اللہ نے ان کو جس چیز کا حکم دیا اس کو پورا کر دیا اور لوگوں کی ملامت اور طعن کی پروانہ کی اور خدا کا اندازہ پہلے ہی سے ٹھہر چکا ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اور حکم خداوندی کا پہنچانا اور اس کا پھیلانا اگلے پیغمبروں کی سنت ہے جن کی صفت یہ ہے کہ وہ انبیاء، اللہ کے احکام اور پیام اپنی امتوں کو ٹھیک ٹھیک پہنچایا کرتے تھے اور تبلیغ احکام میں کسی کے طعن اور تشنیع اور ملامت اور عار دلانے کی پروا نہیں کرتے تھے اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ خدا کا حکم ایک طرف اور سارا جہان ایک طرف اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے وہ خود آپ ﷺ کے دشمنوں کے ضرر کو دفع کر دے گا لہٰذا اس نکاح کے بارے میں آپ ﷺ پر جو طعن کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دفع میں کفایت کرے گا یہ سب آپ ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ وہ پیغام رسالت کے پہنچانے میں کسی سے نہیں ڈرتے لہٰذا آپ ﷺ بھی مخالفین کے طعن کی پروانہ کریں اور نہ کسی کی ایذاء سے ڈریں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے طاعنین کو سزا دینے کے لئے کافی ہے۔

نکتہ:...... جاننا چاہئے کہ اس آیت میں تبلیغ احکام کے وقت غیر اللہ سے خوف کی نفی کی گئی ہے رہا یہ امر کہ انبیاء کو کسی سے طبعی خوف نہیں ہوتا سو اس کی نفی نہیں کی گئی ورنہ طبعی طور پر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا فرعون کی ایذاء سے ڈرنا قرآن کریم میں مذکور ہے۔

﴿قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی اور یہ فرمایا، ﴿لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کو جب عصا کا معجزہ عطا ہوا اور عصا اژدہا بن کر چلنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگنے لگے۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓي اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ﴾ ﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ اور یعقوب علیہ السلام نے فرمایا انی اخاف ان یاکلہ الذئب۔

اور حضور پر نور ﷺ کو جب دشمنوں کی طرف سے خوف لاحق ہوا تو آپ ﷺ کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل

ہوئی۔ ﴿وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ معلوم ہوا کہ ﴿لَا يَخۡشَوۡنَ اَحَدًا﴾ میں طبعی خوف کی نفی مراد نہیں بلکہ عقلی خوف کی نفی مراد ہے۔

نکتہ دیگر:...... نیز جاننا چاہیے کہ حضور پرنور ﷺ کو منافقین کی جانب سے بدزبانی کا ڈر بھی شروع شروع ہی میں تھا لیکن جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سنت حقہ کا اجراء اور نفاذ میری ہی ذات سے مقدر فرمایا ہے تو دل سے وہ ڈر بھی جاتا رہا چنانچہ جب زینب ؓ کی عدت پوری ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے خود زید ؓ ہی کو اپنے سے نکاح کا پیغام دے کر زینب ؓ کے پاس بھیجا (تاکہ یہ امر واضح ہوجائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید ؓ کی رضامندی سے ہوا) حضرت زید ؓ آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زینب ؓ کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے (حالانکہ اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا مگر یہ ان کا کمال ورع اور کمال تقویٰ تھا) اور پس پردہ کھڑے ہو کر کہا۔ اے زینب ؓ تم کو بشارت ہو مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ زینب ؓ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کرسکتی جب تک اپنے پروردگار سے مشورہ (یعنی استخارہ) نہ کرلوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کررکھی تھی وہاں جاکر مشغول استخارہ ہوگئیں۔

نکتہ دیگر:...... چونکہ حضرت زینب ؓ نے اپنے اس نکاح کے بارے میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا جو اہل ایمان کا اصل ولی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت ﷺ کا نکاح زینب ؓ سے کردیا آسمانوں میں تو اس نکاح کا اعلان ہو ہی گیا اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس نکاح کا اعلان ہو چنانچہ جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا﴾۔

پس جب زید ؓ زینب ؓ سے اپنی حاجت پوری کرچکے (اور ان کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزرگئی)

تو اے نبی کریم ہم نے (زینب کا) نکاح تم سے کردیا۔

آیت کے نازل ہونے سے تمام مکہ میں اس کا اعلان ہوگیا اور پیغام کے ذریعہ ایجاب وقبول پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اور (اس اعلان عام کے بعد) رسول اللہ ﷺ حضرت زینب ؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذن مکان میں داخل ہوئے۔ رواہ مسلم واحمد والنسائی۔ (دیکھو فتح الباری: ۸/۴۰۰ کتاب التفسیر وزرقانی: ۳/۲۴۵) اور نکاح آسمانی اور حکم قرآنی خود بلا واسطہ ان کو پڑھ کر سنایا۔

چونکہ اس واقعہ کا چرچا گھر گھر میں تھا تو یہ ناممکن ہے کہ حضرت زینب ؓ کو جو خود صاحب واقعہ تھیں ان کو اس آیت کے نزول کی خبر نہ پہنچی ہو۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے بعد آنحضرت ﷺ نے قاصد کے ذریعہ حضرت زینب ؓ کو یہ اطلاع کرادی کہ تمہارے نکاح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں چنانچہ حضرت زینب ؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو سجدہ شکر ادا کیا رواہ ابن سعد بسند ضعیف عن عباس رضی اللہ عنہ۔ دیکھو اصابہ: ۴/۳۱۳ وزرقانی: ۳/۲۴۶۔

اور چونکہ یہ نکاح آسمان میں ہوا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس نکاح کے ولیمہ میں جس قدر اہتمام کیا، وہ کسی دوسرے نکاح کے ولیمہ میں نہیں کیا۔ اور ام المومنین زینب ؓ کو اپنے اس نکاح آسمانی پر بڑا فخر تھا ایک دن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے کہا کہ تم سب کا نکاح تو تمہارے اولیاء نے کیا اور میرا نکاح اللہ نے آسمان پر کیا۔ حضرت عائشہ ؓ نے کہا کہ اللہ نے میرا عذر یعنی میری برات اور طہارت ونزاہت آسمان سے نازل کی۔

نکتہ دیگر:...... امام ابو القاسم سہیلی ؒ نے یہاں ایک نکتہ ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ عز وجل نے قرآن کریم میں زید ؓ بن حارثہ کا نام تو صراحت کے ساتھ ذکر کیا۔ اور اکابر صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) حتی کہ ابوبکر صدیق ؓ کا نام بھی صراحۃً ذکر نہیں کیا سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ زید بن حارثہ ؓ کو پہلے زید ؓ بن محمد کہا جاتا تھا اور یہ نسبت ان کے لئے فخر عظیم اور شرف فخیم تھی پھر جب اللہ تعالیٰ نے ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ﴾ کا حکم نازل فرمایا تو اس وقت لوگ ان کو زید بن محمد ﷺ کی بجائے زید ؓ بن حارثہ کہنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس نسبت کے قطع ہو جانے سے زید ؓ کو کس قدر صدمہ ہوا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو صدمہ دینا نہیں چاہتا پس اللہ تعالیٰ قرآن میں صراحۃً ان کا نام ذکر کر کے ان کو جو عزت وکرامت بخشی جو آپ ؓ کے سوا کسی کو نہیں بخشی گئی اور آپ ؓ کو وہ خصوصیت عطا ہوئی کہ جو آپ ؓ کے سوا کسی کو عطا نہیں ہوئی۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ابی بن کعب ؓ سے یہ فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہ سورت تجھے پڑھ کر سناؤں تو ابی بن کعب ؓ نے عرض کیا کہ کیا حق سبحانہ وتعالیٰ نے میرا نام لیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تو ابی بن کعب ؓ فرط مسرت سے رونے لگے پس اندازہ لگالو کہ زید ؓ بن حارثہ کو قرآن میں اپنا نام مذکور ہونے سے کس قدر خوشی ہوئی ہوگی جس کو اہل دنیا دن رات تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اہل جنت بھی اس کی تلاوت کرتے رہیں گے۔

نیز حق جل شانہ کا اپنے کلام قدیم میں زید ؓ کی نسبت یہ فرمانا ﴿لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ زید ؓ کا ازل ہی میں مورد انعام الٰہی اور مورد انعام نبوی ہونا لکھا جا چکا ہے اس لفظ میں ان کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نکتہ دیگر:...... متعلقہ بآیت ﴿اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾۔

ابطال تقیہ

(۱) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تقیہ نہیں کرتے۔ صاف صاف اللہ کا پیام پہنچاتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے اگر انبیاء تقیہ کرتے کافروں کے ہاتھوں مصیبتیں نہ اٹھاتے۔

(۲) چنانچہ سورۃ حجر میں ہے ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ یعنی اے نبی ﷺ صاف صاف اور کھول کر دین کی باتیں سنادو اور مشرکین کی ایذاء رسانیوں کا دھیان نہ کرو۔ اور تقیہ صاف صاف کہنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ گول مول کہنے کے لئے ہوتا ہے۔

(۳) دوسرے پارہ کے نصف میں یہ آیت گزر چکی ہے ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ باساء اور ضراء اور طرح طرح کی بلاؤں کا پہنچنا اسی صورت میں ہے کہ جب تقیہ نہ کیا جائے اور علی الاعلان حق کو ظاہر کیا جائے۔

(۴) اور آل عمران چوتھے پارہ میں یہ آیت گزر چکی ہے۔ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اور ظاہر ہے کہ تقیہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب آدمی ضعیف ہو جائے اور کافروں کے سامنے جھک جائے اور جہاد اور صبر بھی مقاتلہ اور مقابلہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ تقیہ کی صورت میں نہ جہاد کی ضرورت ہے اور نہ صبر کی۔

(۵) حق جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ انبیاء خدا کے احکام پہنچانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں نہ کہ تقیہ کر کے احکام کو چھپانے کے لئے انبیاء کی حق گوئی میں ذرہ برابر دریغ نہیں کیا بلکہ اسی کی وجہ سے اپنی جان و مال اور عزت اور آبرو کو خدا کی راہ میں پامال کر دیا۔ معاذ اللہ معاذ اللہ اگر انبیاء کرام تقیہ کر لیتے تو ان کو ہجرت کی ضرورت نہ پیش آتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر تقیہ کر لیتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور امام حسین رضی اللہ عنہ اگر تقیہ کر لیتے اور زبان سے یزید کی حکومت کا کلمہ پڑھ لیتے تو جان کی جان بچتی اور الٹی عزت و کرامت اور مال و دولت ان کو ملتی اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ اگر تقیہ کر کے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیتے تو خلافت کی خلافت بنی رہتی اور دین کو ترقی ہوتی اور باغی اور مفسد اگر قتل ہو جاتے تو کوئی حرج نہ تھا۔

(۶) قرآن، صبر کے فضائل سے بھرا پڑا ہے اور تقیہ میں نہ ایذاء ہے اور نہ صبر کی ضرورت ہے۔ قال تعالیٰ ﴿وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾

(۷) پیغمبروں کے بھیجنے سے مقصود اور غرض اظہار دین ہے نہ کہ اخفاء دین جیسا کہ سورۃ توبہ اور سورۃ فتح میں ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾۔ اگر تقیہ جائز اور درست ہو تو دین کا ظہور کیسے ہو۔

(۸) نیز قرآن اور حدیث تبلیغ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم سے بھرے پڑے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾۔

(۹) نیز اسی سورت کے شروع میں ﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ کہ کافروں اور منافقوں کے کہنے پر نہ چلنا اس میں بھی تقیہ کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۰) اس کے بعد ﴿وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اظہار حق میں کافروں کی دشمنی اور ایذاء رسانی کی پرواہ نہ کرنا فتلك عشرة كاملة۔

لیکن اس ناچیز کو ڈر ہے کہ کہیں شیعہ حضرات یہ نہ کہہ دیں کہ ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللهَ﴾ میں نبی ﷺ کو تقیہ کا حکم دیا گیا ہے۔

بہر حال یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب اور اس کے دلائل کا بیان ہوا۔ اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء اور ائمہ کے لئے بھی تقیہ جائز ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت انبیاء اور ائمہ اپنے توہمات کے بھروسہ پر کفار وفساق کے ہم رنگ بنے رہے اور بوجہ خوف اعداء ہمیشہ فرائض وضروریات دین کو چھپاتے رہے۔ اور ان بزرگوں نے ساری عمر تقیہ میں گزار دی اور دین اور مذہب کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ نعوذ باللہ من هذه الخرافات اور یہ نہ سمجھا کہ آخر پھر انبیاء کی بعثت سے اور ائمہ کی امامت سے کیا فائدہ ہوا۔

اطلاع:...... بقدر ضرورت تقیہ کا ابطال ہم سورۃ توبہ کی اس آیت ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ اگر مزید تفصیل درکار ہے تو ہدیۃ الشیعہ مصنفہ مولانا محمد قاسم از ص ۱۲۰ تا ۱۴۵ دیکھیں۔

طاعنین کا طعن کا جواب

یہاں تک اپنے متبنیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کا حکم اور اس کی حکمت بیان کی اب اس کے بعد طاعنین کے طعن کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ منافقین کا یہ طعن کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا جب درست ہوتا کہ جب محمد (ﷺ) کسی کے باپ ہوتے لیکن سب کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ باجود کثرت ازواج واولاد تمہارے مردوں میں سے کسی کے نسبی باپ نہیں۔ اور آپ ﷺ کے جو تین فرزند تولد ہوئے۔ قاسم رضی اللہ عنہ اور طیب رضی اللہ عنہ اور طاہر رضی اللہ عنہ۔ وہ سب صغرسنی میں انتقال کر گئے۔ بلوغ کو نہیں پہنچے اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے جو ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے وہ حالت شیر خوارگی ہی میں انتقال کر گئے آپ ﷺ کا کوئی فرزند زندہ نہیں۔ یہاں تک کہ وہ رجل ہو یعنی مرد عاقل وبالغ ہو پھر آپ ﷺ زید رضی اللہ عنہ کے باپ کیسے ہو سکتے لہٰذا کسی کی یہ مجال نہیں کہ یہ کہہ سکے کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا۔ نسبی اور جسمانی حیثیت سے آپ ﷺ کو کسی کی ابوت (پدری) حاصل نہیں ولیکن آپ ﷺ کو ایک دوسری قسم کی ابوت حاصل ہے جس کو حرمت مصاہرت میں دخل نہیں اور نہ اس پر نکاح کی حلت اور حرمت کا مدار ہے وہ دوسری قسم کی ابوت، روحانی ابوت ہے یعنی آپ ﷺ سب کے روحانی باپ ہیں جو تعظیم اور احترام میں نسبی باپ سے کہیں بڑھ کر ہیں کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ہر رسول امت کا روحانی باپ ہوتا ہے جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں گزرا۔ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ اور ایک قراءت میں وھو اب لھم آیا ہے اور روحانی باپ محبت اور شفقت میں نسبی باپ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے سب آپ ﷺ کے بیٹے ہیں آپ ﷺ کو بیٹا بنانے کی ضرورت نہیں اور اس روحانی ابوت میں آپ ﷺ تمام رسولوں سے افضل اور اکمل ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوگئی اور آپ ﷺ کی آمد سے قصر نبوت کی تکمیل ہوگئی آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا۔ اللہ کے علم

میں اور اللہ کے نزدیک جو نبی تھے وہ سب ختم ہو گئے اب قیامت تک آپ ﷺ ہی کی نبوت کا دور دورہ رہے گا جیسا کہ انجیل یوحنا کے چودھویں باب میں ہے۔

قال عیسیٰ للحواریین واطلب لکم من ابی ویعطیکم فارقلیط لیکون معکم دائما الی الابد۔

عیسیٰ علیہ السلام نے حواریین سے کہا کہ میں مانگوں گا اپنے باپ سے تمہارے واسطے کہ وہ بخشے اور عطا کرے تم کو ایک فارقلیط تا کہ رہے وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ ابد تک۔

خلاصہ خلام یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور خدا کے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کی ذات بابرکات سلسلہ نبوت کی آخری لڑی اور آخری کڑی ہے آپ ﷺ کی بعثت سے نبوت کا دائرہ پورا ہو گیا اور آپ ﷺ جسمانی اور نسبی حیثیت سے کسی مرد کے باپ نہیں البتہ آپ ﷺ روحانی باپ ہیں اور روحانی باپ اور جسمانی باپ کے احکام الگ الگ ہیں اور بے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔ اس نے اپنے علم و حکمت سے نبوت کو آپ ﷺ پر ختم فرمایا۔ ﴿اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ یعنی اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی نبوت اور رسالت کو رکھتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس لائق ہے کہ اس پر نبوت کو ختم کیا جائے اس نے اپنے علم و حکمت سے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا یعنی آپ ﷺ کو آخری نبی بنایا اور جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں رسول بدرجہ اولیٰ نہیں اس لئے کہ مقام رسالت مقام نبوت سے اخص ہے ہر رسول تو نبی ہے مگر ہر نبی رسول نہیں یعنی رسول اور نبی میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔

پس یہ آیت قدسی اس بارے میں نص قطعی اور محکم ہے کہ آنحضرت ﷺ خدا تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور یہی مضمون بکثرت احادیث صحیحہ اور صریحہ اور متواترہ سے ثابت ہے کہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو گئی اور آپ ﷺ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ بلاشبہ کذاب اور دجال ہے اور یہ احادیث صحیحہ اور صریحہ بخاری اور مسلم اور تمام کتب حدیث میں مذکور ہیں جن میں سے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں دس حدیثیں ذکر کی ہیں اور بقیۃ السلف اور حجۃ الخلف حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق محب محترم و عالم معظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی سابق مفتی دار العلوم دیوبند نے ''ہدیۃ المہدیین'' ایک جامع رسالہ عربی زبان میں مرتب فرمایا جس میں ختم نبوت کے متعلق جس قدر احادیث کا ذخیرہ فراہم ہو سکتا تھا اس میں جمع کر دیا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین۔ جو اہل علم کے لئے قابل دید ہے اور ختم نبوت کے عنوان سے اردو میں بھی مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جو عوام کے لئے غایت درجہ مفید ہے۔

جس شخص کو تفصیل درکار ہو تو مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کی مفصل اور مبسوط کتاب دیکھے اور جس شخص کو اختصار مدنظر ہو وہ اس ناچیز کی مختصر تالیف ''مسک الختام فی ختم النبوۃ علی سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام'' دیکھے جو مکتبہ صدیقیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ برادران اسلام کی تسلی اور تشفی کے لئے اجمالاً ان صحابہ کرام (رضوان

اللہ علیہم اجمعین) اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نام شمار کردیئے جائیں جن سے ختم نبوت کی احادیث مروی اور منقول ہیں۔

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما- ابی بن کعب رضی اللہ عنہ- حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ- ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ- جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ- ابوحازم رضی اللہ عنہ- جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ- ثوبان رضی اللہ عنہ- عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ- عطا بن یسار رضی اللہ عنہ- عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ- عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ- ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ- ام کرز رضی اللہ عنہا- ابوامامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ- سفینۃ رضی اللہ عنہ- ابن زمل الجہنی رضی اللہ عنہ- ضحاک بن نوفل رضی اللہ عنہ- ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ- معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ- سہل بن سعد رضی اللہ عنہ- حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ- اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا- زید بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ- ابوقبیلہ رضی اللہ عنہ- عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ- ابوالفضل رضی اللہ عنہ- نافع رضی اللہ عنہ- عوف بن مالک رضی اللہ عنہ- ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ- ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ- ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ- عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ- عمر بن قیس رضی اللہ عنہ- سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ- تمیم الداری رضی اللہ عنہ- نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ- عبیداللہ بن عمرو اللیثی رضی اللہ عنہ- نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ- محمد بن حزم الانصاری رضی اللہ عنہ- بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ- عبدالرحمن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ- ابوقتادہ رضی اللہ عنہ- قتادہ رضی اللہ عنہ- عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ- الحسن رضی اللہ عنہ- انس رضی اللہ عنہ- عائشہ رضی اللہ عنہا- عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما- مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ- عفان بن مسلم رضی اللہ عنہ- ابومعاویہ رضی اللہ عنہ- سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ- عکرمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ- ابوالدرداء رضی اللہ عنہ- زبیر العوام رضی اللہ عنہ- ام ہانی رضی اللہ عنہا- زبیر رضی اللہ عنہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وعنا معهم برحمتك یا ارحم الراحمین کذا فی هدیة المهدیین، ص: ۱۰۲۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ نص صریح اور محکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا اور یہی بات احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اور تمام امت کا اجماع قطعی ہے جس میں ذرہ برابر تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔

لطائف ومعارف

(۱) حق جل شانہ نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بیان فرمایا جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خاص فضائل اور خصائص میں سے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نبی کو یہ فضیلت عطا نہیں کی گئی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فضلت علی الانبیا بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون۔ (رواه مسلم وبخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی۔ (۱) مجھ کو ایسے جامع کلمات عطا کئے گئے کہ لفظ تو بہت کم اور معنی بہت زیادہ۔ (۲) میری مدد اللہ نے اس طرح فرمائی کہ دشمنوں کے دل میں میرا رعب ڈال دیا۔ (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا۔ (۴) تمام زمین میرے لئے جائے سجود اور ذریعہ طہارت بنادی

گئی۔(۵) مجھ کو تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔یعنی میری بعثت تمام عالم کے لئے ہے کسی خاص قوم کے لئے نہیں۔(۶) میں خاتم النبیین ہوں مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔(مسلم و بخاری)

مطلب یہ ہے کہ خاتم النبیین ہونا آپ ﷺ کی خاص خصوصیت اور فضیلت ہے اب قیامت تک آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہیں عطا ہوگی اس لئے کہ آپ ﷺ کا دین اور آپ ﷺ کی شریعت کامل ہے اور تمام گزشتہ ادیان اور شرائع کی ناسخ ہے اب قیامت تک آپ ﷺ کی امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح آپ ﷺ ہی کی شریعت سے عالم کی رہنمائی کرتے رہیں گے اور آنحضرت ﷺ نے ختم نبوت کی فضیلت کو ایک مثال سے واضح فرمایا چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔

ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون ویعجبون له ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة وانا اللبنة وانا خاتم النبیین۔ رواه البخاری ومسلم وغیرهما۔

میری مثال اور گزشتہ پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے نہایت عمدہ مکان بنایا اور اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک کونے پر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور لوگ اس مکان کے اردگرد آکر گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ لگا دی گئی کہ مکان بالکل مکمل ہو جاتا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس قصر نبوت کی آخری اینٹ میں ہوں جس سے وہ محل پورا ہوا۔اور میں خاتم النبیین ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ قصر نبوت بالکل مکمل ہو چکا ہے اب اس میں کسی تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کی اینٹ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۲) ذکر اختلاف قراءت در آیت ختم نبوت

آیت مذکورہ میں جو لفظ خاتم النبیین آیا ہے اس کو بعض قراء نے بفتح تا پڑھا ہے جس کے معنی مہر کے ہیں یعنی آپ ﷺ سب نبیوں کی مہر ہیں آپ ﷺ کی آمد سے نبوت پر مہر لگ گئی اور پیغمبری آپ ﷺ پر ختم ہوگئی۔خط پر مہر جب لگتی ہے کہ جب کتابت تمام ہو جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی ذات بابرکات نبوت پر مہر ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی آمد سے نبوت ختم ہوگئی اور آئندہ کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہوگیا۔اور بعض قراء نے خاتم بکسر تا پڑھا ہے جس کے معنی آخر کے ہیں یعنی آپ ﷺ آخر الانبیاء ہیں۔

بہرحال جو بھی قراءت لی جائے بہرصورت معنی یہی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہوگیا۔مہر دروازہ بند کرنے کے ہی لئے لگائی جاتی ہے کہ اندر کی چیز باہر نہ آسکے اور باہر کی چیز اندر نہ جاسکے۔کما قال تعالیٰ ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی کہ کفر اندر بند ہوگیا کہ وہ کفر اب اندر سے باہر نہیں آسکتا اور باہر سے

کوئی ہدایت ان کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ف

اروح وقد ختمت علی فوادی　　بحبك ان یحل بہ سواکا

اے محبوبہ میں چلتا پھرتا ہوں مگر میرا حال یہ ہے کہ تو نے میرے دل پر اپنی محبت کی ایسی مہر لگا دی ہے کہ تیری محبت تو دل کے اندر سے باہر نہیں نکل سکتی اور باہر سے کسی اور کی محبت دل کے اندر داخل نہیں ہو سکتی۔ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں اس طرح آیا ہے۔ من رجالکم ولکن نبیا ختم النبیین بصیغہ ماضی آیا ہے اور مطلب یہ ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نبی ہیں جنہوں نے تمام نبیوں کو ختم کر دیا۔ یہ قراءت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جو تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۱۹۷ میں مذکور ہے۔

اس قراءت نے ملاحدہ اور زنادقہ کی تمام تاویلات کو ختم کر دیا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کو ختم کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے خاتم ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کسی قسم کا کوئی نبی آنے والا نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مطلقا نبوت ختم ہو گئی۔ مستقلہ ہو یا غیر مستقلہ تشریعیہ ہو یا غیر تشریعیہ۔ اور جب نبوت ختم ہو گئی تو رسالت کا ختم ہونا بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا اس لئے کہ عام کی نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہے۔

(۳) لفظ "خاتم" کی تشریح

لفظ خاتم کلام عرب میں دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی تو حقیقی ہیں اور ایک معنی مجازی ہیں خاتم کے حقیقی معنی آخر کے ہیں جو سب کے بعد ہو اور خاتم کے معنی مجازی افضل اور اکمل کے ہیں اور اکمل اور افضل اس شے کو کہتے ہیں کہ جس پر کوئی کمال اور کوئی فضیلت ختم ہو جائے اور وہ شے اس فضل و کمال میں بے مثال ہو کوئی اس کا مثل اور ثانی نہ ہو۔

اسی طرح آیت میں لفظ خاتم النبیین کو سمجھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم النبیین کہا گیا وہ دونوں معنی کے اعتبار سے درست ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے بھی آخری نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات فضائل و کمالات کا بھی منتہی ہے کہ تمام کمالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہیں۔ کمالات نبوت میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل اور ثانی نہیں اسی معنی کو عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بہر ایں خاتم شدست او کہ بجود　　مثل او نے بود نے خواہند بود

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے خاتم النبیین کے لقب سے ملقب ہوئے کہ فیض رسانی میں نہ گزشتہ زمانہ میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ہوا اور نہ آئندہ زمانہ میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ہوگا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمالات نبوت میں بے مثل اور لاثانی ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و رسالت میں یکتا اور بے مثل ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و رسالت میں اس درجہ حد کمال کو پہنچے کہ اب اس پر زیادتی اور فوقیت متصور نہیں۔

چونکہ در صنعت برد استاد دست　　نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است

جیسے کوئی استاد فن اور ماہر فن کسی صنعت اور فن میں کامل ہوتا ہے تو کیا اس وقت یہ نہیں کہتے کہ اس پر یہ صنعت ختم ہو گئی۔

اسی طرح سمجھو کہ حضور پرنور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے ایک معنی تو وہ ہیں کہ جو سب کے نزدیک ظاہر اور باہر اور مسلم ہیں حضور ﷺ آخری نبی ہیں۔ آخر زمانہ میں سب انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے اور جو اس کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور ملعون اور مرتد ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نبوت ورسالت میں سب سے افضل واکمل ہیں یعنی کمالات نبوت کے خاتم ہیں آپ ﷺ پر نبوت کے تمام کمالات ختم ہو گئے۔ جیسے استاد سب پر فائق ہوتا ہے اسی طرح حضور پرنور ﷺ بھی تمام انبیاء پر فائق ہیں اور سب سے افضل اور اکمل ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت اور شریعت اس درجہ کامل ہے کہ اس کے بعد کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت باقی نہیں قیامت تک آنے والوں کی ہدایت کے لئے آپ ﷺ کی شریعت کافی اور وافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ خاتم کا اطلاق آخر زمانی پر بھی آتا ہے خاتم کے پہلے معنی حقیقی ہیں اور دوسرے معنی مجازی ہیں اور ان دونوں معنی میں کوئی تضاد اور منافات نہیں کہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم آئے بلکہ خاتمیت بمعنی جامعیت واکملیت۔ زمانا ختم نبوت کو مستلزم ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت اور شریعت ایسی جامع اور کامل ہے کہ اس کے بعد اخیر زمانہ عالم تک کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ لا نبی بعدی اور فرمایا لو کان موسیٰ بن عمران حیالما وسعه الا اتباعی یعنی میرے بعد تو کسی کو کیا نبوت اور شریعت ملتی مجھ سے پہلے جن کو نبوت اور شریعت مل چکی ہے بالفرض اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا اور اخیر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کے بعد آپ ﷺ ہی کی شریعت کا اتباع کریں گے اور آپ ﷺ کا نزول رسول ہونے کی حیثیت سے نہ ہوگا بلکہ حکم عدل مقسط ہونے کی حیثیت سے ہوگا۔

نبوت حضور پرنور ﷺ پر ختم ہوگئی اور آپ ﷺ کو جو شریعت کاملہ عطا کی گئی وہ قیامت تک عالم کی ہدایت کے لئے کافی ہے علماء امت، آپ ﷺ کی شریعت کے ذریعہ لوگوں کی تربیت کرتے رہیں گے چونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اس لئے آپ (ﷺ) کے بعد منصب نبوت میں کوئی آپ ﷺ کا وارث نہیں۔ البتہ علماء امت آپ ﷺ کے علم کے وارث ہوں گے علماء، نبی تو نہ ہوں گے البتہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح لوگوں کو آپ ﷺ کی شریعت کی تعلیم و تبلیغ کرتے رہیں گے۔

اور اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ دونوں طرح اور دونوں معنی میں خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور مرتبہ اور کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور جو حضور پرنور ﷺ کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کرنا اور ان کو اپنی تیغ بے دریغ کا لقمہ بنانا مسلمات میں سے ہے بلکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد امت محمدیہ پہلا اجماع منعقد ہوا وہ مدعیان نبوت کے قتل پر ہوا اور کسی سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ تو تشریعی یا غیر تشریعی یا ظلی یا بروزی نبوت کا مدعی ہے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں جا بجا ختم نبوت کو بیان فرمایا کسی جگہ تو مشہور و معروف معنی کے اعتبار سے آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا بیان کیا کہ آپ ﷺ تمام کمالات اور مراتب عالیہ کے خاتم ہیں اور منصب نبوت و رسالت میں کوئی آپ ﷺ کا مثل اور ثانی نہیں۔

اور لیجئے عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ کمالات نبوت کے خاتم ہیں۔ اسی

طرح آپ ﷺ کمالات نبوت کے فاتح اور مبدأ بھی ہیں۔

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود　　　از کف ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا﴾ برکشود

یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام جو علوم اور معارف کے قفل بے کھلے چھوڑ گئے تھے وہ صاحب ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا﴾ کے مبارک ہاتھ سے کھل گئے اشارہ اس طرف ہے کہ سورۃ ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا﴾ میں اگرچہ ظاہری اور حسی فتح مراد ہے یعنی فتح مکہ کے معنی مراد ہیں لیکن یہ لفظ فتح مکہ کے ساتھ خاص نہیں۔ فتح ظاہری کے ساتھ فتح معنوی اور فتح باطنی کو بھی شامل ہے اور اسی وجہ سے آپ ﷺ کا ایک لقب ''فاتح'' بھی ہوا کہ معنوی اور باطنی قفل آپ ﷺ کے ہاتھ سے کھلے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا﴾ میں ظاہری فتح یعنی فتح مکہ مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس ظاہری فتح میں ایک معنوی اور باطنی فتح کی طرف بھی اشارہ ہے غرض یہ کہ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور پرنور ﷺ فاتح النبیین بھی ہیں۔ اور خاتم النبیین بھی ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ عارف رومی قدس سرہ السامی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر اعتبار سے خاتم ہیں۔ اور فضیلت کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور آپ ﷺ کا لقب ''خاتم النبیین'' فقط ختم زمانی اور تاخر زمانی میں منحصر نہیں بلکہ ختم زمانی کے ساتھ خاتمیت کمالات کو بھی شامل ہیں جو آپ ﷺ کی افضلیت اور اکملیت کی دلیل ہے۔ چونکہ زمانہ کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا تمام امت کے نزدیک بلا کسی اختلاف کے مسلم تھا اس لئے عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے عارفین کے طریقہ پر ختم نبوت کے ایک دوسرے معنی کی طرف اشارہ فرمایا جو غایت درجہ لطیف ہے۔ مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ اخذ کر لینا کہ مولانا خاتمیت زمانی کے منکر ہیں۔ اور بقاء نبوت کے قائل ہیں سراسر حماقت اور نادانی ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر حماقت یا چالاکی اور عیاری ختم ہو چکی ہے جو ایسی عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں خاتمیت کے دو معنی بیان کئے ایک خاتمیت زمانیہ اور دوسرے خاتمیت بمعنی اکملیت و جامعیت کمالات نبوت۔ چونکہ پہلے معنی معروف اور مشہور اور مسلم تھے کہ اس کا انکار بلاشبہ کفر ہے اس لئے اس کی تفصیل نہیں فرمائی اور دوسرے معنی غیر مشہور تھے اس لئے دوسرے معنی کی زیادہ تفصیل فرمائی اور ختم نبوت کے ان دونوں معنوں میں منافات نہیں بلکہ تلازم ہے کہ خاتمیت بمعنی جامعیت کمالات کے لئے زمانا ختم نبوت لازم ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت اور شریعت قیامت تک ہدایت کے لئے کافی ہے۔ معاذ اللہ، مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مطلب نہیں کہ حضور پرنور ﷺ خاتم زمانی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ خاتم مطلق ہیں زماناً بھی اور کمالاً بھی اور دونوں معنوں میں کوئی منافات نہیں بلکہ تلازم ہے۔ حضرات اہل علم مزید تفصیل کے لئے بحر العلوم شرح مثنوی ص ۱۴ دفتر ششم دیکھیں۔ اور ختم نبوت کے یہی معنی جن کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس وغیرہ میں بیان کئے۔ جس پر مبتدعین نے بے سمجھے بے حد شور مچایا اور ملاحدہ نے اور مسیلمۂ قادیان کے اذناب نے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے اس کو عقیدہ بقاء نبوت کی تائید میں پیش کیا۔

مسئلہ کی صحیح حقیقت وہ ہے جو ہم نے ناظرین کے سامنے پیش کر دی ہے۔ دیکھو کلید مثنوی عشر اول از شرح مثنوی دفتر ششم مصنفہ حضرت حکیم الامت تھانوی ص ۶۱ و مفتاح العلوم شرح مثنوی: ۱۵ر ۵۷ اور دیکھو وعظ النور ص ۷۵ از مواعظ حضرت تھانوی۔ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ حسب ارشاد نبوی ﷺ ان لکل اٰیۃ ظھرا

وبطنا ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی معنی۔ سوحضور پر نور ﷺ کی خاتمیت کے بھی دو معنی ہوں گے ایک ظاہری معنی اور ایک باطنی معنی۔ سو خاتمیت زمانیہ اس آیت کا ظہر ہوگا یعنی باعتبار زمانہ کے سب سے اخیر زمانہ میں سب انبیاء کے بعد آپ ﷺ مبعوث ہوئے اور خاتمیت کا بطن یعنی باطنی معنی یہ ہوں گے کہ حضور پر نور ﷺ پر نبوت ورسالت کے تمام کمالات ختم ہیں اور آپ ﷺ کی ذات بابرکات تمام کمالات کا منتہی ہے دیکھو! اجوبہ اربعین ص ۸۳ جس طرح روشنیوں کا سلسلہ آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے اسی طرح نبوت ورسالت کے تمام کمالات کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کی ذات والا صفات پر ختم ہو جاتا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

غرض یہ کہ حسب ارشاد نبوی ہر آیت کا ایک ظہر ہے یعنی ظاہر ہے اور ایک بطن ہے بمعنی باطن ہے اور ظاہر اور باطن دونوں متلازم ہیں۔ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا حقیقت کے نفی اور انکار کے مترادف ہے۔ ہر ظاہر کے نیچے ایک باطن ہے اور وہ باطن جب تک اس ظاہر کے ماتحت رہے تو وہ اس کا باطن ہے اور اگر اس کے تحت سے نکل جائے تو پھر وہ اس کا باطن نہیں۔ ظہر اور بطن مل کر شے واحد بنتا ہے الگ الگ ہو جانے کے بعد کوئی بھی باقی نہیں رہتا باطنی معنی وہی معتبر ہیں کہ جو شریعت کے ظہر (ظاہر) کے تحت ہوں اور اگر شریعت کے ظہر کے تحت سے نکل جائیں یا اس کے اوپر ہو جائیں تو وہ معتبر نہیں خوب سمجھ لو۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام معرفت التیام کا حاصل یہ ہے کہ خاتمیت ایک جنس ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک زمانی اور دوسرے رتبی۔ خاتمیت زمانیہ کے معنی یہ ہیں کہ حضور پر نور سب سے اخیر زمانہ میں تمام انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے اور اب آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا اور خاتمیت رتبہ کے معنی یہ ہیں کہ نبوت و رسالت کے تمام کمالات اور مراتب حضور پر نور ﷺ پر ختم ہیں اور حضور پر نور ﷺ دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی اور مراتب نبوت اور کمالات رسالت کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں۔ حضور ﷺ کی خاتمیت فقط زمانی نہیں بلکہ زمانی اور رتبی دونوں قسم کی خاتمیت حضور ﷺ کو حاصل ہے اور حضور ﷺ کی خاتمیت زمانیہ قرآن اور حدیث متواتر اور اجماع امت سے ثابت ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اور حضور ﷺ کی خاتمیت زمانیہ کا منکر ایسا ہی کافر ہے۔ جیسا کہ رکعات نماز کا منکر کافر ہے۔

اطلاع:...... اس ناچیز نے حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ بھی لکھ دیا ہے اس کو بھی دیکھ لیا جائے۔

(۴) ایک شبہ اور اس کا ازالہ

خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ حضور پر نور ﷺ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا اور آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ختم نبوت کے منافی نہیں اس لئے

کہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے چھ سو سال پہلے نبی بنائے گئے اور صرف بنی اسرائیل کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے اور پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور قیامت کے قریب آسمان سے اسی سابق جسم کے ساتھ نازل ہوں گے کوئی دوسرا جسم نہ ہوگا اور نہ یہ کوئی دوسرا جنم ہوگا اور وہ نزول بحیثیت نبوت ورسالت کے نہ ہوگا۔ اور وہ اس امت کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے جائیں گے بلکہ بحیثیت نبوت ورسالت کے نہ ہوگا۔ اور وہ اس امت کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے جائیں گے بلکہ بحیثیت خلافت ہوگا یعنی خاتم الانبیاء کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان کا نزول ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں اور نبی، نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نبی اور رسول بھی ہوں گے اور حسب سابق اپنی نبوت ورسالت پر قائم ہوں گے، لیکن خاتم الانبیاء علیہ السلام کے تابع ہوں گے آپ ﷺ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ ﷺ ہی کے قبلہ کی طرف منہ کر کے آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد اگرچہ نبی اور رسول ہوں گے مگر آپ ﷺ ہی کی شریعت کے تابع ہوں گے ان کا تمام عمل کتاب وسنت اور شریعت پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے مطابق ہوگا اور اسی معنی کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لو کان موسیٰ حیا ما وسعه الا اتباع۔ یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا اسی طرح سمجھو کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد حضور پرنور ﷺ اور آپ ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع اور ان کے وزیر تھے اور حضرت لوط علیہ السلام نبی تھے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے اور یحییٰ علیہ السلام نبی تھے مگر زکریا علیہ السلام کے تابع تھے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد خاتم النبیین ﷺ کے وزیر اور خلیفہ اور تابع ہوں گے اور جب ایک زمانہ میں بیک وقت ایسے دو نبی ہو سکتے ہیں کہ ایک نبی دوسرے نبی کا تابع ہو تو ایک نبی کے گزر جانے کے بعد دوسرا نبی جو پہلے سے نبی ہو چکا ہے آنے والے نبی کے تابع ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے آخر انبیاء بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے بعد توریت پر عمل کرتے تھے اور شریعت موسویہ کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

کما قال تعالی ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ﴾ وقال تعالیٰ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو خاتم الانبیاء سے پہلے مل چکی ہے ان کا دنیا میں نازل ہونا ختم نبوت کے منافی نہیں البتہ کسی نئے شخص کا دعوائے نبوت خاتم النبیین کے خلاف ہے۔ اور یہی دعوائے نبوت اس مدعی کے کذاب اور دجال ہونے کی صریح دلیل ہے۔ مرزائے قادیان کا گمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے تو ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جائے گی مگر قادیان کے ایک دہقان کے دعوائے نبوت سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی۔

(۵) نکتہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کی طرف پیغمبر بنا کر نہیں بھیجے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی۔ ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ پھر وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور ان کا زمانہ بعثت ختم ہو گیا اب اخیر

زمانہ میں جب ان کا نزول ہوگا اور وہ نزول امت محمدیہ کی مدد کے لئے ہوگا۔ آخر زمانہ میں کافروں کا غلبہ ہوگا اور ان کا سردار دجال خبیث ہوگا جس سے بطور استدراج عجیب وغریب خوارق کا ظہور ہوگا۔ مردوں کو زندہ کرے گا اور بادل سے کہے گا کہ پانی برسا تو وہ اسی وقت برسنے لگے گا۔ اس کے ہلاک کرنے کے لئے حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام آسمان سے نازل ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے زمانہ نبوت میں اسی قسم کے معجزات عطا کئے تھے اور اجل مقدر سے پہلے آسمان پر اٹھائے گئے پس اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مسیح طیب کو اس مسیح خبیث یعنی دجال کی ہلاکت کے لئے نازل فرمائیں گے تاکہ وہ نزول کے بعد اپنی دنیاوی حیات پوری کریں اور اس زندگی میں امت محمدیہ کی مدد کریں کہ امت محمدیہ کو دجال کے فتنہ سے نجات دلائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ خاتم النبیین نہ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دے دی کہ ان کے بعد ان کی ذریت میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ چنانچہ ان کی اولاد میں ہزاروں سال نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور علیٰ ہذا، موسیٰ علیہ السلام بھی خاتم النبیین نہ تھے اس لئے انہوں نے بھی اپنے بعد آنے والے نبیوں کی اور خاص کر نبی اکرم ﷺ کے ظہور کی خبر دی کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنی بنی اسمٰعیل میں سے مجھ جیسا ایک نبی برپا کرے گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا اور خبر دی کہ اخیر زمانہ میں اللہ کا نور فاران کی چوٹیوں سے چمکے گا اور علیٰ ہذا، داؤد علیہ السلام خاتم النبیین نہ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح انہوں نے بھی نبی آخر الزمان ﷺ کے ظہور کی خبر دی اور خلفاء راشدین کی بھی خبر دی کہ اس نبی آخر الزمان کے خلیفہ اور جانشین ایران اور شام وغیرہ کی زمینوں کے وارث ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾۔

اس آیت میں بالاتفاق عباد صالحین سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قیصر وکسریٰ کی سلطنت کے اور تخت وتاج کے وارث خدا کے نیک بندے ہوں گے نبی نہ ہوں گے بلکہ نبی آخر الزمان ﷺ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہوں گے جس کی تفصیل سورۃ انبیاء میں گزر چکی ہے۔ اور علیٰ ہذا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ خاتم النبیین نہ تھے اس لئے انہوں نے اپنے بعد آنے والے فارقلیط کی بشارت دی۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾۔ اور توریت اور زبور اور انجیل کی انہی بشارات کی بنا پر ہر زمانہ میں علماء یہود اور نصاریٰ نبی آخر الزمان ﷺ کے آمد کے منتظر رہے کیونکہ سب کو یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین نہ تھے۔

اور سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ علیہ السلام چونکہ خاتم النبیین تھے اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں اور آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد ایران یا قادیان یا ہندوستان میں کسی جگہ کوئی نبی ظاہر ہو تو تم اس کی پیروی کرنا جیسا کہ انبیاء سابقین اپنے بعد آنے والے نبیوں کی خبر دیتے رہے آپ ﷺ نے اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی بلکہ بار بار یہ فرمایا کہ میرے بعد مطلقاً جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کذاب ہے اور ایک حدیث

میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں اور بار بار آپ ﷺ نے اس کا اعلان فرمایا کہ تم آخری امت ہو اور میں آخری نبی ہوں اور فرمایا بالفرض میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے اور ظاہر ہے کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ نبی ہوتے تو مستقل نبی نہ ہوتے بلکہ آپ ﷺ کی شریعت کے تابع ہوتے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اے علی رضی اللہ عنہ تو میرے لئے بمنزلہ ہارون علیہ السلام کے ہے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی۔ اس لئے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے تابع ہوتے مستقل نبی نہ ہوتے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو آیا ہے وہ حکم فرضی اور تقدیری ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر میرے بعد ہوتے تو یہ لوگ ہوتے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں اور اسی طرح آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ:

(اگر میرا فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ رہتا تو نبی اور صدیق ہوتا) یہ کلام بھی فرضی اور تقدیری ہے جس سے یہ بتلانا ہے کہ مجھ پر نبوت ختم ہو چکی ہے میرے بعد نبی ہو کر آنا محال اور ناممکن ہے اس قسم کا کلام کسی چیز کا امکان ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کے محال اور ناممکن ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے کما قال تعالیٰ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾۔

قرآن کریم نے جس طرح اس بات کی خبر دی ہے کہ توریت اور انجیل میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی بشارتیں موجود ہیں اسی طرح قرآن کریم نے یہ خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات اور بشارات بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

کما قال تعالیٰ ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ الی آخر السورۃ۔

اور اس کے علاوہ بیشمار آیتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح میں نازل ہوئیں تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص بھی اس قابل نہ ہوا کہ حضور پر نور ﷺ کا نام پا سکے اور ظلی یا بروزی یا کسی قسم کی نبوت اس کو مل سکے۔ تیرہ سو برس تک نبوت کا دروازہ بند رہا صرف مرزا قادیان کے لئے کھلا اور پھر قیامت تک کے لئے بند ہو گیا۔ اور مرزا صاحب کے بعد مرزا صاحب کے جن مریدوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم مرزا صاحب کے ظل اور بروز ہیں ان کو بھی مرزا صاحب نے کافر اور مرتد اور واجب القتل کہہ کر اپنے سلسلہ سے خارج کر دیا گویا کہ مرزا صاحب کے لئے تو نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور باقی سب کے لئے بند ہے اس چودہ سو سال کی مدت میں آنحضرت ﷺ کی مہر صرف مرزا نے قادیان کو نبی بنا سکی اور مرزا کے بعد وہ مہر ختم ہو گئی یا اس مہر کی صلاحیت ختم ہو گئی کہ اب اس مہر سے قیامت تک کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ جس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ دراصل خاتم النبیین اور آخری نبی، مرزائے قادیان ہے اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت حقیقی اور پوری نہ تھی آپ ﷺ کے بعد مرزا صاحب کے لئے تو نبوت کا دروازہ کھلا ہوا تھا مگر مرزا صاحب کے بعد نبوت کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو گیا کہ اب کوئی فرد بشر اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ کہ قرآن اور حدیث سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضور پر نور خاتم النبیین ﷺ اور آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آیات اور احادیث میں ظلی اور بروزی نبی کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق نبوت کی نفی ہے کہ

آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت نہیں ملے گی اور آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوسکتا نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی اور نہ ظلی اور نہ بروزی۔

مسیلمۂ قادیان کا ہذیان

بہرحال ختم نبوت مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور مسیلمۂ قادیان یعنی مرزا غلام قادیانی ختم نبوت کا منکر اور بقاء نبوت کا مدعی ہے کبھی کہتا ہے کہ میں مستقل نبی اور رسول ہوں اور کمالات نبوت میں تمام انبیاء و مرسلین سے برتر اور بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ نزول المسیح کے ص ۹۹ پر لکھا ہے۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے   من بعرفاں نہ کمترم زکسے

آنچہ دادہ ست ہر نبی را جام   داد آں جام مرا بتمام

اس قسم کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ مرزائے قادیان اپنے کو انبیاء کا ہمسر بھی نہیں بلکہ ان سے برتر اور بہتر سمجھتا ہے اور اس قسم کی بیشمار عبارتیں اس کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر مرزا اپنی پردہ پوشی کے لئے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اور مخالفین کو خاموش کرنے کے لئے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نبوت، نبوت محمدیہ سے کوئی علیحدہ چیز نہیں اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی اور کبھی کہتا ہے کہ میں عین محمد ﷺ ہوں۔ سبحان اللہ۔ کیا مرزا کے والد کا نام عبداللہ اور اس کی والدہ کا نام آمنہ اور اس کی بیٹی کا نام فاطمہ ؓ تھا مرزا کا یہ کہنا کہ میں عین محمد ہوں اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں حقیقۃً اور واقعی عین محمد ہوں تو یہ کھلا ہوا کفر ہے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے اور اگر واقع میں عین محمد نہیں تو پھر فی الحقیقت دوسرے نبی بنے جس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹی۔ اور کبھی کہتا ہے کہ میں غیر تشریعی اور غیر مستقل نبی ہوں اور کہتا ہے کہ حدیث لا نبی بعدی کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی مستقل اور صاحب شریعت نبی نہ ہوگا۔ اور کبھی کہتا ہے کہ میں ظلی اور بروزی نبی ہوں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں رام چندر اور کرشن بھی ہوں یعنی ان کا بھی ظل اور بروز ہوں۔ ہر طرف ہاتھ مارتا ہے۔ ہندوؤں کا اوتار اور مسلمانوں کا نبی بننا چاہتا ہے۔

غرض یہ کہ مرزا کا کہنا کہ میں آنحضرت ﷺ کا ظل اور بروز ہوں محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اور کفر اور دجل کو چھپانے کے لئے ہے ورنہ مرزا اور حقیقت بصد صراحت نبوت تشریعیہ اور مستقلہ کا مدعی ہے اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دیتا ہے اور اپنے منکر اور متردد کو کافر اور جہنمی قرار دیتا ہے۔ حالانکہ خود مرزا کا اقرار ہے کہ صرف صاحب شریعت نبی کے انکار سے کافر ہوتا ہے ملہم من اللہ کے انکار سے کافر نہیں ہوتا۔ مرزا نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے چند الفاظ ظلی اور بروزی کے گھڑے ہیں جن کی قرآن اور حدیث میں کوئی اصل نہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مرزا کے کلام سے ان الفاظ کی حقیقت واضح کردی جائے

بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت

مرزائے قادیان، حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵، ۲۶۶ پر بحوالہ "ایک غلطی کا ازالہ" لکھتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت

ﷺ۔ جو درحقیقت خاتم النبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾۔ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ ہی کا وجود قرار دیا جائے پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل، اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب کو نبوت ملنے سے آنحضرت ﷺ کی خاتمیت نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ میں آپ کا ظل اور سایہ ہوں اور سایہ اصل کا غیر نہیں ہوتا یعنی میں آپ ﷺ کا عین ہوں اور میرا نام بھی محمد اور احمد ہے اس لئے میں بعینہ محمد ﷺ ہوں۔

اور تریاق القلوب حاشیہ ص ۳۷۷ میں خود مرزا لکھتا ہے۔ غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے تقریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد ﷺ کے نام سے پکارا گیا۔

اور کتاب قول فیصل ص ۶ میں بحوالہ اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء مرزا کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ "کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول کریم ﷺ میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم ﷺ سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ پہلے تمام انبیاء ظلی تھے۔ نبی کریم ﷺ کی خاص خاص صفات میں اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔"

ان عبارات میں مرزائے قادیان نے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر دنیا کو دھوکہ دیا ہے کہ میری نبوت آنحضرت ﷺ کی نبوت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں لہٰذا اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ میں نبی کریم ﷺ کا ظل اور بروز ہوں اور آپ ﷺ کا سایہ ہوں اور سایہ اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

(۱) یہ سب لغو اور باطل اور بے ہودہ خیال ہے اور عقلاً ونقلاً محال ہے اگر بروز سے مرزائے قادیان کا یہ مطلب ہے کہ روح محمدی نے تیرہ سو سال کے بعد مرزا کے جسم میں جنم لیا ہے اور روح محمدی بطریق تناسخ مرزائے قادیان کے جسم میں حلول کر آئی ہے تو یہ عقیدہ اسلام میں کفر ہے یہ عقیدہ تو ہندوؤں کا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں اور قیامت کے اور حشر ونشر کے منکر ہیں پس اگر بروزی نبوت سے مرزا کی یہ مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک تیرہ سو سال بعد اعلیٰ علیین سے اور مدینہ منورہ سے چل کر قادیان آئی اور پھر مرزا غلام احمد کے جسم میں اس کا بروز ہوا تو یہ بعینہ تناسخ ہے جس کے ہندو اور آریہ قائل ہیں کہ مرنے کے بعد ارواح فنا نہیں ہوتیں بلکہ ہوا میں پھرتے رہتی ہیں اور جب کوئی مردہ جسم پاتی ہیں تو اس میں گھس جاتی ہیں اور پھر اس میں یہ پابندی نہیں کہ انسان کی روح انسان ہی کے جسم میں داخل ہو بلکہ گدھے اور کتے وغیرہ کے کے جسم میں بھی داخل ہو جاتی ہے غرض یہ کہ اگر بروز سے مرزا کی بھی یہی مراد ہے تو یہ حقیقت تناسخ ہے۔

(۲) نیز تریاق القلوب کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کے نزدیک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بروز تھا اور حقیقت ابراہیمی اور حقیقت محمدی ایک تھی اور دونوں ایک دوسرے کے عین تھے کیونکہ مرزا کے نزدیک ظل اور صاحب ظل میں عینیت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے مرزا اپنے آپ کو عین محمد ﷺ کہتا ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے اس لئے کہ اس سے صاف طور پر لازم آتا ہے کہ سرور عالم محمد ﷺ معاذ اللہ بذات خود کوئی مستقل چیز نہ تھے نہ آپ ﷺ کا وجود مستقل تھا اور نہ آپ ﷺ کی نبوت کوئی مستقل شے تھی۔ بلکہ آپ ﷺ کا تشریف لانا بعینہ ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا تھا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام تو اصل رہے اور آنحضرت ﷺ ان کا ظل اور بروز ہوئے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت مستقل نہ تھی بلکہ ظلی اور بروزی تھی۔ اصل نبوت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی اور حضور ﷺ کی نبوت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کا ظل اور بروز تھی۔ اصل تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ ان کی نبوت کا آئینہ تھے اور یہ صریح کفر ہے۔

(۳) نیز عبارت مذکورہ بالا کی بناء پر جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بروز اور ظل ہوئے اور خاتم النبیین آپ ﷺ ہی ہوئے تو اس سے یہ لازم آیا کہ اصل خاتم النبیین حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں نہ کہ آنحضرت ﷺ۔ کیونکہ بقول مرزا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظل اور بروز ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اصل خاتم النبیین تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ظلی اور بروزی خاتم النبیین ہیں اور فقط سایہ ابراہیمی ہیں

اور اگر یہ کہو کہ باوجود ظل اور بروز ہونے کے اصل خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ تو پھر بقول مرزا یہ لازم آئے کہ اصل خاتم النبیین تو مرزائے قادیان ہو جو کہ خاتم النبیین ﷺ کے ظل اور بروز ہونے کا مدعی ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ یعنی اصلی خاتم النبیین تو مرزا ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت محض ظلی اور بروزی اور مجازی ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بھی صریح کفر ہے۔

(۴) نیز الحکم کی عبارت مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ تمام کمالات رسالت کے جامع تھے تو پھر جب بقول مرزا آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظل اور بروز ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل مجمع کمالات حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کہ آنحضرت ﷺ کیونکہ آپ ﷺ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظل اور بروز تھے اور اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور یہ صریح توہین ہے سرور عالم ﷺ کی اور صریح کفر ہے۔

(۵) نیز مرزا نے جو بروز اور ظل کا افسانہ گھڑا ہے وہ بظاہر ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ اور حلول سے لیا ہے مگر جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ اس بات کے ہرگز قائل نہیں کہ جو روح بذریعہ تناسخ دوسرے جون میں کسی بدن میں آ جائے تو وہ بعینہ پہلا شخص ہوگا اور اس کے وہی حقوق ہوں گے جو اس شخص کے پہلے جون میں تھے مثلاً فرض کرو کہ کوئی شخص پہلے جون میں ہندوستان کا راجہ تھا یا کسی کا باپ تھا یا ماں تھی یا بیوی تھی اب وہ دوسرے جون میں آنے کے بعد یہ کہے کہ میں تمہارا سابق راجہ ہوں تم پر میرے احکام کی تعمیل واجب ہے یا کسی عورت سے کہے کہ میں تیرا سابق شوہر ہوں اور تو میری سابق بیوی ہے لہٰذا تو میرے ساتھ چل اور میرے گھر کو سنبھال۔ تو کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ بات قابل قبول ہو سکتی ہے تیس سال پہلے سنا گیا تھا کہ ہندوستان میں کسی پنڈت جی نے کسی عورت کے متعلق یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ عورت پہلے جون میں میری بیوی تھی لہٰذا یہ عورت مجھ کو دلائی جائے (واللہ اعلم)۔

(۶) نیز مرزا صاحب مسیح موعود اور مہدی مسعود اور کرشن اور رام چندر وغیرہ وغیرہ ہونے کے بھی مدعی ہیں تو کیا مرزا صاحب ان سب کے بروز ہیں اور کیا مرزا صاحب کے ایک وجود میں یہ سارے مختلف الانواع وجود جمع ہو گئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور کرشن وغیرہ وغیرہ یہ سارے مختلف روپ ایک مرزا کے جسم میں کیسے جمع ہو گئے اور ایک جسم خاکی میں یہ مختلف روحیں کیسے جمع ہو گئیں حالانکہ ایک بدن کی مدبر اور منتظم ایک ہی روح ہو سکتی ہے مختلف اور متضاد روحیں ایک بدن کی کیسے مدبر ہو سکتی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک کے ساتھ معاذ اللہ، کرشن جی کی روح مرزا صاحب کے جسم میں کیسے آ گئی۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی روح تو قیامت کی جزا اور سزا کا وعظ کہے گی اور کرشن جی کی روح قیامت کا انکار کرے گی اور تناسخ کا چکر بتائے گی۔ کرشن جی کی تعلیم کا نمونہ ذیل کے شعروں سے معلوم کرلیں جو فیضی نے اکبر شاہ کے حکم سے لکھتے تھے۔

من از ہر سہ عالم جدا گشتہ ام تہی گشتہ از خود خدا گشتہ ام

منم ہرچہ ہستم خدا از من ست فنا از من ست وبقا از من ست

تناسخ وانکار قیامت

ہمہ شکل اعمال بگر فتہ اند	بہ تقلیب احوال دل گفتہ اند
گرفتار زندان آمد شدند	زبیدانشی خصم جان خود اند (نعوذ باللہ)

ناظرین کرام! غور کریں کہ ایک شخص بانگ دہل دعویٰ کرتا ہے کہ میں محمد ﷺ بھی ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ہوں اور مہدی علیہ السلام بھی ہوں اور حتی کہ کرشن بھی ہوں اور دلیل کسی بات کی بھی نہیں لیکن جب اس سے ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اصلی نہیں بلکہ میں تو ان کا بروز اور ظل ہوں۔

(۷) ناظرین کرام! غور کریں کہ بروز کے اصل معنی ظہور یعنی ظاہر ہونے کے ہیں اور ظہور تین قسم کا ہوتا ہے جسمانی یا روحانی یا صفاتی اگر مرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور مہدی علیہ السلام اور رجل فارسی اور مجدد اور کرشن وغیرہ کا جسمانی بروز ہوں تو یہ بالکل باطل اور مہمل ہے کیونکہ مرزا غلام اپنے باپ غلام مرتضیٰ کے نطفہ سے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا وہ ان اشخاص کا جسمانی بروز کیسے ہو سکتا ہے جو اس سے سینکڑوں اور ہزاروں برس پہلے پیدا ہو چکے ہیں اور امام مہدی علیہ السلام تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے اور جن میں سے کوئی عربی النسل ہے اور کوئی فارسی النسل ہے اجتماع ضدین تو عقلاء کے نزدیک محال ہے۔ غرض یہ کہ بروز جسمانی تو عقلاً محال ہے اور کوئی عاقل دنیا میں اس کا قائل نہیں۔ اور اگر اس بروز سے مرزا صاحب کی مراد روحانی بروز یعنی روحانی تعلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک نے مرزا کے جسم میں بروز کیا ہے تو وہ بھی باطل ہے ایک جسم کے اندر متعدد اور متضاد روحیں جمع نہیں ہو سکتیں تمام حکماء متقدمین اور حکماء حال کا اس پر اتفاق ہے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے وہ صرف ایک ہی بدن میں مدبر اور متصرف ہو سکتا ہے اور بقول مرزا صاحب بھی روحانی بروز ناممکن ہے اس لئے کہ مرزا صاحب کے نزدیک ارواح انبیاء کرام بعد مرگ بہشت میں داخل ہو چکی ہیں اور جو بہشت میں داخل ہو چکا اس کو وہاں سے نکلنے کی اجازت نہیں۔ دیکھو ازالۃ الاوہام ص ۳۵۲۔

پس جب روح بہشت سے نکل ہی نہیں سکتی تو روحانی بروز باطل ہوا اور روحانی ظلیت بھی باطل ہوئی کیونکہ ظل یعنی سایہ تو اصل کا ہوتا ہے جب اصل بہشت میں ہے تو دنیا میں اس کا ظل محال ہے ظل کے لئے اصل کا وجود ضروری ہے۔ جب اس دنیا میں اصل کا وجود نہیں تو ظل کا وجود کیسے ہوسکتا ہے۔

اور اگر بروز سے مرزا صاحب کے نزدیک صفاتی بروز مراد ہے تو صفاتی بروز کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بشر میں کسی صالح یا طالح کی صفات ظہور پذیر ہوجائیں پس اگر اس میں صالحین جیسی صفات اور کمالات نظر آئیں تو یہ کہیں گے کہ یہ شخص صالحین کا بروز صفاتی ہے اور اگر کسی میں کفار و فجار کے کردار نظر آئیں تو یہ کہیں گے کہ یہ شخص کفار و فجار کا بروز صفاتی ہے اور یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کے اخلاق و اعمال انبیاء جیسے تو درکنار۔ نیک مسلمانوں جیسے بھی نہ تھے لہٰذا مرزا صاحب صالحین کے بروز صفاتی تو ہو نہیں سکتے البتہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے لے کر اس وقت تک جس قدر بھی مدعیان نبوت وعیسویت ومہدیت اور دجالین اور کذابین گزرے ہیں مرزا صاحب ان سب کے دعاوی کاذبہ اور اخلاق سیئہ اور اعمال قبیحہ کے حامل تھے اس لئے مرزا صاحب کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ اس امت کے پیدا شدہ تمام دجالین اور کذابین کے بروز صفاتی تھے تو بالکل درست ہے اگر کوئی شخص تکبر اور غرور میں سے حد سے گزر جائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ شخص فرعون کا بروز صفات ہے اسی طرح سمجھو کہ مرزا صاحب کے اس دعوائے بروز سے ان کی نبوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ مسیلمہ کذاب کا بروز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے جب یہ دیکھا کہ قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں اور پچاس سالہ عمر تک خود مرزا بھی ختم نبوت کا علی الاعلان اقرار کرتا رہا پھر جب دعوائے نبوت کی فکر دامن گیر ہوئی تو یہ خیال آیا کہ دعوائے نبوت پر علماء اور مولوی اور عام مسلمان میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور مجھ کو دجال اور کذاب بتائیں گے اس لئے یہ تدبیر نکالی کہ یہ کہنا شروع کیا کہ خود نبی کریم ﷺ نے مجھ میں بروز کیا ہے اور میں حضور پرنور ﷺ کا ظل اور سایہ ہوں تاکہ جہال یہ سن کر دم نہ مار سکیں اس لئے کہ دجال و کذاب تو وہ ہو کہ جو آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی دوسرا نبی ہو جو حضرت کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے جب خود حضرت ہی وہ دعویٰ کر رہے ہیں تو اب کسی کو انکار کی مجال ہی کیا۔

یہ سب ابلہ فریبی اور مکاری اور دھوکہ دہی ہے اس طرح تو جس جی چاہے دعویٰ کر دے کہ میں فلاح نبی کا یا فلاں رسول کا ظل اور بروز ہوں اور ان کا عین ہوں اور ان کا وجود میرا وجود ہے اور اللہ نے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا تھا وغیرہ وغیرہ۔ آخر دعوے کے لئے دلیل تو چاہئے زبانی دعویٰ تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

(۸) نیز مرزا کا یہ کہنا کہ سایہ ذی سایہ کا عین ہوتا ہے بالکل غلط اور مہمل ہے کسی شخص کا سایہ ذی سایہ کا عین نہیں ہوتا اسی طرح بالفرض اگر کسی کو نبی کا سایہ مان بھی لیا جائے تو نبی کا سایہ نبی کا عین نہیں ہوسکتا اور نہ اس سایہ کو نبی اور رسول کہا جاسکتا ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے سے مرزا کا نبی ہونا لازم نہیں آتا۔

(۹) اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ سایہ اور ذی سایہ ایک ہی ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ ظل اللہ ہیں یعنی اللہ کا سایہ ہیں تو لازم آئے گا کہ حضور پرنور عین خدا ہیں اور مرزا صاحب اپنے خیال میں عین محمد

ہیں اور ظل محمد ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ سایہ خدا ہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ۔ مرزا صاحب عین خدا ہیں اور اس کے کفر ہونے میں کیا شبہ ہے۔

(۱۰) نیز مرزا صاحب بار بار یہ کہتے ہیں کہ میں بعینہ محمد ﷺ ہوں تو کیا مرزا صاحب کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا کیا کوئی ادنیٰ عقل والا اس کا تصور کرسکتا ہے کہ قادیان کا ایک دہقان، مختاری کے امتحان میں فیل ہونے والا اور انگریزی کچہریوں کا چکر لگانے والا وہ بعینہ محمد ﷺ ہوسکتا ہے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔

اور اگر ظل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذی ظل کی کوئی صفت اس میں آ جائے تو اس سے اتحاد اور عینیت ثابت نہیں ہوتی جس طرح حدیث میں شاہ عادل کو ظل اللہ کہا گیا ہے تو اس سے اس کی الوہیت ثابت نہیں ہوجاتی۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ظل ہونے سے مرزا صاحب کی مراد یہ ہے کہ جس طرح آئینہ میں کسی شخص کا عکس پڑ جاتا ہے اسی طرح مرزا صاحب میں بھی کمالات محمدیہ اور انوار رسالت مصطفویہ کا عکس پڑا ہے پس اگر تھوڑی دیر کے لئے اس دعوائے بلا دلیل کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے بھی مرزا کی نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ آئینہ میں عکس پڑنے سے آئینہ کی کوئی حقیقی صفت ثابت نہیں ہوجاتی آئینہ میں بادشاہ کا بھی عکس پڑ جاتا ہے مگر اس انعکاس سے آئینہ بادشاہ نہیں بن جاتا۔ عکس سے آئینہ میں ذی عکس کی کوئی حقیقی صفت نہیں آ جاتی بلکہ ایک قسم کی مشابہت اور ہم رنگی آ جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کے مشابہ ہیں۔ یعنی ان کے ہم رنگ ہیں اور ان کے کمالات کا نمونہ ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ اس امت کے علماء حقیقۃً پیغمبر اور نبی ہیں غرض یہ کہ انعکاس اور ظلیت سے عینیت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے خلیفہ تھے اور کمالات خداوندی کا آئینہ اور نمونہ تھے جیسا کہ حدیث میں ہے خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ مگر معاذ اللہ عین خدا نہ تھے۔

پس خلیفہ ساخت صاحب سینہ　　تا بود شاہین را آئینہ

اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان آنحضرت ﷺ کے کمالات علمیہ وعملیہ کا آئینہ اور نمونہ تھے مگر نبی نہ تھے۔ فقط نبی کے خلیفہ اور جانشین تھے جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں خلفائے راشدین علیہم الرضوان کا آنحضرت ﷺ سے قوت اور علمیہ اور قوت عملیہ کا تشبہ ثابت کیا ہے اور عقلی اور نقلی دلائل سے اس کو مدلل اور مبرہن کیا ہے جس سے خلفائے راشدین علیہم الرضوان کی فضیلت ثابت ہوئی نہ کہ نبوت۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ظلیت اور انعکاس سے اتحاد اور عینیت کا ثابت کرنا سراسر غلط اور باطل ہے ظلیت اور انعکاس سے صرف ایک قسم کی مشابہت اور مناسبت اور ہم رنگی ثابت ہوجاتی ہے سو اگر مرزا کے یہ خیال اور گمان (بشرطیکہ ثابت ہوجائے) کہ میں آنحضرت ﷺ کے کمالات کا آئینہ اور نمونہ ہوں اور کمالات نبوت میں سرور عالم ﷺ کا مشابہ اور ہم رنگ ہوں تو مرزائے قادیان کی امت بتلائے کہ مرزائے قادیان کن کن کمالات علمیہ اور عملیہ میں سرور عالم ﷺ کا آئینہ اور نمونہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں شخص کا ظل اور بروز ہوں اور اس کا عکس اور مظہر اتم ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص صفات کمال میں اس کا ایک نمونہ ہے اور اخلاق و اعمال میں اس کا شبیہ اور مثیل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ اس کا عکس اور اس کی تصویر ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اگرچہ ذات مختلف ہے مگر آئینہ میں جو عکس اور نقش نظر آ رہا

ہے وہ اصل کے ہم رنگ ہے اور بظاہر ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے لہٰذا جب مرزا قادیان یہ دعوائے کرتا ہے کہ میں سرور عالم ﷺ کا ظل اور بروز ہوں اور حضور پر نور ﷺ کے کمالات کا مظہر اتم ہوں تو آخرت بتلائے بھی سہی کہ وہ کن صفات اور کمالات میں سرور عالم ﷺ کے مشابہ تھا۔ مرزائے غلام، حضور پر نور ﷺ کے تو کیا مشابہ اور مماثل ہوتا وہ تو غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ بھی نہیں ہوسکتا۔

ہاں تیرہ سو برس میں جس قدر بھی مدعیان نبوت اور مسیحیت اور مہدویت اور دجال وکذاب گزرے ان سب کے وساوس اور وسائس کا ظل اور بروز تھا۔

آج اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں ہارون رشید کا یا سلطان صلاح الدین کا یا شاہ عالمگیر کا یا قائداعظم کا ظل اور بروز ہوں اور ان کا مظہراتم ہوں لہٰذا تم سب پر میری اطاعت واجب اور لازم ہے تو حکومت اس کو جیل خانہ یا پاگل خانہ بھیج دے گی۔ اس قسم کی باتوں سے جب بادشاہت ثابت نہیں ہوسکتی تو نبوت ورسالت کہاں ثابت ہوسکتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر آج کوئی سیاہ فام یا گل فام یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میں یوسف علیہ السلام کا ظل اور بروز ہوں اور میں عزیز مصر ہوں تو شاید کوئی پرلے درجہ کا دیوانہ ہی اس دعویٰ کے قبول کرنے پر تیار ہوجائے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو قادیان کے ایک دہقان کو تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا ظل اور بروز اور ان کے کمالات اور صفات کا آئینہ اور مظہر اتم ماننے پر تیار ہوگئے ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک کجا عیسیٰ علیہ السلام کجا دجال ناپاک

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث لا نبی بعدی میں مرزائیوں کی یہ تاویل تو ایسی ہے جیسے کوئی مدعی الوہیت لا الٰہ الا اللّٰہ کے یہ معنی بیان کرنے لگے کہ خدا کے سوا کوئی مستقل معبود نہیں لیکن جو معبود خدا تعالیٰ کا ظل ہو یا اس کا بروز ہو یا اس کا عین ہو تو ایسا عقیدہ عقیدہ توحید کے منافی نہیں جیسا کہ مشرکین تلبیہ میں کہا کرتے تھے۔ لا شریك له الا شریك لك تملکه وما ملك اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیری ہی ملک ہے یعنی بت وغیرہ وہ سب تیرے ہی ماتحت ہیں یعنی جس طرح لا الٰہ الا اللّٰہ کی تاویل مذکور کفر ہے اسی طرح لا نبی بعدی کی مرزائی تاویل بھی کفر ہے۔ مرزائیوں کی اس تاویل کے جواب میں کوئی مدعی الوہیت کہہ سکتا ہے کہ میری الوہیت خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منافی نہیں اور تاویل یہ کرے کہ میں مستقل الوہیت کا مدعی نہیں بلکہ میں ظلی اور بروزی الوہیت کا مدعی ہوں تو کیا یہ تاویل اس مدعی الوہیت کو کفر سے بچا سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح مرزائے غلام کا یا اس کے کسی چیلہ کا یہ کہنا کہ مرزا مستقل نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ظلی اور بروزی نبوت کا مدعی ہے اس کو کفر سے نہیں بچا سکتی۔

(۷) تمام اسلامی فرقے اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں لیکن شیعوں کے بعض فرقے بظاہر اگرچہ ختم نبوت کے قائل اور مقر ہیں مگر در پردہ ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک جب ائمہ انبیاء سے افضل ہیں اور معصوم اور واجب الاطاعت ہیں اور صاحب وحی ہیں اور تحلیل وتحریم کے مختار ہیں تو یہی خلاصہ ہے نبوت کا۔ تو یہ فرقے در پردہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اور شیعوں کے بعض فرقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیر

کا درجہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بالا اور برتر ہے پس ان شیعوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی ماننا یہ بھی در پردہ ختم نبوت کا انکار ہے۔

مگر چونکہ صراحۃً ختم نبوت کے منکر نہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لئے مثبت نبوت نہیں اس لئے فقہاء نے اس بنا پر شیعوں کی تکفیر نہیں کی کیونکہ لزوم کفر ہے۔ التزام کفر نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد اور پاکی بولتے رہو اس کی صبح اور شام ف۱ وہی ہے جو

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کو بہت سی یاد۔ اور پاکی بولو اس کی صبح اور شام۔ وہی ہے جو

يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور ہے ایمان والوں پر

رحمت بھیجتا ہے تم پر، اور اس کے فرشتے کہ نکالے تم کو اندھیروں سے اجالے میں۔ اور ہے ایمان والوں پر

رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ

مہربان ف۲ دعا ان کی جس دن اس سے ملیں گے سلام ہے اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ثواب عزت کا ف۳ اے نبی ہم نے

مہربان۔ دعا ان کی، جس دن اس سے ملیں گے، سلام ہے۔ اور رکھا ہے ان کے واسطے نیگ عزت کا۔ اے نبی! ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ

تجھ کو بھیجا بتانے والا ف۴ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ف۵ اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ ف۶ اور خوشخبری سنا دے

تجھ کو بھیجا بتانے والا اور خوشی سنانے والا، اور ڈرانے والا اور بلانے والا۔ اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چراغ چمکتا۔ اور خوشی سنا

ف۱ یعنی حق تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر اور پیغمبروں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا۔ اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ اور منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات، دن صبح و شام، ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو۔

ف۲ یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے۔ یہ ہی رحمت و برکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت و ضلالت کی اندھیریوں سے علم و تقویٰ کے اجالے میں لاتی ہے۔ اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہو تو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔ اسی کی مہربانی سے مومنین رشد و ہدایت اور ایمان و احسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں ان کا حال ہوا، آخرت کا اعزاز و اکرام آگے مذکور ہے۔

ف۳ یعنی اللہ ان پر سلام بھیجے گا اور فرشتے سلام کرتے ہوئے ان کے پاس آئیں گے۔ اور مومنین کی آپس میں بھی یہ ہی دعا ہوگی جیسا کہ دنیا میں ہے۔

ف۴ یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا راستہ بتاتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔

ف۵ یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

ف۶ پہلے جو فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ وہ اجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنی میں ہو جو سورۃ "نور" میں فرمایا" وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجا" (اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی سب روشنیاں اسی نور اعظم میں محو و مدغم ہوگئیں۔

الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ

ایمان والوں کو کہ ان کے لیے ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی ف۱ اور کہا مت مان منکروں کا اور دغا بازوں کا ف۲ اور چھوڑ دے

ایمان والوں کو کہ ان کو ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی۔ اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا، اور چھوڑ دے

اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

ان کا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا ف۳

ان کو ستانا، اور بھروسا کر اللہ پر۔ اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔

تبشیر مومنین و انذار کافرین و منافقین
و ذکر بعض فضائل نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ... الی ... وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی فضیلت و کرامت یعنی آپ ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کا ذکر تھا اب ان آیات میں اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ تم صبح و شام اللہ کے ذکر اور شکر میں لگے رہو خاص کر اللہ کی اس نعمت کو پیش نظر رکھو کہ اس نے تمہاری ہدایت کے لئے ایک بشیر و نذیر کو مبعوث فرمایا پس اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ تم اس بشیر و نذیر پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو اور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ اہل ایمان اور اہل اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل کبیر کی خوشی سنا دیجئے اور آپ ﷺ کی تسلی کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں کی پروانہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا کافی کارساز ہے اور یہ مضمون شروع سورت کے مضمون کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہے اور سلسلۂ کلام میں آنحضرت ﷺ کے بعض فضائل اور کمالات کا ذکر کیا۔ تاکہ لوگوں پر آپ ﷺ کی جلالت شان ظاہر ہو۔ (جیسا کہ شروع سورت سے یہ مضمون چلا آرہا ہے) اور اہل ایمان دل و جان سے آپ ﷺ کی اطاعت کریں اور منافقین کی طرح آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کر کے آپ ﷺ کو ایذاء اور تکلیف نہ پہنچائیں۔

گزشتہ رکوع میں نکاح زینب ؓ کے متعلق منافقین کے طعن کا جواب دیا تھا اب ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایت فرمائی کہ تم کو چاہئے کہ نبی کی جلالت شان کو ملحوظ رکھو اور منافقین کی طرح اللہ کے رسول کو کوئی ایذا نہ پہنچاؤ۔ نبی تمہارے

ف۱ یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سب امتوں پر بزرگی اور برتری دی۔

ف۲ یعنی جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ جماعت عنایت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول فریضہ دعوت و اصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہے اور اللہ جو حکم دے اس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر و منافق کی یاوہ گوئی کی پروانہ کیجئے۔

ف۳ یعنی اگر یہ بدبخت زبان اور عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستائیں تو ان کا خیال چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ وہ اپنی قدرت و رحمت سے سب کام بنا دے گا۔ منکروں کو راہ پر لے آنا یا سزا دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فکر اور الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طعن و تشنیع وغیرہ سے گھبرا کر اپنا کام چھوڑ بیٹھیں۔ اگر بفرض محال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کریں تو گویا ان کا مطلب پورا کر دیں گے اور ان کا کہا مان لیں گے۔ العیاذ باللہ۔

روحانی باپ ہیں دل وجان سے ان کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کو بہت یاد کرو اس کی یاد سے کسی وقت غافل نہ ہو۔ اور سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ کا ہے اور اس کے بعد ذکر تسبیح وتحمید ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور خاص کر صبح وشام اس کی تسبیح وتقدیس کیا کرو ان دو وقتوں میں عالم کی وضع میں عظیم تغیر اور انقلاب ظاہر ہوتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تغیرات اور انقلابات اس قدرت کاملہ کے کرشمے ہیں اور اس کی ذات ہر تغیر اور بلندی اور پستی سے پاک ہے وہ ایسا خدا ہے کہ جو خود بھی تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے حکم سے اس کے فرشتے بھی تمہارے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا اس طرح تم پر رحمت بھیجنا اور فرشتوں کو تمہارے لئے رحمت کا حکم دینا۔ قال اللہ تعالی ﴿الَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾۔ اس لئے ہے تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس طرح کی رحمت اور عنایت سے تم کو جہالت اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت میں لے آوے اور ظلمت کفر سے نور ایمان کی طرف اور ظلمت نفاق سے نور اخلاص کی طرف اور ظلمت معصیت سے نور طاعت کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ اپنی رحمت اور عنایت سے اور پھر فرشتوں کی دعا کی برکت سے تم کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے آوے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر بڑا مہربان ہے خود بھی ان پر رحمت کرتا ہے اور فرشتوں کو بھی ان کے لئے دعائے مغفرت ورحمت کا حکم دیتا ہے آج تو اس کے کرم کی یہ حالت ہے اور کل جب مومنین اس کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ مرنے کے وقت یا قبر سے اٹھنے کے وقت یا جنت میں داخل ہونے کے وقت اللہ کی طرف سے ان کا خیر مقدم یعنی تحیہ کرامت سلام ہوگا جب [1] ملک الموت مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو پہلے اسے سلام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے سلام پہنچاتا ہے۔

زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سلام درحقیقت سلامتی کی خوش خبری ہوتی ہے اللہ تم کو تمام آفات سے سلامت رکھے گا اور جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے اس وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی بشارت سنائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد فرشتے ان کی ملاقات کے لئے آئیں گے اور ان کو سلام کریں گے۔

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ اور جب دار کرامت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور اللہ کی طرف سے ان پر سلام ہوگا۔ ﴿سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ رواہ ابن ماجہ۔

اور اس کے علاوہ اللہ نے اہل ایمان کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو ان کو وہاں عطا ہوگا فقط جانے کی اور وہاں

[1] کما روی عن البراء بن عازب قال۔ تحیتھم یوم یلقونہ سلام فیسلم ملک الموت علی المومن عند قبض روحہ لا یقبض روحہ حتی یسلم علیہ۔ تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۹۹۔

وروی عن ابن مسعود انه قال اذا جاء ملك الموت يقبض روح المومن قال ربك يقرئك السلام۔ روح المعانی: ۲۲/۴۱۔

پہنچنے کی دیر ہے وہاں پہنچے اور ملا۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی صفات کا ذکر فرماتے ہیں جن پر ایمان لانے کی بدولت یہ لوگ جہالت اور ضلالت کی ظلمت سے نکل کر نور ہدایت میں داخل ہوئے اور جس کے اتباع کی برکت سے آخرت میں ان نعمتوں اور کرامتوں کے مستحق ہوئے ورنہ جو لوگ اس نبی پر ایمان نہیں لائے اس وقت ان کی ذلت اور خواری سب کے سامنے ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی تحقیق ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اس شان سے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن گواہ ہوں گے۔ قیامت کے دن آپ ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ گروہ ایمان لایا اور اس گروہ نے کفر کیا اور آپ ﷺ کو خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور کافروں کو عذاب دوزخ سے ڈرائیں اور اس شان سے بھیجا کہ آپ ﷺ بحکم خداوندی لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں اور ہم نے آپ ﷺ کو ہدایت کا چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا یعنی آفتاب ہدایت بنا کر بھیجا جس کی روشنی سارے عالم میں پھیل گئی۔ اور حق اور باطل کا فرق واضح ہوگیا پس اگر کافر اندھے ہوگئے تو قصور ان کا ہے لہٰذا آپ ﷺ ان اندھوں کو تو چھوڑ دیجئے اور اہل ایمان کو جنہوں نے اس نور ہدایت کو قبول کیا ان کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا ہی فضل ہے اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ مکہ کے کافروں اور مدینہ کے منافقوں کی بات نہ ماننا یہ لوگ اندھے ہیں اور تاریکی میں غرق ہیں اور ان کافروں اور منافقوں کی ایذاء کو چھوڑ دیئے یعنی اس کی پروانہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے ان کافروں اور منافقوں کی طعن وتشنیع کی طرف التفات نہ کیجئے۔ آپ ﷺ کا اللہ کارساز ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

اے ایمان والو جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو، پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ ان کو

اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مسلمان عورتوں کو، پھر ان کو چھوڑو، پہلے اس سے کہ ہاتھ لگاؤ ان کو،

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ يَاَيُّهَا

ہاتھ لگاؤ سو ان پر تم کو حق نہیں عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ سو ان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح سے ف ا اے

سو ان پر حق نہیں تمہارا عدت میں بیٹھنا، کہ گنتی پوری کرواؤ۔ سو دو ان کو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح۔ اے

ف ا یعنی جو مرد اپنی عورت کو بغیر صحبت کیے طلاق دے اگر اس کا مہر بندھا تھا تو نصف مہر دینا ہوگا ورنہ کچھ فائدہ پہنچا کر (یعنی عرف اور حیثیت کے موافق ایک جوڑا پوشاک دے کر) خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دے۔ اور عورت اسی وقت چاہے تو نکاح کر لے۔ اس صورت میں عدت نہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ بھی صحبت کے حکم میں ہے تفصیل فقہ میں دیکھ لی جائے) یہ مسئلہ یہاں بیان فرمایا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رضی اللہ عنہن کے ذکر میں جس کا سلسلہ دور سے چلا آتا تھا۔ درمیان میں چند آیات ضمنی مناسبت سے آگئی تھیں۔ یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ جب اس کے نزدیک گئے کہنے لگی اللہ تجھ سے پناہ دے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا کہ تو نے بڑے کی پناہ پکڑی۔ اس پر یہ حکم فرمایا اور خطاب فرمایا، ایمان والوں کو معلوم ہو کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص حکم نہیں، سب مسلمانوں پر یہی حکم ہے۔ اسی کے موافق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جوڑا دے کر رخصت کر دیا۔ پھر وہ ساری عمر اپنی محرومی پر پچھتاتی رہی۔

النَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الّٰتِيٓ اٰتَيْتَ أُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ أَفَآءَ اللّٰهُ

نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا ہے اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تیرے اللہ فـ۱

نبی! ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تمہاری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا، اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا اور جو ہاتھ لگا دے تجھ کو اللہ،

عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ

اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا

اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں، اور تیرے ماموں کی بیٹیاں، اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا

مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ

تیرے ساتھ اور جو عورت ہو مسلمان اگر بخش دے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لائے

تیرے ساتھ، اور جو کوئی عورت ہو مسلمان، اگر بخشے اپنی جان نبی کو، اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے۔

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا

یہ خالص ہے تیرے لیے، سوائے سب مسلمانوں کے ہم کو معلوم ہے جو مقرر کر دیا ہے ہم نے ان پر ان کی عورتوں کے حق میں اور ان کے

نری تجھی کو، سوا سب مسلمانوں کے۔ ہم کو معلوم ہے، جو ٹھہرا دیا ہم نے ان پر ان کی عورتوں میں، اور ان کے

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰ تُرْجِيْ مَنْ

ہاتھ کے مال میں تا نہ رہے تجھ پر تنگی اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان فـ۲ پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے ان میں اور جگہ دے اپنے پاس جس کو

ہاتھ کے مال میں، تا نہ رہے تجھ پر تنگی۔ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے ان میں، اور جگہ دے اپنے پاس جس کو

فـ۱ یعنی لونڈیاں، باندیاں جو غنیمت وغیرہ سے ہاتھ لگی ہوں۔

فـ۲ تیری عورتیں جن کا مہر دے چکا یعنی جو اب تیرے نکاح میں ہیں خواہ قریش سے ہوں اور مہاجر ہوں یا نہ ہوں سب حلال رہیں ان میں سے کسی کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کی بیٹیاں یعنی قریش میں سے جو باپ یا ماں کی طرف سے قرابت دار ہوں بشرط ہجرت کے حلال ہیں ان سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور جو عورت بخشے نبی کو اپنی جان یعنی بلا مہر کے نکاح میں آنا چاہے وہ بھی حلال ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نکاح میں لانا پسند کریں۔ یہ اجازت خاص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر عمل نہیں کیا (کما فی الفتح) شاید "ان اراد النبی" کی شرط سے اباحت مرجوحہ سمجھی ہو۔ بہرحال دوسرے مسلمانوں کے لیے وہ ہی حکم ہے جو معلوم ہو چکا ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ یعنی بلا مہر نکاح نہیں، خواہ عقد کے وقت ذکر آیا خواہ پیچھے ٹھہرالیا یا نہ ٹھہرایا تو مہر مثل (جو اس کی قوم کا مہر ہو) واجب ہوگا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر سے اللہ تعالیٰ نے یہ مہر کی قید اٹھا دی تھی۔ برخلاف مومنین کے کہ ان کو نہ چار سے زائد سے اجازت نہ بدون مہر کے نکاح درست۔ (تنبیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر تک جو شباب کی امنگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تجرد میں گزارے۔ پھر اقرباء کے اصرار اور دوسری جانب کی درخواست پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ سے (جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد کیا۔ ترپن سال کی عمر تک پورے سکون و طمانیت سے اسی پاکباز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہ ہی زمانہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا سے الگ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے توشہ تیار کرتی اور عبادت الٰہی اور سکون قلبی کے حصول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و امداد کیا کرتی تھی۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لیے عموماً نفسانی جذبات کی انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے اٹھ اٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے، کوئی معاند سے معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک نقطہ، ایک شوشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی=

تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ

چاہے اور جس کو جی چاہے تیرا ان میں سے جن کو کنارے کردیا تھا تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر ف ٥

چاہے، اور جس کو جی چاہے تیرا ان میں سے جو کنارے کردی تھیں، تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ

اس میں قریب ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں ان کی اور غم نہ کھائیں اور راضی رہیں اس پر جو تو نے دیا ان سب کی سب کو اور اللہ جانتا ہے جو

اس میں لگتا ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں ان کی، اور غم نہ کھائیں، اور راضی رہیں اس پر جو تو نے دیا ساریاں۔ اور اللہ جانتا ہے جو

پیغمبرانہ عصمت اور خارق عادت عفاف و پاکبازی کے خلاف نقل نہیں کرسکتا۔ اور واضح رہے کہ یہ اس اکمل البشر کی سیرت کا ذکر ہے جس نے خود اپنی نسبت فرمایا کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کی برابر ہے جن میں سے ایک مرد کی قوت سو کے برابر ہوگی گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کی برابر قوت حضور کو عطا فرمائی گئی تھی۔ اور بیشک دنیا کے اکمل ترین بشر کی تمام روحانی و جسمانی قوتیں ایسے ہی اعلیٰ اور اکمل پیمانہ پر ہونی چاہئیں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار ہزار بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جاسکتا تھا جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کرلے۔ لیکن اللہ اکبر! اس شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانہ ہے کہ ترپن سال کی عمر اس تجرد یا زہد کی حالت میں گزار دی۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اپنے سب سے بڑے جان نثار وفادار رفیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ ان کے سوا آٹھ بیوائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ وفات کے بعد نو موجود تھیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویرہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن وارضاہن (ان میں پچھلی تین قریشی نہیں) دنیا کا سب سے بڑا بے مثال انسان جو اپنے فطری قوی کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار بیویوں کا مستحق ہو، کیا نو کا عدد دیکھ کر کوئی انصاف پسند اس پر کثرت ازواج کا الزام لگا سکتا ہے۔ پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ترپن سال سے متجاوز ہوچکی تھی، باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔ جو آتا اللہ کے راستہ میں دے ڈالتے، اختیاری فقر و فاقہ سے پیٹ کو پتھر باندھتے، مہینوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مکانوں سے دھواں نہ نکلتا، پانی اور کھجور پر گزارہ چلتا۔ روزہ پر روزہ رکھتے، کئی کئی دن افطار نہ کرتے، راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر ورم ہوجاتا، لوگ دیکھ کر رحم کھانے لگتے، عیش و طرب کا سامان تو کجا، تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو۔ ہمارے ساتھ رہے جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہوجائے۔ ان حالات کے باوجود دوسری طرف دیکھا جاتا ہے کہ سب ازواج رضی اللہ عنہن کے حقوق ایسے اکمل و احسن طریقہ سے ادا فرماتے جس کا تحمل بڑے سے بڑا طاقتور مرد نہیں کرسکتا۔ اور میدان جنگ میں لشکروں کے مقابلہ پر جب بڑے بڑے جوان مرد بہادر دل چھوڑ بیٹھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے اور زبان سے فرماتے "الی عباد اللہ! انا رسول اللہ" اور "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔" بیویوں کا تعلق فرائض عبودیت و رسالت کی بجا آوری میں ذرہ برابر فرق نہ ڈالتا۔ نہ کسی سخت سے سخت کٹھن کام میں ایک منٹ کے لیے ضعف و تعب لاحق ہوتا۔ کیا یہ خارق عادت احوال اہل بصیرت کے نزدیک معجزہ سے کچھ کام ہیں؟ حقیقت میں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی ایک معجزہ تھی، بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے ہر ایک دور میں پاک بزرگ متقیوں کے لیے کچھ نمونے رکھ دیے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی عملی رہبری کرسکیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے جس نام نہاد کثرت پر مخالفین کو اعتراض ہے وہی امت مرحومہ کے لیے اس کا ذریعہ بنی۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے مرد اور عورتیں ان حکموں اور نمونوں سے بے تکلف واقف ہوں یا بالخصوص باطنی احوال اور خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا کثرت ازواج میں ایک بڑی مصلحت یہ ہوئی کہ خانگی معاشرت اور نسوائی مسائل کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور اسوہ حسنہ کی اشاعت کافی حد تک بے تکلف ہوسکے۔ نیز مختلف قبائل اور جماعتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح ان کی وحشت و نفرت بھی کم ہوئی اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکدامنی، خوبی اخلاق، حسن معاملہ اور بے لوث کریکٹر کو سن کر اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک و اوہام کا ازالہ ہوا۔ اور اس طرح خدا کے عاشقوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فداکاروں اور دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پرہیزگار و پاکباز کوئی جماعت (بجز انبیاء علیہم السلام کے) آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی اور جو کسی برے کریکٹر رکھنے والے کی تربیت میں محال تھا کہ تیار ہوسکے۔

قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝۵۱ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاۗءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ

کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا تحمل والا ف۱ حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ ان کے بدلے کر لے اور

تمہارے دلوں میں ہے۔ اور ہے اللہ سب جانتا تحمل والا۔ حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس پیچھے، اور نہ یہ کہ ان کے بدلے اور کرے

مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

عورتیں اگرچہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت ف۲ مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا ف۳ اور ہے اللہ ہر چیز پر

عورتیں، اگرچہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت، مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا۔ اور ہے اللہ ہر چیز پر

رَّقِيْبًا ۝۵۲

نگہبان ف۴

نگہبان۔

ذکر بعض احکام نکاح وطلاق وبعض خصائص نبوی دربارہ نکاح

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح اور طلاق کا قصہ مذکور تھا۔ اس لئے آئندہ آیات میں نکاح اور طلاق وغیرہ کے کچھ احکام ذکر کرتے ہیں۔ بعض احکام تو وہ ہیں جو عام مومنین سے متعلق ہیں اور بعض احکام وہ ہیں جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے متعلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

ف۱ یعنی واہبۃ النفس کے متعلق اختیار ہے قبول کرو یا نہ کرو۔ اور موجودہ بیویوں میں سے جس کو چاہو رکھو یا طلاق دے دو۔ نیز جو بیویاں رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم (باری باری سے رہنا) واجب نہیں، جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں۔ اور جسے کنارے کر دیا ہو اسے دوبارہ واپس لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حقوق و اختیارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے گئے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت العمران سے کام نہیں لیا۔ معاملات میں اس قدر عدل ومساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ اس پر بھی اگر قلبی میلان کس کی طرف بے اختیار ہوتا تو فرماتے۔ "اللهم هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك" (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، جو چیز صاف تیرے قبضہ میں ہے میرے اختیار میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجئے) شاید ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾ کسی مرد کی کئی عورتیں ہوں تو اس پر باری سے سب کے پاس برابر رہنا واجب ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ واجب نہ تھا۔ اس واسطے کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں، تو جو دیں راضی ہو کر قبول کریں (ورنہ روز یہی کشمکش اور جھنجھٹ رہا کرتی، مہمات دین میں خلل پڑتا، اور ازواج رضی اللہ عنہن کی نظر بھی دنیا سے بالکل یکسو ہو کر مقصد اصلی کی طرف نہ رہتی۔ اسی غم وفکر میں مبتلا رہا کرتیں) پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے فرق نہیں کیا سب کی باری برابر رکھی۔ ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے (جب عمر زیادہ ہو گئی) اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی تھی۔"

ف۲ یعنی جتنی کہیں ﴿اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ میں فرما دیں، اس سے زیادہ حلال نہیں۔ اور جو اب موجود ہیں ان کو بدلنا حلال نہیں۔ یعنی یہ کہ ان میں سے کسی کو اس لیے چھوڑ دو کہ دوسری اس کی جگہ کر لاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ ممانعت آخر کو موقوف ہو گئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کوئی نکاح کیا نہ ان میں سے کسی کو بدلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سب ازواج رضی اللہ عنہن برابر موجود رہیں۔

ف۳ یعنی لونڈی یا باندی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حرم (باندیاں) مشہور رہیں۔ ایک ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جن کے شکم سے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے بچپن میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ رضی اللہ عنہا۔

ف۴ یعنی اللہ کی نگاہ میں ہے جو اس کے احکام وحدود کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، اس کا خیال رکھ کر کام کرنا چاہیے۔

اور شرف اور کرامت کی دلیل ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ نبی کی ایک خاص شان امتیازی ہے جس کی بنا پر نبی کے حق میں بعض احکام امت کے احکام سے جدا ہیں اور نکاح کے بارے میں جو وسعت اور سہولت آپ ﷺ کو عطا کی گئی ہے وہ دوسروں کو نہیں دی گئی اور اسی طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بعض احکام میں عام مسلمان عورتوں سے جدا اور ممتاز ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بعض احکام میں عام مسلمان عورتوں سے جدا اور ممتاز ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن عام مسلمان عورتوں کی طرح نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضور پر نور ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح حرام ہے کیونکہ وہ بھی آپ ﷺ کی ایذاء کا سبب ہے آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے روحانی باپ ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں ان کا ادب اور احترام ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان میں کوتاہی نبی کی ایذاء کا سبب ہے جو بلاشبہ حرام اور موجب لعنت ہے اور اسی سلسلہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں دعوت ولیمہ کے وقت بعض لوگوں کے کھانا کھا کر دیر تک بیٹھے رہنے اور باتیں کرتے رہنے سے حضور پر نور ﷺ کو جو گرانی پیش آئی ان آیات میں اس کا ذکر فرمایا۔ اور اس کے بارے میں حکم نازل فرمایا۔ بعض لوگوں کا دعوت ولیمہ میں دیر تک بیٹھے باتیں رہنا اگر چہ بطور موانست اور تفریح طبع تھا۔ معاذ اللہ حضور پر نور ﷺ کے ایذاء اور تکلیف کے ارادہ سے نہ تھا لیکن بہر حال دیر تک اس طرح بیٹھے باتیں کرتے رہنا آنحضرت ﷺ کی خاطر عاطر کے لئے باعث گرانی ہوا اس لئے حکم نازل ہو گیا کہ کھانے سے فراغت کے بعد اپنے گھروں کو واپس ہونا چاہئے۔

غرض یہ کہ ان آیات میں جس قدر احکام ذکر کئے گئے ان سب سے آپ ﷺ کی جلالت شان کا اظہار مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ اہل ایمان پر یہ لازم ہے کہ غیر اختیاری طور پر بھی نبی ﷺ کی ایذاء اور تکلیف کا سبب نہ بنیں کہ دعوت میں کھانا کھا کر بے فکری سے بیٹھے باتیں کرتے رہیں دور تک یہی سلسلہ کلام چلا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ نے نکاح اور طلاق کے بارے میں تم کو جو احکام دیئے ہیں ان کی تعمیل کرو من جملہ ان احکام کے ایک حکم یہ ہے کہ اے اہل ایمان جب تم ایمان والیوں کو اپنے نکاح میں لاؤ پھر کسی وجہ سے تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو۔ یعنی مباشرت یا خلوت صحیحہ سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان عورتوں پر کوئی عدت واجب نہیں جس کے دنوں کو شمار کرو۔ طلاق قبل الدخول میں کسی قسم کی عدت نہیں اس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے نکاح کرے ایسی عورت پر تمہارا کوئی حق نہیں رہا پس طلاق کے بعد تم ان کو کچھ مالی فائدہ پہنچا دو اور ان کو متعہ یعنی ایک جوڑا پوشاک دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دو جس میں ان کو کسی قسم کا ضرر نہ ہو۔ "متعہ" اس عطیہ کو کہتے ہیں جو خاوند کی طرف سے طلاق دینے کے بعد بیوی کو دیا جاتا ہے۔

ف:...... ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا بیان کرنا شاید اس بنا پر ہو کہ سرور عالم ﷺ نے ایک عورت سے نکاح کیا جب آپ ﷺ اس کے پاس گئے تو وہ بولی اللہ تم سے پناہ دے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے بڑی ذات کی پناہ مانگی ہے اور آپ ﷺ الگ ہو گئے اور باہر آ گئے اور اس عورت کو جوڑا پوشاک دے کر رخصت کر دیا۔

ان آیات میں نکاح اور طلاق کے متعلق جو حکم بیان کیا گیا وہ عام مسلمانوں سے متعلق ہے اب آئندہ آیات میں

نکاح کے ان احکام کو بیان کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حکم اول

اے پیغمبر ﷺ تحقیق ہم نے حلال رکھا تیرے لئے تیری ان بیبیوں کو جو اس وقت تیرے نکاح میں ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت کو اختیار کیا اور باوجود فقر و فاقہ کے نبی ﷺ کی زوجیت کو بصد ہزار رغبت قبول کیا اور جن کا مہر بھی ادا کر چکے ہیں۔ اگر چہ ان کا عدد چار سے زیادہ ہے مگر ہم نے خاص آپ ﷺ کے لئے ان کی زوجیت کو برقرار رکھا اور یہ حکم آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہے آپ ﷺ کے سوا کسی اور کے لئے چار سے زیادہ بیبیاں رکھنا حلال نہیں آیت کی یہ تفسیر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے دیکھو تفسیر ابن جریر: ۱۶/۲۲۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جمہور علماء کے نزدیک آیت کے یہی معنی مختار اور راجح ہیں کہ آیت میں **ازواجك** سے موجودہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا کیونکہ آیت میں ﴿اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ﴾ بصیغہ ماضی آیا ہے جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ **ازواجك** سے وہی بیبیاں مراد ہیں جن کا مہر آپ ﷺ زمانہ گزشتہ میں ادا کر چکے ہیں۔ تفسیر قرطبی [1]: ۲۰۶/۱۴۔

حکم دوم

اور ہم نے آپ ﷺ کے لئے وہ لونڈیاں اور باندیاں حلال کیں جو اللہ نے آپ ﷺ کو مال غنیمت میں عطا کیں خواہ وہ کسی قوم کی ہوں وہ سب آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں ان میں سے جس عورت کو آپ ﷺ چاہیں بطور ملک یمین اپنے تصرف میں لاسکتے ہیں اس لئے کہ جو باندی مال غنیمت سے ملی ہے وہ بلاشبہ حلال ہے۔ خریدی ہوئی چیز میں شبہ ہوسکتا ہے مگر مال غنیمت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ دنیا کے مالوں میں سے کوئی مال غنیمت سے بڑھ کر حلال اور طیب نہیں۔

باندیوں کے بارے میں آپ ﷺ کی خصوصیت یہ تھی کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ ﷺ کو اختیار تھا کہ جو چیز آپ ﷺ کو پسند آئے وہ لے لیں چنانچہ غزوہ خیبر میں آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اسی طرح لیا تھا اور یہ حق آپ ﷺ کے سوا دوسرے کو نہیں نیز اس بارے میں ایک خصوصیت آپ ﷺ کی یہ تھی کہ اہل حرب کی جانب سے جو ہدایا آپ ﷺ کے پاس آتے تھے وہ سب آپ ﷺ کی ملک ہوتے تھے اور آپ ﷺ کے بعد اگر کسی خلیفہ یا بادشاہ کو اہل حرب کوئی ہدیہ دیں تو وہ عام مسلمانوں اور بیت المال کا حق ہے اور ایک خصوصیت آپ ﷺ کی یہ تھی کہ جو باندی وفات تک آپ ﷺ کے

[1] قال الامام القرطبی رحمہ اللہ اختلف الناس فی تاویل قولہ تعالیٰ انا احللنا لك ازواجك فقیل المراد بہا ان اللہ تعالیٰ احل لہ ان یتزوج کل امراۃ یؤتیہا مہرھا۔ وقیل المراد احللنا لك ازواجك ای الکائنات عندك لانہن قد اخترنك علی الدنیا والاخرۃ قالہ الجمہور من العلماء وھو الظاھر لان قولہ اتیت اجورھن ماض ولا یکون الفعل الماضی بمعنی الاستقبال الا بشروط۔ ویؤید ھذا التاویل ما روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتزوج فی ای الناس شاء وکان یشق ذلك علی نساہ فلما نزلت ھذہ الایۃ وحرم علیہ بہا النساء الا من سمی، سر نساہ بذلك۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰۶/۱۴)۔

پاس رہی ہو جیسے ماریہ قبطیہ ؓ، وہ دوسروں کے لئے حرام تھیں ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ خصوصیتیں ہوں جو اسی زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہوں اور انہی کو اس کی ضرورت بھی تھی۔

حکم سوم

اور ہم نے حلال کیا تیرے واسطے تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں۔ جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت بھی کی ہو یعنی جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت نہیں کی وہ آپ ﷺ کے لئے حلال نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں سے آپ ﷺ کو ماں باپ کی جانب سے قرابت ہو آپ ﷺ کے لئے ان سے نکاح حلال ہے مگر بشرط ہجرت اور اسی وجہ سے آپ ﷺ اپنی چچا زاد بہن ام ہانی ؓ بنت ابی طالب سے نکاح نہیں کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ وقال تعالی ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾۔

ف:...... اور ساتھ ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عمل میں آپ ﷺ کی شریک اور موافق ہو یعنی انہوں نے بھی آپ ﷺ کی طرح ہجرت کی ہو۔ معیت سے معیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ عمل میں موافقت مراد ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بلقیس کا قول منقول ہے۔ ﴿وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔

حکم چہارم

اور مزید برآں ہم نے حلال کر دیا آپ ﷺ کے لئے اس عورت کو کہ جو مسلمان ہو اگر وہ اپنے نفس اور ذات کو بلا کسی عوض کے اور بلا مہر [1] کے پیغمبر ﷺ کو ہبہ کر دے تاکہ اس کو نبی ﷺ کی زوجیت اور خدمت کا شرف حاصل ہو جائے تو اگر نبی ﷺ اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں تو ان کے لئے جائز اور درست ہے کہ وہ اس کو قبول کر کے اپنے نکاح میں لے لیں اور مومنہ کی قید اس لئے لگائی کہ کافرہ عورت کسی حال میں آپ ﷺ کے لئے حلال نہیں اگرچہ وہ کتابیہ ہو اور اگرچہ وہ آزاد ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو عورت اپنی جان کو نبی ﷺ کے لئے ہبہ کر دے اور بلا مہر آپ ﷺ کے نکاح میں آنا چاہے اور اس کا مقصود مال اور مہر نہ ہو بلکہ محض آپ ﷺ کی زوجیت کا شرف اس کا مطمح نظر ہو تو وہ بھی آپ ﷺ کے لئے حلال ہے بشرطیکہ آپ ﷺ اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہیں اور یہ حلت اور یہ اجازت خالص آپ ﷺ کے لئے ہے سب مسلمانوں کے لئے نہیں۔ آپ ﷺ کے سوا کسی مسلمان کے لئے نہیں آپ ﷺ کے سوا کسی اور مسلمان کے لئے بدون مہر کے کسی عورت کو اپنے نکاح میں لے لینا حلال نہیں اور یہ اجازت صرف آپ ﷺ کے لئے ہے لہٰذا جو عورت اپنی جان کو بلا مہر آپ ﷺ کو ہبہ کر دے تو اس کے لئے کسی حالت میں مہر کا مطالبہ جائز نہیں بلا مہر نکاح کی حلت آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے آپ ﷺ کے سوا اگر کوئی بلا مہر نکاح کرے تو اس پر مہر مثل واجب ہوگا۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے عام مسلمانوں پر ان کی بیبیوں اور باندیوں کے بارے میں جو حقوق [2] اور فرائض اور شرائط عقد مقرر کئے ہیں جیسے مہر اور گواہ اور نان ونفقہ اور سکنی وغیرہ۔ اور اس بارے میں جو

[1] کما روی عن ابن عباس ؓ تفسیر قرطبی: ۲۰۸/۱۴۔

[2] قال القرطبی قولہ تعالیٰ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم ای ما اجبنا علی المومنین وھو ان لا یتزوجوا الا اربع نسوۃ بمھر وبینۃ وولی قال معناہ ابی بن کعب وقتادۃ وغیرھما۔ اھ تفسیر قرطبی: ۲۱۴/۱۴۔

احکام ان کو دیئے ہیں وہ آیات اور احادیث میں مذکور ہیں اور سب کو معلوم ہیں نکاح میں مہر کا ہونا ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم﴾ وغیرہ وغیرہ اور نکاح کے بارے میں جو قیود اور شرائط ہم نے عام مومنین پر لگائے ہیں وہ ہم نے آپ ﷺ پر نہیں لگائے تاکہ آپ ﷺ پر تنگی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حقوق اور فرائض اور شرائط عقد، عورتوں کے بارے میں عام مسلمانوں پر لازم کئے ہیں۔ آپ ﷺ پر فرض اور لازم نہیں کئے تاکہ آپ ﷺ پر وسعت اور سہولت ہو۔ اور لوگوں پر آپ ﷺ کی شان امتیازی ظاہر ہو۔ اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان جس چیز سے بچنا مشکل ہوتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے اور اپنی رحمت اور مہربانی سے جس پر چاہے وسعت کر دیتا ہے۔

حکم پنجم

من جملہ احکام مخصوصہ کے ایک حکم یہ ہے کہ جس مرد کے پاس کئی عورتیں ہوں اس پر یہ واجب ہے کہ وہ تمام بیبیوں کے پاس باری باری سے رہے مگر آنحضرت ﷺ پر تقسیم یعنی باری باری سے بیبیوں کے پاس رہنا واجب نہ تھا۔ شب باشی میں آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ جس کے پاس چاہیں رات کو رہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ اپنی عورتوں میں سے جس کو چاہیں پیچھے کریں۔ اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں یعنی آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ باری ہے میں جس کو چاہیں آگے کریں اور جس کو چاہیں پیچھے کریں مطلب یہ ہے کہ جس کو چاہیں باری دیں اور جس کو چاہیں اس کو باری نہ دیں اور جن عورتوں کو آپ ﷺ نے علیحدہ کر دیا ہے اور ان سے کنارہ کشی کی ہے ان میں سے اگر کسی کو بلانا چاہیں اور اس کی خواہش کریں تو اس میں آپ ﷺ پر کوئی گناہ اور تنگی نہیں یعنی جس بی بی سے آپ ﷺ نے کنارہ کیا ہو تو آپ ﷺ کو اس کے دوبارہ بلانے کا بھی اختیار ہے حق جل شانہ نے آپ ﷺ کو یہ حقوق اور اختیارات دیئے مگر آپ ﷺ نے مدت العمر کبھی اس سے کام نہیں لیا باری میں ہمیشہ برابری اور عدل اور مساوات کو ملحوظ رکھا جیسا کہ احادیث میں ہے کہ اگر آپ ﷺ کسی کی باری کے دن دوسری بیوی کے پاس رہنا چاہتے تو اس سے اجازت لیتے۔ اب اگلی آیت میں اس اختیار اور تفویض کی حکمت اور مصلحت بیان فرماتے ہیں کہ یہ اختیار جو آپ ﷺ کو دیا گیا اس میں مصلحت یہ ہے کہ یہ اختیار اس امر کے بہت زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور اس پر راضی رہیں جو آپ ﷺ ان کو دے دیں۔ سب کی سب یعنی آپ ﷺ کو یہ اختیار اس لئے دیا گیا کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں اور جان لیں کہ شب باشی میں ہمارا کوئی حق مقرر نہیں آپ جو ان کو دے دیں خوش ہو کر اور آپ ﷺ کا احسان سمجھ کر اسے قبول کریں اگر پاس بلائیں تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اگر نہ بلائیں تو رنجیدہ نہ ہوں اور نہ شکوہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ فضل فرمایا کہ ازواج کو آپ ﷺ کی رضامندی کا پابند بنایا اور آپ ﷺ کو ان کی رضا اور خواہش کا پابند نہیں کیا مگر بایں ہمہ آپ ﷺ نے ہمیشہ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک رکھا۔ جس پر آپ ﷺ مجبور نہ تھے سب کی باری برابر رکھی۔ صرف ایک حضرت سودہ ؓ جب ان کی عمر بڑی ہوگئی تو انہوں نے از خود اپنی باری حضرت عائشہ ؓ کو ہبہ کر دی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ باری دینا آپ ﷺ پر واجب نہیں تو اس کے بعد جو بھی

آپ ﷺ ان کے ساتھ سلوک کریں اور عدل اور احسان کا معاملہ فرمائیں گے تو وہ خوش اور راضی رہیں گی۔ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اس کو خوب جانتا ہے کہ تمہارے دل میں کس بیوی کی محبت اور رغبت زیادہ ہے اگر تمہارے دل میں کسی زوجہ کی طرف زیادہ میلان ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ نہیں کرتا کیونکہ وہ تمہارے اختیار میں نہیں اور اللہ جاننے والا اور بردبار ہے جو لوگ اس قسم کے احکام میں نبی ﷺ پر نکتہ چینی یا بدگمانی کرتے ہیں اللہ کو اس کا علم ہے مگر بردباری کی وجہ سے ان کو جلدی سزا نہیں دیتا۔

حکم ششم

آیت تخییر کے نزول کے بعد جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں یہ حکم نازل کیا کہ اے پیغمبر ﷺ اب اس کے بعد یعنی [1] ان نو بیبیوں کے جو اس وقت آپ ﷺ کے عقد نکاح میں ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا تو اب اس کے بعد آپ ﷺ کے لئے اور عورتیں حلال نہیں یعنی اب کسی حال میں آپ ﷺ کے لئے مزید کسی عورت سے نکاح حلال نہیں بلکہ انہی ازواج کو باقی رکھو جو موجودہ بیبیاں دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ ﷺ کی ازواج ہیں یہ نو بیبیاں آپ ﷺ کے حق میں ایسی ہیں جیسے امت کے حق میں چار بیبیاں اور آیت کی یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے دیکھو تفسیر ابن جریر ص ۲۱/ ۲۲ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ مجاہد اور ضحاک اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۱ ج ۳ اور اسی تفسیر کو امام بغوی نے اختیار کیا۔ تفسیر مظہری: ۷/ ۴۰۱ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں مگر امام رازی نے اپنی تفسیر میں اسی تفسیر کو اختیار کیا۔ جو ہم نے ذکر کی حضرت اہل علم، تفسیر کبیر [2] :۶/ ۲۲۲ دیکھیں و حاشیہ شیخ زادہ دیکھیں: ۴/ ۸۲۔

حکم ہفتم

اور نہ آپ ﷺ کے لئے یہ حلال ہے کہ موجودہ بیبیوں کے بدلہ میں دوسری بیبیاں کر لیں کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دیں اور اس کے بدلہ میں دوسری بیوی کر لیں اور اس طرح تو کا عدد پورا کر لیں اگرچہ آپ ﷺ کو ان کا حسن پسند آئے تب بھی آپ ﷺ کے لئے ان سے نکاح حلال نہیں چونکہ اکثر و بیشتر نکاح کی رغبت حسن و جمال ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے یہ فرمایا ﴿وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اے نبی ان موجودہ نو بیبیوں کے علاوہ آپ ﷺ کے لئے نہ کسی عورت سے نکاح حلال ہے اور نہ ان نو میں میں کوئی تغیر و تبدل جائز ہے مگر وہ باندیاں جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں ان میں کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل کا آپ ﷺ کو اختیار ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

[1] کما قال النیشابوری قال اکثر المفسرین (فی تفسیر قولہ تعالیٰ لا یحل لك النساء من بعد) ای من بعد التسع المذکورۃ فالتسع نصاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الازواج کما ان الاربع نصاب امتہ (تفسیر غرائب القران: ۲۲/ ۲۶)

[2] قال الامام الرازی الاولی (فی تفسیر الایۃ) ان یقال لا تحل لك النساء من بعد اختیارھن اللہ ورسولہ ورضاھن بما یوتیھن من الوصل والھجران والنقص والحرمان فلما اخترن اللہ ورسولہ ذکر اللہ لھن ما جازاھن بہ من تحریم غیرھن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنعہ من طلاقھن بقولہ ولا ان تبدل بھن کذا فی التفسیر الکبیر ص: ۶/ ۲۲۲ وقال ابن الشیخ بعد نقل کلام الامام انما حرم اللہ تعالیٰ علیہ النساء سواھن ونھاہ عن تطلیقھن وعن الاستبدال بھن شکرا لھن علی حسن ضیعھن۔ (حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی: ۴/ ۷۲)۔

چو دانستی کہ حق دانا و بیناست نہان و آشکار خویش کن راست

جمہور صحابہ و تابعین علیہم الرضوان کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر کر دی گئی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ ممانعت بعد میں منسوخ ہوگئی۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی) یعنی بعد میں آپ ﷺ کو نکاح کی بھی اجازت ہوگئی اور تغیر و تبدل کی بھی اجازت ہوگئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد نہ کسی عورت سے نکاح کیا اور نہ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بیوی کی۔

مگر ظاہر آیت سے یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں ہوا اور صحابہ و تابعین علیہم الرضوان کی ایک جماعت سے اسی طرح منقول ہے اور اسی کو امام بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا۔ (دیکھو تفسیر البحر المحیط لابی حیان: ۷/ ۲۴۴)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ

اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے والے

اے ایمان والو! مت جاؤ گھروں میں نبی کے، مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے، نہ راہ دیکھتے

اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

اس کے پکنے کی لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ ف۱ پھر جب کھا چکو تو آپ آپ کو چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگا کر بیٹھو باتوں میں ف۲

اس کے پکنے کی، لیکن جب بلائے تب جاؤ، پھر جب کھا چکو، تو آپ آپ کو چلے جاؤ، اور نہ آپس میں جی لگاتے باتوں میں۔

لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ

اس بات سے تمہاری تکلیف تھی نبی کو پھر تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں ف۳

اس بات سے تمہاری تکلیف تھی پیغمبر کو، پھر تم سے شرم کرتا، اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتانے میں۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ

اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ کے باہر سے اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو

اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی، تو مانگ لو پردے کے باہر سے۔ اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو،

ف۱ یعنی بدون حکم و اجازت کے دعوت میں مت جاؤ اور جب تک بلائیں نہیں پہلے سے جا کر نہ بیٹھو کہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے۔ اور گھر والوں کے کام کاج میں حرج واقع ہو۔

ف۲ یعنی کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر کا راستہ لینا چاہیے۔ وہاں مجلس جمانے سے میزبان اور دوسرے مکان والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ باتیں گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانوں کے متعلق فرمائی ہیں۔ کیونکہ شان نزول کا تعلق ان ہی سے تھا مگر مقصود ایک عام ادب سکھلانا ہے۔ بے دعوت کسی کے یہاں کھانا کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا یا طفیلی بن کر جانا، یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا، یا فارغ ہونے کے بعد گپ شپ لڑانا درست نہیں۔

ف۳ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیا کی وجہ سے اپنے نفس پر تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ لحاظ کی وجہ سے صاف نہیں فرماتے کہ اٹھ جاؤ مجھے کلفت ہوتی ہے یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور مروت کی باتیں ہوئیں مگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تادیب و اصلاح میں کیا چیزیں مانع ہو سکتی ہیں۔ اس نے بہرحال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان سے اپنے احکام سنا دیے۔

وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ

اور ان کے دل کو ف۱ اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے پیچھے

اور ان کے دل کو۔ اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو، اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں کو اس کے پیچھے

اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ

کبھی البتہ یہ تمہاری بات اللہ کے یہاں بڑا گناہ ہے ف۲ اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو یا اس کو چھپاؤ سو اللہ ہے ہر

کبھی۔ البتہ یہ بات تمہاری اللہ کے ہاں بڑا گناہ ہے۔ اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو، یا اس کو چھپاؤ سو اللہ ہے ہر

شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ

چیز کو جاننے والا ف۳ گناہ نہیں ان عورتوں کو سامنے ہونے کا اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھائی کے

چیز جانتا۔ گناہ نہیں ان عورتوں کو سامنے ہونے کا اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے، اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھائی کے

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آداب سکھلائے۔ کبھی کھانے کو حضرت کے گھر میں جمع ہوتے تو پیچھے باتیں کرنے لگ جاتے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان آرام کا وہی تھا۔ شرم سے نہ فرماتے کہ اٹھ جاؤ۔ ان کے واسطے اللہ نے فرمادیا، اور اس آیت میں حکم ہوا پردہ کا کہ مرد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رضی اللہ عنہن کے سامنے نہ جائیں کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں جانبین کے دل ستھرے اور صاف رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا استیصال ہو جاتا ہے۔

ف۲ یعنی کافر منافق جو چاہیں بکتے پھریں اور ایذاء رسانی کریں، مومنین جو دلائل و براہین کی روشنی میں پیغمبر علیہ السلام کی انتہائی راست بازی اور پاکبازی کو معلوم کر چکے ہیں، انھیں لائق نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی کہیں یا کریں جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب بن جائے۔ لازم ہے کہ مومنین اپنے محبوب و مقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں۔ مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے۔ ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکاح کرنا چاہے یا ایسے نالائق ارادہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اظہار کرے۔ ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ السلام کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں۔ کیا کسی امتی کے عقد نکاح میں آنے کے بعد ان کا یہ احترام کما حقہ محفوظ رہ سکتا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم و تلقین دین کی اس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کر سکتی ہیں جس کے لیے ہی فی الحقیقت قدرت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لیے ان کو چنا تھا۔ اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بے حس و بے شعور انسان بھی باور کر سکتا ہے کہ سید البشر امام المتقین اور پیکر خلق عظیم کی خدمت میں عمر گزارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لیے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت و سکون حاصل کرنے کی امید رکھ سکے گی۔ خصوصاً جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا و آخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش و بہار پر لات مار کر اللہ رسول کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار کر لینے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیسے عدیم النظیر زہد و ورع اور صبر و توکل کے ساتھ ان مقدس خواتین جنت نے عبادت الٰہی میں اپنی زندگیاں گزاریں اور احکام دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمات مہمہ کے لیے اپنے کو وقف کیے رکھا ان میں سے کسی ایک کو کبھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا خیال نہیں آیا۔ اور کیسے آسکتا تھا جبکہ پہلے ہی حق تعالیٰ نے ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ فرما کر ان کے تزکیہ و تطہیر کی کفالت فرمائی تھی۔ رضی اللہ عنہ وارضاھن وجعلنا ممن یعظمھن حق تعظیمھن فوق ما نعظم امھاتنا التی ولدتنا، آمین۔ اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی کتاب "آب حیات" میں ہے۔

ف۳ یعنی زبان سے کہنا تو کجا دل میں بھی ایسا وسوسہ کبھی نہ لانا۔ اللہ کے سامنے ظاہر و باطن سب یکساں ہے دل کا کوئی بھید اس سے پوشیدہ نہیں۔

اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۔

بیٹوں سے اور نہ اپنی بہن کے بیٹوں سے اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے ہاتھ کے مال سے ف۱ اور ڈرتی رہو اے عورتوں اللہ سے

بیٹوں سے، اور نہ اپنے بہن کے بیٹوں سے، اور نہ اپنی عورتوں سے، اور نہ اپنے ہاتھ کے مال سے، اور ڈرتی رہو اللہ سے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز ف۲

بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

نداء اہل ایمان ونزول حکم حجاب برائے خواتین اسلام واحتراز از ایذاء رسول عالی مقام وتحریم نکاح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بعد وفات سید البریات علیہ افضل الصلوات والتحیات

قال تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں نکاح کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کے خصائص کو بیان فرمایا اور ان امور کی ممانعت فرمائی جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے لئے باعث ایذاء اور موجب تکلیف ہوں۔ اس سے پہلے بھی ایذاء نبوی کے انواع واقسام اور ان کے احکام کا بیان ہو چکا تھا اس لئے اب آئندہ آیات میں ایک خفیف اور معمولی ایذاء نبوی کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو بعض لوگوں کی جانب سے بلا قصد اور بلا ارادہ ایسی چیز ظہور میں آئی کہ جو حضور پرنور ﷺ کی ایذاء کا سبب بنی۔

قصہ یہ پیش آیا کہ جب بحکم خداوندی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کا نکاح ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کا ولیمہ کیا اور خاص اہتمام کیا اور گوشت روٹی پکوائی اور تقریباً تین سو آدمیوں کو مدعو کیا۔ اکثر لوگ تو کھانا کھا کر چلے گئے بعض لوگ کھانا کھانے کے بعد گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے آنحضرت ﷺ پر ان کی یہ حرکت شاق اور گراں گزری مگر آپ ﷺ نے شرم کے مارے کچھ نہ کہا آپ ﷺ کئی بار اٹھے تاکہ لوگ بھی اٹھ جائیں چنانچہ بہت سے لوگ اٹھ گئے مگر تین آدمی پھر بھی باتوں میں مصروف رہے اور آپ ﷺ کے اشارہ کو نہ سمجھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اسی حجرہ میں پشت پھیرے دیوار کی طرف منہ کر کے ایک طرف بیٹھی رہیں بالآخر جب وہ تین آدمی چلے گئے تو آپ ﷺ حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے اس

ف۱ اوپر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سامنے مردوں کے جانے کی ممانعت ہوئی تھی۔ اب بتلا دیا کہ محارم کا سامنے جانا منع نہیں۔ اس بارے میں جو حکم عام مستورات کا سورۃ "نور" میں گزر چکا وہی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ہے۔ "وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ" کی تشریح ہم سورۃ "نور" میں کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

ف۲ یعنی پردہ کے جو احکام بیان ہوئے اور جو استثناء کیا گیا پوری طرح ملحوظ رکھو ذرا بھی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ ظاہر وباطن میں حدود الٰہیہ محفوظ رہنی چاہئیں۔ اللہ سے تمہارا کوئی حال چھپا ہوا نہیں۔ یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور

وقت یہ آیتیں یعنی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾ سے لے کر ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ تک نازل ہوئیں۔

ان آیات کو آیات حجاب کہتے ہیں جن میں عورتوں پر پردہ فرض ہونے کا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں کو آداب طعام اور حقوق معاشرۃ بتلائے گئے اور یہ حکم دیا گیا کہ کوئی کام ایسا نہ کریں کہ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تکلیف اور گرانی کا باعث ہو اور تمام مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے یہ حکم دے دیا گیا کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں اور اگر گھر والوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو باہر سے پس پردہ کھڑے ہو کر مانگ لیں اس حکم سے قلب کی صفائی اور ستھرائی کا پورا پورا انتظام ہو گیا اور فتنہ کا سد باب ہو گیا پھر ان سب باتوں کے بعد اسی مقام پر یہ حکم نازل ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی بیبیوں سے نکاح حرام ہے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن امہات المومنین ہیں سب مسلمانوں کی مائیں ہیں اس لئے آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان سے نکاح نہیں ہو سکتا جس کا سبب نزول یہ ہے کہ جب آیات بالا میں حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہوا تو کسی کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ ہم سے ہماری چچا زاد بہنوں کو چھپایا جاتا ہے اگر آپ ﷺ کی وفات ہو جائے تو ہم آپ ﷺ کی بیبیوں سے نکاح کرلیں گے ان پر یہ حکم نازل ہوا۔ ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ آیتیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں نازل ہوئی جو احکام طعام اور آداب معاشرت اور اس بات پر بھی مشتمل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو زندگی میں بھی ایذاء دینا حرام ہے اور وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کو ایذاء دینا حرام ہے۔ ان آیات میں جن تعلیمات اور ہدایات کا ذکر ہے ان کا آغاز اہل ایمان کی نداء سے ہوا یعنی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے ہوا جو خاص تلطف اور عنایت پر دلالت کرتا ہے اور یہ سورت از اول تا آخر خطابات سراپا عنایات سے بھری پڑی ہے چنانچہ اس سورت کا آغاز نبی اکرم ﷺ کی ندا سے ہوا۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ﴾ فرمایا پھر ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ سے اہل ایمان کو اس ندا خاص سے عزت بخشی پھر نبی کریم علیہ السلام کو ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ سے خطاب فرمایا پھر دو مرتبہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ﴾ سے خطاب فرمایا اور اس سلسلہ خطاب میں ان کی فضیلت اور کرامت کو بیان فرمایا پھر ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ سے اہل ایمان کو خطاب فرمایا۔ اور ذکر کثیر اور تسبیح کا ان کو حکم دیا۔ پھر ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا﴾ سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے فضائل اور شمائل بیان کئے پھر ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ سے اہل ایمان کو نکاح اور طلاق کے احکام بتلائے پھر ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ سے نکاح اور حقوق زوجیت کے متعلق ان احکام کو بیان کیا جو خاص ذات نبوی سے متعلق تھے پھر ان سب کے بعد اس آیت میں یعنی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾ میں اہل ایمان کو مخاطب فرما کر مختلف احکام کی تعلیم دیتے ہیں جن میں سے بعض احکام، ازواج اور عام مسلمان عورتوں سے متعلق ہیں اور بعض احکام، خاص آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات سے متعلق ہیں اس کے بعد اخیر سورت تک چار خطاب اور آئیں گے جن میں سے

ایک خطاب، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہے اور باقی تین خطاب اہل ایمان کو ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اس وقت کہ تم کو کھانا کھانے کے لئے یا کسی اور ضرورت کے لئے بلایا جائے یعنی بغیر اجازت اور بغیر دعوت کے داخل نہ ہو ہوں اگر تم کو دعوت دی جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ ایسے حال میں جاؤ کہ کھانا پکنے کے انتظار کرنے والے نہ ہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب داخل ہو۔ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی دعوت ولیمہ ہوتی تو سویرے سے آجاتے اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو بیٹھے باتیں کرتے اللہ تعالیٰ نے ان کو ادب سکھایا کہ ایسا نہ کیا کریں اول تو بغیر دعوت کے نہ جایا کریں اور اگر دعوت بھی ہو تو پہلے سے جا کر نہ بیٹھ جایا کریں ایک ادب تو یہ ہوا پھر دوسرا ادب یہ ہے کہ جب کھانا کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ۔ اور وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ اور آپس میں دل لگا کر بے فکری سے بیٹھے باتیں نہ کرتے رہا کرو۔ تحقیق تمہارا یہ فعل یعنی بغیر اجازت کے آجانا اور پھر کھانا پکنے سے پہلے آکر بیٹھ جانا اور پھر کھانا سے فارغ ہو کر بیٹھے باتیں کرتے رہنا پیغمبر خدا کو تکلیف دیتا ہے پس وہ شرماتا ہے اور لحاظ اور شرم کی وجہ سے یہ نہیں کہتا کہ تم چلے جاؤ اور اللہ جو تمہارا رب ہے وہ حق کے بیان کرنے سے اور ادب کے سکھانے سے شرماتا نہیں تمہاری اصلاح اور تادیب کے لئے حق بات کو صاف صاف بتلا دیتا ہے اور اللہ تم کو ایک ادب یہ سکھاتا ہے کہ جب تم پیغمبر ﷺ کی بیبیوں سے یا اور مسلمان عورتوں سے کام کی کوئی مانگنا چاہو تو پردہ کے پیچھے باہر سے کھڑے ہو کر ان سے مانگ لو اس مانگنے کے وقت تمہارے اور گھر والوں کے درمیان حجاب (پردہ) حاجب (حائل) ہونا چاہئے۔ رو در رو گھر والوں سے بات کرنا منع ہے ضرورت کی بنا پر پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر کسی چیز کے مانگنے کی تو اجازت ہے مگر دیکھنے اور جھانکنے کی اجازت نہیں یہ امر یعنی پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگنا بہت پاک رکھنے والا ہے تمہارے دلوں کو اور عورتوں کے دلوں کو یعنی یہ پردہ دلوں کو شیطانی اور نفسانی خیالات سے پاک رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ پردہ متعارفہ جو قدیم اہل اسلام میں رائج ہے وہ غایت درجہ ضروری ہے اور نہایت قابل اہتمام ہے نفسانی وسوسوں اور خطروں سے حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ آیت بھی اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہے لیکن اس حکم کی جو علت بیان کی گئی ہے وہ عام ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ یعنی یہ حجاب طہارت قلوب کا بہترین ذریعہ ہے اور بلا شبہ حق اور درست ہے۔ اور یہ علت صراحۃً دلالت النص سے ثابت ہے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بے حجابی اور بے پردگی قلب کی نجاست اور گندگی کا سبب ہے اور حجاب اور پردہ قلب کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تو بوجہ امہات المومنین ہونے کے ان کی عظمت اور حرمت دلوں میں ایسی راسخ ہے کہ جہاں فتنہ کا احتمال نہیں ہوتا لہٰذا جہاں فتنہ کا احتمال غالب بلکہ فتنہ یقینی ہو وہاں حجاب قطعی طور پر فرض اور لازم ہوگا۔

اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بلا حجاب باتیں کرنا یہ تو ایذاء رسول کا بھی موجب ہے اور تمہارے لئے یہ بات کسی طرح جائز نہیں کہ تم کسی چیز میں اللہ کے رسول ﷺ کو ایذاء پہنچاؤ ہر طرح رسول ﷺ کے ادب کا لحاظ رکھو ایسا نہ ہو کہ تم سے کوئی ایسا امر سرزد ہو جائے جو مزاج نبوی کو ناگوار گزرے اور نہ تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم آپ ﷺ کی وفات کے بعد

کبھی بھی آپ ﷺ کی بیبیوں کو نکاح میں لاؤ۔ البتہ تمہارا یہ فعل یعنی اس طرح سے نبی کریم ﷺ کو ایذاء دینا کہ ہم آپ ﷺ کی بیبیوں سے نکاح کرلیں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی بیبیوں سے نکاح اللہ کے نزدیک جرم عظیم ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ کی تعظیم اور احترام فرض اور لازم ہے اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی فرض اور لازم ہے۔ بالجملہ نبی کریم ﷺ کو ظاہراً اور باطناً ایذاء پہنچانا حرام ہے حتی کہ ایذاء کا تصور اور خیال بھی حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تم اس قسم کی کوئی چیز ظاہر کرو اور بعض ازواج ﷺ نبی سے نکاح کر لینے کا لفظ زبان پر لاؤ یا اس بات کو دل میں چھپائے رکھو اور زبان پر نہ لاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو چھپی ہو یا کھلی خوب جانتا ہے اور تم کو اس پر سزا دے گا مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہرات علیہن الرضوان دنیا اور آخرت میں آپ ﷺ کی بیبیاں ہیں اور تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان سے نکاح کا تصور اور خیال بھی گناہ عظیم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی بیویوں سے نکاح حرام قرار دیا جو حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہے۔

اول: یہ کہ آنحضرت ﷺ کے شرف اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے یہ حکم دیا گیا۔ ہر انسان پر طبعی طور پر یہ گراں ہوتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے بعد دوسرے کے نکاح میں جائے اس لئے آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور بزرگی ظاہر کرنے کے لئے یہ رعایت خاص، آنحضرت ﷺ کے ساتھ کی گئی کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج کا دوسروں سے نکاح کرنا حرام ہوا۔

دوم: یہ کہ تاکہ فتنہ کا انسداد ہو جائے کیونکہ بالفرض اگر آپ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات علیہن الرضوان سے نکاح کی اجازت ہو جاتی تو ہر شخص کو آپ ﷺ کی جانشینی کے دعوے کی گنجائش مل جاتی اور اندیشہ تھا کہ وہ شخص اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنی خلافت کی طرف بلاتا۔

سوم: یہ کہ باہم تنافس اور تحاسد کا دروازہ کھل جاتا ہر شخص یہ چاہتا کہ میں زوجہ رسول ﷺ سے نکاح کروں تاکہ مجھے لوگوں میں خاص عزت اور امتیاز حاصل ہو اس امر کے انسداد کے لئے شریعت نے آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج سے نکاح کو قطعی حرام قرار دیا۔

چہارم: یہ کہ اگر ازواج مطہرات علیہن الرضوان کے لئے شریعت میں آپ ﷺ کے بعد کسی سے نکاح جائز ہوتا تو ازواج مطہرات علیہن الرضوان کا وہ عالی مرتبہ جو زوجیت رسول کی بنا پر حاصل تھا وہ ختم ہو جاتا اور آنحضرت ﷺ کے بعد کسی سے نکاح کرنا بلندی سے پستی میں جا گرنے کے مترادف ہے۔

پنجم: یہ کہ دوسروں کے نکاح میں جانے کے بعد ان کی روایات، لوگوں کی نظر میں مشکوک ہو جائیں ممکن ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے کہ یہ عورت اپنے جدید شوہر کے خیال سے ان امور کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر رہی ہے۔ اس صورت میں امت ان علوم سے محروم ہو جاتی جو ازواج مطہرات علیہن الرضوان کے ذریعہ سے پہنچے ہیں۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اجنبی مردوں سے پردہ کا حکم دیا اب آئندہ آیات میں ان رشتہ داروں کا

ذکر کرتے ہیں جن سے پردہ واجب نہیں اور وہ اس پردہ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ سورۃ نور کی اس آیت ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ﴾ الخ میں تفصیل کے ساتھ گزرا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ان عورتوں پر اپنے باپوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے سامنے اور نہ اپنے بھائیوں کے سامنے اور نہ اپنے بھتیجوں کے سامنے اور نہ اپنے بھانجوں کے سامنے اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے اور نہ اپنے باندیوں اور لونڈیوں کے سامنے یعنی ان سب کے سامنے آنا جائز ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ کے لفظ سے لونڈی اور غلام دونوں مراد ہیں یہ لفظ عام ہے دونوں کو شامل ہے لیکن غلام قبل از بلوغ مراد ہے بعد از بلوغ مراد نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف کنیز مراد ہے۔ جیسا کہ سورۃ نور میں گزرا۔

ف: ...... ﴿وَلَا نِسَآئِهِنَّ﴾ سے مسلمان عورتیں مراد ہیں کیونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی ساتھ کی ساتھ والی عورتیں مسلمان عورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کافر عورتوں سے پردہ چاہئے۔ اور اے عورتو خدا سے ڈرتی رہو اور حیا کا پردہ سامنے سے نہ اٹھاؤ۔ بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ جو چیز تمہارے خیال میں گزرتی ہے خدا اس سے بھی باخبر ہے۔

فائدہ جلیلہ

ان آیات کو جن میں ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ بھی ہے ان آیات کو آیات حجاب کہتے ہیں اس آیت کا نزول ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ کے نزول سے مقدم ہے کیونکہ اس آیت کا نزول حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ سے ہوا اور ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ کا نزول آیت تخییر کے نزول کے وقت ہوا اور آیت تخییر کا نزول حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بہت بعد ہوا اس لئے کہ مخیرات میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور ظاہر ہے کہ نفقہ کا مطالبہ نکاح کے بعد ہی ہوتا ہے پس آیت حجاب کے نزول سے پردہ فرض ہوا اور بعد میں ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ کے نزول سے اس کی تاکید ہوگئی۔ (ماخوذ از بیان القرآن)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا

اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو

اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر۔ اے ایمان والو! رحمت بھیجو اس پر، اور سلام بھیجو

تَسْلِيْمًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ

سلام کہہ کر ف ا جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکارا اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے

سلام کہہ کر۔ جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، ان کو پھٹکارا اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں، اور رکھی ہے ان کے واسطے

ف ا "صلوٰۃ النبی" کا مطلب ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء و تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ۔ پھر جس کی طرف "صلوٰۃ" منسوب ہوگی اسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء و تعظیم اور رحمت و عطوفت مراد لیں گے، جیسے کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح کی=

عَذَابًا مُّهِيۡنًا ۝ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَيۡرِ مَا اكۡتَسَبُوۡا فَقَدِ

ذلت کا عذاب ف۱ اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کئے تو

ذلت کی مار۔ اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو، اور مسلمان عورتوں کو، بن کئے کام، تو

احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝ ع

اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا ف۲

اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔

حکم وجوب صلوٰۃ وسلام وتحریم ایذاء خدا اور رسول ﷺ وایذاءِ عامۂ اہلِ اسلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِيِّ ... الی ... فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی جلالت شان اور علو مقام کو بیان کیا اور ازواج مطہرات کے ادب اور احترام

=محبت اور مہربانی باپ کے بیٹے پر ہے اس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اللہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں، مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ و رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہیے۔ علماء نے کہا کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! "سلام" کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا (یعنی نماز کے تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے) "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" "صلوٰۃ" کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجئے جو نماز میں پڑھا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درود شریف تلقین کیا۔ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔" غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ تمہارا بھیجنا یہ ہی ہے کہ اللہ سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش از بیش ابدال آباد تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتا رہے۔ کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہ ہی اکیلا ہے کسی بندہ کی کیا طاقت تھی کہ سید الانبیاء کی بارگاہ میں ان کے رتبہ کے لائق تحفہ پیش کر سکتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے، اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اترتی ہیں مانگنے والے پر۔ اب جس کا جتنا جی چاہے اتنا حاصل کر لے۔

(تنبیہ) صلوٰۃ علی النبی کے متعلق مزید تفصیلات ان مختصر فوائد میں نہیں سما سکتیں۔ شروح حدیث میں مطالعہ کی جائیں۔ اور اس باب میں شیخ شمس الدین سخاوی کا رسالہ "القول البدیع فی الصلوٰة علی الحبیب الشفیع" قابل دید ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بقدر کفالت لکھ دیا ہے فالحمد لله علی ذلك۔

ف۱ اوپر مسلمانوں کو حکم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب نہ بنیں بلکہ ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کریں جس کی ایک صورت صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہے۔ اب بتلایا کہ اللہ و رسول کو ایذاء دینے والے دنیا و آخرت میں ملعون و مطرود اور سخت رسوا کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ کو ستانا یہ ہی ہے کہ اس کے پیغمبروں کو ستائیں یا اس کی جناب میں نالائق باتیں کہیں۔

ف۲ یہ منافق تھے جو پیٹھ پیچھے بدگوئی کرتے رسول کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر جھوٹے طوفان اٹھاتے جیسا کہ سورۂ "نور" میں گزر چکا آگے بعض ایذاؤں کے انسداد کا بندوبست کیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کو ان کی طرف سے پہنچتی تھیں۔ روایات میں ہے کہ مسلمان مستورات جب ضروریات کے لیے باہر نکلتیں بدمعاش منافق تاک میں رہتے۔ اور چھیڑ چھاڑ کرتے پھر پکڑے جاتے تو کہتے ہم نے سمجھا نہیں تھا کہ کوئی شریف عورت ہے۔ لونڈی باندی سمجھ کر چھیڑ دیا تھا۔

کو بیان کیا۔ اور شروع سورت میں بھی یہی مضمون تھا۔ ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ﴾۔
اب ان آیات میں پھر نبی کریم ﷺ کی جلالت شان ظاہر کرنے کے لئے صلوٰۃ وسلام کا حکم دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ وجود باجود حق جل شانہ کی رحمتوں اور عنایتوں کا ذریعہ ہے اور ملا اعلیٰ میں آپ ﷺ کی خاص شان ہے اور آپ ﷺ کا ادب اور احترام قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت کا وسیلہ ہے لہٰذا آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام اور آپ ﷺ کا ادب واحترام اور آپ ﷺ کی تعظیم ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہے اور آپ ﷺ کو کسی قسم کی ایذاء پہنچانا حرام ہے حتی کہ مومنین اور مومنات یعنی آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اور آپ ﷺ کی متابعت اور محبت کرنے والوں کو بھی ایذاء پہنچانا حرام ہے اور موجب لعنت ہے اور مومنین اور مومنات کے اولین مصداق تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور تمام بنات طاہرات اور تمام اہل بیت اطہار ہیں۔
خلاصہ یہ کہ گزشتہ آیات میں جو احکام بیان کئے گئے مثلاً حضور پرنور ﷺ کی وفات کے بعد امہات المومنین سے نکاح کا حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔ وہ سب آپ ﷺ کے شرف اور کرامت اور جلالت قدر پر دلالت کرتے ہیں اب آئندہ آیات میں دوسرے عنوان سے آپ ﷺ کی جلالت قدر اور علو شان کو بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں جو استیذان وغیرہ کا حکم تھا وہ بیشک آپ ﷺ کے ادب اور احترام کے وجوب اور لزوم ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ لیکن یاد رکھو کہ نبی کا احترام ہر حال میں فرض ہے خواہ نبی اپنے گھر میں ہو یا گھر سے باہر ہو۔ ملا اعلیٰ میں ہو یا ملا سافل میں ہو۔ ملا اعلیٰ کے فرشتے بھی آپ ﷺ کا احترام کرتے ہیں لہٰذا تم کو بھی انہی کے طریقہ پر چلنا چاہئے۔ دیکھو شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی: ۴/۴۷۔ تاکہ ملا اعلیٰ اور عالم علوی کے ساتھ ملا سافل اور عالم سفلی کا ادب اور احترام بھی ساتھ مل جائے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علان مکی: ۳/۳۰۰۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر دم بہ دم [1] اپنی رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ ایک رحمت کے بعد دوسری رحمت اور ایک برکت کے بعد دوسری برکت۔ علیٰ ہذا۔ یہاں اللہ کی صلوٰۃ سے اللہ تعالیٰ کی عام رحمت مراد نہیں بلکہ خاص الخاص رحمت مراد ہے جو اس کی شان الوہیت اور شان ارحم الراحمینی کے مناسب ہے۔
اور فرشتوں کی صلوٰۃ اور رحمت سے ان کی خاص الخاص دعائیں مراد ہیں جن سے حضور پرنور ﷺ کے مراتب میں ترقی ہوتی رہتی ہے ملائکہ کرام کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا بلاشبہ حضرت آدم علیہ السلام کی شرف اور فضیلت کی دلیل تھی لیکن تا قیام قیامت فرشتوں کا نبی اکرم ﷺ کے لئے دعا کرتے رہنا اس سے بڑھ کر ہے اس کہ سجدہ ایک وقت امر تھا۔ اور یہ دعا دائمی اور مسلسل ہے۔ اے مسلمانو! اللہ نے تم کو یہ خبر اس لئے دی ہے کہ تم کو اس پیغمبر کا مرتبہ معلوم ہو جائے کہ یہ پیغمبر اس قدر جلیل القدر اور عظیم الشان ہے کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ وہ اللہ جل شانہ کی خاص الخاص رحمتوں اور عنایتوں کا اور ملائکہ مقربین اور ملا اعلیٰ کی توجہات اور عنایات کا مورد اور محل بنا ہوا ہے۔ لہٰذا تم کو بھی چاہئے کہ ملائکہ کی اقتدا کرو اور فرشتوں کی طرح اس نبی پر صلوٰۃ

[1] اشارۃ الی ان المضارع ای یصلون للاستمرار التجددی والمعنی علی ما قال الزمحشری علیهم راحة بعد راحة بعد رحمة (الدار المنصور ص ۱۹ والقول البدیع ص ۲۰)۔

وسلام بھیجو اور ظاہراً اور باطناً اس کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو اور اس کا خیال رکھو کہ تم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے کہ جو آپ ﷺ کی تعظیم اور احترام میں مخل ہو۔ دیکھو الدار المنصور لابن حجر المکی ص ۱۱ و شرح کتاب الاذکار لابن علان: ۳/ ۳۹۹۔

پس اے میرے خاص بندو جو اس نبی ﷺ پر ایمان لائے ہو تم پر بحق ایمان یہ لازم ہے کہ تم بھی اس نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کرو۔ جیسا کہ صلوٰۃ و سلام بھیجنا چاہیے تا کہ بحق ایمان تم پر نبی ﷺ کا جو حق ہے وہ کچھ ادا ہو۔ اور جہاں تک ممکن ہو تم اس کے ادب اور احترام کو پورا پورا ملحوظ رکھو اہل ایمان پر رسول کی تعظیم فرض ہے حتی کہ جو مومنین اور مومنات یعنی جو مرد اور عورت اس نبی کے پیرو ہیں ان کو بھی کوئی ایذاء نہ پہنچاؤ جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ﴾ اور ﴿وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ الآیۃ۔

اس لئے کہ ہم کو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہی خدا تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا ہے۔ شقاوت سے بچنے اور سعادت کے حاصل کرنے کے طریقے ہم کو معلوم ہوئے اس نعمت کا شکر ہم پر واجب ہے اس حق نعمت کی ادائیگی کے لئے بطور شکر ہم پر صلوٰۃ و سلام واجب ہے پس صلوٰۃ کا طریقہ تو یہ ہے کہ اللهم صلی علی محمد کہو کہ اے اللہ اپنے پیغمبر پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اور سلام کا طریقہ یہ ہے السلام علیك ایها النبی کہو جیسا کہ تم نماز میں پڑھتے ہو یا اللهم سلم وبارك علی محمد کہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم تیرے نبی کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں آپ ﷺ اپنی رحمت خاصہ سے اس نبی پر اپنی خاص الخاص الطاف اور عنایات مبذول فرما اور تمام اولین اور آخرین پر آپ ﷺ کی فضیلت ظاہر فرما اور اس آیت میں جو صلاۃ و سلام کا حکم دیا گیا ہے وہ فرضیت کے لئے ہے اس لئے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ درود بھیجنا تو فرض ہے جیسا کہ کلمہ توحید عمر بھر میں ایک بار کہنا فرض ہے اور جس مجلس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک ہو تو وہاں ایک بار واجب اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔

فائدہ: ...... امت کی طرف سے جو صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور پرنور ﷺ کے احسان کی مکافات نہیں بلکہ ایک فقیرانہ ہدیہ ہے جو شاہ رسالت کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علان: ۳/ ۳۱۵۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو صلوٰۃ و سلام کا حکم دیا اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ کمال محبت کے ساتھ نبی کی کمال متابعت کرے اور کوئی کام آپ ﷺ کی سنت اور شریعت کے خلاف نہ کرے اس میں اندیشہ ہے کہ اس کی یہ بے راہی نبی کی ایذاء کا سبب نہ بنے اس لئے ارشاد فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو قصداً ایذاء دیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ یعنی ان کو اپنی رحمت سے اتنا دور کر دیا کہ ان میں اور کافروں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اور ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا اللہ کو ایذاء پہنچانے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی شان میں نازیبا الفاظ زبان سے نکالنا جیسے یہود کہتے تھے ﴿یَدُ اللّٰہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ﴾ ﴿اِنَّ اللّٰہَ فَقِیۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِیَآءُ﴾ اور نصاریٰ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کے فرزند ہیں اور مشرکین کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور بتوں کو معبود اور خدا کا شریک کہتے تھے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدمی زادہ مجھ کو ایذاء دیتا ہے بایں طور پر کہ دہر (زمانہ) کو گالیاں دیتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے کہ زمانہ نے میرے ساتھ یہ ظلم کیا۔ زمانہ جاہلیت کا یہ طریقہ تھا کہ جب

کوئی گردش پیش آتی تو اس کو زمانہ کی طرف نسبت کر کے زمانہ کو برا بھلا کہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ حالانکہ ان گردشوں اور حالات کا پیدا کرنے والا تو میں ہی ہوں (یا یہ معنی ہیں) کہ جس نے اللہ کے پیغمبر کو ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی۔ جیسے قرآن میں دوسری جگہ ہے۔ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ حاصل کلام یہ کہ رسول خدا کو ایذاء دینے والا دنیا اور آخرت میں ملعون ہے اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے برا کام کیا ہو ایذاء پہنچاتے ہیں تو ان موذیوں نے بہتان کا اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھایا حالانکہ مومنین اور مومنات معصوم نہیں ہوتے ان سے گناہ کا سرزد ہو جانا ممکن ہے پس عام مومنین اور مومنات کو ایذاء پہنچانا صریح گناہ ہوا تو رسول معصوم کو ایذاء پہنچانا تو بلاشبہ دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذاب مہین کا سبب ہوگا اور نبی کے بعد درجہ صحابہ کا ہے ان کو نشانہ طعن بنانا نبی کو نشانہ طعن بنانا ہے اس وعید میں فرقہ روافض داخل ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نقص اور عیب نکالتا ہے مگر قرآن نے اعلان کر دیا۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اب صحابہ رضی اللہ عنہم کی بلا سے کہ کوئی رافضی ان سے راضی ہو یا ناراض ہو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکا لیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں ف۱

اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمان عورتوں کو، نیچی لٹکا لیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔

جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ

اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی ان کو نہ ستائے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ف۲ البتہ اگر باز

اس میں لگتا ہے کہ پہچانی پڑیں، تو کوئی نہ ستائے۔ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ کبھی باز

يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ

نہ آئیں منافق اور جن کے دل میں روگ ہے ف۳ اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں ف۴ تو ہم لگا دیں گے تجھ کو

نہ آئے منافق، اور جن کے دل میں روگ ہے، اور جھوٹ اڑانے والے مدینے میں، تو ہم لگا دیں گے تجھ کو

ف۱ یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیویں۔ روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لیے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے۔ لونڈی باندیوں کو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اس کا مکلف نہیں کیا۔ کیونکہ کاروبار میں حرج عظیم واقع ہوتا ہے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی پہچانی پڑیں کہ لونڈی نہیں بی بی ہے صاحب ناموس، بدذات نہیں نیک بخت ہے، تو بدنیت لوگ اس سے نہ الجھیں۔ گھونگھٹ اس کا نشان رکھ دیا۔ یہ حکم بہتری کا ہے۔ آگے فرما دیا اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔" یعنی باوجود اہتمام کے کچھ تقصیر رہ جائے تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے۔ (تکمیل)۔ یہ تو آزاد عورتوں کے متعلق انتظام تھا کہ انھیں پہچان کر ہر ایک کا حوصلہ چھیڑنے کا نہ ہو، اور جھوٹے عذر کرنے کا موقع نہ رہے۔ آگے عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دی ہے خواہ بی بی سے ہو یا لونڈی سے۔

ف۳ یعنی جن کو بدنظری اور شہوت پرستی کا روگ لگا ہوا ہے۔

ف۴ یہ غالباً یہود تھے جو اکثر جھوٹی خبریں اڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مراد ہوں۔

بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَآ إِلَّا قَلِيلًا ۝٦٠ مَّلْعُونِينَ ۚ أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا

ان کے پیچھے پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے

ان کے پیچھے، پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں۔ پھٹکارے ہوئے۔ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے

تَقْتِيلًا ۝٦١ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝٦٢

جان سے ف۱ دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے ہیں اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلی ف۲

جان سے۔ دستور پڑا ہوا اللہ کا، ان لوگوں میں جو آگے ہو چکے ہیں۔ اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی۔

ذکر بعض انواع ایذاء منافقین ومرجفین
بتعرض نسواں وتخویف اہل ایمان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ ... الی ... وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مطلق اور عام ایذاء رسول اور ایذاء مومنین پر وعید کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں منافقین اور مرجفین کی خاص خاص ایذاؤں کا ذکر کر کے ان کی بابت ہدایات دیتے ہیں تاکہ ان ایذاؤں کا سد باب ہو جائے اور یہ ایذاء دو طرح سے تھی ایک تو یہ کہ سر راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے۔ پردہ کے حکم سے تو اس ایذاء رسانی کا علاج ہوا۔ اور دوسری ایذاء رسانی اس طرح سے تھی کہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے کہ جس سے مسلمان پریشان ہو جائیں اور گھبرا جائیں جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں۔ ان ایذاؤں کے سد باب کے لئے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ اپنی عورتوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ جب ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے اوپر کچھ اپنی فراخ چادریں لٹکا لیں تاکہ ان کا سر اور چہرہ اور بدن کسی کو نظر نہ آئے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت کے لے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں اور چہروں کو بڑی چادروں سے ڈھانک لیں۔ البتہ ایک آنکھ کسی طرح کھول لیں جس سے ان کو راستہ نظر آ سکے اس طرح سے سر اور چہرہ اور بدن کا چھپانا بہت قریب ہے اس بات کے کہ پہچان لی جاویں کہ یہ پردہ والی اور پاکباز عورتیں ہیں اور اس پردہ سے لوگوں کو ان کی عفت اور پاک دامنی عیاں ہو جائے اور کوئی ان سے تعرض نہ

ف۱ یعنی اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر مسلط کر دیں گے تا چند روز میں ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں، اور جتنے دن رہیں ذلیل و مرعوب ہو کر رہیں چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقوں نے دھمکی سن کر شاید اپنا رویہ بدل دیا ہوگا اس لیے سزا سے بچے رہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" جو لوگ بدنیت تھے مدینہ میں عورتوں کو چھیڑتے، لوٹتے، اور جھوٹی خبریں اڑاتے، مخالفوں کے زور اور مسلمانوں کے ضعف وشکست کی وجہ سے تھا" ان کو یہ فرمایا۔

ف۲ یعنی عادت اللہ یہ ہی رہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے اسی طرح ذلیل وخوار، یا ہلاک کیے گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی کتابوں میں یہ بھی حکم ہوا ہے کہ مفسدوں کو اپنے درمیان سے نکال باہر کرو۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ "تورات" سے نقل فرماتے ہیں۔

کرے۔ لوگوں کا طریقہ ہے کہ لباس دیکھ کر معاملہ کرتے ہیں جیسا لباس دیکھتے ہیں ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں۔ پس اس حالت اور ہیئت میں دیکھ کر ان کو ایذاء نہ دی جائے اور بدکاران سے تعرض نہ کریں ان کے پردہ کی اس وضع اور ہیئت کو دیکھ کر کسی کی ہمت نہ ہو کہ وہ ان کو چھیڑ سکے۔ شریر لوگ راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے ہیں اللہ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ عورتیں گھر سے نکلتے وقت اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں اور اپنا منہ اور بدن اس سے چھپالیں کہ لوگ اس وضع اور ہیئت کو دیکھ کر دیکھ کر پہچان لیں کہ یہ شریف زادیاں اور غیرت اور حیا والی عورتیں ہیں اور یہ بھی جان لیں کہ یہ باندیاں نہیں تو کوئی شخص ان سے لونڈیوں اور باندیوں کی طرح بات نہ کر سکے اور نہ ان سے کسی خدمتی کام کے لئے کچھ کہہ سکے پردہ تو باندیوں پر بھی ہے مگر وہ ذرا خفیف ہے۔ آزاد عورتوں کی طرح ان پر سختی نہیں اس لئے کہ اس سے خدمت اور کاروبار میں تنگی لاحق ہوتی ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ گھر سے نکلتے وقت عورت کو اپنا سر اور چہرہ اور بدن چھپانا فرض ہے کہ کسی کو اس کا چہرہ نظر نہ آئے اور یہی پردہ مروجہ ہے جو شروع اسلام سے اب تک مسلمانوں میں رائج ہے جس کو اس زمانہ کے شہوت پرست ختم کرنا چاہتے ہیں اللہ ان کو ہدایت دے اور مسلمانوں کو ان کے فتنہ سے بچائے۔ آمین۔

اور اگر سر اور چہرہ چھپانے میں بلا قصد اور بلا ارادہ کوئی کوتاہی یا بے احتیاطی ہو جائے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ایسے گناہ اور کوتاہی کو بخش دیتا ہے جو بربنائے غفلت صادر ہو جائے اور قصد اور ارادہ کو اس میں دخل نہ ہو۔ مدینہ کے منافق اور فساق اور اوباش راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے تھے خصوصا رات کے وقت جب عورتیں قضائے حاجت کے لئے نکلتیں پھر جب عورت کو چادر اوڑھے ہوئے دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ آزاد عورت ہے اور اسے نہ چھیڑتے اور اگر دیکھتے کہ اس پر چادر نہیں تو کہتے کہ یہ باندی ہے اور اسے چھیڑنے کی فکر کرتے۔ منافقین کا ایک فتنہ تو یہ تھا اور ایک فتنہ یہ تھا کہ منافقین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی خبریں اڑایا کرتے تھے اس آیت میں پہلے فتنہ کا یعنی آزاد عورتوں کی حفاظت کا انتظام فرمادیا۔ اب آئندہ آیت میں عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دیتے ہیں تاکہ وہ اس تہدید اور دھمکی کو سن کر بی بی ہو یا لونڈی ہو سب کی چھیڑ چھاڑ سے باز آجائیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں البتہ اگر یہ منافقین اور ان میں کے وہ لوگ جو شہوت پرست ہیں اور جن کے دلوں میں عورتوں کے دیکھنے کا روگ لگا ہوا ہے یہ لوگ اگر اپنی شرارتوں سے اور اپنی بدنظری سے اور عورتوں کے چھیڑنے سے باز نہ آئے اور علی ہذا وہ لوگ بھی جو مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے ہیں یہ لوگ جھوٹی خبریں اڑانے سے باز نہ آئے تو البتہ ہم آپ ﷺ کو ان سب پر مسلط کر دیں گے آپ ﷺ ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ پھر وہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں رہنے نہیں پائیں گے مگر بہت تھوڑی مدت جلدی ہی شہر بدر کر دیئے جائیں گے۔ لعنت کے مارے پھٹکارے ہوئے ہوں گے مگر کہیں بچ نہیں سکیں گے اور ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے یعنی کہیں بھی بھاگ کر جائیں گے وہیں گرفتار ہوں گے اور قید کیے جائیں گے اور خوب قتل کئے جائیں گے کہیں ان کو پناہ نہیں ملے گی۔

اللہ کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے گزشتہ لوگوں کے بارہ میں جنہوں نے نفاق پر کمر باندھی اور شرارتیں کیں اول اللہ نے ان کو مہلت دی بالآخر جب ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا تو ان کو گرفتار کر کے خوب قتل کیا اور آپ ﷺ اللہ کے اس طریقہ اور دستور میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے مدینہ کے منافقین اگر عورتوں کو چھیڑنے سے اور جھوٹی خبریں اڑانے

سے باز نہ آئے تو ان کا بھی یہی انجام ہوگا۔

چنانچہ جس وقت سورۃ توبہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے منافقین کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد نام بنام فرمایا اے فلانے تو کھڑا ہو اور نکل جا۔ تو منافق ہے پھر ان منافقوں کے قرابت دار جو مومنین صالحین تھے اٹھے اور ان کو ان منافقین کو ذلت وخواری کے ساتھ مسجد سے نکال دیا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۴۷)

ف:...... اس آیت میں جو لفظ ﴿بَنٰتِكَ﴾ آیا ہے وہ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متعدد صاحبزادیاں تھیں مگر روافض خوافض، حضرت رقیہ ؓ اور حضرت ام کلثوم ؓ کو اولاد رسول ﷺ سے خارج سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کا نکاح حضرت عثمان ؓ سے ہوا تھا۔ ان کا یہ خیال سراپا اختلال صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو تو کہہ اس کی خبر ہے اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی

لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کو۔ تو کہہ، اس کی خبر ہے اللہ ہی پاس۔ اور تو کیا جانے، شاید وہ گھڑی

تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا

پاس ہی ہو ف۱ بیشک اللہ نے پھٹکار دیا ہے منکروں کو اور رکھی ہے ان کے واسطے دہکتی ہوئی آگ ف۲ رہا کریں اسی میں ہمیشہ نہ

پاس ہی ہو۔ بیشک اللہ نے پھٹکارا ہے منکروں کو، اور رکھی ہے ان کے واسطے دہکتی آگ۔ رہا کریں اس میں ہمیشہ۔ نہ

يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا

پائیں کوئی حمایتی اور نہ مددگار جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے ان کے منہ آگ میں ف۳ کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے کہا مانا ہوتا

پائیں کوئی حمایتی نہ مددگار۔ جس دن اوندھے ڈالے ان کے منہ آگ میں، کہیں گے، کسی طرح ہم نے کہا مانا ہوتا

اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا

اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا ف۴ اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انہوں نے چکا دیا ہم کو

اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا۔ اور کہیں گے، اے رب! ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا، اپنے بڑوں کا، پھر انہوں نے چوکا دی ہم سے

ف۱ گویا قیامت کے وقت کی ٹھیک تعیین کر کے اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ مگر یہاں اس کے قرب کی طرف اشارہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی اٹھا کر فرمایا "انا والساعة کھاتین" (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) یعنی بیچ کی انگلی جس قدر آگے نکلی ہوئی ہے میں قیامت سے بس اتنا پہلے آ گیا ہوں قیامت، بہت قریب لگی چلی آ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "شاید یہ بھی منافقوں نے ہٹ کنڈا پکڑا ہوگا کہ جس چیز کا (دنیا میں کسی کے پاس) جواب نہیں وہ ہی بار بار سوال کریں۔ اس پر یہاں ذکر کر دیا" اور ممکن ہے پہلے جو فرمایا تھا۔ ﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ اس پر بطور تکذیب واستہزاء کے کہتے ہوں گے کہ وہ قیامت اور آخرت کب آئے گی جس کی دھمکیاں دی جاتی ہیں؟ آخر اس کا کچھ وقت تو بتاؤ۔

ف۲ اسی پھٹکار کا اثر ہے کہ لاطائل سوالات کرتے ہیں، انجام کی فکر نہیں کرتے۔

ف۳ یعنی اوندھے منہ ڈال کر ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا۔

ف۴ اس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ و رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

السَّبِيلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾

راہ سے اے رب ان کو دے دونا عذاب اور پھٹکار ان کو بڑی پھٹکار ف۱

راہ۔ اے رب! ان کو دے دونی مار اور پھٹکار ان کو بڑی پھٹکار۔

تہدید و وعید منافقین ومنکرین قیامت

مقرون بہ لعنت عذاب آخرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ... الی ... وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں منکرین نبوت کی تہدید تھی آپ ﷺ جب کبھی منکرین حق کو آئندہ آنے والے عذاب اور قیامت سے ڈراتے تو وہ بطور تمسخر یہ سوال کرتے کہ قیامت کب ہوگی اور اس قسم کے معاندانہ سوال سے محض آپ ﷺ کو تنگ کرنا اور ایذاء دینا مقصود ہوتا تھا تو اس کا جواب دیا گیا کہ قیامت کا اصل وقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن سمجھ لو کہ شاید وہ قریب ہی نہ ہو اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور دو انگلیاں ملا کر دکھلایا کہ جس طرح یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں اسی طرح قیامت کبری اور میری بعثت ملی ہوئی ہے۔ جب ان لوگوں پر کوئی ناگہانی عذاب آئے گا تو اس وقت پچھتائیں گے مگر اس وقت پچھتانا کچھ فائدہ مند ہوگا۔

یا یوں کہو: ...... کہ گزشتہ آیت میں منافقین اور مرجفین کی دنیاوی ذلت اور لعنت کو بیان کیا اور اس آیت میں ان کی اخروی ذلت کو بیان کرتے ہیں (شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی: ۷۶/۴) چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ جو منافقین اور معاندین کے بارے میں اللہ کی سنت سے غافل ہیں وہ آپ ﷺ سے معاندانہ طور پر سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت کے وقت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اللہ نے کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی اور آپ ﷺ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو جب سارے نبی گزر چکے اور نبی آخر الزمان ﷺ بھی آچکے تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہی ہے اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب آئے گی اس کا سامان کرو اور اس کی تیاری کرو تم سارے جہان کی قیامت کو کیا پوچھتے ہو تمہاری قیامت یعنی تمہاری موت کہیں سر پر نہ کھڑی ہو بیشک اللہ نے دور پھینک دیا ہے کافروں کو اپنی رحمت سے جو نبی کریم ﷺ کی نبوت اور قیامت کے منکر ہیں اور دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ان کے لئے تیار کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ مددگار جو ان سے عذاب کو ہٹا سکے جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے یعنی سوختہ کباب کی طرح بنا دیئے جائیں گے کباب کے گوشت کی طرح بار بار ان کو آگ پر رکھا جائے گا اور وہ اس وقت یہ تمنا کریں کہ کاش ہم دنیا میں اللہ اور رسول کی تابعداری کرتے پھر جن کافروں نے ان کو گمراہ کیا تھا

ف۱ یہ شدت غیظ سے کہیں گے کہ ہمارے ان دنیاوی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے دھوکے دے کر اور جھوٹ فریب کہہ کر اس مصیبت میں پھنسوایا۔ ان ہی کے اغواء پر ہم راہ حق سے بھٹکے رہے۔ اگر ہمیں سزا دی جاتی ہے تو ان کو دوگنی سزا دیجئے۔ اور جو پھٹکار ہم پر ہے اس سے بڑی پھٹکار ان بڑوں پر پڑنی چاہیے۔ گویا ان کو دوگنی سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورۃ "اعراف" کے چوتھے رکوع میں گزر چکی ہے۔ وہیں ان کی اس فریاد کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

ان کی شکایت کریں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی پس ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا اے ہمارے پروردگار ان کو ہم سے دوچند عذاب دے اور ان پر بہت ہی بڑی لعنت کیجئے خود بھی گمراہ رہے اور ہم کو بھی گمراہ کیا ان پر دوچند عذاب نازل کیجئے اور سخت لعنت کیجئے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ادب سکھاتا ہے کہ تم کافروں کی طرح یا قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے نبی کو کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچاؤ۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ

اے ایمان والو تم مت ہو ان جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو پھر بے عیب دکھلا دیا اس کو اللہ نے ان کے کہنے سے اور تھا

اے ایمان والو ! تم مت ہو ویسے، جنہوں نے ستایا موسیٰ کو، پھر بے عیب دکھایا ان کو اللہ نے ان کے کہنے سے۔ اور تھا

اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ

اللہ کے یہاں آبرو والا ف۱ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو بات سیدھی کہ سنوار دے تمہارے واسطے تمہارے کام اور بخش دے تم کو

اللہ کے ہاں آبرو رکھتا۔ اے ایمان والو ! ڈرتے رہو اللہ سے، اور کہو بات سیدھی۔ کہ سنوار دے تم کو

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾

تمہارے گناہ اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد ف۲

تمہارے کام، اور بخشے تم کو تمہارے گناہ۔ اور جو کوئی کہے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد۔

ف۱ یعنی تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اللہ کے ہاں ان کی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو رد کر دے گا ہاں تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت لوگوں نے کیسی اذیت دہ باتیں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی وجاہت و مقبولیت کی وجہ سے سب کا ابطال فرما دیا اور موسیٰ علیہ السلام کا بے خطا اور بے داغ ہونا ثابت کر دیا۔ روایات میں ہے کہ بعض مفسد، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تہمت لگانے لگے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو جنگل میں لے جا کر قتل کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خارق عادت طریقہ سے اس کی تردید کر دی۔ اور صحیحین میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیا کی وجہ سے (ابنائے زمانہ کے دستور کے خلاف) چھپ کر غسل کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے، برص کا داغ یا خصیہ پھولا ہوا۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے نہانے لگے، کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا لے کر اس کے پیچھے دوڑے، جہاں سب لوگ دیکھتے تھے پتھر کھڑا ہو گیا۔ سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ بے عیب ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے "پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید۔ بے عیباں را لباس عریانی داد۔" بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون نے ایک عورت کو کچھ دے دلا کر مجمع میں کہلا دیا کہ موسیٰ علیہ السلام (العیاذ باللہ) اس کے ساتھ مبتلا ہیں۔ حق تعالیٰ نے آخر کار قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور اسی عورت کی زبان سے اس تہمت کی تردید کرائی جیسا کہ سورۃ "قصص" میں گزرا۔

(تنبیہ) موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کے تعاقب میں برہنہ چلے جانا مجبوری کی وجہ سے تھا اور شاید یہ خیال بھی نہ ہو کہ پتھر مجمع میں لے جا کر کھڑا کر دے گا رہی پتھر کی حرکت وہ بطور خرق عادت تھی۔ خوارق عادات پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں الجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بہرحال اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء علیہم السلام کو جسمانی و روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے تنفر اور استخفاف کے جذبات پیدا ہو کر قبول حق میں رکاوٹ نہ ہو۔

ف۲ یعنی اللہ سے ڈر کر درست اور سیدھی بات کہنے والے کو بہترین اور مقبول اعمال کی توفیق ملتی ہے اور تقصیرات معاف کی جاتی ہیں حقیقت میں اللہ و رسول کی اطاعت ہی میں حقیقی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے۔ جس نے یہ راستہ اختیار کیا مراد کو پہنچ گیا۔

خاتمہ سورت بر ترہیب از ایذاء رسول وترغیب اطاعت رسول ﷺ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا ... الی ... فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک منافقین کی انواع واقسام کی ایذاؤں کا ذکر تھا اور گزشتہ آیات میں ایذاء رسول کو موجب لعنت قرار دیا اب سورت کو اسی مضمون پر ختم کرتے ہیں اور اس سورت کے متفرق مضامین کا خلاصہ ہے کہ رسول خدا کو ایذاء پہنچانا موجب ہلاکت ولعنت ہے اور تقویٰ اور رسول کی اطاعت موجب صلاح اور فلاح اور باعث رحمت اور کیمیاء سعادت ہے۔ ابتداء سورت میں نبی کریم ﷺ کو تقویٰ کا حکم تھا اب آخر سورت میں اہل ایمان کو تقویٰ کا حکم دیا جس درجہ کا تقویٰ ہوگا اسی درجہ کا ایمان ہوگا اور ایمان اور تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو اور اس کی ازواج مطہرات ؓ اور بنات طاہرات کو کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچائے نبی ﷺ کو اپنا روحانی باپ جانے اور ازواج مطہرات ؓ کو اپنی روحانی مائیں سمجھے۔ نبی پر طعن کرنا اور اس کو ایذا پہنچانا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی تھی پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تو اس بات سے بری کر دیا اور ایذاء پہنچانے والے ہمیشہ کے لئے ملعون اور مغضوب ہوئے۔ اور وہ یعنی موسیٰ علیہ السلام اللہ کے یہاں بڑے آبرو والے تھے اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ تو اللہ کے یہاں سب سے بڑھ کر ہے آپ ﷺ کو اذیت پہنچانے سے آپ ﷺ کی وجاہت اور عزت میں کوئی فرق نہیں آئے گا بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں ایک مرتبہ عورت کو رشوت دے کر الزام لگایا جیسا کہ قارون کے قصہ میں گزرا اور اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور ہمیشہ درست بات کہو زبان سے کوئی لفظ ایسا نہ نکالو کہ جو نبی کی ایذاء کا سبب بنے اور کوئی بات خلاف شرع تمہاری زبان سے نہ نکلے ایسی بات خدا اور اس کے رسول کی ایذاء کا سبب ہے اللہ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی کو پہنچا خوب سمجھ لو کہ کامیابی کو دارومدار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے۔

نکتہ:...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے دو طریقے ذکر فرمائے ایک تقویٰ اور ایک قول سدید۔ تقویٰ کے معنی خوف خداوندی کے ہیں جس کا تعلق قلب سے ہے اور قول سدید یعنی ٹھیک بات کہنا اس کا تعلق زبان سے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان باتوں کو اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دیں گے جب قلب درست ہو جائے اور زبان درست ہو جائے تو لامحالہ باقی اعمال درست ہو جائیں گے۔ اعمال کا دارومدار ترانہی دو چیزوں پر ہے ایک دل اور ایک زبان جب یہ دونوں درست ہو جائیں گے تو باقی بھی درست ہو جائیں گے۔ تمام اعضاء میں سب سے زیادہ تیز اور رواں زبان ہے ہر عضو تھک جاتا ہے مگر زبان بولنے سے نہیں تھکتی حدیث میں ہے۔ اذا اصبح ابن ادم فالاعضا کلھا تکفر اللسان فتقول اتق اللہ فینا فنحن بك فان استقمت استقمنا وان اعن جحت اعوججنا۔ جب ابن آدم صبح کرتا

ہے تو تمام اعضاء زبان کو قسم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے زبان ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیری ساتھ ہیں پس اگر تو درست ہوگی تو ہم سب درست رہیں گے اور اگر تو کج ہوگی تو ہم سب کج رہیں گے (ماخوذ از تسہیل الاصلاح، وعظ پنجم از دعوات عبدیت حصہ دوم)

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ

ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر

ہم نے دکھائی امانت آسمان کو، اور زمین کو اور پہاڑوں کو، پھر سب نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر

مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِينَ

گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان ف۱ تاکہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو

گئے، اور اٹھا لیا اس کو انسان نے۔ یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔ تا عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو،

ف۱ یعنی ستم کر دیئے، جو بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں سے نہ اٹھ سکتا تھا اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھا لیا۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے؟ پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روک کر۔ آسمان و زمین وغیرہ میں اپنی خواہش کچھ نہیں، یا ہے تو وہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اس کے۔ اس پرائی چیز (یعنی حکم) کو برخلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے۔ اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ اب بھی یہی حکم ہے کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کر دے تو بدلہ (ضمان) دینا پڑے گا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ نہیں۔" (موضح)۔ اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا جو اس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی و کسب اور قوت بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے۔ تاکہ اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون و صفات کا ظہور ہو مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں ان پر انعام و اکرام کیا جائے۔ جو غفلت یا شرارت سے ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے اور جو لوگ اس بارے میں قدرے کوتاہی کریں ان سے عفو و درگزر کا معاملہ ہو۔ میرے خیال میں یہ امانت ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا۔ جس کو "مابہ التکلیف" بھی کہہ سکتے ہیں۔ "لا ایمان لمن لا امانۃ لہ" اسی کی نگہداشت اور تردد کرنے سے ایمان کا درخت اگتا ہے گویا بنی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں، بیج بھی اسی نے ڈال دیا ہے بارش برسانے کے لیے رحمت کے بادل بھی اس نے بھیجے جن کے سینوں سے وحی الٰہی کی بارش ہوئی۔ آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الٰہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی و جہد اور تردد و تفقد سے اس کی پرورش کرے مبادا غلطی یا غفلت سے بجائے درخت اگنے کے بیج بھی سوخت ہو جائے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں "ان الامانۃ نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من القرٰن" (الحدیث) یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تہ نشین کیا گیا۔ پھر علوم قرآن و سنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اس کے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے۔ اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اسی قدر درخت کے ابھرنے اور پھولنے پھلنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد ہو جائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کس میں استعداد تھی جو اس امانت عظیمہ کو اٹھانے کا حوصلہ کرتا۔ ہر ایک نے بلسان حال یا بزبان قال ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کر دیا کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ خود سوچ لو کہ بجز انسان کے کون سی مخلوق ہے جو اپنے کسب و محنت سے اس تخم ایمان کی حفاظت و پرورش کر کے ایمان کا شجر بار آور حاصل کر سکے۔ فی الحقیقت عظیم الشان امانت کا حق ادا کر سکنا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کر دی تھی خون پسینہ ایک کر کے باغ و بہار بنا لینا اسی ظلوم و جہول انسان حصہ ہو سکتا ہے۔ جس کے پاس زمین قابل موجود ہے اور محنت و تردد کر کے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے۔ "ظلوم" و "جہول"۔ "ظالم" و "جاہل" کا مبالغہ ہے۔ ظالم و جاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل اور علم سے خالی ہو مگر استعداد و صلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدء فطرت سے علم و عدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی یہ اوصاف سے جدا نہیں ہوئے مثلاً ملائکۃ اللہ یا جو مخلوق ان =

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط

اور عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو

اور عورتوں کو، اور شریک والے مردوں کو اور عورتوں کو، اور معاف کرے اللہ ایماندار مردوں کو اور عورتوں کو۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع ۹

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ف ۱

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

ترغیب برحفاظت امانت وترہیب از خیانت واضاعت

قال تعالیٰ: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں طاعت خداوندی اور رسول اور ایمان اور تقویٰ اور قول سدید کی تاکید تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ طاعت خدا اور رسول اللہ کی ایک امانت ہے جس کو ایمان لا کر تم نے قبول کیا ہے یا وہ عہد الست ہے جس کو تم نے بلی کہہ کر قبول کیا ہے وہ تمہارے پاس خدا کی امانت ہے اور ظاہر ہے کہ تمام خوبیوں کی جڑ صفت امانت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ لا ایمان لمن لا امانة له اس لئے آئندہ آیت میں امانت کا مرتب اور اس کی عظمت اور فخامت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں کہ امانت الٰہیہ اس قدر عظیم اور ثقیل ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکے انسان نے چونکہ اس امانت الٰہیہ کو قبول کیا ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ خدا کی اس امانت اور عہد الست کی پوری پوری حفاظت کرے مبادا اس ظلوم وجہول کی غفلت سے یہ امانت کہیں ضائع نہ ہو جائے اور مبادا شیطان تم کو دھوکہ دے کر خیانت پر آمادہ نہ کرے۔

کردۂ بار امانت را قبول ازکشیدن پس نباید شد ملول

امانت کا صاحب امانت کو ادا کرنا اور صحیح سالم اس تک پہنچا دینا فرض اور واجب ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اللہ کی امانت (عہد اطاعت) کی حفاظت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اور اس کا حق ادا کرو تا کہ مورد عنایت خداوندی بنو اور اس کو ضائع کر کے مستحق عذاب نہ بنو خوب سمجھ لو کہ خدا اور رسول کو ایذاء پہنچانے والے اور یہ تمام منافقین اور منافقات اور مرجفین اور مرجفات نسب بدعہد اور بے ایمان اور خائن ہیں ان سب نے اللہ کی امانت میں

= چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی (مثلاً زمین آسمان پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ بیشک انسان کے سوا "جن" ایک نوع ہے جس میں فی الجملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اور اسی لیے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ میں دونوں کو جمع کیا گیا۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ادائے حق امانت کی استعداد ان میں اتنی ضعیف تھی کہ تحمل امانت کے مقام میں چنداں قابل ذکر اور درخور اعتناء نہیں سمجھے گئے۔ گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع قرار دیئے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ف ۱ میرے نزدیک اس جگہ " ویتوب اللہ علی المومنین " الخ کے معنی معاف کرنے کے نہ لیے جائیں بلکہ ان کے حال پر متوجہ ہونے اور مہربانی فرمانے کے لیں تو بہتر ہے جیسے ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ﴾ میں لیے گئے ہیں۔ یہ تو مومنین کاملین کا بیان ہوا۔ اور " وکان اللہ غفورا رحیما " میں قاصرین ومقصرین کے حال کی طرف اشارہ فرما دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ نسال اللہ تعالیٰ ان یتوب علینا ویغفر لنا ویھبنا بالفوز العلیم۔ انہ جل جلالہ وعم نوالہ غفور رحیم۔ تم سورۃ الاحزاب وللہ الحمد والمنة۔

خیانت کی اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائے گا اور ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ کا یہی مطلب ہے اور اس امانت کا خلاصہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی اقرار الوہیت اور اقرار رسالت جس کا حاصل ومحصول اطاعت وفرمانبرداری ہے جو بمنزلہ امانت کے ہے اس کی حفاظت واجب ہے اور اس میں خیانت ناجائز اور حرام ہے

خلاصہ کلام یہ کہ حق جل شانہ نے اس سورت میں بار بار مومنین مخلصین کو ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کی ندا اور خطاب سے عزت بخشی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایمان کا مقتضی یہ ہے اور حدیث میں ہے لا ایمان لمن لا امانۃ لہ جس میں امانت کی صفت نہیں اس میں ایمان بھی نہیں اس لئے اب اس سورت کو امانت کی عظمت کے بیان پر ختم کرتے ہیں تا کہ اہل ایمان بحق ایمان اس امانت کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں اس لئے کہ امانت تمام خوبیوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق ہم نے اپنی بارگاہ عظمت وجلال سے آسمانوں کے اور زمین کے اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی یعنی احکام شریعت کی اطاعت [1] اور بجا آوری کو بمنزلہ امانت کے ہے آسمان اور زمین پر اس طور پیش کیا کہ اگر تم نے ہمارے احکام اور اوامر اور نواہی کی تعمیل کی تو مستحق اجر اور ثواب کے ہوگے اور اگر نافرمانی اور حکم عدولی کی تو مستحق عذاب اور سزا کے ہوگے اور ہم نے جنت اور جہنم کو اسی ثواب اور عتاب کے لئے پیدا کیا ہے پس اگر تم ہماری اطاعت کرو گے تو جزا پاؤ گے اور اگر نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے غرض یہ کہ امانت خداوندی مراد ہے پس ہم نے اس امانت کو آسمان وزمین کے سامنے کردیا اور ان کو دکھا دیا اور ان میں شعور اور ادراک بھی پیدا کردیا۔ اور ماننے اور نہ ماننے کا اختیار بھی ان کو دے دیا اور کہہ دیا کہ یہ امانت تمہارے سامنے ہے اگر تم ہمارے احکام کی پابندی اس طرح اپنے ذمہ لیتے ہو تو لے لو اگر ان کے موافق عمل کیا تو اجر اور ثواب کے مستحق ہوگے اور اگر خلاف ورزی کی تو عذاب اور سزا کے مستحق ہوگے اور تم کو اس ذمہ داری قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے غرض یہ کہ امانت سے تکلیف احکام خداوندی ہے یعنی احکام خداوندی کی تعمیل کو اس طرح اپنے ذمہ لے لینا کہ اطاعت کی صورت میں مستحق ثواب ہوں اور معصیت کی صورت میں مستحق عذاب ہوں۔ پس ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور بولے کہ ہم میں اتنی طاقت اور قوت نہیں کہ تیری امانت کے بوجھ کو اٹھا سکیں اور اس ذمہ داری سے ڈر گئے کہ خدا جانے بعد میں کیا انجام ہو خدانخواستہ اگر یہ امانت ہمارے ہاتھ سے ضائع ہوگئی یا کما حقہ ہم اس امانت کی حفاظت نہ کرسکے یا غلطی سے اس میں خیانت کر بیٹھے تو نہ معلوم ہم پر کیا مصیبت نازل ہو اور بولے کہ اے خدا جس کام کے لئے آپ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور جس کام پر آپ نے ہم کو لگا دیا ہے ہم اس پر راضی ہیں تیرے روبرو مسخر اور ذلیل اور پست ہیں اور ہر طرح سے تیرے مطیع اور فرمانبرداری ہیں ہماری طبعی اور ذاتی کوئی خواہش نہیں ہم تیرا حکم ماننے والے ہیں جس شے پر آپ نے ہم کو مامور کردیا ہے ہم اس میں تیری نافرمانی نہ کریں گے ہم تیرے حکم کے مسخر ہیں ہم نہ ثواب کے طلب گار ہیں اور نہ ہم میں آپ کے عذاب کے اٹھانے کی طاقت ہے ہم تیری تسخیر پر راضی ہیں مگر تیرے اوامر اور نواہی کی تکلیف (یعنی ان کی ذمہ داری) قبول کرنے کی ہم میں طاقت اور ہمت نہیں امانت کے بوجھ سے اس قدر ڈرے

[1] کما روی ابن عباس وجماعۃ من الصحابۃ واکثر السلف۔

کہ عذاب کے خوف سے ثواب سے بھی دست بردار ہو گئے کہ خدا جانے بعد میں کیا انجام ہو اور نہ معلوم ہم سے اس امانت کی حفاظت ہو سکے یا نہ ہو سکے اور ہم اس کے حقوق ادا کر سکیں یا نہ کر سکیں اے پروردگار ہم نہ ثواب چاہتے ہیں اور نہ ہم میں آپ کے عذاب کی اور نہ آپ کے عتاب کی طاقت ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا یہ اباء اور انکار ابلیس کی طرح اباء استکبار نہ تھا۔

بلکہ اباء استصغار اور انکار استحقار تھا کہ اپنے آپ کو اس بار امانت کے اٹھانے سے صغیر اور حقیر سمجھا جیسا کہ ﴿وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور اپنی اس کمزوری کے اظہار سے مقصود نیاز مندانہ اعتذار تھا (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۶۳۰) غرض یہ کہ ان سب نے بار امانت کے اٹھانے سے عذر کیا اور آسمان و زمین کے بعد جب یہ امانت انسان پر پیش کی گئی تو انسان ناتواں ضعیف البنیان نے ہمت کر کے اس امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا اور خدا تعالیٰ کی اس پیش کردہ ذمہ داری کو قبول کر لیا اور انسان اپنے طبعی ذاتی مادہ انس کی وجہ سے شرمایا کہ اپنے پروردگار کی امانت کو کیسے واپس کروں اس لئے بصد شوق و رغبت مادہ انس و محبت کی وجہ سے اپنے پروردگار کی پیش کردہ امانت کو سر اور آنکھوں پر رکھ لیا بلکہ ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کا نعرہ لگانے لگا بیشک انسان بڑا ہی ظالم تھا کہ جس نے اپنی جان پر ترس نہ کھایا اور اس کو اپنے اوپر رحم نہ آیا۔ اور جس بوجھ کے اٹھانے سے آسمان اور زمین جیسے اجسام عظیمہ نے پہلو تہی کی اس ضعیف اور ناتواں نے باوجود اپنے ضعف اور ناتوانی کے بصد شوق و رغبت اس بوجھ کو اپنے سر پر اٹھا لیا اور اپنے ضعف اور ناتوانی پر نظر نہ کی اور بڑا ہی نادان تھا کہ اس امانت میں خیانت کے انجام پر نظر نہ کی اور نہ یہ خیال کیا کہ اندرونی یا بیرونی دشمن (نفس اور شیطان) ہماری تاک میں تو نہیں۔ صحیح سالم منزل طے کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ راستہ میں کوئی راہزن چھپا نہ بیٹھا ہو انسان بڑا ہی ظلوم و جہول یعنی بڑا ہی ستمگار اور بالکل ہی ناتجربہ کار تھا۔ نہ تو اپنی کمزوری پر نظر کی اور نہ کسی اندرونی اور بیرونی دشمن کا خطرہ محسوس کیا بہر حال انسان نے اللہ کی اس امانت کو قبول کر لیا۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب انسان نے اللہ کی اس امانت کو قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انسان تیری اعانت کرنے والا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۲۳) غرض یہ کہ انسان نے بار امانت تو اٹھا لیا مگر مشکل میں پڑ گیا جیسا کہ حافظ شیرازی کا قول ہے

ع کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اور یہ اٹھانا انسان کی فطرت اور صلاحیت کے بھی مناسب تھا امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین نے اور پہاڑوں نے اس امانت کے ثقل پر نظر کی اس لئے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس امانت کے پیش کرنے والے پر نظر کی کہ وہ میرا پروردگار ہے غیرت اور حیا کے مارے قبول کر لیا اور سمجھا کہ میرے ظلم اور جہالت کی تلافی اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کی مغفرت و رحمت سے ہو جائے گی۔ تفسیر کبیر: ۶/ ۶۳۲۔

ف:...... ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ بظاہر یہ دونوں لفظ منقصت پر دلالت کرتے ہیں مگر اہل ذوق سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ درحقیقت کمال لطف و عنایت اور نوازش اور محبت پر مبنی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے انسان اگرچہ تو عدالت اور علم کے

ساتھ بالفعل موصوف نہیں مگر تجھ میں عدل اور انصاف اور علم اور معرفت کی صلاحیت اور قابلیت موجود ہے اور تو نے اپنی رضا ورغبت سے اس امانت کو قبول کیا ہے۔ پس تو اللہ ● سے ڈر۔ کہ اس کی امانت میں خیانت نہ ہو جائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا کہ امانت کا حق ادا ہو۔

ذکر انجام امانت:...... یہاں تک اس بات کو بیان کیا کہ انسان نے اس امانت کو اٹھالیا اور اس ذمہ داری کو قبول کرلیا اب آئندہ آیت میں اس امانت کے انجام کو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ امانت انسان پر اس لئے پیش کی تاکہ انسان کی طبیعت میں جو امانت اور خیانت کا مادہ چھپا ہوا ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ اور منافق کا نفاق اور مشرک کا شرک اور مومن کا اخلاص اندر سے نکل کر باہر آجائے حاصل کلام یہ کہ انسان نے اس امانت کو اٹھا تو لیا مگر اس کے حق میں اس کا انجام یہ ہے کہ بعض انسان اس امانت کی حفاظت کریں گے اور بعض اس میں خیانت کریں گے پس جس نے اس امانت کی حفاظت کی اور اس کا حق ادا کیا وہ مستحق نعمت اور کرامت ہوا۔ اور جس نے اس امانت میں خیانت کی اس نے اپنی عاقبت خراب کی چنانچہ فرماتے ہیں کہ انسان کے اس امانت اٹھانے کا انجام یہ ہوگا کہ آئندہ چل کر اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو جنہوں نے دعویٰ تو محبت کا کیا مگر امانت میں خیانت کی۔ ظاہر میں وفادار بنے اور باطن میں غدار اور مکار بنے اور جھوٹ بولا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیا اور ایذائیں پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان بدعہدوں کو اور امانت میں خیانت کرنے والوں کو عذاب دے گا اور تاکہ اللہ تعالیٰ عذاب دے کفر اور شرک کرنے والے مردوں اور عورتوں کو جو ظاہراً اور باطناً دونوں طرح امانت سے منحرف ہو گئے اور کھلم کھلا اس کے منکر ہو گئے اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں پر توجہ اور رحمت فرمائے اور اپنی عنایت سے ان کو نوازے جنہوں نے حتی المقدور اللہ کی امانت کی حفاظت کی اور اپنے عہد پر قائم رہے اور اپنی ذمہ داری کو حتی المقدور پورا کیا مگر بمقتضائے بشریت حقوق امانت میں کچھ تقصیر ہو جائے تو اس سے درگذر کرتا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امانت اول آدم علیہ السلام پر پیش ہوئی اور انہوں نے اس امانت کو قبول کیا اور وہ صادق اور امین تھے انہوں نے اس امانت کی حفاظت کی اور بعض نے اس میں خیانت کی۔ (تفسیر کبیر: ۶/۲۳۱)

آیت امانت کی شیعی تفسیر یا تحریف

تفسیر قمی میں جو تفسیر اہل بیت کے نام سے مشہور ہے اس میں اس آیت کی عجیب وغریب تفسیر کی ہے وہ یہ کہ امانت سے مراد امانت اور خلافت ہے اور انسان سے ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین میں پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑا ظلوم وجہول تھا اس نے اٹھالیا اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے بالفرض والتقدیر اگر یہ تفسیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آفرینش عالم سے پہلے سب کون ومکان حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے ان سب کی دستبرداری کے بعد اللہ نے خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پیش کی جس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اٹھالیا اور اٹھا کر اپنی ہی جان پر ظلم کیا نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اور حضرت

● اس تفسیر سے مقصد یہ ہے کہ امانت کا گزشتہ آیت یعنی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ کے ساتھ ربط ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جو خلافت ملی وہ مغصوبہ نہ تھی بلکہ خدا کی پیش کردہ تھی۔ خدا کی طرف سے ان کو یہ خلافت ملی تھی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی پیدائش سے پہلے ہی بصد رضا ورغبت دستبردار ہو چکے تھے۔ شیعوں کی یہ تحریف تو اہل سنت کو مفید ہے۔

لطائف ومعارف

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف تھانوی قدس اللہ سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل الاعمال بالاختیار ہیں یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے احکام شریعت کو بجالانا کیونکہ مطلق عبادت اور اطاعت سے کوئی شے خالی نہیں چنانچہ حق جل شانہ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ﴾ یعنی ہم نے آسمان اور زمین سے کہا کہ ہمارے احکام تکوینیہ کے لئے تیار ہو جاؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ سب نے عرض کیا ہم خوشی سے تیار ہیں معلوم ہوا کہ عابد اور مطیع تو تمام مخلوق ہے لیکن مکلف سب نہیں بجز انسان کے لہٰذا معلوم ہوا کہ تکلیف اور اطاعت میں فرق ہے اور جس امانت سے تمام عالم گھبرا گیا وہ تکلیف شرعی ہی ہے جس سے مراد عمل مع الاختیار ہے مطلب یہ ہے کہ امانت سے وہ اختیاری اطاعت مراد ہے جو طبیعت کے مقتضا کے خلاف ہو یا تکلیف شرعی سے ثواب وعتاب کی اہلیت اور صلاحیت مراد ہے۔ جیسا کہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ امانت کے معنی پرائی چیز کو اپنی خواہش سے روک کر رکھنے کے ہیں اور آسمان وزمین میں اپنی کوئی خواہش نہیں یا ہے تو وہی ہے جو خدا کا حکم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے یہ فرمایا تھا کہ ہمارے کچھ احکام تشریعیہ ہیں ان کا مکلف بالاختیار ہونا کون قبول کرتا ہے یعنی جو شخص ان کا تحمل کرے گا اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کی جائے گی۔ یعنی اس کی قوت ارادیہ ان احکام پر عمل کرنے کے لئے مجبور نہ ہوگی بلکہ عمل اور عدم عمل دونوں پر اس کو قدرت دی جائے گی پھر جو اپنے اختیار سے احکام کو بجالائے گا اس کو مقرب بنالیا جائے گا اور جو اپنے اختیار سے احکام میں کوتاہی کرے گا اس کو مطرود (مردود) کر دیا جائے گا اس سے سماوات اور ارض اور جبال اور تمام مخلوق ڈر گئی انسان اس کے لئے آمادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مکلف بنادیا یعنی اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کر دی گئی باقی مخلوق میں صفت اختیار اور عقل نہیں وہ جن احکام تکوینیہ یا عبادت کو بجالاتے ہیں وہ ان کے لئے طبعی ہیں یعنی ان کی قوت ارادیہ اس کے خلاف کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی بخلاف انسان کے کہ جن احکام کا یہ مکلف ہے وہ اس کے لئے طبعی نہیں بلکہ اس کی قوت ارادیہ عمل اور عدم عمل دونوں کی طرف مائل ہوتی ہے اب اس کی تکلیف کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنے اختیار سے ایک جانب کو ترجیح دے یعنی جانب عمل کو مامورات میں اور جانب عدم عمل کو منہیات میں ترجیح دے اسی کا نام تحصیل عمل ہے پس امانت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات سے فرمایا کہ یہ صفت اختیار ہے اور یہ صفت عقل ہے اس کو کون لیتا ہے جو اس کو لے گا وہ ہمارے احکام کا مکلف اور پابند بنادیا جائے گا۔ اس سے سب ڈر گئے اور انسان تیار ہو گیا۔ کذا فی التحصیل والتسہیل ص ۲۳ وعظ نمبر ۶۱ از سلسلہ تبلیغ۔

نیز حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک دوسرے وعظ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف

شرعی مراد ہے اور تکلیف شرعی سے مراد اعمال کو اپنے اختیار سے بجالانا ہے یعنی جو اپنے اختیار سے اطاعت کرے گا اس کو ثواب ملے گا اور جو اطاعت نہیں کرے گا اس کو عذاب ہوگا اس کو سن کر سب ڈر گئے نہ آسمان کو ہمت ہوئی اور نہ زمین کو اور نہ پہاڑوں کو۔ اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے سب ڈر گئے اور امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا مگر حضرت انسان فوراً بول اٹھے کہ ہم ہیں اس کے اٹھانے والے۔ کچھ دیکھا نہ بھالا اور ہمت کر کے قبول کر لیا وجہ اس ہمت کی وہ ہے کہ جس طرف کسی صاحب دل نے اشارہ کیا ہے۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

لفظ دیوانہ اس کی طرف اشارہ ہے یعنی جوش عشق اور محبت نے ایسا بے خود اور دیوانہ بنایا کہ بغیر سوچے سمجھے ہی قبول کر لیا آسمان وزمین میں عشق اور محبت کا مادہ نہ تھا اس لئے ان پر شعور غالب آیا اور بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا انسان پر عشق اور محبت کی وجہ سے بے شعوری غالب آئی اس لئے اقرار کر لیا۔ عشق سے خطاب کی لذت محسوس ہوئی اور اندازہ لگا لیا کہ جب خطاب میں لذت ہے تو جب مکلف ہونے کو مان لیں گے تو بار بار خطاب ہوگا اور خوب لطف آئے گا۔ اور بڑا مزہ ہوگا بعد میں چاہے دوزخ میں جلنا پڑے لیکن اس لذت کو نہ چھوڑنا چاہئے اور کچھ نہ سہی اس بہانہ سے بات ہی کرنے کا موقعہ ملا کرے گا جیسے کوئی مریض کسی طبیب پر عاشق ہو جائے اور علاج بھی اسی طبیب کا ہو تو مریض یہ دعا کرے گا کہ اے اللہ میں بیمار رہوں تاکہ حکیم صاحب میرے پاس آتے رہیں ملائکہ میں بھی مادہ عشق کا نہیں عشق کے لئے جوش اور خروش اور شوق اور ہیجان اور ولولہ لازم ہے یہ مادہ انسان میں سب سے زیادہ ہے اسی وجہ سے اگر انسان کی تعریف میں بجائے حیوان ناطق کے حیوان عاشق کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے اور ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ میں کچھ اس کی بے وفائی کی طرف اشارہ ہے۔

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ایک طرف عشق تھا اور ایک طرف انسانی کمزوری تھی عجب حال ہوا۔ "نہ انکاری کنم نہ اینکاری کنم" کا مضمون ہو گیا۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے! غرض یہ کہ انسان نے نہ آگا دیکھا نہ پیچھا جوش عشق میں امانت کو اٹھا ہی لیا اسی کو فرمایا ہے ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ اس میں انسان کے عارف ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے پہچان لیا کہ اس تکلیف میں کیا دولت پنہاں ہے مگر یہاں ذکر صرف انسان کا اس لئے فرمایا کہ انسان صفت تکلیف میں اصل ہے اور جن اس کے تابع ہیں اس لئے اصل کو تو ذکر کیا اور تابع کو چھوڑ دیا اور انسان کے اصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق جل شانہ کی عنایتیں جس قدر انسان پر ہیں اتنی جن پر نہیں۔ جن دوسرے درجہ میں ہے چنانچہ جو لوگ جنات کے جنات میں (یعنی جنت میں) جانے کے قائل ہیں وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ جنات، جنت کے گردو پیش میں رہیں گے جیسے تابع لوگ رہا کرتے ہیں اس لئے ان کو خطاب میں شریک نہیں کیا گیا لیکن اثر خطاب اور حکم میں ضرور داخل ہیں کیونکہ تابع متبوع کے ساتھ اثر خطاب میں ضرور داخل ہوتا ہے اور انسان کے اصل ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ انسان کو حق تعالیٰ نے مکرم بنایا۔ اور حدیث میں ان اللہ خلق ادم علی صورتہ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو مظہر اتم بنایا حق جل شانہ کی صفات کمالیہ وجمالیہ کا ظہور پورا پورا انسان کے ذریعہ سے ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف۔

اور اسی وجہ سے ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى﴾ میں صرف انسان کا ذکر کیا۔ حالانکہ مکلف جن اور انس دونوں ہیں یعنی اس لئے کہ انسان اصل ہے اور جن تابع ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تبلیغ اول انسانوں ہی کو ہوئی اور پھر ثانیاً جنوں کو ہوئی۔ کذا فی نقد اللبیب ص ۴۵ وعظ بستم از سلسلہ تبلیغ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امانت کیا چیز ہے۔ پرائی چیز کو اپنی خواہش روک کر رکھنے کے ہیں اور آسمان اور زمین میں اپنی خواہش کچھ نہیں، یا ہے تو وہی ہے جس پر وہ قائم ہیں انسان میں خواہش اور ہے اور حکم اس کے خلاف پرائی چیز کو یعنی حکم کو اپنے جی کے خلاف تھامنا بڑا زور چاہتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑنا اور ماننے والوں کا قصور معاف کرنا اب بھی یہی حکم ہے کہ اگر کسی کی امانت کو جان بوجھ کر ضائع کر دے تو اس کا بدلہ (ضمان اور تاوان) دینا پڑے گا اور اگر بلا اختیار ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ یعنی ضمان اور تاوان نہیں (موضح القرآن بتوضیح یسیر)

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی نظر خدا تعالیٰ کے پیش کرنے پر تھی کہ خدا تعالیٰ پیش کر رہا ہے امانت کے ثقل پر اس کی نظر نہ تھی حق تعالیٰ کے پیش کرنے کی لذت نے امانت کا بوجھ بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لطف ربانی بزبان عنایت بول اٹھا کہ اے آدم علیہ السلام امانت کا اٹھانا تیری طرف سے ہے اور نگہبانی میری طرف سے ہے چونکہ تو نے خوشی سے میری امانت کو اٹھالیا تو میں نے تجھے اٹھالیا۔

راہ اور ابد وتوان پیمود بار او ر ابد وتوان برداشت

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جب آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے اس بار امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا تو انسان آگے بڑھا اور اپنے کاندھے پر اٹھا کر ھل من مزید کا نعرہ لگانے لگا تو غیب سے آواز آئی کہ اے خاکی دلیر تجھ میں یہ قوت کہاں سے آئی تو یہ مشت خاک زبان حال سے بولا کہ یہ بار گراں یار مہربان کی مدد سے کھینچ سکوں گا۔ غرض یہ کہ انسان جس کے نام نامی پر ﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ کا پروانہ جاری ہو چکا تھا اس کے قامت سراپا استقامت کے سوا کسی قد پر امانت کا خلعت راس نہ آیا ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾ اور کار خلافت کی انجام دہی کے لئے قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کمال درکار ہے۔ سو امتحان علم میں حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے بھی آگے نکلے۔ ﴿اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾۔ رہی قدرت سو فرشتوں میں یک طرفہ قدرت تھی ان میں اپنی ذاتی اور طبعی کوئی خواہش اور رغبت نہ تھی اور آدم علیہ السلام کی طبیعت اور فطرت میں رغبت اور میلان کا مادہ بھی تھا جو دونوں طرف چل سکے اور اس میں عجیب وغریب ملکات اور کمالات کی استعداد رکھ دی کہ مدارج عالیہ تک پرواز کر سکے اور فرشتوں کے کمالات اور مقامات معین ہیں۔

کما قال تعالیٰ ﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم دا حکم۔

الحمد للہ کہ آج بروز دوشنبہ بوقت اذان عصر بتاریخ ۱۰ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۹۲ھ سورۃ احزاب کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی والحمد للہ اولا وآخرا اے اللہ باقی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرما۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

تفسیر سورۃ سبا

یہ سورت مکی ہے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے سوائے ایک آیت کے کہ اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے اور وہ یہ آیت ہے ﴿وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِيٓ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيٓ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾۔ علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور ﴿الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور ﴿الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ سے علما اہل کتاب مراد ہیں جو مدینہ منورہ میں اسلام لائے جیسا کہ مقاتل رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ اور قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے عام اہل ایمان اور عام اہل علم مراد ہیں (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۵۸)۔

اس سورت میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔ اس سورت کا نام سورۃ سبا ہے جس میں ملک سبا کی سرسبزی اور شادابی اور پھر اس کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے کہ تکبر اور ناشکری کی سزا میں کیسے پکڑے گئے۔

(گزشتہ سورت سے ربط) گزشتہ سورت کے اخیر میں امانت کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں یہ بتلایا کہ نفسانی شہوتیں اور دنیاوی لذتیں ہی امانت میں خیانت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ قوم سبا جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا مگر وہ دنیاوی عیش وعشرت میں ایسے مست ہوئے کہ اللہ کی امانت میں خیانت کر بیٹھے جس کا انجام تباہی اور بربادی ہوا۔ حق تعالیٰ نے قوم سبا کو جو نعمتیں دی تھیں وہ جنت کا نمونہ تھیں۔ کفران نعمت کی وجہ سے وہ جنت مبدل بہ جہنم ہوگئی اور رحمت وراحت کے بیان کے بعد اس میں خیانت کرنے والوں کو جو عذاب کی دھمکی تھی۔ ﴿لِّيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ﴾ سو اس سورت کے شروع میں اس عذاب کا ایک نمونہ بیان کر دیا کہ دیکھو قوم سبا نے کس طرح امانت الٰہیہ کو ضائع کیا تو وہ کس طرح تباہ اور برباد ہوئے اور سوائے حسرت کے ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہ لوگ خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں ایسے مست اور غرق ہوئے کہ آخرت سے غافل بلکہ اس کے منکر ہوگئے۔ اس لئے اس سورت کا آغاز حمد وشکر سے کیا کہ بندہ کو چاہئے کہ اللہ کی نعمت ملنے کے بعد منعم حقیقی کے حمد وشکر میں مشغول ہو اور دنیا کو آخرت کا توشہ بنائے اور آخرت کی فکر کرے اور قوم سبا کے قصہ سے پہلے حق جل شانہ نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ ذکر فرمایا کہ ان دونوں برگزیدہ بندوں نے کس طرح اللہ کی امانت کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے ان دو بندوں پر نبوت ورسالت کے علاوہ ایسی دنیاوی سلطنت اور بادشاہت کا انعام فرمایا کہ اولین اور آخرین میں جس کی نظیر نہیں مگر دیکھو کہ یہ دونوں خدا کے کیسے پسندیدہ اور برگزیدہ بندے تھے کہ باوجود اس بے مثال بادشاہت کے لیل ونہار خدا کے حمد اور شکر میں اس کی عبادت اور طاعت میں مستغرق رہے جن کی دنیاوی شان وشوکت کا یہ عالم تھا کہ جن اور انس اور چرند اور پرند اور بر اور بحر اور ہوا اور فضاء اور خلاء سب ان کے لئے مسخر تھے مگر یہ دونوں باپ بیٹے عبودیت کے نشہ میں مست تھے۔ دنیا داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے قدموں پر تھی اور ان دونوں کے سر خدا کے قدموں پر تھے۔

ان دو عبد منیب کے قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کا قصہ ذکر کیا۔ جنہوں نے دنیاوی عیش وعشرت میں مست ہو

کر خدا کی امانت کو ضائع کر دیا۔ اور مستحق عذاب ہوئے اور حمد وشکر سے اعراض کی بدولت نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس سورت میں شروع سے لے کر اخیر تک تین مضمون بیان فرمائے۔ توحید اور رسالت اور قیامت اور یہی تینوں مضمون امانت الٰہیہ کے جزء اعظم ہیں اور جو لوگ عیش پرستی میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں وہی لوگ قیامت اور حشر اور نشر کے زیادہ منکر ہوتے ہیں ان کی نظر صرف دنیاوی لذتوں پر ہوتی ہے اس لئے اس سورت میں دلائل توحید کے علاوہ ان لوگوں کی خاص طور پر تہدید وتوبیخ کی گئی جو قیامت کے منکر تھے جو یہ کہتے تھے ﴿لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ﴾ ان کے جواب میں کہا گیا۔ ﴿قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ﴾ اس لئے اس سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر سے کیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ حمد وشکر کی مستحق صرف وہی ذات ہے جو آسمان وزمین کی مالک ہے اس لئے کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار ہے اس لئے اس سورت میں دلائل توحید کے ساتھ دلائل قیامت کو بھی بیان کیا تاکہ مشرکین اور منکرین قیامت کا رد ہو جائے اور ان لوگوں کا بھی رد فرمایا کہ جو نبی کریم ﷺ کو مفتری اور ساحر اور مجنون کہتے تھے کہ جو شخص علم وحکمت کی باتیں پیش کرتا ہو اس کو مجنون کہنا خود اس کہنے والے کے دیوانہ اور مجنون ہونے کی دلیل ہے۔

ربط:...... نیز گزشتہ سورت کے اخیر میں ذکر تھا کہ کفار بطور تمسخر آپ ﷺ سے یہ سوال کرتے تھے کہ قیامت کب ہوگی۔ ﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ﴾ اور اس سورت میں یہ ذکر فرمایا کہ کفار صراحۃً قیامت کے منکر ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ﴾ اس سورت میں ان کے اس صریحی انکار کو نقل کر کے اس کا جواب دیا۔ گزشتہ سورت میں کفار کے سوال کا ذکر تھا اور اس سورت میں ان کے صریح انکار کا ذکر ہے۔

۳۴ سُوۡرَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ ۵۸ | بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ | اٰیاتھا ۵٤ رکوعاتھا ٦

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِي الۡاٰخِرَةِ ؕ

سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں

سب خوبی اللہ کی ہے، جس کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں، اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں۔

وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ① يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِي الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ

اور وہی ہے حکمتوں والا سب کچھ جاننے والا ف۱ جانتا ہے جو کچھ کہ اندر گھستا ہے زمین کے اور جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے

اور وہی ہے حکمتوں والا سب جانتا۔ جانتا ہے جو پیٹھتا ہے زمین میں، اور جو نکلتا ہے اس سے، اور جو اترتا ہے

ف۱ یعنی سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو اکیلا بلاشریک غیرے تمام آسمانی وزمینی چیزوں کا مالک وخالق اور نہایت حکمت وخبرداری سے ان کی تدبیر کرتا ہے اس نے یہ سلسلہ بیکار پیدا نہیں کیا۔ ایسے حکیم ودانا کی نسبت یہ گمان نہیں ہوسکتا۔ ضرور ہے کہ یہ نظام آخر میں کسی اعلیٰ نتیجہ پر منتہی ہو، اسی کو آخرت کہتے ہیں۔ اور جس طرح دنیا میں وہ اکیلا تمام تعریفوں کا مستحق ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی۔ بلکہ یہاں تو بظاہر اور کسی کی بھی تعریف ہو جاتی تھی کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ، اور اس کا کمال اس کے کمال حقیقی کا پردہ تو ہے لیکن وہاں سب وسائط اور پردے اٹھ جائیں گے جو کچھ ہو گا سب دیکھیں گے کہ اس کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اس لیے صورۃً وحقیقۃً ہر حیثیت سے تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف رہ جائے گی۔

السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ②

آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں ف۱ اور وہی ہے رحم والا بخشنے والا ف۲

آسمان سے، اور جو چڑھتا ہے اس میں، اور وہی ہے رحم والا بخشا۔

آغاز سورت بہ تحمید وتوحید خداوند رب العزت

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ... الی ... وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ﴾

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں پانچ سورتوں کو الحمد سے شروع فرمایا۔ (۱) سورۃ فاتحہ۔ (۲) سورۃ الانعام۔ (۳) سورۃ کہف۔ (۴) چوتھی سورت یہ سورۃ سبا ہے۔ (۵) پانچویں سورت جو اس کے بعد آنے والی ہے یعنی سورۃ فاطر۔ جسے سورۃ ملائکہ بھی کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتیں بیشمار ہیں لیکن بظاہر وہ نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک نعمت ایجاد اور ایک نعمت بقاء ایجاد کے معنی معدوم کو موجود کرنے کے ہیں اور بقاء کے معنی موجود کو باقی اور زندہ رکھنے کے اور زندہ رہنے کے سامان عطا کرنے کے ہیں اور پھر ایجاد اور بقاء کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی اور ایک اخروی اور ایک روحانی اور ایک جسمانی پس ان پانچ سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے کہیں ایجاد کی نعمتیں اور کہیں بقاء کی نعمتیں ذکر کیں اور کہیں دنیاوی اور جسمانی نعمتوں اور کہیں اخروی اور روحانی نعمتوں کا ذکر کیا جس سے ہر جگہ شکر کی ترغیب دینا مقصود ہے اس سورت کے شروع میں اول عالم دنیا کی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد عالم آخرت کی نعمت مغفرت اور ان کے رزق کریم کا اور دیگر معنوی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان لوگوں کی مذمت کی جو اخروی نعمتوں کے منکر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اسی خدائے برحق کے لئے سزاوار ہیں کہ جس کے ہاتھ میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور آخرت میں بھی اسی کے لئے حمد وثنا ہے غرض یہ کہ دنیا اور آخرت میں وہی حمد وثنا کا مستحق اور سزاوار ہے۔ فرق اتنا ہے کہ دنیا میں ظاہراً کسی اور کی بھی تعریف ہو جاتی ہے مگر وہ درحقیقت اللہ ہی کے فعل کا پردہ ہوتی ہے اور آخرت میں کوئی پردہ نہیں اور نہ کوئی واسطہ ہے آخرت میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں نیز دنیا اور آخرت کی حمد میں ایک فرق یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی حمد بطور عبادت ہے اور اختیاری ہے اور آخرت میں اللہ کی حمد بطور لذت وفرحت ہے اور بمنزلہ سانس کے غیر اختیاری ہے اور وہی ہے حکمتوں والا جس نے آسمان اور زمین کو اپنی نعمتوں کا واسطہ اور پردہ بنایا اور سب چیزوں سے باخبر ہے وہ خوب جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے جیسے بندوں کے اعمال اور ان کی دعائیں اور ان کے کلمات طیبہ اور ارواح طاہرہ اور وہ

ف۱ یعنی آسمان وزمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے۔ مثلاً جانور کیڑے مکوڑے نباتات کا بیج، بارش کا پانی، مردہ کی لاش، اور جو اس کے اندر سے نکلتی ہے مثلاً کھیتی، سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو اوپر چڑھتی ہے مثلاً روح، دعاء، عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب انواع و جزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔

ف۲ یعنی یہ سب بستی اور چہل پہل اس کی رحمت اور بخشش سے ہے ورنہ بندوں کی ناشکری اور حق ناشناسی پر اگر ہاتھوں ہاتھ گرفت ہونے لگے تو ساری رونق ایک لحہ میں ختم کر دی جائے۔ ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ (فاطر، رکوع ۵)

بڑا مہربان ہے اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ بندوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو رحمت کے پردہ میں چھپاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ

اور کہنے لگے منکر نہ آئے گی ہم پر قیامت ف۱ تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی البتہ آئے گی تم پر ف۲ اس عالم الغیب کی

اور کہنے لگے منکر، نہ آئے گی ہم پر وہ گھڑی۔ تو کہہ، کیوں نہیں؟ قسم ہے میرے رب کی، البتہ آئے گی تم پر، اس چھپے جاننے والے کی۔

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ

غائب نہیں ہوسکتا اس سے کچھ ذرہ بھر آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی

غائب نہیں ہوسکتا اس سے کچھ ذرّہ بھر آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی نہ اس سے بڑی،

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

جو نہیں ہے کھلی کتاب میں ف۳ تاکہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ جو ہیں ان کے لیے ہے معافی

جو نہیں ہے کھلی کتاب میں۔ تا بدلہ دے ان کو، جو یقین لائے اور کئے بھلے کام۔ وہ جو ہیں، ان کو ہے معافی

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ

اور عزت کی روزی اور جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو ان کو بلا کا عذاب ہے

اور روزی عزت کی۔ اور جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے، ان کو بلا کی مار ہے

اَلِيْمٌ ۝ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ

دردناک ف۴ اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اترا تیرے رب سے وہی ٹھیک ہے اور سمجھاتا ہے

دکھ والی۔ اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ، کہ تجھ پر اترا تیرے رب سے، وہی ٹھیک ہے، اور سوجھاتا ہے

ف۱ کیوں نہیں آئے گی۔ اس کا منشاء آگے آتا ہے۔ "اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۔"

ف۲ یعنی وہ معصوم ومقدس انسان جس کے صدق وامانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اس کی صداقت پوری طرح روشن ہو چکی، مؤکد قسم کھا کر اللہ کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، پھر تسلیم نہ کرنے کی کیا وجہ۔ ہاں اگر کوئی محال یا خلاف حکمت بات کہتا تو انکار کی گنجائش ہوسکتی تھی لیکن نہ یہ محال ہے نہ خلاف حکمت۔ پھر انکار کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے۔

ف۳ یعنی اس عالم الغیب کی قسم جس کے علم محیط سے آسمان وزمین کا کوئی ذرہ یا ذرہ سے چھوٹی بڑی کوئی چیز بھی غائب نہیں۔ شاید یہ اس لیے فرمایا کہ قیامت کے وقت کی تعیین ہم نہیں کرسکتے۔ اس کا علم اسی کو ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ ہم کو جتنی خبر دی گئی بلا کم وکاست پہنچا دی۔ اور اس کا جواب بھی ہوگیا جو کہتے تھے ﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ﴾ یعنی جب ہمارے ذرات منتشر ہو کر مٹی میں مل گئے پھر کیسے دوبارہ اکٹھے کیے جائیں گے، تو بتلا دیا کہ کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب نہیں۔ اور پہلے بتلایا جاچکا کہ آسمان وزمین کی ہر چیز پر قبضہ اسی کا ہے، لہٰذا اس کو کیا مشکل ہے کہ تمام منتشر ذرات کو ایک دم میں اکٹھا کر دے۔

(تنبیہ) کھلی کتاب سے "لوح محفوظ" مراد ہے، جس میں ہر چیز اللہ کے علم کے مطابق ثبت ہے۔

ف۴ یعنی قیامت کا آنا اس لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو ان کی نیکی اور بدی کا پھل دیا جائے اور حق تعالیٰ کی جملہ صفات کا کامل ظہور ہو۔

(تنبیہ) "جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو" یعنی ہماری آیتوں کے ابطال اور لوگوں کو قولاً وفعلاً ان سے روکنے کے لیے کھڑے ہوئے گویا وہ (العیاذ باللہ) اللہ کو عاجز کرنا اور ہرانا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔

إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝٦ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ

راہ اس زبردست خوبیوں والے کی ف۱ اور کہنے لگے منکر ہم بتلائیں تم کو ایک مرد کہ تم کو خبر دیتا ہے

راہ اس زبردست خوبیوں والے کی۔ اور کہنے لگے منکر، ہم بتائیں تم کو ایک مرد، کہ تم کو خبر دیتا ہے،

إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝٧ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ۗ

جب تم پھٹ کر ہوجاؤ ٹکڑے ٹکڑے تم کو پھر نئے سرے سے بننا ہے کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اس کو سودا ہے ف۲

جب تم پھٹ کر ہوجاؤ ٹکڑے ٹکڑے، تم کو پھر نیا بننا ہے۔ کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ ؟ یا اس کو سودا ہے۔

بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝٨ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا

کچھ بھی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا آفت میں ہیں اور دور جا پڑے غلطی میں ف۳ کیا دیکھتے نہیں جو کچھ

کوئی نہیں ! پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا آفت میں ہیں، اور صریح غلطی میں۔ کیا دیکھتے نہیں ؟ جو کچھ

بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ

اُن کے آگے ہے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں دھسا دیں اُن کو زمین میں

ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے، آسمان و زمین میں۔ اگر ہم چاہیں، دھنسا دیں ان کو زمین میں،

نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝٩ ع

یا گرا دیں اُن پر ٹکڑا آسمان سے ف۴ تحقیق اس میں نشانی ہے ہر بندے رجوع کرنے والے کے واسطے ف۵

یا گرا دیں ان پر ٹکڑا آسمان سے۔ اس میں پتا ہے ہر بندے کو، جو رجوع رکھتا ہے۔

ف۱ یعنی اس واسطے قیامت آنی ہے کہ جن لوگوں کو یقین تھا کہ انھیں عین الیقین حاصل ہوجائے اور آنکھوں سے دیکھ لیں کہ قرآن کی خبریں موبہ مو صحیح و درست ہیں اور بیشک قرآن ہی وہ کتاب ہے جو اس زبردست خوبیوں والے خدا تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ بتاتی ہے۔ بعض مفسرین نے "ویری الذین" الخ کا مطلب یہ لیا ہے کہ ﴿وَالَّذِينَ سَعَوْ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ﴾ کے برخلاف جو اہل علم ہیں (خواہ مسلمان یا اہل کتاب) وہ جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ قیامت وغیرہ کے متعلق قرآن کریم کا بیان بالکل صحیح ہے اور وہ آدمی کو وصول الی اللہ کے ٹھیک راستہ پر لے جاتا ہے۔

ف۲ کفار قریش، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کرتے تھے۔ یعنی آؤ تمہیں ایک شخص دکھلائیں جو کہتا ہے کہ تم گل سڑ کر اور ریزہ ریزہ ہو کر جب خاک میں مل جاؤ گے، پھر تم کو از سر نو بھلا چنگا بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ بھلا ایسی مہمل بات کون قبول کرسکتا ہے۔ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ شخص جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ لگاتا ہے کہ اس نے ایسی خبر دی۔ نہیں تو سودائی ہے۔ دماغ ٹھکانے نہیں دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

ف۳ یعنی نہ جھوٹ ہے نہ جنون۔ البتہ یہ لوگ عقل و دانش اور صدق و صواب کے راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑے ہیں۔ اور بے ہودہ بکواس کر کے اپنے کو آفت میں پھنسا رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ بڑا عذاب ہے کہ آدمی کا دماغ اس قدر مختل ہوجائے کہ وہ خدا کے پیغمبروں کو مفتری یا مجنون کہنے لگے۔ (العیاذ باللہ)

ف۴ یعنی کیا یہ لوگ اندھے ہوگئے ہیں کہ آسمان و زمین بھی نظر نہیں آتے جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آ سکتے ہیں۔ ان کو تو وہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے بنایا ہے پھر جس نے بنایا اسے توڑنا کیا مشکل ہے اور جو ایسے عظیم الشان اجسام کو بنا سکتا اور توڑ پھوڑ سکتا ہے اسے انسانی جسم کا بگاڑ دینا اور بنانا کیا مشکل ہوگا۔ یہ لوگ ڈرتے نہیں کہ اسی کے آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر رہ کر ایسے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالیں۔ حالانکہ خدا چاہے تو ابھی ان کو زمین میں دھنسا کر یا آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر نیست و نابود کر دے اور قیامت کا چھوٹا سا نمونہ دکھلا دے۔ =

اثبات معاد مقرون بہ قسم برائے تہدید اہل کفر وعناد

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ... الی ... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾

ربط: ...... اوپر تحمید اور توحید کا ذکر تھا اب آئندہ آیت میں منکرین حشر کی ایک بے ہودہ بات کا ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں اور بے ہودگی پر تہدید بھی فرماتے ہیں۔ (شیخ زادہ: ۴/۷۹)

اور یہ بتلاتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اور جو لوگ قیامت کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کی ضرور سزا ملے گی چنانچہ فرماتے ہیں اور کافر اور مشرک جو امانت کے ثواب اور خیانت کے عقاب کے منکر ہیں اور حیات دنیاوی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی ہمیں کسی عذاب اور حساب کا ڈر نہیں اے پیغمبر ﷺ آپ ان منکرین قیامت سے کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں قسم ہے میرے پروردگار کی وہ قیامت تم پر ضرور آئے گی اور وہ قیامت کے لانے پر قادر ہے کیونکہ وہ ایسا پروردگار ہے کہ جو ایسا غیب دان ہے کہ آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اور کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے پوشیدہ نہیں مگر وہ سب لوح محفوظ میں ثبت ہے اور اس میں لکھی ہوئی ہے ہڈیاں اگرچہ ریزہ ریزہ ہو گئیں مگر سب اس کے علم اور قدرت سے غائب نہیں پہلی مرتبہ کی طرح پھر دوبارہ سب کو جمع کر کے زندہ کرے گا تاکہ ثواب عطا فرمائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے سو ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور بہشت میں عزت کی روزی ہے بلا رنج و محنت ان کو روزی ملے گی۔ مغفرت تو بوجہ ایمان کے ہے اور عزت کی روزی عمل صالح کی وجہ سے ہے گویا کہ رزق کریم اطاعت کا انعام ہے۔ (تفسیر کبیر: ۷/۴)

اور جو لوگ ہماری آیتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دوڑتے ہیں اور ان کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لئے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے۔ امانت میں خیانت کی سزا ان کے سامنے آجائے گی اور جن لوگوں کو علم دیا گیا یعنی صحابہ کرام ﷡ یا علماء اہل کتاب وہ خوب جانتے ہیں کہ جو قرآن من جانب اللہ آپ کی طرف اتارا گیا کہ وہ بلاشبہ حق ہے اور ایسے خدا کی راہ دکھاتا ہے جو غالب ہے اور خوبیوں والا ہے یعنی جو اس قرآن کی ہدایت پر چلے گا وہ خدا تک پہنچ جائے گا یا یہ معنی ہیں کہ اہل علم اور اہل ایمان قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ قرآن نے جس ثواب اور عقاب کی خبر دی تھی وہ بالکل حق ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں بطور مضحکہ اور تمسخر یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایسا شخص بتلا دیں کہ جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو کر پوری طرح پراگندہ ہو جاؤ گے تو تم پھر از سر نو پیدا ہو گے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے یہ شخص تو ایک ناممکن اور محال کی خبر دیتا ہے کیا اس شخص نے خدا پر قصداً جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی قسم کا جنون ہے کہ جو کہتا ہے اس

= **ف ۵** یعنی جو بندے عقل وانصاف سے کام لے کر اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں، اسی آسمان وزمین میں ان کے لیے بڑی بھاری نشانی موجود ہے وہ اس منظم اور پُر حکمت نظام کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ضرور یہ ایک دن کسی اعلیٰ واکمل نتیجہ پر پہنچنے والا ہے جس کا نام "دار الآخرۃ" ہے۔ یہ تصور کر کے وہ بیش از بیش اپنے مالک وخالق کی طرف جھکتے ہیں اور جو آسمانی وزمینی نعمتیں ان کو پہنچتی ہیں، تہ دل سے اس کے شکر گزار ہوتے ہیں، ان میں سے بعض بندوں کا ذکر آگے آتا ہے۔

کو سمجھتا نہیں بلا قصد اس سے ایسی باتیں نکل رہی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب میں اور دور دراز گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور بہکی ہوئی باتیں کرتے ہیں اور حقیقت کو سمجھتے نہیں اور دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے ہیں اس لئے آئندہ آیت میں امکان حشر کی ایک دلیل بیان کرتے ہیں۔ پس کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا جو ان کو سامنے سے اور پیچھے سے محیط ہے اور یہ سب ان دونوں میں محبوس ہیں چاروں طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں بھاگنے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پھر بھی ہماری قدرت کے قائل نہیں ہوتے ہم تو ان کی سزا پر ہر وقت قادر ہیں چاہیں تو قارون کی طرح ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اگر چاہیں تو قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر کے ٹکڑے گرا دیں اور ان کو ہلاک کر دیں اور ابھی ان پر قیامت قائم کر کے سب کو تباہ اور برباد کر دیں پھر بھی یہ لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں بیشک اس میں یعنی آسمان وزمین میں عبرت ہے ہر اس بندہ کے لئے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہو کہ جو خداوند قدیر آسمان سے پتھر برسانے اور زمین میں دھنسانے پر قادر ہو۔ اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے پورا عالم اس کی خدائی یعنی آسمان وزمین میں محصور ہے اور محبوس ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قدرت کے دائرہ سے باہر نکل سکے عجیب بات ہے کہ یہ منکرین قیامت جس کے انگشت قدرت میں بند ہیں اسی کی قدرت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ⑩ اَنِ

اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی ف۱ اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو اس کے ساتھ اور اڑتے جانوروں کو ف۲ اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا کہ

اور ہم نے دی داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی۔ اے پہاڑو! رجوع سے پڑھو اس کے ساتھ اور اڑتے جانورو! اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا۔ کہ

اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑪ وَلِسُلَيْمٰنَ

بنا زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ کڑیاں ف۳ اور کرو تم سب کام بھلا میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہوں ف۴ اور سلیمان کے

بنا کشادہ زرہیں، اور اندازے سے جوڑ کر کڑیاں، اور کرو تم سب کام بھلا۔ میں جو کرتے ہو دیکھتا ہوں۔ اور سلیمان کے

ف۱ یعنی نبوت کے ساتھ غیر معمولی سلطنت عنایت فرمائی۔

ف۲ حضرت داؤد علیہ السلام کبھی کبھی جنگل میں نکلتے، خدا کو یاد کرتے، خوف الٰہی سے روتے، تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے اور اپنی ضرب المثل خوش آوازی سے زبور پڑھتے، اس کی عجیب وغریب تاثیر سے پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے تھے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو کر اسی طرح آواز کرتے۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو یہ خاص بزرگی عطا فرمائی تھی۔ ورنہ پہاڑوں کی تسبیح سے مراد محض ان کی آواز بازگشت ہو، یا وہ عام تسبیح جو ہر چیز زبان حال یا قال سے کرتی رہتی ہے تو حضرت داؤد کے مخصوص فضل وشرف کے ذیل میں اس چیز کا ذکر کرنا محض بے معنی ہوگا۔ (العیاذ باللہ) ﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ﴾ کا حکم تکوینی ہے۔

ف۳ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہم نے لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا۔ بدون آگ اور آلات صناعیہ کے لوہے کو جس طرح چاہتے ہاتھ سے توڑ موڑ لیتے تھے اور اس کی زرہیں تیار کر کے فروخت کرتے تا کہ قوت بازو سے کما کر کھائیں۔ بیت المال پر اپنا بار نہ ڈالیں۔ کہتے ہیں کہ کڑیوں کی زرہ پہلے ان ہی سے نکلی کر کشادہ رہے۔ حق تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ فراخ وکشادہ زرہیں تیار کرو اور اس کے حلقے اور کڑیاں ٹھیک اندازہ سے جوڑو جو بڑی چھوٹی اور پتلی موٹی ہونے کے اعتبار سے متناسب ہوں۔

ف۴ یعنی ان صنائع میں پڑ کر منعم حقیقی کی طرف سے غفلت نہ ہونے پائے۔ ہمیشہ عمل صالح کرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ سب کام دیکھتا ہے۔

الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ

آگے ہوا کو صبح کی منزل اس کی ایک مہینہ کی اور شام کی منزل ایک مہینہ کی اور بہا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبے کا ف۱ اور جنوں میں کتنے لوگ

آگے باؤ، صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ۔ اور بہا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلتے تانبے کا۔ اور جنوں میں سے کتنے لوگ

بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۲﴾

تھے جو محنت کرتے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے اور جو کوئی پھرے ان میں سے ہمارے حکم سے چکھائیں ہم اس کو آگ کا عذاب ف۲

جو محنت کرتے اس کے سامنے، اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو کوئی پھرے ان میں ہمارے حکم سے چکھائیں ہم اس کو آگ کی مار۔

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رّٰسِيٰتٍ ۖ

بناتے اس کے واسطے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی ف۳

بناتے اس کے واسطے جو چاہتا قلعے اور تصویریں، اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولھوں پر جمیں۔

اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ

کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے ف۴ پھر جب مقرر کیا ہم نے اس پر موت کو

کام کرو داؤد کے گھر والو! حق مان کر۔ اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں حق ماننے والے۔ پھر جب تقدیر کی ہم نے اس پر موت،

مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَّوْ

نہ جتلایا ان کو اس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصا پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ

نہ جتایا ان کو اس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے، کھاتا رہا اس کا عصا۔ پھر جب وہ گر پڑا، معلوم کیا جنوں نے، کہ

ف۱ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تھا جو فضا میں اڑتا۔ ہوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا تھا، ایک مہینہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی تھی۔ سورۃ "انبیاء" اور سورۃ "نمل" میں اس کا کچھ بیان گزر چکا ہے اور آگے سورۃ "ص" میں آئے گا اور پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یمن کی طرف نکال دیا تھا۔ اس کو سانچوں میں ڈال کر جنات بڑے بڑے برتن (دیگیں اور لگن وغیرہ) تیار کرتے تھے جن میں ایک لشکر کا کھانا پکتا اور کھلایا جاتا۔

ف۲ یعنی بہت سے جن جنہیں دوسری جگہ شیاطین سے تعبیر فرمایا ہے، معمولی قلیوں اور خدمت گاروں کی طرح ان کے کام میں لگے رہتے تھے۔ اللہ کا حکم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کریں ذرا سرکشی کی تو آگ میں پھونک دیا جائے گا۔

ف۳ یعنی بڑے بڑے محل، مسجدیں اور قلعے جنات تعمیر کرتے اور مجسم تصویریں بناتے (جو ان کی شریعت میں ممنوع نہیں ہوں گی، شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا) اور تانبے کے بڑے بڑے لگن بناتے جیسے حوض یا تالاب اور دیگیں تیار کرتے جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھیں۔ ایک ہی جگہ رکھی رہتیں۔

ف۴ یعنی ان عظیم الشان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرتے رہو، محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے حق تعالیٰ کی شکر گزاری ٹپکتی ہو۔ بات یہ ہے کہ احسان تو خدا کم و بیش سب پر کرتا ہے لیکن پورے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں، جب تھوڑے ہیں تو قدر زیادہ ہوگی۔ لہٰذا کامل شکر گزار بن کر اپنی قدر و منزلت بڑھاؤ۔ یہ خطاب داؤد کے کنبے اور گھرانے کو ہے، کیونکہ علاوہ مستقل احسانات کے داؤد علیہ السلام پر احسان من وجہ سب پر احسان۔ کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے تمام گھر والوں پر اوقات تقسیم کر دیئے تھے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب ان کے گھر میں کوئی نہ کوئی شخص عبادت الٰہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔

كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۱۴﴾

اگر خبر رکھتے ہوتے غیب کی نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں ف ۱

اگر خبر رکھتے ہوتے غیب کی، نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں۔

قصۂ داؤد و سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام

قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ... الى ... مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر کر کے فرمایا۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾ یعنی آسمان وزمین کی پیدا میں خدا کی قدرت کی نشانی ہے ہر عبد منیب کے لئے یعنی ہر اس بندہ کے لئے جو خدا کی طرف متوجہ اور ملتفت ہو اب ان آیات میں دو خاص عبد منیب کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو خدا کی طرف خاص طور پر متوجہ اور ملتفت ہو یہ دو عبد منیب اللہ کے وہ خاص بندے تھے جن پر اللہ نے ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل فرمائیں اور نبوت کے ساتھ ان کو بے مثال سلطنت بھی عطا کی مگر باجود دین ودنیا کی نعمتوں کے جمع ہونے کے منعم حقیقی کے شکر سے غافل نہیں ہوئے اور اگر کسی وقت ذرا غفلت ہوئی تو سجدہ میں گر گئے اور استغفار کرنے لگے چنانچہ داود علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴾ اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے۔ ﴿وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴾۔

نیز اس قصہ میں منکرین قیامت کا بھی جواب ہے کہ جب خدائے برتر اپنے کسی بندہ کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر سکتا ہے اور لوہے کو موم کی طرح نرم بنا سکتا ہے تو کیا وہ خدائے قادر استخوانہائے انسانی اور عظام جسمانی یعنی انسانی ہڈیوں کو مع ان کے قوائے طبعی اور انسانی کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے ایک خاص بزرگی عطا کی کہ نبوت کے ساتھ ان کو سلطنت اور اس کا ساز وسامان بھی عطا کیا ہم نے ان کو جو نعمتیں عطا کیں ان میں ہر نعمت ان کی فضیلت اور کرامت اور ان کی نبوت کی دلیل تھی اور ہماری کمال قدرت کی بھی دلیل تھی۔

ف ۱ حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کے ہاتھوں مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے جب معلوم کیا کہ میری موت آ پہنچی جنوں کو نقشہ بتا کر آپ علیہ السلام ایک شیشہ کے مکان میں در بند کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لی اور آپ علیہ السلام کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہی۔ کسی کو آپ علیہ السلام کی وفات کا احساس نہ ہو سکا۔ وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر پوری ہوگئی جس عصا پر ٹیک لگا رہے تھے گھن کے کھانے سے گرا، تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا۔ اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انھیں غیب کی خبر رہتی تو کیا اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کو محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیاطین وغیرہ کی تسخیر کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کسبی کمال نہ تھا محض فضل ایزدی تھا۔ جو اللہ چاہے تو موت کے بعد ایک لاش کے حق میں بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ نیز سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انھیں جاری رکھا گیا۔ اور بتلا دیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ تعالیٰ کس کس تدبیر سے پورا کراتا ہے۔ (ربط) یہاں تک بعض منیب اور شکر گزار بندوں کا ذکر تھا۔ آگے ایک معرض و ناسپاس قوم (سبا) کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو بڑے عیش و رفاہیت اور خوشحالی و فارغ البالی کے بعد کفر و ناسپاسی کی سزا میں تباہ کی گئی۔ یہ قوم یمن کی بڑی دولت مند اور ذی اقتدار قوم تھی جو صدیوں تک بڑے جاہ و جلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی۔ ان ہی میں ایک وہ ملکہ تھی (بلقیس) جس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہونا سورۃ "نمل" میں گزر چکا ہے۔ شاید یہاں سلیمان علیہ السلام کے بعد "سبا" کا ذکر اس مناسبت سے بھی ہوا ہو۔

چنانچہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ اے پہاڑو تم بھی داؤد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو کہ جب داؤد علیہ السلام کا ذکر کریں اور اس کی تسبیح میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور اسی طرح پرندوں کو بھی یہی حکم دیا کہ تم بھی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔ کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً﴾۔

جب داؤد علیہ السلام اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پہاڑی بھی حقیقۃً بآواز بلند ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح پڑھتے اور یہ تسبیح حقیقی تھی بزبان حال یا صدائے بازگشت نہ تھی یہ سب داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور خدا کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ جو خدا بے جان اور زبان چیزوں کو گویائی عطا کرسکتا ہے وہ مردوں کے بے جان اور بے زبان ریزوں کو کیوں دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حسن صورت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی آواز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے یا اللہ کی تسبیح کرتے تو در و دیوار اور درخت اور پہاڑ ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح کرتے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کی طرح آواز کرتے محض صدائے بازگشت نہ تھی اس لئے کہ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا﴾ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی خاص فضیلت اور بزرگی کا بیان کرنا مقصود ہے پہاڑوں کی تسبیح سے محض ان کی آواز بازگشت مراد لینا بالکل بے معنی ہے۔ صدائے بازگشت فضیلت اور بزرگی کی چیز نہیں قرآن کریم میں ہے ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ یعنی ہر چیز حقیقۃً اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے مگر تم سمجھتے نہیں۔ اور اسی ناسمجھی کی وجہ سے کبھی اس کو تسبیح حالی کہتے ہیں اور کبھی صدائے بازگشت۔ اللہ ان لوگوں کو عقل دے۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا معجزہ عطا فرمایا اور داؤد علیہ السلام کو حسن صوت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا۔ داؤد علیہ السلام اللہ کے خاص عبد منیب تھے جب خوش الحانی کے ساتھ زبور پڑھتے یا تسبیح پڑھتے تو ان کی منیبانہ اور خاشعانہ اور معجزانہ آواز سے پہاڑ اور در و دیوار اور پرند بھی عبد منیب (خدا کی طرف رجوع کرنے والے) ہو جاتے اور ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح کرنے لگتے اور چرند اور پرند اور پہاڑوں کی تسبیح و تحمید سب حقیقی تھی جیسے ستون حنانہ کا رونا حقیقی تھا۔ اور حضور پر نور ﷺ کا معجزہ تھا۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کی تسبیح و تحمید سے جمادات اور حیوانات کی تسبیح و تحمید داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھی۔ ف

زصوت دلکشش جاں تازہ گشتے روان ذوق بے اندازہ گشتے
سپہر چنگ پشت از عنون ساز ازاں پر حال تر نشنودہ آواز

داؤد علیہ السلام کی دوسری فضیلت کا ذکر

اور ایک فضیلت و کرامت ہم نے داؤد علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو بلاسبب ظاہری موم کی طرح نرم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ تم اس لوہے سے کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ کا لحاظ رکھو کہ نہ بہت بھاری ہو اور نہ بہت ہلکی ہو اور ایسی مضبوط ہو کہ اس کا پہننے والا تیر اور تلوار سے بچ سکے۔ یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لوہا بغیر

آگ میں ڈالے اور بغیر ہتھوڑے کے کوٹے ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا اور تاگے کی طرح اس کو بٹ کر زرہ بنا لیتے تا کہ جہاد میں کام آویں اور اے آل داؤد کافروں کے مقابلہ اور ان کے وار کو روکنے کے لئے تو تم نے کشادہ زرہیں تیار کر لیں مگر نفس اور شیطان کا وار روکنے کے لئے بھی زرہیں تیار رکھو یعنی تم سب نیک عمل کرتے رہو کہ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو تحقیق میں تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہوں کہ اس میں کوئی کمزوری تو نہیں کہ نفس وشیطان کے مقابلہ میں کہیں کمزور زرہ ثابت نہ ہو۔

حکایت:......داؤد علیہ السلام زمانہ بادشاہت میں ہیئت بدل کر ملک میں پھرتے اور لوگوں سے بادشاہ کا حال دریافت کرتے تا کہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو اس کی اصلاح کر سکیں جس شخص سے بھی پوچھتے تو وہ داؤد علیہ السلام کی عبادت اور ان کی نیک خلقی اور عدل و انصاف کی تعریف کرتا ایک دن ایک فرشتہ انسان کی صورت میں ملا تو داؤد علیہ السلام نے اس کو اپنے سے انجان سمجھ کر اس سے اپنا حال پوچھا اس نے کہا داؤد علیہ السلام سب آدمیوں سے بہتر ہے اور بہت اچھا ہے لیکن اس میں ایک خصلت ہے اگر وہ نہ ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ وہ خود بھی مسلمانوں کے بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس میں سے کھلاتا ہے اگر وہ خود اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتا تو بہتر ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا شروع کی کہ مجھے کوئی ایسی حرفت سکھا دیں جس سے میں اور میرے اہل وعیال مستغنی ہو جائیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی جیسا کہ سورۃ انبیاء میں گزرا ﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ﴾ کہ اللہ عزوجل نے لوہا ان کے لئے نرم کر دیا اور زرہ بنانے کی صنعت ان کو سکھلا دی چنانچہ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے اور اس کو فروخت کرتے اس میں سے ایک تہائی صدقہ کر دیتے اور ایک تہائی اہل وعیال پر خرچ کر دیتے اور ایک تہائی آئندہ زرہ بنانے کے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زرہ چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۶۶ وروح المعانی: ۲۲/ ۱۰۷)

دوسرے عبد منیب کا ذکر

﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر اپنے فضل وانعام کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں ان کے فرزند ارجمند سلیمان علیہ السلام پر اپنے فضل وانعام کا ذکر فرماتے ہیں باپ اور بیٹے دونوں ہی عبد منیب تھے پہلی آیت میں منیب باپ کا ذکر فرمایا اب دوسری آیت میں منیب بیٹے کا ذکر کرتے ہیں ان دونوں کے ذکر سے مقصود عبدیت اور انابت الی اللہ کی برکات اور ثمرات کا بیان کرنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ عبدیت اور انابت الی اللہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور داؤد کے بعد ہم نے ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا جس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ تھی اور شام کی رفتار ایک مہینہ تھی اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا کو جیسا حکم دیتے اس کے مطابق وہ چلتی۔ ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ﴾ اس طرح ہوا کا مسخر ہونا یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کی فضیلت اور کرامت تھی۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبح کو دمشق سے اپنے تخت اور بساط پر بیٹھ کر ہوا میں روانہ ہوتے اور اصطخر فارس

میں اتر کر قیلولہ کرتے اور دمشق اور اصطخر کے درمیان تیز رفتاری کے ساتھ کامل ایک ماہ کی مسافت ہے پھر شام کو اصطخر سے روانہ ہوتے اور رات کابل میں بسر کرتے اور اصطخر سے کابل تک تیز رفتاری کے ساتھ ایک ماہ کی مسافت ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ایسا مسخر کر دیا تھا کہ ایک دن میں دو مہینہ کی پیدل مسافت طے کرتے تھے (تفسیر قرطبی: ۱۴ر ۲۶۹) غرض یہ کہ ہوا کو اور خلا کو سلیمان علیہ السلام کی سیر و سیاحت کے لئے مسخر کر دیا گیا تھا یہ منجانب اللہ ان کو ایک معجزہ عطا کیا گیا تھا۔ اور ایک فضیلت ہم نے سلیمان علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ ان کے لئے تانبے کا ایک چشمہ رواں کر دیا یعنی تانبے کی کان میں سے بہتا ہوا تانبا نکلتا تا کہ جو چاہیں اس سے بنا سکیں اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ صفاء کے قریب ملک یمن میں پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ نکالا تا کہ سانچوں میں ڈھال کر جو چاہیں اس سے بنا سکیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبے کو نرم کر دیا اور اس کا چشمہ جاری کر دیا۔

اور ایک فضیلت اور کرامت ہم نے سلیمان علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ جنات کو ان کے تابع فرمان کر دیا چنانچہ جنوں میں سے کتنے ایسے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے اللہ کے حکم سے کام کرتے تھے یعنی جنات بحکم خداوندی سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر تھے اور سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق وہ خدمت اور محنت کرتے تھے اور کسی جن کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کر سکے اور جنوں میں جو ہمارے حکم سے سرکشی کرتا یعنی سلیمان علیہ السلام کی اطاعت اور فرمانبرداری سے روگردانی کرتا تو ہم اس کو چکھاتے آگ کی مار یعنی اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ معین تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہوتا تھا جو جن حکم عدولی کرتا تو فرشتہ اس کو آگ کا کوڑا مارتا جس سے وہ جن جل جاتا اس خوف سے جنات سلیمان علیہ السلام کے مطیع اور فرمانبردار تھے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے جنوں کو سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر فرمایا تھا۔ بناتے تھے وہ ان کے لئے جو کچھ وہ چاہتے تھے قلعے اور بڑی بڑی عمارتیں اور تصویریں اور پیتل اور تانبے سے طرح طرح کی مورتیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں مورتیں بنانا جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں جاندار کی مورت بنانا ناجائز ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تماثیل (مورتیں) جاندار کی نہ تھیں بلکہ درختوں وغیرہ کی مورتیں تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ نیک لوگوں کی مورتیں تھیں تا کہ لوگ ان کو دیکھ کر آخرت کی تیاری میں زیادہ کوشش کریں اور اس طرح کی تصویریں بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا مگر ہماری پاکیزہ شریعت میں منسوخ کر دیا گیا۔

اور بناتے تھے ان کے لئے تالاب جیسے بڑے بڑے لگن اور ایسی بڑی بڑی دیگیں بناتے کہ جو اپنی جگہ پر جمع ہوئی رکھی رہتیں کہ کوئی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے یمن کی طرف پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا جس کو جنات سانچوں میں ڈھال کر بڑی بڑی دیگیں تیار کرتے جس میں ایک لشکر کا کھانا پک سکے۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ملکی عمارات اور صنعتوں کے لئے جنات کو ان کے لئے مسخر کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام جس قسم کی عمارت کا اور جس قسم کی صنعت کا حکم دیں اس کو بے چون و چرا انجام دیں اور سلیمان علیہ السلام یہ تمام کام مسلمانوں سے نہیں لیتے تھے بلکہ جنات سے لیتے تھے اور بلا اجرت اور بلا تنخواہ کے لیتے تھے کسی جن کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ سلیمان علیہ السلام سے کوئی مطالبہ کر سکے اور ہڑتال کا خیال تو بالکل ہی ناممکن اور محال تھا جیسا کہ ﴿وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ

﴿اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ﴾ کی تفسیر میں گزرا تمام جنات بحکم خداوندی سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ حکم سلیمانی سے سرتابی کر سکے۔

غرض یہ کہ ہم نے آل داؤد کو یہ فضیلتیں اور نعمتیں عطا کیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ اے آل داؤد، شکر کے کام لگے رہو اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بہت کم ہیں شکر سے نعمت باقی بھی رہتی ہے اور زیادہ بھی ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا ان کے حکم کے مطابق وہ خدمت انجام دیتے تھے جب سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی موت کو جنات پر مستور اور مبہم رکھیں تاکہ جن اسی کام کرتے رہیں۔ پس جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری کیا تو ایسے طور پر ان پر موت واقع ہوئی کہ جنات کو اس کی خبر نہ ہوئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ جنات تعمیر کے کام مشغول تھے۔ سلیمان علیہ السلام حسب دستور ہیکل میں داخل ہوئے اور عصا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے جنات یہ سمجھے کہ یہ ہماری نگرانی کر رہے ہیں اسی حالت میں آپ علیہ السلام کی روح قبض ہو گئی اور اسی طرح سال بھر تک عصا کے سہارے کھڑے رہے جنات یہ سمجھتے رہے کہ آپ علیہ السلام ہمارے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ عصائے سلیمان کو کسی دیمک کے کیڑے نے کھایا وہ لکڑی ٹوٹی اور آپ علیہ السلام گر پڑے اب تک جنوں کو کسی نے سلیمان علیہ السلام کی موت کی خبر دی نہ دی تھی مگر گھن کے کیڑے نے جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا۔

پس جب اس عصا کے گر جانے سے سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا حال کھلا اور یہ بات گھن کے کیڑے کے کھانے کے حساب اور تخمینہ سے معلوم ہوئی کہ وفات پائے ہوئے ایک سال ہوا اور سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے جنوں نے یہ بھی جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اتنی مدت تک ذلت وخواری کی تکلیف میں نہ رہتے۔ جنوں کا گمان تھا کہ وہ غیب کو جانتے ہیں۔ اور لوگوں کے سامنے ایسا ہی ظاہر کرتے اور بہت سے جاہل آدمی بھی یہی گمان رکھتے تھے پس جب سلیمان علیہ السلام اس طرح سے گرے تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اگر جن غیب دان ہوتے تو سال بھر تک اس عذاب وخواری میں کیوں پڑے رہتے بلکہ جس روز انتقال ہوا تھا اسی روز بھاگ جاتے اور اس محنت اور مشقت سے چھٹکارا پا جاتے۔ سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں مشغول تھے تعمیر ہنوز نامکمل تھی کہ وقت آ پہنچا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تدبیر سے کھڑا رکھا تاکہ ان کی موت کے بعد ان کے باقی ماندہ کام کی تکمیل ہو جائے۔

لَقَدۡ کَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡکَنِہِمۡ اٰیَۃٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّکُمۡ

تحقیق قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی دو باغ داہنے اور بائیں ف۱ کھاؤ روزی اپنے رب کی

قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی۔ دو باغ داہنے اور بائیں۔ کھاؤ روزی اپنے رب کی،

ف۱ یعنی باغوں کے دو طویل سلسلے داہنے اور بائیں میلوں تک چلے گئے تھے۔ اگر سمجھتے تو خدا کی رحمت وقدرت کی یہ ہی نشانی ایمان لانے اور شکر گزار بننے کے لئے کافی تھی۔

وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

اور اس کا شکر کرو ف۱ شہر ہے پاکیزہ اور رب ہے گناہ بخشنے والا ف۲ سو دھیان میں نہ لائے پھر چھوڑ دیا ہم نے ان پر ایک نالہ زور کا

اور اس کا شکر کرو، دیس ہے پاکیزہ، اور رب ہے گناہ بخشتا۔ پھر دھیان میں نہ لائے، پھر چھوڑ دیا ہم نے ان پر نالہ زور کا،

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ

اور دیئے ہم نے ان کو بدلے میں ان دو باغوں کے دو اور باغ جن میں کچھ میوہ کسیلا تھا اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے ف۳ یہ

اور دیئے ان کو بدلے ان دو باغوں کے دو اور باغ، جس میں کچھ ایک میوہ کسیلا اور جھاؤ، اور کچھ بیر تھوڑے سے۔ یہ

ف۱ گویا وہ نشانی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو اور اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرو۔ کفر و عصیان اختیار کر کے ناشکرے مت بنو۔ یا جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے انبیاء کی زبانی اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہوگی۔ کہتے ہیں تیرہ نبی علیہم السلام اس قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے آئے ہوں گے اور ان کے وارث بعد کو بھی اس قوم کی بربادی کے وقت تک سمجھاتے رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ مصنف "ارض القرآن"، "سبا" کی عمارتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "اسی سلسلہ عمارات میں ایک چیز بند آب ہے۔ جس کو عرب حجاز "سد" اور عرب یمن "عرم" کہتے ہیں۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں۔ پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگستانوں میں خشک اور ضائع ہو جاتا ہے۔ زراعت کے مصرف میں نہیں آتا۔ "سبا" مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے کام میں آئے۔ مملکت "سبا" میں اس طرح کے سینکڑوں بند تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور "سد مارب" ہے جو ان کے دارالحکومت "مارب" میں واقع تھا۔ شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جن کا نام کوہ ابلق ہے۔ سبا نے ان دو پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ٨٠٠ ق م میں "سد باب" کی تعمیر کی تھی۔ یہ بند تقریباً ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی ایک دیوار ہے۔ اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے تاہم ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے۔ "ارناڈ" ایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے۔ اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں وہ بھی پڑھے گئے۔ اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں جو حسب ضرورت کھولی اور بند کی جا سکتی تھیں۔ "سد" کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر تین سو میل مربع میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ قرآن کریم "جنتن عن يمين وشمال" کہہ کر ان ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یونانی مورخ "اگاتھرشیڈس" جو ١٤٠ق م میں "سبا" کا معاصر تھا بیان کرتا ہے۔ "سبا عرب کے سرسبز و آباد حصہ میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بیشمار میوے ہوتے ہیں۔ دریا کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے۔ درختوں کے اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گزرتے ہیں، وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں۔ وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔" آرٹی میڈروس جو "سبا" کے عہد آخر میں تھا لکھتا ہے۔ "سبا" کا بادشاہ اور اس کا ایوان "مارب" میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش و مسرت (زمانہ خوشحالی) میں واقع ہے۔" غرض باعتبار سرسبزی، خوشحالی، سامان عیش اور اعتدال آب و ہوا کے "مارب" اسی کا مصداق تھا۔ "بلدة طيبة ورب غفور"، "رب غفور" سے ادھر اشارہ کر دیا کہ اپنی طرف سے شکر گزار بنو۔ اگر بمقتضائے بشریت کچھ تقصیر رہ جائے گی تو اللہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسا سخت نہیں پکڑتا۔ اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ اس کی نعمتوں کا شکر کما حقہ کس سے ادا ہو سکتا ہے۔

ف۳ یعنی نصیحتوں کو خاطر میں نہ لائے اور منعم حقیقی کی شکر گزاری سے منہ موڑے رہے تب ہم نے پانی کا عذاب بھیج دیا۔ وہ بند ٹوٹا تمام باغات اور زمینیں غرقاب ہو گئیں۔ اور ان اعلیٰ درجہ کے نفیس میووں اور پھلوں کی جگہ نکمے درخت اور جھاڑ جھنکاڑ رہ گئے جہاں انگور چھوارے اور قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی تھیں اب وہاں پیلو، جھاؤ، کسیلے اور بدمزہ پھل والے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ جن میں بہترین چیز تھوڑی سی جھڑبیریوں کو سمجھ لو۔ یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم=

جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ⑰ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ

بدلہ دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی اور ہم یہ بدلہ اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو ف۱ اور رکھی تھیں ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں جہاں

بدلہ دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی۔ اور ہم بدلہ اس کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔ اور رکھی تھی ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں جہاں

بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ⑱

ہم نے برکت رکھی ہے ایسی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں اور منزلیں مقرر کر دیں ہم نے ان میں آنے جانے کی پھرو ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن سے ف۲

ہم نے برکت رکھی ہے، بستیاں راہ پر نظر آتیں، اور منزلیں ٹھہرا دیں ہم نے ان میں چلنے کی۔ پھرو ان میں راتوں اور دنوں امن سے۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ

پھر کہنے لگے اے رب دراز کر دے ہمارے سفروں کو ف۳ اور آپ اپنا برا کیا پھر کر ڈالا ہم نے ان کو کہانیاں اور کر ڈالا چیر کر ٹکڑے ٹکڑے ف۴ اس میں پتے کی باتیں ہیں ہر

پھر کہنے لگے اے رب! فرق ڈال ہمارے سفر میں، اور اپنا برا کیا، پھر کر ڈالا ہم نے ان کو کہانیاں اور چیر کر کر ڈالا ٹکڑے۔ اس میں پتے ہیں ہر

= کے درمیانی عہد کا ہے محققین آثار قدیمہ کو ابرہۃ الاشرم کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سدِ عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے اس میں بھی اس بند کے ٹوٹنے کا ذکر ہے۔ مگر یہ غالباً اس واقعہ کے بعد ہوا جس کا ذکر قرآن میں ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" جب اللہ نے چاہا عذاب بھیجے، گھونس پیدا ہوئی اس پانی کے بند میں اس کی جڑ کریدڈالی۔ ایک بار پانی نے زور کیا۔ بند کو توڑ ڈالا، وہ پانی عذاب کا تھا جس زمین پر پھر گیا کام سے جاتی رہی کہتے ہیں کہ بند ٹوٹنے کی پیشین گوئی ایک کاہن نے کی تھی اس پر بہت لوگ وطن چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے، جو باقی رہے انھیں ان باغوں کے بدلے یہ نکمی اور کڑوی کسیلی چیزیں ملیں۔ واللہ اعلم۔

ف۱ ایسی سخت سزا بڑے ناشکروں کو دی جاتی ہے۔ کفر سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی۔ سورۃ "نمل" میں گزر چکا ﴿وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ بظاہر اس قسم کا شرک اس قوم میں بلقیس کے بعد بھی باقی رہا ہوگا۔

ف۲ برکت والی بستیاں ملک شام کی ہیں یعنی ان کے ملک سے شام تک راستے مامون تھے۔ سڑک کے کنارے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے اندازے اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا، پانی اور آرام کرنے کا موقع ملتا تھا۔ آبادیوں کے قریب ہونے اور جلد جلد نظر آنے سے مسافر کا جی نہیں گھبراتا تھا، نہ چوروں ڈاکوؤں کا خوف تھا۔ سفر کیا تھا ایک طرح کی سیر تھی۔ مصنف ارض القرآن لکھتا ہے:" سبا" کی دولت وثروت کی اساس صرف تجارت تھی۔ یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے۔ اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے۔ سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن آکر اترتی تھیں، وہاں سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی حجاز سے گزر کر شام ومصر لاتے تھے۔ قرآن مجید نے اس راستہ کو "امام مبین" (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا نام "رحلة الشتاء والصيف" رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا۔ ان تجارتی کاروانوں کی آمدورفت کے سبب یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی۔ جہاں بے خوف وخطر سفر ہو سکتا تھا" یونانی مورخ اراؤستھنس ۱۹۴ ق م بیان کرتا ہے، کہ" حضر موت" سے سبا کے ملک تک چالیس روز کا راستہ ہے اور معین سے سوداگر ستر دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں۔

ف۳ زبان حال سے کہا ہوگا اور ممکن ہے زبان قال سے کہنے لگے ہوں کہ اے اللہ! اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا۔ منزلیں دور ہوں، آس پاس آبادیاں نہ ملیں۔ بھوک پیاس ستائے، تب سفر کا مزہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" آرام میں مستی آئی لگے تکلیف مانگنے کہ جیسے اور ملکوں کی خبر سنتے ہیں سفروں میں پانی نہیں ملتا، آبادی نہیں ملتی۔ ویسا ہم کو بھی ہو۔ یہ بڑی ناشکری ہوئی۔ جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ سے اکتا کر لہسن وپیاز کی طلب کی تھی۔

ف۴ یعنی ہم نے شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے کوئی ایک طرف کوئی دوسری طرف نکل گیا۔ آبادیوں کے نام ونشان حرف غلط کی طرف مٹ گئے۔ اب ان کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں کہ لوگ سنیں اور عبرت پکڑیں۔ ان کا وہ عظیم الشان تمدن اور شان وشکوہ سب خاک میں مل گیا۔ صاحب" ارض القرآن" ان کے زوال وسقوط کی توجیہ اس طرح کرتا ہے کہ یونانیوں اور رومیوں نے مصر وشام پر قبضہ پا کر ہندوستان وافریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر وشام کے سواحل پر اترنے لگا۔ اس طریق سفر نے یمن =

مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ

صبر کرنے والے شکر گزار کو ف۱ اور سچ کر دکھلائی ان پر ابلیس نے اپنی اٹکل،

ٹھہرنے والے کو، جو حق سمجھے۔ اور سچ کر دکھائی ان پر ابلیس نے اپنی اٹکل،

فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

پھر اسی کی راہ چلے، مگر تھوڑے سے ایمان دار ف۲ اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کرلیں ہم اس کو جو

پھر اسی کی راہ چلے، مگر تھوڑے سے ایماندار۔ اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا، مگر اتنے واسطے تا معلوم کریں ہم، کون

یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۲۱﴾

یقین لاتا ہے آخرت پر جدا کر کے اس سے جو رہتا ہے آخرت کی طرف سے دھوکے میں، اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے ف۳

یقین لاتا ہے آخرت پر، الگ اس سے جو رہتا ہے اس کی طرف سے دھوکے میں۔ اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

قصہ قوم سبا

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ... الی ... وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منیبین اور شاکرین کا قصہ ذکر فرمایا جو بندے اللہ کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اب اس کے بالمقابل غیر منیبین اور غیر شاکرین کا ایک قصہ ذکر کرتے ہیں جو خدا کے ناسپاس اور ناشکرے تھے تا کہ لوگ اس سے نصیحت اور عبرت پکڑیں یعنی اہل سبا کا قصہ عبرت بیان کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ ناسپاسی اور ناشکری اور عدم انابت الی اللہ کا کیا انجام ہوتا ہے بعض مرتبہ عدم انابت کا وبال دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اہل سبا کا قصہ بھی آیات قیامت میں سے ہے کہ حق جل شانہ نے ان کو جو سرسبز و شاداب باغات عطا کئے تھے وہ نمونہ جنت و بہشت تھے کفران نعمت کی وجہ سے نمونہ دوزخ بنا دیئے گئے ناشکری اور ناسپاسی کی سزا میں اہل سبا کی جنت (باغ) کو جہنم سے بدل دیا گیا۔

= سے شام تک خاک اڑادی اور سبائی نو آبادیاں تباہ ہو کر رہ گئیں۔" مصنف موصوف نے یہ توجیہ مولر کی تحریر سے اخذ کی ہے ممکن ہے تباہی اور انتشار کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو۔ مگر اس پر حصر کر دینا صحیح نہیں۔

ف۱ یعنی ان حالات کو سن کر چاہیے عقلمند عبرت حاصل کریں جب اللہ فراخی اور عیش دے خوب شکر ادا کرتے رہیں اور تکلیف و مصیبت آئے تو صبر و تحمل اختیار کر کے اللہ سے مدد مانگیں۔

ف۲ پہلے دن ابلیس نے تخمینہ کر کے کہا تھا ﴿لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ اور ﴿ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ﴾۔

ف۳ یعنی شیطان کو یہ قدرت نہ تھی کہ لاٹھی لے کر ان کو زبردستی راہ حق سے روک دیتا۔ ہاں بہکاتا پھسلاتا ہے اور اتنی قدرت بھی اس لیے دی گئی کہ بندوں کا امتحان و ابتلاء منظور تھا۔ دیکھیں کون آخرت پر یقین کر کے خدا کو یاد رکھتا ہے اور کون دنیا میں پھنس کر انجام سے غافل ہو جاتا ہے اور بیوقوف بن کر شک یا دھوکہ میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ کی حکمت کا مقتضاء یہی یہ تھا کہ دنیا میں انسان کے لیے دونوں طرف جانے کے راستے کشادہ رکھیں۔ جیسا کہ پہلے کئی جگہ اس کی تقریر ہو چکی ہے ایسا نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کو خبر نہ ہو۔ بے خبری میں شیطان کسی بندے کو اچک لے جائے۔ خوب سمجھ لو کہ ہر چیز اللہ کی نگاہ میں ہے اور تمام احوال و شئون کی دیکھ بھال وہی ہر وقت کرتا ہے جس کو جتنی آزادی دے رکھی ہے وہ عجز و سفہ سے نہیں حکمت و مصلحت کی بناء پر ہے۔

غرض یہ کہ گزشتہ آیات میں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا حال بیان کر کے کفار کو آگاہ کر دیا کہ خدا کے نیک بندے دنیا کے طالب نہیں ہوتے بلکہ مولیٰ کے طالب ہوتے ہیں اور اس کے فرمانبردار اور شکر گزار بندے ہوتے ہیں اب آئندہ آیات میں ناشکروں کا حال بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق قوم سبا کے لئے ان کے مکانات میں خدا کے لطف وکرم کی عظیم نشانی موجود تھی ہر طرف راحت کا سامان تھا تکلیف کا نام ونشان نہ تھا یعنی ان کی بستی کے دائیں اور بائیں جانب باغوں کی دو مسلسل قطاریں تھیں کہ میلوں تک اسی طرح چلی گئی تھیں دو طرفہ متصل باغات چلے گئے تھے کہ ہر جانب کی قطار حکم میں ایک باغ کے تھی۔قرب اور اتصال کی وجہ سے ہر قطار مثل ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جنتان" کا مطلب نہیں کہ اس بستی کے یمین وشمال میں صرف دو باغ تھے۔ عراق میں بھی بہت سی ایسی بستیاں ہیں کہ جہاں صرف دو باغ نہیں بلکہ متعدد باغ ہیں صرف دو باغ کا ہونا قوم سبا کے لئے مخصوص نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس بستی کے یمین وشمال میں باغوں کی دو قطاریں متصل اور مسلسل میلوں تک اس طرح چلی گئی تھیں کہ ایک باغ دوسرے باغ سے متصل تھا اور ہر جانب کی ایک قطار بمنزلہ ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی غرض یہ کہ یہ خطہ خدا کی رحمت سے نہایت سرسبز اور شاداب تھا آب وہوا نہایت عمدہ تھی کیڑوں اور مکوڑوں اور مکھیوں اور مچھروں کا نام ونشان نہ تھا راستے پر امن تھے غرض یہ کہ راحت اور آرام کا اور ترقی اور تمدن کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور یہ تنعم اور خوشحالی سوائے قوم سبا کے اور کسی کو حاصل نہ تھی اور اس بے مثل لطف وعنایت کے بعد انبیاء اور وارثان انبیاء کی معرفت بطور تلطف ان کو یہ حکم ہوا کہ اپنے پروردگار کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو کہ اس نے بلا طلب کے اور بلا محنت اور مشقت کے تم کو کیسی کیسی نعمتیں دیں۔کیا خوب پاکیزہ شہر ہے اور کیسا رب غفور ہے جس نے تم پر رحمتیں اور نعمتیں مبذول کیں اور تمہاری کوتاہیوں پر مواخذہ نہیں کرتا اس پر ایمان لاؤ اور اس کا شکر کرو۔اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول بھیجے کہ ان کو حکم دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کا شکر کریں پس ان لوگوں نے اللہ کی توحید سے اور اس کی عبادت سے اور اس کے شکر سے اعراض کیا اور اس سے منہ موڑا اور بجائے شکر گزاری اور اطاعت شعاری کے عیش وعشرت اور بدکاری کی طرف متوجہ ہو گئے پس اس اعراض اور روگردانی کے سزا میں ہم نے ان پر عذاب بھیجا اور جو انعام ان پر کیا تھا وہ ان سے واپس لے لیا اور عرم بند کا سیلاب ان پر چھوڑ دیا۔"عرم" دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا بند تھا جہاں تمام وادیوں کا پانی روکا گیا تھا کہ دور دور تک زمین اس سے سیراب ہوتی رہے اور اس بند کے تین دروازے تھے۔اول اوپر کے دروازے سے پانی دیتے پھر دوسرے سے اور پھر تیسرے سے جیسی اور جتنی ضرورت ہوتی۔قہر خداوندی سے جب وہ بند ٹوٹا تو سیلاب سے وہ تمام باغات غارت ہو گئے جو پہلے اس پانی سے سیراب ہوتے تھے اور یہ بند ملکہ بلقیس نے بنایا تھا جس کو سد مارب کہتے تھے۔اور پھر ہم نے ان دورویہ باغوں کے بدلے میں جو عجیب وغریب فوا کہ اور ثمرات پر مشتمل تھے ان کو بطور سزا ایسے دو باغ دے دیئے جن میں کوئی خیر اور خوبی نہ تھی جو ایسے تلخ اور بدمزہ تھے کہ جن کا کھانا ممکن نہ تھا اور ان میں کچھ جھاؤ کے درخت اور کچھ بیری کے جھاڑ تھے،اور یہ تبدیلی اس کفران نعمت کی جزا تھی جس کی وجہ سے انہوں نے شکر سے منہ موڑا تھا اور ہم ناشکروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں کہ پھل دار میوے کے درخت ہٹا کر پیلو اور جھاؤ اور جھڑ بیر کے درخت پیدا کر دیئے اور ناشکری کی سزا

میں اپنی نعمت ان سے چھین لی۔ خواہ دیر میں یا سویر میں۔

اب آئندہ آیات میں اہل سبا کی کثرت نعمت اور ان کی عیش وعشرت کو بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ان پر نعمت کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور پھر وہ کس طرح ان پر بند ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے اہل سبا اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی ایسی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جو سرراہ ہونے کی وجہ سے نظر آتی تھیں قریٰ مبارکہ سے سرزمین شام کی بستیاں مراد ہیں جن کی برکت سب کو معلوم ہے جو سرراہ ہونے کی وجہ سے دکھائی دیتی تھیں اور پاس پاس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے باہم ملی ہوئی تھیں کہا جاتا ہے کہ ملک سبا سے شام تک چار ہزار سات سو دیہات آباد تھے۔

اور ہم نے ان درمیانی بستیوں میں چلنے والوں کے لئے رفتار کی ایک حد اور اس کا ایک اندازہ رکھ دیا تھا کہ صبح کے وقت ایک بستی سے چلے اور قیلولہ کے وقت دوسری بستی میں پہنچ جائے اور وہاں پہنچ کر آرام سے کھا پی سکے اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ان بستیوں میں راتوں اور دنوں میں جہاں چاہو بے خوف وخطر چلو پھرو۔ سو ان نعمتوں اور راحتوں کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اللہ کی شکرگزاری کرتے مگر ان کو اس عیش وآرام میں مستی سوجھی اور کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں دوری ڈال دے یعنی سفر کی منزلوں میں فاصلہ پیدا کردے ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچنے میں مباعدت پیدا کر دے بستیوں کے متصل ہونے سے سفر کا مزہ نہیں آتا جیسے بنی اسرائیل کو من وسلویٰ میں مستی سوجھی اور بقل اور قثاء اور فوم اور عدس کی درخواست شروع کردی ایسے ہی ان کو اس آرام میں یہ مستی سوجھی اور یہ درخواست شروع کی کہ ہمارے سفروں کو دراز کردے اور یہ درخواست کر کے انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آدمی کو جب نعمت خوب ملنے لگتی ہے تو اس سے اکتا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سب تباہ اور برباد ہوئے۔

پس ہم نے اہل سبا کو لوگوں کے لئے کہانیاں بنا دیا کہ لوگ ان کی تباہی اور بربادی کے افسانے اور قصے بیان کریں اور ان متکبرین کے ہم نے پرخچے اڑا دیئے اور ان کو پارہ پارہ کر دیا پورے طور پر پارہ پارہ کر دینا۔ عیش وعشرت کا تمام سامان ختم ہوا اور صرف زبانی افسانہ رہ گیا۔ قوم سبا کو اللہ تعالیٰ نے دو نعمتیں عطا کی تھیں ایک مکانات اور باغات کی راحت اور خوشحالی اور ایک سفر کی راحتیں کہ منزلیں قریب قریب تھیں۔ پہلی نعمت کی ناسپاسی کی وجہ سے سیل عرم نے مکانات اور باغات کو اجاڑ دیا اور دوسری نعمت کی ناسپاسی کی وجہ سے تتر بتر کر دیئے گئے اور دور دراز پھینک دیئے گئے ایک کہیں اور دوسرا کہیں۔ بیشک اس واقعہ میں ہر صبر کرنے والے کے لئے بہت سی عبرتیں ہیں کہ خدا جب چاہتا ہے تو نعمت اور راحت کو ذلت اور مصیبت سے بدل دیتا ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے اہل سبا کے کفر اور شرک اور نفس وشیطان کی پیروی کا ذکر فرمایا اب آگے شیطان کی طرف سے ان کے متعلق ایک خبر دیتے ہیں کہ شیطان نے ان کے متعلق جو گمان کیا تھا وہ سچ نکلا چنانچہ فرماتے ہیں اور تحقیق شیطان نے اپنا گمان ان کے حق میں سچ پایا۔ شیطان جب بارگاہ خداوندی سے مردود ہوا تو اس نے یہ کہا تھا کہ میں اولاد آدم کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا اور اس کا گمان یہ تھا کہ میں شہوت اور غصہ کی راہ سے انسان پر قابو پالوں گا یہ اس کا گمان تھا یقین نہ تھا آئندہ کا حال تو کوئی نہیں جان سکتا لیکن اس نے اپنے دل میں یہ گمان باندھا اور دنیا میں آنے کے

بعد اس نے اپنے اس گمان کو اولادِ آدم پر سچا پایا سو لوگوں نے اس کی پیروی کی اور اس کی راہ پر ہوئے مگر ایمان والوں کا ایک گروہ، سو وہ اس کی پیروی سے بچا رہا۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اس وقت یہ کہا۔ ﴿اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ... الی ... ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ اور یہ کہا ﴿ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ﴾ سو شیطان نے اپنے اس گمان کو سچا پایا اور جن لوگوں کے بارے میں ابلیس کا گمان پورا ہوا تو ابلیس کا ان لوگوں پر کچھ زور نہ تھا یعنی ابلیس نے ان کو کفر و شرک پر مجبور نہیں کیا تھا ان کے دل میں محض وسوسہ ڈالا تھا اور ظاہر نظر میں اس چیز کو ان کی نظر میں خوبصورت کر کے دکھلایا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیطان کو جو ہم نے وسوسہ ڈالنے کی قدرت عطا کی تو اس سے مقصود بندوں کا امتحان اور آزمائش ہے ہم نے حق کو براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے خوب روشن کر دیا اور بندہ کو عمل صالح کرنے کی پوری قوت اور قدرت عطا کی۔ لیکن شیطان کو صرف وسوسہ ڈالنے کی قدرت عطا کی تا کہ بندوں کا امتحان کریں اور آخرت پر ایمان لانے والوں کو ایسے لوگوں سے جدا اور ممتاز کر دیں جو آخرت کی طرف سے شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ کون آخرت پر ایمان لائے گا اور کون اس کا انکار کرے گا لیکن دنیا کو اس کا علم نہ تھا اللہ نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قدرت دی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کون مومن ہے اور کون کافر ہے اور تیرا پروردگار ہر چیز کا نگہبان ہے وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی

تو کہہ پکارو ان کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے ف۱ وہ مالک نہیں ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور نہ

تو کہہ، پکارو ان کو جن کو دعویٰ کرتے ہو، سوا اللہ کے۔ وہ نہیں مالک ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں نہ

الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿۲۲﴾ وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ ساجھا اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار اور کام نہیں آتی سفارش

زمین میں، اور نہ ان کا ان دونوں میں ساجھا، اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار۔ اور کام نہیں آتی سفارش

عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا

اس کے پاس مگر اس کو کہ جس کے واسطے حکم کر دے ف۲ یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جائے ان کے دل سے کہیں کیا فرمایا تمہارے رب نے وہ کہیں

اس کے پاس مگر اس کو جس کے واسطے حکم دیا۔ یہاں تک کہ جب گھبراہٹ اٹھائی جائے ان کے دل سے، کہیں، کیا فرمایا تمہارے رب نے؟ وہ کہیں،

ف۱ یہاں سے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جن کی تنبیہ کے لیے "سبا" کا قصہ سنایا تھا۔ یعنی اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی کا گمان ہے ذرا کسی آڑے وقت میں ان کو پکار دو تو سہی دیکھیں وہ کیا کام کرتے ہیں۔

ف۲ یعنی یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان و زمین میں نہ ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہے (بلکہ بتوں کو تو غیر مستقل بھی نہیں) نہ آسمان و زمین میں ان کی کچھ شرکت نہ خدا کو کسی کام میں مدد کی ضرورت، جو یہ اس کے معین و مددگار بن کر ہی کچھ حقوق جتلاتے۔ اس کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ بدون اذن و رضا کے کسی کی نسبت ایک حرف سفارش ہی زبان سے نکال سکیں۔ انبیاء و اولیاء اور ملائکۃ اللہ کی شفاعت بھی صرف انہی کے حق میں =

الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللّٰهُ ۙ

فرمایا جو واجبی ہے اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا ف۱ تو کہہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے بتلا دے کہ اللہ ف۲

جو واجبی ہے۔ اور وہ جو سب سے اوپر بڑا۔ تو کہہ، کون روزی دیتا ہے تم کو آسمانوں سے اور زمین سے؟ بتا کہ اللہ!

وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُبِينٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ لَا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ

اور یا ہم یا تم بیشک ہدایت پر ہیں یا پڑے ہیں گمراہی میں صریح ف۳ تو کہہ تم سے پوچھ نہ ہوگی اس کی جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے پوچھ نہ ہوگی

اور یا ہم یا تم بیشک سوجھ پر ہیں، یا پڑے ہیں بہکاوے میں صریح۔ تو کہہ، تم سے نہ پوچھیں گے جو ہم نے گناہ کیا، اور ہم سے نہ پوچھیں گے

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ

اس کی جو تم کرتے ہو تو کہہ جمع کرے گا ہم سب کو رب ہمارا پھر فیصلہ کرے گا ہم میں انصاف کا اور وہی ہے قصہ چکانے والا

جو تم کرتے ہو۔ تو کہہ، جمع کریگا ہم سب کو رب ہمارا، پھر فیصلہ کریگا ہم میں انصاف کا۔ اور وہی ہے نیاؤ چکانے والا

الْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ ۖ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾

سب کچھ جاننے والا ف۴ تو کہہ مجھ کو دکھلاؤ تو سہی جن کو اس سے ملاتے ہو ساجھی قرار دیکر ف۵ کوئی نہیں وہی اللہ ہے زبردست حکمتوں والا ف۶

سب جانتا۔ تو کہہ، مجھ کو دکھاؤ تو، جن کو اس سے ملاتے ہو ساجھی ٹھہرا کر۔ کوئی نہیں! وہی ہے اللہ زبردست حکمتوں والا۔

= نافع ہوگی جن کے لیے ادھر سے سفارش کا حکم مل جائے۔

ف۱ یہ فرشتوں کا حال فرمایا جو ہمہ وقت اس بارگاہ کے حاضر باش ہیں۔ جب اوپر سے اللہ کا حکم اترتا ہے ایسی آواز آتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جائے۔ (شاید اتصال و بساطت کو قریب الی الفہم کرنے کے لیے یہ تشبیہ دی گئی) فرشتے دہشت اور خوف و رعب سے تھرا جاتے ہیں اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ جب یہ حالت رفع ہو کر دل کو تسکین ہوئی اور کلام اتر چکا۔ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا۔ اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ بتاتے ہیں جو اللہ کی حکمت کے موافق ہے اور آگے سے قاعدہ معلوم ہے وہ ہی حکم ہوا۔ ظاہر ہے وہاں معقول اور واجبی بات کے سوا کیا چیز ہو سکتی ہے۔ پس جس کے علو و عظمت کی یہ کیفیت ہو کہ حکم دے تو مقربین کا مارے ہیبت و جلال کے یہ حال ہو جائے وہاں کس کی ہمت ہے کہ از خود سعی و سفارش کے لیے کھڑا ہو جائے۔

(تنبیہ) آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں جن کی نسبت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " وجميع ذلك مخالف لهذا الحديث الصحيح (الذي في البخاري) ولاحاديث كثيرة تؤيده (فتح الباری صفحہ: ۱۳/۳۸۱)

ف۲ یعنی آسمان و زمین سے روزی کے سامان بہم پہنچانا صرف اللہ کے قبضہ میں ہے اس کا اقرار مشرکین بھی کرتے تھے لہٰذا آپ بتلا دیں کہ یہ تم کو بھی مسلم ہے پھر الوہیت میں دوسرے شریک کہاں سے ہو گئے۔

ف۳ یعنی دونوں فرقے تو یچ نہیں کہتے (ورنہ اجتماع نقیضین لازم آ جائے) یقیناً دونوں میں ایک سچا اور ایک جھوٹا ہے تو لازم ہے کہ سوچو اور غور کر کے سچی بات قبول کرو۔ اس میں ان کا جواب ہے جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میاں! دونوں فرقے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں کیا ضروری ہے جھگڑنا۔ تو بتلا دیا کہ ایک یقیناً خطا کار اور گمراہ ہے۔ باقی تعیین نہ کرنے میں حکیمانہ حسن خطاب ہے یعنی لو ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بہرحال ایک تو یقیناً غلطی پر ہوگا۔ اب اوپر کے دلائل سن کر تم ہی خود فیصلہ کر لو کہ کون غلطی پر ہے۔ گویا مخالف کو نرمی سے بات کر کے اپنے نفس میں غور کرنے کا موقع دیا جاتا ہے

ف۴ یعنی ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے۔ کوئی شخص دوسرے کے قصور اور غلطی کا جواب دہ نہ ہوگا اگر اتنی صاف باتیں سننے کے بعد بھی تم اپنی حالت میں غور کرنے کے لیے تیار نہیں تو یاد رکھو ہم حجت تمام کر چکے۔ اور کلمہ حق پہنچا چکے۔ اب تم اپنے اعمال کے خود جواب دہ ہو گے ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ نہ ایسی حالت میں ہمارا تمہارا کوئی واسطہ۔ خدا کے یہاں حاضر ہونے کے لیے ہر ایک اپنی اپنی فکر کر رکھے۔ وہ سب کو اکٹھا کر کے ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دے گا۔

ف۵ یعنی ذرا سامنے تو کرو کون سی ہستی ہے جو اس کی خدائی میں ساجھا رکھتی ہے؟ ہم بھی تو دیکھیں کہ اس کے کیا کچھ اختیارات ہیں۔ کیا ان پتھر کی بے جان اور خود =

اثبات توحید وتوبیخ وتجہیل مشرکین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ... الی... بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

ربط:......شروع سورت میں تحمید اور دلائل توحید کا ذکر فرمایا اور پھر داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر اپنے انعامات کا اور ان کی شکر گزاری کا ذکر کیا اور بعد ازاں اہل سبا کا قصہ ذکر کیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو بڑی نعمتیں عطا کی تھیں مگر کفر اور شرک اور کفران نعمت کی وجہ سے ان کی عزت و راحت مبدل بہ ذلت و مصیبت ہوگئی۔ پس جب شاکرین اور کافرین کا حال بیان ہو چکا تو اب ان آیات میں مشرکین کی توبیخ اور تجہیل فرماتے ہیں کہ کیسے نادان ہیں کہ جن بتوں میں ذرہ برابر قدرت نہیں ان کو خدا اور معبود اور منعم حقیقی کا شریک بنائے ہوئے ہیں۔ (شیخ زادہ: ۴/۸۹)

غرض یہ کہ اس سے پہلے جو قوم سبا کا قصہ ذکر فرمایا اس سے مقصود مشرکین کی تنبیہ تھی اب آگے پھر مشرکین کو خطاب فرماتے ہیں کہ آڑے وقت میں سوائے خدا کے کوئی کام نہیں آتا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان مشرکین سے جن کی عبرت اور نصیحت کے لئے قوم سبا کا قصہ بیان کیا گیا یہ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود گمان کئے ہوئے ہو اپنی کسی حاجت کے لئے ذرا ان کو پکارو تو سہی اور دیکھو کہ یہ کسی بات کا جواب بھی دے سکتے ہیں اور تمہارے کام آسکتے ہیں یا نہیں قوم سبا کے لوگ کافر اور مشرک تھے خدا کے قہر سے ان کو ان کا کوئی معبود نہ بچا سکا جن کو تم معبود گمان کرتے ہو یہ ذرہ برابر بھی آسمان اور زمین میں کسی چیز کے مالک نہیں اور جو چیزیں آسمان و زمین سے باہر ہیں ان کی ملکیت کا تو تصور بھی نہیں ہو سکتا پس جب کسی چیز کی ملکیت ہی نہیں رکھتے تو الوہیت کہاں سے رکھیں گے اور نہ ان میں سے زمین و آسمان کی تخلیق و تدبیر میں کوئی خدا تعالیٰ کا شریک ہے کہ اس کی بھی زمین و آسمان کی تخلیق میں کوئی شرکت ہو اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا معین اور مددگار ہے تو ایسے خیالی اور فرضی معبود تمہارے کیا کام آسکتے ہیں۔ لہٰذا اس کو معبود بنانا اور حاجت روائی کے لئے ان کو پکارنا "ایں خیال است و محال است و جنوں"۔ کا مصداق ہے اور اگر ان مشرکین کا یہ گمان ہے کہ اگرچہ ہمارے معبود کسی چیز کے مالک نہ ہوں مگر عند اللہ یہ ہمارے شفعاء ہیں یعنی سفارشی ہیں ان کی سفارش ہم کو نفع پہنچا سکتی ہے تو مشرکین کا یہ گمان بھی غلط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کے لئے شفاعت اور سفارش اور درخواست کی اجازت نہیں مگر جس کے لئے خدا تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دیں۔ بغیر اس کی اجازت کے وہاں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں وہاں تو کسی کو سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ مستقل خود مختار ہونے کا تو تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

غرض یہ کہ مشرکین جن کو ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ کہتے ہیں وہ بذات خود ان کے کام نہیں آسکتے اور نہ بزور خدا سے کہہ کر ان کا کوئی کام کرا سکتے ہیں قیامت کے روز تمام اہل محشر مضطرب اور پریشان یعنی خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے ہوں گے کہ دیکھئے کیا حکم ہوتا ہے شفاعت کی اجازت ہوتی ہے یا نہیں اسی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں حکم کے منتظر ہوں

= تراشیدہ مورتوں کو پیش کرو گے۔

ف ۶ یعنی ہرگز تم ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتے۔ وہ تو اکیلا ایک ہی خدا ہے جو زبردست، غالب و قاہر اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و دانائی رکھنے والا ہے۔ سب اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔

گے کہ دیکھئے بارگاہ رب العزت سے کیا حکم ہوتا ہے اور اسی انتظار میں رہیں گے۔

یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے اضطراب اور پریشانی دور کر دی جائے گی اور ان کو شفاعت کی اجازت دے دیں گے اور وہ اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے تو باہم ایک دوسرے سے کہیں گے کہ شفاعت کے بارہ میں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا اور کیا حکم دیا تو ملا اعلیٰ کے فرشتے جواب میں کہیں گے کہ اللہ نے نہایت حق اور درست حکم دیا ہے جو شفاعت کے مستحق ہیں ان کے لئے شفاعت کی اجازت دی ہے یعنی صرف اہل ایمان کے لئے شفاعت کی اجازت ہوئی ہے جن کے دل کفر اور شرک سے پاک ہیں۔ کافروں کے لئے شفاعت کی اجازت نہیں ہوئی یہ حکم ہوا ہے کہ مومنوں کی شفاعت کرو نہ کہ کافروں کی۔ اس لئے ہم کفار اور مشرکین کی شفاعت نہیں کر سکتے کافروں کے لئے شفاعت ممنوع اور بے کار ہے بتوں کو تو کچھ اختیار ہی نہیں اور فرشتے جن کی مورتیں بنا کر یہ ان کو پوجتے ہیں وہ فرشتے بھی بغیر خدا کی اجازت کے کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فرشتوں کی شفاعت سے بھی ان کو فائدہ نہ ہوگا اور وہی ہے سب سے بلند اور برتر اس دن کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی یہ مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے اس کی بارگاہ عالی میں لب کشائی کر سکے اور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے اس کی عظمت اور ہیبت کی کوئی انتہا نہیں وہ جو چاہے اپنے بندوں میں حکم جاری کرے۔

قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کو شفاعت کبریٰ کی اجازت ہوگی اس کے بعد انبیاء اور صلحاء اور ملائکہ کو مختلف قسم کی شفاعت کی اجازت ہوگی جو بھی شفاعت ہوگی وہ خدا کی اجازت سے ہوگی بالآخر گنہگار مسلمانوں کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی اور جس کے دل میں کچھ بھی ایمان ہوگا وہ انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جو کفر و شرک میں مبتلا رہے ان کے لئے اجازت نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ بتوں میں تو شفاعت کی صلاحیت ہی نہیں۔ رہے فرشتے سو وہ بغیر اذن خداوندی کے شفاعت نہیں کر سکتے۔

فائدہ:...... اس رکوع میں سات قل مذکور ہیں اور اس کے بعد آخر سورت میں پانچ قل مذکور ہیں گویا کہ یہ سورت قلبہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فتح الرحمن میں لکھتے ہیں۔ "وسود نکند درخواست نزدیک اللہ تعالیٰ مگر برائے کسی کہ دستوری دادہ باشد برائے او اہل محشر مضطرب شوند تا آنگاہ کہ اضطراب دور کردہ آید از دل ایشاں گویند چہ فرمودہ است پروردگار شما ملا اعلیٰ گویند کہ فرمودہ است سخن راست (یعنی اذن شفاعت داد) اوست بلند مرتبہ بزرگ قدر" انتہٰی۔

اور شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ "سود نکند درخواست نزدیک اللہ تعالیٰ مگر برائے کسی کہ دستوری دادہ باشد برائے او۔ اہل محشر مضطرب شوند تا آنگاہ کہ اضطراب دور کردہ آید از دل ایشاں گوبند چہ چیز فرمودہ است پروردگار شما ملا اعلیٰ گویند فرمودہ است سخن راست یعنی اذن شفاعت داد و اوست بلند مرتبہ بزرگ قدر" انتہی الکلام۔

حاصل کلام یہ کہ اس آیت میں قیامت کے دن کے ایک واقعہ کا ذکر ہے اور ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ﴾ کی ضمیر اہل محشر کی طرف راجع ہے جیسا کہ سورۃ نباء کی یہ آیت ﴿يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ صَفًّا ۛؕ لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَـهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن پیش آئے گا اور اس آیت میں تقدیر کلام

اس طرح ہے۔ لا تنفع الشفاعة عنده يوم القيمة الا لمن اذن له ففزع ما ورد على القلوب من المهابة اذا ذهب الفزع عن قلوبهم سال بعضهم بعضا۔ دیکھو صاوی حاشیہ جلالین: ۳/ ۲۹۹۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں جس حکم کا ذکر ہے وہ آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیا سے بھی متعلق ہے جیسا کہ احادیث کثیرہ سے معلوم اور مفہوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کے مقام عظمت و رفعت کو بیان کرنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے اور ان سے کلام کرتا ہے تو فرشتے اللہ کا کلام سن کر ہیبت کے مارے تھرا اٹھتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں اور ان پر ایک غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے پھر جب وہ گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو بعض بعض سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا تو حاملان عرش اور ملاء اعلیٰ کے فرشتے اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو خبر دیتے ہیں کہ اللہ نے جو حکم دیا ہے وہ حق اور بجا اور درست ہے اور ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ﴾ کی ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہے اور فزع سے اس خوف اور ہیبت کا دور ہونا مراد ہے کہ جو فرشتوں کو کلام الٰہی اور حکم خداوندی کے سننے کے وقت لاحق ہوتی ہے۔

دیکھو حاشیہ ❶ صاوی علی تفسیر الجلالین: ۳/ ۲۹۹ و حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۴/ ۸۸۔

پس جب ملائکہ مقربین کی یہ حالت ہے تو مشرکین بتوں سے کیا امید رکھتے ہیں اور آیت کی یہ دوسری تفسیر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مسروق رحمہ اللہ سے منقول ہے اور اسی کو ابن جریر رضی اللہ عنہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ اور حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری: ۱۳/ ۳۸۱، کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ﴾ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور آیت کی تفسیر میں راجح قول بھی یہی ہے اور قلوبھم کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہے اور فزع سے اس خوف اور دہشت اور گھبراہٹ کا دور ہونا مراد ہے جو فرشتوں پر کلام الٰہی کے سماع کے وقت طاری ہوتی ہے اور باقی اقوال جو آیت کی تفسیر میں وارد ہوتے ہیں وہ ان احادیث صحیحہ مذکور کے خلاف ہیں۔

❶ قال الصاوی اختلف (المذكور فى الاية) هل هذا الامر فى الاخرة او الدنيا فقيل فى الاخرة ويؤيده ما فى سورة النباء۔ ﴿يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚ لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ﴾ وقال صوابا وعلى هذا فيكون فى الكلام حذف والتقدير لا تنفع الشفاعة عنده يوم القيامة الا لمن اذن له ففزع ما ورد على القلوب من المهابة حتى اذا ذهب الفزع عن قلوبهم سال بعضهم بعض وقيل فى الدنيا ويؤيده ما ورد عن النبى صلى الله عليه وسلم ان الله تعالىٰ اذا اراد ان يوحى يامر وتكلم بالوحى اخذت السموت والارض منه رجفة او رعدة شديدة خوفا من الله تعالىٰ فاذا سمع اهل السموت ذلك صعقوا وخروا لله سجدا فيكون اول من يرفع راسه جبريل فيكلمه الله تعالىٰ ويقول له من وجيه ما اراد ثم يمر جبريل بالملائكة كلما بسماء ساله ملائكتها ما ذا قال ربنا يا جبريل فيقول جبريل قال الحق وهو العلى الكبير قال فيقول كلهم كما قال جبريل فينتهى جبريل بالوحى حيث امره الله تعالىٰ الى اخر ما قال كذا فى حاشيه الصاوى على تفسير الجلالين: ۳/ ۲۹۹ وهكذا قال ابن الشيخ فى حاشيته على تفسير حيث۔ وقيل انما يرحون من غشية تصيبهم عند سماع كلام الله تعالىٰ لما روى ابو هريرة عنه عليه السلام انه قال اذا قضى الله الامر فى السماء ضربت الملائكة باجنح تها هسا لقوله كانه سلسلة على صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ما ذا قال ربكم قالوا الحق ثم ذكر ابن الشيخ الحديث الذى ذكره الصاوى) (حاشيه شيخزاده على تفسير البيضاوى: ۴/ ۹۰)۔

لیکن اس ناچیز اور ہیچ مداں کے نزدیک سب سے زیادہ راجح قول اول ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا کہ یہ آیت واقعہ آخرت سے متعلق ہے اس لئے کہ آیت کے سیاق وسباق کے زیادہ مناسب یہی ہے کہ اس کو آخرت وقیامت کا واقعہ قرار دیا جائے کیونکہ اس آیت کا تمام سیاق وسباق مشرکین کے اس قول کی تکذیب وتردید میں ہے جو یہ کہتے تھے۔ قالوا ﴿هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾

اور اس کے جواب میں حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ دوسری آیتوں سے ملتا جلتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ وقال تعالیٰ ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـــًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى﴾ وقال تعالیٰ ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾۔

آیت میں اصل مقصود آخرت کا واقعہ بیان کرنا ہے لیکن آیت اپنے ظاہری الفاظ اور ظاہری مدلول کے اعتبار سے عام ہے دنیا اور آخرت دونوں کی متحمل ہے دونوں معنی کی اس میں گنجائش ہے۔ پس جن احادیث میں وحی کے وقت فرشتوں کا ہیبت زدہ ہونا مذکور ہے وہ اس عموم کا ایک فرد ہے اس کے منافی اور مخالف نہیں۔ دیکھو حاشیہ [1] صاوی علی تفسیر الجلالین: ۳/۲۹۹ وتفسیر مظہری: ۸/۲۶۔

نکتہ:...... ملائکہ مقربین، سوال کرنے والے فرشتوں کے جواب میں اجمالاً اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہ حق اور درست ہے اور اس کی تفصیل اور تصریح نہیں کرتے وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی غرض اور ان کا مقصود اس جواب سے ان کے خوف اور گھبراہٹ کو دور کرنا ہے کہ تم گھبراؤ مت۔ اس لئے ملائکہ مقربین اس اجمال پر اکتفا کرتے ہیں اور حکم کی تفصیل نہیں بتلاتے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ گزشتہ آیات میں مشرکین سے بطور تبکیت وتوبیخ ایک سوال کا حکم تھا اب آئندہ آیات میں مشرکین سے ایک دوسری توبیخ وتبکیت کے سوال کا حکم ہے۔ ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ﴾ الی ﴿بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان سے سوال کیجئے۔ اچھا بتلاؤ کہ تم کو روزی کون دیتا ہے آسمانوں سے کون تمہارے لئے مینہ برساتا ہے اور زمین سے کون تمہارے لئے سبزہ اگاتا ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی روزی دیتا ہے۔ روزی کے جس قدر آسمانی یا زمینی اسباب ہیں وہ سب اسی کے ہاتھ میں ہیں اس سوال کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں اگرچہ کافر الزام کے ڈر سے زبان سے اس کا اقرار نہ کریں اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اس مسئلہ توحید میں تحقیق ہم یا تم میں سے ایک فریق یا تو

---

[1] علامہ صاوی رحمہ اللہ نے حاشیہ جلالین میں اول دو قول نقل کیے ہیں (جن کا ذکر کر چکے ہیں) پھر اخیر میں فرماتے ہیں فتحصل ان الفزع علی القول بانہ فی الاخرۃ یکون من جمیع الخلق وعلی القول بانہ فی الدنیا والاخرۃ فرد اللہ علیھم بھذہ الایۃ الشامنۃ للامرین فتدبر۔ انتھی کلامہ: ۳/۲۹۹ اور علی ہذا، قاضی ثناء اللہ نے اپنی تفسیر میں قول اول کو اختیار فرمایا اور اس کو ذکر کر کے دوسرے قول کو اس عنوان سے ذکر کیا۔ قلت وکذلک یاخذھم الخشیۃ کلما قضی اللہ امرا کما روی البخاری اذا قضی اللہ الامر فی السماء ضربت الملائکۃ باجنحھا تھا اسی عموم کی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا احادیث کو نقل کر کے آخر میں یہ فرمانا ولاشک ان ھذا ولی ما دخل فی ھذہ الایۃ: ۳/۵۳۷ بھی اسی عموم کی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے۔

صریح ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں یہ تو ممکن نہیں کہ دونوں حق پر ہوں۔ اہل توحید اور اہل شرک دونوں حق پر ہوں یا دونوں غلطی پر ہوں۔ لامحالہ ایک حق پر ہوگا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور دوسرا باطل پر ہوگا اور وہ گمراہ ہوگا اور دلائل سے توحید کا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

لہٰذا اب آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ جب شرک کا باطل ہونا اور مشرک کا مجرم ہونا ثابت ہو گیا تو سن لو کہ قیامت کے دن تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس نہ ہوگی۔ ہر ایک اپنے اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ اور کہہ دیجئے کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے اور تمہارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور وہی ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور اس کے فیصلہ میں غلطی کا امکان نہیں۔ یہاں تک مشرکین کے شبہات کے جوابات سے فراغت ہوئی۔ اب بطور زجر و توبیخ فرماتے ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان مشرکین سے کہئے کہ اچھا جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ذرا مجھے یہ بھی تو دکھاؤ کہ وہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں۔ ہرگز کوئی خدا کا شریک نہیں بلکہ وہ معبود برحق صرف ایک اللہ ہے جو غالب ہے اور حکمت والا ہے جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور اس کے احکام کی حکمت کی کوئی حد نہیں اور عزیز وحکیم کا شریک بنانا تمہاری صریح غلطی اور سینہ زوری ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے ف۱

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا، سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو، لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۹﴾ قُلۡ لَّكُمۡ مِّيۡعَادُ يَوۡمٍ لَّا

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ف۲ تو کہہ تمہارے لئے وعدہ ہے ایک دن کا نہ

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ ؟ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ، تم کو وعدہ ہے ایک دن کا، نہ

تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡهُ سَاعَةً وَّلَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ بِهٰذَا ع

دیر کرو گے اس سے ایک گھڑی نہ جلدی ف۳ اور کہنے لگے منکر ہم ہرگز نہ مانیں گے اس

دیر کرو گے اس سے ایک گھڑی، نہ شتابی۔ اور کہنے لگے منکر، ہم ہرگز نہ مانیں گے یہ

ف۱ یہ توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر کر دیا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض یہی ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو ان کے نیک و بد سے آگاہ کر دیں سو کر دیا۔ جو نہیں سمجھتے وہ جانیں۔ سمجھدار آدمی تو اپنے نفع نقصان کو سوچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ضرور مانیں گے۔ ہاں دنیا میں کثرت جاہلوں اور نا سمجھوں کی ہے۔ ان کے دماغوں میں کہاں گنجائش ہے کہ کارآمد باتوں کی قدر کریں۔

ف۲ یعنی جس گھڑی سے ڈراتے ہو وہ کب آئے گی۔ اگر سچے ہو تو جلدی لا کر دکھلا دو۔

ف۳ یعنی گھبراؤ نہیں۔ جس دن کا وعدہ ہے ضرور آ کر رہے گا۔ جب آئے گا تو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی۔ جلدی مچانے کے بجائے اس کی ضرورت ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کچھ تیاری کر رکھو۔

الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ یَرْجِعُ

قرآن کو اور نہ اس سے اگلے کو ف۱ اور کبھی تو دیکھے جب کہ گناہگار کھڑے کئے جائیں اپنے رب کے پاس ایک دوسرے

قرآن، اور نہ اس سے اگلا۔ اور کبھی تو دیکھے، جب گنہگار کھڑے کئے گئے ہیں اپنے رب کے پاس، ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ

پر ڈالتا ہے بات کو ف۲ کہتے ہیں وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے بڑائی کرنے والوں کو اگر تم نہ ہوتے تو ہم

پر ڈالتا ہے بات۔ کہتے ہیں جن کو کمزور سمجھا تھا، بڑائی کرنے والوں کو، اگر تم نہ ہوتے تو ہم

لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ

ایمان دار ہوتے ف۳ کہنے لگے بڑائی کرنے والے ان سے جو کہ کمزور گنے گئے تھے کیا ہم نے روکا تم کو

ایماندار ہوتے۔ کہنے لگے بڑائی کرنے والے کمزور گنے گاؤں کو، کیا ہم نے روک رکھا تھا تم کو

الْهُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ

حق بات سے تمہارے پاس پہنچ چکنے کے بعد کوئی نہیں تم ہی تھے گناہگار ف۴ اور کہنے لگے وہ لوگ جو کمزور گنے گئے تھے

سوجھ کی بات سے؟ تمہارے پاس پہنچے پیچھے، کوئی نہیں! تم ہی تھے گنہگار۔ اور کہنے لگے کمزور گنے گئے،

اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ

بڑائی کرنے والوں کو کوئی نہیں پر فریب سے رات دن کے جب تم ہم کو حکم کیا کرتے کہ ہم نہ مانیں اللہ کو اور ٹھہرائیں اس کے ساتھ برابر کے

بڑائی کرنے والوں کو، کوئی نہیں! پر فریب سے رات دن کے، جب تم ہم کو حکم کرتے، کہ ہم نہ مانیں اللہ کو اور ٹھہرائیں اس کے ساتھ برابر کے۔

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ

ساجھی ف۵ اور چھپے چھپے پچھتانے لگے جب دیکھ لیا عذاب ف۶ اور ہم نے ڈالے ہیں طوق گردنوں میں منکروں کے ف۷ وہی

اور چھپے چھپے پچھتانے لگے، جب دیکھا عذاب۔ اور ہم نے ڈالے ہیں طوق گردنوں میں منکروں کے۔ وہی

ف۱ یعنی ہم نہ قرآن کو مانیں نہ اگلی کتابوں کو جنہیں تم آسمانی کتابیں بتلاتے ہو۔ مثلاً تورات وانجیل وغیرہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں جہاں دیکھو وہی حساب کتاب اور قیامت کا مضمون ہے۔ سو ان چیزوں کو ہم ہرگز تسلیم کرنے والے نہیں۔

ف۲ یعنی جیسے ناکامیابی کے وقت ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو ناکامیابی کا سبب گردانتا ہے۔ محشر میں بھی کفار ایک دوسرے کو مورد الزام بنائیں گے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ف۳ دنیا میں جو لوگ نیچے کے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے بڑے سرداروں کو الزام دیں گے کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسوایا۔ تمہاری روک نہ ہوتی تو ہم ضرور پیغمبروں کی بات مان لیتے اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

ف۴ یعنی جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی اور سمجھ میں آ گئی تھی کیوں قبول نہ کی کیا ہم نے زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان ویقین سے روک دیا تھا چاہیے تھا کہ کسی کی پروا نہ کر کے حق کو قبول کر لیتے۔ اب اپنا جرم دوسروں کے سر کیوں رکھتے ہو؟

ف۵ یعنی بیشک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا۔ مگر رات دن مکر وفریب اور مغویانہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہتے تھے۔ جب ملے یہ تلقین کی کہ ہم پیغمبروں =

يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

بدلہ پاتے ہیں جو عمل کرتے تھے ف۱

بدلہ پاتے ہیں، جو کرتے تھے۔

اثبات رسالت محمدیہ وعموم بعثت واثبات قیامت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ... الی ... هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

ربط: ...... اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی رازقیت کا ذکر تھا اب آگے رسالت محمدیہ کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت فقط عرب کے لئے مخصوص نہیں بلکہ آپ ﷺ کی بعثت تمام عالم کے لئے ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کی طرح کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ بعثت سے مقصود ہی توحید اور تذکیر آخرت ہے اس لئے آئندہ آیات میں منکرین وحدانیت اور منکرین رسالت اور منکرین قیامت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۴/ ۹۲) آئندہ آیات میں اول رسالت عامہ کا اعلان فرمایا اور پھر منکرین قیامت کا رد فرمایا۔

نیز گزشتہ آیات میں رزق حسی کا ذکر تھا اور ان آیات میں رزق معنوی کا ذکر ہے اس لئے کہ جو ہدایت نبی کے واسطے سے لوگوں کو پہنچی وہ اللہ کا رزق معنوی ہے اور ان کی روحانی اور ابدی حیات کا سامان ہے گزشتہ کتابوں میں تحریف ہوگئی مگر یہ قرآن ابدی حیات کا سامان ہے قیامت تک اسی شان کے ساتھ محفوظ رہے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ ہم عزیز اور حکیم ہیں ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہم نے آپ ﷺ کو تمام آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے نہ کہ کسی خاص قوم اور خاص حصہ ملک کی طرف۔ جب کہ آپ ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو خاص خاص قوموں اور خاص خاص مقامات کی طرف بھیجا گیا اور یہ فضیلت خاص آنحضرت ﷺ کی ہے کہ آپ ﷺ تمام جن اور انس اور عرب اور عجم سب کی طرف مبعوث ہوئے۔ ف

ترا دادند منشور سعادت   وزاں پس نوع انساں آفریدند
پری راجملہ درخیل تو کردند   پس آنگاہے سلیماں آفریدند

ایمان لانے پر ہماری رضا اور ثواب کی خوشخبری دینے والا اور ایمان نہ لانے پر ہمارے غضب اور قہر سے ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ جانتے اور سمجھتے نہیں جانوروں کی طرح بے عقل ہیں ثواب اور عقاب کو نہیں سمجھتے اور جہالت کی حالت یہ

= کے ارشاد کے موافق خدا کو ایک نہ مانیں۔ بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں۔ آخر تمہاری شب و روز کی ترغیب و ترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا۔

ف۸ یعنی جس وقت ہولناک عذاب سامنے آئے گا تابعین اور متبوعین دونوں اپنے اپنے دل میں پچھتائیں گے۔ ہر ایک محسوس کرے گا کہ واقعی میں مجرم اور قصوروار ہوں لیکن شرم کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں گے اور شدید اضطراب وخوف سے شاید بولنے کی قدرت بھی نہ ہو۔

ف۹ گردنوں میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوں گی۔

ف۱ یعنی جو عمل کیے تھے آج وہ اس سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں جیسا کرنا ویسا بھرنا۔

ہے کہ یہ لوگ جب آپ ﷺ سے ثواب اور عقاب اور قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو بطور تمسخر آپ ﷺ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ ثواب اور عذاب یا قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا ہمیں اس کا وقت بتلاؤ اگر تم سچے ہو آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تم سے ایک خاص دن کا پختہ وعدہ ہے جس کو اللہ نے کسی حکمت سے پوشیدہ رکھا ہے مگر اس کے علم میں معین ہے اس دن سے تم نہ ایک گھڑی پیچھے رہو گے اور نہ آگے بڑھو گے۔ ایک لحہ کی اس میں تقدیم و تاخیر نہ ہوگی۔ جمہور علماء کے نزدیک اس سے یوم قیامت مراد ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ موت کا وقت مراد ہے اللہ نے نہ کسی کو کسی کی موت کا وقت بتلایا اور نہ قیامت کا وقت بتلایا۔ اللہ نے کسی حکمت سے قیامت اور موت کے وقت کو پوشیدہ رکھا ہے خوب سمجھ لو کہ قیامت کا انکار اور حساب و کتاب سے بے فکری یہی کفر کی جڑ ہے۔

اب آئندہ آیات میں کفار کے عناد کو بیان کرتے ہیں کہ ان کو قیامت کے انکار پر کس درجہ اصرار ہے چنانچہ فرماتے ہیں جو لوگ کافر بنے ہیں جب وہ اس قسم کی آیتیں ﴿قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ سنتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے جو آخرت اور قیامت کی باتیں بیان کرتا ہے اور نہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو قرآن سے پہلے موجود ہے جن میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے کافروں کی یہ ساری زور ازوری اور شوراشوری دنیا ہی میں ہے وہاں جا کر یہ سب باتیں ختم ہو جائیں گی۔ اور کاش آپ ﷺ اس وقت کی حالت کو دیکھتے کہ جب یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے تو اس وقت ان پر ایک سخت خوف کی کیفیت طاری ہوگی کہ آپس میں سوال و جواب کریں گے اور ایک دوسرے پر بات ڈالے گا جب کام بگڑ جاتا ہے تو ایک دوسرے پر الزام رکھتا ہے اس وقت کمزور متکبرین سے کہیں گے کہ تم ہماری بربادی اور تباہی کا سبب بنے اگر تم منحوس نہ ہوتے تو ہم مسلمان ہو جاتے اور متکبرین یعنی کفر کے سردار کمزوروں سے جو ان کے پیرو بنے ہوئے تھے جواب میں یہ کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو زبردستی ہدایت سے روکا تھا جب کہ ہدایت تمہارے پاس پہنچ گئی تھی اور حق تم پر واضح ہو گیا تھا ہرگز نہیں بلکہ تم خود ہی مجرم بنے اپنے اختیار سے تم نے حق کو ٹھکرایا ہم نے تم کو مجبور نہیں کیا بلکہ ظاہر میں بہکایا اور پھسلایا تھا اپنے خود کردہ کا الزام ہمارے سر کیوں لگاتے ہو اور اس کے جواب میں کمزور اپنے سرکشوں سے یہ کہیں گے بیشک تم نے ہم کو مجبور نہیں کیا بلکہ دن رات کی تمہاری مکاریوں اور چالاکیوں نے ہم کو ہدایت سے باز رکھا کہ تم دن رات ہم کو یہی حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو نہ مانیں اور اس کے لئے شریک اور ہمسر ٹھہرائیں اور دن رات تم ہم سے یہی کہتے تھے کہ یہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ مر کر خاک ہو جائیں گے نہ ثواب اور نہ عذاب جو کچھ کرنا ہے اس کے لئے کر لو آخرت کا نام نہ لو اور دونوں گروہ اس کہنے سننے کے بعد پشیمان ہوں گے اور جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو شماتت سے بچنے کے لئے اپنی پشیمانی کو ایک دوسرے سے چھپائیں گے اور ہم ان سب کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے تا کہ ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھ لیں اور پھر سب کو ایک دوسرے کے روبرو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیں گے۔ اور نہیں سزا دیئے جائیں گے مگر ان کے اعمال کے مطابق ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق سزا ملے گی جس درجہ کا کفر اور مکر ہوگا اسی درجہ کی سزا ہوگی اور عذر کی کسی کو گنجائش نہ ہوگی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہنے لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا ہم اس کو نہیں مانتے ف۱

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا، مگر کہنے لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ، ہم تمہارے ہاتھ بھیجا نہیں مانتے۔

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ

اور کہنے لگے ہم زیادہ ہیں مال اور اولاد میں اور ہم پر آفت نہیں آنے والی ف۲ تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کردیتا ہے روزی

اور کہنے لگے، ہم کو زیادہ ہے مال اور اولاد، اور ہم پر آفت نہیں آنی۔ تو کہہ، میرا رب ہے جو پھیلا دیتا ہے روزی

لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ع ۱۰

جس کو چاہے اور ناپ کردیتا ہے لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے ف۳ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد

جس کو چاہے، اور ماپ کردیتا ہے، لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد،

بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ

وہ نہیں کہ نزدیک کردیں ہمارے پاس تمہارا درجہ پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا ف۴ سو ان کے لیے ہے بدلہ دونا

وہ نہیں کہ نزدیک کردیں ہمارے پاس تمہارا درجہ، پر جو کوئی یقین لایا، اور بھلا کام کیا۔ سو ان کو ہے بدلہ دونا

بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی

انکے کیے کام کا ف۵ اور وہ جھروکوں میں بیٹھے ہیں دل جمعی سے اور جو لوگ دوڑتے ہیں ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہ

ان کے کئے پر، اور وہ جھروکوں میں بیٹھے ہیں خاطر جمع سے۔ اور جو لوگ دوڑتے ہیں ہماری آیتوں کے ہرانے کو، وہ

ف۱ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رؤسائے مکہ کے انحراف و سرکشی سے مغموم نہ ہوں۔ ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بدبخت رئیسوں نے کیا ہے۔ دولت و ثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کردیتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے گردن جھکانا اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کے اول متبعین عموماً ضعیف و مسکین لوگ ہوتے ہیں کما ورد فی حدیث ھرقل۔

ف۲ یعنی معلوم ہوا خدا ہم سے خوش اور راضی ہے ورنہ اتنا مال و اولاد کیوں دیتا۔ جب وہ خوش ہے تو ہم کو کسی آفت کا اندیشہ نہیں تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔

ف۳ یعنی روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھتے نہیں۔ دنیا میں کتنے بدمعاش، شریر، دہریے ملحد (ناستک) مزے اڑاتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی مذہب بھی اچھا نہیں کہتا۔ اور بہت سے خدا پرست پرہیزگار اور نیک بندے بظاہر فاقے کھینچتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ دولت و افلاس یا تنگی و فراخی کسی کے محبوب و مقبول عنداللہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ معاملات تو دوسری مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے مگر بہت لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے ومن الدلیل علی القضاء وحکمہ بؤس اللبیب وطیب عیش الاحمق

ف۴ یعنی مال و اولاد کی کثرت نہ قرب الٰہی کی علامت ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں گزرا ہے۔ اور نہ قرب حاصل کرنے کا سبب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس کافر کے حق میں زیادت بعد کا سبب بن جاتا ہے۔ ہاں مومن اگر مال و دولت اور شائستہ بنائے، ایسا مال و اولاد ایک درجہ میں قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے۔ بہرحال وہاں مال و اولاد کی پوچھ نہیں۔ محض ایمان و عمل صالح کی پرسش ہے۔

ف۵ یعنی کام پر جتنے اجر کا استحقاق ہے اس سے زائد بدلہ ملے گا کم از کم دس گنا اور زیادہ سے ہو تو سات سو گنا بلکہ اللہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ، جس کی کوئی حد نہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ یہاں ضعف سے مطلقاً زیادت مراد ہے۔

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ

عذاب میں پکڑے ہوئے آتے ہیں ف۱ تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور ناپ کر دیتا ہے

مار میں پکڑے آتے ہیں۔ تو کہہ، میرا رب پھیلا دیتا ہے روزی، جس کو چاہے اپنے بندوں میں، اور ماپ کر دیتا ہے اس کو۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ

اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا ف۲ اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر

اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز، وہ اس کا عوض دیتا ہے، اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا۔ اور جس دن جمع کریگا ان سب کو، پھر

یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ

کہے گا فرشتوں کو کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے ف۳ وہ کہیں گے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف میں ہیں

کہے گا فرشتوں کو، کیا یہ لوگ تھے تم کو پوجتے ؟ وہ بولے، پاک ذات ہے تیری، ہم تیری طرف ہیں،

دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ

نہ ان کی طرف میں نہیں پر پوجتے تھے جنوں کو یہ اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے ف۴ سو آج تم مالک نہیں

نہ ان کی طرف۔ نہیں پر پوجتے تھے جنوں کو۔ یہ اکثر انہی پر یقین رکھتے ہیں۔ سو آج تم مالک نہیں

ف۱ یعنی جو بدبخت اللہ کی آیات کو رد کرتے اور ان پر طعن کر کے لوگوں کو ادھر سے روکتے ہیں گویا سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ و رسول کو ہرا دیں گے۔ وہ سب عذاب میں گرفتار ہو کر حاضر کیے جائیں گے ایک بھی چھوٹ کر نہ بھاگ سکے گا۔

ف۲ یہ مسلمانوں کو سنایا کہ تم وجوہ خیر میں خرچ کرتے وقت تنگی اور افلاس سے نہ ڈرنا۔ خرچ کرنے سے رزق کم نہیں ہو جاتا جو مقدر ہے پہنچ کر رہے گا۔ اللہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا دینا چاہے اس میں تمہارے خرچ کرنے نہ کرنے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ وجوہ خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے خواہ مال کی صورت میں یا قناعت و غنائے قلبی کی شکل میں اور آخرت میں بدلہ ملنا تو یقینی ہے۔ غرض اس کے ہاں کچھ کمی نہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اس کی مرضی کے سامنے فقر و فاقہ کا اندیشہ دل میں نہ لائے۔ "وَلا تخش مِن ذی العرش اقلالاً"

(تنبیہ) آیت میں گویا اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ جس طرح دنیا میں تنگی اور فراخی کے اعتبار سے لوگوں کا حال متفاوت ہے، آخرت میں بھی باعتبار مراتب ثواب و عذاب کے ایسا ہی تفاوت ہوگا۔

ف۳ بہت مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ بہت ان کے ہیاکل بنا کر پرستش کرتے تھے بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ اصنام پرستی کی ابتداء ملائکہ پرستی ہی سے ہوئی۔ اور عمرو بن لحی یہ رسم قبیح شام سے حجاز میں لایا۔ بہرحال قیامت کے دن کفار کو سنا کر فرشتوں سے سوال کریں گے کہ کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے؟ شاید یہ مطلب ہو کہ تم نے تو ان سے ایسا نہیں کہا۔ یا تم ان کے فعل سے خوش تو نہیں ہوئے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال ہوگا۔ ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور سورۂ فرقان میں ہے ﴿ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ﴾۔

ف۴ یعنی آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی کسی درجہ میں اس کا شریک ہو۔ (العیاذ باللہ) ہم کیوں ان کو ایسی بات کہنے لگے تھے یا ایسی واہیات حرکت سے خوش ہوتے۔ ہماری رضا تو آپ کی رضا کے تابع ہے۔ ہم کو ان مجرموں سے کیا واسطہ ہم تو آپ کے فرمانبردار غلام ہیں پھر یہ بدبخت تو حقیقت میں ہماری پرستش بھی نہیں کرتے تھے۔ نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش تھی، فی الحقیقت ان کی عقیدت مندی ان ہی کے ساتھ ہے شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ہیں ادھر ہی مڑ جاتے ہیں خواہ فرشتوں کا نام لے کر یا کسی نبی اور ولی کا۔ بلکہ بعض تو علانیہ شیطان ہی کو پوجتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے کسی جگہ غالباً سورۃ "انعام" میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ

ایک دوسرے کے بھلے کے نہ برے کے ف۱ اور کہیں گے ہم ان گناہ گاروں کو چکھو تکلیف اس آگ کی جس کو

ایک دسرے کے بھلے کے، نہ برے کے، اور کہیں گے ہم ان گنہگاروں کو، چکھو تکلیف اس آگ کی، جس کو

كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۴۲ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ

تم جھوٹ بتلاتے تھے اور جب پڑھی جائیں ان کے پاس ہماری آیتیں کھلی کہیں اور کچھ نہیں مگر یہ ایک مرد ہے

تم جھوٹ بتاتے تھے۔ اور جب پڑھی جائیں ان پاس ہماری آیتیں کھلی، کہیں اور نہیں، مگر یہ ایک مرد ہے،

اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ

چاہتا ہے کہ روک دے تم کو ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے ف۲ اور کہیں اور کچھ نہیں یہ جھوٹ ہے باندھا ہوا ف۳ اور کہتے ہیں

کہ چاہتا ہے، روک دے تم کو ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے۔ اور کہیں، اور نہیں، یہ جھوٹ ہے باندھ لیا۔ اور کہتے ہیں

كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۴۳ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ

منکر حق بات کو جب پہنچے ان تک اور کچھ نہیں یہ ایک جادو ہے صریح ف۴ اور ہم نے دی نہیں ان کو کچھ کتابیں

منکر ٹھیک بات کو، جب پہنچے ان تک، اور نہیں، یہ جادو ہے صریح۔ اور ہم نے دی نہیں ان کو کچھ کتابیں،

يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝۴۴ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا

کہ جن کو وہ پڑھتے ہوں اور بھیجا نہیں ان کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا ف۵ اور جھٹلایا ہے ان سے اگلوں نے اور یہ نہیں

جن کو پڑھتے ہیں، اور بھیجا نہیں ان پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا۔ اور جھٹلایا ہے ان سے اگلوں نے، اور یہ نہیں

ف۱ یعنی آج عابد اور معبود دونوں کا عجز واضح ہو گیا کہ کوئی کسی کو ذرہ بھر نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جن معبودین کا بڑا سہارا سمجھتے تھے انہوں نے اس طرح وقت پر بیزاری ظاہر کر دی۔

ف۲ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص نبی رسول کچھ نہیں۔ بس اتنی غرض ہے کہ ہمارے باپ دادوں کا طریقہ چھڑا کر (جس کو ہم قدیم سے حق جانتے چلے آئے ہیں) اپنے ڈھب پہ لے آئے اور خود حاکم و متبوع بن کر بیٹھ جائے۔ گویا صرف حکومت و ریاست مطلوب ہے۔ (العیاذ باللہ)

ف۳ یعنی قرآن کیا ہے (العیاذ باللہ) چند جھوٹی باتیں جو خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

ف۴ یعنی یہ نبوت کا دعویٰ جس کے ساتھ چند معجزات و خوارق کی نمائش کی گئی ہے یا مذہب اسلام جس نے آخر میاں کو بیوی سے اور باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا ہے۔ یا قرآن جس کی تاثیر لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی ہوتی ہے، صریح جادو کے سوا اور کچھ نہیں (العیاذ باللہ)

ف۵ یعنی محض امی تھے نہ کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں تھی نہ اتنی مدت دراز سے کوئی نبی ان میں آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان پیغمبر اور ایسی جلیل القدر کتاب مرحمت فرمائی۔ چاہیے کہ اسے غنیمت جانیں اور انعام الٰہی کی قدر کریں۔ خصوصاً جبکہ پہلے سے خود کہا بھی کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی پیغمبر آیا یا کوئی کتاب ہم پر اتاری جاتی تو اوروں سے بڑھ کر ہم فرمانبردار ہوتے۔ اب وہ چیز آئی تو لگے انکار و استکبار کرنے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے ان کے پاس کوئی کتاب یا ہادی ایسا نہیں بھیجا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف تعلیم دیتا ہو۔ پھر کس دلیل نقلی یا عقلی کی بناء پر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں۔

بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

پہنچے دسویں حصہ کو اس کے جو ہم نے ان کو دیا تھا پھر جھٹلایا انہوں نے میرے بھیجے ہوؤں کو تو کیسا ہوا انکار میرا ف

پہنچے دسویں حصہ کو جو ہم نے ان کو دیا تھا، پھر جھٹلایا میرے بھیجوں کو، تو کیسا ہوا بگاڑ میرا؟

عیش پرستوں کے ایک شبہ کا جواب

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ... الی ... فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾

ربط: ...... اوپر کی آیتوں میں ان عیش پرستوں کے وبال اور نکال کا ذکر تھا کہ جو نبوت کے منکر تھے اب ان آیات میں ان عیش پرستوں کا ایک شبہ ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ متکبرین کی اس قسم کی باتوں سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ مشرکین اور کفار اپنے مال و دولت کی کثرت پر فخر کرتے تھے اور اس کو اپنی مقبولیت کی دلیل قرار دیتے تھے ان آیات میں ان کے اس شبہ کو نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا کہ مال و دولت اور جاہ و حشمت اور کثرت اولاد کو اپنی مقبولیت اور افضلیت کی دلیل نہ سمجھیں مال و دولت کی قلت اور کثرت عزت اور حقارت کی دلیل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کفر کا یہ قدیم دستور ہے کہ وہ اپنی دنیاوی خوشحالی سے عذاب آخرت کی نفی پر استدلال کرتے رہے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں عذاب آخرت سے کوئی ڈرانے والا پیغمبر مگر یہی ہوا کہ وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو اور کہنے لگے کہ ہم لوگ مال اور اولاد میں سب سے زیادہ ہیں اللہ نے ہم کو مال و دولت اور عزت و وجاہت دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اور ہم تو کبھی بھی عذاب نہیں دیئے جائیں گے۔ مال و اولاد کی کثرت اس امر کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تحقیق میرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ نا سمجھی کی بنا پر دنیاوی رزق کی وسعت اللہ کے راضی ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں دنیاوی رزق کی فراخی اور تنگی کا دار و مدار اللہ کی حکمت اور مشیت پر ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کسی رزق زیادہ دیا اور کسی کو کم۔ مقصود بندوں کا امتحان ہے دنیاوی رزق کی فراخی اور تنگی آخرت کی سعادت اور شقاوت کی دلیل نہیں اور اے منکرین آخرت خوب سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دے لیکن ہمارا مقرب وہ شخص ہے جو ایمان لایا اور جس نے نبی ﷺ کی ہدایت کے مطابق نیک کام کئے ایمان اور عمل صالح یہ دونوں چیزیں ہمارے قرب کا ذریعہ ہیں نہ کہ مال و دولت اور کثرت اولاد۔ سو، ایسے لوگوں کے لئے ہماری بارگاہ سے دوہری جزا ہے بمقابلہ ان کاموں کے جو انہوں نے کئے اور وہ بہشت کے بالا خانوں میں بے خوف و خطر بیٹھے ہوں گے ان کو نہ کسی عذاب کا خوف ہوگا اور نہ نعمت کے منقطع ہونے کا ڈر ہوگا اور جو لوگ ہماری آیتوں کی رد کی کوشش میں اور ہمارے نبی کے

ف یعنی جیسی لمبی عمریں، جسمانی قوتیں، مال و دولت اور عیش و ترفہ ان کو دیا گیا تمہیں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملا۔ جب انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب و مخالفت کی، دیکھ لو! کیا انجام ہوا، سب ساز و سامان دھرا رہ گیا۔ ایک منٹ بھی عذاب الٰہی کو روک نہ سکے۔ پھر تم اتنا کاہے پر اتراتے ہو؟" اس برتے پہ یہ تتا پانی"

ہرانے اور عاجز کرنے کی فکر میں رہے ایسے ہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور دنیاوی مال و دولت ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا کے ایک عام خیال کی تردید فرمائی ہے وہ یہ کہ عموماً اہل دنیا مال و دولت اور جاہ و حشمت اور کثرت اولاد کو باعث افضلیت خیال کرتے ہیں جیسا کہ ہمیشہ سے اہل دنیا، انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے کہتے رہے کہ ہم مال و دولت اور اولاد رکھتے ہیں ہمیں کیوں عذاب ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ جس کی چاہتا ہے روزی وسیع کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد لوگوں کو اللہ کے نزدیک کچھ عزت حاصل نہیں کرا سکتا بجز اس کے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے وہ اللہ کے مقرب بنے مال اور اولاد قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح قرب خداوندی کا ذریعہ ہیں بلکہ بعض اوقات مال و اولاد عذاب اور مصیبت بن جاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ وقال تعالیٰ ﴿أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَل لَّا يَشْعُرُونَ﴾۔

بسا اوقات بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس بنگلہ بھی ہے اور موٹر بھی ہے مگر پریشانیوں میں اور مقدمات میں مبتلا ہیں۔ یہ لوگ قابل رحم ہیں بہر حال قرب خداوندی کا ذریعہ اور وسیلہ ایمان اور عمل صالح ہے ایمان سے اللہ تعالیٰ سے تعلق درست ہوتا ہے اور عمل صالح سے عبدیت کا تعلق درست ہوتا ہے ہاں اگر مال و دولت کو اللہ کی راہ میں لگا دے تو اس سے اللہ کے یہاں عزت حاصل ہو سکتی ہے باقی محض مال اور اولاد کو عزت کا ذریعہ سمجھنا خیال خام ہے اسلام نے افضلیت کا اصل اصول ایمان اور اعمال صالحہ کو قرار دیا ہے جو مہاجرین اولین میں علی سبیل الکمال والتمام پایا جاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مال اور اولاد سب کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مال و اولادت بمعنی دشمنند گرچہ نزدیکت دو چشم روشنند

انما اموالکم راہ یاد گیر مال و ملک ایں جہاں برباد گیر

اے نبی ﷺ آپ ﷺ مومنین سے کہہ دیجئے کہ تحقیق میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیت اور حکمت کے تابع ہے فضیلت کی دلیل نہیں اور جو چیز تم خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ سو خدا تعالیٰ تم کو دنیا یا آخرت میں اس کا عوض اور بدلہ دے گا۔ اور اس سے بہتر دے گا اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے جو خدا کے لئے خرچ کرو گے خدا اس کے عوض کا ذمہ دار ہے جن لوگوں نے مال و دولت کو ایمان اور ہدایت نبی ﷺ کے مطابق خرچ کیا آخرت میں ان کو نفع دے گا۔ اور جن لوگوں نے اپنا مال و دولت ہماری آیتوں کے رد کرنے میں اور نبی ﷺ کے مقابلہ میں خرچ کیا۔ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ قیامت کے دن اس کی ذلت اور فضیحت ان کے سامنے آ جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جس دن اللہ سب لوگوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں کو کہے گا کہ کیا یہ کافر تمہاری پرستش کیا کرتے تھے مشرکین کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں سے سوال ہوگا۔ فرشتے جواب میں کہیں گے۔ اے اللہ تو پاک ہے اس سے کہ تیری سوا کسی کو

معبود بنایا جائے تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ کہ یہ لوگ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ در حقیقت شیاطین کی عبادت کرتے تھے ان میں کے اکثر شیاطین کے معتقد ہیں ان کے کہنے پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے پس آج کے دن کسی کو کسی نفع اور نقصان کا کوئی اختیار نہیں کسی معبود باطل کو اپنے پرستش کرنے والے کے واسطے نہ نفع پہنچانے کی قدرت ہے اور نہ نقصان دور کرنے کی طاقت ہے۔ اور اس دن ہم ان لوگوں سے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ بے محل عبادت کو رکھ کر نقصان اٹھایا یہ کہیں گے کہ جس آگ کی تم تکذیب کرتے تھے اور اس کو جھوٹ جانتے تھے آج اس کے عذاب کا مزہ چکھو اور بلاشبہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق ہیں دنیا میں ہمارے پیغمبروں کا مذاق اڑایا کرتے تھے جب ان کے سامنے ہماری کھلی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو یہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ نہیں ہے یہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے مگر تم جیسا ایک مرد ہے چاہتا یہ ہے کہ تم کو ان چیزوں کی عبادت سے روک دے جن کو تمہارے آباء واجداد قدیم زمانہ سے پرستش کرتے چلے آرہے تھے یعنی اس مرد کا مدعا یہ ہے کہ تم کو بت پرستی سے روک دے اور اپنے خودساختہ آئین کا تم کو تابع بنائے اور یہ کہا کہ نہیں ہے یہ کلام جو یہ مرد پڑھتا ہے مگر جھوٹ اپنی طرف سے بنا کر خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا اور کافروں نے اس امر حق کی بابت یعنی قرآن کی بابت جب ان کے پاس پہنچا یہ کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے حالانکہ ان کو تو چاہئے تھا کہ اس میں نعمت غیر مترقبہ اور اس علم وہدایت کی قدر کرتے اس لئے کہ ہم نے اس قرآن سے پہلے کفار مکہ کو ایسی کتابیں نہیں دی تھیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور اسے پڑھ کر شریعت الٰہی کا علم ہوا اور نہ آپ ﷺ سے پہلے ان کی جانب کوئی ڈرانے والا بھیجا جو ان کو حق کی دعوت دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا۔ بنی اسرائیل کی طرف تو رسول بھی آئے اور ان کی ہدایت کے لئے کتابیں بھی نازل ہوئی۔ مشرکین عرب کے حق میں تو نبی ﷺ کی بعثت اور قرآن کا نزول بالکل ایک نئی نعمت اور دولت تھی ان کو چاہئے تھا کہ اس کی قدر کرتے اور اس پر ایمان لاتے مگر ان لوگوں نے اس کی قدر نہ کی اور جو ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی انبیاء کی تکذیب کی اور یہ مشرکین عرب تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے اگلے کافروں کو دیا تھا یعنی جو مال و دولت اور اولاد کی کثرت اور جسمانی قدرت ان کو دی تھی مشرکین عرب کو ان کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا۔ پس اگلے کافروں نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی پس دیکھ لو کہ ان پر کیسا عذاب آیا کہ بالکل نیست ونابود کر دیئے گئے ان کی اجڑی ہوئی بستیوں سے عبرت پکڑو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا

تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو اور ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس

تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو، کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے کام پر دو دو اور ایک ایک، پھر دھیان کرو۔ اس

بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۴۶ قُلْ مَا

تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو ایک بڑی آفت کے آنے سے ف۱ تو کہہ جو

تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں۔ یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو، آگے آگے ایک بڑی آفت کے۔ تو کہہ، جو

ف۱ یعنی تعصب وعناد چھوڑ کر انصاف واخلاص کے ساتھ اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہو۔ اور کئی کئی مل کر بحث ومشورہ کرلو اور الگ الگ تنہائی میں غور کر کے سوچو =

سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ

میں نے تم سے مانگا ہو کچھ بدلہ سو وہ تمہی رکھو میرا بدلہ ہے اسی اللہ پر ف۱ اور اس کے سامنے ہے ہر چیز ف۲ تو کہہ

میں نے تم سے مانگا تھا کچھ نیگ۔ سو تمہیں کو پہنچے۔ میرا نیگ ہے اسی اللہ پر، اور اس کے سامنے ہے ہر چیز۔ تو کہہ،

اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا

میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں ف۳ تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ تو کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ

میرا رب پھینکتا جاتا ہے سچا دین۔ وہ جاننے والا چھپی چیزیں۔ تو کہہ، آیا دین سچا۔ اور جھوٹ کو نہ پہلا وار نہ

یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ

پھیر کر لائے ف۴ تو کہہ اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بہکوں گا اپنے ہی نقصان کو اور اگر ہوں سیدھے راستہ پر تو اس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب،

دوسرا۔ تو کہہ، اگر میں بہکا ہوں، تو یہی کہ بہکوں گا اپنے برے کو۔ اور اگر میں سوجھا ہوں تو اس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب۔

اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا

بیشک وہ سب کچھ سنتا ہے نزدیک ف۵ اور کبھی تو دیکھے جب یہ گھبرائیں پھر نہ بچیں بھاگ کر اور پکڑے ہوئے آئیں نزدیک جگہ سے ف۶ اور کہنے لگیں

وہ سنتا ہے نزدیک۔ اور کبھی تو دیکھے، جب یہ گھبرائیں گے، پھر بھاگے نہیں بچتے، اور پکڑے آئے نزدیک جگہ سے۔ اور کہنے لگے،

=کہ یہ تمہارا رفیق (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جو چالیس برس سے زیادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہا جس کے بچپن سے لے کر کہولت تک کے ذرا ذرا حالات تم نے دیکھے جس کی امانت و دیانت، صدق و عفاف اور فہم و دانش کے تم برابر قائل رہے۔ کبھی کسی معاملہ میں نفسانیت یا غرض پرستی کا الزام تم نے اس پر نہیں رکھا۔ کیا تم واقعی گمان کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ اسے بیٹھے بٹھائے جنون ہو گیا ہے جو خواہ مخواہ اس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنالیا۔ کیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنون اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور ان کی اخروی فلاح اور دنیاوی ترقی کا اتنا زبردست لائحہ عمل پیش کر سکتا ہے۔ وہ تم کو سخت مہلک خطرناک اور تباہی انگیز مستقبل سے آگاہ کر رہا ہے، قوموں کی تاریخیں سناتا ہے، دلائل و شواہد سے تمہارا بھلا برا سمجھتا ہے یہ کام دیوانوں کے نہیں، ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں جنہیں احمقوں اور شریروں نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے۔

ف۱ یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو مجھے ضرورت نہیں میرا صلہ تو خدا کے یہاں ہے۔ تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان و اسلام وہ صرف تمہارے نفع کی خاطر۔ اس سے زائد میری کوئی غرض نہیں۔

ف۲ یعنی میری سچائی اور نیت اللہ کے سامنے ہے۔

ف۳ یعنی اوپر سے وحی اتر رہی اور دین کی بارش ہو رہی ہے۔ موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ جس زور سے اللہ تعالیٰ حق کو باطل کے سر پر پھینک کر مار رہا ہے اس سے اندازہ کرو کہ باطل کہاں ٹھہر سکے گا، ضرور، علام الغیوب نے خوب دیکھ بھال کر عین موقع پر حق کو باطل کا سر کچلنے کے لیے بھیجا ہے۔

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾

ف۴ یعنی دین حق آ پہنچا اب اس کا زور رکنے والا نہیں۔ سب پر غالب ہو کر اور باطل کو زیر کر کے رہے گا جھوٹ کے پاؤں کہاں جو حق کے سامنے چل سکے۔ وہ تو اب کرنے کا نہ دھرنے کا سمجھ لو آیا گیا ہوا۔ فتح مکہ کے دن یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر تھی۔

ف۵ یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کون سے دن چلے گا اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے۔ دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا۔ (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الٰہی کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے وہ ہمیشہ میری مدد فرمائے گا۔ اور اپنے پیغام کو دنیا میں روشن کرے گا۔ تم مانو یا نہ مانو۔

ف۶ یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہو گا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے۔ اس=

اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ

ہم نے اس کو یقین مان لیا، اور اب کہاں ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے بعید جگہ سے ف۱ اور اس سے منکر رہے پہلے سے

ہم نے اس کو یقین مانا، اب کہاں ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے دور جگہ سے۔ اور اس سے منکر ہو رہے آگے سے۔

وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ

اور پھینکتے رہے بن دیکھے نشانہ پر دور کی جگہ سے ف۲ اور رکاوٹ پڑ گئی ان میں اور ان کی آرزو میں ف۳ جیسا کہ کیا گیا ہے

اور پھینکتے رہے بن دیکھے نشانے پر، دور جگہ سے۔ اور اٹکاؤ پڑ گیا ان میں اور جو ان کا جی چاہے ان میں جیسا کیا گیا ہے

بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ ع ۱۲

ان کے طریقہ والوں کے ساتھ اس سے پہلے وہ لوگ تھے ایسے تردد میں جو چین نہ لینے دے ف۴

ان کے راہ والوں سے پہلے۔ وہ لوگ تھے دھوکے میں جو چین نہ لینے دیتا۔

خاتمہ سورت بر کلمہ حکمت وموعظت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ... الی ... اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ﴾

ربط: ...... ابتدائے سورت سے یہاں تک توحید اور رسالت اور قیامت تینوں مضمون بیان ہوئے اب سورت کو ایک نصیحت پر ختم فرماتے ہیں جس سے توحید اور رسالت اور قیامت یعنی دین کے اصول ثلاثہ کی حقانیت واضح ہو جائے۔ ﴿اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ﴾ سے توحید کی طرف اشارہ ہے اور ﴿مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ﴾ سے رسالت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ سے یوم آخرت کی طرف اشارہ ہے۔ تفسیر کبیر: ۷/ ۲۴۷۔

اور ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ﴾ سے مشرکین کے اس شبہ کو قطع کرنا ہے کہ آپ ﷺ کا فرمانا کسی طمع اور غرض پر مبنی نہیں بلکہ فقط تمہاری ہدایت اور اصلاح مقصود ہے۔

اور اس ذیل میں کافروں کے گزشتہ شبہ کا جواب بھی دے دیا گیا کہ مال اور اولاد کی کثرت کسی کو اللہ کے قہر اور

= وقت گرفتاری کے لیے کہیں دور سے ان کو تلاش کرنا نہ پڑے گا۔ بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لیے جائیں گے۔

ف۱ یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آ گیا اب ہم ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر اپنے کو بچا سکتے تھے۔ اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے جو وہاں سے ایمان کو اٹھا لائیں۔ مطلب یہ کہ ایمان مقبول و منجی وہ ہے جو موت سے پہلے اس دنیا میں حاصل ہو۔ آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر سب ہی کو یقین آ جائے گا اس میں کیا کمال ہوا۔

ف۲ یعنی پہلے جب ایمان لانے کا وقت تھا انکار پر تلے رہے اور یوں ہی اٹکل کے تیر چلاتے رہے۔ دنیا میں رہ کر ہمیشہ بے تحقیق ہانکیں۔ سچی اور تحقیقی باتوں کو قبول نہ کیا۔ اب پچھتانے سے کیا حاصل؟

ف۳ یعنی جس چیز کی آرزو رکھتے ہیں مثلاً ایمان مقبول یا نجات، یا دنیا کی طرف واپس جانا، یا دنیاوی لذتیں اور عیش و آرام۔ ان چیزوں کے اور ان کفار کے درمیان سخت روک قائم کر دی گئی۔ کبھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

ف۴ یعنی پہلے جو اسی قماش کے لوگ گزرے ہیں جیسا معاملہ ان سے کیا گیا تھا ان سے بھی ہوا۔ کیونکہ وہ لوگ بھی ایسے ہی مہمل شبہات اور بے ہاشک و تردد میں گھرے ہوئے تھے جو کسی طرح ان کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ تم سورۃ سبا

عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ مال و دولت والے ہلاک ہوئے اور خدا کے رسول ﷺ غالب ہوئے ان واقعات کے بیان کرنے کے بعد کافروں کو غور و فکر کرنے کی نصیحت کرتے ہیں تا کہ کافروں پر نبی کریم ﷺ کی حقانیت اور صداقت واضح ہو چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کافروں سے جو آپ ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایک مختصر بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم محض خدا کے لئے دو دو یا ایک ایک کھڑے ہو پھر خدا کی طرف متوجہ ہو کر غور و فکر کرو اور ابتدا سے لے کر اس وقت تک میرے تمام احوال اور اطوار کو یاد کرو۔ تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے تمہارے اس ساتھی میں جنون کا نام و نشان نہیں جیسا کہ تم بغیر سوچ سمجھے گمان کئے ہوئے ہو اس کا حال دیکھو اور اس کا قال سنو اس کی ہر بات سے کمال عقل ظاہر ہے اس کی ہر بات حکمت اور ہدایت سے لبریز ہے وہ نہ مفتری ہے اور نہ دیوانہ ہے صرف خدا کا رسول ہے اس کی کچھ شان نہیں سوائے اس کے کہ وہ تم کو آئندہ کے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے اور آئندہ کی مصیبت اور آفت سے ڈرانا کمال عاقبت اندیشی ہے اور ناصح حقیقی ہونے کی دلیل ہے اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس نصیحت پر کچھ بدلہ اور صلہ نہیں چاہتا جو کچھ کہتا ہوں اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے اور اس پر یہ کہتا ہوں کہ میں تم سے جو کچھ عوض اور بدلہ مانگوں وہ سب تمہارے واسطے ہے وہ تم ہی رکھو مجھے تم سے اجر کی طلب اور آرزو نہیں میرا اجر میرے اللہ پر ہے۔ اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے وہی مجھے میرے کام کا اجر دے گا اب بھی تم اگر نہ مانو تو تم جانو وہ میری نبوت اور صداقت اور اخلاص اور بے غرضی پر گواہ ہے اور آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ تحقیق میرا پروردگار اوپر سے مجھ پر حق پھینکتا جاتا ہے اور باطل پر گراتا جاتا ہے۔ تا کہ باطل پاش پاش ہو جاوے وہ علام الغیوب ہے اس کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ حق کو اوپر سے اتارے گا اور باطل پر گرائے گا اور حق کے گرنے سے وہ باطل چور چور ہو جائے گا۔ اے نبی ﷺ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اب حق آ گیا اور اب اس کے سامنے باطل فروغ نہ پائے گا اور باطل کو نہ پہلی بار ظہور ہوتا ہے اور نہ دوسری بار۔ اب دن بدن باطل مٹتا چلا جائے گا اسی سے تم کو میری صداقت اور نبوت کا یقین ہو جانا چاہئے۔ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے گمان میں اس پر بھی میں گمراہ ہوں تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں اپنی ذات پر گمراہ ہوں اس گمراہی کا ضرر مجھ کو ہی پہنچے گا۔ میری گمراہی سے تم کیوں اس قدر بے تاب اور پریشان ہو اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس سبب سے ہے کہ میرا پروردگار مجھ پر وحی بھیجتا ہے تحقیق میرا پروردگار سننے والا ہے اور میرے نزدیک ہے اس کی رحمت اور عنایت کبھی مجھ سے جدا نہیں ہوتی۔

تتمہ تہدید منکرین و مکذبین

ربط: ...... گزشتہ آیت میں منکرین اور مکذبین کی تہدید اور توبیخ تھی۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ اب ان آیات میں تہدید اور توبیخ کا تتمہ ہے۔ شیخ زادہ: ۴/۸۷۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ منکرین اور مکذبین کو یہ معلوم رہنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جب چاہے ان کو قریبی جگہ سے اور ان کے قدموں سے پکڑ کر زمین کے اندر پہنچا دے (ذکر روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ القصہ عجیبہ تفسیر عزیزی ص ۲۳۳) اس لئے اب آئندہ آیات میں کافروں کے حسرت ناک انجام کو بیان فرماتے ہیں۔

اے پیغمبر ﷺ کاش آپ ﷺ اس وقت کو دیکھیں کہ جب یہ لوگ بروز قیامت یا بوقت موت گھبرائیں گے اور بھاگنے کی کوشش کریں گے پس بھاگ نہیں سکیں گے۔عذاب سے بچ جانے کا کوئی مفر نہ ہوگا کسی طرف بھاگ کر نہیں نکل سکیں گے اور قریب ہی جگہ سے پکڑ لئے جاویں گے یعنی بہت ہی آسانی کے ساتھ فورا گرفتار کر لیے جائیں گے اور اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم دین حق پر ایمان لے آئے اور یقین کر لیا کہ تیرے پیغمبروں نے جو کہا تھا وہ سب حق تھا اور تمنا کریں گے کہ ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور اتنی دور جگہ سے ایمان کا پکڑنا اور وہاں تک ان کا ہاتھ پہنچنا کیسے ممکن ہے ایمان کے پکڑنے کی قریبی جگہ تو دنیا تھی اب جب کہ دنیا سے چل کر دار آخرت میں پہنچ گئے تو یہ تو دار الجزا ہے جو بہت ہی دور ہے اتنی دور سے ایمان کو کیسے پکڑ سکتے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ پہلے اس حق کا انکار کرتے تھے اور اس سے پہلے دنیا میں بے دیکھے دور جگہ سے اٹکل کے تیر چلاتے تھے اللہ نبی کو ساحر اور شاعر اور مجنون بتلاتے تھے اور بعث اور حشر ونشر کا انکار کرتے تھے اور شہوات کے نشہ میں چور تھے اب آنکھیں کھلیں تو ایمان کی سوجھی خوب سمجھ لو کہ اب تم ایمان کی جگہ سے بہت دور آ گئے ہو اتنی دور جگہ سے ایمان تک ہاتھ پہنچنا محال ہے اور اب ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا ہے قبول ایمان کے بارے میں ان کی آرزو پوری نہ ہوگی ایمان حاصل کرنے کی جگہ دنیا تھی وہ دور ہوگئی۔

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں ۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

جیسا کہ ان کے ہم مشرب کافروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا جو ان سے پہلے کفر کر چکے ان میں اور ان کی خواہشوں میں پردہ ڈال دیا گیا کہ ان کی آرزو پوری نہ ہوئی اور آخرت میں بھی ان کا ایمان مقبول نہ ہوگا۔

تحقیق یہ سب لوگ جب دنیا میں تھے تو ایسے دریائے شک میں غرق تھے کہ جو ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جب کہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب ایمان کا وقت تھا تو سخت شک اور اضطراب میں پڑے رہے لہذا اب ایمان قبول نہ ہوگا۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

الحمد للہ آج بتاریخ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۹۳ ۱۳ھ یوم پنج شنبہ بوقت ۷ بجے صبح سورۂ سبا کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد حمدا کثیرا۔

اے اللہ اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما اور باقی تفسیر کے اتمام اور اکمال کی توفیق عطا فرما اور اپنی عبدیت اور انابت اور شکر نعمت سے سرفراز فرما اور خاتمہ بالخیر فرما! آمین یا رب العالمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم۔

سورۃ فاطر

یہ سورت مکی ہے جس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔ اس سورت کا نام "فاطر" ہے جس کے معنی خالق اور قاہر کے ہیں اس سورت میں خدا تعالیٰ کے فاطر اور قادر اور قاہر اور خالق اور رازق ہونے کا بیان ہے جس کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی رازقیت اور اس کی مشیت کو بیان فرمایا۔

اور اس سورت کا نام "سورۃ الملائکہ" بھی ہے چونکہ اس سورت میں ملائکہ کا ذکر ہے اس لئے اس سورت کو سورۃ الملائکہ بھی کہتے ہیں۔ گزشتہ سورت میں اس امر کا ذکر تھا کہ مشرکین نے فرشتوں کو اپنا معبود ٹھہرایا ہے۔ اب اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ذکر کیا کہ وہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے اور حکم خداوندی کے لئے مسخر ہے اور تابع فرمان الٰہی ہے دن رات اللہ کی عبادت اور بندگی میں لگے ہوئے ہیں وہ کیسے خدا ہو سکتے ہیں گزشتہ سورت میں یہ ذکر تھا کہ مشرکین فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ کما قال تعالیٰ ﴿ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ اس لئے اس سورت کے شروع میں فرشتوں کا احکام خداوندی کی تعمیل اور بجا آوری میں مشغول ہونا بیان کیا تا کہ ان کی عبدیت ظاہر ہو کہ فرشتے خدا کے بندے ہیں اور تابع فرمان الٰہی ہیں وہ کیسے کسی کو اپنی عبادت کا حکم دے سکتے ہیں۔

یہ سورت ان پانچ سورتوں کی آخری سورت ہے جن کا آغاز الحمد سے ہوا ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور تمام نعمتوں کی اصل یہی چار نعمتیں ہیں جن کا مجموعہ سورۃ فاتحہ میں مذکور ہے۔ پہلی نعمت ایجاد اول ہے اور دوسری نعمت بقاء اول ہے۔ اور تیسری نعمت ایجاد دوم ہے اور چوتھی نعمت بقاء دوم ہے تا کہ بندے ان نعمتوں سے آگاہ ہوں اور اللہ کی حمد و ثنا کریں۔ ایجاد اول اور بقاء اول سے دنیاوی زندگی اور سامان حیات مراد ہے اور ایجاد دوم اور بقاء دوم سے اخروی زندگی اور آخرت کی بقاء اور دوام مراد ہے اور یہ ایجاد دوم اور بقاء دوم سب سے اعلیٰ اور ارفع نعمت ہے انسانی پیدائش اور دنیاوی زندگی کا آخری انجام یہی اخروی بقاء اور دوام ہے۔ سورۃ سبا میں زیادہ تر دنیا زندگانی اور اس کی نعمتوں کا بیان تھا اور اس سورت میں زیادہ تر اخروی اور روحانی زندگی اور اس کے بقاء اور دوام کا ذکر ہے۔ اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت کے انعامات کو اور اہل شقاوت کی مصیبتوں اور ذلتوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا اس لئے کہ سعادت سے بڑھ کر کوئی رحمت اور نعمت نہیں اور شقاوت سے بڑھ کر کوئی ذلت اور مصیبت نہیں۔

سورۂ الحمد میں مبدأ اور معاد کی تمام نعمتوں کا اجمالاً ذکر کیا اور باقی ان چار سورتوں میں کسی جگہ کسی نعمت کو تفصیل کے ساتھ اور کسی نعمت کو اجمال اور ایجاز کے ساتھ بیان کیا اور چونکہ یہ سورت ان پانچ سورتوں میں کی آخری سورت جن کو الحمد سے شروع فرمایا اس لئے اس سورت میں آخری انجام یعنی سعادت اور شقاوت کا کافی بیان فرمایا۔ لہٰذا عاقل اور دانا کا کام یہ ہے کہ انجام کی فکر کرے اور اللہ کے وعدہ کو حق جانے اور شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے اور برے اعمال کو اچھا نہ سمجھے آخرت کی عزت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہے اور آخرت کی فکر اور اس کی تیاری یہی سعادت ہے اور آخرت کا انکار اور اس سے غفلت یہی شقاوت ہے۔ ع

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

۳۵ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ ۴۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتھا ۴۵ رکوعاتھا ۵

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی

سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین ف۱ جس نے ٹھہرایا فرشتوں کو پیغام لانے والے ف۲ جن کے پر ہیں دو دو

سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان و زمین، جس نے ٹھہرائے فرشتے پیغام لانے والے، جن کے پر ہیں دو دو

وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ

اور تین تین اور چار چار ف۳ بڑھا دیتا ہے پیدائش میں جو چاہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ف۴ جو کچھ کہ کھول دے اللہ

اور تین تین اور چار چار۔ بڑھاتا ہے پیدائش میں جو چاہے۔ بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ جو کھول دے اللہ

لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

لوگوں پر رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا ف۵ اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے سوا

لوگوں پر کچھ مہر، تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا۔ اور جو روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے سوا،

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ② یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ

اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ف۶ اے لوگو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر کیا کوئی ہے بنانے والا

اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔ لوگو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، کوئی ہے بنانے والا

غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ

اللہ کے سوا روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ پھر کہاں الٹے جاتے ہو ف۷ اور اگر

اللہ کے سوا؟ روزی دیتا تم کو آسمان اور زمین سے۔ کوئی حاکم نہیں مگر وہ۔ پھر کہاں سے الٹے جاتے ہو؟ اور اگر

ف۱ یعنی آسمان و زمین کو ابتداءً عدم سے نکال کر وجود میں لایا، پہلے سے کوئی نمونہ اور تخلیق کا قانون موجود نہ تھا۔

ف۲ یعنی بعض فرشتے انبیاء علیہم السلام کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں اور بعض دوسرے جسمانی و روحانی نظام کی تدبیر و تکمیل پر مامور ہیں۔ فالمدبرات امرا۔

ف۳ یعنی بعض فرشتوں کے دو بازو (یا دو پر) بعض کے تین بعض کے چار ہیں۔ ان بازوؤں اور پروں کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے یا جس نے دیکھے ہوں وہ کچھ بتلا سکیں۔

ف۴ یعنی اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو عضو اور جو صفت چاہے اپنی حکمت کے موافق بڑھا دے۔ فرشتوں کے دو، تین، چار بازو (یا پر) اسی نے بنائے چاہے تو بعض فرشتوں کے چار سے زیادہ بنا دے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبرائیل کے چھ سو بازو (یا پر) ہیں۔ اور جاعل الملائکۃ رسلا سے یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کچھ ان وسائط کا محتاج ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے۔ محض حکمت کی بناء پر یہ اسباب و وسائط کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

ف۵ رحمت جسمانی ہو مثلاً بارش، روزی وغیرہ یا روحانی جیسے انزال کتب و ارسال رسل۔ غرض اللہ جب لوگوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے، کون ہے جو بند کر سکے۔

ف۶ یعنی اپنی حکمت بالغہ کے موافق جو کچھ کرنا چاہے کر گزرے ایسا زبردست ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا۔

ف۷ یعنی مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے۔ پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا جو خالق و رزاق حقیقی ہے وہی معبود ہونا چاہیے۔

يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ④ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ

تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے رسول تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام ف۱ اے لوگو بیشک

تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے۔ اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام۔ لوگو! بیشک

وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ⑤ إِنَّ

اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو نہ بہکائے تم کو دنیا کی زندگانی اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغا باز تحقیق

وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے، سو نہ بہکائے تم کو دنیا کا جینا۔ اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغا باز۔ تحقیق

الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ

شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی سمجھ رکھو اس کو دشمن وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کہ ہوں

شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم سمجھ رکھو اس کو دشمن۔ وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کہ ہوں

السَّعِيرِ ⑥ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

دوزخ والوں میں ف۲ جو منکر ہوئے ان کو سخت عذاب ہے اور جو یقین لائے اور کیے بھلے کام

دوزخ والوں میں۔ جو منکر ہوئے ان کو سخت مار ہے، اور جو یقین لائے اور کیے بھلے کام،

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ⑦ أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ ع ۱۴

ان کے لیے ہے معافی اور بڑا ثواب بھلا ایک شخص کہ بھلی سمجھائی گئی اس کو اس کے کام کی برائی پھر دیکھا اس نے اس کو بھلا کیونکہ اللہ بھٹکاتا ہے جس کو

ان کو ہے معافی اور نیگ بڑا۔ بھلا ایک شخص، کہ بھلی سمجھائی اس کو اس کے کام کی برائی، پھر دیکھا اس نے اس کو بھلا۔ کیونکہ اللہ بھٹکاتا ہے جس کو

يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا

چاہے اور سجھاتا ہے جس کو چاہے سو تیرا جی نہ جاتا رہے ان پر پچتا پچتا کر اللہ کو معلوم ہے جو کچھ

چاہے، اور سجھاتا ہے جس کو چاہے۔ سو تیرا جی نہ جاتا رہے ان پر پچتا پچتا کر۔ اللہ کو سب معلوم ہے

يَصْنَعُونَ ⑧

کرتے ہیں ف۳

جو کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی اس قدر سمجھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں تو غم نہ کیجئے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوا ہے۔ کوئی انوکھی بات نہیں۔ متعصب اور ضدی لوگ کبھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے۔ ایسوں کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے۔ وہیں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔

ف۲ یعنی قیامت آنی ہے اور یقیناً سب کو اللہ تعالیٰ کی بڑی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ اس دنیا کی ٹیپ ٹاپ اور فانی عیش و بہار پر نہ پھولو اور اس مشہور دغا باز شیطان کے دھوکہ میں مت آؤ۔ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ کبھی اچھا مشورہ نہ دے گا۔ یہی کوشش کرے گا کہ اپنے ساتھ تم کو بھی دوزخ میں پہنچا کر چھوڑے طرح طرح کی باتیں بنا کر خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرتا رہے گا۔ چاہیے کہ تم دشمن کو دشمن سمجھو اس کی بات نہ مانو۔ اس پر ثابت کر دو کہ ہم تیری مکاری کے =

تحمید خداوند حمید و مجید برائے اثبات توحید و تذکیر نعم و تحذیر از نقم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ... الی... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کے اخیر میں کفار و مشرکین کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا۔ اور ہلاک اور برباد ہوئے اور کافروں کی ہلاکت اور بربادی اللہ کی نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

اس لئے اس سورت کا آغاز اللہ کی حمد وثنا سے کیا گیا (روح المعانی: ۱۴۸/۲۲) اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر کر کے شکر پر متنبہ کیا اور ناشکری کے انجام سے ڈرایا۔

اس سورت کا زیادہ حصہ اثبات توحید اور ابطال شرک اور منکرین توحید اور منکرین قیامت کی تہدید اور توبیخ میں ہے اور بعض آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی کا ذکر ہے جو آپ ﷺ کو کفار کی تکذیب سے رنج وغم ہوتا تھا اور بعض آیات میں جزاء اور سزا اور ایمان اور عمل صالح کی عزت اور کفر اور اعمال سیہ کی ذلت اور خواری کا بیان ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے اور دونوں سورتوں کے مضامین میں مناسبت ظاہر ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے حمد اور شکر سے شروع فرمایا اول اپنے آثار نعمت اور دلائل قدرت کو ذکر فرمایا تا کہ توحید ثابت ہو۔ بعدہ مسئلہ رسالت بیان فرمایا۔ ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اس کے بعد معاد کا مضمون بیان فرمایا۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾۔

چنانچہ فرماتے ہیں تمام تر حمد وثناء اسی خدائے پاک کے لئے لائق ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے چیر [1] کر آسمان اور زمین کو نکالا اور وجود کا لباس ان کو پہنایا تا کہ دنیا اس کی قدرت کا جلوہ دیکھے اس لئے کہ یہ دونوں اس کی عجیب وغریب رحمتوں اور نعمتوں کے معدن اور مخزن ہیں جن کو دیکھ کر دنیا کے عقلا حیران

= جال میں پھنسنے والے نہیں۔ خوب سمجھتے ہیں کہ تو دوستی کے لباس میں بھی دشمنی کرتا ہے۔

ف۳ یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے۔ جب دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔ اللہ جس کو سوء استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یا الٹی بات سمجھا دے۔ بہرحال جو شخص شیطانی اغواء سے برائی کو بھلائی، بدی کو نیکی اور زہر کو تریاق سمجھ لے کیا اس کے سیدھے راستہ پر آنے کی کچھ توقع ہو سکتی ہے؟ جب نہیں ہو سکتی اور سلسلہ ہدایت وضلالت کا سب اللہ کی مشیت وحکمت کا تابع ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں، اس حسرت میں کہ یہ بدبخت اپنے فائدہ کی بات کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان دے بیٹھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا قصہ ایک طرف کیجئے۔ اللہ ان کی سب کرتوت جانتا ہے۔ وہ خود ان کا بھگتان کر دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل گیر و غمگین نہ ہوں۔

[1] "فطر" کا اصل مادہ لغت میں شق کے لئے ہے چنانچہ انفطار اور تفطر اسی سے ماخوذ ہے۔ اس ترجمہ میں فاطر کے اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔

اور سرگرداں ہیں کہ سارا جہان زمین کے فرش پر آسمان کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔

آسمان اور زمین کے اختلاط اور امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے جیسے مرد اور عورت کے اختلاط اور امتزاج سے بچہ پیدا ہوتا ہے آسمان بمنزلہ مرد کے ہے اور زمین بمنزلہ عورت کے ہے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اسی طرح سمجھو کہ علوی اور سفلی کے امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے آسمان بمنزلہ فاعل کے ہے اور زمین بمنزلہ قابل کے ہے اور زمین کے ثمرات بمنزلہ اولاد کے ہیں جس کا اصل سرچشمہ آسمان ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾۔

پس تمام خوبی اللہ کے لئے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اس خدا کے لئے ہے جو فرشتوں کا پیدا کرنے والا ہے اپنے نبیوں کی طرف ان کو اپنا قاصد اور ایلچی بنانے والا ہے کہ آسمان سے اللہ کا پیغام لے کر جلد آسمان سے اتریں اور پیغمبروں کو پہنچائیں تاکہ زمین سے گمراہی کی گندگی دور ہو اور وحی اور الہام اور رؤیائے صالحہ سے شیاطین کے وسوسوں کی ظلمت دور ہو پھر یہ فرشتے جو اللہ کا پیغام لے کر آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور پھر زمین سے آسمان پر چڑھتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے پروں والا اور بازو والا بنایا ہے تاکہ ان پروں کے ذریعے عالم بالا کی پرواز کر سکیں اور اللہ کا حکم لے کر آسمان سے زمین پر جلد پہنچیں۔ غرض یہ کہ فرشتوں کے پر اور بازو ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار اور یہ بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے بازو بھی نورانی ہیں اور اصل حقیقت اور کیفیت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پھر خدا کے پیغمبر جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے وہی کچھ ان کا حال بتا سکتے ہیں فلسفی اور سائنس دان دائرہ محسوسات میں صرف اتنا بتلا سکتے ہیں کہ کبوتر کے دو بازو ہیں اور دو پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتا ہے مگر کس طرح اڑتا ہے اور اس کے طیران (اڑنے کی) حقیقت اور کیفیت کیا ہے یہ بیان نہیں کر سکتا اور یہ فلسفی دو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور دو پیروں سے چلتا ہے مگر اپنے دیکھنے اور چلنے کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر اور عاجز ہے اور اگر اس فلسفی کی چار آنکھیں اور چار پیر ہوتے تو کیسے دیکھتا اور کیسے چلتا یا دو زبانیں ہوتیں تو کیسے بولتا یہاں فلسفی دم بخود ہے فلسفی خدا تعالیٰ کے متعلق تو خوب زبان چلاتا ہے ذرا اپنے متعلق بھی تو کچھ زبان چلائے اور ہلائے جو خدا دو پیر اور دو آنکھیں دینے پر قادر ہے وہی خدا چار آنکھیں اور چار پیر دینے پر بھی قادر ہے اور وہی خدا دونوں آنکھیں پھوڑ دینے اور دونوں ٹانگیں توڑ دینے پر بھی قادر ہے۔

﴿يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اس کی قدرت کے اعتبار سے دو اور چار اور توڑنا اور پھوڑنا اور جوڑنا سب برابر ہے۔ اور بڑھاتا ہے وہ فاطر (قادر) پیدائش میں کمیت اور کیفیت اور صورت اور صفت کے اعتبار سے جو چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا فرشتوں کے تین چار بازو سن کر تعجب نہ کرنا چاہئے اس کی صنعت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا وہ قادر مطلق اور خالق مطلق ہے جس طرح چاہے بنائے اس نے اپنی قدرت اور حکمت سے جس مخلوق کی خلقت اور صنعت میں جتنی چاہی زیادہ کر دی کسی کو دو پایہ بنایا اور کسی کو چار پایہ اور کسی کو چہل پایہ (کنکھجورا) بنایا مکھی کی آنکھ بظاہر ایک دکھائی دیتی ہے مگر انکشاف جدیدہ سے یہ معلوم ہو کہ جب بذریعہ خوردبین دیکھو تو اس کی آنکھیں آٹھ ہزار سے زیادہ نظر آتی ہیں۔ لوگوں کے حواس خمسہ کم وبیش اور مختلف ہیں کوئی کم دیکھتا ہے اور کوئی زیادہ اور کوئی کم سنتا ہے اور

کوئی زیادہ۔ کسی کو عقل اتنی زیادہ دی کہ آسمان تک پرواز کر سکے۔ کسی کو بے بال و پر بنایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت سے فرشتوں کی خلقت میں تفاوت رکھا کسی کے دو اور کسی کے تین اور کسی کے چار بازو بنائے اور کسی کے اس سے بھی زیادہ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے شب معراج میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ اس کے چھ سو بازو ہیں۔

زجاج رحمہ اللہ اور فراء رحمہ اللہ اور جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ ﴿يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ﴾ میں جس زیادتی کا ذکر ہے وہ ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے ہر خلقت و صنعت اور قد و قامت اور حواس ظاہرہ اور باطنہ سب کو شامل ہے جس میں حسن صورت اور حسن سیرت اور آنکھوں کی ملاحت اور زبان کی حلاوت اور خوش آوازی اور نغمۂ دلکش اور جسامت اور جسمانی قوت اور عقل کی جودت اور متانت وغیرہ وغیرہ سب ﴿يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ﴾ میں داخل ہے کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہیں اور امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر میں اسی عموم کو اختیار کیا ہے اسی طرح سمجھو کہ فرشتے اللہ کی ایک نورانی مخلوق ہے جو ہوا سے زیادہ لطیف ہے اور ان کی خلقت اور پیدائش میں اس نے اپنی حکمت سے تفاوت رکھا ہے کسی کو دو پر عطا کئے۔ اور کسی کو تین اور کسی کو چار اور کسی کو اس سے بھی زیادہ۔ وہ قادر مطلق اور حکیم مطلق ہے وہ اپنی پیدائش اور بناوٹ میں جو کمی اور زیادتی جانتا ہے اس پر کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں سارا عالم اس کی قدرت کے سامنے اور سارے عالم کی عقلیں اس کے علم و حکمت کے سامنے بے بال و پر ہیں کسی کی مجال نہیں اس کے آسمان قدرت و حکمت تک پرواز کر سکے۔ جسم انسانی کی طرح روح انسانی کی بھی ایک خاص شکل اور خاص ہیئت ہے مگر وہ لطیف اور مجرد من المادہ ہے اور لطافت کی وجہ سے ادراک اور احساس سے بالا اور برتر ہے روح کی شکل اور ہیئت کو انسان کی ظاہری ہیئت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح فرشتوں کے پروں اور بازوؤں کو پرندوں کے پروں اور بازوؤں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

نکتہ:...... طیور یعنی پرندے جسم خاکی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو خلا میں پرواز کرنے کے لئے پر عطا کئے۔ فرشتے جسم نورانی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم بالا کی پرواز کے لئے نورانی پر عطا کئے جن کی دل فریبی کی کوئی حد نہیں جسم طیور چونکہ خاکی ہے اس لئے بالطبع مائل بہ سفل (پستی) ہے اور ملائکہ نورانی ہیں اس لئے بالطبع مائل بہ علو (بلندی) ہیں۔ اور چونکہ فرشتے تدابیر عالم پر مامور ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو نورانی اور لطیف بال و پر عطا کئے تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی کے ہبوط اور صعود میں ان کو مدد دیں (ماخوذ از تفسیر عزیزی ص ۲۳۴)

اور وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ کوئی اس کی قدرت میں مزاحم نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے جس جسمانی یا روحانی رحمت اور نعمت کا دروازہ کھول دے جیسے بارش اور روزی اور نعمت و صحت اور امن و عافیت اور علم و حکمت اور ایمان اور ہدایت۔ اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لے تو کوئی اس کو چھوڑنے والا نہیں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے اس کا کھولنا اور بند کرنا سب حکمتوں پر مبنی ہے جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کوئی فضیلت اور نعمت عطا کی اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے خدا نے کوئی نعمت اور فضیلت روک لی اسے کوئی دے نہیں سکتا تمام خزائن رحمت اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

اے لوگو جب تم نے دیکھ لیا کہ تمام نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے اسی کے دست قدرت میں ہیں تو تم اپنے اوپر اللہ کے انعام اور احسان کو یاد کرو۔ اور اپنے منعم اور محسن کا شکر کرو کہ اس نے تم کو عدم سے نکال کر وجود عطا کیا اور بیشمار نعمتیں تم کو عطا کیں اور اس نے تم کو رزق اور سامان بقا دیا ہوشیار ہو جاؤ مطلب یہ ہے کہ نعمت کو یاد کر کے منعم کو پہچانو کہ کس نے تم کو یہ نعمت دی۔ بھلا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے کہ آسمان سے بارش برسائے اور زمین سے نباتات اگائے؟ کوئی نہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جب اللہ کی حجت تم پر قائم ہوگئی تو پھر کہاں پھرے جاتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک میں اوندھے گرے جا رہے ہو۔ اب توحید کے بعد آپ ﷺ کی رسالت کو ذکر کرتے ہیں جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اگر یہ لوگ در بارہ توحید و رسالت و قیامت آپ کو جھٹلائیں تو آپ ﷺ غم نہ کریں آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے انہوں نے صبر کیا آپ ﷺ بھی صبر کیجئے اور اگر دنیا میں حق کا اثر ظاہر نہ ہوا تو آخرت میں تمام امور اسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے نہ کہ اس کے غیر کی طرف۔ وہاں آپ ﷺ کو صبر کی جزاء اور ان کو تکذیب کی سزا دے گا آپ ﷺ نے نصیحت کر کے دنیا میں ان پر حجت قائم کر دی۔ اے لوگو تحقیق دار آخرت اور قیامت اور جزا اور سزا کے متعلق اللہ کا وعدہ بالکل حق اور درست ہے پس یہ دنیاوی زندگی اور اس کی زینت اور آرائش اور اس کی عیش و عشرت اور آسائش تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے یہ دنیا فانی ہے دائمی نہیں اور ایسا نہ ہو کہ کوئی دھوکہ باز تم کو دھوکہ دے دے اور پیغمبروں کی پیروی سے تم کو روک دے اور آخرت سے تم کو بے فکر کر دے۔ تحقیق یہ شیطان تمہارے باپ کی طرح تمہارا بھی دشمن ہے۔ تمہاری تاک میں ہے۔ پس تم اس کو اپنا دشمن سمجھے رکھو کسی بات میں اس کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھنا۔ ہوشیار ہو اس کے کہنے سے اللہ کی معصیت نہ کرنا معصیت تو معصیت طاعت میں بھی اس سے ہوشیار رہو کہیں ریا اس میں داخل نہ کر دے۔ جز ایں نیست کہ یہ مکار اپنے گروہ کو دنیا کی دعوت دیتا ہے تا کہ انجام کار وہ لوگ بھی اس کے ساتھ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں اور اس کے یاروں اور مصاحبوں میں سے ہو جائیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ انبیاء کی دعوت اور شیطان کی دعوت دونوں تمہارے سامنے ہیں اور اس کا قبول کرنا تمہارے اختیار میں ہے لہٰذا جو لوگ کافر ہوئے اور شیطان کے کہنے پر چلے ان کے لئے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جن لوگوں نے باوجود حق تعالیٰ کی تنبیہ اور نصیحت کے شیطان کا اتباع کیا وہ اہل شقاوت ہیں جن کا انجام دائمی عذاب ہے اور جن لوگوں نے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے یہ لوگ اہل سعادت ہیں۔ جن کو وہم و گمان سے بڑھ کر نعمتیں ملیں گی پس کیا وہ شخص جس کو اس کے برے اعمال مزین اور آراستہ کر کے دکھلائے گئے اور پھر اس نے اس کو اچھا سمجھا ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے ہرگز نہیں پس خوب سمجھ لو کہ یہ حق اور باطل کی تمیز من جانب اللہ ہے تحقیق اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پس آپ ﷺ کا نفس ان گمراہوں پر حسرتیں نہ کرے بلکہ خداوند علیم و خبیر پر چھوڑ دے کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کو اللہ خوب جانتا ہے لہٰذا آپ ﷺ ان کی گمراہی پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ بھلے اور برے کا فرق ان پر واضح ہو چکا تھا۔ اللہ کی حجت ان پر پوری ہو چکی اور اللہ کو پہلے سے اس کا علم تھا۔

لطائف معارف

ذکر اقوال مختلفہ درباره حقیقت ملائکہ علیہم السلام

۱-اہل اسلام کے نزدیک ملائکہ، اجسام نورانیہ کا نام ہے جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور لطیف ہیں اور ہر صورت اور شکل میں نمودار ہو سکتے ہیں صورت اور شکل ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتی ہے کھانے اور پینے اور توالد اور تناسل سے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے پاک اور منزہ ہیں ذکر الہٰی ان کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو افعال قویہ پر قدرت دی ہے۔اور یہ باتیں قرآن کریم کی بیشمار آیات اور بیشمار احادیث سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہیں اور تمام کتب سماویہ توریت اور انجیل اور زبور سب کی سب فرشتوں کے اقرار اور اعتراف اور ان پر ایمان کے بارے میں متفق ہیں لہٰذا فرشتوں کا انکار اور فرشتوں کے نزول کا انکار سب کفر ہے اس لئے کہ یہ باتیں دلیل قطعی سے ثابت ہیں۔

۲-قدیم فلاسفہ کے نزدیک ملائکہ ارواح مجردہ کا نام ہے یعنی ایسے حقائق کا نام ملائکہ ہے جو بذات خود قائم ہوں اور لوازم مادہ سے بالکلیہ پاک اور بری ہوں اور وہ نفوس ناطقہ انسانی سے ایک علیحدہ نوع ہے جو صاحب ادراک وشعور ہے۔ یہ قدیم فلاسفہ کا مذہب ہے۔

۳-اور فلاسفہ عصر سرے سے وجود ملائکہ کے منکر ہیں۔

۴-اور نصاریٰ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ملائکہ ان نفوس ناطقہ کا نام ہے جو انسانی جسموں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔اگر وہ نیک ہوں تو وہ ملائکہ ہیں اور اگر بد ہوں تو شیاطین ہیں۔

۵-بعض بت پرستوں کا مذہب یہ ہے کہ ارواح کواکب کا نام ملائک ہے جو سعادت اور نحوست کا اثر دنیا پر ڈالتے ہیں۔

۶-اور مجوس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم کی اصل دو چیزیں ہیں۔نور اور ظلمت۔نور ہمیشہ اخیار اور پسندیدہ لوگوں کو پیدا کرتا رہتا ہے یہ گروہ ملائکہ کا گروہ ہے۔اور ظلمت خبیث اور شریر لوگوں کو پیدا کرتی ہے ان کا نام شیاطین ہے۔

۷-نیچریوں کے نزدیک جو ہر چیز کو نیچر کا اثر مانتے ہیں، ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام نہیں بلکہ ان قوائے فطریہ کا نام ملائکہ ہے جو نیکی کی طرف میلان پیدا کرتی ہے اور جو قوتیں برائی کی طرف کھینچتی ہیں ان کا نام شیاطین ہے یہ زمانہ حال کے نیچریوں کا مذہب ہے جو سر سید علی گڑھی کے پیرو ہیں اور سرسید نے جس بے باکی سے ملائکہ اور شیاطین کے وجود کا انکار کیا ہے اور آیات اور احادیث میں جو تحریف کی ہے یہود اور نصاریٰ میں بھی اس تحریف کی نظیر نہیں۔

نیچریوں کا یہ عقیدہ صریح الحاد اور زندقہ ہے اور صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے سرسید کے نزدیک فرشتہ ایک قوت کا نام ہے جو دکھائی دینے کے قابل نہیں اور قرآن اور حدیث سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہے کہ فرشتہ ایک جسم لطیف کا نام ہے جس کا دکھائی دینا ممکن ہے اور انبیاء کرام نے فرشتوں کا مشاہدہ کیا ہے اور مرنے کے وقت ہر شخص فرشتوں کو دیکھتا ہے اور قیامت کے دن کافر بھی فرشتوں کو دیکھیں گے۔ ﴿یَوۡمَ یَرَوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ﴾ اور حدیث میں ہے

کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر اذان دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے۔

غرض یہ کہ نیچریوں کا یہ عقیدہ کہ ملائکہ قوائے فطریہ کا نام ہے۔ صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے از روئے اسلام، ملائکہ ایک ایسی لطیف اور نورانی مخلوق کا نام ہے جو عالم مادی کے ظلمات سے پاک اور منزہ ہے اللہ کی مخلوقات کی کوئی شمار نہیں اس کی بیشمار مخلوقات میں سے ایک نوع فرشتوں کی بھی ہے جو تمام انواع مخلوقات سے علیحدہ اور جدا ہے اور عالم مادی کی صفات اور کیفیات سے مبرا ہے۔

اب ہم چند آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں جو اس خیال خام کے قلع قمع کے لئے کافی ہیں۔

۱- ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوائے فطریہ کے کچھ پر اور بازو لگا رکھے ہیں۔

۲- ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾

یعنی فرشتے عرش عظیم کو گھیرے ہوئے ہیں۔

۳- ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾

قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا عرش عظیم کو گھیرے میں لینے والے اور اس کو اٹھانے والے یہ قوائے نظریہ ہیں۔

۴- ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ اور مومنین صالحین نبی کے دوست اور معین اور مددگار ہیں۔

۵- ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر دروازہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور اہل جنت کو سلام کریں گے۔

۶- ﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اہل دوزخ قوائے فطریہ سے یہ درخواست کریں گے کہ آپ خدا تعالیٰ سے ہماری موت کا قطعی فیصلہ کرا دیجئے۔

۷- ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کے الفاظ اور حروف کی نگرانی کرتے ہیں۔

۸- ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسان کی حفاظت کے لئے اللہ نے قوائے فطریہ کو مقرر کیا ہے۔

۹- ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾

کیا ان نیاچرہ کے نزدیک قوائے فطریہ ان کے اعمال کی کتابت کرتے ہیں۔

۱۰- ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا﴾

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض قوائے فطریہ کو اپنا ایلچی اور سفیر بنا رکھا ہے۔

۱۱-﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ خدا کے معزز بندے ہیں۔

۱۲-﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا﴾

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن قوائے فطریہ خدا کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

۱۳-﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اللهم صلی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم پڑھتے رہے ہیں۔

۱۴-﴿وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر وقت خدا تعالیٰ کے سامنے صف بستہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔

۱۵-﴿هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ﴾

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ مثلاً کشش ثقل اور قوت اتصال خوف خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں۔

۱۶-﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ موت کے وقت اہل ایمان پر قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے ہر انسان کے قوائے فطریہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔

۱۷-﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ﴾

کیا شب قدر میں قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے۔

۱۸-﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ﴾ ۱۹-﴿تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾

کیا ان آیات کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کی روح قبض کرتے ہیں۔

۲۰-﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ جب کفار کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ان کے منہ اور دبر (سرین) پر کوڑے مارتے ہیں۔

۲۱-﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾

کیا جہنم پر انیس قوائے فطریہ کا پہرہ ہے۔

۲۲-زنان مصر نے یوسف علیہ السلام کے جمال بے مثال کو دیکھ کر یہ کہا ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾. یہ تو بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے تو کیا زنان مصر کے نزدیک یوسف علیہ السلام کسی قوت فطریہ کا نام تھا اور کسی آدمی کا نام نہ تھا۔

الغرض اس قسم کی بیشمار آیتیں ہیں جو اس جنون اور بکواس کو رد کرتی ہیں کہ "ملائکہ، قوائے فطریہ کا نام ہے"۔ صرف

قصہ پیدائش آدم علیہ السلام کو لے لیجئے جس میں ملائکہ کا سوال وجواب مذکور ہے کیا یہ سوال قوائے فطریہ کی طرف سے تھا۔ قرآن کریم میں ملائکہ کے انکار اور ان کی دشمنی اور عداوت کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾

کیا اس آیت میں قوائے فطریہ کی دشمنی کو کفر کہا گیا ہے۔ ہم نے آج تک کسی بیوقوف کو بھی نہیں سنا کہ وہ اپنے قوائے فطریہ یعنی قوت باصرہ اور قوت سامعہ اور قوت غاذیہ اور قوت دافعہ اور قوت مفکرہ کو اپنا دشمن سمجھتا ہو۔

ان احمقوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ کیا کراما کاتبین اور ملائکۃ الموت اور منکر ونکیر اور جنت وجہنم کے فرشتے۔ کیا ان سب سے قوائے فطریہ مراد ہیں۔

احادیث صحیحہ وصریحہ

اور جن احادیث صحیحہ وصریحہ میں ملائکہ اور ان کے اقوال اور افعال اور احوال کا ذکر آیا ہے وہ شمار سے باہر ہیں اور اس قدر صریح اور واضح ہیں کہ نہ مجال انکار کی ہے اور نہ گنجائش تاویل کی ہے۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام جو ایک معروف ومشہور ہے جس میں حضور ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے جبریل امین علیہ السلام کا آنا اور آنحضرت ﷺ سے ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت کے متعلق سوال کرنا۔ اور آنحضرت ﷺ کا جواب دینا مذکور ہے کیا یہ سب سوالات قوائے فطریہ کی طرف سے تھے جو لباس جبرئیلی میں نمودار ہوتے تھے۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾۔

اطلاع:...... جاننا چاہئے کہ ملائکہ کا وجود قرآن اور حدیث سے صراحۃً ثابت ہے خان بہادر سرسید علی گڑھی اپنی تفسیر میں شدومد سے وجود ملائکہ اور وجود شیاطین کا منکر ہے اور آیات قرآنیہ میں عجیب عجیب تاویلیں کرتا ہے۔ سرسید نے ملائکہ اور شیاطین کے بارے میں جو تحریفات کی ہیں ان کو مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں نقل کر کے ان کا ہذیان اور ہکواس ہونا ثابت کیا ہے ناظرین کرام، مقدمہ تفسیر حقانی جو تفسیر کے ساتھ چھپا ہوا ہے، از ص، ۲ تا ص، ۶ ملاحظہ کریں۔

واللہ الھادی الی سواء الطریق۔

وجود ملائکہ پر فلاسفۂ حال کے شبہات اور ان کے جوابات

فلاسفۂ حال چونکہ سرے سے وجود ملائکہ کے قائل نہیں اس لئے ہم ان کے چند شبہات مع جوابات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

پہلا شبہ:...... منکرین ملائکہ کا ایک شبہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ (فرشتے) اللہ کی کوئی مخلوق ہے اور موجود ہے تو ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتی۔

جوابات:...... ۱- یہ ہے کہ فرشتے بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتے ایک شیشہ میں صاف وشفاف ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی تو کیا اس وجہ سے کوئی فلسفی ہوا کے انکار کر سکتا ہے۔

۲- فلاسفہ حال اس بات کے قائل ہیں کہ یہ تمام عالم ایک غیر محسوس مادہ سے بھرا ہوا ہے جسے ایتھر کہتے ہیں۔

۳- نیز بہت سے اجرام ہوائی ایسے ہیں کہ آلات کے ذریعہ سے تو محسوس ہوتے ہیں بغیر آلات کے محسوس نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ امر ممکن ہے کہ ہم کسی چیز کو آلات نہ ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکیں اگر چہ وہ چیز فی الواقع موجود ہے۔

کھانے میں اگر سنکھیا اور زہر ملا دیا جائے تو بسا اوقات وہ اتنا قلیل ہوتا ہے کہ انسان اس زہر کو نہ قوت باصرہ سے محسوس کر سکتا ہے اور نہ قوت شامہ سے مگر بندر اس کو سونگھ کر فوراً پہچان سکتا ہے۔ اور نیولا تو اسے دیکھ کر ہی پہچان لیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حق جل شانہ نے ان کا ادراک اور احساس انسان کو عطا نہیں فرمایا اور دوسری کمتر مخلوق کو اس کا ادراک عطا فرمایا ہے تو کیا اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ فرشتوں کا ادراک اور احساس حضرات انبیاء علیہم السلام کو عطا کیا ہو اور عام انسانوں کو ان کا ادراک نہ عطا کیا ہو۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جانوروں کو یہ احساس دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے۔ شہد کی مکھی کبھی راستہ نہیں بھولتی یہ قوت حافظہ انسان کو نہیں دی گئی۔ چیونٹی سوراخ کی گہرائیوں میں سے مٹھائی کی خوشبو محسوس کر لیتی ہے یہ اس کی قوت شامہ ہے بندر اور بہت سے حشرات الارض اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھتے ہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ ہزاروں میل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو بغیر ریڈیو کے نہیں سنائی دے سکتیں ہزاروں میل کی آواز سننے کے لئے اس آلہ کا ہونا شرط ہے لہٰذا جس کے پاس ریڈیو نہ ہو وہ ہزاروں میل کی آواز نہیں سن سکتا اسی طرح ممکن ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کے لئے کوئی خاص بینائی شرط ہو جو انبیاء علیہم السلام کو عطا کی گئی ہو۔ پس جس طرح ریڈیو کا انکار معتبر نہیں اسی طرح فرشتوں کا انکار بھی معتبر نہیں۔

دوسرا شبہ:...... یہ ہے کہ فرشتے ایسے قوی تصرفات پر کیسے قادر ہوئے جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں آتا ہے جیسے کسی فرشتہ یا جن کا **طرفة العین** میں تخت بلقیس کو سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دینا یا فرشتوں کا آسمان سے زمین پر اترنا اور پھر ان کا واپس ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب:...... یہ ہے کہ فرشتے غایت درجہ لطیف اور نورانی ہیں اور لطیف اور نورانی شے کی تاثیر بھی نہایت قوی ہوتی ہے آگ اور بھاپ اور بجلی اور پانی کی طاقتوں کا حال ہماری نظروں کے سامنے ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں عنصر خاکی کو لے لیجئے۔ جس کی دیگر عناصر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں سوائے لطافت اور کثافت کے اور کیا فرق ہے بجلی کے کرشمے آج دنیا کے سامنے ہیں پس قوم ثمود کا فرشتہ کے چیخ مارنے سے کلیجے پھٹ کر مر جانا کیوں مستبعد سمجھتے ہو۔ بارود کو دیکھئے کہ ظاہر میں کچھ نہیں مگر ذرا آگ لگے تو اس میں اتنی قوت آجاتی ہے کہ پہاڑوں کو بھی اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ بھاپ اپنی لطافت کی وجہ سے ایک پوری ٹرین کو صدہا میل کھینچ کر لے جاتی ہے اور بجلی کی قوت سے جرثقیل کے آلات بڑے بڑے جہازوں کو اوپر اٹھا لیتے ہیں تو اگر کوئی خدا کا فرشتہ قوم لوط کی بستیوں کو اٹھا کر لٹا کر دے تو کیوں انکار کرتے ہو۔

تیسرا شبہ:...... فرشتوں کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آیات اور احادیث سے ثابت ہے لیکن عقلاً شیٔ واحد کا مختلف

● یہ مضمون ''اصول اسلام'' مصنفہ ناچیز، میں بھی مذکور ہے۔ بمناسبت مقام یہاں ناظرین کرام کی سہولت کے لیے اس کا اعادہ کر دیا گیا۔ تاکہ مضمون سابق کی تکمیل ہو جائے۔

شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا غیر منقول ہے۔

جواب:...... آج کل بھی مشاہدہ سے ثابت ہے مادہ ایثریہ (ایتھر) کا مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں نمودار ہونا اہل سائنس کے نزدیک مسلم ہے،

قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ اے بنی آدم یہ شیطان تمہارے وجود سے پہلے ہی تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھنا دوست نہ بنانا۔

وکان الفضیل بن عیاض یقول یا کذاب یا مفتری اتق اللہ ولا تسب الشیطان فی العلانیة وانت صدیقه فی السر (تفسیر قرطبی: ۳۲۳/۱۴)

(جو شخص شیطان کو برا بھلا کہتا) تو فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس سے یہ کہتے کہ اے کذاب اور اے مفتری، اللہ سے ڈر اور علانیہ طور پر شیطان کو برا مت کہہ۔ حالانکہ اندرونی طور پر تو شیطان کا سچا اور پکا دوست ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ

اور اللہ ہے جس نے چلائی ہیں ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہانک لے گئے ہم اس کو مردہ دیس کی طرف پھر زندہ کر دیا ہم نے اس سے زمین کو

اور اللہ ہے جس نے چلائیں ہیں بادیں، پھر ابھارتیاں ہیں بدلی، پھر ہانک لے گئے ہم اس کو ایک مر گئے دیس کو، پھر جلائی ہم نے اس سے زمین

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ

اس کے مرجانے کے بعد اسی طرح ہوگا جی اٹھنا ف۱ جس کو چاہیئے عزت تو اللہ کے لیے ہے ساری عزت ف۲ اس کی طرف چڑھتا ہے

اس کے مر گئے پیچھے۔ اسی طرح ہے جی اٹھنا۔ جس کو چاہیئے عزت، تو اللہ کی ہے عزت ساری۔ اس کی طرف چڑھتا ہے

الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ

کلام ستھرا ف۳ اور کام نیک اس کو اٹھا لیتا ہے ف۴ اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے ان کے لیے سخت

کلام ستھرا اور کام نیک، اس کو اٹھا لیتا ہے۔ اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے ان کو سخت

ف۱ اللہ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں اور جس ملک کا رقبہ مردہ پڑا تھا یعنی کھیتی وسبزہ کچھ نہ تھا، چاروں طرف خاک اڑ رہی تھی، بارش کے پانی سے اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی مرے پیچھے جلا کر کھڑا کر دے گا۔ روایات میں ہے کہ جب اللہ مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا عرش کے نیچے سے ایک (خاص قسم کی) بارش ہوگی جس کا پانی پڑتے ہی مردے اس طرح جی اٹھیں گے جیسے ظاہری بارش ہونے پر دانہ زمین سے اگ آتا ہے۔ مزید تفصیل روایات میں دیکھنی چاہیے۔

ف۲ کفار نے دوسرے معبود اس لیے ٹھہرائے تھے کہ اللہ کے ہاں ان کی عزت ہوگی۔ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ (مریم، رکوع ۵) اور بہت لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستانہ کرتے تھے کہ اس سے ان کی عزت بنی رہے گی۔ ﴿الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (نساء، رکوع ۲۰) اس قسم کے لوگوں کو بتلایا کہ جو شخص دنیا و آخرت کی عزت چاہے، چاہیے کہ اللہ سے طلب کرے کہ عزیز مطلق تو وہ ہے۔ اسی کی فرمانبرداری اور یادگاری سے اصلی عزت میسر آتی ہے۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔ جس کسی کو عزت ملی یا ملے گی اسی کے خزانہ سے ملی ہے یا ملے گی۔

ف۳ ستھرا کلام ہے ذکر اللہ، دعا، تلاوت القرآن، علم ونصیحت کی باتیں، یہ سب چیزیں بارگاہ رب العزت کی طرف چڑھتی ہیں اور قبول واعتناء کی عزت حاصل کرتی ہیں۔ =

شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩

عذاب ہے اور ان کا داؤ ہے ٹوٹے کا ف ١

مار ہے۔ اور ان کو داؤ ہے ٹوٹے کا۔

ذکر دلائل توحید مع دیگر مضامین مناسبۂ مقام

مثل ترغیب خشیت وفکر آخرت وترہیب از غفلت

قال تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا ... الی ... وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ﴾

ربط: ...... اوپر سے توحید کا مضمون چلا آ رہا ہے اب آگے پھر اپنے عجائب صنعت اور بدائع قدرت کو ذکر کرتے ہیں تاکہ ان میں غور وفکر کریں اور عبرت پکڑیں اور سعادت اور شقاوت کو سمجھیں اور آخرت کی فکر کریں جو منزل مقصود ہے اس لئے اب آئندہ آیات میں اثبات وحدانیت اور اثبات معاد اور حشر ونشر کے لئے اپنے دلائل قدرت کو ذکر کرتے ہیں جو قیامت کا نمونہ ہیں اور اللہ وہ ذات ہے کہ جو ہواؤں کو بھیجتا ہے یعنی وہ ہواؤں کو حکم دیتا ہے پس وہ فوراً رواں ہو جاتی ہیں پھر وہ بادل کو اٹھاتی اور ہنکاتی ہیں اور پھر جہاں حکم الٰہی ہوتا ہے وہاں اس کو پہنچاتی ہیں پھر ہم اس ابر کو ہنکا کر ایک مردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر اس کے پانی سے زمین کو زندہ کرتے ہیں بعد اس کے مردہ اور افسردہ ہونے کے اور وہ مردہ زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے مردوں کا زندہ ہو کر جی اٹھنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بعث اور نشور کا ارادہ فرمائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک بارش نازل کرے گا جو تمام زمین پر برسے گی اور تمام مردہ جسم اپنی قبروں سے اگ اٹھیں گے جس طرح دانہ زمین سے اگتا ہے پس اس طرح اللہ تعالیٰ بعث اور نشور کا ارادہ فرمائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک بارش نازل کرے گا جو تمام زمین پر برسے گی اور تمام مردہ جسم اپنی قبروں سے اگ اٹھیں گے جس طرح دانہ زمین سے اگتا ہے پس اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اس کی قدرت کے لحاظ سے یہ اور وہ سب برابر ہیں اجزاء اور سحاب کو اور اجزاء اور اعضاء کو جمع کرنا اس کے نزدیک یکساں ہے پس جس طرح زمین پانی سے زندہ ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے دن بھی مردے ایک بارش کے پانی سے زندہ ہوں گے۔ لہٰذا جو شخص اللہ کے نزدیک عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی اطاعت

ف ۴ ستھرے کلام (ذکر اللہ وغیرہ) کا ذاتی اقتضاء ہے اوپر چڑھنا۔ اس کے ساتھ دوسرے اعمال صالحہ ہوں تو وہ اس کو سہارا دے کر اور زیادہ ابھارتے اور بلند کرتے رہتے ہیں۔ اچھے کلام کو بدون اچھے کاموں کے پوری رفعت شان حاصل نہیں ہوتی۔ بعض مفسرین نے "وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ" کی ضمیروں کا مرجع بدل کر یہ معنی لیے ہیں کہ ستھرا کلام اچھے کام کو اونچا اور بلند کرتا ہے۔ یہ بھی درست ہے اور بعض نے رفع کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے یعنی اللہ عمل صالح کو بلند کرتا اور معراج قبول پر پہنچاتا ہے۔ بہرحال غرض یہ ہے کہ بھلے کلام اور اچھے کلام دونوں علو ورفعت کو چاہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت کا طالب ہو وہ ان چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کرے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تمہارے ذکر اور بھلے کام چڑھتے جاتے ہیں۔ جب اپنی حد کو پہنچیں گے تب بدی پر (پورا) غلبہ (حاصل) کریں گے۔ کفر دفع ہوگا، اسلام کو عزت ہوگی" منکروں کے سب داؤ گھات باطل اور بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔

ف ١ یعنی جو لوگ بری تدبیریں سوچتے اور حق کے خلاف داؤ گھات میں رہتے ہیں آخر ناکام ہو کر خسارہ اٹھائیں گے۔ دیکھو قریش نے "دار الندوہ" میں بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنے یا وطن سے نکالنے کے مشورے کیے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "جنگ بدر" کے موقع پر وہی لوگ وطن سے نکلے، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے اور قلیب بدر میں ہمیشہ کے لیے قید کر دیے گئے۔

اور عبودیت کو لازم پکڑے اور لباس تقویٰ اختیار کرے اس لئے کہ تمام تر عزت، بالذات حق تعالیٰ کے لئے ہے وہی عزیز مطلق ہے اس کے ساتھ تعلق سے عزت حاصل ہوتی ہے۔

عزیز یکہ از درگہش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جو دنیا اور آخرت کی عزت کا خواستگار اور طلب گار ہے تو اس کو چاہئے کہ عزیز مطلق کی عبودیت اور اطاعت اختیار کرے جس درجہ کی عبودیت اختیار کرو گے اور جس درجہ کا تقویٰ اور پرہیزگاری لازم پکڑو گے اسی درجہ کی عزت تم کو حاصل ہوگی۔ ﴿لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾

سچی عزت جس میں ذلت کا شائبہ نہ ہو اللہ کی اطاعت سے ملتی ہے اور اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر اگر دنیا میں کوئی عزت نظر آئے تو وہ جھوٹی عزت ہے حقیقی اور سچی عزت نہیں کافروں کو جو دنیا میں عزت حاصل ہے وہ اندرونی حقیقت کے اعتبار سے ذلت ہے۔ ﴿اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا﴾ اور جن بتوں کو تم معبود بناتے ہو ان کے نزدیک تو عزیز اور ذلیل کا فرق ہی نہیں اور نہ وہ کسی کے کلام کو سنتے ہیں اور نہ کسی کے عمل کو وہ جانتے ہیں۔

اب آئندہ آیات میں اللہ کے یہاں عزت حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں جس کا حاصل ذکر الٰہی اور اعمال صالحہ ہیں یعنی قولی اور فعلی اطاعت سے عزت حاصل ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اللہ ہی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات۔ یعنی اس کی بارگاہ قبولیت کی جانب بلند ہوتے ہیں پاکیزہ کلمات میں ذکر اللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تلاوت قرآن اور تسبیح وتہلیل اور تحمید وتمجید سب داخل ہیں۔ اور عمل صالح کو اللہ اوپر اٹھاتا ہے اور بلند کرتا ہے جس سے بندہ کے درجے بلند ہوتے ہیں پس جس کو عزت اور علو اور رفعت درکار ہو وہ ایمان لائے اور اللہ کا ذکر کرے اور اعمال صالحہ بجالائے۔

نکتہ:...... کلمات اور اذکار کا تعلق چونکہ ذات باری تعالیٰ سے ہے اس کا اوپر کو چڑھنا ان کا ذاتی اور طبعی اقتضاء ہے اس لئے ان کے لئے "صعود" کا لفظ استعمال کیا گیا اور اعمال صالحہ کا تعلق بندہ سے ہے جو سفلی ہے۔ اعمال صالحہ کا اوپر کو چڑھنا ذاتی اور طبعی نہیں۔ بلکہ کسی کے سہارے ہے اس لئے اعمال صالحہ کے لئے لفظ "رفع" کا استعمال کیا گیا جس کے معنی اوپر اٹھانے کے ہیں جس کے لئے کوئی اٹھانے والا چاہئے اور جو لوگ اس کے خلاف طریقہ اختیار کرتے ہیں مثلاً جو لوگ مکر اور فریب اور برائیوں میں لگے رہتے ہیں ان کے لئے کوئی عزت نہیں ایسے لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے جو ان کی ذلت وخواری کا پورا سامان ہوگا اور ان مکاروں کا مکر وفریب عنقریب نیست اور نابود ہو جائے گا۔ اور الٹا انہیں پر پڑے گا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى

اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے پھر بوند پانی سے پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے اور نہ پیٹ رہتا ہے کسی مادہ کو

اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے، پھر بوند پانی سے، پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے۔ اور نہ پیٹ رہتا ہے کسی مادہ کو

وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ

اور نہ وہ جنتی ہے بن خبر اس کے ف۱ اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں بیشک

اور نہ وہ جنتی ہے بن خبر اس کے۔ اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں۔ یہ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا

یہ اللہ پر آسان ہے ف۲ اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے خوشگوار اور یہ

اللہ پر آسان ہے۔ اور برابر نہیں دو دریا، یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے، پینے میں رچتا، اور یہ

مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

کھارا کڑوا اور دونوں میں سے کھاتے ہو گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جس کو پہنتے ہو ف۳ اور تو دیکھے

کھارا کڑوا۔ اور دونوں میں سے کھاتے ہو گوشت تازہ، اور نکالتے ہو گہنا جس کو پہنتے ہو۔ اور تو دیکھے

الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

جہازوں کو اس میں کہ چلتے ہیں پانی کو پھاڑتے تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو ف۴ رات گھساتا ہے دن میں

جہاز، اس میں چلتے ہیں پھاڑتے، تا تلاش کرو اس کے فضل سے، اور شاید تم حق مانو۔ رات پیٹھاتا ہے دن میں

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ

اور دن گھساتا ہے رات میں اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وعدہ تک ف۵ یہ

اور دن پیٹھاتا ہے رات میں، اور کام لگایا سورج اور چاند، ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہرائے وعدہ پر۔ یہ

ف۱ یعنی آدم کو مٹی سے پھر اس کی اولاد کو پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر مرد وعورت کے جوڑے بنا دیے جس سے نسل پھیلی۔ اس درمیان میں استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جو ادوار واطوار گزرے سب کی خبر خدا ہی کو ہے۔ ماں باپ بھی نہیں جانتے کہ اندر کیا صورتیں پیش آئیں۔

ف۲ یعنی جس کی جتنی عمر ہے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور جو اسباب عمر کے گھٹنے بڑھنے کے ہیں یا یہ کہ کون عمر طبعی کو پہنچے گا کون نہیں، سب اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کو ان جزئیات پر احاطہ رکھنا بندوں کی طرح کچھ مشکل نہیں۔ اس کو تو تمام ماکان ومایکون، جزئی، کلی، اور غیب وشہادت کا علم ازل سے حاصل ہے۔ اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ہر کام سہج سہج ہوتا ہے جیسے آدمی کا بننا" اور اپنی عمر مقدر کو پہنچنا۔ اس طرح سمجھ لو اسلام بتدریج بڑھے گا اور آخر کار کفر کو مغلوب ومقہور کر کے چھوڑے گا۔

ف۳ اوپر سے دلائل توحید اور شواہد قدرت بیان ہوتے آ رہے ہیں۔ اسی کے ضمن میں لطیف اشارے اسلام کے غلبہ کی طرف بھی ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی کفر اور اسلام برابر نہیں۔ خدا کفر کو مغلوب ہی کرے گا اگرچہ تم کو دونوں سے فائدہ ملے گا۔ مسلمانوں سے قوت دین اور کافروں سے جزیہ خراج اور گوشت میٹھے کھاری دونوں دریاؤں سے نکلتا ہے یعنی مچھلی۔ اور گہنا (زیور) یعنی موتی، مونگا اور جواہر اکثر کھاری سے نکلتے ہیں۔"

ف۴ اکثر بڑی بڑی تجارتیں جہازوں کے ذریعے ہوتی ہیں۔ ان سے جو منافع حاصل ہو یہ ہی اللہ کا فضل ہے۔ ان تمام انعامات پر انسان کو چاہیے مالک کا شکر ادا کرے۔

ف۵ یہ مضمون پہلے کئی جگہ گزر چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی رات دن کی طرح کبھی کفر غالب ہے کبھی اسلام۔ اور سورج چاند کی طرح ہر چیز کی مدت بندھی ہے۔ دیر سویر نہیں ہوتی۔" حق کا نمایاں غلبہ اپنے وقت پر ہوگا۔

اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ

اللہ ہے تمہارا رب اسی کے لیے بادشاہی ہے اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے ف۱ اگر

اللہ ہے تمہارا رب، اسی کی بادشاہی ہے، اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا مالک نہیں ایک چھلکے کے۔ اگر

تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر سنیں پہنچیں نہیں تمہارے کام کو اور قیامت کے دن

تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار۔ اور اگر سنیں پہنچیں نہیں تمہارے کام پر۔ اور دن قیامت کے

يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ ع ۱۴

منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے ف۲ اور کوئی نہ بتلائے گا تجھ کو جیسا بتلائے خبر رکھنے والا ف۳

منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے۔ اور کوئی نہ بتائے گا تجھ کو، جیسا بتادے خبر رکھنے والا۔

ذکر دلیل آخر بر توحید وامکان حشر ونشر واثبات قضاء قدر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ... الی ... وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾

اب آئندہ آیات میں امکان حشر ونشر پر ایک اور دلیل ذکر کرتے ہیں جو توحید کی بھی دلیل ہے۔ اوپر کی آیتوں میں دلائل آفاق کا ذکر تھا اب ان آیات میں دلائل انفس کا ذکر کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر: ۷/ ۳۳۳) اور اللہ ہی نے پہلے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم کو نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑا جوڑا بنایا یعنی مرد وعورت بنایا جس سے باہم جفت ہوتے ہو اور کسی کو مرد بنانا اور کسی کو عورت بنانا حالانکہ مادہ دونوں کا ایک ہے یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ جنتی ہے مگر سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ پہلے ہی سے اس کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور نہیں زندگی پاتا کوئی بڑی عمر والا اور نہ کم کی جاتی ہے کسی کی عمر مگر یہ سب پہلے سے لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے ہر ایک کی عمر اللہ کے علم میں مقرر اور مقدر ہے اور یہ سب اللہ پر بہت آسان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عمر کی کمی اور زیادتی سب اللہ کی قضاء وقدر سے ہے اس دلیل میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح انسان بتدریج قوت کی منزل کو پہنچتا ہے اسی طرح اسلام بتدریج ترقی کی منزل پر پہنچے گا۔

ذکر دلیل

اور دو دریا برابر نہیں ایک نہایت شیریں پیاس کو بجھانے والا جس کا پانی نہایت خوشگوار ہے اور دوسرا نہایت شور اور

ف۱ یعنی جس کی صفات وشئون اوپر بیان ہوئی حقیقت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار اور کل زمین وآسمان کا بادشاہ۔ باقی جنہیں تم خدا قرار دے کر پکارتے ہو۔ وہ مسکین بادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اس کے بھی مالک نہیں۔

ف۲ یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے۔ بلکہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔

ف۳ یعنی اللہ سے زیادہ احوال کو جاننے والا وہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائے گا۔

تلخ اور پھر تم ان دونوں میں سے ہر ایک سے تازہ گوشت یعنی مچھلی کھاتے ہو یہ اللہ کی نعمت بھی ہے اور اس کی قدرت کی دلیل ہے کہ مادہ دونوں کا ایک ہے مگر مزہ مختلف ہے۔

دلیل آخر

اور پھر خاص کر تم دریائے شور سے زیور یعنی موتی اور مونگا نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے کہ ایک دریا سے مختلف قسم کے موتی نکل رہے ہیں یہ کسی مادہ اور ایتھر کا اقتضاء نہیں بلکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے یہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ کسی دریا کا پانی شیریں بنایا اور کسی کا تلخ اور پھر دریاؤں میں مختلف قسم کی مچھلیاں اور مختلف قسم کے موتی پیدا کئے۔

دلیل دیگر

اور اے مخاطب دیکھتا ہے تو دریا میں کشتیوں کو کہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تا کہ تم ان میں سفر کر کے اللہ کے فضل کو یعنی معاش کو تلاش کرو یعنی بحری تجارت کر سکو اور تا کہ تم پھر اس نعمت پر خدا کا شکر کرو کہ دریا جیسی ہولناک اور خطرناک چیز کو تمہارے لئے ایک نعمت اور منفعت کا ذریعہ بنا دیا۔ غرض یہ کہ سمندر سمندر ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں لیکن ہم نے اپنی قدرت سے کسی کو میٹھا کر دیا اور کسی کو کڑوا مگر قابل انتفاع دونوں ہیں۔ دونوں میں مچھلیاں ہیں جن کو تم مزے سے کھاتے ہو اور موتی وغیرہ بھی دونوں سے نکلتے ہیں اور کشتیاں بھی دونوں میں چلتی ہیں اور تم طرح طرح سے فائدے اٹھاتے ہو یہ سب کچھ ہم نے اس لئے کیا تا کہ تم ہماری قدرت پر ایمان لاؤ اور ہماری نعمتوں کا شکر کرو اور ایمان اور عمل صالح سے ہماری بارگاہ میں عزت حاصل کرو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں مومن اور کافر کی مثال ہے کہ ان دونوں میں برابری کی کوئی صورت نہیں اس لئے کہ ایک حلاوت ایمان کی وجہ سے آب شیریں ہے اور دوسرا کفر اور معصیت کی تلخی کی بنا پر آب شور ہے۔

آں آب حیات آمد ایں نقش سراب ست — ایں عین خطا باشد و آں محض صواب ست

دلیل دیگر

اور وہی خدائے برحق ہے کہ جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ سردی میں رات بڑھ جاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور گرمی میں دن بڑھ جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ دن رات کا مجموعہ تو چوبیس گھنٹہ ہی رہا مگر سردی میں رات کی گھڑیوں میں زیادتی ہوگئی اور گرمی میں دن کی ساعت میں زیادتی ہوگئی۔ دن اور رات میں یہ کمی اور زیادتی یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے رات کے تاریک اجزاء کو دن میں داخل اور شامل کر کے ان کو روشن کر دیتا ہے اور بعض اوقات دن کے روشن اجزاء کو رات میں داخل اور شامل کر کے ان کو تاریک کر دیتا ہے یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے جس طرح امکنہ کا اختلاف خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے اسی طرح ازمنہ کا اختلاف بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دلیل دیگر

اور اسی خدا نے سورج اور چاند کو اور تمام کواکب اور نجوم کو اپنے حکم کا تابع بنایا اسی کے حکم کے مطابق ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا۔ یعنی قیامت تک اسی طرح حرکت کرتے رہیں گے اور اپنے مقرر وقت پر طلوع و غروب کرتے رہیں گے۔ طلوع اور غروب کا اختلاف اور دن اور رات اور سردی اور گرمی کا اختلاف یہ سب کچھ شمس و قمر اور کواکب اور نجوم کی طبیعت اور مادہ کا اقتضاء نہیں اور نہ ان کی ذاتی تاثیر ہے بلکہ سب خداوند قدیر کی تسخیر ہے اس دلیل میں اشارہ اس طرف ہے کہ رات اور دن کی طرح کبھی کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی اسلام کا۔ اللہ کے یہاں ہر ایک مدت مقرر ہے۔ یہی تمہارا خدائے پروردگار ہے جس کی قدرت اور نعمت کے کرشمے تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اسی کے لئے بادشاہی ہے اسی کی اطاعت میں اور اسی کے ذکر میں عزت ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ اس قدر حقیر اور ذلیل ہیں کہ ایک گٹھلی پر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں ایک حقیر اور فقیر کو اپنا حاجت روا بنانا سراسر ذلت ہے یہ بت تو ایسے عاجز ہیں کہ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ یہ تو دنیا میں ان کا حال ہوا اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا صاف انکار کر دیں گے بلکہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور کہیں گے۔ ﴿مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾۔

اور ہم نے تم کو شرک کی حقیقت اور انجام سے آگاہ کر دیا ہے ہوش میں آ جاؤ۔ خداوند خبردار کی طرح کوئی تم کو آگاہ نہیں کر سکتا۔ اگر دنیا اور آخرت کی عزت چاہتے ہو تو خداوند علیم و خبیر پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔

فائدہ جلیلہ:...... اس آیت سے معلوم ہوا کہ آفتاب و ماہتاب حسب حکم خداوندی گردش کرتے رہتے ہیں۔ فلاسفہ مغرب نے ایک شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ آفتاب زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔

جواب:...... ۱- یہ ہے کہ فلاسفہ مغرب کا یہ خیال محض ایک تخمینہ اور اٹکل ہے جس پر کسی قسم کی بھی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ یہ کفار محض اٹکل سے باتیں کرتے ہیں اگر فلاسفۂ مغرب کا یہ خیال صحیح ہوتا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے تو لامحالہ زمین کے گھومنے سے قطب ستارہ ضرور متبدل ہوتا رہتا حالانکہ وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتا ہے اور ٹھیک اسی جگہ رہتا ہے جہاں پہلے تھا بلکہ جو لوگ زمین کے شمال اور جنوب میں رہتے ہیں ہر ایک کی جہت متبدل ہو جانی چاہئے۔ حالانکہ تمام سال میں ہم کسی وقت کسی کی جہت کو متبدل نہیں پاتے پس ثابت ہوا کہ زمین کی گردش کا خیال بالکل غلط ہے۔

۲- نیز اگر زمین گردش کرتی تو لازم تھا کہ دریاؤں اور کنوؤں کے پانی منقلب ہو جاتے بلکہ گھڑوں اور کٹوروں کے پانی پلٹ جاتے لہٰذا یہ کہنا کہ کرہ زمین آفتاب کے گرد بہت زور سے چکر لگاتا ہے۔ بالکل غلط اور باطل ہے۔

۳- نیز جدید فلاسفہ کے نزدیک آفتاب سے زمین تک ساڑھے نو کروڑ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ بھی محض اٹکل ہے جس پر دلیل کوئی نہیں نہ عقلی اور نہ تجربی پس اگر زمین آفتاب کے گرد گردش کرے تو زمین اس گردش سے آفتاب کے گرد جو دائرہ بنائے گی وہ ستاون کروڑ سے زیادہ کا دورہ ہو گا لہٰذا فلاسفہ عصریہ بتلائیں کہ آپ کو ساڑھے نو کروڑ میل کا فاصلہ کا اور ستاون کروڑ

سے زیادہ دورہ کا علم کیسے ہوا۔ اس بارے میں آپ کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل تجربی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

اے لوگوں تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا ف۱ اگر چاہے تم کو لے جائے

لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف۔ اور اللہ وہی ہے بے پرواہ سب خوبیوں سراہا۔ اگر چاہے تم کو لے جائے

وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ

اور لے آئے ایک نئی خلقت اور یہ بات اللہ پر مشکل نہیں ف۲ اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور اگر

اور لے آوے ایک نئی خلقت۔ اور یہ اللہ پر مشکل نہیں۔ اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا، بوجھ دوسرے کا، اور اگر

تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ

پکارے کوئی بوجھل اپنا بوجھ بٹانے کو کوئی نہ اٹھائے اس میں سے ذرا بھی اگرچہ ہو قرابتی ف۳ تو تو ڈر سنا دیتا ہے ان کو جو

پکارے کوئی بوجھوں مرتا اپنا بوجھ بٹانے کو، کوئی نہ اٹھائے اس میں سے کچھ، اگرچہ ہو ناتے والا۔ تو تو ڈر سنا دیتا ہے ان کو جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ

ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز ف۴ اور جو کوئی سنورے گا تو یہی ہے کہ سنورے گا اپنے فائدہ کو اور اللہ کی طرف

ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے، اور کھڑی رکھتے ہیں نماز۔ اور جو کوئی سنورے گا، تو یہی کہ سنورے گا اپنے بھلے کو، اور اللہ کی طرف ہے

الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا

سب کو پھر جانا ف۵ اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا اور نہ سایہ اور نہ لو اور

پھر جانا۔ اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا۔ اور نہ اندھیرا اور اجالا۔ اور نہ سایہ اور نہ

الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ

برابر نہیں جیتے اور نہ مردے ف۶ اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں

لون۔ اور برابر نہیں جیتے نہ مردے۔ اور اللہ سناتا ہے جس کو چاہے۔ اور تو نہیں

ف۱ یعنی سب لوگ اسی اللہ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔ پس وہ ہی مستحق عبادات واستعانت کا ہوا۔

ف۲ یعنی تم نہ مانو تو وہ قادر ہے کہ تم کو ہٹا کر دوسری خلقت باد کر دے جو بہمہ وجوہ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزار ہو، جیسے آسمانوں پر فرشتے اور ایسا کرنا اللہ کو کچھ مشکل نہیں، اور آخر میں ہر ایک اپنے نیک و بد عمل کا بدلہ پائے تاکہ اس طرح اس کی تمامی صفات کا ظہور ہو۔

ف۳ یعنی نہ کوئی از خود دوسرے کا بوجھ اپنے سر رکھے گا کہ اس کے گناہ اپنے اوپر لے لے اور نہ دوسرے کے پکارنے پر اس کا کچھ ہاتھ بٹا سکے گا خواہ قریبی رشتہ داری کیوں نہ ہو۔ سب کو نفسی نفسی پڑی ہوگی۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ہی سے بیڑا پار ہوگا۔

ف۴ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈرانے سے وہی اپنا رویہ درست کر کے نفع اٹھائے گا جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور ڈر کر اس کی بندگی میں لگا رہتا ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف ہی نہ ہو وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہوگا۔

ف۵ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت سن کر جو شخص مان لے اور اپنا حال درست کر لے تو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یا خدا پر احسان نہیں بلکہ اسی کا فائدہ ہے اور یہ =

بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ

سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو تو تو بس ڈر کی خبر پہنچانے والا ہے ف۱ ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر خوشی اور ڈر سنانے والا کوئی

سنانے والا قبر میں پڑوں کو۔ تو تو یہی ہے ڈر کی خبر سنانے والا۔ ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر، اور خوشی اور ڈر سناتا۔ اور کوئی

مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈر سنانے والا ف۲ اور اگر وہ تجھ کو جھٹلائیں تو آگے جھٹلا چکے ہیں جو لوگ کہ ان سے پہلے تھے

فرقہ نہیں، جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈرانے والا۔ اور اگر وہ تجھ کو جھٹلاویں، تو آگے جھٹلا چکے ہیں ان سے اگلے۔

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

پہنچے ان کے پاس رسول ان کے لے کر کھلی باتیں اور صحیفے اور روشن کتاب ف۳ پھر پکڑا میں نے منکروں کو

پہنچے ان پاس رسول ان کے، لے کر کھلی باتیں اور ورق اور چمکتی کتاب۔ پھر پکڑا میں نے منکروں کو،

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ع ۱۲/۱۵

سو کیسا ہوا انکار میرا ف۴

تو کیسا ہوا بگاڑ میرا؟

ذکر فقر واحتیاج بشر واستغناء خداوند بر وبحر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ... الی ... فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾

= فائدہ پوری طرح اس وقت ظاہر ہوگا جب سب اللہ کے ہاں لوٹ کر جائیں گے۔

ف۶ یعنی مومن جس کو اللہ نے دل کی آنکھیں دی ہیں، حق کے اجالے اور وحی الہی کی روشنی میں بے کھٹکے راستہ قطع کرتا ہوا جنت کے باغوں اور رحمت الہی کے سایہ میں جا پہنچا ہے۔ کیا اس کی برابری وہ کافر کر سکے گا جو دل کا اندھا اوہام واہواء کی اندھیریوں میں بھٹکتا ہوا جہنم کی آگ اور اس کی جھلس دینے والی لوؤں کی طرف بے تحاشا چلا جا رہا ہے۔ ہر گز نہیں۔ ایسا ہو تو یوں سمجھو کہ مردہ اور زندہ برابر ہو گیا۔ فی الحقیقت مومن و کافر میں اس سے بھی زیادہ تفاوت ہے جو ایک زندہ تندرست آدمی اور مردہ لاش میں ہوتا ہے، اصل اور دائمی زندگی صرف روح ایمان سے ملتی ہے۔ بدون اس کے انسان کو ہزار مردوں سے بدتر مردہ سمجھنا چاہیے۔

ف۱ یعنی اللہ چاہے تو مردوں کو بھی سنا دے یہ قدرت اوروں کو نہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ پیغمبر کا کام خبر پہنچانا اور بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے۔ کوئی مردہ دل کافر ان کی بات نہ سنے تو یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی سب خلق برابر نہیں جنہیں ایمان دینا ہے ان ہی کو ملے گا۔ تو بہتیری آرزو کرے تو کیا ہوتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا" نہ اندھیرا نہ اجالا "یعنی نہ اندھیرا برابر اجالے کے اور نہ اجالا برابر اندھیرے کے (یہ "لا" کی تکریر کا فائدہ بتلا دیا) اور فرمایا" تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو" حدیث میں آیا کہ مردوں سے سلام علیکم کرو۔ اور بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سنتا۔" یہ بحث پہلے سورہ نمل کے آخر میں گزر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔

ف۲ ڈر سنانے والا خواہ نبی ہو یا نبی کا قائم مقام جو اس کی راہ کی طرف بلائے۔ اس کے متعلق سورۃ "نمل" کے چوتھے رکوع میں کچھ لکھا جا چکا ہے۔

ف۳ یعنی روشن تعلیمات یا کھلے کھلے معجزات لے کر آئے۔ نیز ان میں سے بعض کو مختصر چھوٹے صحیفے دیے گئے بعض کو بڑی مفصل کتابیں۔

ف۴ یعنی جب تکذیب سے باز نہ آئے تو دیکھ لو انجام کیا ہوا وہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

ربط:...... اوپر سے منکرین توحید کا رد چلا آ رہا ہے اب یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ متکبر اور مغرور ہیں اور دراہم معدودہ کے نشہ کے میں چور ہیں اور خدا کی پکڑ سے بے فکر ہیں اور اس کی یاد سے دور ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ کل عالم اپنے وجود میں اور اپنی بقاء میں اللہ کا محتاج ہے اور خاص کر انسان تو سب سے زیادہ حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے اور خداوند ذوالجلال، غنی مطلق اور بے نیاز مطلق ہے جب چاہے پکڑ سکتا ہے اللہ کو نہ کسی کے مال و دولت کی حاجت ہے اور نہ کسی کی عبادت کی حاجت ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے پس اگر تم کو دنیا اور آخرت کی عزت مطلوب ہے تو اس کا ذریعہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ بندہ سر سے پیر تک حاجتوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ خدائے برحق کے تعلق ہی سے اس کو عزت حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو تمام مخلوقات میں تم ہی سب سے زیادہ اللہ کے محتاج ہو آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات اور ہوا اور پانی کے بغیر تم زندہ نہیں رہ سکتے اور کمال احتیاج کمال ذلت کی دلیل ہے ہر مخلوق اللہ کی محتاج ہے مگر انسان کے برابر کوئی محتاج نہیں دنیا سے اگر انسان معدوم ہو جائے تو کسی مخلوق کا کوئی نقصان نہیں لیکن اگر ہوا اور پانی اور حیوانات اور نباتات میں سے کسی چیز کی کمی ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا پس تمام مخلوقات میں سے کمال احتیاج انسان ہی میں منحصر ہے اور کمال حاجت کمال ذلت کی دلیل اور علامت ہے اور اللہ ہی ہر طرح بے نیاز ہے۔ اسے تمہاری عبادت اور بندگی کی بھی حاجت نہیں۔ اور وہ ہر طرح ستودہ ہے اور کمال بے نیازی اور کمال ستودگی، یہی کمال عزت ہے کہ تمام مخلوق ہر حال میں اس کی محتاج ہے اور اس کے سامنے ذلیل و خوار ہے وہ غنی مطلق اگر چاہے تو تم کو صفحہ ہستی سے لے جائے اور تم سب کو عدم اور فنا کے گھاٹ اتار دے اور تمہارے بدلہ میں دوسری مخلوق لے آوے جو اللہ کی اطاعت کرے اور تمہاری طرح اس کی نافرمانی نہ کرے اور یہ بات اللہ پر کچھ دشوار نہیں بلکہ بہت آسان ہے جس مخلوق کو چاہے۔ مٹائے اور جس کو چاہے، پیدا کرے۔ لہٰذا تم کو اس عزیز مطلق کے قہر اور غضب سے ڈرنا چاہئے اور خوب سمجھ لو کہ قیامت کے دن تمہاری محتاجی اور لاچارگی میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گا۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ خدا کے قہر اور غضب کے بوجھ کو اٹھا سکے دنیا میں تو دوسرے کا بوجھ اٹھانا ممکن ہے مگر آخرت میں یہ ممکن نہیں اور اگر کوئی نفس جو اپنے گناہوں سے مر رہا ہو کسی دوسرے کو اپنا بوجھ ہٹانے کے لئے پکارے تو اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔ اگرچہ وہ اس کا قرابتی ہو کوئی کسی کا جواب بھی نہ دے گا۔ ہر ایک اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار ہوگا حتی کہ اولاد بھی ماں باپ سے عذر کرے گی کہ ہم میں آپ کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں۔

فائدہ:...... اور قرآن و حدیث میں جو یہ آیا ہے جو دوسروں کو گمراہ کرے گا اور وہ اس کے کہنے سے گنہگار ہوگا تو اس کے گناہ کا بوجھ بھی ان کی گردن پر لادا جائے گا سو وہ درحقیقت دوسرے کا بوجھ نہیں بلکہ اپنے اغواء اور بہکانے کا بوجھ ہے جس کو یہ اٹھائے گا اور یہ بوجھ اسی کے فعل کا ہے۔ قال تعالیٰ ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ مضلین پر دوہرا بوجھ ہوگا ایک اپنے ذاتی گناہوں کا اور دوسرا بوجھ دوسروں کے اضلال اور اغوا کا۔

خلاصہ کلام یہ کہ آپ ﷺ کی یہ ہدایت اور نصیحت اگرچہ انذار کامل ہے یعنی پورا ڈرانا ہے مگر ان ضدی اور عنادی لوگوں کے حق میں موثر اور کارگر نہیں جو آخرت کے منکر ہیں جز ایں نیست کہ آپ ﷺ کا انذار یعنی آپ ﷺ کا ڈرانا اور

نصیحت کرنا انہیں لوگوں کے حق میں مفید ہے جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں اور ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں ایسے لوگ گناہوں کے بوجھ سے پاک اور ہلکے ہو جاتے ہیں اور جو شخص ایمان لا کر اور اعمال صالحہ کر کے پاکی حاصل کرے تو وہ اپنے ہی نفع کے لئے پاکی حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو غنی حمید ہے اس کو اس کی پاکی سے کوئی نفع نہیں اور سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اس وقت ایمان اور عمل صالح کا فائدہ حاصل ہوگا جو کفر اور معصیت سے پاک ہوگا وہ جنت میں جا سکے گا اور جس نے دنیا میں اللہ کے سامنے عاجزی اور مسکنت کی ہوگی اس کو وہاں عزت حاصل ہوگی اب آئندہ آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے یعنی جیسے اندھا اور بینا یکساں نہیں اسی طرح مومن اور کافر بھی یکساں نہیں جیسے نابینا سیاہی اور سفیدی کے فرق کے ادراک سے قاصر ہے اسی طرح کافر حق اور باطل کے فرق کے ادراک سے قاصر ہے۔ بینا اور نابینا اگرچہ بہت سے اوصاف ہیں ایک دوسرے کے شریک ہیں لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جیسے عالم اور جاہل میں فرق ہے اسی طرح مومن اور کافر میں بھی فرق ہے اور نہ تاریکیاں اور روشنی برابر ہیں یعنی باطل اور حق برابر نہیں اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہیں یعنی ثواب اور عقاب برابر نہیں اور زندہ مردے برابر نہیں مومن روح ایمان سے زندہ ہے اور کافر روح ایمان سے خالی ہونے کی وجہ سے مردہ اور بے جان ہے۔ اور مردوں کو زندہ کرنا اور ان کو سنانا خدا کی قدرت میں تو ہے مگر بندہ کی قدرت میں نہیں بیشک اللہ جس کو چاہے سنائے اور ہدایت دے اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ میں یہ قدرت نہیں کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو سنائیں جو قبروں میں مردہ پڑے ہوئے ہیں۔ نبی کا کام یہ ہے کہ اللہ کا پیغام کافروں کے کان تک پہنچا دے باقی کافروں کے مردہ دلوں کا زندہ کرنا یہ نبی کی قدرت میں نہیں۔ اے نبی ﷺ آپ ﷺ تو فقط ڈرانے والے اور خدا کی خبر پہنچانے والے ہیں۔ ایمان کی روح کسی کے دل میں ڈال کر اس کو زندہ کر دینا اور اس کو سنا دینا اور منوا دینا یہ آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں یہ ہمارا کام ہے اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی بات کو نہ مانیں تو غم نہ کریں۔ باقی احادیث میں جو مردوں کو سلام اور کلام کا خطاب آیا ہے سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں جو پڑا ہے وہ اس کا دھڑ ہے وہ نہیں سنتا۔ (باقی مفصل بحث سورۂ نمل کے اخیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے)

ابتدائے کلام میں مومن اور کافر کو اعمیٰ اور بصیر کے ساتھ تشبیہ دی یہ تشبیہ باعتبار باطن کے تھی اور اخیر آیت میں زندہ اور مردہ کے ساتھ تشبیہ دی اور یہ تشبیہ پہلی تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس تمام کلام سے مقصود آنحضرت ﷺ کی تسلی اور تسکین ہے کہ آپ ﷺ کا کام کلام حق کو ان کے کانوں تک پہنچا دینا ہے باقی دل میں اتارنا یہ ہمارا کام ہے تحقیق ہم نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ جن کے دل زندہ ہیں یا جن میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہے وہ کچھ سن لیں گے اور آپ ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجنا یہ کوئی عجیب بات نہیں آپ ﷺ سے پہلے کوئی امت ایسی نہیں کہ جس میں خدا کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ پھر ان میں بھی بکثرت کافر گزرے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت میں بھی جو مردہ دل ہیں وہ ایمان نہ لاویں گے۔ اور اگر قریش مکہ آپ ﷺ کی تکذیب کریں تو نہ تعجب کیجئے اور نہ غم کیجئے ان سے پہلے لوگ بھی پیغمبروں کی تکذیب کر چکے ہیں ان کافروں کے پاس بھی ان کے رسول واضح معجزات

اور اللہ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے مگر ان کی قوموں نے کفر ہی کیا تو پھر پکڑا میں نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا پس دیکھ لو کہ میرا عذاب ان پر کیسا ہوا۔ ان آیات سے مقصود آپ ﷺ کی تسلی ہے کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں ہر پیغمبر کی آمد کے بعد لوگ دو گروہ ہو گئے۔ بعضے ایمان لائے اور بعضوں نے تکذیب کی اور اپنے انجام کو پہنچے ان سب کے بعد ہم نے آپ ﷺ کو یہ کتاب منیر (قرآن کریم) دی اگر یہ لوگ اس کی تکذیب سے باز نہ آئے تو ہوسکتا ہے کہ ان کا بھی وہی انجام ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح کے ان کے رنگ ف۱ اور

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح ان کے رنگ۔ اور

الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ

پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ، طرح طرح ان کے رنگ، اور بھجنگ کالے ف۲ اور آدمیوں میں اور چوپایوں میں

پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح کے ان کے رنگ اور بھجنگے کالے۔ اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں

وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

کتنے رنگ ہیں اسی طرح ف۳ اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے، تحقیق اللہ زبردست ہے

کئی رنگ کے ہیں اسی طرح۔ اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔ تحقیق اللہ زبردست ہے

غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

بخشنے والا ف۴

بخشنے والا۔

ف۱ یعنی قسم قسم کے میوے۔ پھر ایک قسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا کیے۔ ایک زمین، ایک پانی اور ایک ہوا سے اتنی مختلف چیزیں پیدا کرنا عجیب و غریب قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔

ف۲ یعنی سفید بھی کئی درجے (کوئی بہت زیادہ سفید کوئی کم کوئی اس سے کم) اور سرخ بھی کئی درجے اور کالے بھجنگے یعنی بہت گہرے سیاہ کوے کے پر کی طرح۔

ف۳ یہ سب بیان ہے قدرت کی نیرنگیوں کا۔ پس جس طرح نباتات، جمادات، اور حیوانات میں رنگ برنگ کی مخلوق ہے، انسانوں میں بھی ہر ایک کی طرح جدا ہے۔ مومن اور کافر ایک دوسرا سا ہو جائے اور سب انسان ایک ہی رنگ اختیار کر لیں یہ کب ہوسکتا ہے۔ اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے دی کہ لوگوں کے اختلاف سے غمگین نہ ہوں۔

ف۴ یعنی بندوں میں نڈر بھی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بھی مگر ڈرتے وہی ہیں جو اللہ کی عظمت و جلال، آخرت کے بقاء و دوام، اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے احکام و ہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں۔ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈرے گا۔ جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی سب آدمی ڈرانے والے نہیں۔ اللہ سے ڈرنا سمجھ والوں کی صفت ہے اور اللہ کا معاملہ بھی دو طرح ہے وہ زبردست بھی ہے کہ ہر خطا پر پکڑے، اور غفور بھی کہ گنہگار کو بخشے۔" پس دونوں حیثیت سے بندے کو ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ نفع و ضرر دونوں اسی کے قبضہ میں ہوئے تو جب چاہے نفع کو روک لے اور ضرر لاحق کر دے۔

تہدید بر غفلت از عدم نظر در آثار قدرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً... الی... اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ﴾

ربط:...... اوپر سے توحید کا مضمون چلا آ رہا ہے اب ان آیات میں منکرین توحید کی تہدید ہے کہ آثار قدرت ان کی نظروں کے سامنے ہیں اگر ذرا نظر اٹھا کر دیکھیں تو فوراً سمجھ میں آ جائے کہ توحید حق ہے اور شرک باطل ہے اور مخلوقات میں جو اختلاف اور تفاوت ہے وہ سب اسی کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے کسی بے شعور مادہ ایتھر اور نیچر کا اثر نہیں اس لئے آئندہ آیات میں پھر اپنی انواع قدرت کو ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک شے سے مختلف قسم کی چیزیں پیدا کرتا ہے کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اسی ایک پانی سے زمین سے قسم قسم کے پھل نکالے جن کی رنگتیں مختلف ہیں اور ہر ایک کا مزہ اور اس کی خوشبو دوسرے سے جدا ہے۔ باعتبار کیت کے اور باعتبار کیفیت کے اور باعتبار صورت کے اور باعتبار لذت کے ہر پھل دوسرے پھل سے مختلف ہے حالانکہ مادہ سب کا ایک ہے۔ اور اسی طرح پہاڑوں میں مختلف قسم کی اور مختلف رنگتوں کی راہیں اور گھاٹیاں ہیں بعضے سفید اور بعضے سرخ اور طرح طرح ان کے رنگ ہیں اور بعضے بہت سخت سیاہ ہیں اور ہر ٹکڑے کی تاثیر مختلف ہے اسی طرح دلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں میں سے اور حیوانات میں سے اور چوپایوں میں سے مختلف رنگ والے ہیں۔ جس طرح لوگوں کی السنہ اور انوان یعنی ان کی زبانیں اور رنگیں مختلف ہیں اسی طرح دواب اور انعام کی ایک جنس بلکہ ایک نوع کی رنگتیں مختلف ہیں یہ سب خدا کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ اصل مادہ سب کا ایک ہے مگر صفات اور کیفیات مختلف ہیں ظاہر ہے کہ یہ اختلافات خود بخود تو پیدا نہیں ہو گئے حالانکہ مادہ سب کا ایک ہے تو یہ بوقلمونی کہاں سے آئی اور علیٰ ہذا، زمین کے ٹکڑوں میں اختلاف کہ کسی زمین سے زعفران پیدا ہوتا ہے اور کسی سے انار اور انگور اور جھڑ بیر۔ یہ اختلاف بھی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے ورنہ طبیعت اور مادہ میں سب یکساں ہیں اور علت فاعلیہ بھی سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ یہ رنگ برنگ کا اختلاف اس کی قدرت کی گل کاری ہے۔

اسی طرح بندوں کے احوال [1] مختلف ہیں کوئی خدا سے ڈرتا ہے اور کوئی نہیں ڈرتا۔ جز ایں نیست کہ اللہ کے بندوں میں سے بن دیکھے اللہ سے صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جو صاحب علم اور صاحب فہم ہیں جو اللہ کی شان عظمت کو جانتے اور پہچانتے ہیں وہی خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جس درجہ کا علم اور معرفت ہے اسی درجہ کی خشیت ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ﴾ پس عند اللہ کرامت اور فضیلت بقدر تقویٰ ہے اور تقویٰ بقدر علم ہوتا ہے نہ بقدر عمل۔ پس جس کا علم اور اس کی معرفت زیادہ ہو گی اسی کو اللہ کا خوف زیادہ ہوگا اور جس علم کمتر ہوگا اس کا خوف بھی کمتر ہوگا حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا علم رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کا خوف رکھتا ہوں۔ (رواہ البخاری) اور جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو اس کا علم بھی کم ہو جاتا ہے۔

علم چنداں کہ بیشتر خوانی ... چوں عمل در تو نیست نادانی

[1] قال الامام القرطبی فی تفسیر قوله تعالیٰ کذلك انما یخشی اللّٰه من عباده العلمؤا قوله "کذالك" هنا تم الکلام ای کذلك تختلف احوال العباد فی الخشیة ثم استسانف فقال انما یخشی اللّٰه من عباده العلمؤا (تفسیر قرطبی: ۱۴/۳۴۳)۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ علم تو ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب پر ڈال دیتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ "نور" سے مراد نور فہم اور نور معرفت ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ معلوم ہوا کہ عالم وہ ہے جو عاقل اور فاہم ہو بغیر عقل اور فہم کے محض الفاظ قرآنی اور الفاظ نبوی کو یاد کر لینے کا نام علم نہیں اللہ کے نزدیک عالم وہ ہے جو اللہ کی عظمت شان اور جلالت قدر کو جانتا ہو اور اس سے ڈرتا ہو اور اس کے احکام پر چلتا ہو باقی جو شخص رسمی طور پر عالم اور فاضل کہلاتا ہو مگر خدا سے نہ ڈرتا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔

آیت میں "خشیت" سے خوف تعظیم مراد ہے یعنی دل پر خدا کی عظمت اور جلال کا خوف اس قدر غالب ہو کہ ہر وقت اس بات سے ڈرتا رہتا ہو کہ حقوق ربوبیت میں کوئی تقصیر نہ ہو جائے اور کوئی بات خلاف ادب نہ سرزد ہو جائے اور حدود فرائض سے قدم باہر نہ ہو جائے۔

بے شک اللہ بڑی عزت والا ہے جو اس سے نہ ڈرے اسے پکڑنے والا ہے اور جو بندہ اس سے ڈرے اور اپنی تقصیر پر توبہ کرے تو اسے معاف کرنے والا ہے پس جس ذات کی یہ شان ہے اس سے خوف اور خشیت فرض اور لازم ہے۔

لطائف و معارف

قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ جز ایں نیست کہ خدا کے بندوں میں سے صرف علماء، اللہ سے ڈرتے ہیں اس آیت میں علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو اللہ کی عظمت اور جلال کا اور اس کے احکام اور اوامر اور نواہی کا علم ہو۔ اور پھر وہ اللہ کے حکموں پر چلتے ہوں جس درجہ کا علم ہو اسی درجہ کا اس کو خوف ہوگا۔ خشیت خداوندی علم اور معرفت پر موقوف ہے۔ علم، خشیت کے لئے شرط ہے مگر علت تامہ نہیں جیسے طہارت نماز کے لئے شرط ہے مگر نماز کے لئے علت تامہ نہیں جیسے طہارت نماز کے لئے شرط ہے مگر نماز کے لئے علت تامہ نہیں اور جس علم کے بعد خوف خداوندی حاصل نہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ علم، اللہ کے نزدیک معتبر نہیں اور ایسے عالم جو خدا سے نہ ڈرتے ہوں وہ اللہ کے نزدیک عالم نہیں اگرچہ دنیا ان کو علامہ کہتی ہو۔

علم چند آنکہ بیشتر خوانی ۔ چوں عمل در تو نیست نادانی

نیز علم سے وہ علم مراد نہیں جو محض قال کے درجہ میں ہو بلکہ وہ علم مراد ہے جو حال کے درجہ میں ہو اور ظاہر و باطن اس کے رنگ میں رنگیں ہو گیا ومن احسن من اللہ صبغۃ۔

علمے کہ راہ حق ننماید جہالتست

علم رابردل زنی یارے بود ۔ علم را برتن زنی مارے بود

جان جملہ علمہا این است ایں ۔ کہ بدانی من کیستم در یوم دیں

علم دین سے مقصود تزکیۂ نفس اور اصلاح عمل ہے ورنہ ہیچ ہے۔ جیسے علم طب سے مقصود جسمانی صحت کی حفاظت

ہے محض دواؤں کے نام اور ان کے خواص یاد کر لینا مقصود نہیں یہ ناممکن ہے کہ واقع میں کوئی شراب پئے اور اس کو نشہ نہ ہو۔ اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی حقیقۃً علم دین کا ایک جام پئے اور اس پر دین کا نشہ اور سکر نہ آئے۔ عالم دین خدا کے نزدیک وہ ہے کہ علم اس کے دل میں گھر کر گیا ہو محض باتیں بنانے اور لمبی تقریر کرنے سے اللہ کے نزدیک عالم نہیں ہو جاتا اگر واقع میں دل میں خشیت اور خوف خداوندی ہوتا تو معاصی پر جرأت نہ کرنا۔ حدیث میں ہے اللهم انی اسالك من خشيتك ما تحول بيني وبين معاصيك۔

معلوم ہوا کہ ''خشیت'' اس خوف کو کہتے ہیں جس سے بندہ اور معصیت کے درمیان حیلولت واقع ہو جائے اور اگر اسے یہ خشیت حاصل نہیں کہ جو عاصی اور معاصی کے درمیان حائل ہو تو سمجھ لو کہ اسے صحیح علم بھی حاصل نہیں عالم کا چاہئے کہ رسمی طور پر تحصیل علم کو مقصود نہ جانے بلکہ خشیت کو مقصود جانے۔ اور تحصیل خشیت کا اہتمام کرے اور خشیت مقصودہ اور مطلوبہ وہ ہے جو نفس اور شیطان اور معصیت سے حجاب بن جائے۔

نکتہ:...... اس آیت میں لفظ انما آیا ہے جو قصر اور حصر کے لئے ہے بظاہر ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ خشیت الٰہیہ صرف علماء میں منحصر ہے یعنی جہلاء کو خشیت نہیں ہوتی۔ سو جاننا چاہئے کہ اس آیت میں کلمہ انما ایسا ہے۔ جیسے ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ میں لفظ انما آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تَذَكُّر کے لیے عقل کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر عقل کے تذکر ممکن نہیں اسی طرح اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خشیت خداوندی کے حصول کے لئے خدا کی عظمت اور جلال کا علم ضروری ہے خواہ وہ علم تعلم سے حاصل ہو جائے یا کسی کی فیض صحبت سے یا حق تعالیٰ کی توفیق سے یا اس کی عنایت سے یا کسی باطنی جذبہ سے۔

نکتہ دیگر:...... ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ یعنی اللہ بڑی عزت والا اور غلبہ والا اور بڑا زبردست ہے لہٰذا اس سے ڈرنا چاہئے۔ اور وہ بڑا بخشنے والا ہے وہ اپنے سے ڈرنے والوں کو بخش دیتا ہے عزیز کے لفظ سے خشیت کی ضرورت کو بیان کیا اور غفور کے لفظ سے خشیت کے ثمرہ کو بیان فرمایا۔

نکتہ دیگر:...... عزیز کے بعد غفور کا لفظ اس لئے فرمایا تا کہ غلبہ خوف سے ناامیدی کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے۔ ناامیدی سے بچانے کے لئے اپنی مغفرت اور رحمت کی امید دلائی۔ اشارہ اس طرف ہے کہ شان عزت وحکومت کی بنا پر اول کچھ باز پرس ہوگی مگر بعد میں انتہاء رحمت پر ہوگی۔ لہٰذا تم مایوس نہ ہونا۔ اپنے ایمان کو خوف اور رجاء کے درمیان رکھو اس کی عزت و جلال پر نظر کر کے ڈرتے رہو بے فکر نہ ہو جاؤ اور اس کی مغفرت اور رحمت پر نظر رکھو اور اس سے ناامید نہ ہو جاؤ۔

نکتہ دیگر:...... ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ وجہ اس قصر اور حصر کی یہ ہے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔ اور انبیاء سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوتے ہیں پس جس عالم میں خوف خداوندی نہ ہو وہ انبیاء کا وارث نہیں اور آیت میں عُلَمٰٓؤُا سے وہی علماء مراد ہیں جو علم اور عمل دونوں میں انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوں محض رسمی علماء مراد نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ خوف خداوندی سے دین بھی درست ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ لہٰذا اگر ایسی پاکیزہ زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو تو علم دین حاصل کرو اور اس پر عمل کرو یہاں تک کہ وہ عمل تمہارا حال ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا ہوا چھپے اور کھلے

جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی، اور سیدھی کرتے ہیں نماز، اور خرچ کیا کچھ ہمارا دیا چھپے اور کھلے،

يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ

امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو ف۱ تاکہ پورا دے ان کو ثواب ان کا اور زیادہ دے اپنے فضل سے تحقیق وہ ہے بخشنے والا

امیدوار ہیں ایک بیوپار کے، جو کبھی نہ ٹوٹے۔ تا پورے دے ان کو نیگ ان کے، اور بڑھتی دے اپنے فضل سے۔ تحقیق وہ ہے بخشنے والا

شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ

قدر دان ف۲ اور جو ہم نے تجھ پر اتاری کتاب وہی ٹھیک ہے تصدیق کرنے والی اپنے سے اگلی کتابوں کی بیشک

قبول کرتا۔ اور جو ہم نے تجھ پر اتاری کتاب، وہی ٹھیک ہے سچا کرتی آپ سے اگلی کو۔ مقرر

اللَّهَ بِعِبَادِهِۦ لَخَبِيرٌۢ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَٰبَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ

اللہ اپنے بندوں سے خبردار ہے دیکھنے والا ف۳ پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں سے،

اللہ اپنے بندوں سے خبر رکھتا ہے دیکھتا۔ پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ، جو چنے ہم نے اپنے بندوں میں سے۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِۦ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَٰتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ

پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لیکر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی

پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا۔ اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر، اور کوئی ان میں ہے کہ آگے بڑھ گیا، لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے۔ یہی

هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾ جَنَّٰتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ

ہے بڑی بزرگی ف۴ باغ ہیں بسنے کے جن میں وہ جائیں گے وہاں ان کو گہنا پہنایا جائے گا کنگن سونے کے

ہے بڑی بزرگی۔ باغ ہیں بسنے کے، جن میں جائیں گے وہاں گہنا پہنائے گا ان کو کنگن سونے کے

ف۱ یعنی جو اللہ سے ڈر کر اس کی باتوں کو مانتے اور اس کی کتاب کو عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں نیز بدنی و مالی عبادات میں کوتاہی نہیں کرتے وہ حقیقت میں ایسے زبردست بیوپار کے امیدوار ہیں جس میں خسارے اور ٹوٹے کا کوئی احتمال نہیں۔ بلاشبہ جب خدا خود ان کے اعمال کا خریدار ہو تو اس امید میں یقیناً حق بجانب ہیں۔ نقصان کا اندیشہ کسی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ از سرتاپا نفع ہی نفع ہے۔

ف۲ یعنی بہت سے گناہ معاف فرماتا ہے اور تھوڑی سی طاعت کی قدر کرتا ہے اور ضابطہ سے جو ثواب ملنا چاہیے۔ بطور بخشش اس سے زیادہ دیتا ہے۔

ف۳ یعنی بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے۔ ٹھیک موقع پر یہ کتاب اتاری۔

ف۴ یعنی پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث اس امت کو بنایا جو بحیثیت مجموعی تمام امتوں سے بہتر و برتر ہے۔ ہاں امت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمان صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یہ "ظالم لنفسہ" ہوئے) اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں۔ نہ گناہوں میں منہمک نہ بڑے بزرگ اور ولی۔ (انکو "مقتصد" فرمایا) اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیل کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اور گناہ کے خوف سے مکروہ تنزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی =

وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ

اور موتی کے اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہے ف۱ اور کہیں گے شکر اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے غم بیشک

اور موتی۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہے۔ اور کہیں گے شکر اللہ کا، جس نے دور کیا ہم سے غم۔ بیشک

رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ

ہمارا رب بخشنے والا قدردان ہے ف۲ جس نے اتارا ہم کو آباد رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے نہ پہنچے ہم کو اس میں مشقت

ہمارا رب بخشتا ہے قبول کرتا۔ جس نے اتارا ہم کو رہنے کے گھر میں، اپنے فضل سے۔ نہ پہنچے اس میں ہم کو کوئی مشقت،

وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ

اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکنا ف۳ اور جو لوگ منکر ہیں ان کے لیے ہے آگ دوزخ کی نہ ان پر حکم پہنچے

اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکنا۔ اور جو منکر ہیں، ان کو ہے آگ دوزخ کی۔ نہ ان پر تقدیر پہنچتی ہے

فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ

کہ مرجائیں اور نہ ان پر ہلکی ہو وہاں کی کچھ کلفت یہ سزا دیتے ہیں ہم ہر ناشکر کو ف۴ اور وہ

کہ مر جائیں اور نہ ان میں ہلکی ہوتی ہے وہاں کی کچھ کلفت۔ یہی سزا دیتے ہیں ہم ہر ناشکر کو۔ اور وہ

يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ۚ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ

چلائیں اس میں اے رب ہم کو نکال کہ ہم کچھ بھلا کام کریں وہ نہیں جو کرتے رہے ف۵ کیا

چلاتے ہیں اس میں، اے رب! ہم کو نکال، ہم کچھ بھلا کام کریں، وہ نہیں جو کرتے تھے۔ کیا

نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن

ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو اور پہنچا تمہارے پاس ڈرانے والا اب چکھو کہ کوئی نہیں گناہ گاروں کا

ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو جتنے میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو؟ اور پہنچا تم کو ڈر سنانے والا۔ اب چکھو کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا

=بزرگی اور فضیلت تو ان کو ہے۔ ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا۔ کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ گنہگار بھی اگر مومن ہے تو بہرحال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں جائے گا۔ حدیث میں فرمایا کہ ہمارا گنہگار معاف ہے یعنی آخر کار معافی ملے گی۔ اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑھے۔ سو سب سے آگے بڑھے اللہ کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں۔

ف۱ سونا اور ریشم مسلمان مردوں کے لیے وہاں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی (مرد) ریشمی (کپڑا) پہنے دنیا میں، نہ پہنے آخرت میں۔

ف۲ یعنی دنیا کا اور محشر کا غم دور کیا۔ گناہ بخشے اور از راہ قدردانی طاقت قبول فرمائی۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" رہنے کا گھر اس سے پہلے کوئی نہ تھا ہر جگہ چل چلاؤ اور روزی کا غم، دشمنوں کا ڈر، اور رنج و مشقت، وہاں پہنچ کر سب کافور ہو گئے۔"

ف۴ نہ کفار کو جہنم میں موت آئے گی کہ اسی سے تکالیف کا خاتمہ ہو جائے اور نہ عذاب کی تکلیف کسی وقت ہلکی ہو گی۔ ایسے ناشکروں کی ہمارے یہاں یہ ہی سزا ہے۔

ف۵ یعنی اس وقت تو اسی کو بھلا سمجھتے تھے پر اب وہ کام نہ کریں گے۔ ذرا دوزخ سے نکال دیجئے تو ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوں۔

ع ۱۱ ۱۶

نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾

مددگار ف ا

مددگار۔

مدح وثناء علماء وصلحاء امت وتوصیف وشان علم نبوت وترغیب برتجارت آخرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ ... الی ... فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾

ربط: ......گزشتہ آیت یعنی ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ میں علماء کا ذکر تھا اب ان آیات میں علماء کی اور ان مومن بندوں کی مدح فرماتے ہیں جو کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے وارث وہی علماء ہیں جو نبی کے علم پر عمل بھی کرتے ہیں اور ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ امت کے طبقات مختلف ہیں بعض نہایت پسندیدہ اور سابق بالخیر ہیں اور بعض ظالم ہیں اور بعض درمیان ہیں۔ منزل مقصود سب کی آخرت ہے اور یہ دنیا دار تجارت ہے اور پہلا گروہ اس تجارت میں سب سے زیادہ کامیاب ہے اور یہ سابق بالخیرات کا گروہ ہے جو فضیلت اور مرتبہ میں سب سے فائق ہے اور دوسرا گروہ مقتصد (درمیانہ) ہے اللہ ان کی کوتاہیوں کو معاف کرے گا۔

اس لئے اب آئندہ آیات میں آخرت کی تجارت اور اس کی کامیابی کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ تحقیق جن بندوں کی یہ صفت ہے کہ وہ یہ سمجھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے پروردگار کی نازل کردہ کتاب ہے اور اس کے موافق عمل بھی کرتے ہیں اور اس کے احکام کے پیچھے پیچھے ❶ چلتے ہیں۔ اور نماز بھی درست رکھتے ہیں یعنی اس کی پابندی کرتے ہیں اور اس کے حقوق ادا کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ظاہر اور پوشیدہ طور پر ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اگر پوشیدہ خرچ کرنے کا موقعہ ہے تو پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور اگر اعلانیہ خرچ کرنے کا موقعہ ہے تو اعلانیہ خرچ کرتے ہیں جس طرح بھی میسر ہو اگرچہ عام طور پر افضل صدقہ وہی ہے جو پوشیدہ ہو ایسے ہی لوگ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کوئی خسارہ نہ ہوگا اس سے آخرت کی تجارت مراد ہے اور اس تجارت کا انجام اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان تاجران آخرت کو پورا پورا اجر دیں گے بلکہ اپنے فضل سے اور زیادہ دیں گے جتنے کا استحقاق ہے اس سے زیادہ ملے گا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت فرمانے والے ہیں۔ کوتاہیوں سے درگذر فرماتے ہیں اور بڑے قدردان ہیں کہ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتے ہیں لہٰذا جو تم کو ملے اس کو خدا کا فضل سمجھو اپنا استحقاق نہ سمجھو۔

ف ا یہ جواب دوزخیوں کو دیا جائے گا۔ یعنی ہم نے تم کو عقل دی تھی۔ جس سے سمجھتے اور کافی عمر دی جس میں سوچنا چاہتے تو سب نیک و بد سوچ کر سیدھا راستہ اختیار کرسکتے تھے۔ حتیٰ کہ تم میں بہت سے تو ساٹھ ستر برس دنیا میں زندہ رہ کر مرے۔ پھر اوپر سے ایسے اشخاص اور حالات بھیجے جو برے انجام سے ڈراتے اور خواب غفلت سے بیدار کرتے رہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی عذر باقی رہا۔ اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو اور کسی طرف سے مدد کی توقع نہ رکھو۔

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ یتلون کا مادہ تلاوت بھی ہے جس کے معنی قرات کے ہیں اور تلو بھی ہے جس کے معنی اتباع اور پیروی اور پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں اور آیت میں جو لفظ یتلون آیا ہے وہ دونوں معنی کو شامل ہے اس لئے کہ محض تلاوت اور محض قرات بدون عمل اور اتباع کے چنداں مفید نہیں۔ واللہ اعلم۔

اس آیت میں آخرت کی تجارت کے نفع اور کامیابی کی امید کا طریقہ بتلایا کہ ان تین کاموں کے کرنے سے آخرت کی تجارت میں کامیابی کی امید اور توقع ہے۔ایک تلاوت قرآن پاک جو تمام اذکار اور عبادات نافلہ کی جڑ ہے اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے اور خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف ہے۔ دوسرے نماز کی درستی اور پابندی جو تمام فرائض اور جسمانی عبادتوں کی جڑ ہے اور دین کا ستون ہے اور تیسرے ظاہر اور پوشیدہ طور پر خیرات وصدقات کرنا جس میں تمام مالی عبادتیں آ گئیں سو جو لوگ یہ تین کام کرتے ہیں وہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی تجارت میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا معلوم ہوا کہ توقع اور امید کے توقع نہیں بلکہ محض تمنا اور آرزو ہے بغیر زراعت کے پیداوار کی توقع رکھنا اس کا نام امید نہیں بلکہ ایک خیال خام ہے اسی طرح بغیر اعمال صالحہ کے رحمت اور مغفرت کی امید رکھنا یہ امید نہیں بلکہ ایک خیال خام ہے۔(ماخوذ از رجاء الغیوب ملقب بہ صبح امید وعظ نمبر ۱۴۷۔از مواعظ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ از سلسلہ تبلیغ)۔

حکایت:......امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حق جل شانہ کو خواب میں دیکھا۔عرض کیا کہ آپ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریبی راستہ کون سا ہے فرمایا تلاوت قرآن یعنی قرآن کا اور میرے کلام کا پڑھنا۔عرض کیا۔ بفہم او بلا فہم۔سمجھ کر یا بلا سمجھ کر۔ ارشاد ہوا بفہم او بلا فہم۔یعنی سمجھ کر ہو یا بلا سمجھ کر ہو۔دونوں طرح موجب قرب ہے یہاں تک توحید کا مضمون بیان ہوا۔

اب نبوت ورسالت کا مضمون بیان کرتے ہیں۔ اور اے پیغمبر جو کتاب ہم نے وحی کے ذریعہ تجھ پر نازل کی ہے وہی حق ہے اور اپنے سے پہلی نازل کردہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حال جاننے والا اور دیکھنے والا ہے کہ کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب کرتا ہے اور کون اس کا اتباع کرتا ہے اور کون اس سے انحراف کرتا ہے پھر پیغمبر کے بعد ہم نے اپنے بندوں میں سے اس آخری کتاب ہدایت کا یعنی قرآن کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے دنیا میں سے اسی میراث کے لئے منتخب کیا یعنی ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو یعنی اہل ایمان کو اس قرآن کا وارث بنایا یعنی ہم نے ایسی امت کو اس کتاب ہدایت وسراپا خیر و برکت کا وارث بنایا جو مجموعی ہیئت سے تمام امتوں سے بہتر اور برتر ہے اور ایمان لانے والے کافروں کے لحاظ سے برگزیدہ ہوتے ہیں لیکن اس کے سب افراد یکساں نہیں ان کی تین قسمیں ہیں پس ان میں سے بعض تو ظالم ہیں کہ فرائض اور واجبات کے بھی تارک ہیں باوجود ایسی کتاب کے وارث ہونے کے پھر بھی برائیوں اور گناہوں سے دست کش نہیں ایمان کے ساتھ گناہ بھی کرتے ہیں اور اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور گناہوں کے بعد توبہ بھی کر لیتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾ وقال تعالیٰ ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾۔

اور بعض ان میں سے متوسط اور میانہ رو ہیں نہ تو پورے اطاعت گزار اور نہ بالکل گناہوں میں غرق کما قال تعالیٰ ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾۔ اور بعض ان میں سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے ہیں جو میدان اطاعت میں سب سے آگے نکل گئے یہ اللہ کے کامل بندے ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں اوروں سے سبقت لے گئے یہ گروہ جنت میں بلا حساب و کتاب داخل ہوگا۔اور مقتصد یعنی میانہ

رو سے محاسبہ ہوگا اور ظالم اپنے ظلم اور بد عملی کی وجہ سے حزن اور غم کو پہنچے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنص صریح امت مرحومہ کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے جن میں اعلیٰ گروہ سابقین اولین کا تھا۔ اور وہ صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ مخصوص تھا اور اس گروہ کو مقربین بھی کہا گیا ہے اور دوسرا گروہ اوسط اور میانہ رو ہے وہ اصحاب الیمین اور ابرار کے نام سے پکارا گیا ہے اور سب سے کم تیسرا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور اعتقاد صحیح رکھتا ہے مگر اعمال میں اس سے کوتاہی واقع ہوتی ہے اور بالآخر بذریعہ توبہ و استغفار اور بذریعہ ندامت اس کا تدارک کرتا ہے۔ اور خلیفہ راشد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقین اور مقربین میں سے ہو۔ (ازالۃ الخفاء)

اور یہ خدا تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے کہ ساری دنیا میں سے اس امت کو اس نعمت اور کرامت کے لئے منتخب فرمایا۔ کہ میراث کی طرح بلا مشقت و محنت ان کو ایسی کامل کتاب عطا کی پس اللہ تعالیٰ کا اس امت کو اپنے اس عظیم عطیہ کے لئے منتخب کرنا یہ خدا تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے یا یہ معنی ہیں کہ بعض بندوں کا خیرات اور نیکیوں میں سب سے سبقت لے جانا اور آگے بڑھ جانا یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اگر خدا تعالیٰ کی توفیق نہ ہوتی تو خیرات میں سبقت نہ کر سکتے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ آیت میں جن تین قسموں کا ذکر ہے وہ سب اہل ایمان کی قسمیں ہیں اور بعض علماء نے (آیت میں جو ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ کا ذکر ہے) اس کو کافر پر محمول کیا ہے اور اہل نجات صرف دو فریق ہیں۔ ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ اور ﴿سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ﴾ یہ دو گروہ تو جنت میں داخل ہوں گے اور اس قول کی بنا پر پہلا فریق یعنی ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ جنت میں داخل نہ ہوگا اور یہ قول احادیث صریحہ وصحیحہ کے خلاف ہے۔

محققین کے نزدیک صحیح اور راجح قول پہلا قول ہے اور اسی کو امام ابن جریر رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور آیات کا سیاق و سباق بھی اسی کو مقتضی ہے کہ آیت میں جن تین اقسام کا بیان ہوا ہے وہ سب اہل اصطفا اور اہل ایمان ہی کی اقسام کا بیان ہے جو اس کتاب ہدایت پر ایمان لائے اور اس کے وارث بنے اور وارث وہ ہے جس کا نسب صحیح ہو اور وہ صحیح النسب اہل ایمان کا گروہ ہے مگر سب ورثاء ایک رتبہ کے نہیں ہوتا ان کی تین قسمیں ہیں۔ ذوی الفروض۔ اور عصبات اور ذوی الارحام۔ ابتداء آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے اپنی رحمت سے اس کتاب کا وارث بنایا پھر ان برگزیدہ بندوں کی تین قسمیں بیان کیں سب سے اول ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ کو ذکر کیا اور پھر ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ کو اور پھر ﴿سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ﴾ کو۔ معلوم ہوا کہ ظلام اور مقتصد اور سابق بالخیرات یہ تینوں قسمیں اہل ایمان کی ہیں جو خدا تعالیٰ کے نزدیک من حیث الایمان والاسلام پسندیدہ اور برگزیدہ ہیں اور ظاہر ہے کہ کافر اور منافق کسی صورت میں خدا کے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ نہیں ہو سکتا اور نہ کافر اور منافق کا دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے معلوم ہوا کہ ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ [1] سے کافر مراد نہیں بلکہ گنہگار مسلمان مراد ہے جس نے گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کیا۔ قرآن کریم

[1] جن علماء نے اس آیت میں "ظالم" سے کافر مراد لیا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں جن اقسام ثلاثہ کا ذکر ہے یہ وہی اقسام ثلاثہ ہیں جو سورۂ واقعہ میں مذکور ہیں ﴿وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ مگر احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہی معلوم ہوا ہے کہ سورۂ فاطر کی آیت میں ظالم سے گنہگار مسلمان مراد ہیں۔ آیات کی تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر و ابن کثیر و تفسیر قرطبی دیکھیں۔

میں ظالم کا اطلاق کافر پر بھی آیا ہے اور گنہگار پر بھی۔ اس لئے کہ ظلم کے درجات ہیں۔ شرک، ظلم عظیم اور معصیت اور گناہ اس سے کم کا ظلم ہے بلکہ قرآن کریم میں ظلم کا اطلاق خلاف اولیٰ پر بھی آیا ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ﴿رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ﴾۔

بہر حال شروع آیت میں ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا﴾ سے امت محمدیہ کے تمام مسلمان مراد ہیں جو علی اختلاف المراتب اس کتاب ہدایت کے وارث بنے اور یہ سب اہل نجات ہیں۔ اور بالآخر سب جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ اخیر آیت میں ہے۔ ابتدا آیت میں اجمالاً اہل ایمان اور اہل اسلام کو ذکر کیا جو اس کتاب ہدایت کے وارث بنے۔

بعد ازاں اہل ایمان کی اقسام کا بیان فرمایا کہ وہ تین قسمیں ہیں۔ ظالم اور مقتصد اور سابق بالخیرات۔ اور یہ تینوں گروہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے پھر جب اہل اسلام کی اقسام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اس کے بالمقابل اہل کفر اور دوزخیوں کا بیان شروع فرمایا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں جن اقسام ثلاثہ کا ذکر ہے وہ سب اہل اصطفاء یعنی اہل اسلام کے اقسام ہیں اب اخیر میں ان اقسام ثلاثہ کی نجات اور دخول جنت کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ الخ یہ تینوں گروہ بالآخر ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اس آیت میں ﴿يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ کی ضمیر اصناف ثلاثہ کی طرف راجع ہے لہٰذا ﴿يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ کی ضمیر کو صنف اخیر یعنی سابق بالخیرات کے ساتھ مخصوص کرنا تخصیص بلا دلیل ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان اور ابو الدرداء اور ابن مسعود اور عقبہ بن عمرو اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے کہ ﴿يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ کی ضمیر اصناف ثلاثہ کی طرف راجع ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۳۴۶)

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ یعنی اسی امت کو کتاب ہدایت کا وارث بنانا یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اب اس آیت میں اس فضل کبیر کے نتیجہ کو بیان فرمایا کہ ان تینوں گروہوں کا انجام بخیر ہوگا اور یہ سب علی حسب المراتب ضرور جنت میں داخل ہوں گے اور یہ وارثان قرآن، جنت کے وارث ہوں گے اور داخل ہونے کے بعد ان کو بادشاہوں کی طرح خالص سونے اور صاف موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے۔ اور جنات عدن میں ان کا لباس حریری ہوگا اور یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر یہ کہیں گے حمد ہے اس خدا کی جس نے ہم سے غم کو دور کیا یہاں آنے کے بعد کوئی فکر اور غم نہیں بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور بڑا قدر دان ہے کہ اس نے ہمارے گناہوں کو تو معاف کر دیا اور معمولی حسنات پر وہم و گمان سے بڑھ کر اجر عطا کیا ایسا پروردگار جس نے اپنے فضل سے ہم کو دار قیام اور دوام میں اتارا جہاں ہم کو نہ کوئی مشقت پہنچتی ہے اور نہ تکان۔ اس گھر میں نہ کوئی رنج و غم ہے اور نہ کوئی محنت و مشقت ہے اور نہ کوئی کام سے تھکنا ہے اور نہ کسی قسم کا فکر اور اندیشہ ہے۔ یہاں تک تو اہل ایمان اور اہل سعادت کی تینوں قسموں کی جزاء کا بیان ہوا۔ اب آگے ان کے برخلاف اہل کفر اور اہل شقاوت کی جزاء و سزا کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کر کے برگزیدہ افراد سے یعنی اہل ایمان اور اہل سعادت کی تینوں قسموں سے بالکلیہ خارج ہوئے اور قرآن کی وراثت سے محروم

ہوئے ان کے لئے آتش دوزخ ہے ان کا کام بھی تمام نہ ہوگا۔ جو مر ہی جائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی۔ ہم ہر کفر کرنے والے کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور یہ کفار جو دوزخ میں پڑے ہوئے ہوں گے فریاد کے لئے دوزخ میں چیخیں ماریں گے اور شور وغل مچائیں گے اور کہیں گے کہ اے پروردگار اب ہم کو جہنم سے نکال دے اور دوبارہ ہم کو دنیا میں بھیج دے وہاں پہنچ کر ہم نیک کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو پہلے دنیا میں کیا کرتے تھے اب ہم دوبارہ واپسی کے بعد پہلے جیسے عمل نہ کریں گے۔

جوابِ خداوندی

جواب ملے گا کیا ہم نے اس دنیا میں تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکے چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں ہدایت پائی ان کو بھی تو اتنی ہی عمر ملی تھی جتنی تم کو ملی تھی مگر تم نے اس کو غفلت میں کھو دیا اور پھر ہم نے صرف عمر اور وقت ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمہارے پاس ہماری طرف سے ڈرانے والا بھی آیا جس نے تم کو خواب غفلت سے خوب جھنجھوڑا مگر تم پھر بھی ہوش میں نہ آئے سو اب اس نہ ماننے کا مزہ چکھو اس لئے کہ یہاں ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو اُن کو عذاب سے چھڑائے کیونکہ اس مدت میں تم پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی اور تم نے نہ کوئی عبرت پکڑی اور نہ کسی کی نصیحت پر کان دھرا ایسی حالت میں کون تمہاری مدد کر سکتا ہے ایسے سرکشوں کا کوئی مددگار نہیں لہٰذا اب دنیا میں دوبارہ واپسی ممکن نہیں جو خود ہی اپنی جان پر ظلم کرے اس کا کون مددگار ہو سکتا ہے۔

لطائف و معارف

﴿اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ﴾ اس آیت میں دو جملے مذکور ہیں ایک ﴿اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ﴾ اور دوسرا ﴿وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ﴾ اور یہ عطف من قبیل عطف الخاص علی العام ہے۔

اور آیات میں "نذیر" سے مراد نبی اور اس کے نائبین ہیں جنہوں نے احکام الٰہی کی تبلیغ کی اور راہ حق کی دعوت دی اور بعض کہتے ہیں کہ نذیر سے بڑھاپا اور ہم عمروں کی موت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے میں اور ہم عمروں کی موت سے بھی تمہاری غفلت نہ گئی اور آنکھ نہ کھلی کہ کچھ آخرت کا سامان کرتے بڑھاپا آ جانے کے بعد کس چیز کا انتظار رہ گیا۔ اللہ کی حجت تو بلوغ سے بھی پوری ہو جاتی ہے کیونکہ تذکر اور نصیحت کے لئے بلوغ کا زمانہ بھی کافی ہے لیکن اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تو مزید الزام کا مستوجب ہے اس لئے کہ تذکر کی مدت انتہا کو پہنچ گئی اور حجت پوری ہو گئی جوانی میں جب معاش کو سمجھ سکتا ہے تو معاد کو کیوں نہیں سمجھ سکتا۔

اور ﴿اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ﴾ میں خطاب اگرچہ کفار کو ہے مگر مقصود سب کو سنانا ہے اس لئے کہ اصل علت غفلت ہے جس میں سب شریک ہیں اگرچہ مراتب غفلت میں فرق ہے تاکہ سب سن لیں اور متنبہ ہو جائیں۔ دیکھئے عدالت میں جب مجرم کو سزا دی جاتی ہے تو اس کا اعلان کیا جاتا ہے جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ مجرم نہیں وہ بھی سن لیں اور متنبہ ہو جائیں اور غفلت میں نہ رہیں غرض یہ کہ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ عمر کے ہر جز کو عمر کا جزء اخیر سمجھو۔ غفلت سے تنبہ کا یہ بہترین طریقہ

ہے۔ آیت میں اجمالاً اس طریق کی طرف اشارہ فرمایا کہ غفلت سے تنبہ کا طریقہ تذکر ہے اور حدیث میں اس کا صراحۃً حکم دیا۔ چنانچہ فرمایا۔ اذا قمت فی صلاتك فصل صلاة مودع یعنی جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو ایسی طرح نماز پڑھو جیسے دنیا کو رخصت کر رہے ہو یعنی یہ سمجھو کہ یہ عمر کا جز اخیر ہے حدیث میں اگرچہ نماز کا ذکر ہے مگر یہ علت ہر عمل میں پائی جاتی ہے اس لئے زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ سب میں یہی مضمون پیش نظر رہنا چاہئے اس تنبہ اور استحضار کا فائدہ یہ ہوگا کہ طول امل کے مفاسد سے محفوظ ہو جائے گا یا کم از کم کمی ہی آ جائے گی بیمہ کمپنی کی بنا ہی تمام تر طول امل پر ہے جس کی حقیقت قمار یعنی جوا ہے۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ جو شخص بیمہ کراتا ہے کمپنی والے کیسی کیسی شرطیں لگاتے ہیں اور ڈاکٹروں سے اس کے قویٰ کا معائنہ کراتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے۔ اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسیت فلا تحدث نفسك بالصباح یعنی جب تو صبح کرے تو اپنے نفس سے شام کے منصوبوں کی باتیں نہ کرنا اور جب تو شام کرے تو صبح کے منصوبوں کی باتیں نہ کرنا

خلاصۂ کلام یہ کہ موت کو یاد رکھو اور موت کے تذکر اور تفکر کو اپنا حرز جان بناؤ جس درجہ کا تذکر ہوگا اسی درجہ تقلیل معاصی میں مفید اور معین ہوگا۔ ملخص از وعظ نمبر ۱۴۸ مسمی بہ دواء العیوب ملقب بہ شام خورشید۔

فائدہ در بارۂ تقویٰ:...... معاصی دو قسم کے ہیں یک وہ ہیں کہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے دوم وہ کہ جن کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف نہیں جیسے ڈاڑھی منڈانا۔ جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ شیخی مارنا۔ ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا۔ اس قسم کے گناہوں کو یکلخت ترک کر دینا چاہئے اور پہلی قسم کے گناہوں کو بتدریج۔ کذا فی شام خورشید ص ۳۴ وعظ نمبر ۱۴۸ از مواعظ تبلیغ۔

نکتہ:...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تین قسموں کو بیان کیا اور سب سے پہلے ظالم کو ذکر کیا۔ اس کی یا تو یہ وجہ ہے کہ دنیا میں ظالموں کی کثرت ہے یا یہ اشارہ ہے کہ ظالم ظلم اور معصیت کی وجہ سے اہل اصطفاء سے خارج نہیں ہوا بلکہ ایمان کی وجہ سے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے جس درجہ کا ایمان ہے اسی درجہ کا وارث ہے جب تک ایمان ہے جنت کی وراثت سے محروم نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي

اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں ف۱ وہی ہے جس نے

اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اس کو خوب معلوم ہے، جو بات ہے دلوں میں۔ وہی ہے جس نے

جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ

کیا تم کو قائم مقام زمین میں ف۲ پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اس پر پڑے اس کی ناشکری اور منکروں کو نہ بڑھے گی ان کے انکار سے

کیا تم کو قائم مقام زمین میں، پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اس پر پڑے اس کی ناشکری۔ اور منکروں کو نہ بڑھے گا ان کے انکار سے،

ف۱ یعنی اسے بندوں کے سب کھلے چھپے احوال و افعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں۔ کسی کی نیت اور استعداد اس سے پوشیدہ نہیں اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ اب چلا رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو، پھر ایسی خطا نہ کریں گے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اگر ستر دفعہ لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آ سکتے۔ ان کے مزاجوں کی افتاد ہی ایسی ہے ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ (انعام، رکوع ۳)

ف۲ یعنی اگلی امتوں کی جگہ تم کو زمین پر آباد کیا اور ان کے بعد ریاست دی۔ چاہیے اب اس کا حق ادا کرو۔

عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ

ان کے رب کے سامنے مگر بیزاری اور منکروں کو نہ بڑھے گا ان کے انکار سے مگر نقصان ف۱ تو کہہ بھلا دیکھو تو

ان کے رب کے آگے مگر بیزاری۔ اور منکروں کو نہ بڑھے گا ان کے انکار سے، مگر نقصان۔ تو کہہ، بھلا دیکھو تو!

شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوۡنِيۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ

اپنے شریکوں کو جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا دکھلاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے زمین میں یا کچھ

اپنے شریک جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا۔ دکھاؤ تو مجھ کو، کیا بنایا انہوں نے زمین میں؟ یا کچھ

شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ۚ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا فَهُمۡ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنۡهُ ۚ بَلۡ اِنۡ يَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ

ان کا ساجھا ہے آسمانوں میں ف۲ یا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب سو وہ سند رکھتے ہیں اس کی ف۳ کوئی نہیں پر جو وعدہ بتلاتے ہیں گناہگار

ان کا ساجھا ہے آسمانوں میں؟ یا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب، سو یہ سند رکھتے ہیں اس کی؟ کوئی نہیں پر جو بتاتے ہیں گنہگار

بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا ۝۴۰ اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَلَئِنۡ

ایک دوسرے کو سب فریب ہے ف۴ تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں اور اگر

ایک دوسرے کو، سب فریب ہے۔ تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو، کہ ٹل نہ جائیں۔ اور اگر

زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ۝۴۱

ٹل جائیں تو کوئی نہ تھام سکے ان کو اس کے سوا ف۵ وہ ہے تحمل والا بخشنے والا ف۶

ٹل جائیں تو کوئی نہ تھام سکے ان کو اس کے سوا۔ وہ ہے تحمل والا بخشتا۔

ف۱ یعنی کفرو ناشکری اور اللہ کی آیات کے انکار سے اس کا کچھ نقصان نہیں۔ وہ ہماری حمد و شکر سے مستغنی ہے۔ البتہ ناشکری کرنے والے پر اس کے فعل کا وبال پڑتا ہے۔ کفر کا انجام بجز اس کے کچھ نہیں کہ اللہ کی طرف سے برابر ناراضی اور بیزاری بڑھتی جائے اور کافر کے نقصان و خسران میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔

ف۲ یعنی اپنے معبودوں کے احوال میں غور کر کے مجھے بتلاؤ کہ زمین کا کون سا حصہ انہوں نے بنایا، یا آسمانوں کے بنانے اور تھامنے میں ان کی کس قدر شرکت ہے۔ اگر کچھ نہیں تو آخر خدا کس طرح بن بیٹھے۔ کچھ تو عقل سے کام لو۔

ف۳ یعنی عقل نہیں تو کوئی معتبر نقلی دلیل پیش کرو۔ جس کی سند پر یہ مشرکانہ دعویٰ کرتے ہو۔

ف۴ یعنی عقلی یا نقلی دلیل کوئی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان میں سے بڑے چھوٹوں کو اور اگلے پچھلوں کو شیطان کے اغوا سے یہ وعدہ بتلاتے چلے آئے کہ ہولاء شفعاؤنا عند اللہ (یہ بت وغیرہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع بنیں گے) اور اس کا قرب عطا کریں گے۔ حالانکہ یہ خالص دھوکہ اور فریب ہے یہ تو کیا شفیع بنتے، بڑے سے بڑا مقرب بھی وہاں کفار کی سفارش میں زبان نہیں ہلا سکتا۔

ف۵ یعنی اسی کی قدرت کا ہاتھ ہے جو اتنے بڑے بڑے کرات عظام کو اپنے مرکز سے ہٹنے اور اپنے مقام و نظام سے ادھر ادھر سرکنے نہیں دیتا اور اگر بالفرض یہ چیزیں اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو پھر بجز خدا کے کسی کی طاقت ہے کہ ان کو قابو میں رکھ سکے۔ چنانچہ قیامت میں جب یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ درہم برہم کرے گا کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی۔

ف۶ یعنی لوگوں کے کفر و عصیان کا اقتضاء تو یہ ہے کہ یہ سارا نظام ایک دم میں تہ و بالا کر دیا جائے گا لیکن اس کے تحمل و بردباری سے تھما ہوا ہے۔ اس کی بخشش نہ ہو تو سب دنیا ویران ہو جائے۔

بیان علم وحلم خداوندی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الی ... اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾

ربط:...... اوپر اکثر آیات میں اثبات توحید اور ابطال شرک اور دلائل قدرت اور صفات کمال کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کو اور اپنے حکم بیان کرتے ہیں کہ وہ باوجود علیم وقدیر ہونے کے حلیم وغفور بھی ہے مجرمین کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔

کما قال تعالی ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾۔ ان کے شرک کا مقتضی تو یہ تھا کہ آسمان وزمین پھٹ جائیں لیکن اللہ کے حلم کی وجہ سے تھمے ہوئے ہیں جیسا کہ ان آیات کے اخیر میں ہے۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ بیشک اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ دنیا میں واپس جانے کے بعد بھی وہی کرو گے جو پہلے کرتے تھے اور تمہارا یہ وعدہ کہ ہم دنیا میں واپسی کے بعد نیک عمل کریں گے۔ سیاسی لوگوں کی طرح جھوٹا وعدہ ہے جس سے مقصود وقتی طور پر جان خلاصی کرنی ہے سو وہ اگر تم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دے تو اسے معلوم ہے کہ تم دنیا کی واپسی کے بعد بھی عمل صالح نہ کرو گے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اس لئے کہ وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ ان کے سینوں میں کفر اور مکر اور جھوٹ چھپا ہوا ہے۔

اسی خدا نے تم کو زمین میں پہلی امتوں کا قائم مقام بنایا اور تصرف اور اختیار اور اقتدار کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں دیں اور یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی مگر ایمان نہ لائے۔ پس جو شخص کفر کرے تو اس کے کفر کا ضرر اسی پر پڑے اور نہیں زیادہ کرتا کفر اور شرک کافروں کے حق میں مگر آخرت کے خسارہ اور نقصان کو اور بسا اوقات کفر کا نقصان دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے پس آپ ﷺ ان نادانوں کی توبیخ اور سرزنش کے لئے ذرا ان سے یہ کہیے کہ بھلا بتلاؤ تو سہی کہ جن کو تم شریک ٹھہرائے ہوئے ہو اور اللہ کے سوا ان کو اپنی حاجتوں کے لئے پکارتے ہو ذرا مجھے ان کے حال سے آگاہ کرو اور مجھے دکھلاؤ کہ وہ کیا چیز ہے جو انہوں نے زمین میں سے پیدا کی ہے اور زمین کا وہ کون سا حصہ اور جزء ہے جو ان کا بنایا ہوا ہے یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کا کوئی حصہ ہے کہ انہوں نے بھی کوئی آسمان بنایا ہے بہرحال شرک کے لئے ان کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ نقلی۔ کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس میں شرک کا صحیح ہونا لکھا ہو۔ اور اس میں شرک کی تعلیم وتلقین مذکور ہو پس وہ اس کتاب سے کسی روشن دلیل پر ہوں جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ یہ کفر اور شرک ٹھیک اور درست ہے مگر ان میں کوئی بات بھی نہیں مگر کافر اور ظالم آپس میں مکر وفریب کی رو سے ایک دوسرے سے وعدہ کرتے ہیں کہ یہ بت تمہاری شفاعت کریں گے یہ سب خیال خام ہے اللہ کے حلم سے دھوکہ میں پڑ گئے ہیں اس کی قدرت پر نظر نہیں کرتے کیا اس قدرت عظیم میں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو روکے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں۔ یعنی اللہ کی قدرت عظیم کا ایک کرشمہ ہے کہ آسمان وزمین باوجود بڑے بڑے اجسام ہونے کے اپنی اپنی جگہ پر قائم

ہیں کسی کی یہ مجال نہیں کہ ذرہ برابر اپنی جگہ سے جنبش کر سکے اگر آسمان وزمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی مجال نہیں کہ ان کو روک سکے۔ اور تھام سکے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾۔

خلاصہ یہ کہ شرک پر کوئی دلیل نہیں بلکہ شرک تو فساد عالم اور اس کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے ان کے کفر کا مقتضی تو یہ تھا کہ غضب الٰہی جوش میں آتا اور ان پر قہر خداوندی نازل ہوتا لیکن حلم الٰہی کی وجہ سے قہر خداوندی کا نزول رکا ہوا ہے اس لئے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار ہے مجرمین کے پکڑے میں جلدی نہیں کرتا اور آمرزگار ہے کفر اور معصیت کو دیکھتا ہے مگر عذاب میں جلدی نہیں کرتا ورنہ اگر چاہتا تو ایک دم سے ان پر آسمان گرا دیتا یا زمین میں ان کو دھنسا دیتا۔ نافرمانوں کو چاہیے کہ عذاب نہ آنے کو اللہ کے حلم اور بردباری کی دلیل سمجھیں اس کے عفو کلی کی دلیل نہ سمجھیں۔

جب تک دنیا قائم ہے اس وقت تک آسمان اور زمین اپنی جگہ قائم ہیں جب قیامت ہوگی تو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔

فائدہ جلیلہ دربارہ حرکت آسمان وزمین:...... جمہور علماء اسلام کا یہ مذہب ہے کہ نہ آسمان حرکت کرتا ہے اور نہ زمین (روح المعانی [1] ص ۱۸۸) قدیم فلاسفہ آسمان کو متحرک اور زمین کو ساکن کہتے ہیں اور جدید فلاسفہ آسمان کے وجود کے تو قائل نہیں اور زمین کو آفتاب کے گرد متحرک مانتے ہیں جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

فائدہ دیگر:...... حق جل شانہ کے اس قول ﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ آسمان اور زمین کا قیام اور بقاء سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے اس میں فلاسفہ کے اس قول کے رد کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آسمان وزمین کے حدوث کی تو علت ہے مگر بقاء کی علت نہیں (تفسیر عزیزی ص ۲۴۳) عمارت کو اپنے وجود اور حدوث میں بانی کی ضرورت ہے اپنے بقاء میں عمارت کو بانی کی ضرورت نہیں۔

حکماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ جو علت حدوث کی ہے وہی علت بقاء کی ہے۔ عالم کو اپنے وجود اور بقاء میں باری تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو زمین کو اپنے روشن ہونے اور روشن رہنے میں آفتاب کی شعاعوں سے نسبت ہے زمین میں اپنی روشنی کے وجود اور حدوث میں بھی آفتاب کی تجلی اور اس کے طلوع کی محتاج اور اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے آفتاب اپنی حرکت طلوعی میں زمین کو روشنی عطا کرتا ہے اور حرکت غروبی میں اپنے عطیہ کو زمین میں سے واپس لے لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح زمین ابتداءً اپنے روشن ہونے میں آفتاب کی محتاج ہے اسی طرح زمین اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔

فائدہ:...... ایک روایت میں ہے کہ منجانب اللہ موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے گئے کہ ان کو ہاتھ میں تھامے رکھیں اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم

---

[1] قال الالوسی المشهور عند السلف ان السموت لا تدور وانها غير الافلك وكثير من الاسلاميين ذهبوا الى انها تدور وانها ليست غير الافلاك واما الارض فلا خلاف بين المسلمين فی سكونها والفلاسفة مختلفون والمعظم على السكون ومنهم من ذهب الى انها متحركة وان الطلوع والغروب بحركتها ورد ذلك فی موضعه كذا فی روح المعانی: ۱۸۸/۲۲۔

ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو سونے نہ دو۔ تین راتیں تو اس طرح گزاردیں بالآخر نیند کا غلبہ ہوا اور شیشے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام)! بالفرض اگر مجھ پر نیند اور اونگھ آتی تو شیشہ کی طرح یہ آسمان وزمین ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ (تفسیر عزیزی ص ۲۴۳)

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ ۚ

اور قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید کی قسمیں اپنی کہ اگر آئے گا ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا البتہ بہتر راہ چلیں گے ہر ایک امت سے

اور قسم کھاتے تھے اللہ کی تاکید کی قسمیں اپنی، اگر آئے ان پاس کوئی ڈر سنانے والا، البتہ بہتر راہ چلیں گے اور کسی ایک امت سے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ﴿۴۲﴾ اسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّئِ ؕ

پھر جب آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا اور زیادہ ہوگیا ان کا بدکنا غرور کرنا ملک میں اور داؤ کرنا برے کام کا

پھر جب آیا ان پاس ڈر سنانے والا، اور زیادہ ہوا ان کا بدکنا، غرور کرنا ملک میں، اور داؤ کرنا برے کام کا۔

وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ

اور برائی کا داؤ الٹے گا انہی داؤں والوں پر ف۱ پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں پہلوں کے دستور کی سو تو نہ پائے گا

اور برائی کا داؤ الٹے گا اسی داؤ والوں پر۔ پھر وہی راہ دیکھتے ہیں اگلوں کے دستور کی۔ سو تو نہ پاوے گا

لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پائے گا اللہ کا دستور ٹلتا ف۲ کیا پھرے نہیں ملک میں

اللہ کا دستور بدلتا۔ اور نہ پاوے گا اللہ کا دستور ٹلتا۔ کیا پھرے نہیں ملک میں

فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَكَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ

کہ دیکھ لیں کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور تھے ان سے بہت سخت زور میں اور

کہ دیکھیں آخر کیسا ہوا ان کا جو ان سے پہلے تھے؟ اور تھے ان سے سخت زور میں۔ اور

اللّٰهُ لِيُعۡجِزَهٗ مِنۡ شَىۡءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيۡمًا قَدِيۡرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوۡ

اللہ وہ نہیں جس کو تھکائے کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہی ہے سب کچھ جانتا کرسکتا ف۳ اور

اللہ وہ نہیں جس کو تھکائے کوئی چیز آسمانوں میں نہ زمین میں۔ وہی ہے سب جانتا کرسکتا۔ اور

ف۱ عرب کے لوگ جب سنتے کہ یہود وغیرہ دوسری قوموں نے اپنے نبیوں کی یوں نافرمانی کی تو کہتے کہ کبھی ہم میں ایک نبی آئے تو ہم ان قوموں سے بہتر نبی کی اطاعت ورفاقت کرکے دکھلائیں۔ جب اللہ نے نبی بھیجا جو سب نبیوں سے عظمت شان میں بڑھ کر ہے تو حق سے اور زیادہ بدکنے لگے۔ ان کا غرور تکبر کہاں اجازت دیتا کہ نبی کے سامنے گردن جھکائیں۔ رفاقت اور اطاعت اختیار کرنے کے بجائے عداوت پر کمربستہ ہوگئے اور طرح طرح کی مکر وتدبیریں اور داؤ گھات شروع کردیے مگر یاد رہے کہ برا داؤ خود داؤ کرنے والوں پر الٹے گا۔ گو چند روز عارضی طور پر اپنے دل میں خوش ہولیں کہ ہم نے تدبیریں کرکے یوں نقصان پہنچا دیا لیکن انجام کار دیکھ لیں گے کہ واقع میں نقصان عظیم کس کو اٹھانا پڑا۔ فرض کرو دنیا میں ٹل بھی گیا تو آخرت میں تو یقیناً یہ مشاہدہ ہوکر رہے گا۔

ف۲ یعنی یہ اسی کے منتظر ہیں کہ جو گزشتہ مجرموں کے ساتھ معاملہ ہوا ان کے ساتھ بھی ہو۔ سو باز نہ آئے تو وہ ہی ہوکر رہے گا۔ اللہ کا جو دستور مجرموں کی نسبت سزا =

يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى

اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کی ان کی کمائی پر نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک بھی ہلنے چلنے والا ف۱ پر ان کو ڈھیل دیتا ہے ایک

پکڑ کرے اللہ لوگوں کو ان کی کمائی پر، نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک ہلنے چلنے والا، پر ان کو ڈھیل دیتا ہے ایک

اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

مقرر وعدہ تک پھر جب آئے ان کا وعدہ تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے سب بندے ف۲

ٹھہرے ہوئے وعدہ تک۔ پھر جب آیا ان کا وعدہ، تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے سب بندے۔

تشنیع وتقریع بر کفر ومکر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ... الی ... فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ یہ مشرکین کفر وشرک کی وجہ سے بھی قہر الٰہی کے مستحق ہیں لیکن اللہ کے حلم سے بچے ہوئے ہیں اب آئندہ آیات میں ان کے مکر وفریب اور ان کی بدعہدی کو بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ بدعہدی کی وجہ سے مستحق قہر وغضب ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ مشرکین عرب آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھایا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کی طرف سے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آتا تو ہم ہدایت اختیار کرنے میں پہلی امتوں سے بڑھ کر ہوتے یعنی یہود ونصاریٰ کی طرح تکذیب نہ کرتے بلکہ ان سے بہتر ہوتے کما قال تعالیٰ ﴿وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾۔

یعنی اگر ہمارے پاس اولین جیسی کوئی ہدایت اور نصیحت ہوتی تو بیشک ہم اللہ کے مخلص بندوں میں سے ہوجاتے۔

پس جب خدا تعالیٰ کی طرف اے ان کے پاس کامل ترین نذیر آگیا اور اپنے ساتھ ایک کتاب ہدایت بھی لے کر آیا تو ساری قسمیں اور سارے وعدے بھلا دیئے اور اس نذیر کے آنے سے بجائے ہدایت اور رغبت کے ان کی نفرت میں اور

= دینے کا رہا نہ وہ بدلنے والا ہے کہ بجائے سزا کے ایسے مجرموں پر انعام واکرام ہونے لگے اور نہ ٹلنے والا کہ مجرم سے سزا ٹل کر غیر مجرم کو دے دی جائے۔

ف۳ یعنی بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد وثمود وغیرہ۔ یہ بیچارے تو چیز کیا ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ آسمان وزمین کی کوئی طاقت اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی علم اس کا محیط اور قدرت اس کی کامل۔ پھر معاذ اللہ، عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔

ف۱ یعنی لوگ جو گناہ کماتے ہیں اگر ان میں سے ہر ہر جزئی پر گرفت شروع کر دے تو کوئی جاندار زمین میں باقی نہ رہے، نافرمان تو اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیے جائیں۔ اور کامل فرمانبردار جو عادۃً بہت تھوڑے ہوتے ہیں قلت کی وجہ سے اٹھا لیے جائیں۔ کیونکہ نظام عالم کچھ ایسے انداز پر قائم کیا گیا ہے کہ محض معدودے چند انسانوں کا یہاں بستے رہنا خلاف حکمت ہے۔ پھر جب انسان آباد نہ رہے تو حیوانات کاہے کے لیے رکھے جائیں گے۔ ان کا وجود بلکہ تمام عالم ہستی تو اس حضرت انسان کے لیے ہے۔

ف۲ یعنی ایک مقرر میعاد اور حد معین تک اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے کہ ہر ایک جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ جب وقت موعود آ جائے گا تو یاد رکھو سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں کسی کا ایک ذرہ بھر برا یا بھلا عمل اس کے علم سے باہر نہیں۔ پس ہر ایک کا اپنے علم محیط کے موافق ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرما دے گا۔ نہ مجرم کہیں چھپ سکے نہ مطیع کا حق مارا جائے۔ "اللهم اجعلنا ممن يطيعك واغفر لنا ذنوبنا انك انت الغفور الرحيم۔" "تم سورة "فاطر" بفضل الله ورحمة۔

زیادتی ہوگئی۔ اور اس کی دشمنی پر کمربستہ ہوگئے اور زمین میں سرکشی کرنے لگے اور اس نذیر کے ہلاک کرنے کے برے برے مکر کرنے لگے اور لوگوں کو راہ حق سے روکنے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ کافر کفر بھی کرتے ہیں اور عہد شکنی بھی کرتے ہیں اور استکبار کا شکار ہیں اور مکار اور مسخرے ہیں کہ قہر خداوندی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں اور دین کے خلاف سازشوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور نہیں گھیرتا برا مکر مگر خود مکاروں کی جان کو۔ الٹی چالیں الٹی چال کرنے والوں ہی پر پڑا کرتی ہیں۔ حق اور صواب کو چالوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ وقتی طور پر اپنی چالاکیوں پر خوش ہولیں گے مگر انجام کار دیکھ کہ مکر کا نقصان مکار ہی پر پڑتا ہے۔ پس کیا یہ مکار اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے کافروں اور مکاروں کے ساتھ برتا گیا پس اے نبی ﷺ آپ ﷺ اللہ کے دستور میں نہ کوئی تبدیلی پائیں گے یعنی کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اللہ کے دستور کو بدل دے اور نہ پاوے گا تو اللہ کے دستور کو ٹلتا ہوا۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کے دستور کو اور قانون عذاب کو کافروں اور مکاروں سے پھیر کر دوسری طرف لے جائے اور ان سے دفع کر کے غیروں پر رکھ دے بلکہ وہ عذاب اسی قوم پر واقع ہوگا جس کے لئے مقرر ہو چکا ہے یہ ناممکن ہے کہ عذاب مستحق سے ہٹ کر غیر مستحق پر واقع ہو جائے "تبدیل" سے مراد عذاب کو رحمت سے بدل دینے کے ہیں اور "تحویل" سے عذاب کو مجرمین سے غیر مجرمین کی طرف منتقل کر دینے کے ہیں۔

کیا یہ کفر کرنے والے زمین میں پھرے نہیں کہ دیکھیں کہ آخر کیا انجام ہوا ان سے پہلے کفر کرنے والوں اور مکر کرنے والوں کا اور وہ لوگ ان سے قوت اور جسامت اور مال و دولت میں بہت زیادہ تھے مگر باوجود اس کے اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکے اور خدا کے مقابلہ میں ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور کوئی چیز آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں کہ خدا تعالیٰ کو پکڑنے سے عاجز کر سکے بیشک وہ دانا اور توانا ہے نہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اس کی قدرت سے خارج ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے پکڑنے لگے اور اپنے علم کے موافق ان کو کفر اور معصیت پر مہلت نہ دے تو زمین کی پشت پر کسی جاندار کو زندہ باقی نہ چھوڑے لیکن وہ اپنے حلم کی وجہ سے ان کو ایک میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے اگر کفر اور معصیت کی نحوست سے انسان ہلاک ہوتے تو حیوانات بھی ہلاک ہو جاتے۔ جیسے نوح علیہ السلام کے زمانہ میں کفر کی نحوست سے جانور بھی ہلاک ہوئے تو اس وقت بھی اگر کفر اور معصیت کے وبال میں پکڑیں تو سب نیست و نابود ہو جائیں۔ بارش اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو تمام حیوانات کے لئے سامان حیات ہے پس اگر خدا تعالیٰ بندوں کی بداعمالی کی وجہ سے آسمان سے بارش روک لے تو سب حیوانات مر جائیں پس جب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آئے گا تو پھر ایک دم کی مہلت نہ ملے گی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو دیکھنے والا ہے اور جاننے والا ہے کہ کون ہلاکت کا مستحق ہے اور کن نجات کا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ یوم چہار شنبہ بوقت ۴ بجے سورۃ الملائکہ کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی فللہ الحمد اولا و آخرا۔ اے اللہ اپنی رحمت سے باقی تفسیر کے اتمام کی بھی توفیق دے اور ایمان پر قائم رکھ اور اعمال صالح اور اپنی مرضیات پر چلنے کی بھی توفیق دے۔ آمین۔

رنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه وسیدنا ومولانا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین وعلینا معهم یا ارحم الراحمین۔

تفسیر سورۂ یٰس

یہ سورت مکی ہے اس میں تراسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے جو شخص اس سورت کو ایک بار پڑھے گا اللہ اس کو دس قرآن کا ثواب عطا کرے گا۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو قرآن کا قلب (دل) فرمایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دل پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور روحانی زندگی کا دارومدار ایمان پر ہے جس کے اہم ترین اصول تین ہیں۔ توحید اور رسالت اور قیامت۔ اس سورت میں ایمان کے ان تین اہم اصول کو جو دین کا دل اور جان ہیں نہایت مدلل اور مفصل بیان کیا گیا ہے اور ان سب کی جڑ حشر ونشر کا اقرار اور آخرت کی فکر اور تیاری ہے جو اس سورت میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے اور منکرین حشر کے شبہ کا نہایت مدلل اور مکمل اور مفصل جواب دیا گیا ہے اور ایمانی حیات کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ خدا سے ڈرتا ہو اور آخرت کا یقین رکھتا ہو اور اس کی فکر اور تیاری میں ہو اور ظاہر ہے کہ خوف خدا اور آخرت کا یقین اور اس کی فکر یہی سارے دین کا دل ہے جس پر روحانی زندگانی کا دارومدار ہے جس دل کو آخرت کا فکر ہے وہ دل تو زندہ ہے ورنہ مردہ۔

دین کے اصول تین ہیں توحید اور رسالت اور قیامت۔ سورت کا آغاز رسالت کے مضمون سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید کو بیان کیا پھر اخیر میں حشر ونشر اور معاد جسمانی پر مفصل اور مدلل کلام کیا اور اسی پر سورت کو ختم کیا۔

ربط سورت:...... گزشتہ سورت میں زیادہ تر توحید اور رسالت کا مضمون تھا اور اخیر سورت میں مستکبرین اور منکرین نبوت کی تہدید تھی ﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اب اس سورت کو اثبات رسالت اور مستکبرین کی تہدید سے شروع فرماتے ہیں اور حسب سابق آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ان مستکبرین کے انکار اور استکبار سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ اور پھر ان مستکبرین اور مستہزئین کی تہدید اور عبرت اور نصیحت کے لئے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا پھر اخیر سورت تک اثبات توحید اور اثبات حشر ونشر کا مضمون چلا گیا جس پر دل اور روح کی زندگی کا دارومدار ہے۔

ربط دیگر:...... گزشتہ سورت میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا۔ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ﴾ اب اس سورت میں قسم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو بیان کیا اور ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ سے یہ بتلایا کہ کفار جس انذار کے انتظار میں تھے تو ان کے حسب انتظار ان کے انذار کے لئے یہ نبی ﷺ آ گیا ہے اب چاہئے کہ حسب وعدہ اس منذر برحق پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں اور منذر برحق کی تکذیب

سے انذار اور تخویف کے لئے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا تا کہ اس کو منذر برحق سمجھ کر آخرت کا راستہ معلوم کریں۔

٣٦ سُوْرَةُ یٰسٓ مَکِّیَّةٌ ٤١ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — ابیاتہا ۸۳ رکوعاتہا ۵

یٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ② اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ③ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ④

قسم ہے اس پکے قرآن کی تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے اوپر سیدھی راہ کے ف۱

قسم ہے اس پکے قرآن کی۔ تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے۔ اوپر سیدھی راہ کے۔

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥ لَقَدْ حَقَّ

اتارا زبردست رحم والے نے ف۲ تا کہ تو ڈرائے ایک قوم کو کہ ڈر نہیں سنا ان کے باپ دادوں نے، سو ان کو خبر نہیں ثابت ہو چکی ہے

اتارا زبردست رحم والے کا۔ کہ تو ڈرائے ایک لوگوں کو، کہ ڈر نہیں سنا ان کے باپ دادوں نے، سو وہ خبر نہیں رکھتے۔ ثابت ہو چکی ہے

الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی

بات ان میں بہتوں پر سو وہ نہ مانیں گے ف۳ ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں

بات ان بہتوں پر، سو وہ نہ مانیں گے۔ ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں طوق، سو وہ ہیں

ف۱ یعنی قرآن کریم اپنی اعجازی شان، پُرحکمت تعلیمات، اور پختہ مضامین کے لحاظ سے بڑا زبردست شاہد اس بات کا ہے کہ جو نبی امی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بیشک وشبہ سیدھی راہ پر ہے۔ اس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔

ف۲ یعنی یہ دین کا سیدھا راستہ یا قرآن حکیم اس خدا کا اتارا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکر کو سزا دیے بغیر نہ چھوڑے، اور رحم فرمانے والا بھی کہ ماننے والوں کو نوازش وبخشش سے مالا مال کر دے۔ اسی لیے آیات قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف ومہر کا اور بعض شان غضب وقہر کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔

ف۳ یعنی بہت کٹھن کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا ہے کہ اس قوم (عرب) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ذریعہ سے ہوشیار و بیدار کریں۔ جس کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں بھیجا تھا۔ وہ جاہل وغافل قوم جسے نہ خدا کی خبر نہ آخرت کی، نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبدأ پر نظر نہ منتہاء پر، نہ نیک و بد کی تمیز نہ بھلے برے کا شعور اس کو اتنی ممتد جہالت وغفلت کی اندھیریوں سے نکال کر رشد و ہدایت کی صاف سڑک پر لا کھڑا کرنا کوئی معمولی اور سہل کام نہیں ہے۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری قوت اور زور شور کے ساتھ ان کو اس غفلت و جہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک مستقبل سے ڈرا کر فلاح و بہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے تا کہ یہ قوم اپنی اعلیٰ کامیابی سے تمام عالم کے لیے کامیابی کا دروازہ کھول دے۔ لیکن بہت افراد وہ ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔ اسی لیے ان پر سے شیطان پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے جو ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نگاہ میں خوشنما کر کے دکھلاتا اور اگلے پچھلے سب احوال کو خواہ کتنے ہی گندے ہوں، خوبصورت بنا کر ظاہر کرتا ہے۔ آخر یہ لوگ دوسری زندگی سے بالکل منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔ اس وقت ایک طرف سے شیطان کی بات ﴿لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ (مخلصین کے سوا میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول "لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ" (تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے دوزخ کو بھر دوں گا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے۔ باقی علم الٰہی میں تو ازل سے ثابت ہے کہ فلاں قوم کے فلاں فلاں افراد اپنی بدتمیزی اور لاپروائی سے شیطان کے اغواء میں پھنس کر عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے ایسے لوگوں کے راہ پر آنے اور ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلسلہ انذار و اصلاح میں اگر ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو ملول وغمگین نہ ہوں اپنا فرض ادا کیے جائیں اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دیں۔ تقریر بالا کو سمجھنے کے لیے یہ آیات پیش نظر رکھیے۔ (۱) ﴿وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ وَاِنَّهُمْ لَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (زخرف، رکوع ۴) معلوم ہوا کہ شیطان ابتداءً کسی پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اندھا بن کر نصیحت سے اعراض کرتے رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آخر کار =

الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا

ٹھوڑیوں تک پھر ان کے سر الل رہے ہیں ف۱ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار

ٹھوڑیوں تک، پھر ان کے سر الل رہے ہیں۔ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار، اور ان کے پیچھے دیوار،

فَأَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا

پھر اوپر سے ڈھانک دیا، سو ان کو کچھ نہیں سوجھتا ف۲ اور برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے یقین

پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو ان کو نہیں سوجھتا۔ اور برابر ہے تو نے ان کو ڈرایا یا نہ ڈرایا یقین

= شیطان مسلط ہوجائے جیسے ہاتھ پاؤں سے مدت تک کام نہ لے تو وہ عضو بیکار کر دیا جاتا ہے۔ قال تعالیٰ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْـِٕدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (ب) ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ أُمَمٍ﴾ تسلط کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے جس کا نتیجہ "خلق علیھم القول" ہے (ج) ﴿وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِيْ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ "حق القول" ان لوگوں پر صادق آتا ہے جو موت کے بعد کی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے، نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں، بلکہ اغوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کر لیتے ہیں۔ کیسے ہی معقول دلائل سنائیے اور کھلے کھلے نشان دکھلائیے، سب کو جھٹلاتے رہیں اور فضول حجتیں نکالتے رہیں، بظاہر ہادیوں اور پیغمبروں کی بات کی طرف کان جھکائیں مگر ایک حرف سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ محض ہوا و ہوس کو اپنا معبود ٹھہرا لیں نہ عقل سے کام لیں نہ آنکھوں سے، یہ ہی لوگ ہیں جن کے اعراض و عناد کے نتیجہ میں آخر کار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ ان میں خیر کے گھسنے کی پھر ذرا گنجائش نہیں رہتی۔ جیسے کوئی شخص اپنے اوپر روشنی کے سب دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے یا ایک بیمار دوا نہ پینے کی قسم کھا لے، طبیب سے دشمنی کرے اور ہر قسم کی بد پرہیزی پر تیار ہو جائے تو اللہ اس کے مرض کو مہلک بنا دیتا اور مایوسی کے درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔ فرماتے ہیں ﴿تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا إِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُوْنَ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ تا ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ أَتٰهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتّٰٓى إِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا أَهْوَآءَهُمْ﴾ ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ ﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا أُولٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ إِنْ أُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَإِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾۔

ف۱ یہ ان ہی لوگوں کے حق میں ہے جن کا ذکر گزشتہ فائدہ میں ہوا۔ یہ طوق عادات و رسوم حب جاہ و مال اور تقلید آباء و اجداد کے تھے جنہوں نے ان کے گلے سختی سے دبا رکھے تھے اور نخوت و تکبر کی وجہ سے ان کے سر نیچے نہیں جھکتے تھے۔

ف۲ نبی کی عداوت نے ان کے اور قبول ہدایت کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ جاہلانہ رسوم و اطوار اور اہواء و آرائے فاسدہ کی اندھیریوں میں اس طرح بند تھے کہ اگلا پچھلا اور نشیب و فراز کچھ نظر نہ آتا تھا۔ نہ ماضی پر نظر تھی نہ مستقبل پر، باقی ان افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف سے اس لیے کی گئی کہ خالق خیر و شر کا وہی ہے اور اسباب پر مسببات کا ترتب اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دلائل آفاقیہ میں غور کرنے کی نفی ہوئی جیسا کہ =

يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ

نہیں کریں گے ف۱ تو تو ڈر سنائے اس کو جو چلے سمجھائے پر اور ڈرے رحمان سے بن دیکھے، سو اس کو خوشخبری دے معافی کی

نہیں کرتے۔ تو تو ڈر سنائے اس کو جو چلے سمجھانے پر، اور ڈرے رحمٰن سے بن دیکھے۔ سو اس کو دے خوشخبری معافی کی،

وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿١١﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ

اور عزت کے ثواب کی ف۲ ہم ہیں جو زندہ کرتے ہیں مردوں کو ف۳ اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے ف۴ اور ہر چیز

اور عزت کے نیگ کی۔ ہم ہیں جو جلاتے ہیں مردے، اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے، اور ان کے پیچھے نشان رہے۔ اور ہر چیز

أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ﴿١٢﴾ ع ۱۲ ۱۸

گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں ف۵

گن لی ہے، ہم نے ایک کھلی اصل میں۔

اثبات رسالت محمدیہ مؤکد بقسمے کہ آں دلیل نبوت است ومقرون بہ بیان تفاوت استعداد در قبول حق وہدایت وتہدید مکذبین نبوت ومنکرین قیامت

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿يس ﴿١﴾ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ... الى ... وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں کفار کے استکبار اور انکار کا ذکر تھا کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں اور آپ ﷺ

= "فہم مقمحون" میں دلائل انفسیہ کی طرف ملتفت نہ ہونے کا اشارہ تھا۔ کیونکہ سر او پر کو اٹھ رہا ہو جھک نہ سکے تو اپنے بدن پر نظر نہیں پڑ سکتی۔

ف۱ ان کو برابر ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں برابر نہیں۔ بلکہ ایسی سخت معاند اور سرکش قوم کو نصیحت کرنا اور اصلاح کے درپے ہونا عظیم درجات کے حصول کا سبب ہے اور کبھی یہ اخلاق دوسروں کی ہدایت کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی طرح کی آیات سورۃ "بقرہ" کے اوائل میں گزر چکی ہیں۔

ف۲ یعنی ڈرانے کا فائدہ اسی کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جو نصیحت کو مان کر اس پر چلے اور اللہ کا ڈر دل میں رکھتا ہو۔ جس کو خدا کا ڈر ہی نہیں نہ نصیحت کی کچھ پروا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ و تذکیر سے کیا فائدہ اٹھائے گا ایسے لوگ بجائے مغفرت و عزت کے سزا اور ذلت کے مستحق ہوں گے۔ آگے اشارہ کرتے ہیں کہ فریقین کی اس عزت و ذلت کا پورا اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہوگا جس کے مبادی موت کے بعد سے شروع ہو جاتے ہیں۔

ف۳ یعنی موت کے بعد دوسری زندگی یقینی ہے جہاں سب اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ قوم (عرب) جس کی روحانی قوتیں بالکل مردہ ہو چکی ہیں، حق تعالیٰ کو قدرت ہے کہ پھر ان میں زندگی کی روح پھونک دے کہ وہ دنیا میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرے اور آنے والی نسلوں کے لیے اپنے آثار عظیمہ چھوڑ جائے۔

ف۴ یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات یا نشان جو پیچھے چھوڑے مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھلایا، یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی نیک یا بد، سب اس میں داخل ہیں بلکہ الفاظ کے عموم میں وہ نشان قدم بھی شامل ہو سکتے ہیں جو کسی عبادت کے لیے چلتے وقت زمین پر پڑ جاتے ہیں چنانچہ بعض احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔ "دیارکم تکتب اثارکم۔"

ف۵ یعنی جس طرح تمام اعمال و آثار وقوع کے بعد ضابطہ کے موافق لکھے جاتے ہیں، قبل از وقوع بھی ایک ایک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وہ لکھنا بھی محض انتظامی ضوابط و مصالح کی بناء پر ہے ورنہ اللہ کے علم قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیز پہلے سے موجود و حاضر ہے اسی کے موافق لوح محفوظ میں نقل کی جاتی ہے۔

کو جھوٹا بتلاتے ہیں اب اس سورت میں آپ کی نبوت و رسالت کو قسم کے ساتھ بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

﴿یٰسٓ﴾ اس کی مراد اور اس کے معنی کو اللہ ہی خوب جانتا ہے ﴿یٰسٓ﴾ حروف مقطعہ میں سے ہے جو خزانہ غیب کا ایک سر مکتوم ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک اس کی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں اور ابن عباس ﷜ اور عکرمہ ﷫ اور ضحاک ﷫ اور حسن بصری ﷫ اور سفیان بن عیینہ ﷫ سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ ﴿یٰسٓ﴾ کے معنی یا انسان کے ہیں اس لئے آپ ﷺ سید البشر اور سید الانس والجان ہیں لفظ ﴿یٰسٓ﴾ یا انسان کا مخفف ہے اور انسان سے انسان کامل مراد ہے جس کا مصداق محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

قسم ہے اس قرآن حکیم کی جو غایت درجہ محکم اور سراپا علم و حکمت ہے اس کا ہر حرف علم اور حکمت کا منبع اور سرچشمہ ہے جہاں باطل اور سحر کا کہیں گزر نہیں اور نہ اس میں شعر و شاعری کا کوئی شائبہ ہے جس کو یہ نبی امی تم کو پڑھ کر سنا رہا ہے۔ اے نبی ﷺ آپ ﷺ بلاشبہ خدا کے پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں جو سیدھا خدا تک پہنچانے والا ہے۔" صراط مستقیم" سے دین اسلام اور دین حق مراد ہے اور یہ کفار ٹیڑھے راستہ پر ہیں یعنی دین باطل پر ہیں صراط مستقیم پر استقامت ہی منزل مقصود تک پہنچاتی ہے اور یہی قرآن حکیم جو علم اور حکمت سے بھرا پڑا ہے آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے اور آپ ﷺ کی گفتار اور کردار بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ حق پر ہیں اور سیدھی راہ پر ہیں اور یہی راہ خدا تک پہنچانے والی ہے جس نے اس راہ سے اعراض اور انحراف کیا وہ گمراہ ہوا۔

نکتہ:...... ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ قسم ہے اور ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ جواب قسم ہے۔ اس قسم سے ایک تو کفار کا رد مقصود ہے جو قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ یہ رسول نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں قسم کھا کر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا کہ آپ ﷺ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں دوم یہ کہ یہ قسم دراصل جواب قسم کی دلیل ہے۔ دلائل نبوت اور براہین رسالت میں سب سے بڑی دلیل آپ ﷺ کی نبوت کی یہ قرآن حکیم ہے جس طرح توریت اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ﷉ کی نبوت کی دلیل تھی اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے اور اس کے بعد کا یہ جملہ (عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ) پہلے جملہ کی تاکید ہے اس لئے کہ جو رسول ہوگا وہ ضرور راہ راست پر ہوگا۔ ان آیات میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر آپ ﷺ کی رسالت کو بیان کیا قرآن حکیم آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی علمی دلیل ہے یہ آنحضرت ﷺ کی خاص خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو قسم کے ساتھ بیان کیا آپ ﷺ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کی رسالت کو قسم کھا کر نہیں بیان فرمایا اور اس کے بعد آنے والے جملہ ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا﴾ سے یہ بتلایا کہ نبی کا کام انذار ہے نہ کہ اجبار یعنی نبی کا کام فقط ڈرانے کا ہے باقی ہدایت دینا یہ اللہ کا کام ہے اور یہ قرآن حکیم ایسے رب العزت کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے جو بڑا ہی مہربان ہے اور یہ قرآن تیری نبوت کا سب سے بڑا نشان ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا فرمان ہے۔ یہ قرآن آپ ﷺ پر اس لیے نازل کیا گیا تا کہ آپ ﷺ اس قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرائیں جن کے قریبی آباء واجداد قریبی زمانہ فترت میں کسی رسول کے ذریعہ خدا کے قہر سے نہیں ڈرائے گئے پس وہ حق اور ہدایت سے غافل اور بے خبر ہیں اس لئے وہ اس

بات کے محتاج تھے کہ کوئی ہادی برحق آئے اور ان کو خدا کا راستہ بتلائے اور خواب غفلت سے ان کو بیدار کرے سو اس عزیز رحیم نے اپنی رحمت سے آپ ﷺ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

تنبیہ:......کوئی اس سے یہ خیال نہ کرے کہ آپ ﷺ عرب کے لئے مبعوث ہوئے تھے آپ ﷺ تو سارے ہی عالم کے لئے مبعوث ہوئے مگر چونکہ آپ ﷺ عربی تھے اس لئے آپ ﷺ کی دعوت اور خطاب کے بالذات اور اول مخاطب عرب تھے جو دوسروں کی نفی پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ آپ ﷺ کی عموم بعثت بیشمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ وغیر ذلك من الاٰيات جس میں ساری دنیا شریک ہے یہ کتاب حکمت جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے وہ بلاشبہ اپنے ذات سے تمام عالم کے لئے اور عرب و عجم کے لئے باران رحمت اور مشعل راہ ہے لیکن البتہ تحقیق ان میں سے اکثر لوگوں پر جو نفس اور شیطان کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں، پہلے ہی سے تقدیری طور پر۔ ان پر کلمہ برحق اور حکم محکم جاری ہو چکا ہے اور "حق القول" سے کلمہ حق ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ مراد ہے اور اس کے ہم معنی ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ جیسی آیتیں مراد ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافروں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے پس یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ ازل میں جانتا ہے کہ یہ لوگ کفر اور عناد پر رہیں گے جیسے ابوجہل اور ابی بن خلف اور عتبہ اور شیبہ وامثالھم۔ ان میں سے اکثروں پر خدا کا کہا پورا ہوا جو ازلی بدنصیب اور دل کے اندھے تھے ان کو آفتاب ہدایت کی روشنی سے فائدہ نہ ہو۔

اب آئندہ آیات میں اس بات کی علت بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لائیں گے سو عالم اسباب میں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عناد کی وجہ سے توفیق خداوندی سے محروم کر دیئے گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق ہم نے اپنی کسی حکمت اور مصلحت سے ان بدبختوں کی گردنوں میں بڑے بھاری طوق ڈال دیئے ہیں اور ایسے چپکا اور چمٹا دیئے ہیں کہ وہ ان کی گردنوں سے نہ نکل سکیں پس وہ طوق ان کی گردنوں سے لپٹ گئے ہیں اور ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں جو خوب اچھی طرح ان کی گردنوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور وہ ان میں بہت سخت جکڑے ہوئے ہیں۔ پس ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے کہ ان کے سر اوپر کو الل کر رہ گئے یعنی اوپر اٹھ گئے ہیں لہٰذا اب وہ اپنا سر نیچے نہیں جھکا سکتے اور ایسے سخت جکڑے ہوئے ہیں کہ اب وہ اپنا سر ہلا بھی نہیں سکتے جیسے کسی جانور کو جب پانی یا چارہ دینا منظور نہیں ہوتا تو اس کا منہ بند کر دیتے ہیں اور سر اس کا باندھ دیتے ہیں تاکہ وہ جانور نہ سر ہلا سکے اور نہ ہاتھ ہلا سکے یہی حال ان معاندین کا ہے جو نفسانیت اور عناد کے طوقوں میں ایسے جکڑ دیئے گئے ہیں کہ وہ حق کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے ان آیات میں جو مثال ذکر کی گئی ہے وہ اس کافر کی ہے جس نے حق کو خوب پہچان لیا اور پھر بجائے اس کے قبول کرنے کے اس کی دشمنی اور عداوت پر تل گیا۔

اور علاوہ ازیں ہم نے ایک آڑ اور بڑی دیوار تو ان کے سامنے کھڑی کر دی ہے اور ایک آڑ اور بڑی دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے اور پھر اس کے علاوہ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ تاکہ آنکھ پس پردہ کی کسی چیز کو نہ دیکھ سکے۔ لہٰذا ایسی حالت میں یہ لوگ حق کو نہیں دیکھ سکتے جب

آگے اور پیچھے سے دیوار حائل ہو اور اوپر سے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا تو پھر راہ کیسے نظر آئے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان کی شقاوت ازلیہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ فرض کرو کسی کے گلے میں اتنا بڑا طوق ہے کہ وہ ٹھوڑی تک اس میں جکڑا ہوا ہے تو لامحالہ اس کا منہ اوپر کو اٹھ جائے گا اور وہ اپنے زیر قدم اور پاس کی راہ کو بلکہ کسی چیز کو بھی نہ دیکھ سکے گا اور مزید برآں جب آگے اور پیچھے بڑی بڑی دیواریں کھڑی کردی جائیں اور اوپر سے آنکھوں پر کوئی پردہ ڈال دیا جائے تو پھر دور اور نزدیک کی کسی چیز کے نظر آنے کی کوئی صورت نہیں۔

کفار کی اس کیفیت اور حالت کو بیان کرنے سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے کہ آپ ﷺ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھیں ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگ چکی ہے اور آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔ اور جب یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ گئے تو ایسوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اس لئے کہ اب ان میں ایمان کی صلاحت ہی باقی نہیں رہی اور یہ برابری ان کے حق میں ہے نبی کے حق میں نہیں نبی کو بہر حال انذار کا اجر ملے گا۔ اللہ کے علم ازلی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ کفر پر مریں گے ایسے لوگوں کو انذار اور تبلیغ اتمام حجت کے لئے ہے ہاں البتہ آپ ﷺ کا ڈرانا صرا ایسے شخص کو سودمند ہوسکتا ہے جس میں ایمان اور قبول حق کی کوئی صلاحیت تو موجود ہو اور وہ وہ شخص ہے کہ جو نصیحت کی پیروی کرے یعنی نصیحت کو سنے اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرے اور سمجھ میں آجانے کے بعد اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور بغیر دیکھے غائبانہ خدا سے ڈرتا ہو۔ خدا سے بغیر دیکھے ڈرنا اور بغیر دیکھے آخرت اور قیامت کے احوال اور اہوال سے ڈرتا کہ دیکھئے آخرت میں مجھ پر کیا گزرے گی یہ خوف ہی طلب حق پر آمادہ کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ڈرانا ایسے ہی شخص کو سودمند ہوسکتا ہے کہ جو طالب حق ہو اور خدا سے ڈرتا ہو اور جو شخص سرے ہی سے خدا کا قائل نہ ہو یا اس کے دل میں خدا کا ڈر ہی نہ ہو اس کو ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے پس ایسے خدا ترس بندہ کو گزشتہ تقصیرات پر خدا کی مغفرت کی اور طاعات پر آئندہ زمانہ میں بڑے اچھے ثواب اور انعام کی خوشخبری سنا دیجئے جو اس کو اس عالم سے گزرنے کے بعد ملے گا۔ بے شک ہم قیامت کے دن مُردوں کو دوبارہ زندہ کریں گے تاکہ دنیا میں انذار اور تبشیر کے ثمرہ کو ظاہر کریں اور یہ ثمرہ دوبارہ زندگی ہی میں ظاہر ہوگا اور ہم یعنی ہمارے کراماً کاتبین ہمارے حکم سے ان کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں جو انہوں نے اپنی زندگی میں کئے اور ان آثار ونشانات کو بھی لکھتے جاتے ہیں جو انہوں نے اپنے مرنے کے بعد چھوڑے۔ آثار سے وہ اعمال مراد ہیں جن کا اثر مرنے کے بعد بھی باقی رہے جیسے علم دین کے بارے میں کوئی کتاب لکھی یا کوئی ناول اور ڈرامہ لکھا یا مسجد اور دینی مدرسہ بنا کر چھوڑا یا سینما اور کالج بنا کر چھوڑا۔ اسی کے مطابق جزا وسزا ملے گی۔ غرض یہ کہ لفظ آثار عام ہے خواہ وہ آثار حسیہ ہوں یا معنویہ، سب کے سب نامہ اعمال میں درج ہیں اور مذکورہ بالا تمام چیزیں ان الفاظ کے عموم میں داخل ہوں۔ حتی کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جاتے وقت جو قدم زمین پر پڑے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں ان پر بھی اجر ہے جیسا کہ بعض احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ دیارکم تکتب لکم اثارکم اس لئے کہ محققین کے نزدیک اثارھم سے مطلق آثار مراد ہیں خواہ وہ آثار حسی ہوں یا معنوی اس لئے اثارھم

میں وہ نشان قدم بھی داخل ہوں گے جو طاعت اور معصیت اور مسجد اور سینما کی طرف چلنے میں ظاہر ہوں۔

اور ہمارا علم اس قدر وسیع اور محیط ہے کہ ہم اس کتابت کے محتاج نہیں جو وقوع عمل کے بعد ہوئی ہے کیونکہ ہم نے تو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے سب چیزوں کا علم ہے اور ہر چیز پہلے ہی سے ہمارے احاطہ علم میں ہے مگر جزاء اور سزا وقوع کے بعد ملتی ہے۔ ہر چیز وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وقوع کے بعد نامہ اعمال میں لکھی ہوئی ہے۔ "امام مبین" سے لوح محفوظ مراد ہے جو کتاب اعمال کے علاوہ ہے جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور جو قیامت کے دن بندوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ⑬ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ

اور بیان کر ان کے واسطے ایک مثل اس گاؤں کے لوگوں کی ف۱ جب کہ آئے اس میں بھیجے ہوئے ف۲ جب بھیجے ہم نے ان کی طرف

اور بیان کرو ان کے واسطے ایک کہاوت لوگ اس گاؤں کے، جب آئے اس میں بھیجے ہوئے۔ جب بھیجے ہم نے ان کی طرف

اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ⑭ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا

دو تو ان کو جھٹلایا پھر ہم نے قوت دی تیسرے سے تب کہا انہوں نے ہم تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے ہوئے ف۳ وہ بولے تم تو یہی

دو، تو ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے زور دیا تیسرے سے، تب کہا، ہم تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے۔ وہ بولے تم تو یہی

بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ⑮ قَالُوْا رَبُّنَا

انسان ہو جیسے ہم اور رحمان نے کچھ نہیں اتارا تم سارے جھوٹ کہتے ہو ف۴ کہا ہمارا رب

انسان ہو جیسے ہم، اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا، تم سارا جھوٹ کہتے ہو۔ کہا، ہمارا رب

يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ⑯ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑰ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا

جانتا ہے ہم بیشک تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں ف۵ اور ہمارا ذمہ یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر ف۶ بولے ہم نے نامبارک دیکھا

جانتا ہے ہم بیشک تمہاری طرف بھیجے آئے ہیں۔ اور ہمارا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔ بولے ہم نے نامبارک دیکھا

ف۱ یہ گاؤں اکثر کے نزدیک شہر "انطاکیہ" ہے۔ اور بائیبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ کچھ تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے۔ لیکن ابن کثیر علیہ الرحمہ نے تاریخی حیثیت سے اور سیاق قرآن کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں۔ اگر وہ صحیح ہوں تو کوئی اور بستی ماننی پڑے گی واللہ اعلم۔ اس قصہ کا ذکر مومنین کے لیے بشارت اور مکذبین کے لیے عبرت ہے۔

ف۲ ان کے ناموں کی صحیح تعیین نہیں ہوسکتی اور نہ یقینی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا کسی پیغمبر کے واسطہ سے حکم ہوا تھا اس کے نائب ہو کر فلاں بستی کی طرف جاؤ۔ دونوں احتمال ہیں۔ گو متبادر یہی ہے کہ پیغمبر ہوں۔ شاید حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے ہوں گے۔

ف۳ یعنی اول دو گئے پھر ان کی تائید کے لیے تیسرا بھیجا گیا تینوں نے مل کر کہا ہم خود نہیں آئے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ ہم کہیں اسی کا پیغام سمجھو۔

ف۴ یعنی تم میں کوئی سرخاب کا پر نہیں جو اللہ تمہیں بھیجتا۔ ہم سے کس بات میں تم بڑھ کر تھے۔ بس رہنے دو خواہ مخواہ خدا کا نام نہ لو۔ اس نے کچھ نہیں اتارا۔ تینوں سازش کر کے ایک جھوٹ بنا لائے اسے خدا کی طرف نسبت کر دیا۔

ف۵ یعنی اگر ہم خدا پر جھوٹ لگاتے ہیں تو وہ دیکھ رہا ہے۔ کیا وہ اپنے فعل سے برابر جھوٹوں کی تصدیق کرتا رہے گا۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ اب تم سمجھو یا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں اور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ اسی لیے فعلاً ہماری تصدیق کر رہا ہے۔ =

بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ

تم کو اگر تم باز نہ رہو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور تم کو پہنچے گا ہمارے ہاتھ سے عذاب دردناک ف۱ کہنے لگے تمہاری نامبارکی

تم کو۔ اگر تم نہ چھوڑو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور تم کو لگے گی ہمارے ہاتھ سے دکھ کی مار۔ کہنے لگے تمہاری نامبارکی

مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ

تمہارے ساتھ ہے کیا اتنی بات پر کہ تم کو سمجھایا کوئی نہیں پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے ف۲ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد

تمہارے ساتھ ہے۔ کیا اس سے کہ تم کو سمجھایا؟ کوئی نہیں! پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد

يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ

دوڑتا ہوا ف۳ بولا اے قوم چلو راہ پر بھیجے ہوؤں کی چلو راہ پر ایسے شخص کی جو تم سے بدلہ نہیں چاہتے اور وہ ٹھیک

دوڑتا۔ بولا، اے قوم! چلو راہ پر ان بھیجے ہوؤں کے۔ چلو راہ پر ایسوں کی جو تم سے نیگ نہیں مانگتے، اور

مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

راستہ پر ہیں ف۴

راہ سوجھے ہیں۔

قصہ اصحاب القریہ برائے عبرت ونصیحت مکذبین رسالت

قال تعالیٰ: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ... الی ... وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾

=ف۶ یعنی ہم اپنا فرض ادا کر چکے، خدا کا پیام خوب کھول کر واضح، معقول اور دل نشیں طریقہ سے تم کو پہنچا دیا، اب اتمام حجت کے بعد خود سوچ لو کہ تکذیب و عداوت کا انجام کیا ہونا چاہیے۔

ف۱ شاید تکذیب مرسلین اور کفر وعناد کی شامت سے قحط وغیرہ پڑا ہوگا۔ یا مرسلین کے سمجھانے پر آپس میں اختلاف ہوا کسی نے مانا کسی نے نہ مانا، اس کو نامبارک کہا۔ یعنی تمہارے قدم کیا آئے، قحط اور نا اتفاقی کی بلا ہم پر ٹوٹ پڑی۔ یہ سب تمہاری نحوست ہے۔ (العیاذ باللہ) ورنہ پہلے ہم اچھے خاصے آرام چین کی زندگی بسر کر رہے تھے بس تم اپنے وعظ ونصیحت سے ہم کو معاف رکھو۔ اگر یہ طریقہ نہ چھوڑو گے اور وعظ ونصیحت سے باز نہ آؤ گے تو ہم سخت تکلیف وعذاب پہنچا کر تم کو سنگسار کر ڈالیں گے۔

ف۲ یعنی تمہارے کفر وتکذیب کی شامت سے عذاب آیا۔ اگر حق وصداقت کو سب مل کر قبول کر لیتے نہ یہ اختلاف مذموم پیدا ہوتا، نہ اس طرح مبتلائے آفات ہوتے۔ پس نامبارکی اور نحوست کے اسباب خود تمہارے اندر موجود ہیں۔ پھر کیا اتنی بات پر کہ تمہیں اچھی نصیحت وفہمائش کی اور بھلا برا سمجھایا، اپنی نحوست ہمارے سر ڈالنے لگے۔ اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم عقل وآدمیت کی حدود سے خارج ہو جاتے ہو۔ نہ عقل سے سمجھتے ہو نہ آدمیت کی بات کرتے ہو۔

ف۳ کہتے ہیں کہ اس مرد صالح کا نام حبیب تھا۔ شہر کے پرلے کنارے عبادت میں مشغول رہتا اور کسب حلال سے کھاتا تھا۔ فطری صلاحیت نے چپ نہ بیٹھنے دیا۔ قصہ سنتے ہی مرسلین کی تائید وحمایت اور مکذبین کی نصیحت وفہمائش کے لیے دوڑتا ہوا آیا۔ مبادا اشقیاء اپنی دھمکیوں کو پورا کرنے لگیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرسلین کی آواز کا اثر شہر کے دور دراز حصوں تک پہنچ گیا تھا۔

ف۴ یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر آئے ہیں جو نصیحت کرتے ہیں اس پر خود کاربند ہیں اخلاق، اعمال اور عادات واطوار سب ٹھیک ہیں۔ پھر ایسے بے لوث بزرگوں کا اتباع کیوں نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے جو پیغام بھیجے کیوں قبول نہ کیا جائے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں معاندین اور مکذبین رسالت کا ذکر تھا اب آگے ان کی تہدید اور عبرت کے لئے ایک آبادی کا قصہ بیان کرتے ہیں تاکہ مشرکین مکہ کو معلوم ہو جائے کہ مستکبرین اور منکرین نبوت کا کیا انجام ہوتا ہے اور ایسوں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے اس قصہ کے ذکر کرنے سے مسئلہ نبوت و رسالت کی تائید اور تکذیب کرنے والوں کی تہدید مقصود ہے تاکہ مکذبین رسالت اس سے عبرت پکڑیں۔ اور جان لیں کہ ذکر اور نصیحت سے اعراض کا کیا انجام ہوتا ہے۔

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں جس قریہ کا ذکر ہے اس سے شہر انطاکیہ مراد ہے جو شام کے علاقہ میں ایک بستی ہے اور اس قصہ میں جن مرسلین کا ذکر ہے ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مراد ہیں جو شہر انطاکیہ میں وعظ اور نصیحت اور تبلیغ اور دعوت کی غرض سے آئے تھے۔ تاکہ وہاں کے بت پرستوں کو توحید اور رسالت اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے کچھ پہلے ان تین حواریوں کو انطاکیہ کی طرف بھیجا کہ ان کو دین حق کی دعوت دیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان حواریوں کو اللہ کے حکم سے بھیجا تھا اس لئے ﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ﴾ میں ان کے ارسال کو خداوند ذوالجلال کی طرف منسوب کیا گیا غرض یہ کہ اس رکوع میں جن کو مرسلین کہا گیا وہ خداوند کے بلاواسطہ رسول نہ تھے بلکہ نائب رسول یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے اور وہ تینوں عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ اور ایلچی تھے ان کی طرف سے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی اور ان کی شریعت کی اتباع کی دعوت دیتے تھے اس لئے اہل قریہ نے ان مبلغین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام اور وکیل سمجھ کر ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کہا۔ اہل قریہ کی طرف سے ظاہر میں یہ خطاب حوارئین کو تھا مگر در پردہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تھا اس لئے کہ اصل رسول تو عیسیٰ علیہ السلام تھے اور یہ حواری ان کے وکیل اور قائم مقام اور نمائندہ تھے اور مرسل اور "مرسلین" کے معنی فرستادہ کے ہیں۔ خواہ خدا تعالیٰ کے رسول مرسل ہوں یا کسی نبی کے فرستادہ ہوں۔ لفظ مرسل کا اطلاق سب پر آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی ایک جماعت آئی تو یہ فرمایا۔ ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اس آیت میں مرسلین سے فرشتے مراد ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے بھیجا تھا۔

اور ملکہ بلقیس نے جو سلیمان علیہ السلام کے پاس قاصد اور ایلچی بھیجے تھے ان پر بھی مرسلین کا اطلاق آیا ہے۔ ﴿وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ﴾.

اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان آیات میں مرسلین سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ مراد ہوں۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ تینوں شخص بلاواسطہ خدا کے رسول تھے اس قریہ والوں کی طرف اول دو رسول بھیجے گئے۔ جیسے اہل مصر کی طرف اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ دیکھو تفسیر [1] قرطبی: ۱۵/ ۱۴۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسی قریہ والوں کی طرف اول دو رسول بھیجے پھر بعد میں ان کی تائید اور تقویت کے لئے تیسرا

---

[1] قال الامام القرطبی قیل ھم رسل من اللہ علی الابتداء وقیل ان عیسیٰ علیہ السلام بعثھم الی انطاکیۃ للدعاء الی اللہ تعالیٰ وھو قولہ تعالیٰ اذ ارسلنا الیھم اثنین واضاف الرب ذلک الی نفسہ لان عیسیٰ علیہ السلام ارسلھما بامر الرب وکان ذلک حین رفع عیسیٰ الی السماء اھ تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۴۔

رسول بھیجا۔ تینوں نے مل کر ان بت پرستوں کو توحید کی دعوت دی۔ اہل قریہ نے ان کے جواب میں کہا ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کہ تم لوگ تو ہم ہی جیسے بشر اور آدمی ہو۔ اہل قریہ کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تینوں شخص بلا واسطہ خدا کے رسول تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل انطاکیہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ نہ تھے پس اگر یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ اور ایلچی یا ان کے فرستادہ ہوتے تو اہل قریہ ان سے یہ نہ کہتے ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کیونکہ آدمی کی طرف سے آدمی کے ایلچی ہونے کے وہ بھی منکر نہ تھے نیز اگر وہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوتے تو وہ خود کہتے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ پیام لے کر آئے ہیں اور ہم ان کے قاصد اور ایلچی ہیں اس لئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس قریہ سے قریہ انطاکیہ مراد نہیں بلکہ گزشتہ زمانہ کی کوئی بستی مراد ہے جہاں یہ واقعہ گزرا ہے اور ہم کو اس کی تفصیل اور تعیین معلوم نہیں نیز یہ بستی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والی بستیوں میں سے ہے۔ منکرین اور مکذبین رسالت سے نہیں اور نہ یہ بستی عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس رکوع میں جس قریہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے انطاکیہ مراد نہیں بلکہ پہلے زمانہ کی کوئی بستی مراد ہے۔ جس کا ہمیں علم نہیں اور یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے زمانہ کے مکذبین رسالت کا ہے جہاں اول بار خدا تعالیٰ نے دو رسول بھیجے اور پھر ان کی مدد کے لئے تیسرا رسول بھیجا پھر ان تین رسولوں کی مدد کے لئے شہر کے کنارہ سے ایک مرد صالح آیا جس نے رسولوں کی اطاعت اور اتباع کے متعلق نہایت معقول اور مدلل تقریر کی جس پر نادانوں نے برافروختہ ہو کر اس مرد صالح کو قتل کر دیا یا خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت اور عنایت سے اس کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ بہر حال اس قریہ سے قریہ انطاکیہ مراد نہیں بلکہ کوئی اور بستی مراد ہے اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ یہ قصہ کس بستی کا ہے اور کن رسولوں اور پیغمبروں کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بستی کی تعیین سے سکوت کیا جائے اس لئے کہ ان آیات کی تفسیر اس قریہ کی اور رسولوں کی تعیین پر موقوف نہیں اس قصہ کے بیان سے منکرین رسالت کی تہدید مقصود ہے وہ بہر صورت حاصل ہے۔

مقصود کفار مکہ کو سنانا ہے کہ سن لیں منکرین نبوت و رسالت کا یہ انجام ہوتا ہے جو اہل قریہ کا ہوا پس اے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قصہ اہل مکہ کو سنا دیجئے تا کہ جو ایمان کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ ایمان لے آئیں اور جو کٹر کافر ہیں وہ روز بد کے لئے تیار ہو جائیں غرض یہ کہ آیات قرآنیہ تعیین قریہ کے بارے میں مبہم ہیں اس لئے اب ہم بھی تعیین سے سکوت کرتے ہیں اور قرآن کریم نے جس اجمال اور ابہام کے ساتھ اس قصہ کو ذکر کیا ہے اسی کے مطابق ہم اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حق جل شانہ فرماتے ہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مکذبین رسالت کے لئے اگلوں کی تکذیب اور ان کی بد انجامی کی ایک داستان بیان کیجئے جس سے ان کو معلوم ہو کہ ان سے پہلے ایک قوم نے پیغمبروں کی تکذیب کی پھر وہ لوگ قیامت سے پہلے ہی دنیاوی عذاب میں گرفتار ہوئے یعنی ان کے سامنے اس بستی والوں کا حال بیان کر۔ جس میں تین رسول آئے تھے۔ اول بار ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے پس لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور سنتے ہی فوراً ان کی تکذیب کر دی۔ پھر دوسری بار ہم نے تیسرے رسول سے ان کو قوت دی۔ ان دونوں کی تائید اور تقویت کے لئے تیسرے کو ہم نے وہاں جانے کا حکم دیا تا کہ تین کے جمع ہو جانے سے دعوت اور تبلیغ میں قوت پیدا ہو۔ پس ان تینوں رسولوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہم تینوں

من جانب اللہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ تم کو خدا کا راستہ بتلائیں۔ بت پرستی کو چھوڑ دو اور توحید و رسالت پر ایمان لاؤ اہل قریہ نے جواب دیا کہ تم کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تم ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ صفات بشریہ میں ہم اور تم یکساں ہیں پس خدا نے تم کو نبوت اور رسالت کے ساتھ کیوں خاص کیا اور علاوہ ازیں مسئلہ نبوت و رسالت سرے ہی سے غلط ہے اس لئے کہ تمہارے قول کی بنا پر نبوت کا دار و مدار وحی الٰہی ہے اور اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز یعنی وحی اور کتاب نازل نہیں کی جیسے یہود نے عناد میں کہا تھا۔

﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ اسی طرح ضد اور عناد میں ان لوگوں نے بھی یہی کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ ہم خدا کے فرستادہ ہیں اور خدا نے بذریعہ وحی کے ہم کو یہ حکم دیا ہے یہ سب غلط ہے وحی کوئی چیز نہیں۔ اور بولے کہ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ نے ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور ہم پر یہ وحی نازل کی ہے۔ اللہ کو اگر پیغام دینا منظور ہوتا تو کسی فرشتہ کو بھیجتا انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی جھوٹ نہیں بنایا بلکہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا ہے بلاشبہ ہم تمہاری طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں سو وہ ہم نے تم تک پہنچا دیا ہے اور ہمارا کام تو صرف اللہ کے پیغام اور احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دینا ہے اب آگے ماننا اور نہ ماننا وہ تمہارا کام نہیں ہے اس کے بعد شاید اہل شہر قحط اور دیگر مصائب میں مبتلا کر دیئے گئے ہوں۔ جیسا کہ اللہ کی سنت ہے کہ عذاب نازل کرنے سے پہلے نافرمانوں کو قحط وغیرہ میں مبتلا کرتے ہیں۔ تا کہ متنبہ ہو جائیں۔ مگر وہ بدبخت الٹا پیغمبروں پر الزام لگانے لگے اور بولے کہ تحقیق ہم نے تم کو منحوس پایا۔ کہ تمہاری وجہ سے ہم کو یہ نحوست پہنچی جب سے تمہارے "منحوس قدم" اس شہر میں آئے بارش نہیں برسی اور ہماری سب کھیتیاں خشک ہوگئیں اور قوم میں نا اتفاقی ہوگئی اور بولے کہ تحقیق ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ جب سے تم آئے ہو ہم طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں جب سے تم اس شہر میں آئے ہو اس وقت سے بارش نہیں ہوئی اور ہماری سب کھیتیاں خشک ہوگئیں۔ اگر تم اپنے اس دعوے سے اور اپنی اس تبلیغ اور دعوت سے اور ایسی باتوں سے باز نہ آئے تو سن لو کہ ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور تمہارا کام تمام کر دیں گے اور بلکہ اس سے پہلے ہی تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی یعنی طرح طرح سے ہم تم کو ستائیں گے۔ ان رسولوں نے کہا کہ تمہارا یہ شگون بد اور یہ نحوست سب تمہارے ساتھ ہے ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ نحوست جو تم کو پہنچی ہے۔ وہ تمہاری طرف سے آئی ہے اور اس پر ڈھٹائی یہ ہے کہ ڈراتے اور دھمکاتے ہو ہم کو۔ ہم اللہ کے فرستادہ ہیں اور مجسم رحمت ہیں حق اور ہدایت لے کر آئے ہیں جس چیز کو تم نے نحوست سمجھا ہے وہ محض تمہارا گمان ہے اور اپنی وہمی اور خیالی نحوست کو ہماری طرف منسوب کرنا یہ بھی تمہارا خواب و خیال ہے جس پر عقلاً و نقلاً کوئی دلیل نہیں نحوست کا اصل منشا کفر اور معصیت ہے جو تمہیں چمٹا ہوا ہے۔ کیا محض اس لئے کہ ہماری طرف سے تم کو نصیحت کی گئی ہے تم ہمیں الزام دینے لگے اور نصیحت اور دعوت حق کو نحوست بتلانے لگے اور ہمیں دھمکانے اور ڈرانے لگے تمہاری یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے تم خود حد سے گزر جانے والے لوگ ہو اور یہ مصیبت اور نحوست تمہارے افعال بد کا نتیجہ ہے بلاوجہ اور بلا دلیل تم اس کو ہماری طرف منسوب کرتے ہو اور ہماری نصیحت کو نحوست کا سبب بتلانے لگے ہو۔ اور ہم جو کہہ رہے ہیں وہ سامان سعادت و سعودت ہے نہ کہ نحوست۔ اور جب اس گفتگو کی خبر تمام شہر میں پھیل

گئی تو اسی اثنا میں ایک چوتھا شخص یعنی ایک مرد کامل منتہائے شہر سے مرسلین کی تائید اور اعانت کے لئے دوڑتا ہوا آیا۔ اور لوگوں کو نصیحت کرنے لگا اور یہ کہا کہ اے میری قوم عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم خدا کے ان فرستادوں کا اتباع اور ان کی پیروی کرو جو حق دے کر تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں لہٰذا ان کا کہنا مانو۔ بالکل سچے لوگ ہیں۔ خدا کی طرف سے تمہارے پاس نیک پیغام لے کر آئے ہیں اور تم کو صدق اور امانت اور عفاف اور صلہ رحمی اور مکارم اور محاسن اعمال اور توحید اور حسن عبادت کا حکم دیتے ہیں جس سے مقصود محض تمہاری خیر خواہی ہے اور جو شخص ایسی پاکیزہ باتوں کا حکم دے وہ کبھی منحوس نہیں ہوسکتا۔ عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسی پاکیزہ ہستیوں کا اتباع عقلاً واجب ہے اور ان کی پیروی سراسر خیر و برکت ہے اور باعث سعادت ہے اور اس سے اعراض نحوست ہے نیز ان کے واجب الاتباع ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ عقل سلیم یہ حکم دیتی ہے کہ ایسے ناصح مخلص کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت اور معاوضہ نہیں مانگتا۔ وہ ناصح مخلص ہے وہ تم سے نہ مال کا طالب ہے اور نہ جاہ کا طالب ہے۔ بے غرض ہے حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک ہے محض تمہاری شفقت اور خیر خواہی کے لئے تم نادانوں کی طرف سے یہ مشقتیں برداشت کر رہا ہے ایسے شخص کی پیروی میں کیا تردد ہے مخلص اور بے غرض ناصح کا اتباع عقلاً واجب ہے اور علاوہ ازیں ان کے واجب الاتباع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ خود راہ راست پر ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں اور تم کو بھی راہ راست پر چلانا چاہتے ہیں لہٰذا ان کے اتباع اور پیروی سے گریز میں تمہارے لئے کوئی عذر نہیں مگر ان بدبختوں اور بدعقلوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر اس چوتھے شخص کو شہید کر ڈالا۔ جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

نکتہ: ...... حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک جماعت ایسی بھی تھی جو کلمہ حق کو بشہادت قلبی پہچان لیتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کر کے خلق اللہ کو کلمہ حق کی دعوت دیتی ہے۔ آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے بعد جو مراتب و منازل ہیں وہ ان کو عطا کئے جائیں گے اور یہ صفت خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ہے (ازالۃ الخفاء)

وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً اِنۡ یُّرِدۡنِ

اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں بندگی نہ کروں اس کی جس نے مجھ کو بنایا ف۱ اور اسی کی طرف سب پھر جاؤ گے ف۲ بھلا میں پکڑوں اس کے سوا اوروں کو پوجنا کہ اگر مجھ پر چاہے

اور مجھ کو کیا ہے کہ میں بندگی نہ کروں اس کی جس نے مجھ کو بنایا، اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔ بھلا میں پکڑوں اس کے سوا اوروں کو پوجنا؟ کہ اگر مجھ پر چاہے

الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُہُمۡ شَیۡئًا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ

رحمان تکلیف تو کچھ کام نہ آئے مجھ کو ان کی سفارش اور نہ وہ مجھ کو چھڑائیں تو میں بھٹکتا رہوں

رحمٰن تکلیف، کچھ کام نہ آئے مجھ کو ان کی سفارش، اور نہ وہ مجھ کو چھڑائیں۔ تو میں بھٹکتا رہوں

مُّبِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿ؕ۲۵﴾ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ

صریح ف۳ میں یقین لایا تمہارے رب پر مجھ سے سن لو ف۴ حکم ہوا چلا جا بہشت میں ف۵ بولا کسی طرح میری قوم

صریح۔ میں یقین لایا تمہارے رب پر، مجھ سے سن لو۔ حکم ہوا کہ چلا جا بہشت میں۔ بولا کسی طرح میری قوم

یَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِہٖ مِنۡۢ

معلوم کرلیں کہ بخشا مجھ کو میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں ف۶ اور اتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اس کے

معلوم کریں۔ کہ بخشا مجھ کو میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں۔ اور اتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اس کے

بَعۡدِہٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا مُنۡزِلِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا

پیچھے کوئی فوج آسمان سے اور ہم فوج نہیں اتارا کرتے بس یہی تھی ایک چنگھاڑ پھر

پیچھے کوئی فوج آسمان سے، اور ہم اتارا نہیں کرتے۔ یہی ایک چنگھاڑ، پھر

ہُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ

بھی بجھ رہے۔ ف۷ کیا افسوس ہے بندوں پر! کوئی رسول نہیں آیا ان پاس، جس سے

اسی دم سب بجھ گئے کیا افسوس ہے بندوں پر کوئی نہیں آیا ان کے پاس رسول جس سے

ف۱ یہ اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔ یعنی تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اس کی بندگی نہ کرو۔

ف۲ یعنی یہ مت سمجھنا کہ پیدا کرکے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اب کچھ مطلب اس سے نہیں رہا۔ نہیں، سب کو مرے پیچھے اسی کے پاس واپس جانا ہے۔ اس وقت کی فکر کر رکھو۔

ف۳ یعنی کس قدر صریح گمراہی ہے کہ اس مہربان اور قادر مطلق پروردگار کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی تکلیف سے نہ بذات خود چھڑا سکیں نہ سفارش کر کے نجات دلا سکیں۔

ف۴ یعنی مجمع میں بے کھٹکے اعلان کرتا ہوں کہ میں خدائے واحد پر ایمان لا چکا۔ اسے سب سن رکھیں شاید مرسلین کو اس لیے سنایا ہو کہ وہ اللہ کے ہاں گواہ رہیں اور قوم کو اس لیے کہ سن کر کچھ متاثر ہوں یا کم از کم دنیا ایک مومن کی قوت ایمان کا مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ ہو۔

ف۵ یعنی فوراً بہشت کا پروانہ مل گیا۔ آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کر ڈالا۔ ادھر شہادت واقع ہوئی ادھر سے حکم ملا کہ فوراً بہشت میں داخل ہو جا۔ جیسا کہ ارواح شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل ہوتی ہیں۔

ف۶ قوم نے اس کی دشمنی کی کہ مار ڈالا۔ اس کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا کہ اگر میرا حال اور جو انعام و اکرام حق تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے =

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾

ٹھٹھا نہیں کرتے کیا نہیں دیکھتے کتنی غارت کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں کہ وہ ان کے پاس پھر کر نہیں آئیں گی ف۱

ٹھٹھا نہیں کرتے۔ کیا نہیں دیکھتے کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں؟ کہ وہ ان پاس پھر نہیں آتے۔

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع

اور ان سب میں کوئی نہیں جو اکٹھے ہو کر نہ آئیں ہمارے پاس پکڑے ہوئے ف۲

اور ساروں میں کوئی نہیں جو اکھٹے نہ آئیں ہمارے پاس پکڑے۔

بقیہ قصہ مرد صالح مشتمل بر پند و نصائح برائے اصلاح قوم

قال تعالیٰ: ﴿وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ... الی ... وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾

خلاصہ کلام یہ کہ منتہائے شہر سے ایک مرد صالح دوڑتا ہوا آیا اور اپنی قوم کو نصیحت کرنے لگا کہ تم مرسلین کی پیروی کرو کیونکہ یہ لوگ خود غرضی سے بالکلیہ پاک ہیں جو مانع اتباع ہے اس لئے کہ وہ تم سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں مانگتے ﴿لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ کے مصداق کامل ہیں اور خود حق اور راہ راست پر ہیں اور تم کو بھی حق اور راہ راست کی دعوت دے رہے ہیں جو اتباع اور پیروی کا داعی اور مقتضی ہے اور میں نے تو حق کو پہچان لیا اور دل و جان سے ان کو قبول کر لیا اور جو بات میں نے اپنے لئے پسند کی ہے وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں اور آخر مجھے کیا ہوا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہاری طرح شرک اور بت پرستی میں مبتلا رہوں اور کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور پردہ عدم سے نکال کر وجود کا خلعت مجھ کو پہنایا اور نیست سے ہست کیا ہم پر خالص حق اسی ذات کا ہے جس نے ہم کو پیدا کیا جس میں میں اور تم برابر ہیں ایک بندہ اور پروردہ اپنے آقا اور مربی سے کیسے آزاد ہو سکتا ہے بندہ پر حق ہے کہ وہ اپنے خالق کی بندگی کرے جس نے اس کو وجود بخشا اور پالا اور آخر کار اس چند روزہ زندگی کے بعد پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جس خالق اور فاطر کے پاس سے تم آئے تھے پھر اس کی طرف تم کو جانا اور لوٹنا ہے اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے،

= معلوم کرلیں تو سب ایمان لے آئیں۔

ف۷ یعنی اس کے بعد اس کی قوم کفر و ظلم اور تکذیب مرسلین کی پاداش میں ہلاک کی گئی اور اس ہلاک کے لیے کوئی مزید اہتمام کرنا نہیں پڑا کہ آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیجی جاتی، نہ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ قوموں کی ہلاکت کے لیے بڑی بڑی فوجیں بھیجا کریں (یوں کسی خاص موقع پر کسی خاص مصلحت کی وجہ سے فرشتوں کا لشکر بھیج دیں وہ دوسری بات ہے) وہاں تو بڑے بڑے مدعیوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک ڈانٹ کافی ہے۔ چنانچہ اس قوم کا حال بھی یہی ہوا کہ فرشتوں نے ایک چیخ ماری اور سب کے سب ایک دم بجھ کر رہ گئے۔

ف۱ یعنی دیکھتے اور سنتے ہیں کہ دنیا میں کتنی قومیں پہلے پیغمبروں سے ٹھٹھا کر کے غارت ہو چکی ہیں جن کا نام و نشان مٹ چکا۔ کوئی ان میں سے لوٹ کر ادھر واپس نہیں آئی۔ عذاب کی چکی میں سب پس کر برابر ہو گئیں اس پر بھی عبرت نہیں ہوئی، جب کوئی نیا رسول آتا ہے وہی تمسخر اور استہزاء شروع کر دیتے ہیں۔ جو پہلے کفار کی عادت تھی۔ چنانچہ آج خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار مکہ کا یہی معاملہ ہے۔

ف۲ یعنی وہ تو دنیا کا عذاب تھا، اور آخرت کی سزا الگ رہی۔ یہ نہ سمجھو کہ ہلاک ہو کر ادھر واپس نہیں آتے تو بس قصہ ختم ہوا۔ نہیں، سب کو پھر ایک دن خدا کے ہاں حاضر ہونا ہے۔ جہاں بلا استثناء مجرم پکڑے ہوئے آئیں گے۔

کیا منہ دکھاؤ گے تم اس کے دائرہ حکومت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے وہی ہمارا مبدأ ہے اور وہی ہمارا منتہا ہے تم ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے خالق اور فاطر کے پیغام کو سنے اور اپنے مبد اور معاد کو پہچانے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کل مولو دیولد علی الفطرۃ اور قرآن کریم میں ہے ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ وہ انسان ہی کیا ہوا جسے اپنے خالق اور مربی سے انس نہ ہو۔

نکتہ: ...... ﴿وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اس مرد صالح نے بات اپنے اوپر رکھ کر قوم کو سنا دی اور والیہ ترجعون سے قوم کو خطاب کیا کہ اپنے مآل اور انجام کی فکر کرو۔

یہ تو خالق کے مستحق عبادت ہونے کو بیان کیا اب آگے بت پرستی کا رد ہے کہ تمہارے یہ بت کسی طرح لائق عبادت نہیں کیا میں اپنے خالق اور فاطر کو چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا معبود بنالوں جو بالکل عاجز ہیں کہ باختیار خود اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتے اور جن کی درماندگی اور عاجزی کی یہ کیفیت ہے کہ اگر خدائے مہربان اپنی کسی رحمت اور حکمت سے کسی وقت مجھے کسی تکلیف اور ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے تو میرے لئے ان بتوں کی نہ تو کوئی سفارش کام آئے گی اور نہ یہ بت اپنی قدرت یا قوت سے مجھے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکیں گے تحقیق میں ایسی حالت میں اگر ان کو معبود مان لوں تو صریح گمراہی میں جا پڑوں تم لوگ غور نہیں کرتے کہ تم کیسی صریح گمراہی میں مبتلا ہو میرے نصیحت کو گراں نہ جانو میں تمہارا صریح خیر خواہ ہوں تحقیق میں تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو پرورش کرتا ہے پس تم میری بات سنو اور تم بھی اپنے خالق اور پروردگار پر ایمان لے آؤ۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو تم میرا کلمہ ایمان سن لو اور میرے ایمان پر گواہ ہو جاؤ تا کہ تم دنیا اور آخرت میں میرے ایمان کی گواہی دے سکو۔

نکتہ: ...... ﴿بِرَبِّكُمْ﴾ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو میرا خالق اور پروردگار ہے وہی تمہارا بھی پروردگار ہے پھر اس سے برگشتگی کی کیا وجہ پس جب مرد صالح نے اپنا کلام نصیحت التیام اس حد تک پہنچا دیا تو اہل قریہ سن کر غصہ میں جامہ سے باہر ہو گئے اور اس مرد صالح و ناصح پر ٹوٹ پڑے اور پتھروں سے یا گلا گھونٹ کر نہایت بے دردی سے اس کو مار ڈالا۔

اور بعض علماء سلف جیسے حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ اہل قریہ اس مرد صالح کو ابھی قتل کرنے نہ پائے تھے اس کے مار ڈالنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا اور اس کو یہ حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا دنیا کے جیل خانہ سے تو نکل آیا اب ہمارے مہمان خانہ میں قیام کر کما قال تعالی ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس مرد صالح کو پھر اپنی قوم کی فکر ہوئی اور کہنے لگا کاش میری قوم جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور انبیاء علیہم السلام کے اتباع کی برکت سے میری مغفرت کر دی اور مجھ کو عزت اور کرامت والوں میں سے بنا دیا اگر میری قوم کو میرا حال معلوم ہو جائے تو وہ سب ایمان لے آئیں پس جب اہل قریہ مرسلین کی تکذیب کر چکے اور خدا کے ایک ولی کے قتل کے درپے ہوئے تو غضب الٰہی جوش میں آیا کہ ان سنگ دلوں سے اس کا انتقام لیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور اس مرد صالح کے قتل کے بعد یا اس کے رفع الی السماء کے بعد یا تکذیب

مرسلین کے بعد یا اس سارے ماجرے کے بعد ہم نے اس خبیث قوم سے انتقام لینے کے لئے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہمیں اتارنے کی حاجت اور ضرورت تھی ان کا ہلاک کرنا کچھ مشکل نہ تھا کفار خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں خدا کی نظر میں اس قدر ذلیل اور حقیر ہیں کہ ان کے ہلاک کرنے کے لئے آسمانی لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے خدا تعالیٰ کے لئے تو آسمان اور زمین کا اور سارے عالم کا تباہ کرنا بھی مشکل نہیں ایک بستی کی تو حقیقت ہی کیا ہے اور اہل قریہ کے ہلاک کرنے کے لئے کچھ نہیں ہوا مگر صرف ایک چیخ کافی ہوئی۔ چنانچہ جبرئیل امین علیہ السلام نے یا کسی اور فرشتہ نے اس شہر کے کنارہ پر ایک چیخ ماری جس سے یکلخت سب کے سب تباہ اور برباد ہو گئے پس ناگاہ اسی وقت سب بجھے ہوئے ہو گئے جبرئیل علیہ السلام اور فرشتہ کی ایک کرخت آواز سے سب کے کلیجے پھٹے اور بجھی ہوئی آگ کی طرح سب ٹھنڈے ہو گئے اور حیات کی حرارت ختم ہوئی اور کوئی باقی نہ بچا خدا تعالیٰ دشمنوں سے اپنے دوستوں کا اس طرح انتقام لیتا ہے سن لو اور سمجھ لو مطلب یہ ہے کہ ہماری حکمت اور مصلحت اس بات کو مقتضی نہیں کہ کسی قوم کے ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر اتاریں اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی ہمارے نزدیک تو سارے جہان کا ہلاک کرنا بھی آسان ہے ہمارے نزدیک سب ہیچ اور ناچیز ہیں۔ گزشتہ قوموں نے جب خدا کی نافرمانی کی اور پیغمبروں کا مقابلہ کیا تو خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو ہوا سے تباہ کیا اور کسی قوم پر پتھر برسائے اور کسی قوم کو سخت آواز نے پکڑا اور کسی کو زمین میں دھنسایا اور کسی کو دریا میں غرق کیا۔

غرض یہ کہ گزشتہ قومیں اس طرح ہلاک کی گئیں، ان کے ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نازل نہیں کیا گیا۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا﴾۔

خدا تعالیٰ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے اس لئے گزشتہ قوموں کے ہلاک کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ اسباب پیدا کئے ورنہ خدا تعالیٰ کو تو اس کی بھی ضرورت نہ تھی وہ چاہتا تو دم کے دم میں سب کا دم نکل جاتا۔

اور جنگ بدر اور جنگ احزاب اور جنگ حنین میں فرشتوں کے جو لشکر اتارے گئے اس سے آنحضرت ﷺ کا اعزاز اور اکرام مقصود تھا یہ آپ ﷺ کی عظمت شان اور جلالت قدر کے اظہار کے لئے فرشتوں کے لشکر اتارے گئے نیز یہ معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دلجوئی اور ان کی قدر افزائی کے لئے تھا ورنہ ابوجہل کا لشکر ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کے لشکر کی ضرورت نہ تھی غرض یہ کہ جنگ بدر اور جنگ احزاب میں فرشتوں کا لشکر اتارنا محض آنحضرت ﷺ کے شرف اور کرامت اور جلالت شان کو ظاہر کرنے کے لئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بشارت اور ان کی سکینت اور طمانینت کے لئے تھا کما قال تعالیٰ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ورنہ ہزار کافروں کے ہلاک کرنے کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا قوم لوط کی تمام بستیوں کو یکلخت اوپر سے نیچے پھینک دیا۔ دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی رحمہ اللہ: ۷ / ۵۷ و حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۴ / ۱۲۷۔

خلاصہ کلام یہ کہ جنگ بدر میں جو فرشتوں کا لشکر اتارا گیا اس سے قریش کے لشکر کو ہلاک کرنا مقصود نہ تھا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کرامت تھی محض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تقویت

قلوب کے لئے فرشتوں کا لشکر اتارا گیا اور کفار قریش، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں مارے گئے اور قید کئے گئے۔ دیکھو روح المعانی: ۲۳/۲۲ و روح البیان: ۳۶۸/۷۔

اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب قریہ کی سرکشی اور شرارت کی سزا کے لئے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ اس کی ضرورت تھی ایک تند آواز نے سب کا خاتمہ کر ڈالا فرشتہ کی ایک چیخ سب کی ہلاکت کے لئے کافی ہوئی۔

نکتہ: ...... اور ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ میں "مِنْۢ بَعْدِهٖ" کی قید شاید اس لئے لگائی گئی تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اگرچہ بعد میں بھی اس قسم کے لوگ ہوئے کہ جو اس قسم کے عذاب کے مستحق ہوئے مگر ہم نے اپنی رحمت سے ان کے ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اب آگے ان کے اس عمل بد پر اظہار افسوس کا بیان ہے اے حسرت وافسوس تو کہاں ہے یہ وقت تیرے حاضر ہو جانے کا ہے تو حاضر ہو کر ان بندوں اور گندوں پر نازل ہو جا جو خدا کے نبیوں کی تکذیب اور استہزاء میں اور خدا کے ولیوں کی تذلیل اور تحقیر میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔

ان سرکشوں کا حال یہ ہے کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے انبیاء اور اولیاء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر بھی ان کی حسرت کا سبب بنا پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ حاضرین گزشتہ امتوں کے حال بداعمال سے بھی عبرت نہیں پکڑتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو تکذیب رسل اور ان کے ساتھ استہزاء کی سزا میں غارت اور ہلاک کر ڈالا اور باوجود اس کے پھر بھی تکذیب رسل اور ان کے ساتھ استہزاء سے باز نہیں آتے کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو سرکش ہلاک کر دیئے گئے اور عذاب کی چکی میں پیس دیئے گئے اور ان کا قصہ ختم ہوا اب وہ لوٹ کر ان کی طرف نہیں آتے یعنی وہ پھر دنیا میں ان کے پاس نہیں آتے جو آ کر لوگوں کو اپنا حال بتلائیں مرنے کے بعد کسی مردہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ باختیار خود عالم آخرت سے عالم دنیا میں دو چار گھنٹے ہی کے لئے آ جائے اور جن مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے وہ محض اللہ کے حکم سے کسی حکمت کی بنا پر تھا باختیار خود نہ تھا اور کوئی نہیں مگر قیامت کے دن سب کے سب جمع کر کے ہمارے حضور میں حاضر کئے جائیں گے اور اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے اور مجرم تو پابجولاں زنجیروں میں جکڑے ہوئے حاضر کئے جائیں گے اپنے انجام کو سوچ لیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا

اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے زمین مردہ اس کو ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اس میں سے اناج سو اسی میں سے کھاتے ہیں اور بنائے ہم نے

اور ایک نشانی ہے ان کو زمین مردہ۔ اس کو ہم نے جلایا اور نکالا اس میں سے اناج، سو اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور بنائے ہم نے

فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا

اس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہا دیئے اس میں بعضے چشمے کہ کھائیں اس کے میووں سے ف۱ اور اس کو

اس میں باغ، کھجور کے اور انگور کے، اور بہائے اس میں بعضے چشمے۔ کہ کھائیں اس کے میووں سے، اور وہ

ف۱ یعنی شاید شبہ گزرتا کہ مرے پیچھے پھر کس طرح زندہ ہو کر حاضر کیے جائیں گے؟ اس کو یوں سمجھا دیا کہ زمین خشک اور مردہ پڑی ہوتی ہے۔ پھر خدا اس کو زندہ =

عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

بنایا نہیں ان کے ہاتھوں نے پھر کیوں شکر نہیں کرتے ف۱ پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو اگتا ہے

بنایا نہیں ان کے ہاتھوں نے۔ پھر کیوں شکر نہیں کرتے؟ پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے، اس قسم سے جو اگتا ہے

الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا

زمین میں اور خود ان میں سے اور ان چیزوں میں کہ جن کی ان کو خبر نہیں ف۲ اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے رات کھینچ لیتے ہیں ہم اس پر سے دن کو پھر تبھی یہ

زمین میں، اور آپ ان میں اور جن چیزوں میں کہ ان کو خبر نہیں۔ اور ایک نشانی ہے ان کو رات، ادھیڑ لیتے ہیں ہم اس سے دن، پھر تبھی رہ جاتے ہیں

هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

جاتے ہیں اندھیرے میں ف۳ اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے راستہ پر ف۴ یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر نے

اندھیرے میں۔ سورج چلا جاتا ہے اپنی ٹھہری راہ پر۔ یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر کا۔

= کرتا ہے کہ ایک دم لہلہانے لگتی ہے۔ کیسے کیسے باغ و بہار، غلے اور میوے اس سے پیدا ہوتے ہیں جن کو تم استعمال میں لاتے ہو۔ اسی طرح خیال کرلو کہ مردہ ابدان میں روح حیات پھونک دی جائے گی۔ بہرحال مردہ زمین میں ان کے لیے ایک نشانی ہے جس میں غور کرنے سے بعث بعد الموت اور حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت اور اس کے انعام و احسان کے مسائل کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

(تنبیہ) اوپر کی آیات میں ترہیب کا پہلو نمایاں تھا کہ عذاب الٰہی سے ڈر کر راہ ہدایت اختیار کریں۔ آیات حاضرہ میں ترغیب کی صورت اختیار فرمائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں اور یہ بھی سمجھیں کہ جو خدا مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وہ ایمانی حیثیت سے ایک مردہ قوم کو زندہ کردے، یہ کیا مشکل ہے۔

ف۱ یعنی یہ پھل اور میوے قدرت الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں یہ طاقت نہیں کہ ایک انگور یا کھجور کا دانہ پیدا کرلیں۔ جو محنت اور تردد باغ لگانے اور اس کی پرورش کرنے میں کیا جاتا ہے اس کو بارآور کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور غور سے دیکھا جائے تو جو کام بظاہر ان کے ہاتھوں سے ہوتا ہے وہ بھی فی الحقیقت حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت و طاقت اور اس کی مشیت و ارادہ سے ہوتا ہے لہٰذا ہر حیثیت سے اس کی شکر گزاری اور احسان شناسی واجب ہوئی۔

(تنبیہ) مترجم محقق رحمہ اللہ نے "وما عملته ایدیھم" میں "ما" کو نافیہ لیا ہے۔ کما ھو داب اکثر المتاخرین۔ لیکن سلف سے عموماً "ما" کا موصلہ ہونا منقول ہے اور اسی کی تائید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت "ومما عملته ایدیھم" سے ہوتی ہے۔

ف۲ یعنی نباتات میں، انسانوں میں اور دوسری مخلوقات میں جن کی انہیں پوری خبر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنائے ہیں خواہ تقابل کی حیثیت سے جیسے عورت مرد، نر مادہ، کھٹا میٹھا، سیاہ سفید، دن رات، اندھیرا اجالا، یا تماثل کی حیثیت سے جیسے یکساں رنگ اور مزے کے پھل اور ایک شکل و صورت کے دو جانور، بہرحال مخلوقات میں کوئی مخلوق نہیں جس کا مماثل یا مقابل نہ ہو یہ صرف خدا ہی کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے نہ مماثل، کیونکہ مقابلہ یا مماثلت ان چیزوں میں ہوسکتی ہے جو کسی درجہ میں فی الجملہ اشتراک رکھتی ہوں۔ خالق و مخلوق کا کسی حقیقت میں اشتراک ہی نہیں۔

ف۳ "سلخ" کہتے ہیں جانور کی کھال اتارنے کو جس سے نیچے کا گوشت ظاہر ہوجائے۔ اسی طرح سمجھ لو رات کی تاریکی پر دن کی چادر پڑی ہوئی ہے۔ جس وقت یہ نور کی چادر اوپر سے اتار لی جاتی ہے لوگ اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں اس کے بعد پھر سورج اپنی مقررہ رفتار سے معین وقت پر آکر سب جگہ اجالا کرتا ہے۔ لیل و نہار کے ان تقلبات پر قیاس کر کے سمجھ لو کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کرسکتا ہے اور بیشک وہی ایک خدا لائق پرستش ہے جس کے ہاتھ میں ان عظیم الشان انقلابات کی باگ ہے۔ جن سے ہم کو مختلف قسم کے فوائد پہنچتے ہیں۔ نیز جو قادر مطلق رات کو دن سے تبدیل کرتا ہے کیا کچھ بعید ہے کہ بذریعہ آفتاب رسالت کے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کردے لیکن رات دن اور چاند، سورج کے طلوع و غروب کی طرح ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔

ف۴ سورج کی چال اور راستہ مقرر ہے اسی پر چلا جاتا ہے۔ ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول =

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ

اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آ رہا جیسے ٹہنی پرانی ف۱ نہ سورج سے ہو کہ

اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں، یہاں تک کہ پھر آرہے جیسے ٹہنی پرانی۔ نہ سورج کو پہنچے کہ

تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا

پکڑلے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں پھرتے ہیں ف۲ اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے کہ

پکڑ لے چاند کو، اور نہ رات آگے بڑھے دن سے۔ اور ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں۔ اور ایک نشانی ہے ان کو کہ

حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ

ہم نے اٹھالیا ان کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی میں اور بنا دیا ہم نے ان کے واسطے کشتی جیسی چیزوں کو جس پر سوار ہوتے ہیں ف۳ اور اگر ہم

ہم نے اٹھا لی ان کی نسل اس بھری کشتی میں۔ اور بنا دیئے ہم نے ان کو اس طرح کے جس پر چڑھتے ہیں۔ اور اگر ہم

= ہے کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچنا ہے پہنچتا ہے۔ پھر وہاں سے باذن خداوندی نیا دورہ شروع کرتا ہے۔ قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ تاآنکہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہوگا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے ادھر سے واپس آئے یہی وقت ہے جب باب توبہ بند کر دیا جائے گا۔ کما ورد في الحديث الصحيح۔ بات یہ ہے کہ اس کے طلوع وغروب کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے انتظام کو کوئی دوسرا شکست نہیں کرسکتا، اور نہ اس کی حکمت و دانائی پر کوئی حرف گیری کرسکتا ہے وہ خود جب چاہے اور جس طرح چاہے الٹ پلٹ کرے کسی کو مجال انکار نہیں ہوسکتی۔

(تنبیہ) اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہاں اس کی تشریح کا موقع نہیں۔ اس پر ہمارا مستقل مضمون "سجود الشمس" کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔

ف۱ سورج کی طرح چاند ہمیشہ ایک طرح نہیں رہتا بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا۔ اس کی اٹھائیس منزلیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں۔ ان کو ایک معین نظام کے ساتھ درجہ بدرجہ طے کرتا ہے۔ پہلی آیت میں رات دن کا بیان تھا، پھر سورج کا ذکر کیا جس سے سالوں اور فصلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اب چاند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے۔ چاند سورج مہینہ کے آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے۔ پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ اسی پہلی حالت پر آ پہنچتا اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا، خمدار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

ف۲ سورج کی سلطنت دن میں ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہوسکتا کہ چاند کی نور افشانی کے وقت سورج اس کو آ دبائے۔ یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑا لے یا رات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آ جائے۔ جس زمانہ اور جس ملک میں جو اندازہ رات، دن کا رکھ دیا ہے ان کی رات کی مجال نہیں کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہوسکیں۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں پڑا چکر کھا رہا ہے اس سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتا اور باوجود اس قدر سریع حرکت اور کھلی ہوئی فضا کے نہ ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے نہ مقررہ انداز سے زیادہ تیز یا سست ہوتا ہے کیا یہ اس کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور ان کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر و دانا ہستی کے قبضۂ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ پھر جو ہستی رات دن اور چاند سورج کا ادل بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے اور فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہوگی؟ (العیاذ باللہ)

(تنبیہ) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ "لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ" کی تعبیر کا نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ سورج چاند اخیر مہینہ میں ملتے ہیں تو چاند پکڑتا ہے سورج کو۔ سورج چاند کو نہیں پکڑتا۔" اسی لیے لا القمر ینبغی له ان یدرك الشمس نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی حضرت نوح کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو آدم کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی پر سوار کرلیا جو حضرت نوح نے بنائی تھی۔ ورنہ انسان کا تخم باقی نہ رہتا۔ پھر اسی کشتی کے نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز تمہارے لیے بنا دیے جن پر تم آج تک لدے پھرتے ہو۔ یا کشتیوں جیسی دوسری سواریاں پیدا کر دیں جس پر سوار ہوتے ہو۔ مثلاً اونٹ، جن کو عرب "سفائن البر" (خشکی کی کشتیاں) کہا کرتے تھے۔

نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

چاہیں تو ان کو ڈبا دیں، پھر کوئی نہ پہنچے ان کی فریاد کو اور نہ چھڑائے جائیں مگر ہم اپنی مہربانی سے اور ان کا کام چلانے کو ایک وقت تک ف ۱

چاہیں تو ان کو ڈبا دیں، پھر کوئی نہ پہنچے ان کی فریاد کو، اور نہ وہ خلاص کئے جائیں۔ مگر ہم اپنی مہر سے، اور کام چلانے کو ایک وقت تک۔

ذکر دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت وامکان حشر ونشر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ... الی ... وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں ان سرکشوں کا حال بیان کیا جو توحید کے بھی منکر تھے اور نبوت ورسالت کے بھی منکر تھے اور حشر ونشر کے بھی منکر تھے اب آگے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے توحید ثابت ہو اور شرک کا ابطال ہو اور حشر ونشر کا امکان ثابت ہو۔

(نیز) گزشتہ مضمون کے ختم پر یہ فرمایا ﴿وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ جس نے ان کفار کو تنبیہ تھی جو معاد کے منکر اور اس سے غافل تھے اب آگے دلائل قدرت کو ذکر کرتے ہیں تا کہ حشر ونشر کا اقرار کریں اور آخرت کی کچھ فکریں کریں اور ان دلائل قدرت کے ضمن میں اپنی نعمتوں کو بھی شمار کیا تا کہ اپنے منعم حقیقی کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں اور کفر اور کفران سے باز آجائیں اور منعم حقیقی کی توحید کے قائل ہوں اور منعم حقیقی کے مرسلین یعنی خدا کے فرستادوں کی دعوت وتبلیغ کی طرف کان لگائیں تا کہ راہ راست پر چل سکیں اور منعم حقیقی کو راضی کرسکیں بعد ازاں حق تعالیٰ نے کفار نا ہنجار کی طعن آمیز باتوں کو نقل کر کے ان کا جواب دیا اور جس شبہ کی بنا پر دوبارہ زندہ ہونے کو وہ محال سمجھتے تھے اس شبہ کا مفصل اور مدلل جواب دیا اور اس مضمون پر سورت کو ختم کیا کہ خدائے وحدہ لاشریک لہ قادر مطلق ہے وہ بلا شبہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے شبہ اور وسوسہ میں نہ پڑو اور اس مقام پر جس قدر دلائل قدرت ذکر کئے ان میں سے ہر دلیل کے ضمن میں متعدد دلائل ہیں ہر دلیل متعدد دلائل کا مجموعہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اول

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ... الی ... وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

یہ اس کی قدرت کی پہلی دلیل ہے کہ اللہ کی آیات قدرت میں سے ایک زمین ہے جو ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس کے حالات میں غور کرلو کہ ہم خشک زمین کو تر وتازہ کر کے اس میں قسم قسم کے پھل اور غلے پیدا کرتے ہیں جو تمہاری زندگی کا سامان ہے تا کہ تم لوگ اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو مگر افسوس تم شکر نہیں کرتے تمام عالم مل کر بھی ایک پھل پیدا کرنے پر قادر نہیں پس خوب سمجھ لو کہ جو ذات زمین سے غنچوں اور پھلوں کے نکالنے پر قادر ہے وہ زمین سے مردوں کے

ف ۱ یعنی یہ مشت استخواں انسان! دیکھو کیسے خوفناک سمندروں کو کشتی کے ذریعہ عبور کرتا ہے۔ جہاں بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکے کے برابر نہیں۔ اگر اللہ اس وقت غرق کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کون ہے جو فریاد کو پہنچے۔ مگر یہ اس کی مہربانی اور مصلحت ہے کہ اس طرح سب بحری سواریوں کو غرق نہیں کر دیتا۔ کیونکہ اس کی رحمت وحکمت مقتضی ہے کہ ایک معین وقت تک دنیا کا کام چلتا رہے۔ افسوس ہے کہ بہت لوگ ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے نہ اس کی نعمتوں کو قدر کرتے ہیں۔

نکالنے پر بھی قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اوران کافروں کے لئے خدا کی قدرت کی ایک عظیم نشانی مردہ زمین ہے یعنی خشک اور بے گھاس زمین ہے جس کو بارش کے ذریعہ ہم نے زندہ اور سرسبز کیا اور اس میں سے دانہ نکالا یعنی غلہ اور اناج نکالا پس اسی دانہ سے یہ لوگ کھاتے اور زندہ رہتے ہیں اور اسی زمین میں ہم نے قسم قسم کے باغات بنائے کھجوروں کے اور انگوروں کے کسی زمین میں انگور پیدا ہوتا ہے مگر خرما پیدا نہیں ہوتا جیسے کابل کی زمین اور کسی زمین میں کھجور پیدا ہوتا ہے اور انگور پیدا نہیں ہوتا جیسے مدینہ کی زمین یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کسی مادہ اور ایتھر کا تقاضہ نہیں اور زمین میں ہم نے چشمے جاری کئے جن سے اکثر کا پانی شیریں اور خوشگوار ہے جو نالوں اور نہروں اور ندیوں کی طرح جاری ہے تاکہ لوگ ان باغات کے پھلوں سے کھائیں جن کو اللہ نے پیدا کیا اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا اور نہ ان کے معبودوں نے تخم ریزی اور آبپاشی کی بظاہر اگرچہ ان کے ہاتھوں نے کی ہے مگر غلوں اور پھلوں کا پیدا ہونا یہ تو خدا ہی کے دست قدرت کا کرشمہ ہے پس کیا یہ لوگ اللہ کی ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے جس نے یہ نعمتیں پیدا کیں اور خالص اللہ کی عبادت نہیں کرتے کہ جو ان نعمتوں کا خالق ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام متقابل اور متضاد انواع واقسام کو پیدا کیا از قسم نباتات جن کو زمین اگاتی ہے کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا کوئی شیریں اور کوئی تلخ اور خود آدمیوں کی ذاتوں میں سے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو عرب اور کسی کو عجم اور کسی کو شامی اور کسی کو حبشی۔

اور ان چیزوں سے جن کو یہ نہیں جانتے مختلف اقسام پیدا کیں جیسے اس نے قسم قسم کے چرند اور پرند اور حشرات الارض پیدا کئے پس جو ذات تنہا ان بیشمار مخلوقات کی خالق ہے اس کی عبادت کریں اور اسی کو خدائے وحدہ لاشریک مانیں مخلوقات میں ایک دوسرے کا مقابل موجود ہے مگر خدا تعالیٰ کا کوئی مقابل نہیں کما قال تعالیٰ ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ پس جس ذات کا کوئی جوڑ اور مقابل نہیں وہی لائق پرستش ہے زوجیت مخلوق کی صفت ہے اور فردیت خدائے وحدہ لاشریک لہ کی صفت ہے۔

دلیل دوم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ ... الی ... وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾

یہ اس کی قدرت کی دوسری دلیل ہے کہ اس نے لیل ونہار کو اور شمس وقمر کو پیدا کیا دن رات کا یکے بعد دیگرے آنا اور رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی اور آفتاب وماہتاب کا ایک خاص روشنی پر رہنا جس میں نہ کبھی کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے جس کی حقیقت کے ادراک سے دنیا کی عقلیں حیران ہیں تمام عالم مل کر بھی اس پر قادر نہیں کہ لیل ونہار اور طلوع وغروب میں کوئی تغیر کرسکے۔

گزشتہ آیت میں زمین کی نشانی کا ذکر فرمایا جو باشندگان عالم کا مکان ہے اب آئندہ آیت میں لیل ونہار کی نشانی کو ذکر فرماتے ہیں جو لوگوں کے لئے زمان ہے اور مکان اور زمان میں مناسبت ظاہر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کے لئے

ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے جس کے اندر سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں یعنی اس میں سے دن کی روشنی کو کھینچ لیتے ہیں پس وہ اس وقت تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہوجاتے ہیں سلخ کے معنی لغت میں بدن سے پوست (کھال) اتار لینے کے ہیں زمانہ اور وقت میں اصل ظلمت یعنی تاریکی ہے اور آفتاب کی روشنی امر عارضی ہے اور آفتاب اور دن کی روشنی رات کے وقت کو بمنزلہ پوست کے ساتر ہے یعنی اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے پس جب اللہ تعالیٰ اس روشنی کو اس وقت اور زمانہ سے یا اس ہوا اور خلا سے یا روشنی کے مکان سے کھینچ لیتا ہے تو لوگ اسی دم تاریکی میں داخل ہوجاتے ہیں اور ان پر رات آجاتی ہے دن کی روشنی رات کو کھال کی طرح اپنے اندر چھپائے ہوئے تھی جب خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کھال کو اتار لیا تو رات نمودار ہوگئی جس طرح جانور کی کھال کھینچ لینے سے اندر کا گوشت ظاہر ہوجاتا ہے اسی طرح جب خلا اور ہوا سے روشنی کھینچ لی گئی تو اندر سے ظلمت اور تاریکی اور اندھیرا ظاہر ہوگیا اور لوگ روشنی سے نکل کر تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہوگئے پس سمجھ لو کہ جس ذات کے ہاتھ میں ان تقلبات اور تصرفات کی باگ ہے وہی تمہارا معبود برحق ہے۔

غرض یہ کہ آیت ہذا یعنی ﴿نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ﴾ میں جو لفظ نسلخ بطور استعارہ استعمال کیا گیا بقدر ضرورت حضرات مدرسین کے لئے اس کی تشریح کردی گئی حضرات اہل علم اس کی تفصیل کے لئے روح المعانی اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی دیکھیں۔

اور اللہ کی قدرت کی ایک نشانی آفتاب ہے جو بحکم خداوندی اپنی قرارگاہ یعنی اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے جو اس کے لئے مقرر ہے یہ اندازہ ہے جو مقرر کردہ ہے خدائے غالب اور باخبر کا یعنی آفتاب کی یہ سیر خدائے عزیز کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کرسکتا اور علیم وحکیم کا مقرر کیا ہوا ہے جس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں یہ سب خداوند عزیز وعلیم کی تسخیر ہے آفتاب کی مجال نہیں کہ خدا کی مقرر کردہ سیر سے ذرہ برابر انحراف کرسکے خدا تعالیٰ نے جو اس کی چال مقرر کردی ہے ذرہ برابر اس سے علیحدہ نہیں ہوسکتا خدا کے حکم کے مطابق طلوع وغروب کرتا ہے حق جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آفتاب کے نور کی ایک خاص حد اور خاص مقدار مقرر فرمادی ہے اسی طرح اس کی حرکت اور مسافت کی بھی ایک حد مقرر فرمادی ہے اور یہ سب کچھ اس علیم وقدیر کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے آفتاب باذن خداوندی اسی طرح چلتا رہے گا اور مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اس کی حکم ہوگا کہ جہاں سے تو آیا ہے یعنی جدھر سے تو غروب ہوا ہے ادھر ہی لوٹ جا پس اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔

"مستقر" کے معنی قرارگاہ یعنی منتہائے سیر کے ہیں جہاں پہنچ کر اس کا دورہ ختم ہوجاتا ہے اس آیت میں لفظ مستقر سے یا تو روزانہ کا منتہائے سیر مراد ہے یا سال بھر کا منتہائے سیر مراد ہے یعنی منازل بروج مراد ہے جن کو آفتاب سال بھر میں قطع کرتا ہے آفتاب برابر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک سال میں اس کا دورہ بروج ختم ہوجاتا ہے یا مستقر سے دائرہ نصف النہار مراد ہے جہاں پہنچ کر آفتاب کا ارتفاع اور بلند ہونا ختم ہوجاتا ہے اور انحطاط اور زوال شروع ہوجاتا ہے یہاں تک کہ غروب ہوجاتا ہے۔ یا مستقر سے منتہائے عمر دنیا یعنی روز قیامت مراد ہے جو آفتاب کی سیر وحرکت کا منتہی ہے قیامت تک آفتاب اسی طرح چلتا رہے گا جب قیامت آجائے گی اس وقت اس کا طلوع اور غروب ختم ہوجائے گا اس وقت

آفتاب کو قرار حاصل ہوجائے گا جب قیامت آجائے گی تو آفتاب ٹھہر جائے گا اور اس کی حرکت باقی نہ رہے گی اور روز قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے کہ اس روز بساط عالم ہی لپیٹ دی جائے گی یا مستقر شمس یعنی آفتاب کی قرارگاہ اور منتہائے سیر سے عرش الٰہی مراد ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آفتاب غروب کے بعد ہر رات عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں جا کر سجدہ کرتا ہے اور طلوع کے لئے اذن مانگتا ہے تو اس کو اذن دیا جاتا ہے تب وہ طلوع کرتا ہے الیٰ آخر الحدیث معلوم ہوا کہ آفتاب کا مستقر زیر عرش ہے اور یہ آفتاب کا مستقر مکانی ہے جیسا کہ روز قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے عام معنی مراد لئے جائیں جو ان تمام امور کو شامل ہوں جو ماقبل میں ذکر کیے گئے یعنی مستقر سے مطلق قرارگاہ اور ٹھکانا مراد لیا جائے خواہ وہ حرکت یومیہ کے اعتبار سے ہو یا سالانہ دورہ کے اعتبار سے ہو یا منتہائے عمر دنیا کے اعتبار سے ہو اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آفتاب کی رفتار اور حرکت کے لئے جو نقطہ اور حد متعین کر دی ہے آفتاب قیامت تک اپنی حد معین پر باذن خداوندی اسی طرح برابر حرکت کرتا رہے گا یہ سب عزیز و علیم کی تقدیر اور تسخیر ہے کوئی اس میں ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں کر سکتا البتہ جب خدا تعالیٰ خود چاہیں گے تو اس نظام کو درہم برہم کر دیں گے طلوع و غروب کا یہ نظام خدا تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

اس آیت میں آفتاب کے جریان اور استقرار کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں قمر کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ سورج کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا گھٹتا بڑھتا رہتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور چاند کی سیر اور رفتار کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں جن کو وہ برابر طے کرتا رہتا ہے منازل قمر اٹھائیس ہیں ہر رات قمر ایک منزل میں نزول کرتا ہے نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے ابتدا میں ماہتاب کا نور شب بہ شب زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں رات میں اس کا نور پورا ہوجاتا ہے پھر اس میں کمی شروع ہوجاتی ہے یہاں تک اخیر ماہ میں چاند کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک اور پتلا ہوجاتا ہے ہر ماہ [1] کے آخر میں اور ہر ماہ کے شروع میں چاند کمان کی طرح باریک ہوجاتا ہے اخیر مہینہ میں جب چاند باریک اور پتلا ہوجاتا ہے تو دو رات کے لئے پوشیدہ ہوجاتا ہے پھر شروع مہینہ میں بشکل ہلال ہو کر ظاہر ہوتا ہے چاند کا اس طرح گھٹنا اور بڑھنا یہ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے غرض یہ کہ شمس اور قمر دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر ایک کی سیر اور رفتار کے لئے اور طلوع اور غروب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے لہٰذا نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور اس کی منزل میں نزول کر جائے اور اس کی حد میں داخل ہوجائے اور نہ چاند کی یہ مجال ہے کہ وہ سورج کو پکڑ سکے حالانکہ ماہتاب تیز رفتار ہے اور آفتاب سست رفتار ہے سورج سال بھر میں اپنی منزلیں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں اپنی منزلیں قطع کر لیتا ہے غرض یہ کہ دونوں کی سیر اور رفتار اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور تقدیر کے تابع ہے دونوں کا ایک منزل میں جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور ایک کا دوسرے کے وقت میں ظہور اور طلوع ناممکن ہے خدا تعالیٰ نے زمین کے جس خطہ اور حصہ میں طلوع و غروب کا جو نظام مقرر کر دیا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں ردوبدل کر سکے اور نہ رات کی یہ مجال

[1] قال ابن الشیخ حتی صار القمر فی اخر الشھر و اول الشھر الثانی فی دقتہ واستقواتہ واصفرارہ کالعرجون القدیم روح البیان: ۷/۳۹۹۔

ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے یعنی یہ ممکن نہیں کہ دن پورا ہونے سے پہلے ہی رات آجائے دن ہو یا رات اپنے مقرر وقت سے پہلے نہیں آسکتا۔

چاند اور سورج سب کے سب اپنے اپنے آسمان میں یا اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے اور گھومتے اور چلتے رہتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ یا مدار سے باہر قدم نکال سکے اور کسی سیارہ سے جا کر ٹکرا جائے سب ستارے آفتاب و ماہتاب وغیرہ اپنے اپنے آسمان میں تیرتے رہتے ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں تیرتی رہتی ہیں۔

غرض یہ کہ چاند اور سورج اور سیارات سب کے سب حسب تسخیر خداوندی اپنے اپنے چرخے اور اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے کوئی سیارہ دوسرے سیارہ سے مزاحم نہیں ہو سکتا ہر سیارہ اپنی جگہ اس طرح حرکت کرتا رہتا ہے کہ گویا کہ مچھلیاں دریا میں تیرتی پھرتی ہے۔

لطائف و معارف

(۱) ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ الخ سے معلوم ہوا کہ چاند اور سورج حرکت کرتے رہتے ہیں اور آسمان اور زمین ساکن ہیں۔

(۲) شمس اور قمر اور ہر سیارہ کی خدا تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جو ان کو معلوم ہے اسی کے مطابق وہ حرکت کرتے ہیں اور بیشمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ شمس اور قمر اور کواکب اور نجوم اور جمادات اور نباتات میں ایک قسم کا شعور اور ادراک ہے یہ سب چیزیں اللہ کی تسبیح اور تحمید کرتی ہیں اور اس کو سجدہ کرتی ہیں۔

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

سجود الشمس

(۳) اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ آفتاب غروب کے بعد عرش کے نیچے جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے طلوع کی اجازت مانگتا ہے سو اس کو مل جاتی ہے مگر قیامت کے قریب جب وہ زیر عرش سجدہ کرے گا اور چلنے کی اجازت چاہے گا تو اس کو اجازت نہ ملے گی اور یہ کہا جائے گا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی پھر لوٹ جا اور وہیں سے طلوع کر چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور کسی کا ایمان قبول نہ ہوگا۔

(۴) انسان کی طرح کائنات عالم کے لئے تسبیح و تحمید اور رکوع و سجود ثابت ہے مگر ہر نوع کا رکوع اور سجود اس کے جسم اور وجود کے لائق اور مناسب ہے۔

مثلاً انسان کے سجدہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے لیکن شمس اور قمر اور شجر و حجر کا سجدہ انکی شان کے لائق ہے جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے انسان کی تسبیح اور تحمید کے معنی یہ ہیں کہ وہ زبان سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہے مگر شجر اور حجر اور پہاڑوں کی تسبیح اور تحمید کے یہ معنی نہیں ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾۔

بہر حال سجود شمس حق ہے اب رہا یہ امر کہ وہ سجدہ روحانی ہے یا جسمانی ہے آنی ہے یا زمانی ہے اس کی حقیقت، اللہ

تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نہ کشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

دلیل سوم

قال تعالیٰ: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ... الی... اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ﴾

یہ اس کی قدرت کی تیسری دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے گراں بار کشتیوں کو دریا میں چلاتا ہے جن پر تم لمبے لمبے سفر کرتے ہو اگر وہ غرق کردے تو کون ہے جو تمہاری فریادرسی کرسکے یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ تمہیں غرق نہیں کرتا یہ گراں بار کشتیاں اس کی قدرت کی بھی دلیل ہیں اور اس کی نعمت اور رحمت کی بھی دلیل ہیں ایک سمندر میں بڑے سے بڑے جہاز کی ایک تنکے کے برابر بھی حقیقت نہیں اللہ کی رحمت سے سہولت کے ساتھ سفر طے ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا کہ وہ بھری ہوئی کشتی گہرے پانی میں تخت کی طرح چلتی ہے جس کا آغاز نوح علیہ السلام سے ہوا اور اس کے علاوہ ہم نے ان کے لئے کشتی کی مانند ایسی چیز پیدا کی جس پر وہ سواری کرسکیں جیسے اونٹ اور گھوڑے اور خچر وغیرہ وغیرہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ سے وہ تمام قسم کے جہاز اور کشتیاں مراد ہیں جو کشتی اول کے بعد اس کی مماثلت اور مشابہت میں بنائی گئیں یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہیں (تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۳۵) بہر حال لوگوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے بر اور بحر میں تمہاری سواری اور بار برداری کا انتظام کردیا اور اگر ہم چاہیں تو اہل کشتی کو دریا میں غرق کردیں پس کوئی نہ ان کے لئے فریادرس ہو جو ان کو غرق سے بچالے اور نہ یہ لوگ مصیبت اور آفت سے چھٹکارا پاسکتے ہیں مگر یہ کہ رحمت کریں ہم اپنی طرف سے اور فائدہ پہنچادیں ان کو ایک وقت مقرر تک دنیوی زندگی تک یعنی جب ہم ان کو ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو ان کو نہیں ڈبوتے یہ سب ہماری رحمت اور عنایت ہے ورنہ وہ تو کفر اور شرک کی وجہ سے غرق ہی کے مستحق تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۴۵ وَمَا تَاْتِيْهِمْ

اور جب کہیے ان کو بچو اس سے جو تمہارے سامنے آتا ہے اور جو پیچھے چھوڑتے ہو شاید تم پر رحم ہو اور کوئی حکم نہیں پہنچتا

اور جب کہیئے ان کو، بچو اپنے سامنے آئے سے، اور اپنے پیچھے چھوڑے سے، شاید تم پر رحم ہو۔ اور کوئی حکم نہیں پہنچتا

مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴۶ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا

ان کو اپنے رب کے حکموں سے جس کو وہ ٹلاتے نہ ہوں ف۱ اور جب کہیے ان کو خرچ کرو کچھ

ان کو اپنے رب کے حکموں سے جس کو ٹلا نہیں رہتے۔ اور جب کہیئے ان کو خرچ کرو کچھ

ف۱ سامنے آتا ہے جزاء کا دن اور پیچھے چھوڑے اپنے اعمال یعنی جب کہا جاتا ہے کہ قیامت کی سزا اور بداعمالیوں کی شامت سے بچنے کی فکر کرو تاکہ خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو تو نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتے۔ ہمیشہ خدائی احکام سے روگردانی کرتے رہتے ہیں۔

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ

اللہ کا دیا کہتے ہیں منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلائیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اس کو کھلا دیتا ف۱

اللہ کا دیا، کہتے ہیں منکر ایمان والوں کو، ہم کھلائیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اس کو کھلاتا،

اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۷

تم لوگ تو بالکل بہک رہے ہو صریح ف۲

تم لوگ تو نرے بہک رہے ہو۔

کفار کی سرکشی اور سنگدلی کا بیان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ ... الی ... اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں دلائل قدرت کو اور اپنی نعمتوں کو ذکر کیا کہ کفر اور شرک سے باز آ جائیں اور منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہوں اب آئندہ آیات میں کفار کے عناد اور ان کی سنگدلی کو بیان کرتے ہیں کہ بڑے ہی سرکش ہیں کتنے ہی دلائل بیان کرو مگر ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا اپنی جہالت اور ضلالت پر سختی سے جمے ہوئے ہیں نہ آگے کی فکر ہے نہ پیچھے کی فکر ہے نہ پچھلے گناہوں کا خیال ہے اور نہ آئندہ گناہوں کی بدانجامی سے خطرہ ہے نوبت بایں جا رسید کہ ضد اور عناد میں ان چیزوں سے بھی اعراض کرتے ہیں کہ جو عقلاً عالم کے نزدیک بلکہ ان کے نزدیک بھی مسلم اور مستحسن اور قابل فخر ہیں مثلاً جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں کچھ خرچ کرو (جو ان کے نزدیک بھی کار خیر ہے) تو بطور تمسخر یہ کہتے ہیں کہ ہم کیوں خرچ کریں خدا خود قادر ہے وہ صاحب احتیاج کی حاجت کو پورا کر سکتا ہے تو جب خدا ہی نے ہمیں دیا تو ہم کیوں دیں مگر یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ کسی کو رزق نہیں دیتے یہ سارا عالم، عالم اسباب ہے سارا عالم اسباب و وسائل کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اسباب و وسائل کو خدا تعالیٰ نے اپنی داد و دہش کا روپوش اور واسطہ اور ذریعہ بنایا ہے اللہ کی تقدیر اور اس کی مشیت کا کسی کو علم

ف۱ یعنی اور احکام الٰہی تو کیا مانتے۔ فقیروں مسکینوں پر خرچ کرنا تو ان کے نزدیک بھی کار ثواب ہے لیکن یہ ہی مسلم بات جب پیغمبر اور مومنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو نہایت بھونڈے طریقہ سے تمسخر کے ساتھ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم انہیں کیوں کھلائیں۔ ہم تو اللہ کی مشیت کے خلاف کرنا نہیں چاہتے اگر اس کی مشیت ہوتی تو ان کو فقیر و محتاج اور ہمیں غنی و تونگر نہ بناتا۔ خیال کرو اس حماقت اور بے حیائی کا کیا ٹھکانہ ہے۔ کیا خدا کسی کو دینا چاہے تو اس کی یہ ہی ایک صورت ہے کہ خود بلا واسطہ رزق اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ اگر وسائط سے دلانا بھی اس کی مشیت سے ہے تو تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ ان کو روٹی دینا نہیں چاہتا۔ یہ تو اس کا امتحان ہے کہ اغنیاء کو فقراء کی اعانت پر مامور فرمایا اور ان کے توسط سے رزق پہنچانے کا سامان کیا جو اس امتحان میں ناکامیاب رہا اسے اپنی بدبختی اور شقاوت پر رونا چاہیے۔

(تنبیہ) بعض سلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بعض زنادقہ کے حق میں ہیں۔ اس صورت میں ان کے اس قول کو تمسخر پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ حقیقت پر رکھیں گے۔

ف۲ اگر یہ جملہ کفار کے قول کا تتمہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے گروہ مومنین! تم صریح گمراہی میں پڑے ہو۔ ایسے لوگوں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہو جن کا خدا پیٹ بھرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو خطاب ہے کہ کس قدر بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ گمراہی ہے نیک کام میں تقدیر کے حوالے کرنا اور اپنے مزے میں لالچ پر دوڑنا"

نہیں اسباب کے پردہ میں اس کی مشیت کا ظہور ہوتا ہے زمین سے غلہ پیدا ہوتا ہے دراصل اگانے والا خدا تعالیٰ ہے مگر زمین اس کی نعمت رزق کا واسطہ ہے اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ فقراء کو دیا کریں اصل دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اغنیاء کے ہاتھ اللہ کی عطا کا واسطہ اور ذریعہ ہیں ان کے واسطہ سے فقراء کو رزق پہنچتا ہے آخران دولت مندوں کو جو رزق مل رہا ہے وہ بھی اسباب ووسائل کے واسطہ سے مل رہا ہے بلاواسطہ خدا تعالیٰ ان کو رزق نہیں دے رہا ہے اور آسمان سے کوئی خوان ان کے گھر میں نہیں اتر رہا ہے بادشاہ بعض دفعہ خزانچی سے دلواتا ہے دونوں صورتوں میں وہ بادشاہ ہی کی عطا ہے خزانچی عطا شاہی کا ایک واسطہ ہے یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو مختلف قسم پر پیدا کیا ہے کسی کو امیر اور کسی فقیر اور امیر کو یہ حکم دیا کہ ہماری عطا کردہ دولت میں سے کچھ حصہ فقیروں اور مسکینوں پر خرچ کرے مختلف قسم کی مخلوق پیدا کرنے سے اللہ کا مقصود بندوں کا امتحان ہے کہ کون بخل کرتا ہے اور کون اس کی دی ہوئی نعمت اور دولت کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے پس تعجب ہے کہ ان لوگوں میں نہ کوئی تقویٰ ہے اور نہ خوف خدا ہے کہ حکم خداوندی پر چلیں اور نہ مخلوق پر رحم ہے بڑے ہی سنگدل ہیں اور اپنے بخل کے لئے خدا کی مشیت کو بہانہ بناتے ہیں تاکہ فقیروں کو دے کر اپنے مزوں اور چٹخاروں اور گلچھڑوں میں فرق نہ آئے۔

خدا نے جو امیروں کو فقیروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو! میں نے تم کو جو مال و دولت دیا ہے اس کا اصل مالک میں ہوں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری اسی دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ میرے غریب بندوں کی مدد میں خرچ کرو جس طرح میں تمہاری ذات کا مالک ہوں اسی طرح تمہارے پاس جو دولت ہے اس کا مالک بھی میں ہی ہوں اور یہ تمام مال و دولت جو تمہارے ہاتھ میں ہے وہ سب میری امانت ہے جب چاہوں واپس لے سکتا ہوں میں نے ہی تو دیا ہے میرے حکم کے مطابق خرچ کرو میری مشیت کو بہانہ نہ بناؤ میں نے اپنی حکمت سے کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا تم کون ہو جو ہماری مشیت میں دخل دو ہم نے جو حکم دیا اس کی تعمیل کرو تم ہمارے بندے ہو اور ہم تمہاری جان و مال کے مالک ہیں ہمارا حکم ہے کہ ہماری دی ہوئی دولت میں سے تم فقیروں کی امداد کرو ہماری مشیت یہ ہے کہ ہم کسی حکمت اور مصلحت سے بعض بندوں کو بعض بندوں کے ہاتھ سے رزق پہنچانا چاہتے ہیں۔

اب آئندہ آیات میں ان کی سنگدلی کو بیان کرتے ہیں کہ کیسے ہی خطروں سے ان کو ڈرایا جائے تو ڈرنا تو کیا ان باتوں کو سنتے تک نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ان سنگدلوں سے کہا جاتا ہے کہ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے ہاتھوں کے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرو یا اس عذاب سے ڈرو جو تم سے پہلے تکذیب کرنے والے گروہوں پر آچکا ہے اور اس عذاب سے جو تمہارے پیچھے یعنی آخرت میں آنے والا ہے یعنی ایمان لے آؤ شاید تم پر رحم ہو تو ڈرنا[1] تو کیسا ان باتوں کو سنتے تک نہیں اعراض کرتے ہیں اور التفات بھی نہیں کرتے اور اس نصیحت کی

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَاِذَا قِيْلَ﴾ کی جزا محذوف ہے کما قال القرطبی والجواب محذوف والتقدیر اذا قیل لھم ذلک اعرضوا ولیلة قوله بعد (وما تاتيهم من اية من ايت ربهم الا كانوا عنها معرضين) فاكتفى بهذا عن ذالك (تفسیر قرطبی ص: ۱۵/ ۳۶)

کوئی تخصیص نہیں وہ تو ایسے سنگدل ہیں کہ کوئی نشانی اللہ کی نشانیوں میں سے ان کے پاس نہیں آئی مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس کی طرف التفات نہیں کرتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم کو جو روزی دی ہے اس میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں اس کے محتاج بندوں پر خرچ کردو تو یہ کافر اہل ایمان سے بطور طعن واستہزاء کہتے ہیں ہم کیوں ایسے شخص کو کھانا دیں کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ خود اس کو کھانا دے دیتا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان کافروں کو کچھ خیر و خیرات کرنے کو کہتے جو ان کے نزدیک بھی امر مستحسن ہے اور وہ خود اس پر فخر کرتے ہیں تو بطور طعن مسلمانوں سے یہ کہتے کہ تم یہ کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتا ہے۔ پس جب خدا نے ان کو روزی نہیں دی تو ہم کیوں دیں اگر خدا کو دینا ہوتا تو وہ خود دے دیتا ہم تو خدا کی مشیت پر چلتے ہیں جسے خدا نے کھانے کو نہیں دیا ہم بھی اس کو نہیں دیتے اے گروہ مومنین! تم صریح گمراہی میں کہ تم ہم کو مشیت الٰہی کے خلاف کرنے کا حکم دیتے ہو۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ کافروں کے قول کا تتمہ نہیں بلکہ اللہ عزوجل کا قول ہے جس سے کافروں کے شبہ اور وسوسہ کا رد ہے اور اللہ کی طرف سے کفار کو خطاب ہے کہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو کسی کو یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ فلانے کے حق میں کیا چاہتا ہے۔ اپنے بخل اور خست کے لئے اور نیک کام نہ کرنے کے لئے خدا کی تقدیر اور مشیت کو بہانہ بنانا یہ صریح گمراہی ہے مثلاً اگر ان کا کوئی بچہ بھوکا ہو تو اسے بھی کھانا نہ دینا چاہئے اور یہی کہہ دینا چاہئے کہ اگر خدا اسے کھانا دینا چاہتا تو خود کھلا دیتا سب کو معلوم ہے کہ اللہ نے ساری مخلوق کو یکساں نہیں بنایا بعضوں کو مالدار اور بعضوں کو فقیر بنایا تاکہ فقیر صبر کریں اور امیر شکر کریں اور امیروں کو حکم دیا کہ ہماری دی ہوئی دولت میں سے محتاجوں کی مدد کریں پس خدا کی مشیت اور تقدیر کو بہانہ بنانا اور خیر و خیرات کے بارے میں خدا نے جو حکم دیا ہے اس کو چھوڑ دینا یہ محض خطا اور صریح ظلم و جفا ہے اور کھلی گمراہی ہے۔

(نظم)

درویش را خدا بتوانگر حوالہ کرد تا کار او بسازد وفارغ کند دلش

ازروئے بخل گر نشود ملتفت بدو فردا بود ندامت واندوہ حاصلش

قیل ان ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ کان یطعم مساکین المسلمین فلقیہ ابو جھل فقال یا ابا بکر اتزعم ان اللہ قادر علی اطعام ھؤلاء قال نعم قال فما بالہ لم یطعمھم قال ابتلی قوما بالفقر وقوما بالغنی وامر الفقراء بالصبر وامر الاغنیاء بالاعطاء فقال واللہ یا ابا بکر ما انت الا فی ضلال اتزعم أن اللہ قادر علی اطعام ھولاء وھو لا یطعمھم ثم تطعمھم انت فنزلت ھذہ الایۃ ونزل قولہ تعالیٰ فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی الایات (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۷)

روایت کیا گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اتفاق سے ابو جہل آپ رضی اللہ عنہ کو مل گیا اور کہنے لگا کہ اے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیا تمہارا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کھانا کھلانے پر قادر ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے کھلانے پر قادر ہے ابو جہل نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو بھوکا رکھا اور کھانے کو نہیں دیا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کسی قوم کو اللہ نے فقر سے آزمایا

اور کسی قوم کو اللہ نے مالداری سے آزمایا اور فقراء کو صبر کو حکم دیا اور دولت مندوں کو شکر اور جود و کرم کا حکم دیا ابوجہل نے کہا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ خدا کی قسم تو خالص گمراہی میں ہے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقیروں کے کھانا کھلانے پر قادر ہے اور باوجود قدرت کے پھر ان کو کھانا نہیں دیتا اور پھر تو ان کو کھانا کھلاتا ہے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا ... الی قوله ... اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴾ الی آخر الآیات۔

اللہ تعالیٰ نے کسی کو تندرستی اور توانائی عطا کی اور کسی کو بیماری اور لاچاری اور اسی طرح کسی کو امیری دی اور کسی کو فقیری اور کسی کو حسن و جمال عطا کیا اور کسی کو سیاہ فام بنایا یہ اختلاف اور تفاوت اور تنوع، معاذ اللہ، کسی بخل اور خست پر مبنی نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت پر ہے خداوند ذوالجلال کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں اور اس کے جود و کرم کی انتہا نہیں اس نے جس کسی کو فقیر اور نادار بنایا وہ حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے بخلاف ان لوگوں کے جو فقراء اور مساکین کے نہ دینے کے لئے خدا کی مشیت کا حوالہ دیتے ہیں یہ سراسر بخل اور خست پر مبنی ہے اور صریح جہالت اور ضلالت اور حماقت ہے اور فقراء اور مساکین کی امداد کے بارے میں ان لوگوں کا یہ کہنا کہ اگر اللہ چاہتا تو خود ان کو کھلا دیتا یہ سب ان کی سنگدلی اور بے رحمی کی دلیل ہے یہ تمام عالم خیر و شر کا اور پاک اور ناپاک کا مجموعہ ہے جس میں عطر اور گلاب بھی ہے اور پاخانہ اور پیشاب بھی ہے سب خدا ہی کی مشیت سے ہے اس نے پاک اور پاکیزہ چیزوں کے استعمال کا حکم اور ناپاک اور گندی چیزوں کے استعمال کو منع فرمایا بندہ کا کام یہ ہے کہ خدا کے حکم پر چلے نہ کہ اس کی قدرت اور مشیت کو اپنے برے فعل کے لئے بہانہ بنائے۔

وقف لازم

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ف۱ یہ تو راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی جو

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو؟ یہی راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی، جو

تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝۴۹ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۵۰ ع ۱۸

ان کو آپکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہونگے پھر نہ کرسکیں گے کہ کچھ کہہ ہی مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر کر جاسکیں گے ف۲

ان کو پکڑے گی، جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ پھر نہ سکیں گے کہ کچھ کہہ مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر جاویں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝۵۱ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ

اور پھونکی جائے صور پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے ف۳ کہیں گے اے خرابی ہماری کس نے

اور پھونکا جائے نرسنگا، پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے۔ کہیں گے اے خرابی ہماری! کس نے

ف۱ یعنی یہ قیامت اور عذاب کی دھمکیاں کب پوری ہوں گی۔ اگر سچے ہو تو جلد پوری کرکے دکھلا دو۔

ف۲ یعنی قیامت ناگہاں آپکڑے گی اور وہ اپنے معاملات میں غرق ہوں گے۔ جس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا سب ہوش و حواس جاتے رہیں گے اور آخر مر کر ڈھیر ہو جائیں گے۔ اتنی فرصت بھی نہ ملے گی کہ فرض کرو مرنے سے پہلے کسی کو کچھ کہنا چاہیں تو کہہ گزریں یا جو گھر سے باہر تھے وہ گھر واپس جاسکیں۔

ف۳ یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور فرشتے ان کو جلد جلد دھکیل کر میدان حشر میں لے جائیں گے۔

بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا

اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے ف۱ یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمان نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے ف۲ بس ایک

اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے۔ یہ وہ ہے جو وعدہ دیا تھا رحمٰن نے، اور سچ کہا تھا بھیجے ہوؤں نے۔ یہی ہوگی ایک

صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا

چنگھاڑ ہوگی پھر اسی دم وہ سارے ہمارے پاس پکڑے چلے آئیں ف۳ پھر آج کے دن ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ذرا اور

چنگھاڑ، پھر تبھی وہ سارے ہمارے پاس پکڑے آئے۔ پھر آج کے دن ظلم نہ ہوگا کسی جی پر کچھ، اور

تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ

وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے ف۴ تحقیق بہشت کے لوگ آج ایک مشغلہ میں ہیں باتیں کرتے وہ

وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے۔ تحقیق بہشت کے لوگ آج ایک دھندے میں ہیں باتیں کرتے۔ وہ

وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا

اور ان کی عورتیں سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیہ لگائے ان کے لئے وہاں ہے میوہ اور ان کے لیے ہے جو

اور ان کی عورتیں سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیے لگائے۔ ان کو وہاں ہے میوہ اور ان کو ہے جو

يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ

کچھ مانگیں ف۵ سلام بولنا ہے رب مہربان سے ف۶ اور تم الگ ہوجاؤ آج اے گناہ گارو ف۷ میں نے

مانگ لیں۔ سلام بولنا ہے رب مہربان سے۔ اور تم الگ ہوجاؤ آج اے گنہگارو! میں نے

ف۱ شاید نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کر دی جائے۔ یا قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذاب قبر کو "اہون" سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دیں گے۔ یا "مرقد" بمعنی "مضجع" کے ہو۔ نیند کی کیفیت سے تجرید کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا یا مستقبل کو حاضر قرار دے کر اب جواب دے رہے ہیں۔ یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھا دیا۔ ذرا آنکھیں کھولو۔ یہ وہی اٹھانا ہے جس کا وعدہ خدائے رحمان کی طرف سے کیا گیا تھا اور پیغمبر جس کی خبر برابر دیتے رہے تھے۔

ف۳ یعنی کوئی متنفس نہ بھاگ سکے گا نہ روپوش ہو سکے گا۔

ف۴ یعنی نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی نہ جرم کی حیثیت سے زیادہ سزا ملے گی۔ ٹھیک ٹھیک انصاف ہوگا اور جو نیک و بد کرتے تھے فی الحقیقت عذاب و ثواب کی صورت میں وہی سامنے آجائے گا۔

ف۵ بہشت میں ہر قسم کے عیش و نشاط کا سامان ہوگا۔ دنیا کی مکروہات سے چھوٹ کر آج یہ ہی ان کا مشغلہ ہوگا۔ وہ اور ان کی عورتیں آپس میں گھل مل کر اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے۔ ہر قسم کے میوے اور پھل وغیرہ ان کے لیے حاضر ہوں گے۔ بس خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں طلب اور تمنا ہوگی وہ ہی دی جائے گی، اور منہ مانگی مرادیں ملیں گی۔ یہ تو جسمانی لذائذ کا حال ہوا، آگے روحانی نعمتوں کی طرف "سلام قولا من رب رحیم" سے اک ذرا سا اشارہ فرماتے ہیں۔

ف۶ یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام بولا جائے گا خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے یا جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے بلا واسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے اس وقت کی عزت و لذت کا کیا کہنا۔ اللھم ارزقنا ھذہ النعمۃ العظمٰی بحرمتہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔=

اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ

نہ کہہ رکھا تھا تم کو اے آدم کی اولاد کہ نہ پوجیو شیطان کو وہ کھلا دشمن ہے تمہارا اور یہ

نہ کہہ رکھا تھا تم کو؟ اے آدم کی اولاد! کہ نہ پوجو شیطان کو۔ وہ کھلا دشمن ہے تمہارا۔ اور یہ

اعْبُدُوْنِيْ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ

کہ پوجو مجھ کو یہ راہ ہے سیدھی ف۱ اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلقت کو پھر کیا

کہ پوجو مجھ کو، یہ راہ ہے سیدھی۔ اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلق کو۔ پھر کیا

تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ

تم کو سمجھ نہ تھی یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا جا پڑو اس میں آج کے دن بدلہ

تم کو بوجھ نہ تھی؟ یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا۔ بیٹھو اس میں آج کے دن بدلہ

تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا

اپنے کفر کا ف۲ آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور بتلائیں گے ان کے پاؤں جو

اپنے کفر کا۔ آج ہم مہر کر دیں گے ان کے منہ پر، اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ، اور بتائیں گے ان کے پاؤں، جو

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى

کچھ وہ کماتے تھے ف۳ اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں ان کی آنکھیں پھر دوڑیں راستہ پانے کو پھر کہاں سے

کچھ وہ کماتے تھے۔ اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں ان کی آنکھیں، پھر دوڑیں راہ لینے کو، پھر کہاں سے

يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا

سوجھے اور اگر ہم چاہیں صورت مسخ کر دیں ان کی جہاں کی تہاں پھر نہ آگے چل سکیں اور نہ وہ

سوجھے۔ اور اگر ہم چاہیں صورت بدل دیں ان کی جہاں کی تھان، پھر نہ سکیں گے چلنا، نہ وہ

=ف۷ یعنی جنتیوں کے عیش و آرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ تمہارا مقام دوسرا ہے جہاں رہنا ہوگا۔

ف۱ یعنی اسی دن کے لیے تم کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار سمجھایا گیا کہ شیطان لعین کی پیروی مت کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے وہ جہنم میں پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اگر ابدی نجات چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پڑی ہوئی ہے اس پر چلے آؤ اور اکیلے ایک خدا کی پرستش کرو۔

ف۲ یعنی افسوس اتنی نصیحت و فہمائش پر بھی تم کو عقل نہ آئی اور اس ملعون نے ایک خلقت کو گمراہ کر چھوڑا کیا تمہیں اتنی سمجھ نہ تھی کہ دوست دشمن میں تمیز کر سکتے۔ اور اپنے نفع و نقصان کو پہچانتے۔ دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہوشیاری اور ذہانت دکھلاتے تھے مگر آخرت کے معاملہ میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی لیاقت نہ رہی۔ اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگتو۔ یہ دوزخ تیار ہے جس کا بصورت کفر اختیار کرنے کے تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کفر کا ٹھکانہ یہی ہے۔ چاہیے کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔

ف۳ یعنی آج اگر یہ لوگ اپنے جرموں کا زبان سے اعتراف نہ بھی کریں تو کیا ہوتا ہے، ہم منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہاتھ پاؤں کان آنکھ حتی کہ بدن کی کھال کو حکم دیا جائے گا کہ ان کے ذریعہ سے جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا بیان کریں۔ چنانچہ ہر ایک عضو، اللہ کی قدرت سے گویا ہوگا اور ان جرموں کی شہادت دے گا۔ =

يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا

الٹے پھر سکیں ف۱ اور جس کو ہم بوڑھا کریں اوندھا کریں اس کی پیدائش میں پھر کیا ان کو سمجھ نہیں ف۲ اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ

الٹے پھریں۔ اور جس کو ہم الٹا کریں، اوندھا کریں خلقت میں۔ پھر کیا بوجھ نہیں رکھتے۔ اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا، اور یہ

يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى

اس کے لائق نہیں یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف ف۳ تاکہ ڈر سنائے اس کو جس میں جان ہو اور ثابت ہو الزام

اس کے لائق نہیں، یہ تو نری سمجھوتی ہے اور قرآن ہے صاف۔ تا ڈر سنائے اس کو جس میں جان ہو، اور ثابت ہو بات

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾

منکروں پر ف۴ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنا دیئے ان کے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے چوپائے پھر وہ ان کے مالک ہیں ف۵

منکروں پر۔ اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنا دیئے ان کو اپنے ہاتھوں بنائے سے چوپائے، پھر وہ ان کا مال ہیں۔

= کما قال تعالیٰ ﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَاۗءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وقال تعالیٰ فی موضع آخر ﴿قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

ف۱ یعنی جیسے انہوں نے ہماری آیتوں سے آنکھیں بند کرلی ہیں اگر ہم چاہیں تو دنیا ہی میں بطور سزا کے ان کی ظاہری بینائی چھین کر نپٹ اندھا کردیں کہ ادھر ادھر جانے کا راستہ بھی نہ سوجھے اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ پر چلنا نہیں چاہتے، ہم کو قدرت ہے کہ اس کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپاہج بنادیں کہ پھر یہ کسی ضرورت کے لیے اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں۔ پر ہم نے ایسا نہ چاہا اور ان جوارح وقویٰ سے ان کو محروم نہ کیا۔ یہ ہماری طرف سے مہلت اور ڈھیل تھی آج وہ ہی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ ان بیہودوں نے ہم کو کن نالائق کاموں میں لگایا تھا۔

ف۲ یعنی آنکھیں چھین لینا اور صورت بگاڑ کر اپاہج بنادینا کچھ مستبعد مت سمجھو۔ دیکھتے نہیں؟ ایک تندرست اور مضبوط آدمی زیادہ بوڑھا ہو کر کس طرح دیکھنے، سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کردیا جاتا ہے۔ گویا بچپن میں جیسا کمزور ناتواں اور دوسروں کے سہارے کا محتاج تھا، بڑھاپے میں پھر اسی حالت کی طرف پلٹادیا جاتا ہے تو کیا جو خدا پیرانہ سالی کی حالت میں ان کی قوتیں سلب کرلیتا ہے، جوانی میں نہیں کرسکتا؟

ف۳ یعنی اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ حقائق واقعہ ہیں۔ کوئی شاعرانہ تخیلات نہیں۔ اس پیغمبر کو ہم نے قرآن دیا ہے۔ جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے کوئی شعر وشاعری کا دیوان نہیں دیا جس میں نری طبع آزمائی اور خیالی تک بندیاں ہوں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک کو فطری طور پر اس فن شاعری سے اتنا بعید رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اس وقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا۔ یوں رجز وغیرہ کے موقع پر کبھی ایک آدھ مرتبہ زبان مبارک سے مقفّٰی عبارت نکل کر بے ساختہ شعر کے سانچہ میں ڈھل گئی ہو وہ الگ بات ہے۔ اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو شعر کیا کہتے کسی دوسرے شاعر کا شعر یا مصرع بھی زندگی بھر میں دو چار مرتبہ سے زائد نہیں پڑھا۔ اور پڑھتے وقت اکثر اس میں ایسا تغیر کردیا کہ شعر شعر نہ رہے۔ محض مطلب شاعر ادا ہو جائے۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع شریف کو شاعری سے مناسبت نہیں دی گئی تھی کیونکہ یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدون ادنیٰ ترین کذب وغلو کے روشناس کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ شاعریت کا حسن وکمال کذب ومبالغہ، خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں۔ شعر میں اگر کوئی جز محمود ہے تو اس کی تاثیر اور دل نشینی ہوسکتی ہے۔ سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ پر پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر بھی اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کرسکتے۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصل روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح وعاقل دنگ ہو کر قرآن کو شعر یا سحر کہنے لگے تھے۔ حالانکہ شعر وسحر کو قرآن سے کیا نسبت؟ کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر دنیا میں کبھی قومیت وروحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو۔ یہ کام شاعروں کا نہیں پیغمبروں کا ہے کہ خدا کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں، حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے شاعر تھے شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے۔ =

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا

اور عاجز کر دیا ان کو ان کے آگے پھر ان میں کوئی ہے ان کی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کے واسطے چارپایوں میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں

اور عاجز کر دیا ان کو ان کے آگے، پھر ان میں کوئی ہے ان کی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں۔ اور ان کو ان میں فائدے ہیں، اور پینے کے گھاٹ۔ پھر کیوں

يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

شکر نہیں کرتے ف۱ اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوا اور حاکم کہ شاید ان کی مدد کریں نہ کر سکیں گے ان کی

شکر نہیں کرتے ؟ اور پکڑے ہیں اللہ کے سوا اور حاکم کہ شاید ان کو مدد پہنچے۔ نہ سکیں گے ان کی

نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ

مدد اور یہ ان کی فوج ہو کر پکڑے آئیں گے ف۲ اب تو غمگین مت ہو ان کی بات سے ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں

مدد کرنی اور یہ ان کی فوج ہو کر پکڑے آئیں گے۔ اب تو غم نہ کھا ان کی بات سے۔ ہم جانتے ہیں جو چھپاتے ہیں

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور جو ظاہر کرتے ہیں ف۳

اور جو کھولتے ہیں۔

منکرین حشر ونشر کی تہدید اور وعید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ... الی ... اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾

= ف۴ یعنی زندہ دل آدمی قرآن سن کر اللہ سے ڈرے اور منکروں پر حجت تمام ہو۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جس میں جان ہو یعنی نیک اثر پکڑتا ہو اس کے فائدہ کو اور منکروں پر الزام اتارنے کو۔"

ف۵ آیات تنزیلیہ کے بعد پھر آیات تکوینیہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ یعنی ایک طرف قرآن کی پند ونصیحت کو سنو، اور دوسری طرف غور سے دیکھو کہ اللہ کے کیسے کیسے انعام واحسان تم پر ہوئے ہیں، اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے، خچر وغیرہ جانوروں کو تم نے نہیں بنایا اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تم کو محض اپنے فضل سے ان کا مالک بنا دیا کہ جہاں چاہو بیچو اور جو چاہو کام لو۔

ف۱ دیکھو کتنے بڑے بڑے عظیم الجثہ قوی ہیکل جانور انسان ضعیف البنیان کے سامنے عاجز ومسخر کر دیے۔ ہزاروں اونٹوں کی قطار کو ایک خورد سال بچہ نکیل پکڑ کر جدھر چاہے لے جائے ذرا کان نہیں ہلاتے۔ کیسے کیسے شہ زور جانوروں پر آدمی سواری کرتا ہے اور بعض کو کاٹ کر اپنی غذا بناتا ہے۔ علاوہ گوشت کھانے کے ان کی کھال، ہڈی اون وغیرہ سے کس قدر فوائد حاصل کیے جاتے ہیں ان کے تھن کیا ہیں گویا دودھ کے چشمے ہیں ان ہی چشموں کے گھاٹ سے کتنے آدمی سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔

ف۲ یعنی جس خدا نے یہ نعمتیں مرحمت فرمائیں اس کا یہ شکر ادا کیا کہ اس کے مقابل دوسرے احکام اور معبود ٹھہرا لیے جنہیں سمجھتے ہیں کہ آڑے وقت میں کام آئیں گے اور مدد کریں گے سو یاد رکھو! وہ تمہاری تو کیا اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں جب تم کو مدد کی ضرورت ہوگی اس وقت گرفتار ضرور کرا دیں گے تب پتہ لگے گا کہ جن کی حمایت میں عمر بھر لڑتے رہے تھے وہ آج کس طرح آنکھیں دکھانے لگے۔

ف۳ یعنی جب خود ہمارے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو آپ ان کی بات سے غمگین ودلگیر نہ ہوں۔ اپنا فرض ادا کر کے ہمارے حوالہ کریں۔ ہم ان کے ظاہری و باطنی احوال سے خوب واقف ہیں ٹھیک ٹھیک بھگتان کر دیں گے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں زیادہ تر دلائل توحید کا ذکر تھا اور اس سے ذرا پہلے ﴿وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ میں مسئلہ حشر و نشر کا ذکر تھا اب پھر مسئلہ حشر و نشر کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور ان کا ایک سوال نقل فرماتے ہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾: یعنی یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اس کے وقت کے اظہار سے مصلحۃً اعراض فرمایا اور اجمالی طور پر صرف اتنا بتا دیا کہ قیامت ناگہاں آئے گی جب لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوں گے ناگہاں صور پھونکا جائے گا اور پھر اس دن کے بعض ہولناک واقعات سے آگاہ کر دیا اور بعد ازاں حشر و نشر کے مکذبین اور مستہزئین پر تہدید فرمائی اور بتلایا کہ تم عذاب آخرت کے منکر ہو یہ بھی ممکن ہے کہ خدائے قہار کی طرف سے دنیا ہی میں تم پر کوئی عذاب آ جائے اور اپنے اس ارشاد ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ﴾ الخ میں دنیاوی عذاب سے تہدید ہے کہ تم آخرت کے عذاب کا انکار کرتے ہو خدا کی قدرت سے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تم پر دنیا ہی میں کوئی عذاب بھیج دے خدا تعالیٰ دنیا ہی میں تمہارے طمس اور مسخ پر قادر ہے اور اس کے بعد ﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ سے بڑھاپے کے تغیر کو ذکر کیا جو طمس اور مسخ کے قریب قریب ہے اور طمس اور مسخ کا ایک نمونہ ہے اس قسم کی باتوں سے قرآن بھرا پڑا ہے یہ سب خدا کی قدرت کے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ ہیں اور حق شناسی کے لئے کافی اور شافی ہیں مگر یہ معاندین قرآن کریم کے اس قسم کے حقائق اور معارف کو اور حکمت اور موعظت کی باتوں کو سن کر یہ کہتے ہیں کہ یہ سب شاعرانہ باتیں جن کو محمد ﷺ شاعرانہ رنگ میں بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ان کی یہ بات بالکل بیہودہ اور غلط ہے ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ ہم نے اپنے نبی کو ہرگز شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ منصب نبوت کے لائق اور مناسب ہے یہ قرآن تو خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو حکمت اور موعظت سے بھرا پڑا ہے پھر اس کے بعد شرک کی برائی بیان کی اور دلائل قدرت سے توحید کا اثبات فرمایا اور اسی پر سورت کو ختم کیا۔

ربط دیگر:...... گزشتہ آیات میں ان کے بخل اور خست کو اور نصیحتوں اور ہدایتوں سے اعراض کو بیان کیا اب آئندہ آیات میں ان کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس اس قسم کے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے اعراض کی اصل وجہ ہے کہ آخرت پر ایمان نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے خاتم الانبیاء ﷺ کے وقت تمام انبیاء علیہم السلام قیامت کی اور آخرت کی جزا و سزا کی متواتر اور برابر خبر دیتے چلے آئے جس میں ذرہ برابر شک نہیں مگر یہ گمراہ اس کو بعید سمجھتے ہیں اور نہایت بیباکی سے یہ کہتے ہیں کہ کہاں ہے وہ قیامت کا وعدہ جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو تو دکھلاؤ۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک سخت آواز کا جو یکایک ان کو آ کر ایسی حالت میں پکڑ لے گی کہ یہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے اور اپنے دنیاوی کاروبار میں مشغول ہوں گے صیحۃ واحدۃ سے نفخہ اولیٰ مراد ہے۔ اسرافیل علیہ السلام جب پہلی بار صور پھونکیں گے تو اس کی سخت آواز کے سب فنا ہو جائیں گے پس اس وقت نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کو واپس ہو سکیں گے اس سخت آواز کے بعد جہاں ہوں گے وہیں مر جائیں گے اور اتنی مہلت بھی نہ ملے گی کہ اپنے معاملہ کو پورا کر سکیں۔ کیا اس عذاب کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اور پھر چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے پھر یکایک اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں گے اور نفخہ اولیٰ اور نفخہ

ثانیہ کے درمیان جو چالیس سال کی مدت ہوگی اس میں کافروں سے عذاب اٹھالیا جاوے گا اور وہ اس عرصہ میں آرام سے سوتے رہیں گے جب نفخہ ثانیہ کے بعد قبرستان سے اٹھائے جائیں گے اور میدان حشر اور حساب و کتاب کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے جگادیا ہم تو آرام سے سو رہے تھے کس نے ہم کو جگایا اور ہم کو اس مصیبت کے میدان میں لا کھڑا کیا تو اس وقت فرشتے یا اہل نجات ان کو جواب دیں گے کہ یہی وہ قیامت ہے جس کا رحمٰن نے تم سے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا مگر تم نے نہ مانا اور پیغمبروں کی تکذیب کی۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نہیں ہوگا یہ نفخۂ ثانیہ مگر ایک سخت آواز پھر سب کے سب یکلخت ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس اس دن جو جزا کا دن ہے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور نہیں جزا دیئے جاؤ گے آج اے اہل محشر مگر جو کام تم کرتے تھے کافروں کو جو سزا ملے گی وہ ان کے عمل کے مطابق ہوگی مگر اہل ایمان کو علاوہ جزا کے اپنے مزید فضل سے وہ ثواب عطا کرے گا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا کافروں کے ساتھ معاملہ عدل کا ہوگا اور اہل ایمان کے ساتھ معاملہ فضل در فضل کا ہوگا اس لئے اب آگے اہل جنت کا انعام اور ان کی عیش و عشرت کو بیان کرتے ہیں کہ تحقیق اہل جنت اس روز عیش و راحت کے شغل میں ہوں گے اور شاداں و فرحاں ہوں گے خدا کی مہمانی ہوگی اور عیش و کامرانی کی کوئی انتہا نہ ہوگی اہل جنت اور ان کی بیبیاں سایوں میں شاہانہ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور ان کے لئے جنت میں قسم قسم کے پھل ہوں گے جن کا دنیا میں تصور بھی نہیں اور اس کے علاوہ جس چیز کی وہ خواہش کریں گے وہ ان کے لئے حاضر کر دی جائے گی اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کے لئے رب رحیم کی طرف سے بلا واسطہ سلام ہوگا۔

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اپنی عیش و عشرت میں ہوں گے کہ یکا یک ان پر ایک نور ظاہر ہوگا تو وہ لوگ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اللہ عزوجل کی تجلی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے یہ فرمائے گا السلام علیکم یا اھل الجنۃ (سلام ہو تم پر اے اہل جنت) پس تمام اہل جنت اس نور کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں گے اور کسی چیز کی طرف التفات نہیں کریں گے یہاں تک کہ وہ نور ان سے مستور ہو جائے گا مگر اس نور کی برکتیں باقی رہ جائیں گی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۵/۴۵)[1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی نعمت و کرامت کو بیان کیا اب آئندہ آیات میں اہل جہنم کی ذلت و خواری کو بیان کرتے ہیں چنانچہ[2] میدان حشر میں جب اہل جنت کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا تو اس وقت کافروں کو یہ حکم ہوگا

[1] قال القرطبی وروی من حدیث جریر بن عبداللہ البجلی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینا اھل الجنۃ فی نعیمھم اذ سطع لھم نور فرفعوا رؤسھم فاذا الرب قد اطلع علیھم فقال السلام علیکم یا اھل الجنۃ فذلک قولہ تعالیٰ سلام قولا من رب رحیم فینظر الیھم وینظرون الیہ فلا یلتفتون الی شیء من النعیم مادا موا ینظرون الیہ حتی یحتجب عنھم فیبقی نورہ وبرکاتہ علیھم فی دیارھم ذکرہ الثعلبی والقشیری ومضاہ ثابت فی صحیح مسلم وقد بیناہ فی یونس عند قولہ للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۴۵)

[2] یقال لھم ھذا عند الوقوف للسوال حین یؤمر باھل الجنۃ الی الجنۃ ای اخرجوا من جملتھم... یمتاز المجرمون بعضھم من بعض فیمتاز الیھود فرقۃ والنصاری فرقۃ والمجوس فرقۃ والصائبون فرقۃ وعبدۃ الاوثان فرقۃ وعنہ ایضا وان لکل فرقۃ فی النار بیتا تدخل فیہ ویرد بابہ فتکون فیہ ابدا لا تری ولا تری (تفسیر قرطبی: ۱۵/۴۶)

کہ اے مجرمو! آج تم نیکوں سے علیحدہ ہو جاؤ دنیا میں اگرچہ ملے جلے تھے مگر اب تمہارا ٹھکانہ علیحدہ ہے اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے جدا کر دیا جائے گا پس اے مجرمو! آج تم اہل جنت سے الگ ہو جاؤ اب تمہارے لئے خاص طور پر سزا کا حکم ہونے والا ہے پھر فرشتوں کی زبانی ان کو ملامت اور سرزنش ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرنا تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری بندگی کرنا یہی سیدھا راستہ ہے مگر تم اس دشمن کے کہنے پر چلے اور میرے عہد و پیمان کو پس پشت ڈال دیا اور تحقیق اس شیطان نے تم میں سے بہت سی گزشتہ مخلوق کو گمراہ کر ڈالا جن کے گمراہی اور انجام بد سے تم کو قرآن میں بار بار آگاہ کر دیا گیا پس کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے تھے کہ اپنے دشمن کے فریب میں نہ آؤ کہ گزشتہ مخلوق کی طرح گمراہ ہو جاؤ اور مستحق عذاب ہو جاؤ اچھا اب اپنی گمراہی کا مزہ چکھو لو یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا رہا آج اپنے کفر اور معصیت کی بنا پر اس میں گرو اور اب اس میں داخل ہو جاؤ یہ تمہارے کفر کا بدلہ اور نتیجہ ہے اس سرزنش اور ملامت کے بعد مجرمین اپنے کفر اور شرک کا انکار کریں گے اور قسمیں کھا کر یہ کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ خدا کی قسم ہم بتوں کو نہیں پوجتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے جیسے دنیا میں ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی تھی آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے تاکہ وہ جھوٹ نہ بول سکیں اور ان کے ہاتھ خود ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں خود ہماری سامنے گواہی دیں گے ان تمام کاموں کی جو وہ کیا کرتے تھے زبان اور پاؤں خود بخود بولیں گے اور اپنی گفتار اور کردار کی خود بخود گواہی دیں گے کہ ہم نے یہ کہا تھا اور یہ کیا تھا جس میں ان مشرکین اور مجرمین کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہ ہوگا اور کفار اپنے اختیار سے بات کرنے پر قادر نہ ہوں گے خود ان کے اعضاء اور جوارح بولیں گے جب کفار، کراماً کاتبین کی گواہی کو نہ مانیں گے تو اللہ تعالیٰ خود کافروں کے اعضاء اور جوارح سے ان کے اعمال کی گواہی دلوائے گا اور ان کے اعضاء اور جوارح کو گویائی عطا کرے گا اور فقط ہاتھ اور پاؤں گواہی نہ دیں گے بلکہ باقی اعضاء بھی گواہی دیں گے کما قال تعالیٰ ﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جو اعضاء اور جوارح دنیا میں ان کے مددگار تھے آج وہ خود ان کے خلاف گواہی دیں گے دنیا میں زبان ان کے حکم سے بولتی تھی اب آخرت میں اللہ کے حکم سے بولے گی گویائی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے عطا کر دے جیسا کہ قرآن کریم میں منصوص ہے ﴿قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ غرض یہ کہ قیامت کے دن کافر کی گویائی ختم کر دی جائے گی اور اس کے اعضاء اور جوارح کو گویائی عطا کر دی جائے گی تاکہ اس پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا اور اگر ہم چاہتے تو دنیا ہی میں ان کی آنکھیں پٹ کر دیتے یعنی اگر ہم چاہتے تو دنیا ہی میں ان کی ظاہری آنکھیں بھی پٹ کر دیتے اور مطلق اندھا بنا دیتے تو پھر راستہ کی طرف دوڑتے کہ راستہ دیکھ پائیں لیکن پھر کہاں راستہ پائیں جب آنکھ ہی نہ رہی تو راستہ کہاں سے نظر آئے یعنی جس طرح دنیا میں ہم نے ان کو دل کا اندھا بنا دیا کہ راہ حق ان کو نظر نہیں آتی اسی طرح اگر چاہتے تو ہم دنیا میں ان کو ظاہری آنکھوں کا بھی اندھا بنا دیتے۔

اور اسی طرح اگر ہم چاہتے تو ہم انہی کی جگہ پر ان کی صورتیں مسخ کر دیتے پھر وہ نہ آگے چلنے پر قادر ہوتے اور نہ پیچھے لوٹنے پر قادر ہوتے یعنی اگر ہم چاہتے تو ان کے کفر اور عناد کی وجہ سے ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے یعنی ان کے چہرہ کو ایک

مسطح تختہ بنا دیتے کہ آنکھ اور پلک کا اس میں نام ونشان نہ رہے یا ان کی صورتیں بدل ڈالتے اور انسانی صورت کے علاوہ کسی حیوانی یا جمادی صورت میں تبدیل کرتے ہم اس پر قادر تھے لیکن ہم نے اپنی رحمت سے ایسا نہیں کیا یہ ہماری عنایت ہے کہ ہم نے ان کو بینائی عطا کی کہ یہ دیکھتے اور چلتے اور پھرتے رہیں اور ہماری قدرت سے ان باتوں کو مستبعد نہ سمجھو آخر دیکھ لو کہ جس کی عمر ہم دراز کرتے ہیں یعنی جسے ہم بہت بوڑھا کر دیتے ہیں تو خلقت اور بناوٹ میں اس کو اوندھا اور الٹا کر دیتے ہیں کہ وہ دن بدن کمزور ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی قوت نامیہ اور باصرہ گھٹتی چلی جاتی ہے جتنی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنا ضعف بڑھتا جاتا ہے پس کیا اپنے اس تغیر اور تبدل کو دیکھ کر لوگ سمجھتے نہیں کہ خدا تعالیٰ تمہاری طمس اور مسخ پر بھی قادر ہے کیا ان کفار کو اتنی عقل نہیں کہ اپنی اس ترقی معکوس کو دیکھ کر یہ سمجھ لیں کہ ہمارے وجود کی باگ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جب چاہے ہماری صورت اور ہیئت کو تبدیل کر سکتا ہے اتنا نہیں سمجھتے کہ جو صورت بنانے پر قادر ہے وہ صورت کے بدلنے پر قادر ہے۔

نزد قدرت کارہا دشوار نیست   کار او را حاجتے درکار نیست

غرض یہ کہ قرآن کریم اس قسم کی حکمت اور عقل و دانائی اور نصیحت اور موعظت کی باتوں سے بھرا پڑا ہے جن کا عین حقیقت اور عین حکمت ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے مگر یہ کفار نابکار جب ان حکمت اور موعظت کی باقی باتوں کو سنتے ہیں اور جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سب شاعرانہ خیالات اور تک بندیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کا رد فرماتے ہیں اور نہیں سکھائی ہم نے اپنے نبی ﷺ کو شاعری اور نہ وہ آپ ﷺ کی طبیعت اور فطرت کے لائق اور مناسب ہے آپ ﷺ کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ سرتاپا حقیقت اور واقعیت اور صداقت اور حکمت اور موعظت ہوتا ہے اور شاعری کا دارومدار تکلف اور تصنع اور تخیل اور مبالغہ اور تعلّی اور تفاخر پر ہوتا ہے اور نبی ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

اور علیٰ ہذا، اس قرآن کو شاعری سے کوئی واسطہ نہیں، نہیں ہے یہ قرآن جس کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا اور جو ہم نے آپ ﷺ کو سکھایا مگر خالص پند و نصیحت ہے اور وہ ایسی کتاب ہے جو دن رات عبادت خانوں اور خلوت خانوں میں پڑھی جاتی ہے اور حقائق اور معارف اور احکام اور حدود کو ظاہر کرتی ہے تاکہ یہ کتاب ہدایت و حکمت اور صحیفہ موعظت اس شخص کو ڈراوے جو زندہ دل ہے اور حق و باطل کے فرق کو سمجھتا ہے اور کافروں اور منکروں پر جن کے دل آثار حیات سے خالی ہیں اور حقیقت کے اعتبار سے مردہ ہیں ان پر اس روشن کتاب سے اللہ کی حجت پوری ہو کہ قیامت کے دن وہ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں کسی نے نہیں سمجھایا اور نہیں بتلایا ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کی نصیحت اور ہدایت کے لئے ایسی واضح روشن کتاب نازل کر دی جو دین اور دنیا کی نصیحتوں اور ہدایتوں پر مشتمل ہے اور ان پر اپنی حجت پوری کر دی مگر یہ نادان اس روشن کتاب کو کبھی شعر اور کبھی سحر اور کبھی کہانت بتلاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو امی بنایا ہے خط و کتابت سے آپ ﷺ کو کوئی واسطہ نہیں تاکہ لوگوں پر اللہ کی حجت پوری ہو اور لوگ سمجھ جائیں کہ اس امی (ان پڑھ) کی زبان فیض ترجمان سے جو حقائق و معارف کا دریا بہہ رہا ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے بندہ کا ساختہ و پرداختہ نہیں اور یہ قرآن جو اس نبی امی ﷺ پر نازل ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ وہ سراسر امور حکمت و موعظت اور احکام ہدایت پر مشتمل ہے اور

دنیا اور آخرت کی سعادت کی کنجی ہے اس کو شعر اور سحر اور کہانت سے کیا واسطہ ہے مدت العمر آپ ﷺ نے کبھی کوئی شعر نہیں بنایا آپ ﷺ خود تو کیا شعر کہتے کسی کا شعر اگر آپ ﷺ اپنی زبان سے پڑھتے تو وہ آپ ﷺ کی زبان سے اس طرح نکلتا کہ اس کا وزن صحیح سالم نہ رہتا۔

فائدہ:...... اور بعض آیات قرآنیہ اور بعض کلمات نبویہ اگرچہ اوزان شعریہ پر موزون ہیں لیکن ان کو شعر نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ ان کی موزونیت اتفاقی ہے من حیث الشعریت اور بالقصد نہیں اللہ تعالیٰ کا یا اس کے رسول کا مقصود افادہ علم و حکمت ہے اس کو شعر کے ارادہ اور قصد سے بطرز شعر نہیں لایا گیا اس کی موزونیت محض اتفاقی ہے متکلم کا ہرگز یہ مقصود نہیں کہ اس کلام کی موزونیت من حیث الشعریت ہو خاص کر جب کہ قرآن خود اس کے شعر ہونے کی نفی کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے شاعر ہونے کی نفی کرتا ہے جب تک کوئی شخص قول موزون کہنے کا ارادہ نہ کرے وہ شاعر نہیں ہوتا اور جو کلام موزوں بلا قصد زبان پر جاری ہو جائے وہ شعر شمار نہیں ہوتا شعر اور شاعری کے لئے موزونیت کا قصد اور ارادہ شرط ہے اتفاقیہ زبان سے کسی موزون کلام کا نکل جانا اس سے کسی کے نزدیک کوئی شاعر نہیں ہو جاتا اور نہ وہ اتفاقی کلام موزون شعر کہلاتا ہے۔

رجوع بسوئے مضمون وحدانیت و تذکیر نعمت

اوپر سے سلسلہ کلام دلائل قدرت اور تذکیر نعمت کا چلا آ رہا ہے اخیر میں مشرکین کے اس قول کی تردید کی کہ جو قرآن کریم کے ان دلائل اور براہین کو شاعرانہ تخیلات بتلاتے تھے اب پھر انہی دلائل قدرت اور انواع و اقسام کی نعمتوں کے ذکر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ان معاندین کے اعراض و تکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کیا انہوں نے دیکھا اور جانا نہیں کہ ہم نے ان کے نفع کے لئے ایسی چیزیں پیدا کیں کہ جن کو خاص ہمارے ہاتھوں نے بنایا کوئی دوسرا آدمی اس میں شریک نہیں اور نہ معین و مددگار ہے یعنی ہم نے ان کے لئے خاص اپنے دست قدرت سے مویشی اور چوپائے پیدا کئے پھر ہمارے مالک بنانے سے یہ لوگ ان چوپایوں کے مالک ہو گئے یعنی ان سے نفع اٹھاتے ہیں اور پھر ان مویشیوں کو ہم نے ان کے لئے تابع بنا دیا کہ جس طرح چاہیں ان سے کام لیں اور فائدہ اٹھائیں پس بعض ان میں سے ان کی سواریاں ہیں جن سے سواری کا کام لیتے ہیں اور بعض مویشی ایسے ہیں جن کو کھاتے ہیں یعنی جن کا گوشت کھاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان لوگوں کے لئے ان میں فوائد ہیں جیسے صوف اور اون اور چربی اور پینے کی چیزیں ہیں یعنی دودھ پھر بھی یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے جس نے ان کو یہ نعمتیں عطا کیں بلکہ بجائے شکر کے کفر اور شرک میں مبتلا ہیں اور سوائے خدا کے اور معبود بنا رکھے ہیں شاید ان معبودوں کی طرف سے ان کی کوئی مدد کی جائے اس امید پر ان کو معبود بنایا ہے شاید کسی مصیبت کے وقت یہ ان کے کام آ دیں اور ان کی مدد کریں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ معبود ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے محض پتھر ہیں جس کا جی چاہے ان کو توڑ دے اور ان پر جو چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے تو ان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ مکھی سے چھین لیں اور بلکہ یہ بت پرست خود ہی اپنے بتوں کے لئے مفت کی ایک فوج بنے ہوئے

ہیں دنیا میں اپنے باطل معبودوں کا ایک لشکر ہیں جو ان کے سامنے حاضر رہتے ہیں مگر مدد کچھ نہیں کر سکتے یا یہ معنی ہیں کہ آخرت میں ہر معبود باطل آگے آگے جہنم میں ہوگا اور یہ اس کے پرستار بمنزلہ لشکر کے اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے۔

مشرکین کی ان کفریات اور خرافات سے آنحضرت ﷺ کو صدمہ ہوتا تھا تو آئندہ آیت میں آپ ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں پس غم میں نہ ڈالیں آپ کو ان کی خرافات باتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ "وہ صاحب اولاد ہے" اور "اس کے شریک ہیں" یا آپ ﷺ کو شاعر اور ساحر اور مجنون کہتے ہیں آپ ﷺ ان کی باتوں سے آزردہ اور غمگین نہ ہوں ہم ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتے ہیں یہ بچ کر ہم سے کہاں جائیں گے۔

بیشک ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ بغض اور عداوت یہ دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ کلمات کفر و شرک زبان سے یہ ظاہر کرتے ہیں ہم سب کا بدلہ لیں گے آپ ﷺ غمگین نہ ہوں ان پر اللہ کا محاسبہ ہے وہ وقت پر ان سے حساب لے گا اور ان کو سزا دے گا آپ ﷺ غمگین نہ ہوں ان پر اللہ کا محاسبہ ہے وہ وقت پر ان سے حساب لے گا اور ان کو سزا دے گا آپ ﷺ ان کی خرافات پر صبر کیجئے۔

باشکار و نہاں ہر چہ کردی و گفتی　　　جزا دہد بتو دانائے آشکار و نہاں

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا

کیا دیکھتا نہیں انسان کہ ہم نے اس کو بنایا ایک قطرہ سے پھر تبھی وہ ہوگیا جھگڑنے بولنے والا ف۱ اور بٹھلاتا ہے ہم پر ایک مثل

کیا دیکھتا نہیں آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا ایک بوند سے، پھر تبھی وہ ہوگیا جھگڑتا بولتا۔ اور بٹھاتا ہے ہم پر کہاوت

وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ

اور بھول گیا اپنی پیدائش، کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہوگئیں ف۲ تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی

اور بھول گیا اپنی پیدائش۔ کہنے لگا کون جلاوے گا ہڈیاں جب کھوکھری ہوگئیں۔ تو کہہ ان کو جلاوے گا جس نے بنایا ان کو پہلی

مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا

بار اور وہ سب بنانا جانتا ہے ف۳ جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر اب

بار۔ اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔ جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ۔ پھر اب

ف۱ یعنی انسان اپنی اصل کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک ناچیز قطرہ تھا، خدا نے کیا سے کیا بنا دیا۔ اس پانی کی بوند کو وہ زور اور قوت گویائی عطا کی کہ بات بات پر جھگڑنے اور باتیں بنانے لگا۔ حتیٰ کہ آج اپنی حد سے بڑھ کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔

ف۲ یعنی دیکھتے ہو! خدا پر کیسے فقرے چسپاں کرتا ہے۔ گویا اس قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح فرض کر لیا ہے جو کہتا ہے کہ آخر جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ پرانی اور کھوکھلی، تو انہیں دوبارہ کون زندہ کرے گا۔ ایسا سوال کرتے وقت اسے اپنی پیدائش یاد نہیں رہی ورنہ اس قطرہ ناچیز کو ایسے الفاظ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اپنی اصل پر نظر کر کے کچھ شرماتا اور کچھ عقل سے کام لے کر اپنے سوال کا جواب بھی حاصل کر لیتا جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔

ف۳ یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہیے۔ (وھو اھون علیہ) اور اس قادر مطلق کے لیے تو سب ہی چیز آسان ہے پہلی مرتبہ ہو یا دوسری مرتبہ۔ وہ ہر طرح بنانا جانتا ہے اور بدن کے اجزاء اور ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہوں ان کا ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔

اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ

تم اس سے سلگاتے ہو ف۱ کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین نہیں بنا سکتا

تم اسی سے سلگاتے ہو۔ کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین، نہیں سکتا کہ بنادے

مِثۡلَهُمۡ ؔ بَلٰى ۗ وَهُوَ الۡخَـلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ

ان جیسے کیوں نہیں اور وہ ہی ہے اصل بنانیوالا سب کچھ جاننے والا ف۲ اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو ہو وہ

ایسے آدمی؟ کیوں نہیں! اور وہ ہے اصل بنانے والا سب جانتا۔ اس کا حکم یہی ہے، جب چاہے کسی چیز کو، کہ کہے اس کو ہو، وہ

فَيَكُوۡنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

اسی وقت ہو جائے ف۳ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف پھر کر چلے جاؤ گے ف۴

ہو جاوے۔ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی، اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

منکرین حشر کا ایک شبہ یا وسوسہ اور اس کا جواب (۱)

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ... الی ... فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں دلائل اور براہین سے وحدانیت کو ثابت کر دیا اور اس ضمن میں انکار حشر کا بھی ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ثبوت حشر ونشر پر دلائل قائم کرتے ہیں اور منکرین حشر کے ایک شبہ اور استبعاد کا جواب دیتے ہیں یہ لوگ حشر ونشر کو ناممکن اور محال اور بعید از عقل جانتے تھے اور عجیب عجیب باتیں کرتے تھے چنانچہ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک روز ابی بن خلف یا عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لے کر حضور پر نور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا جبکہ سرداران قریش بھی موجود تھے اس ہڈی کو ہاتھ میں لے کر ریزہ ریزہ کرتا جاتا تھا اور ہوا میں اڑاتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ اے محمد (ﷺ)! کیا تمہارا

ف۱ یعنی اول پانی سے سرسبز وشاداب درخت تیار کیا پھر اسی تر وتازہ درخت کو سکھا کر ایندھن بنا دیا جس سے اب تم آگ نکال رہے ہو۔ پس جو خدا ایسی متضاد صفات کو ادل بدل سکتا ہے کیا وہ ایک چیز کی موت وحیات کے الٹ پھیر پر قادر نہیں؟

(تنبیہ) بعض سلف نے "شجر اخضر" (سبز درخت) سے خاص وہ درخت مراد لیے ہیں جن کی شاخوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ نکلتی ہو۔ جیسے بانس کا درخت ہے یا عرب میں مرخ اور عفار تھے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی جس نے آسمان وزمین جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں اسے ان کافروں جیسی چھوٹی چیزوں کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

ف۳ یعنی کسی چھوٹی بڑی چیز کے پہلی مرتبہ یا دوبارہ بنانے میں اسے دقت ہی کیا ہو سکتی ہے اس کے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے۔ جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا ہو جا! فوراً ہو گئی رکھی ہے۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔

(تنبیہ) میرے خیال میں اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے خلق بدن کا ذکر تھا یہاں نفخ روح کا مطلب سمجھا دیا۔ واللہ اعلم۔ راجع فوائد سورۃ الاسراء تحت بحث الروح۔

ف۴ یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ پاک ہے عجز وسفہ اور ہر قسم کے عیب ونقص سے تم سورۃ یٰس وللہ الحمد والمنتہ۔

یہ گمان ہے کہ خدا ان متفرق ریزوں کو دوبارہ زندہ کرے گا آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بیشک تجھ کو مارے گا اور دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر تجھ کو جہنم میں دھکیلے گا یہ آیتیں یعنی ﴿اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ سے اخیر سورت تک اسی کے بارے میں نازل ہوئیں جن میں اس کے اس استبعاد کا مکمل اور مفصل اور مدلل جواب دیا گیا اور ایسا کافی اور شافی جواب دیا گیا جس میں کسی جدید اور قدیم فلسفی کو بھی دم مارنے کی مجال نہیں جو شخص اس دلیل کو کسی نمرودصفت کے سامنے پیش کرے گا تو وہ ﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ کی حالت کا مشاہدہ کرے گا۔

حق جل شانہ نے منکرین حشر کے اس استبعاد کے جواب میں جو ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو خدا تم کو پہلی بار ایک نطفہ اور پانی کے ایک ناپاک قطرہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری بار تمہارے پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت جسم انسانی کے مختلف اور متفرق اجزاء کا مجموعہ ہے اور انسان کے اعضاء متفرقہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اس ایک قطرہ آب (نطفہ) میں سر اور آنکھ اور کان اور ہاتھ اور کمر اور ٹانگوں اور پیروں کے تمام اجزا لطیفہ جمع ہیں اور یہ تمام اجزاء لطیفہ اجزاء ارضیہ سے مستحیل شدہ ہیں اس لئے کہ منی کے تمام اجزاء دراصل غذا سے پیدا شدہ ہیں پس جو خدائے علیم وقدیر پہلی بار جسم کے ان اجزاء متفرقہ سے انسان کو پیدا کرسکتا ہے وہ مرنے کے بعد گلی اور سڑی ہڈیوں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے آدمی کو دوبارہ بھی زندہ کرسکتا ہے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا خدا کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہے دوسرا جواب اللہ تعالیٰ نے اس استبعاد کا یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سرسبز درخت سے آگ نکالی پس جو خدا سبز درخت سے آگ نکال سکتا ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کرسکتا ہے اور جو بار اول انسان کو نطفہ جیسی ناچیز شے سے پیدا کرسکتا ہے وہ دوسری بار انسان کو گلی سڑی ہڈیوں سے بھی پیدا کرسکتا ہے اور پھر ﴿اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ سے استبعاد کا تیسرا جواب دیا خاص حجت کے بعد ایک عام حجت ذکر فرمائی کہ وہ خدا جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے آسمان وزمین جیسی باعظمت مخلوق کو پیدا کیا وہ کیوں ایک انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوگا اس کی قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو اس کا صرف یہ کہنا کافی ہے کہ "ہوجا" وہ چیز فوراً ہوجاتی ہے ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا بھی اس کی قدرت میں ہے اس جواب کے بعد اپنی قدرت کے آثار عجیبہ کو ذکر کیا اور اسی مضمون پر سورت کو ختم کیا۔

فائدہ جلیلہ دربارہ معاد جسمانی

ناظرین کرام ان آیات کی تفسیر کو بغور وفکر پڑھیں جن سے معلوم ہوجائے گا کہ قرآن اور حدیث میں جس معاد اور حشر کی خبر دی گئی ہے وہ حشر جسمانی ہے اس جسم انسانی کی بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ کی جائیں گی اور روح کا دوبارہ تعلق انہی اجزاء ترابیہ کے ساتھ ہوگا جن سے دنیاوی جسم مرکب ہے اور اسی بدن عنصری کے ساتھ علیٰ وجہ الکمال والتمام انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حشر کے بعد جو جسم عطا ہوگا وہ ہو بہو پہلے جسم کے پورا پورا مشابہ ہوگا جو اس کو دنیا میں حاصل تھا اور اسی حشر جسمانی پر تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کا اور تمام اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے صرف فلاسفہ معا

وجسمانی کے منکر ہیں اور معاد روحانی کے قائل ہیں اور فلاسفہ جو معاد جسمانی کے منکر ہیں ان کا انکار اس بات پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک اعادہ معدوم محال ہے جس پر فلاسفہ آج تک کوئی دلیل قائم نہیں کر سکے تفصیل کے لئے روح المعانی دیکھیں علامہ آلوسی ؒ نے اس مقام پر معاد جسمانی اور روحانی کے متعلق مفصل کلام کیا ہے۔

کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ ہم نے اس کو ایک بوند سے پیدا کیا کہ جو بظاہر ایک بے روح چیز ہے اور اس میں ہوش وحواس اور اعضاء اور جوارح کچھ بھی نظر نہیں آتے پس جب وہ قدرت الٰہی سے پیدا اور زندہ ہو گیا حالانکہ وہ اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا تو بڑا جھگڑالو ظاہر ہوا کہ کمال بے ادبی اور غایت حماقت اور بوسیدہ عقل سے ہماری قدرت میں جھگڑنے لگا اور ہمارے لئے ایک مثال بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر یہ کہنے لگا کہ ان بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جیسے ابی ابن خلف یا عاص بن وائل یا دونوں جو بعث اور حشر کے منکر تھے وہ یہی کہتے تھے۔

اے ہمارے نبی ﷺ آپ ﷺ اس سے کہہ دیجئے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو اول مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر مخلوق کو اور ہر قسم کی پیدائش کو تفصیل کے ساتھ خوب جانتا ہے کوئی مخلوق اپنی پیدائش سے اتنی آگاہ نہیں جتنا کہ خالق اپنی مخلوق اور اس کی پیدائش سے آگاہ ہے اس کو ذرہ ذرہ کی کنہ وحقیقت کا کمال علم حاصل ہے اور ذرہ ذرہ اس کے قبضہ قدرت میں مسخر ہے جو ذرہ ہوا میں اڑتا پھرتا ہے وہ بھی اسی کے قبضہ قدرت میں مسخر ہے وہ جب چاہے ان ہوا کے ذرات کو جمع کر کے زندہ کر سکتا ہے اور یہ تمام ذرات جو ہوا میں اور خلا میں پراگندہ ہیں وہ سب اس کو تفصیل کے ساتھ معلوم ہیں وہ ہر شخص کے اجزاء کو متفرق اور پراگندہ ہونے کی حالت میں خوب جانتا ہے اور پہچانتا ہے وہ ان اجزاء کے جمع کرنے اور اکٹھا کرنے اور ملانے پر خوب قادر ہے جس طرح وہ ان اجزاء کے متفرق کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ ان کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے آخر کیا یہ نطفہ انسان کے متفرق اجزاء کا مجموعہ نہیں جن سے یہ انسان پیدا ہوا ہے۔

بوسیدہ ہڈیوں کا دوبارہ زندہ کر دینا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ انسان کے جسم میں سے اجزاء بسیطہ کو ایک نطفہ کی شکل میں نکال کر انسان کو پیدا کرنا عجیب وغریب ہے یہ نادان انسان اپنی اصل خلقت کو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کے تمام بدن سے ذرات بسیط اور اجزاء لاتجزی کو نطفہ کی شکل میں جمع کیا اس نطفہ میں تمام جسم کے اجزاء لاتجزی جمع ہیں اس نطفہ میں آنکھ اور کان اور منہ اور ہاتھ اور پیر اور کمر اور پیٹ اور ٹانگیں سب جمع ہیں اور سب اللہ کے علم میں ہیں جس طرح ایک تخم میں درخت کی تمام شاخیں اور پتے اور پھول اور پھل ذرات بسیطہ اور لاتجزی کی شکل میں اجمالاً موجود ہوتے ہیں۔

اسی طرح سمجھو کہ تمام اعضا انسانی کے ذرات بسیط اور اجزاء لاتجزی اجمالاً نطفہ میں جمع ہوتے ہیں یہ ناپاک اور گندہ قطرہ جب رحم میں داخل ہو جاتا ہے تو چند ماہ میں اس سے ابی بن خلف اور عاص بن وائل جیسا جھگڑالو انسان پیدا ہوتا ہے اور ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر اڑاتا ہے اور خداوند قدیر کے عجز کے لئے ایک مثال بیان کرتا ہے اور اس وقت اس کی عقل ایسی بوسیدہ اور پراگندہ ہو جاتی ہے کہ اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے کہ خدا نے مجھ کو کس طرح پیدا کیا ہے۔

جس ذات نے اس کو پہلی بار نطفہ سے (یعنی جسم کے اجزاء متفرقہ) بنایا اور پہلی بار اس کو پیدا کیا ہے وہی ذات

پاک دوسری بار بھی اس کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے زندہ کرنے پر قادر ہے انسان جس طرح اپنی اشیاء مملوکہ اور مصنوعہ کے اجزاء متفرقہ کے جمع اور تفریق پر قادر ہے تو اس بوسیدہ عقل والے کو خدا تعالیٰ کی جمع وتفریق میں کیوں شبہ لاحق ہوا ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ﴾ خدا تعالیٰ پر کوئی شے پوشیدہ نہیں وہ اپنی مخلوقات کی حقیقت اور کیفیت سے پورا پورا خبردار ہے بخلاف بندہ کے کہ اس کو اپنی مصنوعات کی بھی پوری خبر نہیں ہوتی بندہ کا علم اور اس کی قدرت گھٹتی اور بڑھتی ہے اور خدا تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت ازلی اور ابدی ہے وہ اپنی ہر مخلوق کو مجملاً اور مفصلاً خوب جانتا ہے اس کی قدرت کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا سب برابر ہے۔

دوسرا جواب

اور خدائے قادر وہ خدا ہے کہ جس نے تمہارے لئے سرسبز اور ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی پس تم اس درخت سے آگ جلاتے ہو اس درخت سے مرخ اور عفار کا درخت مراد ہے جو سرزمین حجاز میں پیدا ہوتا ہے وہاں جب کسی کو آگ نہیں ملتی تو وہ ان درختوں کے پاس آ کر ان کی دو شاخیں لے کر آپس میں رگڑتا ہے تو اس سے آگ پیدا ہوتی جیسے چقماق کے پتھر سے آگ نکالی جاتی ہے اسی طرح اس سرسبز درخت سے آگ نکالی جاتی ہے حالانکہ آگ اور پانی ایک دوسرے کی ضد ہیں خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مرخ اور عفار کی دو سرسبز ٹہنیاں جن سے پانی ٹپکتا ہوا آپس میں رگڑنے سے ان میں سے آگ نکل پڑتی ہے پس جو خدا ایک سرسبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے تو جو چیز پہلے زندہ اور تروتازہ اور پھر خشک ہوگئی اس کو دوبارہ حسب سابق طراوت اور تازگی پر لانے پر کیوں قادر نہیں۔

تیسرا جواب

﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین جیسے اجسام عظیمہ پیدا کئے وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے پانچ سات فٹ کے انسان کو دوبارہ پیدا کر دے کیا جس خدا نے اتنے بڑے بڑے اجسام آسمان اور زمین بنائے کیا وہ مثل بشر کے دوبارہ بنانے پر قادر نہیں حالانکہ آسمان و زمین اتنے بڑے ہیں کہ روئے زمین کے ارب ہا ارب انسان خدا کی پیدا کردہ زمین پر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے خوان میں چند دانے پڑے ہوں اگر روئے زمین کے درختوں کے پتے اور کیڑے اور مکوڑے اور حیوانات اور سمندر کی مچھلیاں اور بیابانوں کے ذرات کو جمع کیا جائے تو روئے زمین کے ارب ہا ارب انسانوں کو ان سے وہ نسبت بھی نہ ہوگی جو ایک کو ایک ارب سے ہوتی ہے پس جو خدا اس غیر محدود کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اسے روئے زمین کے انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے ہاں کیوں نہیں وہ بلاشبہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور کیوں نہ ہو وہ تو تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کی حقیقت اور کنہ کو جاننے والا ہے اسے انسان کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا عدم سے نکال کر وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کسی آلہ اور امداد کی ضرورت نہیں بلکہ جو چیز اس کے علم میں ہے اس سے یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے اسے کسی چیز کا پیدا کرنا

کوئی مشکل نہیں اس کی ایجاد اور تخلیق کے لئے صرف اس کا ارادہ اور مشیت کافی ہے پس تم کو چاہئے کہ اپنی بوسیدہ عقل کو چھوڑ دو اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لاؤ اور اس ذات کی تسبیح وتقدیس کرو جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی اور ملکیت ہے اور اس کے ملکوت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اور یقین رکھو کہ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اگرچہ تم اس وقت دوبارہ زندگی کا لاکھ انکار کرو مگر جانا تم کو اسی کے پاس ہے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے اس وقت تم کو اپنے کفر اور انکار کی سزا ملے گی۔ یہ آیتیں ابی بن خلف کے بارے میں یا عاص بن وائل کے بارہ میں یا دونوں کے حق میں نازل ہوئیں جو کچھ بھی ہو آیات مذکورہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں اور ہر منکر بعث کا جواب ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین بعث وحشر کے ایک استبعاد اور وسوسہ کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم اور قدرت ہر ہر ذرہ کو محیط ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو پہلی بار وجود عطا کیا اور زندگی بخشی اور جب تک چاہا اس کو زندہ رکھا اسی طرح مرنے کے بعد جب چاہے گا اس کے زندہ کرے گا اس لئے کہ وہ اس کے ہر ہر ذرہ کو خوب جانتا ہے جہاں وہ متفرق پڑا ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ گزشتہ امتوں میں سے ایک شخص پر موت آئی جو بدعمل تھا اس نے اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو لکڑیوں کا ایک بڑا انبار جمع کرنا اور پھر اس میں آگ لگانا جب آگ خوب تیز ہو جائے تو مجھ کو اس میں ڈال کر جلا دینا یہاں تک کہ جب میرا گوشت پوست سب کوئلہ ہو جائے تو اس کو باریک پیس کر آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں اڑا دینا اس کے اہل وعیال نے حسب وصیت اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا اللہ تعالیٰ نے بحر وبر کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے ذرات کو جہاں جہاں ہوں جمع کر کے حاضر کریں جب وہ تمام ذرات جمع ہو گئے تو اللہ نے ان کو زندہ ہو جانے کا حکم دیا اس طرح سے وہ شخص دوبارہ زندہ ہو کر موجود ہو گیا اللہ عزوجل نے اس سے پوچھا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی اس نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے یہ حرکت تیرے خوف کی وجہ سے کی اور تو اندرون حال کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا (رواہ احمد والبخاری ومسلم وغیرھم)

قطرہ کو در ہوا شد یا کہ ریخت — از خزینہ قدرت تو کے گریخت
گر در آید در عدم یا صد عدم — چوں بخواہد اوکند از سرقدم

غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو عقل سلیم دی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہزار بار پیدا کرنے اور ہزار بار موت دینے اور ہزار بار زندہ کرنے پر قادر ہے اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے نہ محال ہے اور نہ بعید ہے۔

الحمد للہ کہ آج شب یک شنبہ میں بعد نماز عشاء بتاریخ ۲۵ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۳ھ کو سورۃ یٰسین کی تفسیر سے فراغت ہوئی والحمد للہ اولا واخرا ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم ويارب يسرلى اتمام تفسير بقية القران الكريم فانك انت الميسر لكل عسير وعلى ماتشاء قدير وبالاجابة جدير۔

تفسیر سورۃ الصافات

سورۂ صافات بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

ربط:...... گزشتہ سورت میں زیادہ تر تین مضمون تھے توحید، رسالت اور قیامت پہلی سورت کا آغاز مضمون رسالت سے فرمایا اور اس سورت کا آغاز توحید کے مضمون سے فرمایا اس سورت میں بھی انہی تین مضامین کا بیان ہے دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں لہٰذا دونوں سورتوں میں مناسبت ظاہر ہے پہلی سورت میں مبدأ اور معاد کی تحقیق زیادہ تھی اور اس سورت میں توحید اور رسالت کی تحقیق زیادہ ہے

نیز مشرکین بت پرستی کرتے تھے اور توحید کے منکر تھے اور ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے کہ وہ قضا وقدر میں شریک ہیں اس لئے ان کی پرستش کرتے تھے اور جنوں اور شیاطین کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہ آسمان پر جا کر کچھ اوپر کی خبریں لا کر لوگوں کو دیتے ہیں اور کاہنوں کے بھی بڑے معتقد تھے اور قیامت کے منکر تھے اس سورت میں مشرکین کی ان تمام باتوں کا دلائل اور براہین سے رد ہے۔

۳۷ سُوْرَۃُ الصّٰفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۵۶ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیاتہا ۱۸۲ رکوعاتہا ۵

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ① فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ② فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ③ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ④ رَبُّ

قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر ف۱ پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر ف۲ پھر پڑھنے والوں کی یاد کر کر ف۳ بیشک حاکم تم سب کا ایک ہے ف۴ رب

قسم صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر۔ پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر۔ پھر پڑھنے والوں کی یاد کر۔ بیشک حاکم تمہارا ایک ہے۔ رب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ⑤ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور رب مشرقوں کا ف۵ ہم نے رونق دی ورے آسمان کو ایک رونق

آسمانوں کا اور زمین کا، اور جو ان کے بیچ ہے، اور رب مشرقوں کا۔ ہم نے رونق دی ورے آسمان کو ایک رونق،

ف۱ یعنی جو صف باندھ کر قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں، خواہ فرشتے ہوں جو حکم الٰہی سننے کو اپنے اپنے مقام پر درجہ بدرجہ کھڑے ہوتے ہیں یا عبادت گزار انسان جو نماز اور جہاد وغیرہ میں صف بندی کرتے ہیں۔

(تنبیہ) قسم محاورات میں تاکید کے لیے ہے جو اکثر منکر کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے لیکن بسا اوقات محض ایک مضمون کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ مقسم علیہ کے لیے بطور ایک شاہد یا دلیل کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی جو فرشتے شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں تاکہ استراق سمع کے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں یا بندوں کو نیکی کی بات سمجھا کر معاصی سے روکتے ہیں یا وہ نیک آدمی جو خود اپنے نفس کو بدی سے روکتے اور دوسروں کو بھی شرارت پر ڈانٹتے جھڑکتے رہتے ہیں۔ خصوصاً میدان جہاد میں کفار کے مقابلہ پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ بہت سخت ہوتی ہے۔

ف۳ یعنی وہ فرشتے یا آدمی جو اللہ کے احکام سننے کے بعد پڑھتے اور یاد کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے بتانے کو۔

ف۴ بیشک آسمان پر فرشتے اور زمین پر خدا کے نیک بندے ہر زمانہ میں قولاً و فعلاً شہادت دیتے رہے ہیں کہ سب کا مالک و معبود ایک ہے اور ہم اسی کی رعیت ہیں۔

ف۵ شمال سے جنوب تک ایک طرف مشرقین ہیں۔ سورج کی ہر روز کی جدا اور ہر ستارے کی جدا۔ یعنی وہ نقطے جن سے ان کا طلوع ہوتا ہے اور دوسری طرف =

الْكَوَاكِبِ ۝۶ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى

جو تارے ہیں ف۱ اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش سے ف۲ سن نہیں سکتے اوپر کی مجلس تک

جو تارے ہیں۔ اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش سے۔ سن نہیں سکتے اوپر کی مجلس تک،

وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ

اور پھینکے جاتے ہیں ان پر ہر طرف سے بھگانے کو ف۳ اور ان پر مار ہے ہمیشہ کو ف۴ مگر جو کوئی اچک لایا جھپ سے

اور پھینکے جاتے ہیں ہر طرف سے، ہانکے گئے۔ اور ان کو مار ہے ہمیشہ۔ مگر جو اچک لایا جھپ سے،

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰

پھر پیچھے لگا اس کے انگارا چمکتا ف۵

پھر پیچھے لگا اس کو انگارہ چمکتا۔

اثبات توحید اور منکرین حشر کی تردید اور تہدید اور وعید

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ... الی ... فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾

قسم ہے ان فرشتوں کی جو بارگاہ الوہیت اور مقام عبودیت میں اپنے اپنے مقام پر درجہ بدرجہ صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور حکم الٰہی کے منتظر رہتے ہیں اور اس کھڑے ہونے میں آداب عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں جیسے دنیا میں اہل دنیا عبادت میں خدا کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں آگے آنے والا ہے ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ﴾

پس جس طرح ہم صف باندھ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح فرشتے قطار باندھ کر اللہ کا حکم سننے

= اتنی ہی مغربیں ہیں۔ شاید مغارب کا ذکر یہاں سے اس لیے نہیں کیا کہ مشارق سے بطور مقابلہ کے خود ہی سمجھ میں آ جائیں گی۔ اور ایک حیثیت سے طلوع شمس و کواکب کو حق تعالیٰ کی شان حکومت و عظمت کے ثابت کرنے میں بہ نسبت غروب کے زیادہ دخل ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی اندھیری رات میں یہ آسمان بیشمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے دیکھنے والوں کو کیسا خوبصورت، مزین اور پر رونق معلوم ہوتا ہے۔

ف۲ یعنی تاروں سے آسمان کی زینت و آرائش ہے۔ اور بعض تاروں کے ذریعہ سے جو ٹوٹتے ہیں شیطانوں کو روکنے اور دفع کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ یہ ٹوٹنے والے ستارے کیا ہیں۔ آیا کواکب نوریہ کے علاوہ کوئی مستقل نوع کواکب کی ہے یا کواکب نوریہ کی شعاعوں ہی سے ہوا متکیف ہو کر ایک طرح کی آتش سوزاں پیدا ہو جاتی ہے یا خود کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر گرتے ہیں؟ اس میں علماء و حکماء کے مختلف اقوال ہیں بہرحال ان کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو رجم شیطان کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل سورۂ "حجر" کے فوائد میں گزر چکی ملاحظہ کر لی جائے۔

ف۳ اوپر کی مجلس سے مراد فرشتوں کی مجلس ہے۔ یعنی شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی بات وحی الٰہی کی سن آئیں۔ جب ایسا ارادہ کر کے اوپر آسمانوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو جس طرف سے جاتے ہیں ادھر ہی سے فرشتے دھکے دے کر اور مار مار کر بھگا دیتے ہیں۔

ف۴ یعنی دنیا میں ہمیشہ یوں ہی مار پڑتی رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔

ف۵ یعنی اسی بھاگ دوڑ میں جلدی سے کوئی ایک آدھ بات اچک لایا۔ اس پر بھی فرشتے شہاب ثاقب سے اس کا تعاقب کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل سورۂ "حجر" کے شروع میں گزر چکی۔

کے انتظار میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ فرشتے بوقت عبودیت اللہ کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور رل کر کھڑے ہوتے ہیں جیسے نمازی نماز میں اور مجاہدین جہاد میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ کے حکم سے اجرام علویہ اور سفلیہ کی تدبیر پر مامور ہیں وہ ان شیاطین کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں اور ہنکاتے ہیں جو اوپر جا کر چوری چھپے سے اللہ کی باتیں اور آسمان کی خبریں سننا چاہتے ہیں کہ ملا اعلیٰ اور آسمانوں میں فرشتوں کی جو باتیں ہو رہی ہیں ان میں سے کوئی بات سن کر لے بھاگیں اور کاہنوں کے کانوں میں اس کا القاء کریں کہ آسمانوں میں یہ باتیں ہو رہی ہیں جیسا کہ اسی آیت میں آگے آنے والا ہے ﴿وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا﴾ اس کلمہ سے ان بے ادب کافروں کا رد مقصود ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی شیطان آپ (ﷺ) کے پاس آ کر آپ ﷺ کو غیب کی خبریں سنا جاتا ہے اس کے ابطال کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہاں تک شیطانوں کی رسائی نہیں عالم بالا کی خبریں ان کو حاصل نہیں ہو سکتیں اگر کوئی شیطان ملا اعلیٰ کی طرف جانے کا قصد کرتا ہے تو وہ ایک آتشیں شعلہ سے مار بھگا دیا جاتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو بادلوں کو ہنکاتے ہیں اور جس زمین پر بارش کا حکم ہوتا ہے وہاں ان کو لے جاتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جنات اور شیاطین کو بنی آدم کے ایذاء اور تکلیف پہنچانے سے ڈانٹتے اور روکتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو شیاطین کو الہامات فاسدہ کے القاء سے روکتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو ذکر الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور لیل و نہار اللہ کی تسبیح و تقدیس میں اور اس کی یاد میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں آنے والا ہے ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾ یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ کا حکم سننے کے منتظر رہتے ہیں پھر جب وہ حکم اوپر سے اتر جاتا ہے تو ایک دوسرے کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوتے ہیں اور کلمات الٰہیہ کی ان پر تلاوت کرتے ہیں عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور مسروق اور سعید بن جبیر اور عکرمہ اور مجاہد رحمہ اور قتادہ اور سدی اور ربیع بن انس رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس آیت میں "صافات" اور "زاجرات" اور "تالیات" سے ملائکہ کی اقسام مراد ہیں جو مقام عبودیت میں تعمیل حکم کے لئے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور بادلوں کو ڈانٹ کر چلاتے ہیں اور خدا کا ذکر کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ ان قسموں سے خواہ فرشتے مراد ہوں یا عبادت گزار انسان مراد ہوں یا غازی اور مجاہدین مراد ہوں جو جہاد میں گھوڑوں کو ہنکاتے ہیں اور میدان جہاد میں صف بستہ ہو کر کافروں کا مقابلہ کرتے ہیں اور پھر گھوڑوں کو للکار کر اور ہنکا کر دشمن پر حملہ کرتے ہیں اور اس حالت میں وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں یا علماء ربانیین مراد ہوں جو وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کی معصیت سے زجر اور توبیخ کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی ان پر تلاوت کرتے ہیں اور یاد الٰہی سے غافل نہیں رہتے اور اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں یہ الفاظ اپنے عموم کی وجہ سے ان تمام معانی کو محتمل ہیں اور یہ تمام چیزیں قابل تعظیم ہیں کہ اللہ کے نزدیک باعظمت اور باتوقیر ہیں اور آیات قدرت بھی ہیں بہر حال جو بھی مراد ہو اللہ تعالیٰ ان قسموں کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

بیشک تمہارا معبود اپنی ذات و صفات میں اور اپنے اقوال و افعال میں ایک ہے یعنی یکتا اور یگانہ ہے یہ جواب قسم ہے قسم کھا کر اپنی توحید الوہیت کو بیان فرمایا اب آئندہ اس بات میں اپنی توحید ربوبیت کو بیان کرتے ہیں اور مطلب

یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے تمام فرشتے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ البتہ خدائے برحق ایک ہے اور وہی آسمان و زمین کا خالق ہے اور وہی سارے عالم میں متصرف ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ رب السموت والارض ہے اور تمام ثوابت اور سیارات سب اس کے حکم کے سامنے مسخر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں وہی رب ہے آسمانوں کا اور زمین کے درمیان تمام چیزوں کا اور وہی رب ہے تمام مشرقوں کا آفتاب اور ماہتاب اور جو کوکب ہر روز جس مشرق سے بھی طلوع کرتا ہے اور وہ اسی کے حکم سے طلوع کرتا ہے۔

نکتہ: ...... مشارق کا ذکر کیا اور فقط اسی کے ذکر پر اکتفا کیا اور مغارب کا ذکر نہ کیا اس لئے کہ دوضدوں میں سے ایک ضد کا ذکر دوسری ضد کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے ﴿سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ﴾ میں فقط حر کا ذکر کیا مراد حر اور برد دونوں ہی ہیں۔ یا یہ وجہ ہے کہ اس لفظ سے کواکب پرستوں کے رد کی طرف اشارہ ہے جو کواکب کی الوہیت کے قائل تھے سو ان کی الوہیت کا ظاہراً احتمال ان کے طلوع اور نورانیت سے ہوسکتا ہے نہ کہ غروب سے اس لئے کہ غروب سے ان کی نورانیت اور تاثیر ختم ہوجاتی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں گزرا ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ اور غروب ایک قسم کی دناءت اور پستی و زوال ہے غروب کی حالت میں کواکب کی الوہیت کا ظاہرا ابھی کوئی امکان نہیں اس لئے مغارب کا ذکر نہیں کیا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھا کر اپنی توحید کو بیان فرمایا قرآن کریم میں جا بجا اس قسم کی قسمیں جواب قسم کی تاکید اور اہتمام کے لئے لائی گئی ہیں اور عموماً جس جگہ بھی قسم لائی گئی ہے وہ درحقیقت جواب قسم کی دلیل ہے اس لئے کہ فرشتوں کا مقام عبودیت میں صف بستہ کھڑا ہونا اور آسمانوں کا پہرہ دار بننا اور ہروقت اللہ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہنا یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے جس کی تعظیم میں یہ فرشتے صف بستہ اور اس کی اطاعت اور عبودیت میں کمربستہ اور اس کی قدرت اور عظمت اور جلال کے سامنے دست بستہ ہیں معلوم ہوا کہ فرشتوں میں الوہیت کی صلاحیت نہیں بہرحال آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز رب نہیں۔

اب آئندہ آیات میں دلائل قدرت اور براہین الوہیت کا نمونہ بیان فرماتے ہیں تحقیق ہم نے آسمان دنیا کو جو ان کے سروں سے بہت قریب ہے ستاروں کے ذریعہ زینت بخشی جو ہماری قدرت کا عجیب منظر ہے کہ ان کے سروں پر آسمان سائبان اور چھت کی طرح روشن اور مزین ہے ہم نے اپنی قدرت اور حکمت سے آسمان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ستاروں کے ذریعہ ان سے نزدیک تر آسمان کو آرائش دی یہ چیزیں خود بخود نہیں ہوگئیں مطلب یہ ہے کہ یہ کواکب آسمان دنیا کی آرائش اور زینت ہیں اور ہم نے ان ستاروں کے ذریعہ آسمان کو ہر شیطان سرکش کی رسائی سے محفوظ کردیا کہ کسی شیطان کی وہاں تک رسائی نہ ہوسکے شیاطین میں یہ طاقت نہیں کہ ملاءاعلیٰ تک یعنی فرشتوں کی مجلس اعلیٰ تک رسائی پاسکیں اور ان کی باتوں کو سن سکیں یعنی شیاطین میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اوپر جاکر کان لگا کر ملاءاعلیٰ کی باتوں کو سن سکیں کواکب کے ذریعہ ہم نے آسمانوں کو شیاطین کی رسائی سے محفوظ کردیا ہے بہرحال مقصود یہ ہے کہ ستارے رب نہیں اور نہ وہ الوہیت میں شریک ہیں اور نہ تغیرات عالم میں موثر ہیں۔

اور اگر شیاطین اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہیں سے بھگانے اور دھتکارنے کے لئے ہر طرف سے مارے

جاتے ہیں تو وہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں پاتے اور فرشتے دھکے دے کر ان کو بھگا دیتے ہیں اور شیاطین کے لئے اس دنیوی عذاب کے علاوہ ایک اخروی عذاب ہے جو ان کو لازم ہوگا اور وہ کبھی ان سے منقطع نہ ہوگا۔

غرض یہ کہ کسی شیطان کی یہ مجال نہیں کہ ملاء اعلیٰ تک پہنچ کر اور وہاں بیٹھ کر ان احکام کو سن سکے جو تدبیر عالم کے متعلق جاری ہوتے ہیں مگر یہ کہ کسی وقت کوئی شیطان چوری چھپے سے کوئی بات اچک کر لے جائے اور سن کر وہاں سے بھاگے تو ایک روشن شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے جس سے وہ کبھی مارا جاتا ہے اور کبھی بچ جاتا ہے اور نیچے والے کو وہ خبر پہنچا دیتا ہے اور جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے ان آیات سے مقصود اللہ کی کمال عظمت وقدرت کو بیان کرنا ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو کواکب سے مزین اور آراستہ کیا اور پھر ان کواکب کو آسمان تک شیاطین کی رسائی سے حفاظت کا ذریعہ بنایا اور ہر طرف سے رجم کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین جس طرف سے بھی جاتے ہیں تو ان پر رجم ہوتا ہے اور استماع پر قادر نہیں مگر شاذ ونادر کبھی کوئی بات لے اڑتے ہیں اور اس کو جادوگروں اور کاہنوں پر القاء کرتے ہیں وہ اس میں سو جھوٹی باتیں ملا کر مشہور کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں متعدد جگہ اس بات کا ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کو کواکب (ستاروں) کے ذریعہ زینت بخشی اور ان کو سرکش شیطانوں سے حفاظت کا ذریعہ بنایا کہ شیاطین آسمانوں تک نہ پہنچ سکیں اور اگر کسی وقت کوشش کر کے آسمان کے قریب پہنچ جائیں تو ستاروں سے ہلاک کر دیئے جائیں مطلب یہ ہے کہ ستاروں کے پیدا کرنے میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ آسمان دنیا کی زینت بنیں اور دنیا والوں کو جگمگاتی ہوئی قندیلیں دکھاویں دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نیلگوں سطح پر نہایت آبدار جواہر چمک رہے ہیں جس سے آسمان نہایت خوبصورت اور روشن نظر آتا ہے دوسرا فائدہ کواکب کا یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے آسمان کی حفاظت ہو جائے کہ شیاطین وہاں پہنچ کر کوئی خبر نہ لے سکیں جس کی تفصیل سورۃ حجر کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

علماء اسلام میں مشہور قول یہ ہے کہ ستارے آسمان میں گڑھے ہوتے ہیں اور بعض علماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ ستارے آسمان وزمین کے مابین معلق ہیں اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آفتاب وغیرہ آسمان دنیا سے نیچے ہیں ان علماء کے نزدیک آسمان دنیا کے لئے آفتاب اور ماہتاب کی زینت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دیکھنے والوں کو آسمان دنیا ہی کی زینت دکھائی دیتی ہے اگرچہ وہ آسمان اول سے نیچے ہیں اور فلاسفہ متاخرین کہتے ہیں کہ کواکب فضا میں قوت جاذبہ کے تناؤ پر قائم ہیں نہ کہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں سو یہ امر اہل اسلام کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قدرت خداوندی کے تصرف میں داخل ہے اور قوت جاذبہ ایک سبب عادی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اگر کسی دلیل قطعی سے یہ امر ثابت ہو جائے کہ کواکب فضا ہی میں معلق ہیں تو جن آیات میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کواکب کو آسمان دنیا کی زینت بنایا ہے ان کے یہ معنی بیان کئے جائیں گے کہ ظاہری رؤیت اور مشاہدہ کے اعتبار سے وہ آسمان کی زینت ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خبر تو یہ دی ہے کہ اس نے کواکب سے آسمان کو زینت دی جس کا یہ بیان ہوا اور دوسری خبر اس نے یہ دی کہ اس نے کواکب کو شیاطین کے روکنے کے لئے اور ان کے سنگسار کرنے کے لئے بنایا ہے تاکہ وہ

ملائکہ کی باتیں چوری سے سننے کے لئے آسمان کے قریب نہ پہنچ سکیں۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بڑے بڑے سیارے جیسے چاند اور سورج ان کی سنگساری کے لئے اوپر سے نیچے پھینکے جاتے ہیں تا کہ یہ شبہ کیا جائے کہ اگر بڑے بڑے ستارے زمین پر پھینک دیئے جائیں تو زمین کو بڑا نقصان پہنچے اور آبادی تباہ ہو جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کواکب سے شعلے جدا ہو کر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اور انہی شعلوں کو ہم شہاب ثاقب یا ٹوٹے ہوئے ستارے کہتے ہیں جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا (دیکھو تفسیر کبیر)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ٹوٹنے والے اور گرنے والے ستارے یہ کواکب نورانیہ نہیں بلکہ کواکب نورانیہ کی شعاعیں اور شئے ہیں جو شیاطین پر گرتے ہیں اور ان کو ہلاک کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "انہی تاروں کی روشنی سے آگ نکلتی ہے جس سے شیطانوں کو مار پڑتی ہے جیسے سورج اور آتشی شیشہ سے" انتہی یعنی اصل ستارے اپنے حال پر رہتے ہیں اور جو شعلے ان کی روشنی سے نکلتے ہیں ان سے شیاطین کو مارا جاتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ستارے دو قسم کے ہیں ایک بڑے بڑے جو لوگوں میں معروف و مشہور ہیں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے ان کو اللہ تعالیٰ نے فضاء آسمانی میں معلق کر دیا ہے اس قسم کے ستاروں کو اللہ تعالیٰ شیاطین کے رجم کے لئے تیار کرتا ہے یا وہ پہلے سے موجود ہیں مگر نظر نہیں آتے لیکن جب وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں تو حرکت کی تیزی کی وجہ سے شعلہ کی صورت میں ہو کر شیاطین پر گرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کے لئے بنایا ہے اور شیاطین کی سنگساری کے لئے بنایا ہے بڑے بڑے ستارے آسمان کی زینت ہیں اور چھوٹے چھوٹے ستارے شیاطین کی سنگساری کے لئے ہیں لہٰذا یہ تحقیق موجودہ علم الافلاک کے اصول مسلمہ کے بھی خلاف نہ ہوگی فرق صرف اتنا ہوگا کہ علماء علم الافلاک کے نزدیک چھوٹے چھوٹے ستاروں کا زمین پر گرنا اس بنا پر ہوگا کہ یہ چھوٹے چھوٹے ستارے جب کسی وقت زمین کے قریب ہو جاتے ہیں تو زمین کی کشش کے باعث زمین کی طرف ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں جب یہ ستارے زمین کے قریب ہو جاتے ہیں تو زمین ان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ ستارے اللہ کے حکم سے شیاطین کو سنگسار کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں اور فلاسفۂ عصر نے جو زمین کے لئے قانون کشش بنا رکھا ہے ان کے پاس اس کی دلیل قطعی تو کیا ہوئی اثبات کشش کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل ظنی بھی نہیں یہ محض ان کا گمان اور تخمینہ ہے جس کا ماننا عقلاً ضروری نہیں اور نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ یہ ستارے خاص خاص اوقات ہی میں کیوں زمین کے قریب ہو جاتے ہیں۔

(۲) حق جل شانہ کے اس ارشاد سے یعنی ﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا﴾ سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ کواکب آسمان دنیا میں ہیں اور اہل ہیئت کواکب کے جدا جدا آسمان پر ہونے کے قائل ہیں لیکن ان کے پاس نہ کوئی دلیل قطعی ہے اور نہ کوئی دلیل ظنی ہے۔

(۳) جنات اور شیاطین کا مادہ اگرچہ ناری اور آتشی ہے مگر شہاب ثاقب سے ان کا جل جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ انسان کا اصل مادہ خاک ہے مگر اینٹ اور پتھر کے مارنے سے وہ زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی ہلاک بھی ہو جاتا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلْ

اب پوچھ ان سے کیا یہ بنانے مشکل ہیں یا جتنی خلقت کہ ہم نے بنائی ف۱ ہم نے ہی ان کو بنایا ہے ایک چپکتے گارے سے ف۲ بلکہ

اب پوچھ ان سے، یہ مشکل ہیں بنانے، یا جتنی خلقت ہم نے بنائی۔ ہم ہی نے ان کو بنایا ہے ایک گارے چپکتے سے۔ بلکہ

عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ⑫ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭

تو کرتا ہے تعجب اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے ف۳ اور جب ان کو سمجھائیے نہیں سوچتے اور جب دیکھیں کچھ نشانی ہنسی میں ڈال دیتے ہیں

تو رہتا ہے اچنبھے میں، اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے۔ اور جب سمجھائیے نہیں سوچتے۔ اور جب دیکھیں کچھ نشانی، ہنسی میں ڈال دیتے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯

اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں یہ تو کھلا جادو ہے ف۴ کیا جب ہم مرگئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم کو پھر اٹھائیں گے کیا

اور کہتے ہیں، اور کچھ نہیں، یہ جادو ہے کھلا۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں؟ کیا ہم کو پھر اٹھانا ہے۔

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ⑱ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ

اور ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی ف۵ تو کہہ کہ ہاں اور تم ذلیل ہو گے سو وہ اٹھانا تو یہی ہے ایک جھڑکی پھر اسی وقت یہ لگیں گے

کیا اور ہمارے باپ دادوں کو اگلے؟ تو کہہ، ہاں! اور تم ذلیل ہو گے۔ سو وہ تو یہی ہے ایک جھڑکی، پھر تبھی یہ لگیں گے

يَنْظُرُوْنَ ⑲ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑳ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

دیکھنے ف۶ اور کہیں گے اے خرابی ہماری یہ آگیا دن جزا کا ف۷ یہ ہے دن کا فیصلہ کا جس کو تم

دیکھنے۔ اور کہیں گے اے خرابی ہماری! یہ آیا دن جزا کا۔ یہ ہے دن فیصلے کا جس کو تم

تُكَذِّبُوْنَ ㉑ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ㉒ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ع

جھٹلاتے تھے ف۸ جمع کرو گناہ گاروں کو اور ان کے جوڑوں کو اور جو کچھ پوجتے تھے ف۹ اللہ کے سوا

جھٹلاتے تھے۔ جمع کرو گنہگاروں کو، اور ان کے جوڑوں کو، اور جو کچھ پوجتے تھے۔ اللہ کے سوا،

ف۱ یعنی منکرین بعث سے دریافت کیجئے کہ آسمان، زمین، ستارے، فرشتے، شیاطین وغیرہ مخلوقات کا پیدا کرنا ان کے خیال میں زیادہ مشکل کام ہے یا خود ان کا پیدا کرنا اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد ظاہر ہے جو خدا ایسی عظیم الشان مخلوقات کا بنانے والا ہے اسے ان کا دوبارہ بنا دینا کیا مشکل ہوگا۔

ف۲ یعنی ان کی اصل حقیقت ہمیں سب معلوم ہے۔ ایک طرح کے چپکتے گارے سے جس کا پتلا ہم نے تیار کیا، آج اس کے یہ دعوے ہیں کہ آسمان و زمین کا بنانے والا اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ جس طرح پہلے تجھ کو مٹی سے بنایا دوبارہ بھی مٹی سے نکال کر کھڑا کر دیں گے۔

ف۳ یعنی تجھ کو ان پر تعجب آتا ہے کہ ایسی صاف باتیں کیوں نہیں سمجھتے اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ یہ (نبی) کس قسم کی بے سروپا باتیں کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ)

ف۴ یعنی نصیحت سن کر غور و فکر نہیں کرتے اور جو معجزات و نشانات دیکھتے ہیں انہیں جادو کہہ کر ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔

ف۵ وہی مرغے کی ایک ٹانگ گائے جاتے ہیں کہ صاحب جب ہمارا بدن خاک میں مل کر مٹی ہوگیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے باپ دادا جن کو مرے ہوئے قرن گزر گئے۔ شاید ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، ہم کس طرح مان لیں کہ یہ سب پھر از سر نو زندہ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔

ف۶ یعنی ہاں ضرور اٹھائے جاؤ گے اور اس وقت ذلیل و رسوا ہو کر اس انکار کی سزا بھگتو گے۔ .... =

فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا

پھر چلاؤ ان کو دوزخ کی راہ پر ف۱ اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے ف۲ کیا ہوا تم کو ایک دوسرے کی

پھر چلاؤ ان کو راہ پر دوزخ کی۔ اور کھڑا رکھو ان کو، ان سے پوچھنا ہے۔ کیا ہوا تم کو ایک دوسرے کی

تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

مدد نہیں کرتے، کوئی نہیں وہ آج اپنے کو پکڑواتے ہیں ف۳ اور منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف

مدد نہیں کرتے۔ کوئی نہیں، وہ آج آپ کو پکڑواتے ہیں۔ اور منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف،

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

لگے پوچھنے بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے ف۴ وہ بولے کوئی نہیں پر تم ہی نہ تھے

لگے پوچھنے۔ بولے، تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنے سے۔ وہ بولے ! کوئی نہیں ! پر تم ہی نہ تھے

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ

یقین لانے والے اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا تم ہی تھے لوگ حد سے نکل چلنے والے سو ثابت ہوگئی

یقین لانے والے۔ اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا۔ پر تم ہی تھے لوگ بےحد چلنے والے۔ سو ثابت ہوئی

عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي

ہم پر بات ہمارے رب کی بیشک ہم کو مزہ چکھنا ہے ہم نے تم کو گمراہ کیا جیسے ہم خود تھے گمراہ ف۵ سو وہ سب اس دن

ہم پر بات ہمارے رب کی۔ ہم کو مزہ چکھنا۔ پھر ہم نے تم کو گمراہ کیا، ہم تھے آپ گمراہ۔ سو وہ اس دن

= ف۷ یعنی ایک ڈانٹ میں سب اٹھ کھڑے ہوں گے اور حیرت و دہشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے (یہ ڈانٹ یا جھڑکی نفخ صور کی ہوگی)

ف۸ یعنی یہ تو سچ مچ جزاء کا دن آ پہنچا جس کی انبیاء علیہم السلام خبر دیتے اور ہم ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

ف۹ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوگا۔

ف۱ یہ حکم ہوگا فرشتوں کو کہ ان سب کو اکٹھا کر کے دوزخ کا راستہ بتاؤ۔

(تنبیہ) "ازواج" (جوڑوں) سے مراد ہیں ایک قسم کے گنہگار یا ان کی کافر بیویاں۔ اور "وما کانوا یعبدون من دون اللہ" سے اصنام و شیاطین وغیرہ مراد ہیں۔

ف۲ حکم کے بعد کچھ دیر ٹھہرائیں گے تا کہ ان سے ایک سوال کیا جائے جو آگے "مالکم لا تناصرون" میں مذکور ہے۔

ف۳ یعنی دنیا میں تو "نحن جمیع منتصر" کہا کرتے تھے (کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں) آج کیا ہوا کہ کوئی اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک بدون کان ہلائے ذلیل ہو کر پکڑا ہوا چلا آ رہا ہے۔

ف۴ "یمین" (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور و قوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرعوب کر کے۔ یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے، بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لیے۔ یہ گفتگو اتباع اور متبوعین (زبردستوں اور زیردستوں) کے درمیان ہوگی۔

ف۵ یعنی خود تو ایمان نہ لائے ہم پر الزام رکھتے ہو۔ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل و انصاف کی حد سے نکل گئے کہ =

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ

تکلیف میں شریک ہیں ف۱ ہم ایسا ہی کرتے ہیں گناہ گاروں کے حق میں وہ تھے کہ ان سے جب کوئی کہتا کسی کی

تکلیف میں شریک ہیں۔ ہم ایسا کچھ کرتے ہیں گنہگاروں کے حق میں۔ وہ تھے، کہ ان سے جب کوئی کہتا، کسی کی

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ

بندگی نہیں سوائے اللہ کے تو غرور کرتے ف۲ اور کہتے کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے معبودوں کو کہنے سے ایک شاعر دیوانہ کے کوئی

بندگی نہیں سوا اللہ کے، تو غرور کرتے۔ اور کہتے، کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے ٹھاکروں کو؟ کہے کے ایک شاعر دیوانے کے۔ کوئی

جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا

نہیں وہ لیکر آیا ہے سچا دین اور سچا مانتا ہے سب رسولوں کو ف۳ بیشک تم کو چکھنا ہے عذاب دردناک اور وہ ہی بدلہ پاؤ گے

نہیں ! وہ لایا ہے سچا دین، اور سچ مانا ہے سب رسولوں کو۔ تم کو چکھنی دکھ والی مار۔ اور وہی بدلہ پاؤ گے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾

جو کچھ تم کرتے تھے ف۴ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے ف۵ وہ لوگ جو ہیں ان کے واسطے روزی ہے مقرر

جو کچھ تم کرتے تھے۔ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے۔ وہ جو ہیں ان کی روزی ہے مقرر۔

فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ

میوے ف۶ اور ان کی عزت ہے ف۷ نعمت کے باغوں میں تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے لوگ لیے

میوے، اور ان کی عزت ہے۔ باغوں میں نعمت کے۔ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے۔ لوگ لئے

= بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکائے میں آ گئے اگر عقل وفہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ رہے ہم سو ظاہر ہے خود گمراہ تھے، ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ ہم نے وہ ہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا لیکن تم کو کیا مصیبت نے گھیرا تھا کہ ہمارے چکموں میں آ گئے۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا۔ خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی اور اس کی وہ ہی بات ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ ثابت ہو کر رہی۔ آج ہم سب کو اپنی اپنی غلط کاریوں اور بدمعاشیوں کا مزہ چکھنا ہے۔

ف۱ یعنی سب مجرم اور درجہ بدرجہ عذاب میں شریک ہوں گے۔ جیسے جرم میں شریک تھے۔

ف۲ یعنی ان کا کبر وغرور مانع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) زبان پر لائیں جس سے ان کے جھوٹے معبودوں کی نفی ہوتی ہے خواہ دل میں اسے سچ ہی سمجھتے ہوں۔

ف۳ یعنی شاعروں کا جھوٹ تو مشہور ہے۔ پھر اس راست باز ہستی کو شاعر کیسے کہتے ہو جو دنیا میں خالص سچائی لے کر آیا ہے اور سارے جہان کے سچوں کی تصدیق کرتا ہے۔ کیا مجنون اور دیوانے ایسے صحیح اور پختہ اصول پیش کیا کرتے ہیں؟

ف۴ یعنی انکار توحید اور ان گستاخیوں کا مزہ چکھو گے جو بارگاہ رسالت میں کر رہے ہو۔ جو کچھ کرتے تھے ایک دن سب سامنے جائے گا۔

ف۵ یعنی ان کا کیا ذکر۔ وہ تو ایک قسم ہی دوسری ہے۔ جس پر حق تعالیٰ نوازش وکرم فرمائے گا۔

ف۶ یعنی عجیب وغریب میوے کھانے کو ملیں گے۔ جن کی پوری صفت تو اللہ ہی کو معلوم ہے ہاں کچھ مختصر سی بندوں کو بھی بتلا دی ہے جیسے فرمایا ﴿لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ ف۷ خدا ہی جانے کیا کیا اعزاز واکرام ہوں گے۔

عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍۢ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاۤءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا

پھرتے ہیں ان کے پاس پیالہ شراب صاف کا سفید رنگ مزہ دینے والی پینے والوں کو نہ اس میں سر پھرتا ہے اور نہ وہ

پھرتے ہیں ان کے پاس پیالے شراب نتھرے کے۔ سفید رنگ مزہ دیتے پینے والوں کو۔ نہ اس میں سر پھرتا ہے، اور نہ وہ

يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾ فَاَقْبَلَ

اس کو پی کر بہکیں ف۱ اور ان کے پاس ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھنے والیاں بڑی آنکھوں والیاں ف۲ گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے ف۳ پھر منہ کیا

اس سے بہکتے ہیں۔ اور ان کے پاس ہیں عورتیں، نیچی نگاہ رکھتیاں بڑی آنکھوں والیاں۔ گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے۔ پھر منہ کیا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاۤءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَاۤئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾ يَّقُوْلُ اَءِنَّكَ

ایک نے دوسرے کی طرف لگے پوچھنے بولا ایک بولنے والا ان میں میرا تھا ایک ساتھی کہا کرتا کیا تو

ایک نے دوسرے کی طرف، لگے پوچھنے۔ بولا، ایک بولنے والا ان میں مجھ کو تھا ایک ساتھی۔ کہتا، کیا تو

لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ

یقین کرتا ہے کیا جب ہم مرگئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو جزا ملے گی ف۴ کہنے لگا بھلا تم

یقین کرتا ہے؟ کیا جب مر گئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو بدلہ ملنا ہے؟ کہنے لگا، بھلا تم

مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَاۤءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا

جھانک کر دیکھو گے ف۵ پھر جھانکا تو اس کو دیکھا بیچوں بیچ دوزخ کے بولا قسم اللہ کی تو تو مجھ کو ڈالنے لگا تھا گڑھے میں اور اگر نہ ہوتا

جھانک کر دیکھو گے۔ پھر جھانکا تو اس کو دیکھا بیچوں بیچ دوزخ کے۔ بولا قسم اللہ کی! تو تو لگا تھا کہ مجھ کو گڑھے میں ڈالے۔ اور اگر نہ ہوتا

ف۱ یعنی مزہ اور نشاط پورا ہوگا۔ اور دنیا کی شراب میں جو خرابیاں ہوتی ہیں ان کا نام ونشان نہ ہوگا نہ سر گرانی ہوگی نہ نشہ چڑھے گا، نہ قے آئے گی، نہ پھیپھڑے وغیرہ خراب ہوں گے، نہ اس کی نہریں خشک ہو کر ختم ہوسکیں گی۔

ف۲ یعنی شرم وناز سے نگاہ نیچی رکھنے والی حوریں جو اپنے ازواج کے سوا کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔

ف۳ یعنی صاف وشفاف رنگ ہوگا جیسے انڈا جس کو پرندہ اپنے پروں میں نیچے چھپائے رکھے کہ نہ داغ لگے نہ گرد وغبار پہنچے۔ یا انڈے کے اندر کی سفیدی جو سخت چھلکے کے نیچے پوشیدہ رہتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں جو بہت خوش شرنگ ہوتے ہیں۔ بہر حال تشبیہ صفائی یا خوش رنگ ہونے میں ہے سفیدی میں نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ﴾۔

ف۴ یعنی یاران جلسہ جمع ہوں گے اور شراب طہور کا جام چل رہا ہوگا۔ اس عیش وتنعم کے وقت اپنے بعض گزشتہ حالات کا مذاکرہ کریں گے۔ ایک جنتی کہے گا کہ میاں دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا۔ جو مجھے آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے ملامت کیا کرتا اور احمق بنایا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بالکل مہمل بات تھی کہ ایک شخص مٹی میں مل جائے اور گوشت پوست کچھ باقی نہ رہے محض بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں، پھر اسے اعمال کا بدلہ دینے کے لیے از سر نو زندہ کر دیں؟ بھلا ایسی بے تکی بات پر کون یقین کرسکتا ہے؟

ف۵ یعنی وہ ساتھی یقیناً دوزخ میں پڑا ہوگا۔ آ ذرا جھانک کر دیکھیں کس حال میں ہے۔ (یہ اس جنتی کا مقولہ ہوا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقولہ اللہ کا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو)

نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۵۷ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝۵۸ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ

میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا انہی میں جو پکڑے ہوئے آئے ف۱ کیا اب ہم کو مرنا نہیں مگر جو پہلی بار مر چکے اور ہم کو

میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا ان میں، جو پکڑے آئے۔ کیا اب ہم کو نہیں مرنا؟ مگر جو پہلی بار مر چکے، اور ہم کو

بِمُعَذَّبِيْنَ ۝۵۹ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۰ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝۶۱ اَذٰلِكَ

تکلیف نہیں پہنچنے کی بیشک یہی ہے بڑی مراد ملنی ایسی چیزوں کے واسطے چاہیے محنت کریں محنت کرنے والے ف۲ بھلا

تکلیف نہیں پہنچنی۔ بیشک یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ ایسی چیزوں کے واسطے، چاہیئے محنت کریں محنت والے۔ بھلا

خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝۶۲ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝۶۳ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ

یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سیہنڈ کا ہم نے اس کو رکھا ہے ایک بلا ظالموں کے واسطے وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے

یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سیہنڈ کا۔ ہم نے اس کو رکھا ہے خراب کرنا ظالموں کا۔ وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے

اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝۶۴ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝۶۵ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ

دوزخ کی جڑ میں ف۳ اس کا خوشہ جیسے سر شیطان کے ف۴ سو وہ کھائیں گے اس میں سے پھر بھریں گے

دوزخ کی جڑ میں۔ اس کا شگوفہ جیسے سر شیطانوں کے۔ سو وہ کھائیں گے اس میں سے، پھر بھریں گے

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۶۶ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝۶۷ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِالَى

اس سے پیٹ پھر ان کے واسطے اس کے اوپر ملونی ہے جلتے پانی کی ف۵ پھر ان کو لے جانا

اس سے پیٹ۔ پھر ان کو اس کے اوپر ملونی جلتے پانی کی۔ پھر ان کو لے جانا

ف۱ یعنی اس جنتی کو اپنے ساتھی کا حال دکھلا دیا جائے گا کہ ٹھیک دوزخ کی آگ میں پڑا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر اسے عبرت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان یاد آئے گا۔ کہے گا، کم بخت! تو نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا۔ محض اللہ کے احسان نے دست گیری فرمائی جو اس مصیبت سے بچا لیا اور میرا قدم راہ ایمان وعرفان سے ڈگمگانے نہ دیا ورنہ آج میں بھی تیری طرح پکڑا ہوا آتا۔ اور اس دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔

ف۲ اس وقت فرط مسرت سے کہے گا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس پہلی موت کے سوا جو دنیا میں آچکی اب ہم کو کبھی مرنا نہیں اور نہ کبھی اس عیش وبہار سے نکل کر تکلیف وعذاب کی طرف جانا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل ورحمت سے اسی تنعم ورفاہیت میں ہمیشہ رہیں گے۔ بیشک بڑی بھاری کامیابی اسی کو کہتے ہیں اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کی تحصیل کے لیے چاہیے کہ ہر طرح کی محنتیں اور قربانیاں گوارا کی جائیں۔

ف۳ اوپر بہشتیوں کی مہمانی کا ذکر تھا۔ یہاں سے دوزخیوں کی مہمانی کا حال سناتے ہیں۔" زقوم" کسی درخت کا نام ہے جو سخت کڑوا، بدذائقہ ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں تھوہر، یا سیہنڈ، دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک درخت اگایا ہے اس کو یہاں "شجرة الزقوم" سے موسوم کیا۔ وہ ایک بلا ہے ظالموں کے واسطے آخرت میں۔ کیونکہ جب دوزخ والے بھوک سے بے قرار ہوں گے تو یہی کھانے کو دیا جائے گا اور اس کا حلق سے اتارنا یا اترنے کے بعد ایک خاص اثر پیدا کرنا سخت تکلیف دہ اور مستقل عذاب ہوگا اور دنیا میں بھی ایک طرح کی بلا اور آزمائش ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر سن کر گمراہ ہوتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ سبز درخت دوزخ کی آگ میں کیونکر اگا۔ (حالانکہ ممکن ہے اس کا مزاج ہی ناری ہو جیسے آگ کا کیڑا آگ کے سمندر میں زندہ رہتا ہے (اور سہارنپور کے کمپنی باغ میں بعض درختوں کی تربیت آگ کے ذریعہ ہوتی ہے) کسی نے کہا" زقوم" فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں انہیں سامنے دیکھ کر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں گے۔

ف۴ یعنی سخت بدنما شیطان کی صورت یا شیاطین کہا سانپوں کو۔ یعنی اس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہوگا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے" ناگ =

الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ

آگ کے ڈھیر میں ف۱ انہوں نے پایا اپنے باپ دادوں کو بہکے ہوئے سو وہ انہی کے قدموں پر دوڑتے ہیں ف۲ اور بہک چکے ہیں

آگ کے ڈھیر میں۔ انہوں نے پائے اپنے باپ دادے بہکے ہوئے۔ سو وہ انہی کے قدموں پر دوڑتے ہیں۔ اور بہک چکے ہیں

قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

ان سے پہلے بہت لوگ اگلے اور ہم نے بھیجے ہیں ان میں ڈر سنانے والے اب دیکھ کیسا ہوا انجام

ان سے آگے، بہت لوگ پہلے۔ اور ہم نے بھیجے ہیں ان میں ڈر سنانے والے۔ اب دیکھ! کیسا ہوا آخر

الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧٤﴾

ڈرائے ہوؤں کا مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے ف۳

ڈرائے ہوؤں کا۔ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے۔

منکرین حشر اور مکذبین رسالت کی تردید اور ان کی جہالت اور حماقت کا اظہار

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ... الى ... إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ﴾

یہاں تک توحید کا مضمون تھا اب آگے ان لوگوں کی تردید فرماتے ہیں جو حشر ونشر کے منکر تھے اور اس کو محال اور ناممکن بتلاتے ہیں اور کافروں کی سرکشی کو بیان کرتے ہیں کہ باوجود ان قاہرہ قدرتوں کے خدا کے قادر ہونے کا یقین نہیں آتا اور حشر ونشر کو محال بتلاتے ہیں اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں پس جب دلائل مذکورہ سے حق جل شانہ کی کمال قدرت ظاہر ہوگئی تو جو لوگ دار آخرت کے منکر ہیں اور حشر ونشر کو محال اور ناممکن بتلاتے ہیں آپ ﷺ ذرا ان سے دریافت کیجئے کہ وہ کیوں حشر ونشر اور بعث کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں کیا یہ لوگ پیدائش میں مضبوط اور سخت تر ہیں یا وہ چیزیں جن کی پیدائش کا ابھی ذکر ہوا وہ زیادہ مضبوط اور سخت ہیں جیسے آسمان اور زمین اور پہاڑ ظاہر ہے کہ ان اجسام عظیمہ کے مقابلہ میں انسان جیسے ضعیف البنیان ہستی کی کیا حقیقت ہے جو طلب معاش میں رات دن مرتا کھپتا پھرتا ہے تحقیق ہم نے انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے جو آسمان اور زمین سے کسی طرح سخت اور مضبوط نہیں ہوسکتا اور انسان کا اصل مادہ زمین ہے اور پانی ہے پس جب انسان ابتداءً زمین کے اجزاء سے پیدا کیا گیا تو اس کے دوبارہ زمین سے پیدا ہونے کا کیوں

= "پھن" کہتے ہیں۔

ف۵ "زقوم" کھا کر پیاس لگے گی تو سخت جلتا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ کر باہر آپڑیں گی۔ ﴿فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ﴾ اعاذنا اللہ منہا۔

ف۱ یعنی بہت بھوکے ہوں گے تو آگ سے ہٹا کر یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دیں گے۔

ف۲ یعنی پچھلے کافر اگلوں کی اندھی تقلید میں گمراہ ہوئے۔ جس راہ پر انہیں چلتے دیکھا اسی پر دوڑ پڑے۔ کنواں کھائی کچھ نہ دیکھا۔

ف۳ یعنی ہر زمانہ میں انجام سے آگاہ کرنے والے آخرت کا ڈر سنانے والے آتے رہے۔ آخر جنہوں نے نہ سنا اور نہ مانا دیکھ لو! ان کا انجام کیسا ہوا۔ بس اللہ کے وہی چنے ہوئے بندے محفوظ رہے جن کو خدا کا ڈر اور عاقبت کی فکر تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ڈر سب ہی کو سناتے ہیں ان میں نیک نکلتے ہیں اور بد کھپتے ہیں۔" آگے بعض منذرین (بالکسر) اور منذرین (بالفتح) کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ مکذبین کی عبرت اور مومنین کی تسلی کے لیے۔

انکار کرتے ہو اور کیوں اسے محال ٹھہراتے ہو اور اگر یہ خیال ہے کہ فاعل کو ان چیزوں پر قدرت نہیں تو جو خدا آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو ان کے اجزاء کو دوبارہ ملانے اور ان میں زندگی ڈالنے پر بھی قادر ہے قدرت اس کی صفت ذاتی ہے جس کی سبت تمام چھوٹی اور بڑی چیزوں کے ساتھ برابر ہے اور یہ امر بالکل بدیہی ہے اس کا انکار قابل تعجب معلوم ہوتا ہے اور آپ ﷺ کا کافروں سے استفسار تحصیل علم کے لئے نہیں بلکہ بطور تعجب ہے آپ کو اس بات سے تعجب آتا ہے کہ باوجودیکہ قدرت الٰہیہ کے آثار ظاہر اور روشن ہیں تو پھر دوبارہ زندہ ہونے کو کیوں محال سمجھتے ہیں اور اس انکار سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ بعث اور حشر ونشر کا تمسخر کرتے ہیں یعنی اس کا ٹھٹھا اور مذاق اڑاتے ہیں اور جب ان کو دلائل عقلیہ سے بعث اور حشر ونشر کا امکان سمجھایا جاتا ہے تو سمجھتے نہیں دیدہ دانستہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو نبی کی صداقت پر دلالت کرے تو بنا بنا کر تمسخر کرتے ہیں گویا کہ ہنسی اور ٹھٹھے کو دعوت دے کر بلا رہے ہیں اور بجائے تصدیق کے ٹھٹھوں میں اسے اڑانے کی کوشش کرتے ہیں ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نشانی سے مراد انشقاق قمر ہے اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو بدیہی اور حسی چیز کا اس طرح سے انکار صریح جہالت اور حماقت ہے اور برابر یہی کہے چلے جاتے ہیں کہ کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور خاک ہو گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے یا جو ہمارے گزشتہ آباء واجداد جو ہم سے سالہا سال پہلے مر چکے اور مختلف مواضع میں دفن ہو چکے وہ بھی دوبارہ زندہ کر کے مختلف مواضع سے اٹھائے جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ خیر ہم تو نئے مردے ہوں گے شاید ہم دوبارہ زندہ ہو جائیں مگر جو ہم سے صدہا سال پہلے مر چکے ہیں ان کا دوبارہ زندہ ہونا تو بالکل ہی محال معلوم ہوتا ہے مشرکین اپنے گمان میں اس چیز کو خدا کی قدرت سے باہر جانتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ ہاں مرنے کے بعد تم اور تمہارے تمام آباء واجداد سب اٹھائے جاؤ گے درآنحالیکہ تم سب سخت ذلیل اور خوار ہو گے اور تمہارا تکبر کچھ نہ چلے گا پس جس قیامت کو تم محال سمجھ رہے ہو وہ اللہ پر بہت آسان ہے جز ایں نیست کہ وہ صرف ایک ہولناک آواز اور سخت آواز ہو گی اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اس وقت سب زندہ ہو کر قبر سے نکل کھڑے ہوں گے اور قیامت کے اس ہولناک منظر کو ٹکٹکی لگائے ہوئے دیکھتے ہوں گے اور خوف ودہشت کی وجہ سے سب کے ہوش اڑ جائیں گے اور پچھتاویں گے اور حسرت سے یہ کہیں گے ہائے ہماری بربادی یہ تو روز جزا معلوم ہوتا ہے جس کا انبیا نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور یہی وہی فیصلہ کا دن ہے کہ جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے اور جس کو تم محال بتلایا کرتے تھے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اس تکذیب کا مزہ چکھنے کا دن ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہو گا کہ تم ان ظالموں کو اکٹھا کرو جنہوں نے خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ان کو جمع کرو اور ان کے ساتھ ان کے جوڑوں کو بھی جمع کرو یعنی ان کے ہم مشربوں کو جو کفر میں ان کے مشابہ اور مماثل اور ان کے تابع اور پیرو تھے جیسے زنا کاروں کو زنا کاروں کے ساتھ اور سود خوروں کو سود خواروں کے ساتھ اور شراب خوروں کو شراب خوروں کے ساتھ اور بت پرستوں کو بت پرستوں کے ساتھ اور ستارہ پرستوں کو ستارہ پرستوں کے ساتھ اور صلیب پرستوں کو صلیب پرستوں کے ساتھ ایک ایک جگہ اکٹھا کرو مطلب یہ ہے کہ ایک

قسم کے گنہگاروں کو ایک جگہ جمع کرو تا کہ سب مل کر ایک ہی قسم کی حسرت اور افسوس میں مبتلا ہوں اور ہر قسم کی حسرت کا نمونہ لوگوں کی نظروں کے سامنے آ جائے اور ان ظالموں کے ساتھ ان چیزوں کو بھی جمع کرو جن کی یہ ظالم اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے یعنی ان کے ساتھ شیاطین اور اصنام کو بھی جمع کرو اور پھر ان سب کو دوزخ کی راہ دکھاؤ اور پھر یہ حکم ہوگا کہ ذرا ان کو ٹھہراؤ اور ان کو کھڑا رکھو ان سے باز پرس ہوگی ان سے ان کے عقائد اور اخلاق اور اعمال کے متعلق سوال ہوگا اور ان کو سرزنش کی جائے گی تا کہ ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور پھر بطور ملامت اور توبیخ ان سے کہا جائے گا کہ آج تم کو کیا ہوا کہ عذاب کا حکم سننے کے بعد ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے جیسے تم دنیا میں ایک دوسرے کے حامی اور مددگار بنے رہتے تھے ابوجہل نے بدر کے دن کہا تھا نحن جمیع منتصر ہم سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں پس جب تم دنیا میں ایک دوسرے کے ہمدم اور دم ساز اور ہم نوالہ اور ہم پیالہ بنے ہوئے تھے تو آج کیا ہوا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو اس وقت یہ ظالم شرمندگی کی وجہ سے کچھ نہیں بول سکیں گے بلکہ یہ لوگ اس دن گردن جھکائے ہوئے سرافگندہ اور دم بخود ہوں گے پھر آپس میں سوال و جواب کریں گے اور ایک دوسرے کو سرزنش کریں گے اور متبعین اپنے سرداروں کو الزام دیں گے کہ ہم تمہارے کہنے سے گمراہ ہوئے اور تمہاری بدولت ہم کو یہ روز بد دیکھنا پڑا اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کریں گے اور اپنے سرداروں سے بطور الزام یہ کہیں گے کہ تحقیق تم وہی لوگ ہو کہ جو دائیں جانب سے ہمارے پاس آتے تھے یعنی ہم کو حق سے روکتے تھے اور باطل کو اچھا کر کے دکھلاتے تھے یعنی یمین سے حق کے معنی مراد ہیں یا یمین سے قوت اور غلبہ کے معنی مراد ہیں یعنی تم بزور قوت ہم کو راہ ہدایت سے روکتے تھے زبردستی تم نے ہم کو اس راہ پر لگایا سردار اپنے تابعداروں کے جواب میں پانچ باتیں کہیں گے (۱) یہ کہ ہم نے تم پر کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ تم خود ہی اپنے اختیار سے کفر اور نافرمانی کو اختیار کیا تمہارے گمراہ ہونے میں ہمارے گمراہ کرنے کو کوئی دخل نہیں تمہارے ضمیر میں پہلے ہی سے سرکشی اور شرارت کا مادہ تھا ہمارے ساتھ مل کر اور زیادہ شریر ہو گئے۔ (۲) دوم یہ کہ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا اور نہ زبردستی کہ ہم تم کو جبراً و قہراً کفر میں داخل کر دیں اور ایمان سے روکیں یا نکالیں۔ (سوم) یہ کہ بلکہ تم خود حق سے برگشتہ قوم تھے اور از خود تم کفر اور ضلال میں حد سے گزرنے والے تھے ناصحین کا کہنا تو نہ مانا ہمارے کہنے اور بہکانے میں آ گئے اپنی گمراہی کی نسبت ہماری طرف کیوں کرتے ہو جیسا کہ دوسری جگہ شیطان جہنم میں اپنے معترضین اور الزام دینے والوں سے یہ کہے گا ﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی میرا تم پر کوئی زور نہ تھا میں نے تم کو فقط کفر کی دعوت دی تھی تم نے از خود میری دعوت کو قبول کیا اور انبیاء کی دعوت کو رد کیا پس آج مجھے ملامت نہ کرو اپنے نفسوں کو ملامت کرو۔ (چہارم) وہ سردار یہ کہیں گے کہ پس اصل بات یہ ہے کہ ہم پر غضب اور عتاب کے ساتھ اللہ کا کلمہ عذاب لازم اور ثابت ہو گیا پس ہم سب بلاشبہ اب اللہ کے عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے جو مقدر ہو چکا تھا وہ آج ہم پر ٹھیک پڑا اور قسمت کا لکھا ہوا پیش آیا بتلاؤ ہم کیا کریں غرض یہ کہ جو کچھ بھی ہو نتیجہ اور انجام یہ ہے کہ ہم سب پر اللہ کا حکم جاری اور نافذ ہوا اور قسمت کا لکھا ہوا سامنے آ گیا۔ (پنجم) پس حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم کو بہکایا سو اس کی وجہ یہ تھی کہ تحقیق ہم خود بہکے ہوئے تھے جس کفر اور گمراہی پر خود تھے اسی کو ہم نے تمہارے لئے اچھا کر کے دکھایا تا کہ تم

بھی ہم ہی جیسے ہو جاؤ غرض یہ کہ ہم نے تم کو جبرا وقہرا گمراہ نہیں کیا۔

احکم الحاکمین کی طرف سے مشرکوں کو وعید

﴿فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ﴾

فریقین کی اس مخاصمت اور باہمی ملامت کے بعد احکم الحاکمین کی طرف سے یہ فیصلہ ہوگا کہ تم دونوں ہی فریق مجرم ہو پس تحقیق کافروں کے یہ دونوں فریق آج کے دن عذاب میں باہم شریک ہوں گے اس لئے کہ کفر اور گمراہی میں دونوں شریک تھے اگرچہ عذاب کے درجات میں فرق ہو تحقیق ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں کفر کے سردار اور ان کے تابعین سب ہی کفر اور گمراہی کے جرم میں شریک تھے اس لئے دونوں فریق عذاب میں بھی شریک ہوں گے تحقیق ان لوگوں کا جرم یہ تھا کہ یہ لوگ توحید اور رسالت کے منکر تھے ان سب کی حالت یہ تھی کہ جب ان سے لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کرتے اور اکڑتے اور ناک بھوں چڑھاتے اور اس بات کے منکر ہو جاتے اور خالص اللہ کی الوہیت سے منہ موڑتے اور آنحضرت ﷺ جب ان کو توحید اور حق کی دعوت دیتے تو از راہ تکبر وغرور یہ کہتے کہ کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ شاعر ہیں اور نہ مجنون بلکہ حق اور ہدایت کو لے کر آئے ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے جس قدر پیغمبر حق اور ہدایت لے کر آئے آپ ﷺ نے ان سب کی تصدیق کی اور سب کو سچا بتلایا اور ظاہر ہے کہ جو حق اور ہدایت لے کر آئے وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ اور نہ شاعر ہو سکتا ہے اصول دین میں آپ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام متفق اور متحد ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کا کلام کل عقلاء اور مرسلین کے مطابق ہو اور سر تا پا حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہو وہ شاعر اور مجنون کیسے ہو سکتا ہے پھر فرشتوں کی زبانی ان کو حکم سنایا جائے گا بیشک تم سب دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو جس طرح کفر اور تکذیب میں شریک تھے اسی طرح تم سب دردناک عذاب میں شریک ہو گے اور یہ کوئی ظلم نہیں مگر صرف تمہارے اعمال کی جزا ہے جاؤ جہنم میں اور کفر کا مزہ چکھو تمہارا کفر اور تکبر اس سزا کا باعث بنا ہاں اللہ کے وہ بندے عذاب سے نجات پائیں گے جو کفر اور شرک کی نجاست سے اور اس کے میل کچیل سے بھی پاک وصاف تھے جو عمل کرتے تھے وہ خالص اللہ کے لئے کرتے تھے اس میں ان کی کوئی دنیاوی غرض شامل نہ ہوتی تھی ایسے لوگ قیامت کی ذلت اور رسوائی سے محفوظ رہیں گے۔

اب آگے عباد مخلصین کے انعام واکرام کا ذکر فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے عزت وکرامت کی جو روزی مقرر ہے وہ سب کو معلوم ہے جو قرآن میں جا بجا مذکور ہے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق رزق کریم ملے گا ان کے لئے قسم قسم کے میوے ہوں گے جو ان کو بطور کرامت ومنزلت ملیں گے جن سے یہ لذت اندوز ہوں گے اشارہ اس طرف ہے کہ جنت کا رزق بطور لذت وفرحت ہوگا نہ کہ بطور ضرورت ﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا﴾ اور یہ لوگ بڑی عزت والے ہوں گے اور ناز ونعمت کے باغوں میں عیش وآرام سے ہوں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ان کے سامنے لطیف اور بہتی ہوئی شراب کا ایک جام پھرایا جائے گا جو دیکھنے میں سفید ہوگی اور پینے میں پینے والوں کو لذیذ اور مزہ دار معلوم ہوگی اس شراب میں نہ کسی قسم کی خرابی ہوگی یعنی اس کے پینے سے ان کے پیٹ میں کوئی درد نہ ہوگا اور نہ وہ لوگ اس شراب سے بدمست ہوں گے کہ اسے

پی کر بے ہودہ اور بہکی ہوئی باتیں کرنے لگیں بہشتی شراب دنیا کی شراب کی طرح نہ ہوگی کہ عقل خراب کردے یا کوئی اور خرابی ڈالے اور ان تختوں پر ان کے پاس نیچی نگاہ والی اور بڑی آنکھ والی عورتیں ہوں گی یعنی وہ عورتیں باجود کمال حسن و جمال کے عفیفہ ہوں گی کہ سوائے اپنے شوہروں کے کسی پر نظر نہیں ڈالیں گی اور وہ عورتیں رنگت میں ایسی صاف و شفاف ہوں گی جیسے انڈے ہوں کسی پردہ میں پوشیدہ جو گرد وغبار سے بالکل محفوظ ہوں انڈے کا رنگ سفید ہوتا ہے مگر مائل بہ زردی ہوتا ہے اور تمام رنگوں میں یہ رنگ نہایت خوشنما اور غایت درجہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اہل جنت اس عیش و سرور میں ہوں گے کہ ایک دوسرے پر متوجہ ہوں گے ایک کا منہ دوسرے کے سامنے ہوگا اور اس وقت تفریحاً ایک دوسرے سے دنیا کے واقعات کے متعلق کچھ دریافت کریں گے اسی دوران گفتگو میں اہل جنت میں سے ایک کہنے والا اہل مجلس سے کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی ایک ہم نشین تھا جو بعث کا منکر تھا اور مجھے احمق سمجھا کرتا تھا اور وہ بطور تعجب واستبعاد اور بطریق تکذیب وتمسخر مجھ سے یہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو اس بات کو سچ سمجھتا ہے کہ جب ہم مرجائیں گے اور خشک مٹی ہوجائیں گے یا جلا کر ہماری راکھ ہوا میں اڑادی جائے گی اور ہم ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کرکے اپنے اعمال کی جزا دیئے جائیں گے یعنی میرا وہ ساتھی حشر ونشر اور جزاوسزا کا منکر تھا اور اس قسم کی باتوں سے مجھے بہکانا چاہتا تھا اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ اس ساتھی کو دیکھو کہ کس حال میں ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں سے وہ دو بھائی مراد ہیں جن کا ذکر سورۂ کہف کی اس آیت ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ﴾ میں گزرا پھر وہ جنتی بطور تفریح اپنے رفقائے مجلس سے کہے گا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرے اس ساتھ کو جھانک کر دیکھو کہ وہ دوزخ میں کہاں پڑا ہے اور کس حالت میں ہے تاکہ تم کو اپنے مقام میں اور منکر حشر کے مقام میں فرق معلوم ہو جنت بلندی پر واقع ہے ساتویں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب عرش سے نیچے واقع ہے اور جنت میں بالاخانے ہیں اور دوزخ پستی میں ہے اہل جنت، اہل دوزخ کو اپنے بالاخانوں سے جھانک کر دیکھ سکیں گے پھر وہ جنتی جنت کے بالاخانہ سے اس قرین کو جھانکے گا تو اس قرین کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا اور اسے دیکھ کر یہ کہے گا کہ خدا کی قسم تحقیق تو اس بات کے کہ اپنی گمراہ کن باتوں سے مجھے ہلاک کرڈالے کہ تیری طرح میں بھی حشر ونشر کا منکر ہوجاؤں اور اگر میرے پروردگار کا مجھ پر فضل نہ ہوتا تو میں بھی جہنم میں تیرے ساتھ پڑے ہوؤں میں یعنی اگر خدا کی توفیق میری دستگیری نہ کرتی تو تیری طرح میں بھی منکر حشر ہوجاتا اور تیری طرح تباہ ہوجاتا۔

﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾

گزشتہ آیت میں اس جنتی قائل کے کلام کا ذکر تھا جس نے اپنے ایک دنیاوی قرین (ساتھی) کو جہنم میں جھانک کر دیکھا تھا اب اس آیت میں (یعنی ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ﴾) میں پھر اسی کے کلام کا ذکر ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں دو قول نقل کئے ہیں دیکھو تفسیر کبیر [1]: ۷/ ۱۳۸۔

---

[1] قال الامام الرازی قوله تعالیٰ افما نحن بمیتین فیه قولان الاول ان اهل الجنة لا یعلمون فی اول دخولهم فی الجنة انهم لا یموتون فاذا جییء بالموت علی صورة کبش املح وذبح فعند ذلك یعلمون انهم لا یموتون والثانی ان الذی یتکامل خیره وسعادته فاذا عظم تعجبه بها قد یقول ایدوم هذا الی افیبقی هذا الی وان کان علی یقین من دوامه تفسیر کبیر ص: ۷/ ۱۳۸

پہلا قول:...... یہ ہے کہ یہ کلام اسی جنتی قائل کے قول کا تتمہ ہے کہ جو جہنم میں جھانکنے اور اپنے قرین کا حال بد دیکھنے کے بعد کہے گا اور مطلب یہ ہے کہ یہ جنتی قائل جب اپنے قرین کے دیکھنے اور اس سے بات کر کے فارغ ہوگا تو اس کی بدحالی کو دیکھ کر متنبہ ہوگا اور قلب خدا تعالیٰ کے تشکر سے لبریز ہو جائے گا کہ خدا نے مجھ کو کیا عیش و عشرت عطا کی اس وقت یہ جنتی بطور تحدیث نعمت اور بطور فرحت ولذت جوش مسرت میں اپنے یاران مجلس سے یا اپنے اس قرین سے کہے گا جس کو دوزخ میں جھانک کر دیکھا ہے اسے دیکھ کر بطور توبیخ و علامت اس سے یہ کہے گا کہ تو دنیا میں دوبارہ زندگی کا منکر تھا اور اس کو محال بتلاتا تھا اب دیکھ لے کہ کیا ہم اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ [1] اس بے مثال اور لازوال نعمت و کرامت میں نہ رہیں گے اور پھر ہم اس جنت میں رہنے والے کبھی مرنے والے نہیں یعنی ہم اب کبھی نہیں مریں گے بجز پہلی بار موت کے جو دنیا میں ایک بار ہم پر آ چکی اور گزر چکی اور اب ہم زندہ ہیں اور اس دنیاوی موت کے بعد ہم دوبارہ زندہ کئے گئے جس کو تو محال بتلاتا تھا اور اس عیش و عشرت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے الحمد للہ کہ اب ہم مرنے والے نہیں اور نہ کافروں کی طرح آئندہ کسی عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہوں گے جیسا کہ تو اور تیرے ساتھی گرفتار عذاب و مصیبت ہیں تم لوگ مر کر جینے کا انکار کرتے تھے اب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی حق ہے اور جزا و سزا حق ہے ہمارا حال تو تو نے دیکھ لیا اور تمہارا حال یہ ہے کہ ہر لحہ اور ہر لحظہ تم پر موت کی کیفیت اور حالت طاری ہے اور آئندہ عذاب کے لئے ہر لحہ تم کو نئی زندگی مل رہی ہے الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دوبارہ زندگی عطا کر کے جنت میں خلود اور دوام عطا کیا اور سوائے پہلی موت کے کہ جو ایک بار ہم پر دنیا میں واقع ہو چکی ہے اب ہم دوبارہ مرنے والے نہیں اور نہ ہم پر کوئی عذاب ہوگا اور بدون موت کے اور بدون عذاب کے ہم کو یہ دار کرامت عطا فرمایا اہل جنت بطور تحدیث نعمت اپنے خلود اور دوام کا ذکر کریں گے۔

دوسرا قول:...... اس آیت یعنی ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ﴾ میں دوسرا [2] قول یہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی﴾ اہل جنت کا کلام ہے جو فرشتوں سے ہوگا دخول جنت اور دخول جہنم کے بعد موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اہل جنت اور اہل جہنم جب اس منظر کو دیکھیں گے کہ موت ذبح ہوگئی تو اس وقت اہل جنت فرط مسرت سے فرشتوں سے کہیں گے ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ﴾ کہ اب ہم اس کے بعد ہم مرنے والے نہیں دنیا میں تو ہم کو ایک مرتبہ موت آ چکی تو کیا پھر اس پہلی موت کے بعد ہم کو موت نہیں آئے گی اب تو موت کی موت آ چکی ہے اور ہمارے سامنے موت ذبح کر دی گئی ہے موت کے ذبح ہو جانے کے بعد اہل جنت فرشتوں سے یہ سوال کریں گے ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ﴾ الخ تو فرشتے ان کو بشارت دیں گے کہ ہاں اب موت نہیں بلکہ خلود ہی خلود ہے بلا

---

[1] اس عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ﴾ الخ میں ہمزۂ استفہام تقریری کے لئے ہے جو معنی تعجب اور مسرت کو متضمن ہے اور حرف ''فا'' عطف کے لئے ہے جیسا کہ جا بجا اس کے نظائر میں ہے اور اس جملہ کا عطف ایک جملہ مقدرہ پر ہے جس کی تقدیر یہ ہے انحن مخلدون منعمون فما نحن بمیتین ای بمن شانہ الموت وقریء بمائتین تفسیر بیضاوی وحاشیہ شیخزادہ: ۱۵۵/۴ وحاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین: ۲۳۸/۳ وتفسیر قرطبی: ۸۴/۱۵۔

[2] قیل ھو من کلام المومنین للملائکۃ حین یذبح الموت ویقال یا اھل الجنۃ خلود بلا موت ویا اھل النار خلود بلا موت (صاوی: ۲۳۸/۳)

موت کے اور دوام ہی دوام ہے بلا فنا کے یہ بشارت سن کر اہل جنت مطمئن ہو جائیں گے کہ اس زندگانی کے بعد موت نہیں اور نہ آئندہ میں کسی عذاب کا خطرہ ہے ابتدا میں اہل جنت کو یہ علم نہ تھا کہ جنت میں کبھی موت نہیں آئے موت کے ذبح کے بعد اہل جنت کو اس کا علم ہوگا کہ اب موت نہیں فرشتوں کے اس اعلان کو سن کر اہل جنت کی خوشی تو زیادہ ہو جائے گی اور اہل دوزخ کا رنج و غم بڑھ جائے گا اور ناامید ہو جائیں گے کہ اب اس عذاب سے ہم کو کبھی رہائی نہ ہوگی۔ تفصیل کے لئے تفسیر کبیر: ۷/۱۳۸ اور تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۸۴ اور تفسیر روح المعانی: ۲۳/ ۸۴ دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ موت کے ذبح کے بعد اہل جنت کا فرشتوں سے یہ سوال اور استفہام ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ﴾ محض دریافت کرنے کے لئے نہ ہوگا بلکہ اظہار مسرت کے علاوہ اس مشاہدہ کی مزید تاکید کے لئے ہوگا کہ ہم نے جو سمجھا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے نیز کفار کی زجر و توبیخ کو بھی متضمن ہوگا جو بعث کا انکار کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ صرف دنیا کا مرنا ہے اور بس ان دونوں قولوں میں پہلا قول اولیٰ اور بہتر ہے اکثر مفسرین کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اہل جنت کی یہ بات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں بیشک ایسی ہی چیزوں کے واسطے عمل کرنے والوں کو چاہئے کہ عمل کریں بھلا یہ بہتر ہے مہمانی کے لحاظ سے جو نعمتیں اور راحتیں اہل جنت کو حاصل ہیں یا درخت زقوم ❶ جس کو سینڈ کا درخت کہتے ہیں جو نہایت بدبودار اور زہریلا درخت ہے دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے ایک درخت اگایا ہے جو دوزخ ہی کی آگ سے نشو و نما پا رہا ہے جو در حقیقت ظالموں اور کافروں کے واسطے عذاب جہنم کی ایک خاص مصیبت کے درجہ میں ان کے واسطے رکھا گیا ہے کہ جب دوزخی بھوک میں مبتلا ہوں گے تو یہ کھانے کے لئے دیا جائے گا جس کی بدبو اور مزہ کی تلخی سے یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ اس کو حلق سے نیچے اتارا جا سکے یہ آزمائش اور عذاب ہے جس میں ان کو مبتلا کیا گیا کفار مکہ نے جب یہ سنا تو مذاق اڑانے لگے اور اعتراض کرنے لگے کہ کوئی درخت آگ میں کیونکر اگ سکتا ہے اور کیسے اس میں باقی رہ سکتا ہے اس احمقانہ بات یا اعتراض کا جواب آئندہ آیت میں دیا جا رہا ہے باقی ان کلمات اور اہل جنت کی نعمتوں کے بیان اور اہل جہنم کے عذاب اور ان کی شدتوں کو ذکر کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ یہ کافر اس قدر احمق ہیں کہ عذاب اور ثواب اور عزت اور ذلت کے فرق کو نہیں سمجھتے ورنہ مقصود استفہام نہیں۔

اب ان کے اس اعتراض کا کہ درخت آگ میں کیونکر ہو سکتا ہے جواب دیا جا رہا ہے تحقیق ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے ایک فتنہ کر دیا ہے دیکھیں کہ کون مانتا ہے اور کیوں نہیں کافروں کو یقین نہیں آتا کہ آگ میں بھی درخت ہو سکتا ہے کہ جو ان کی مزید گواہی کا سبب بن گیا اس لئے کہ تحقیق وہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے اگتا ہے کافر یہ سن کر کہنے لگے کہ بھلا آگ میں درخت کیسے پیدا ہو سکتا ہے ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ آگ میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے جس کا نام سمندر ہے اور آگ ہی میں وہ جیتا ہے اور آگ ہی سے وہ لذت حاصل کرتا ہے اور آگ ہی سے اس کا نشو و نما ہوتا ہے۔

پس جب خدا تعالیٰ آگ میں ایک حیوان (جاندار) کو پیدا کر سکتا ہے اور آگ ہی کو اس کی غذا بنا سکتا ہے تو کیا وہ

❶ زقوم کا درخت دنیا کے درختوں میں ایک نہایت مسموم اور بدبودار اور بدشکل درخت ہے اگرچہ غیر معروف ہے اور وہ ایسا مسموم ہے کہ اگر بدن سے مس کر جائے تو بدن میں ورم ہو جائے اور وہ مر جائے۔

اس پر قادر نہیں کہ کافروں کے کھانے کے لئے (جو بمنزلہ حیوانات کے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾) آگ میں ایک درخت پیدا کردے اور اسی درخت کو آگ سے محفوظ رکھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زقوم ایک خاص درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جیسے طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس درخت کے خوشے خبیث اور بدشکل ہونے میں شیطانوں کے سر کے مشابہ ہیں شیطانوں کے سر سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ اگرچہ لوگوں نے شیطانوں کو نہیں دیکھا مگر عام طبیعتوں میں شیطانوں کے سروں کا بدشکل اور بدرنگ اور قبیح المنظر ہونا راسخ اور جاگزیں ہے اور تشبیہ کے لئے دیکھنا ضروری نہیں فی الجملہ علم کافی ہے خواہ وہ حسی ہو یا خیالی جس طرح اس آیت میں ہے ﴿مَا هَٰذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کے حسن و جمال کو بے مثال دیکھتے ہیں تو اس کے فرشتے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور جو چیز قبیح المنظر ہوتی ہے تو اس کو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کانہ راس الشیطان۔

اردو زبان میں دیکھو ہر لمبی بات کو کہتے ہیں کہ "بات کیا ہے شیطان کی آنت ہے" کیا شیطان کی آنت کسی نے دیکھی ہے غرض یہ کہ تشبیہ محاورہ عرب کے مطابق اور عرف کے موافق ہے عرب اور عجم میں یہ محاورہ ہے کہ جب کسی کی بدصورتی کو بیان کرنا ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ شیطان کی صورت ہے اور جب کسی کی خوبصورتی بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ فرشتہ کی شکل ہے۔

پس تحقیق کفار جبراً وقہراً اس بدبودار اور بدمزہ درخت سے کھائیں گے اور یہ نہ ہوگا کہ زبردستی کی وجہ سے اس میں کچھ چکھ لیں اور پھر چھوڑ دیں بلکہ اس سے اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہوں گے یعنی ان پر زبردستی کی جائے گی کہ وہ اس سے کھائیں اور خوب کھائیں یہاں تک کہ ان کے پیٹ بھر جائیں۔ اہل جنت کا رزق "رزق کریم" تھا اس کے بالمقابل اہل جہنم کا رزق زقوم اور حمیم ہوگا اس درخت سے کھا کر پیاس سے بے تاب اور بے قرار ہو جائیں گے تو پانی مانگیں گے تو اس کھانے کے بعد ان کے واسطے پیپ سے ملا جلا کھولتا ہوا پانی ہوگا جو ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا ﴿وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ﴾ اور کھانے کی طرح یہ پانی بھی ان کو زبردستی پلایا جائے گا پھر ان کی واپسی اور لوٹنا دوزخ کی طرف ہوگا جو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے اور ان کا اصل ٹھکانا ہے یہ زقوم اور ماء حمیم بطور [1] مہمانی اور ناشتہ ان کو دخول جہنم سے پہلے کھلایا اور پلایا جائے گا اس ناشتہ کے بعد ان کو دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ ان کو زقوم کھلانے اور ماء حمیم پلانے کے لئے جحیم سے نکالا جائے گا اور زقوم اور ماء حمیم کے کھانے اور پینے کے بعد ان کو جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کافروں کو زقوم اور حمیم کھلایا پلایا جائے گا وہ جگہ جحیم سے باہر ہوگی یا جہنم کے کنارہ پر ہوگی کھلانے اور پلانے کے بعد پھر ان کو جحیم کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو ان کے عذاب کی اصل جگہ ہے۔ تفسیر کبیر:

[1] قال الاما الرازی قال اللہ تعالیٰ ثم ان مرجعھم لا لی الجحیم ای بعد اکل الزقوم وشرب الحمیم وھذا ید... انھم عند شرب الحصیم لم یکونوا الحمیم من موضع خارج عن الجحیم فھم یوردون الحمیم لاجل الشرب کما تورد الابل الی الماء ثم یوردون الی الجحیم تفسیر کبیر: ۱۴۲/۷۔

وھذا قول مقاتل ان الحمیم خارج الجحیم وقال القشیری ولعل الحمیم فی موضع من جھنم علی طرف منھا تفسیر قرطبی: ۸۸/۱۵۔

۷ / ۲۲۱۴ وحاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین: ۳ / ۲۳۹۔

حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بھوکے (اور پیاسے) ہوں گے تو آگ سے ہٹا کر ان کو یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دیں گے (موضح القرآن) پس یہ لوگ کبھی جحیم میں ہوں گے اور کبھی حمیم میں ﴿تُكَذِّبٰنِ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ﴾ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی (دوزخیاں را) بعد خوردن ونوشیدن ایشاں را باز بدوزخ برند (فتح الرحمن)

اب آگے فرماتے ہیں کہ اس دردناک عذاب کی وجہ یہ ہوگی کہ انہوں نے آباء واجداد کو گمراہی کی حالت میں پایا پس یہ لوگ ان کی محبت میں بے سوچے سمجھے اور بلا حجت اور بلا دلیل ان کے قدم بقدم تیزی کے ساتھ دوڑے چلے جا رہے ہیں ذرا غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ حق پر نہیں ان کا باطل پر ہونا بالکل ظاہر ہے اور ان کفار موعودین سے پہلے بھی تحقیق اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے جو ان کو گمراہی کے انجام سے ڈراتے تھے مگر انہوں نے حق کو قبول نہ کیا اور گمراہی سے باز نہ آئے پس دیکھ لیجئے کہ ان لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا اور انہوں نے نہ مانا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب نازل ہوا مگر اللہ کے مخلص بندے کہ وہ ایمان اور اخلاص کی وجہ سے اس برے انجام سے اور دنیاوی عذاب سے محفوظ رہے اور اسی طرح وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہیں گے اب آگے چند انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر فرماتے ہیں اور ان بعض منذرین کا ذکر کرتے ہیں جن کی امتوں نے سرکشی کی اور دنیا میں تباہ اور برباد ہوتے موجودہ زمانہ کے کفار کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑیں۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝

اور ہم کو پکارا تھا نوح نے سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں ہم پکار پر، اور بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو اس بڑی گھبراہٹ سے

اور ہم کو پکارا تھا نوح نے، سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں پکار پر۔ اور بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو، اس بڑی گھبراہٹ سے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي

اور رکھا اس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے، اور باقی رکھا اس پر پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے نوح پر سارے

اور رکھی اس کی اولاد وہی رہ جانے والی۔ اور باقی رکھا اس پر پچھلی خلق میں۔ کہ سلام ہے نوح پر سارے

الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا

جہان والوں میں ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو وہ ہے ہمارے ایمان دار بندوں میں پھر ڈبا دیا ہم نے

جہان والوں میں۔ ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو۔ وہ ہے ہمارے بندوں ایماندار میں۔ پھر ڈبویا ہم نے

الْاٰخَرِيْنَ ۝

دوسروں کو ف ۱

دوسروں کو۔

ف ۱ تقریباً ہزار سال تک حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے اور نصیحت کرتے رہے۔ مگر ان کی شرارت اور ایذاء رسانی برابر بڑھتی رہی آخر حضرت نوح علیہ السلام =

قصہ اول نوح علیہ السلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ... الی... ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں توحید اور جنت اور جہنم کا مضمون بیان فرمایا اور پھر اس کے ختم پر یہ فرمایا۔ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ﴾ اب آگے چند پیغمبروں کے واقعات ذکر فرماتے ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مخلصین کو اور ان کے پیروؤں کو دنیا کے عذاب سے بچالیا اسی طرح وہ ان کو آخرت میں عذاب سے بچالے گا اس سلسلہ میں سات قصے ذکر کئے سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اور البتہ تحقیق نوح جو ہمارے عباد مخلصین میں سے تھا جب وہ اپنی قوم کے ایمان سے ناامید ہوا تو اس نے مدد کے لئے ہم کو پکارا ہم نے اس کی پکار کو سنا پس ہم اپنے عباد مخلصین کی پکار اور فریاد کو خوب سننے والے اور جواب دینے والے اور ان کی دعا قبول کرنے والے ہیں نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کے ایمان سے ناامید ہوئے تو یہ دعا کی ﴿اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ اور یہ دعا کی ﴿لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے نوح علیہ السلام کی فریاد سنی اور اس کو اور اس کے پیروؤں کو بڑے بھاری غم اور تکلیف سے بچالیا اور ہم نے صرف اس کی اولاد کو غرق ہونے باقی رہنے والا رکھا اھل سے مراد اہل دین اور اہل ایمان ہیں صرف ان لوگوں کو نجات دی جو ان پر ایمان لائے تھے اور تنہا ان کی ذریت سے زمین کو آباد کیا اور ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والی امتوں میں باقی چھوڑا یعنی ﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ﴾ چھوڑا ساری امتیں ان کو سلام بھیجتی ہیں عالم انس اور عالم جن اور عالم ملائکہ میں ان پر سلام ہے تحقیق ہم اپنے نیکوکار بندوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور نوح بلاشبہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھا ایمان کی برکت سے قہر الٰہی سے محفوظ رہا اور اہل ایمان کے سوا اوروں کو ہم نے غرق کردیا سوائے اہل ایمان کے کوئی پلک مارنے والی آنکھ باقی نہ رہی سب کو ڈبو دیا کافروں میں سے کوئی نہ بچا صرف ان کی وہ ذریت باقی رہی جو ان پر ایمان لے آتی تھی معلوم ہوا کہ طوفان عام تھا اور کل بلاد اور جمیع بلاد کو شامل تھا جمہور علما کا یہی قول ہے اور آیات اور احادیث سب اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ طوفان تمام آبادی اور نوع انسانی کو عام اور شامل تھا اور جن بعض مصنفین نے طوفان کا انکار کیا یا اس میں تاویل کی یا بعض امکنہ کے ساتھ اس کو خاص کیا وہ قول قابل التفات نہیں تفصیل سورۃ ہود کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

= نے مجبور ہو کر اپنے بھیجنے والے کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔ ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ اے پروردگار! میں مغلوب ہوں آپ میری مدد کو پہنچئے۔ دیکھ لو کہ اللہ نے ان کی پکار کیسی سنی اور مدد کو کس طرح پہنچا۔ نوح علیہ السلام کو مع ان کے گھرانے کے رات دن کی ایذاء سے بچایا۔ پھر ہولناک طوفان کے وقت ان کی حفاظت کی۔ اور تنہا اس کی اولاد سے زمین کو آباد کر دیا۔ اور رہتی دنیا تک اس کا ذکر خیر لوگوں میں باقی چھوڑا۔ چنانچہ آج تک خلقت ان پر سلام بھیجتی ہے اور سارے جہان میں "نوح علیہ السلام" کہہ کر یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ تو نیک بندوں کا انجام ہوا۔ دوسری طرف ان کے دشمنوں کا حال دیکھو کہ سب کے سب زبردست طوفان کی نذر کر دیے گئے۔ آج ان کا نام ونشان تک باقی نہیں۔ اپنی حماقتوں اور شرارتوں کی بدولت دنیا کا بیڑا غرق کرا کر رہے۔

(تنبیہ) اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ آج تمام دنیا کے آدمی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں (سام، حام، یافث) کی اولاد سے ہیں۔ جامع ترمذی کی بعض احادیث میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ والتفصیل یطلب من مظانہ۔

وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ

اور اسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم ف۱ جب آیا اپنے رب کے پاس لیکر دل نروگا ف۲ جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو

اور اسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم۔ جب آیا اپنے رب پاس، لے کر دل نروگا۔ جب کہا اپنے باپ کو، اور اس کی قوم کو

مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ

تم کیا پوجتے ہو کیا جھوٹ بنائے ہوئے حاکموں کو اللہ کے سوائے چاہتے ہو ف۳ پھر کیا خیال کیا ہے تم نے پروردگار عالم کو ف۴ پھر نگاہ کی

تم کیا پوجتے ہو؟ کیوں جھوٹ بنائے حاکموں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟ پھر کیا خیال کیا ہے تم نے جہان کے صاحب کو؟ پھر نگاہ کی

نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ

ایک بار تاروں میں پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں، پھر پھر گئے وہ اس سے پیٹھ دے کر پھر جا گھسا ان کے بتوں میں

ایک بار تاروں میں۔ پھر کہا میں بیمار ہوں۔ پھر الٹے گئے اس سے پیٹھ دے کر۔ پھر جا گھسا ان کے بتوں میں،

فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾ فَأَقْبَلُوا

پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے ف۵ تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے ف۶ پھر گھسا ان پر مارتا ہوا داہنے ہاتھ سے ف۷ پھر لوگ آئے

پھر بولا، تم کیوں نہیں کھاتے۔ تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے۔ پھر گھسا ان پر مارتا داہنے ہاتھ سے۔ پھر لوگ آئے

ف۱ انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب ایک راہ پر ہیں، اور ہر پچھلا پہلے کی تصدیق و تائید کرتا ہے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کو نوح علیہ السلام کے گروہ سے فرمایا۔ ﴿وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾۔

ف۲ یعنی ہر قسم کے اعتقادی و اخلاقی روگ سے دل کو پاک کر کے اور دنیاوی خرخشوں سے آزاد ہو کر انکسار و تواضع کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑا۔ اور اپنی قوم کو بھی بت پرستی سے باز رہنے کی نصیحت کی۔

ف۳ یعنی یہ آخر پتھر کی مورتیاں چیز کیا ہیں جنہیں تم اس قدر چاہتے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لیے۔ کیا سچ مچ ان کے ہاتھ میں جہان کی حکومت ہے؟ یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے مالک ہیں؟ آخر سچے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے حاکموں کی اتنی خوشامد اور حمایت کیوں ہے؟

ف۴ یعنی کیا اس کے وجود میں شبہ ہے؟ یا اس کی شان و رتبہ کو نہیں سمجھتے جو (معاذ اللہ) پتھروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہو۔ یا اس کے غضب و انتقام کی خبر نہیں؟ جو ایسی گستاخی پر جری ہو گئے ہو۔ آخر بتلاؤ تو سہی تم نے پروردگار عالم کو کیا خیال کر رکھا ہے۔

ف۵ ان کی قوم میں نجوم کا زور تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دکھانے کو تاروں کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں (اور ایسا دنیا میں کون ہے جس کی طبیعت ہر طرح ٹھیک رہے کچھ نہ کچھ عوارض اندرونی یا بیرونی لگے ہی رہتے ہیں۔ یہی تکلیف اور بدمزگی کی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی ردی حالت دیکھ کر کڑھتے تھے) یا یہ مطلب تھا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں (بیماری نام ہے مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا۔ تو موت سے پہلے ہر شخص کو یہ صورت پیش آنے والی ہے) بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد صحیح تھی۔ لیکن ستاروں کی طرف دیکھ کر "انی سقیم" کہنے سے لوگ یہ مطلب سمجھے کہ بذریعہ نجوم کے انہوں نے معلوم کر لیا ہے کہ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ایک تہوار میں شرکت کرنے کے لیے شہر سے باہر جا رہے تھے۔ یہ کلام سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ساتھ جانے سے معذور سمجھا اور تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ ہی تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔ چنانچہ بت خانہ میں جا گھسے اور بتوں کو خطاب کر کے کہا" یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں کیوں نہیں کھاتے۔" باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں کی سی ہے۔

(تنبیہ) تقریر بالا سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کا "انی سقیم" کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا، ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقعہ تھا۔ اسی لیے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں۔ بلکہ" توریہ" ہے اور اس طرح کا "توریہ" مصلحت شرعی کے وقت مباح ہے۔ جیسے حدیث ہجرت میں "ممن الرجل" کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من الماء" اور=

اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا

اس پر دوڑ کر گھبراتے ہوئے ف۱ بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو ف۲ بولے

اس پر دوڑ کر گھبراتے۔ بولا، کیوں پوجتے ہو؟ جو آپ تراشتے ہو۔ اور اللہ نے بنایا تم کو، اور جو تم بناتے ہو۔ بولے

ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

بناؤ اس کے واسطے ایک عمارت پھر ڈالو اس کو آگ کے ڈھیر میں پھر چاہنے لگے اس پر برا داؤ کرنا پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے ف۳

چنو اس کے واسطے ایک چنائی، پھر ڈالو اس کو آگ کے ڈھیر میں۔ پھر چاہنے لگے اس پر برا داؤ، پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے۔

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ

اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا ف۴ اے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا ف۵ پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک لڑکے کی جو ہوگا

اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف، وہ مجھ کو راہ دے گا۔ اے رب! بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔ پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک لڑکے کی، جو ہوگا

حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا

تحمل والا ف۶ پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو کہا اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو تو کیا

تحمل والا۔ پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو، کہا اے بیٹے! میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں، پھر دیکھ تو، تو کیا

= ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا" رجل یھدینی السبیل "ہاں چونکہ یہ توریہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رتبہ بلند کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھا۔ اس لیے بقاعدہ حسنات الابرار سیئات المقربین، حدیث میں اس کو "ذنب" قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

ف۶ جب بتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگا کہ تم بولتے کیوں نہیں۔ یعنی اعضاء اور صورت تو تمہاری انسانوں کی سی بنا دی لیکن انسانوں کی روح تم میں نہ ڈال سکے۔ پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان، بے حس و حرکت انسان کے سامنے سربسجود ہوں اور اپنی مہمات میں ان سے مدد مطلب کریں؟

ف۷ یعنی زور سے مار مار کر توڑ ڈالا۔ پہلے غالباً سورۃ انبیاء میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے۔

ف۱ لوگ جب اپنے میلے ٹھیلے سے واپس آئے، دیکھا بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ قرائن سے سمجھا کہ ابراہیم کے سوا یہ کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ سب ان کی طرف جھپٹ پڑے۔

ف۲ یعنی جس کسی نے بھی توڑا۔ مگر تم یہ احمقانہ حرکت کرتے کیوں ہو؟ کیا پتھر کی بے جان مورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر تیار کی پرستش کے لائق ہوگی؟ اور جو اللہ تمہارا اور تمہارے ہر ایک عمل و معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے، اس سے کوئی سروکار نہ تھا؟ پیدا تو ہر چیز کو وہ کرے اور بندگی دوسروں کی ہونے لگے، پھر دوسرے بھی کیسے جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟

ف۳ جب ابراہیم علیہ السلام کی معقول باتوں کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ تجویز کیا کہ ایک بڑا آتش خانہ بنا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔ اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت راسخ ہو جائے گی اور ہیبت بیٹھ جائے گی کہ ان کے مخالف کا انجام ایسا ہوتا ہے آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے گا مگر اللہ نے ان ہی کو نیچا دکھلایا۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار کر دی گئی۔ جس سے علیٰ رؤس الاشہاد ثابت ہو گیا کہ تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب مل کر خدائے واحد کے ایک مخلص بندے کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ آگ کی مجال نہیں کہ رب ابراہیم علیہ السلام کی اجازت کے بدون ایک ناخن بھی جلا سکے۔

ف۴ جب قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی سختی شروع کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو "شام" کا راستہ دکھلایا۔

ف۵ یعنی کنبہ اور وطن چھوٹا تو اچھی اولاد عطا فرما، جو دینی کام میں میری مدد کرے اور اس سلسلہ کو باقی رکھے۔

ف۶ یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کی دعا مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہ ہی لڑکا قربانی کے لیے پیش کیا گیا۔ موجودہ تورات سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور اسی لیے ان کا نام "اسماعیل" رکھا گیا۔ کیونکہ "اسماعیل" =

تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ

دیکھتا ہے بولا اے باپ کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو پائے گا اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا ف۱ پھر

دیکھتا ہے؟ بولا اے باپ! کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے۔ تو مجھ کو پائے گا اگر اللہ نے چاہا، سہارنے والا۔ پھر

=دولفظوں سے مرکب ہے۔ "سمع" اور "ایل"۔ "سمع" کے معنی سننے کے اور "ایل" کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی۔ "تورات" میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں میں نے تیری سن لی اس بناء پر آیت حاضرہ میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں۔ اور ویسے بھی ذبح وغیرہ کا قصہ ختم کرنے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا جداگانہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ معلوم ہوا کہ ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ﴾ میں ان کے علاوہ کسی دوسرے لڑکے کی بشارت مذکور ہے۔ نیز اسحاق علیہ السلام کی بشارت دیتے ہوئے ان کے نبی بنائے جانے کی بھی خوشخبری دی گئی اور سورۂ ہود میں ان کے ساتھ ساتھ یعقوب کا مژدہ بھی سنایا گیا۔ جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہوں گے۔ ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ﴾ پھر کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح ہوں گویا نبی بنائے جانے اور اولاد عطا کیے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جن کے متعلق بشارت ولادت کے وقت نہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیے جانے کا۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اس کی متعلقہ رسوم بنی اسماعیل علیہ السلام میں برابر بطور وراثت منتقل ہوتی چلی آئیں۔ اور آج بھی اسماعیل علیہ السلام کی روحانی اولاد ہی (جنہیں مسلمان کہتے ہیں) ان مقدس یادگاروں کی حامل ہے۔ موجودہ تورات میں تصریح ہے کہ قربانی کا مقام "مورا" یا "مریا" تھا۔ یہود و نصاریٰ نے اس مقام کا پتہ بتلانے میں بہت ہی دور از کار احتمالات سے کام لیا ہے حالانکہ نہایت ہی اقرب اور بے تکلف بات یہ ہے کہ یہ مقام "مروہ" ہو جو کعبہ کے سامنے بالکل نزدیک واقع ہے اور جہاں سعی بین الصفا والمروۃ ختم کر کے معتمرین حلال ہوتے ہیں اور ممکن ہے "بلغ معه السعی" میں اسی سعی کی طرف ایماء ہو۔ موطا امام مالک کی ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "مروہ" کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ قربان گاہ یہ ہے۔ غالباً وہ اسی ابراہیم و اسماعیل کی قربان گاہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ عموماً مکہ سے تین میل "منیٰ" میں قربانی کرتے تھے جیسے آج تک کی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اصل قربان گاہ "مروہ" تھی۔ پھر حجاج اور ذبائح کی کثرت دیکھ کر منیٰ تک وسعت دے دی گئی۔ قرآن کریم میں بھی ﴿هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ اور ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ﴾ فرمایا ہے جس سے کعبہ کا قرب ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال قرائن و آثار یہی بتلاتے ہیں کہ "ذبیح اللہ" وہی اسماعیل علیہ السلام تھے جو مکہ میں آخر رہے اور وہیں اس کی نسل پھیلی۔ تورات میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے اور محبوب بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے عمر میں بڑے ہیں۔ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موجودگی میں اکلوتے کیسے ہو سکتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کے جواب میں جس لڑکے کی بشارت ملی اسے "غلام حلیم" کہا گیا ہے۔ لیکن حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت جب فرشتوں نے ابتداءً خدا کی طرف سے دی تو "غلام علیم" سے تعبیر کیا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے "حلیم" کا لفظ ان پر یا کسی اور نبی پر قرآن میں کہیں اطلاق نہیں کیا گیا۔ صرف اس لڑکے کو جس کی بشارت یہاں دی گئی اور اس کے باپ ابراہیم علیہ السلام کو یہ لقب عطا ہوا ہے۔ ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ﴾ اور ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ﴾ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی دونوں باپ بیٹے اس لقب خاص سے ملقب کرنے کے مستحق ہوئے۔ "حلیم" اور "صابر" کا مفہوم قریب قریب ہے۔ اسی "غلام حلیم" کی زبان سے یہاں نقل کیا۔ ﴿سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ دوسری جگہ صاف فرما دیا ﴿وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ شاید اسی لیے سورۂ "مریم" میں حضرت اسماعیل کو "صادق الوعد" فرمایا کہ "ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین" کے وعدہ کو کس طرح سچا کر دکھایا۔ بہرحال "حلیم"، "صابر"، "صادق الوعد" کے القاب کا مصداق ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ ﴿وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا﴾ سورۂ "بقرہ" میں تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کی زبان سے جو دعا نقل فرمائی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ بعینہٖ اسی مسلم کے تثنیہ کو یہاں قربانی کے ذکر میں "فلما اسلما الخ" کے لفظ سے ادا کر دیا۔ اور ان ہی دونوں کی ذریت کو خصوصی طور پر "مسلم" کے لقب سے نامزد کیا۔ بیشک اس سے بڑھ کر اسلام و تفویض اور صبر و تحمل کیا ہوگا جو دونوں باپ بیٹے نے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے متعلق دکھلایا۔ یہ اسی "اسلما" کا صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی ذریت کو "امت مسلمہ" بنا دیا فللہ الحمد علی ذلک۔

ف۱ یعنی جب اسماعیل علیہ السلام بڑا ہو کر اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ سکے اور اس کے کام آ سکے اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب بیٹے کو سنایا تاکہ اس کا خیال معلوم کریں کہ خوشی سے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی کرنی پڑے گی۔ کہتے ہیں کہ تین رات مسلسل یہی خواب دیکھتے رہے۔ تیسرے روز بیٹے کو اطلاع کی، بیٹے نے بلا توقف قبول کیا کہنے لگا کہ ابا جان! (دیر کیا ہے) مالک کا جو حکم ہو کر ڈالیے (ایسے کام میں مشورہ کی ضرورت نہیں۔ امر الٰہی کے امتثال میں شفقت پدری=

اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ

جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل ف۱ اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم تو نے سچ کر دکھایا خواب ف۲ ہم یوں دیتے ہیں

جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل۔ اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب، ہم یوں دیتے ہیں

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا

بدلہ نیکی کرنے والوں کو بیشک یہی ہے صریح جانچنا ف۳ اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے ف۴ بڑا اور باقی رکھا

بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔ بیشک یہی ہے صریح جانچنا۔ اور اس کا بدلہ دیا، ہم نے ایک جانور ذبح کو بڑا۔ اور باقی رکھا

عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ۖ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ

ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے ابراہیم پر ف۵ ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو وہ ہے ہمارے

ہم نے اس پر پچھلی خلق میں۔ کہ سلام ہے ابراہیم پر۔ ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔ وہ ہے ہمارے

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰٓی

ایماندار بندوں میں ف۶ اور خوشخبری دی ہم نے اس کو اسحاق کی جو نبی ہوگا نیک بختوں میں ف۷ اور برکت دی ہم نے اس پر اور

بندوں ایماندار میں۔ اور خوشخبری دی ہم نے اس کو اسحاق کی، جو نبی ہوگا نیک بختوں میں۔ اور برکت دی ہم نے اس پر اور

اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾ۧ ع

اسحاق پر اور دونوں کی اولاد میں نیکی والے ہیں اور بدکار بھی ہیں اپنے حق میں صریح ف۸

اسحٰق پر۔ اور دونوں کی اولاد میں نیکی والے ہیں اور بدکار بھی ہیں اپنے حق میں صریح۔

= مانع نہ ہونی چاہیے) رہا میں! سو آپ انشاء اللہ دیکھ لیں گے کہ کس صبر و تحمل سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ایسے بیٹے اور باپ پر۔

ف۱ تاکہ بیٹے کا چہرہ سامنے ہو مبادا محبت پدری جوش مارنے لگے، کہتے ہیں یہ بات بیٹے نے سکھلائی۔ آگے اللہ نے نہیں فرمایا کہ کیا ماجرا گزرا۔ یعنی کہنے میں نہیں آتا جو حال گزرا اس کے دل پر اور فرشتوں پر۔

ف۲ یعنی بس بس! رہنے دے۔ تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ مقصود بیٹے کا ذبح کرانا نہیں۔ محض تیرا امتحان منظور تھا۔ سو اس میں پوری طرح کامیاب ہوا۔

ف۳ یعنی ایسے سخت حکم کر کے آزماتے ہیں، پھر ان کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ تب درجے بلند دیتے ہیں۔ تورات میں ہے کہ جب ابراہیم نے بیٹے کو قربان کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ روک لو، تو فرشتے نے یہ الفاظ کہے۔ "خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا۔ میں تجھ کو برکت دوں گا۔ اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریت کی طرح پھیلا دوں گا۔" (تورات تکوین اصحاح ۲۲، آیت ۱۵)

ف۴ یعنی بڑے درجہ کا جو بہشت سے آیا۔ یا بڑا قیمتی، فربہ، تیار۔ پھر یہ ہی رسم قربانی کی اسماعیل علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار کے طور پر ہمیشہ کے لیے قائم کر دی۔

ف۵ آج تک دنیا ابراہیم کو بھلائی اور بڑائی سے یاد کرتی ہے۔ علی نبینا وعلیہ الف الف سلام وتحیة۔

ف۶ یعنی ہمارے اعلیٰ درجہ کے ایماندار بندوں میں۔

ف۷ معلوم ہوا وہ پہلی خوشخبری اسماعیل علیہ السلام کی تھی۔ اور سارا قصہ ذبح کا ان ہی پر تھا۔

ف۸ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ دونوں کہا دونوں بیٹوں کو۔ دونوں سے بہت اولاد پھیلی۔ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام ہوئے۔ اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں عرب ہیں جن میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ یعنی اولاد میں سب یکساں نہیں، اچھے بھی جو بڑوں کا =

قصہ دوم ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قال تعالیٰ: ﴿وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ... الى ... وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ﴾

نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا یہ انہی لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام کی مشایعت اور موافقت کی اور اللہ کی توحید پر ایمان لانے والے ہوئے اور قوم کی ایذاؤں پر صبر کیا اور جس طرح تمام عالم حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے بعد میں ہوئے کہا جاتا ہے کہ نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار ایک سو بیالیس سال کا فاصلہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ آنحضرت ﷺ کے حالات سے بہت ملتا جلتا ہے آپ ﷺ کی ملت ان کی ملت کے مطابق اور موافق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ توحید اور اخلاص میں اور دین پر پختگی میں اور مکذبین کی ایذاؤں پر صبر کرنے میں ان کے طریقہ اور نقش قدم پر تھے۔ نوح علیہ السلام کو اللہ نے غرق سے نجات دی اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حرق یعنی آگ میں جلنے سے نجات دی۔

لفظ ''شیعہ'' کی اصل

شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ ''شیعہ'' اس آیت سے ماخوذ ہے اور اپنی تفسیروں میں لکھتے ہیں کہ انبیاء اولوالعزم علیہم السلام ہمیشہ اس بات کی آرزو کرتے تھے کہ کاش شیعہ علی رضی اللہ عنہ علیہ کے ساتھ ہمارا حشر ہو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو شب معراج میں شیعہ علی دکھلائے گئے چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے چہرے نورانی تھے ان کو دیکھ کر بڑی آرزو کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے درخواست اور دعا کی اے اللہ مجھ کو شیعہ علی میں داخل کر چنانچہ ان کی یہ دعا مستجاب ہوتی اور ﴿وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ﴾ میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے یعنی بیشک اس کے شیعوں میں سے ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ سبحان اللہ العظیم، خدا تعالیٰ نے جس کو ادنیٰ عقل بھی دی ہے اس پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ یہ سراسر افتراء اور بہتان عظیم ہے گویا کہ شیعوں کے نزدیک ﴿وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ﴾ کی ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف راجع نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تحقیق ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بلاشبہ شیعان علی رضی اللہ عنہ سے تھے یہ سراسر نظم قرآنی کی تحریف ہے اور قطع نظم ہے اور اضمار قبل الذکر ہے اور ان قباحتوں اور شناعتوں کے علاوہ ایک عظیم قباحت وشناعت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معاذ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام اولوالعزم سے بھی افضل تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت رکھتے تھے جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ دیکھو کید شصت ۶۲ و دوم از مکائد شیعہ تحفہ اثنا عشریہ۔

= بنام روشن رکھیں اور برے بھی جو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے ننگ خاندان کہلانے کے مستحق ہیں۔

(تنبیہ) عموماً مفسرین نے "ومن ذریتھما" کی ضمیر "ابراھیم واسحاق" کی طرف راجع کی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اسماعیل واسحاق علیہما السلام کی طرف راجع کر کے مضمون میں زیادہ وسعت پیدا کر دی۔

شیعہ کس کو کہتے ہیں اور سنی کس کو کہتے ہیں

شیعہ اس کو کہتے ہیں جو اہل بیت کی محبت کا مدعی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتا ہو اور خلافت نبوی کا آپ علیہ الرضوان کو اور آپ علیہ الرضوان کی اولاد کو مستحق سمجھتا ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو خائن اور غاصب سمجھتا ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حق خلافت غصب کیا اور ان سے نفرت اور کراہت رکھتا ہو اور ان سے تبرا کرنے کو ذکر اللہ سے افضل سمجھتا ہو غرض یہ کہ شیعت کی بنیاد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض اور عداوت پر ہے۔

سنی کس کو کہتے ہیں

اور سنی اس کو کہتے ہیں جو سنت نبوی اور جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر ہو اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام اہل بیت اور ازواج مطہرات علیہم الرضوان کی محبت اور عظمت کو فرض اور لازم اور جزء ایمان سمجھتا ہو۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے سامنے اس وقت کا حال ذکر کیجئے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی طرف قلب سلیم لے کر متوجہ ہوئے کہ جو دل عقائد اور اخلاق اور اعمال کی برائیوں سے اور عیبوں سے اور آلائشوں سے پاک تھا جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے جو بت پرست تھے یہ کہا کہ وہ کیا چیز ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو کیا جھوٹ موٹ ہی خدائے برحق کو چھوڑ کر ان جھوٹے معبودوں کی طلب اور تلاش میں پڑے ہوئے ہو اور ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہو پس تم نے تمام جہانوں کے حقیقی پروردگار کے ساتھ کیا خیال اور گمان رکھا ہے کہ وہ کیا چیز ہے اور اس کی کیا شان ہے ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ ستارہ پرست بھی تھے ایک بار کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم کے لوگ اپنے ایک میلہ میں جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو

قوم کے لوگ نجومی تھے پس ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دکھلانے کے لئے ستاروں کی طرف ایک نظر اور کہا کہ میں بیمار ہوں اس لئے میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا اور چونکہ وہ لوگ نجوم کے معتقد تھے اور کواکب کو حوادث عالم میں متصرف سمجھتے تھے اور عام طور پر علم نجوم استعمال بھی کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ اس ستارہ کا طلوع قوم کے نزدیک علامت طاعون کی سمجھی جاتی تھی اس لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کوئی اصرار نہ کیا اور ان لوگوں کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں اس کے ساتھ لے جانے سے اس کی بیماری ہم کو نہ لگ جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کی طرف دیکھنا بطور ابہام اور توریہ تھا لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو نجوم کا کوئی قاعدہ معلوم ہوگا اس لئے لوگوں نے ان پر نہ کوئی انکار کیا اور نہ ساتھ چلنے پر اصرار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انی سقیم کہنے سے مطلب یہ تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے ٹھیک نہیں بیمار ہوا چاہتا ہوں یعنی مجھ کو اپنے اضمحلال سے بیمار ہونے کا اندیشہ ہے نیز ہر شخص کو زمانہ آئندہ کے اعتبار سے مرض الموت کا اندیشہ تو لگا ہی رہتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ تم لوگ جو خدائے برحق کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اس سے میرا دل بیمار اور رنجیدہ اور خستہ ہے اور عجب نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت کچھ بیمار بھی ہوں اگرچہ ظاہراً وہ محسوس نہ ہو لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول کذب اور خلاف واقع ہو بلکہ ایک قسم کا توریہ تھا اور توریہ کے معنی کذب کے نہیں بلکہ توریہ کے معنی یہ ہیں کہ کلام متکلم کی مراد کے اعتبار سے توصیح

لیکن مخاطب اپنی کم عقلی کی وجہ سے متکلم کی اصل مراد کو نہ پہنچ سکے اور اس توریہ اور ابہام سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ ان کے جانے کے بعد ان کے ساتھ کوئی کید اور تدبیر کریں تا کہ ان پر حجت لازم ہو جائے پس انہوں نے بیماری کا بہانہ کیا تا کہ ان کے ساتھ عید میں نہ جائیں ستاروں کی طرف نظر کر کے کہا کہ میں بیمار ہوں یعنی اپنے اندر بیماری کے کچھ آثار محسوس کر رہا ہوں مجھے اپنے اضمحلال سے ایسا نظر آتا ہے کہ شاید میں بیمار پڑ جاؤں نیز موت ہر شخص کے لئے قطعی اور یقینی ہے اور جس پر موت لکھی ہوئی ہے وہ لامحالہ سقیم اور بیمار ہوتا ہی ہے چنانچہ بزرگوں کا قول ہے کہ الحمی برید الموت بخار موت کا ڈاکیہ ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا کہ انی سقیم ایک قسم کا توریہ اور ابہام تھا جس سے مقصود احقاق حق اور ابطال باطل تھا اور ستاروں کی طرف نظر کرنا ایک قسم کا حیلہ تھا جو محض ان کے دکھلانے کے لئے تھا کیونکہ وہ لوگ نجوم کی تاثیر کے قائل تھے اس لئے انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا یقین کر لیا اور ان کو چھوڑ کر چلے گئے اور ساتھ چلنے پر اصرار نہ کیا اس توریہ اور ابہام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض غایت درجہ محمود تھی کہ ان کے جانے کے بعد ان کے بتوں کے ساتھ کوئی کید کریں جس سے ان کا عاجز اور ناقابل الوہیت ہونا ثابت ہو جائے پس وہ لوگ ان کا یہ عذر سن کر ان کو چھوڑ کر چلے گئے کہ خواہ مخواہ بیمار کو کیوں ساتھ لے جائیں ایسا نہ ہو کہ اس کی بیماری ہم کو لگ جائے اس لئے ان سے کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

پس ان کے چلے جانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے اور ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بطور تہکم اور استہزاء اور تمسخر ان کی طرف منہ کر کے کہا کہ یہ کھانے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں ان کو کھاتے کیوں نہیں آخر تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے بھی نہیں وہ خوب جانتے تھے کہ یہ سب جمادات اور پتھر ہیں یہ کیا بولیں گے عید میں جاتے وقت لوگ بتوں کے سامنے کھانا چھوڑ گئے تھے تا کہ وہ متبرک ہو جائے بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام پوشیدہ طور پر ان بتوں کے پاس آئے اور دائیں ہاتھ سے یا پوری قوت سے ان بتوں کو مارنے لگے اور تبر وغیرہ سے ان کو توڑنے لگے یہاں تک کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور توڑ پھوڑ کر وہاں سے چل دیئے پس جب قوم کے لوگ عید سے واپس آئے اور بت خانہ میں داخل ہوئے اور بتوں کا یہ حال دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ کام ابراہیم علیہ السلام کا ہے اس لئے وہ غصہ میں بھرے ہوئے دوڑتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے کہ ان سے باز پرس کریں اور ان پر ملامت اور زجر وتوبیخ کریں چنانچہ ان سے باز پرس شروع کی اور پکڑ ان کو نمرود کے پاس لائے اور گفتگو شروع ہوئی ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم اس چیز کو پوجتے ہو جس کو تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو وہ چیز کیسے معبود ہو سکتی ہے جو خود تمہارے ہاتھوں کی تراشیدہ ہو جو چیز کسی کے تراشنے سے تیار ہو لامحالہ وہ تراشیدہ چیز ذلیل اور خوار ہوگی پھر یہ کہ تراشنے ہو وہ چیز کیسے معبود ہو سکتی ہے جو خود تمہارے ہاتھوں کی تراشیدہ ہو جو چیز کسی کے تراشنے سے تیار ہو لامحالہ وہ تراشیدہ چیز ذلیل اور خوار ہوگی پھر یہ کہ تراشنے سے اس چیز کی نئی شکل بن جاتی ہے جو پہلے نہ تھی پہلی ہیئت باقی نہیں رہتی دوسری ہیئت بن جاتی ہے گویا کہ یہ چیز محض تمہارے تراشنے اور اس نئی شکل بنانے سے معبود بن گئی پہلے سے معبود نہ تھی جس کا فاسد اور باطل ہونا واضح ہے کہ ایک چیز پہلے تو معبود نہ تھی اور اب وہ معبود بن گئی۔

اور حالانکہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور جو چیز تم بناتے ہو اور جو عمل تم کرتے ہو اس کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا یعنی جس طرح تمہاری ذات اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح تمہارے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں اور تمہاری صنعت اور کاریگری بھی اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے جس طرح شجر اور حجر کی ذات کو اللہ نے پیدا کیا اسی طرح اس صنعت اور کاریگری کو جس سے تم نے یہ بت بنایا اور تراشا ہے وہ بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے پس جو چیز تمہاری صنعت اور کاریگری سے تیار ہوئی وہ خدا کیسے ہوسکتی ہے کیا خدا بھی کسی کی صنعت اور کاریگری سے تیار ہوا کرتا ہے۔ خالق لائق عبادت ہے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز قابل عبادت نہیں ہوسکتی لائق عبادت وہ ذات ہے جو ذوات اور صفات اور اعراض اور افعال سب میں مؤثر ہو۔

قوم کا مقصود اس باز پرس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملامت اور زجر و توبیخ تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دلیل اور برہان سے ان کی ایسی حماقت ثابت کی جو زجر و توبیخ کی منتہا تھی اور یہ آیت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ہر عمل اللہ کی مخلوق ہے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور ہر صنعت کو پیدا کرتا ہے (رواہ البخاری فی خلق الافعال)

پس جب ان پر حجت قائم ہوگئی جس کے دفع پر وہ قادر نہ ہوئے اور نہ اس کا انکار کر سکے تو غیظ و غضب میں آ کر ایک دہکتی ہوئی آگ تیار کی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے تو منجنیق کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کو اس دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا اللہ کی قدرت اور رحمت سے جب وہ آگ ابراہیم علیہ السلام پر بردوسلام ہوگئی تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت واضح اور روشن ہوگئی بتوں کے توڑنے سے شرک باطل ہوگیا اور آگ کے بردوسلام ہوجانے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت و رسالت ثابت ہوگئی غرض یہ کہ اس طرح سے توحید اور رسالت دونوں کا اثبات ہوگیا۔

خلاصۂ کلام:...... یہ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے دلیل اور برہان سے ان کو قائل کر دیا کہ خود تراشیدہ چیز ہرگز ہرگز قابل عبادت نہیں ہوسکتی تو قوم کے لوگ اس جواب باصواب سے مبہوت اور حیران رہ گئے اور جھلا کر بولے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایک بڑا آتش خانہ بناؤ جو آگ سے لبریز ہو پھر دہکتی ہوئی آگ میں ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دو پس ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بڑے ہی مکر کا ارادہ کیا کہ اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں کہ جل کر راکھ ہوجائے اور یہ قصہ ہی ختم ہو پس ہم نے ان کو زیر کر دیا اور سب کو نیچا دکھایا کہ اس دہکتی ہوئی آگ کو ان پر باغ و بہار بنا دیا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حقانیت اور صداقت ثابت ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ اللہ اپنے عباد مخلصین کی اس طرح سے حفاظت کرتا ہے اور یہ معجزہ ان کی نبوت و رسالت کی دلیل بنا جس کا مفصل قصہ سورۃ انبیاء میں گزر چکا ہے۔

اور ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلنے کے بعد جب ان کے ایمان لانے سے بالکل ناامید ہوگئے تو ان کے اندر رہنا شاق گزرا تو ارادہ ہجرت کا فرمایا کہ کافروں سے مفارقت اور علیحدگی ہی میں دین و دنیا کی خیر و برکت ہے تو یہ کہا کہ اب میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں جہاں میرا پروردگار مجھ کو لے جائے امید ہے کہ وہ مجھے ایسی جگہ پہنچا دے گا جہاں میرے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح ہوگی چنانچہ بحکم خداوندی سرزمین شام کی طرف ہجرت فرمائی اور حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام ہمراہ تھیں اور جب شام پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ مجھ کو ایسا فرزند عطا فرما جو نیرے

نزدیک نیکوکاروں میں سے ہو پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو ایک بردبار فرزند کی بشارت دی جس سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں حسب بشارت حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے غلام حلیم پیدا ہوا جس کا حلم ظاہر ہوتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور التجا کے بعد اسمٰعیل علیہ السلام فرزند عطا کیا جس کی نسبت توریت میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے ابراہیم علیہ السلام اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ مند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس سے بڑی قوم بناؤں گا (توریت سفر پیدائش باب ۱۷ درس ۲۰) بعد چندے حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکم خداوندی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ لائے اور تربیت کے لئے جبل فاران کے قریب ان کو چھوڑ کر ملک شام واپس ہو گئے وقتاً فوقتاً براق پر سوار ہو کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے مکہ آتے۔

پس جب وہ غلام حلیم اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ چلنے اور دوڑنے لگے اور بقول بعض سات برس کے اور بقول بعض سترہ برس کے ہو گئے اتفاق سے اس زمانہ میں ابراہیم علیہ السلام شام سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے آئے تھے تو تین رات مسلسل یہ خواب دیکھا کہ وہ اس فرزند کو ذبح کر رہے ہیں پہلی رات جب یہ خواب دیکھا تو محو حیرت ہوئے پھر جب تین دن تک یہی خواب دیکھا تو ارشاد خداوندی کو سمجھ گئے اور اس غلام حلیم کے ذبح کا عزم کر لیا۔

پس جب ابراہیم علیہ السلام ذبح فرزند کا عزم کر چکے تو مناسب جانا کہ اس فرزند سے بھی اس خواب کا ذکر کر دیا جائے جس کے ذبح کے متعلق یہ خواب دیکھا ہے تا کہ اس کی رائے بھی معلوم ہو جائے اور اس کے حلم اور صبر کا۔ اور کمسنی میں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہو جائے اس لئے اس فرزند سے بطور مشورہ کہا اے میرے چھوٹے برخوردار یہ تصغیر ترحم اور شفقت کے لئے ہے تحقیق میں برابر خواب میں تجھ کو ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں پس تو دیکھ لے اور سوچ لے کہ اس بارہ میں تیری کیا رائے ہے اور تیرا دل کیا کہتا ہے اب اپنی مرضی بتلا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس ذکر سے مقصد یہ تھا کہ ان کے حلم اور صبر کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے کس درجہ تیار ہیں بیٹے نے باپ کی یہ بات سن کر کہا اے میرے باپ آپ کو جو خدا کی طرف سے حکم دیا جا رہا ہے آپ اس کو بلا تامل و تردد کر گزریئے اور اس میں دیر نہ کیجئے اور میری تکلیف کا ذرہ برابر خیال نہ کیجئے اور انشاء اللہ آپ مجھ کو ضرور صابروں میں سے پائیں گے میں دل و جان سے بسر و چشم خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے تیار ہوں اے پدر بزرگوار! اللہ کی طرف آپ کو جو حکم ہوا وہ فوراً بجا لایئے اسماعیل علیہ السلام نے صبر کا وعدہ فرمایا مگر اس کی اللہ مشیت کے ساتھ معلق کیا یعنی اس کے ساتھ لفظ انشاء اللہ کہا جو ان کی کمال معرفت اور تواضع کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنی قوت پر بھروسہ نہیں کیا کہ میں خود صبر کر سکو بلکہ اللہ کی مشیت پر اس کو معلق کیا پس جب دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی اور ابراہیم علیہ السلام تو بیٹے کو خدا پر فدا کرنے کے لئے اور بیٹا خدا کے لئے قربان ہونے کے لئے آمادہ ہو گیا اور خود حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا اے باپ مجھے اوندھا کر دیجئے تا کہ میری صورت سامنے ہونے سے شفقت پدری حکم خداوندی کی تعمیل میں مانع نہ بنے اور میری ماں کو میرا سلام کہہ دینا۔

اور ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پیشانی کے بل زمین پر گرا دیا تا کہ ان کو ذبح کریں اور منہ کے بل ان کو اوندھا لٹا کر ان کے گلے پر چھری چلانے لگے باتفاق روایات یہ ثابت ہے کہ چھری کند ہو گئی اور گلا نہ کٹ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرزند کو

سلامت رکھا اور اس کے فدیہ میں مینڈھے کے ذبح کا حکم دیا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو ذبح ولد کے طبعی رنج وغم سے بچالیا اور جب ابراہیم علیہ السلام اس طرح سے ہمارا حکم بجالایا تو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ اے ابراہیم علیہ السلام تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا خواب میں تو نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے موافق عمل درآمد کرنے میں تو نے کوئی قصور اور کوتاہی نہیں کی ابراہیم علیہ السلام نے اگرچہ بیٹے کو ذبح نہیں کیا مگر جتنا کام ان کے امکان میں تھا وہ کرگزرے اگرچہ ذبح واقع نہیں ہوا لیکن تو نے تعمیل حکم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تو فرشتہ نے آواز دی کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا پس ابراہیم علیہ السلام نے فرشتہ کی آواز سن کر اس طرف توجہ کی تو دیکھا کہ ایک سفید مینڈھا بڑے سینگوں والا اور بڑی آنکھوں والا سامنے کھڑا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فدیہ کے لئے بھیجا ہے۔

حضرت استاذ مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ انی ذبحتك کہ میں نے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیا بلکہ یہ دیکھا تھا کہ ﴿أَنِّىٓ أَذْبَحُكَ﴾ کہ میں ذبح کر رہا ہوں یعنی ذبح کا جو فعل ہے گردن پر چھری چلانا وہ کر رہا ہوں سو اتنا کرنے سے وہ خواب میں سچے ہو گئے جتنا خواب دیکھا تھا اتنا پورا ہو گیا چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے تعمیل حکم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو ذبح سے بچالیا تحقیق ہم اسی طرح امتحان عظیم کے بعد نیکوکاروں کو ایسی ہی جزائے جمیل عطا کرتے ہیں کافروں کی عزت و وجاہت وقتی ہوتی ہے اصل عزت ایمان اور احسان کی ہے امتحان بیشک سخت تھا مگر تو پورا اترا ہم بھی خوش ہوئے اور تیرے فرزند کے عوض فدیہ کے لئے یہ مینڈھا بھیجتے ہیں جبرئیل علیہ السلام اس کو لے کر آئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے وہ ذبح ہوا تحقیق یہ بات جو ابراہیم علیہ السلام کو پیش آئی کھلی اور صریح آزمائش تھی جس سے مخلص اور غیر مخلص میں خوب تمیز ہو جاتی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ اس حکم سے ہمارا مقصود فقط ابتلا اور امتحان یعنی آزمانا تھا حقیقۃً ذبح ولد مقصود نہ تھا سو امتحان میں تو پورا اترا اور کامیاب رہا اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کے فدیہ میں قربانی کا ایک عظیم جانور عطا کیا جو نہایت سفید اور بڑے سینگوں والا اور بڑی آنکھوں والا تھا اور بڑا فربہ تھا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ وہ مینڈھا شبیر پہاڑ سے اترا تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ وہ مینڈھا تھا جس کو ہابیل علیہ السلام نے قربان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا تھا اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک وہ جنت میں چرتا رہا یہاں تک کہ وہ جنت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے لئے اتارا گیا۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۷ ص ۱۵۔ اس طرح سے فدیہ نے اسماعیل علیہ السلام کی جان بچائی اور آئندہ کے لئے قربانی کا قانون مقرر کر دیا کہ لوگوں کو چاہئے کہ سنت ابراہیمی کے مطابق قربانی کیا کریں اور جو شخص حیوان کی قربانی کرے گا اس کو ذبح ولد کا ثواب ملے گا۔

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر پچھلی امتوں میں باقی چھوڑا کہ بعد میں آنے والی امتیں ان کو ذکر خیر کے ساتھ یاد کرتی رہیں خاص کر یہ آخری امت یعنی امت محمدیہ تشہد میں درود ابراہیمی پڑھتی ہے سلام ہو ابراہیم علیہ السلام پر بعد میں آنے والے بھی ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھیں گے ہم اپنے نیکوکاروں کو ایسی جزا دیا کرتے ہیں بیشک ابراہیم علیہ السلام ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا جنہوں نے ایمان اور اخلاص اور عبودیت کا حق ادا کر دیا۔

دوسری بشارت کا ذکر

﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ... الی ... وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ﴾

گزشتہ آیات میں پہلے فرزند یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بشارت کا ذکر تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے اور اکلوتے بیٹے تھے اور ان کے ذبح اور فدیہ کا حال ذکر کیا اب اس کے بعد ان کے دوسرے فرزند یعنی اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسماعیل علیہ السلام کے بعد ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک دوسرے فرزند کی بشارت دی کہ تمہارے ایک اور فرزند ہوگا جس کا نام اسحاق ہوگا اور وہ نبی ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا اور باتفاق علماء حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔ تفسیر ● قرطبی: ۱۵ / ۱۱۳۔ جو حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے اور ان کی نسل میں ہزاروں نبی اور بادشاہ ہوئے اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق پر یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام پر برکتیں نازل کیں اور ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام پر کہ ان کی نسل میں کثرت سے انبیاء ہوئے۔

حق جل شانہ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو بشارتیں ملیں اول غلام حلیم کی بشارت ملی جو ان کی دعا اور التجا اور سوال کے بعد ملی یعنی ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ کے بعد غلام حلیم اسماعیل علیہ السلام کی بشارت ملی اور دوسری بشارت یعنی اسحاق علیہ السلام کی بشارت ہے وہ بلا سوال اور دعا کے ملی جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے سال کی تھی۔

اور پھر آگے چل کر ان دونوں کی نسل سے نیکوکار بھی ہوں گے اور بدکار بھی جو اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والے ہوں گے یعنی آئندہ چل کر ان دونوں کی نسل میں سے نیکوکار اور بدکار دونوں قسم کے لوگ ہوں گے معلوم ہوا کہ بدون ایمان اور عمل صالح کے محض نسب پر فخر بیکار ہے۔ عام طور پر مفسرین نے ﴿بٰرَكْنَا عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی اور علیٰ ہذا ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا﴾ کی ضمیر تثنیہ بھی ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے مگر حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں یہ کہا دونوں بیٹوں کو (اسمٰعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کو) دونوں سے بہت اولاد پھیلی اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں نبی گزرے بنی اسرائیل کے اور اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں عرب جن میں ہمارے پیغمبر ﷺ ہوئے (انتہی) اور سیاق وسباق کے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ علیہ کی ضمیر پہلے بیٹے یعنی اسماعیل علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے وعلی اسحاق کا اس پر عطف ہو کہ ایک ہی جملہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں پر برکتیں نازل کرنے کی خبر دی کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کو دینی اور دنیاوی برکتوں سے نوازا اور آئندہ آیت ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا﴾ میں دونوں بیٹوں کی نسل اور اولاد کے متعلق خبر دی پس ضمیر تثنیہ لانے سے کوئی خاص اثنینیت اور مغایرت نہیں معلوم ہوتی اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی ذریت اور اولاد علیحدہ علیحدہ نہیں دو بیٹوں اور دو بھائیوں کی اولاد کو علیحدہ علیحدہ نسل اور خاندان کہا جاسکتا ہے بیٹے کی اولاد بعینہ باپ کی اولاد ہے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ کی تفسیر میں اول مشہور قول کی بنا پر علیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی اور پھر دوسرا قول یہ نقل کیا کہ علیہ کی ضمیر اسماعیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور کہا

● قال القرطبی ولیس تختلف الرواۃ ان اسمعیل کان اکبر من اسحاق بثلاث عشرۃ سنۃ (تفسیر قرطبی: ۱۵ / ۱۱۳)۔

کہ صحیح اور راجح قول اور ظاہر قرآن کے مطابق یہی معلوم ہوتا ہے کہ علیہ کی ضمیر اسماعیل علیہ السلام ذبیح کی طرف راجع کی جائے کیونکہ ماقبل میں تمام قصہ اسماعیل علیہ السلام ذبیح کا ذکر فرمایا اور پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر فرمایا ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور پھر دونوں یعنی اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کے ذکر کے بعد فرمایا۔ ﴿بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ ای بارکنا علیٰ اسماعیل واسحاق۔

چونکہ ماقبل میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے اس لئے علیہ کی ضمیر اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ دو بیٹوں اور دو بھائیوں کو ملا کر عطف کے ساتھ ذکر کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے اور علیٰ ہذا ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا﴾ کی ضمیر تثنیہ بھی اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ دیکھو تفسیر ❶ قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۵۔

ذبیح اللہ کی بحث

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند صالح کی دعا کا ذکر ہے اور پھر اس دعا کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا خدا تعالیٰ کے لئے اس کو قربانی کے لئے پیش کرنے کا ذکر ہے اہل اسلام کے نزدیک وہ لڑکا جو اللہ کے نام پر ذبح ہوا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اہل کتاب یہود و نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ اسحاق علیہ السلام تھے اہل کتاب نے اہل اسلام پر حسد کی بنا پر حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا کہ یہ فضیلت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے ثابت نہ ہو لیکن آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ اسحاق علیہ السلام اور یہی جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اور یہ ہی صحیح قول ہے کہ ذبح کا تمام واقعہ اسماعیل علیہ السلام سے متعلق ہے کیونکہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد کا ہے جو مکہ میں پیش آیا نہ کہ ملک شام میں اور بعض علماء اہل سنت سے جو یہ منقول ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے سو ان کا یہ قول صحیح نہیں ان کا یہ قول علماء اہل کتاب سے ماخوذ ہے یا توریت سے ماخوذ ہے اور موجودہ توریت اول تو وہ توریت نہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی صفحہ ہستی پر اس توریت کا کہیں نام و نشان نہیں دوم یہ کہ جو توریت موسیٰ علیہ السلام سے موسوم ہے۔ وہ درحقیقت ان مضامین کا مجموعہ ہے جو بعد میں تصنیف ہوئے پھر وہ بھی تحریف سے خالی نہیں بلکہ تغیر و تبدل سے مملو ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ہجرت کر کے ارض مقدسہ میں آئے تو زمانہ تنہائی میں انس اور محبت کے لئے ایک فرزند صالح کی دعا مانگی اور عرض کیا ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اے اللہ مجھ کو ایک نیک فرزند عطا فرما جو تیرے نیک بندوں میں سے ہو اور تیری طاعت میں اور دین کی خدمت میں میری مدد کرے اور سفر و حضر میں میرے لئے باعث انس ہو اور میرے بعد میرا جانشین ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ایک غلام حلیم کی ان کو بشارت دی ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ چنانچہ اس دعا اور بشارت کے بعد حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے پیدائش کے

❶ قال الامام القرطبی قولہ تعالیٰ بارکنا علیہ وعلی اسحاق ای بارکنا علی ابراہیم و اولاد علی اسحاق حین اخرج انبیاء بنی اسرائیل من صلبہ وقد قیل ان الکنایۃ فی (علیہ) تعود علی اسمعیل وانہ ہو الذبیح قال المفضل الصحیح الذی یدل علیہ القران انہ اسمعیل وذالک انہ قص قصۃ الذبیح فلما قال فی اخر القصہ وفدیناہ بذبح عظیم ثم قال وبارکنا علیہ ای علی اسمعیل وعلی اسحاق کنی عنہ لانہ قد تقدم ذکرہ ثم قال ومن ذریتہما فدل علی انہا ذریۃ اسمعیل واسحاق۔ ۱ھ: ۱۱۳/۱۵۔

کچھ دنوں بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکم خداوندی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو وادی غیر ذی زرع فاران کے جنگل اور بیابان میں یعنی مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے اور اس بارے میں اہل اسلام اور اہل کتاب کا کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے فرزند اور اکلوتے بیٹے ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور حضرت اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ابراہیم علیہ السلام کا اصل قیام ملک شام میں اپنی بی بی سارہ علیہا السلام کے ساتھ تھا اور اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کے کوئی اولاد نہ تھی مگر حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے بکثرت مکہ مکرمہ آتے رہتے تھے اور یہ آمد و رفت براق پر ہوتی تھی دیکھ کر واپس ہو جاتے صبح کو آتے اور شام کو واپس ہو جاتے۔ دیکھو: البدایۃ [1] والنہایۃ لابن کثیر: ۱/ ۱۵۹۔

کچھ عرصہ بعد اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے اور چلنے پھرنے لگے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ارشاد فرمایا کہ اپنے فرزند وحید اور اکلوتے بیٹے کو ہمارے نام پر ذبح کرو جس سے مقصود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ارشاد فرمایا کہ اپنے فرزند وحید اور اکلوتے بیٹے کو ہمارے نام پر ذبح کرو جس سے مقصود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبت کا امتحان تھا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دل و جان سے اس حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو گئے اور یہ تمام واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے بہت پہلے کا ہے معلوم ہوا کہ ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ سے اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت مراد ہے اور ذبیح اللہ بھی غلام حلیم ہے اور ﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ﴾ سے اسی غلام حلیم کے ذبح کا فدیہ مراد ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غلام حلیم کی بشارت اور ان کے ذبح اور ان کے فدیہ کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر فرمایا اور ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ﴾ فرمایا اور یہ دوسری بشارت ہے جو پہلی بشارت کے عرصہ بعد دی گئی اور اس بشارت کو بحرف عطف ذکر سے جس کا پہلی بشارت ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ پر عطف ہے معلوم ہوا کہ یہ بشارت اور یہ قصہ پہلی بشارت اور قصہ سے مختلف ہے اور مغایر ہے اس لئے کہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے پہلی خوشخبری حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق تھی اور دوسری خوشخبری حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق ہے جو واقعہ ذبح کے بعد دی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب پہلے لڑکے کے ذبح پر حسب حکم الٰہی مستعد ہو گئے اور امتحان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فدیہ بھیج کر ان کو بچا لیا اور کمال عنایت والطاف سے بعد چندے ایک اور فرزند کی بشارت دی یعنی اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی اور فرمایا ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ﴾ ان آیات میں دو بشارتوں کا ذکر ہے ایک فرزند کی بشارت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال اور التجا کے بعد ہوئی اور دوسرے فرزند کی بشارت بدون سوال اور التجا کے اور مختلف وقتوں میں ہوئی اول اللہ تعالیٰ نے بڑے بیٹے اور اکلوتے بیٹے کی بشارت کا ذکر کیا اور پھر ان کے چھوٹے بھائی اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کیا اور اس دوسری بشارت کا پہلی بشارت پر عطف کیا معلوم ہوا کہ یہ دوسری بشارت پہلی بشارت سے مغایر اور مختلف ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تقریباً چودہ سال بڑے تھے۔

[1] فقد روی ان الخلیل کان یذھب فی کثیر من الاوقات راکبا علی البراق الی مکۃ یطلع علی الولد (ابنہ) ثم یرجع کذا فی البدایۃ والنہایۃ۔

(۳) پھر دونوں فرزندوں کی بشارت کے بعد حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق علیہ السلام پر۔ عموماً مفسرین نے علیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے اور علیٰ ہذا اس کے بعد والی آیت ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ﴾ ضمیر تثنیہ بھی ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے مگر سیاق وسباق کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ ﴿بٰرَكْنَا عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے جن کے ذبح کا مفصل قصہ قریب میں ذکر ہو چکا ہے اور اب علیہ پر وعلی اسحاق کا عطف نہایت مناسب ہے اس لئے کہ علیہ کی ضمیر پہلے اور بڑے بیٹے کی طرف راجع ہے اور ﴿بٰرَكْنَا عَلَيْهِ﴾ میں اول پہلے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے اور وعلی اسحاق کا علیہ پر عطف ہے جس میں دوسرے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے بیٹے کی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے پر بھی برکت نازل کی اور علی ھذا ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ﴾ کی ضمیر تثنیہ عام طور پر مفسرین نے ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے مگر شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اسمٰعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے غرض یہ کہ ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ میں علیہ کی ضمیر کا اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع ہونا اور پھر ﴿وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ کا اس پر عطف ہونا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ذبیح اسحاق علیہ السلام نہیں بلکہ اسمٰعیل ہیں عطف مغایرت کو چاہتا ہے ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے اور ایک بیٹے کو دوسرے بیٹے کے مغایر کہا جا سکتا ہے مگر بیٹے کو باپ کے مغایر نہیں کہا جا سکتا۔

(۴) نیز حق تعالیٰ نے جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ونبیا وہ نبی بھی ہوں گے معلوم ہوا کہ اسحاق علیہ السلام ذبیح نہ تھے اس لئے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اسحاق علیہ السلام نبی بھی ہوں گے تو ایسی صورت میں امتحان میں ان کے ذبح کا حکم دینا بے معنی ہے پھر اس بشارت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ کہ اسحاق علیہ السلام کا بیٹا بھی ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا معلوم ہوا کہ اسحاق علیہ السلام اتنی عمر کو پہنچیں گے کہ ان کے بیٹا بھی ہوگا تو ایسی حالت میں اگر ذبح کا حکم ہوتا تو نہ نبوت ملتی اور نہ نکاح ہوتا اور نہ بیٹا ہوتا نیز حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کو ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ﴾ سے مستقلاً ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قصہ مستقل ہے جس کا پہلے قصہ سے تعلق نہیں۔

(۵) نیز جس ولد کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ اس کے بلوغ سے پہلے دیا گیا اس لئے کہ نص قرآنی میں یہ قید مذکور ہے ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ کہ جب وہ لڑکا چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تب اس کے ذبح کا حکم آیا اور یہ حالت بلوغ سے بہت پہلے ہوتی ہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت میں ﴿وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ کے علاوہ ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ بھی فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام بلوغ کو پہنچیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے اگر ان کے ذبح کا حکم ہوتا تو ان کی موت یقینی ہوتی اور عقلاً یہ بات غیر معقول ہے کہ اولاد عطا کئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں نیز نبوت عموماً چالیس سال کی عمر میں ملتی ہے۔

(۶) نیز اہل اسلام اور اہل کتاب کے اتفاق سے اور توریت سفر پیدائش باب ۲۲۔۱۔۲ سے صراحۃً وحید اور بکر کا لفظ موجود ہے اور باتفاق یہود ونصاریٰ اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام تھے نہ کہ اسحاق علیہ السلام اس لئے کہ اسحاق علیہ السلام واقعہ ذبح کے بعد پیدا ہوئے ہیں وہ اکلوتے بیٹے نہ تھے امتحان کے لئے اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت اسحاق علیہ السلام کیسے اکلوتے بیٹے ہو سکتے ہیں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے اور توریت کے بعضوں نسخوں میں

جو وحید اور اکلوتے بیٹے کے بعد لفظ اسحاق کا بڑھا دیا ہے وہ یہود کی دیدہ دانستہ تحریف ہے اکلوتا بیٹا وہ ہے کہ جس کی موجودگی میں کوئی دوسرا بیٹا نہ ہو اور یہ بات صرف اسمٰعیل علیہ السلام پر صادق آتی ہے کہ ان کی موجودگی میں ان کے سوا اور کوئی بیٹا نہ تھا۔

(۷) اس کے علاوہ یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا اور اس کے آثار اور یادگاروں کا مکہ اور منیٰ میں ہونا اور مدتوں تک فدیہ کے مینڈھے کے سینگوں کا خانہ کعبہ میں معلق رہنا یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام واقعہ مکہ میں پیش آیا نہ کہ ملک شام میں شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے فدیہ کے دنبہ کے دونوں سینگوں کو خانہ کعبہ کے اندر دیکھا ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام بچپن سے مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور اسحاق علیہ السلام ملک شام کے شہر کنعان میں رہتے تھے اور کنعان نہ مقام حج ہے اور نہ قربان گاہ ہے بخلاف منیٰ کے کہ وہ قربان گاہ ہے اور مکہ مقام حج ہے اور بطور یادگار ابراہیمی و اسمٰعیلی حج اور قربانی اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمرات کی سنت آج تک بنی اسماعیل علیہ السلام میں جاری ہے اور حج اور قربانی ملت اسلام کا عظیم شعار ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے اب تک مکہ اور منیٰ میں چلی آ رہی ہے۔

(۸) اصمعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن علاء رحمہ اللہ سے پوچھا (کہ دو بیٹوں میں سے) ذبیح کون تھا تو مجھ سے کہا اے اصمعی رحمہ اللہ تیری عقل کہاں جاتی رہی کہ تجھ کو پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ مکہ میں اسحاق علیہ السلام کہاں تھے بلکہ وہاں تو اسماعیل علیہ السلام تھے اور ذبح اور قربانی کا مقام بھی مکہ کی سرزمین میں ہے اور اسماعیل علیہ السلام ہی نے اپنے باپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر میں مدد دی تھی۔ تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۰۰۔

(۹) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا ابن الذبیحین اے دو ذبیح کے فرزند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے جو عطا کیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی کچھ عطا کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور ہنسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت اپنی مجلس میں بیان کی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیر المومنین وہ دو ذبیح کون ہیں تو فرمایا ایک ذبیح تو حضرت اسماعیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ ہیں جس کا قصہ یہ ہے کہ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم دیا تو اللہ سے یہ نذر کی کہ اگر اللہ نے یہ کام آسان کر دیا تو ایک بیٹے کو خدا کے نام پر ذبح کروں گا۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے قرعہ اندازی میں ذبح کا قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا خاندان اور دیگر احباب نے بیٹے کے ذبح سے ان کو روکا اور مشورہ دیا کہ فدیہ میں سو اونٹ قربان کر ڈالو عبدالمطلب نے اس کو منظور کیا اور عبداللہ کی طرف سے فدیہ میں سو اونٹ دیئے اس طرح سے حضرت عبداللہ حکماً ذبیح اللہ ہو گئے اس لئے حاضر ہونے والے شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ابن الذبیحین سے خطاب کیا اے دو ذبیح کے بیٹے پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ تھے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک وابن جریر فی تفسیرہ وغیرھما روح المعانی: ۲۳/۱۲۳ وتفسیر قرطبی: ۱۵/۱۱۳۔

(۱۰) نیز اسی طرح ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا انا ابن الذبیحین میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں۔ دیکھو البحر المحیط: ۷/۳۶۹ اور روح المعانی: ۲۳/۱۲۴۔ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کہ میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور بعض سلف اور خلف سے جو منقول ہوا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے وہ درحقیقت کعب احبار رحمہ اللہ سے منقول ہے ان سے سن کر صحابہ وتابعین نے اس قول کو نقل کیا یا اہل کتاب کے صحیفوں سے ماخوذ ہے جس کی بنا پر قرآن کریم کے صریح اور ظاہر مدلول سے عدول ہرگز جائز نہیں۔ دیکھو البدایہ [1] والنہایۃ لابن کثیر ص ۱۵۹ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہی ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہیں جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے اور یہ کہنا کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں یہ قول بیس وجہ سے باطل ہے واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾

اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر اور بچا دیا ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو اس بڑی گھبراہٹ سے ف۱

اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر۔ اور بچا دیا ان کو اور ان کی قوم کو اس بڑی گھبراہٹ سے۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا

اور ان کی ہم نے مدد کی تو رہے وہی غالب ف۲ اور ہم نے دی ان کو کتاب واضح ف۳ اور سجھائی ان کو

اور ان کی مدد کی، تو رہے وہی زبر۔ اور دی ان کو کتاب واضح۔ اور سجھائی ان کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

سیدھی راہ ف۴ اور باقی رکھا ان پر پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر

سیدھی راہ۔ اور باقی رکھا ان پر پچھلی خلق میں۔ کہ سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو تحقیق وہ دونوں ہیں ہمارے ایمان دار بندوں میں ف۵

ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔ وہ دونوں ہیں ہمارے بندوں ایماندار میں۔

ف۱ یعنی فرعون اور اس کی قوم کے ظلم وستم سے نجات دی۔ اور "بحر قلزم" سے نہایت آسانی کے ساتھ پار کر دیا۔

ف۲ یعنی فرعونیوں کا بیڑا غرق کر کے بنی اسرائیل کو غالب ومنصور کیا۔ اور ہالکین کے اموال واملاک کا وارث بنایا۔

ف۳ یعنی تورات شریف جس میں احکام الٰہی بہت تفصیل وایضاح سے بیان ہوئے ہیں۔

ف۴ یعنی افعال واقوال میں استقامت بخشی۔ اور ہر معاملہ میں سیدھی راہ پر چلایا جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے لوازم میں سے ہے۔

ف۵ یعنی ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

[1] قال ابن کثیر وقد قال بانه اسحاق طائفة کثیرة من السلف وغیرهم وانما اخذوه واللّٰه علم من کعب الاحبار او صحف اهل الکتاب ولیس فی ذلک حدیث صحیح عن المعصوم حتی نترك لاجله ظاهر الکتاب العزیز ولا یفهم هذا من القران بل المفهوم بل المنطوق بل النص عند التامل علی انه اسمعیل علیه السلام اه: ۱/۱۵۹۔

قصہ سوم حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام

قال تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ... الی ... اِنَّھُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

ربط:...... اب یہ تیسرا قصہ ہے جس میں ان انعامات خداوندی کا ذکر کرتے ہیں جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر مبذول ہوئے اور پھر ان انعامات کا ذکر کرتے ہیں جو کلیم اللہ کی اتباع کی برکت سے بنی اسرائیل پر مبذول ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور قہر اور ظلم وستم سے نجات دی اور قوم نوح کی طرح قوم فرعون کو غرق کیا اور ان کے اموال اور املاک کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا اور پھر ان کو توریت جیسی روشن کتاب عطا کی جو حدود اور احکام پر مشتمل تھی اور صراط مستقیم اور راہ ہدایت کو ان پر واضح کرنے والی تھی جو اس راہ پر چلا اس نے فلاح پائی چنانچہ فرماتے ہیں اور بیشک ہم نے احسان کیا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر نبوت ورسالت کے علاوہ کمالات ظاہرہ اور باطنہ سے ان کو سرفراز کیا اور ان دونوں کو اور ان دونوں کی قوموں کو سخت مصیبت سے نجات دی اور نہ صرف مصیبت اور تکلیف سے نجات دی بلکہ دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد کی پس وہی دشمن پر غالب ہونے والے ہوئے اور ان کی املاک کے وارث بنے اور ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ایک روشن اور نورانی کتاب دی جس سے مراد توریت ہے جس میں احکام کو واضح طور پر بیان کیا تھا اور ہم نے ان دونوں کو سیدھی راہ دکھائی جو سیدھی منزل مقصود تک پہنچانے والی تھی اور ان کے بعد آنے والی قوموں میں ان کا ذکر خیر باقی چھوڑا کہ وہ کہیں سلام ہو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر چنانچہ دونوں کے ساتھ "علیہ السلام" کا لفظ کہا جاتا ہے بیشک ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح نیک بدلہ دیا کرتے ہیں کہ ان کو مستحق ثناو تحسین بنا دیتے ہیں بیشک وہ دونوں ہمارے خاص الخاص ایماندار بندوں میں سے تھے اشارہ اس طرف ہے کہ ایمان ہی تمام کمالات اور انعامات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ

اور تحقیق الیاس ہے رسولوں میں جب اس نے کہا اپنی قوم کو کیا تم کو ڈر نہیں کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو

اور تحقیق الیاس ہے رسولوں میں۔ جب کہا اپنی قوم کو، کیا تم کو ڈر نہیں ؟ کیا تم پکارتے ہو بعل کو ؟ چھوڑتے ہو

اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ

بہتر بنانے والے کو ف۱ جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا ف۲ پھر اس کو جھٹلایا سو وہ

بہتر بنانے والے کو۔ جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔ پھر اس کو جھٹلایا، سو وہ

ف۱ حضرت الیاس علیہ السلام بعض کے نزدیک حضرت ہارون کی نسل سے ہیں۔ اللہ نے ان کو ملک شام کے ایک شہر "بعلبک" کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ "بعل" نامی ایک بت کو پوجتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو خدا کے غضب اور بت پرستی کے انجام بد سے ڈرایا۔

ف۲ یعنی یوں تو دنیا میں آدمی بھی تحلیل وترکیب کر کے بظاہر بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں۔ مگر بہتر بنانے والا وہ ہے جو تمام اصول وفروع، جواہر واعراض اور صفات وموصوفات کا حقیقی خالق ہے۔ جس نے تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ پھر یہ کیسے جائز ہوگا کہ اس احسن الخالقین کو چھوڑ کر "بعل" بت کی پرستش کی جائے اور اس سے مدد مانگی جائے۔ جو ایک ظاہری طور پر بھی پیدا نہیں کر سکتا بلکہ اس کا وجود خود اپنے پرستاروں کا رہین منت ہے۔ انہوں نے جیسا چاہا بنا کر کھڑا کر دیا۔

لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى

آنے والے ہیں پکڑے ہوئے ف۱ مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے ف۲ اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے

پکڑے آتے ہیں۔ مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے۔ اور باقی رکھا اس پر پچھلی خلق میں۔ کہ سلام ہے

اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

الیاس پر ف۳ ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو وہ ہے ہمارے ایمان دار بندوں میں

الیاس پر۔ ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔ وہ ہے ہمارے بندوں ایماندار میں۔

قصہ چہارم الیاس علیہ السلام

قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ... الى ... اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں جو یوشع علیہ السلام کے بعد نبی بنائے گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے شہر بعلبک کی طرف مبعوث فرمایا جو دمشق کے غربی جانب میں واقع ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک حضرت الیاس علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام سے پہلے گزرے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام یہی ادریس علیہ السلام ہیں مگر یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ ادریس علیہ السلام تو نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں اور الیاس علیہ السلام نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اہل کتاب میں وہ ایلیا کے نام سے مشہور ہیں۔

اور بیشک الیاس علیہ السلام بھی ہمارے رسولوں میں سے تھا جن کو ہم نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کی طرف مبعوث کیا تھا جو بعل بت کی پرستش کرتے تھے تاکہ ان کو توحید کی دعوت دیں جبکہ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے بھلا کیا تم لوگ بعل بت کی پرستش کرتے ہو اور ایک بے حس وحرکت چیز کو اپنا رب بنائے ہوئے ہو اور اس سے اپنی حاجتیں مانگتے ہو اور چھوڑے بیٹھے ہو اس ذات پاک کو کہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے یعنی اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے وہ تو چھوڑنے کے قابل نہیں۔

معاذ اللہ، احسن الخالقین کے یہ معنی نہیں کہ خالق تو بہت ہیں مگر اللہ سب سے بہتر ہے مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ خلق کے دو معنی ہیں ایک ایجاد اور اختراع کے معنی ہیں یعنی کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود میں لانا اس معنی کو خالق کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں عدم سے وجود میں لانا اور جان ڈالنا اور جان نکالنا سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کے

ف۱ یعنی جھٹلانے کی سزا مل کر رہے گی۔

ف۲ یعنی سب نے جھٹلایا۔ مگر اللہ کے چنے ہوئے بندوں نے تکذیب نہیں کی۔ لہٰذا وہی سزا سے بچے رہیں گے۔

ف۳ "الیاس علیہ السلام" کو "الیاسین" بھی کہتے ہیں کہ جیسے "طور سینا" کو "طور سینین" کہہ دیا جاتا ہے یا "الیاسین" سے حضرت الیاس کے متبعین مراد ہوں۔ اور بعض نے "آل یاسین" بھی پڑھا ہے۔ تو "یاسین" ان کے باپ کا نام ہوگا۔ یا ان ہی کا نام "یاسین" اور لفظ "آل" مقحم ہو جیسے "کما صلیت علی ال ابراھیم" میں۔ یا "اللھم صل علی ال ابی اوفی" میں ہے۔ واللہ اعلم۔

اختیار میں نہیں اور آیت میں خالقین کے یہ معنی مراد نہیں۔

دوسرے معنی خلق کے تقدیر اور اندازہ کرنے اور صنعت اور کاریگری کے ہیں اس معنی کر احسن الخالقین کے معنی یہ ہوں گے کہ سب اندازہ کرنے والوں اور تمام صناعوں اور کاریگروں میں اللہ سب سے بہتر اور بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ کی اندازہ ہمیشہ بالکل ٹھیک اور درست ہے اللہ کے سوا کسی اور کا اندازہ کبھی درست ہوتا ہے اور کبھی غلط اور دنیا میں اگرچہ صناع اور کاریگر بہت ہیں مگر خدا کی صنعت اور کاریگری کو کسی کی کاریگری نہیں پہنچتی ﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾۔

اس معنی کر خالق کا اطلاق بمعنی صناع اور کاریگر بندہ پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ بندہ بھی اپنے علم اور قدرت کے مطابق صنعت اور کاریگر پر قدرت رکھتا ہے اور اس آیت میں خالقین کے یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔

پس ان لوگوں نے الیاس کو جھٹلایا پس قیامت کے دن یہ لوگ بلاشبہ عذاب دوزخ کے لئے پکڑ بلائے جائیں گے مگر خدا کے خالص بندے کہ وہ سواریوں پر سوار کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے اور ہم نے الیاس علیہ السلام کا ذکر خیر آنے والی امتوں میں باقی چھوڑا اسلام ہو "ال یاسین" پر یعنی الیاس علیہ السلام پر "الیاسین" بھی ان کا نام ہے جیسے میکال اور میکائیل اور میکالین اور سینا و سینین تحقیق ہم ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں اپنے نیکوکار بندوں کو بیشک الیاس علیہ السلام ہمارے خاص الخاص ایمان والے بندوں میں سے تھا ایمان ایک اسم جامع ہے جو تمام کمالات ظاہری و باطنی کو شامل ہے جو علی الاطلاق اہل اختصاص کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اگر بندہ خویش خوانی مرا بہ از مملکت جاودانی مرا
شہانے کہ با تخت فرخندہ اند ہمہ بندگان ترا بندہ اند

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ

اور تحقیق لوط ہے رسولوں میں سے جب بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے سارے گھر والوں کو مگر ایک بڑھیا کہ رہ گئی رہ جانے والوں میں ف۱ پھر

اور تحقیق لوط ہے رسولوں میں۔ جب بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سارے۔ مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں۔ پھر

دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہم نے دوسروں کو ف۲ اور تم گزرتے ہو ان پر صبح کے وقت اور رات کو بھی پھر کیا نہیں سمجھتے ف۳

اکھاڑ مارا ہم نے دوسروں کو۔ اور تم گذرتے ہو ان پر صبح کے وقت۔ اور رات کو۔ پھر کیا نہیں بوجھتے؟

قصہ پنجم لوط علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ... الی ... اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

ف۱ یعنی ان کی زوجہ جو معذبین کے ساتھ ساز باز رکھتی تھی۔

ف۲ یعنی لوط علیہ السلام اور اس کے گھر والوں کے سوا دوسرے سب باشندوں پر بستی الٹ دی گئی۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔

ف۳ یہ مکہ والوں کو فرمایا۔ کیونکہ "مکہ" سے "شام" کو جو قافلے آتے جاتے تھے، قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں ان کے راستہ سے نظر آتی تھیں۔ یعنی دن رات ادھر گزرتے ہوئے یہ نشان دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت نہیں ہوتی، کیا نہیں سمجھتے کہ جو حال ایک نافرمان قوم کا ہوا وہ دوسری نافرمان اقوام کا بھی ہوسکتا ہے۔

یہ پانچواں قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے ان کی قوم لواطت اور بدفعلی میں مبتلا تھی اور یقیناً لوط علیہ السلام بھی خدا کے پیغمبروں میں سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے سدوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا جہاں کے باشندے بت پرست اور لواطت اور قسم قسم کی بے حیائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا تھے ان کی ہدایت کے لئے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جب قوم نے نہ مانا تو ان پر اللہ کا قہر اور عذاب آیا پس اے نبی ﷺ آپ ﷺ اس وقت کا حال لوگوں کے سامنے بیان کیجئے جبکہ ہم نے لوط علیہ السلام کو اور اس کے سب اہل خانہ کو اپنے عذاب سے نجات دی جوان پر ایمان لے آئے تھے سوائے ایک کافرہ بڑھیا کے جو ان کی زوجہ تھی اس کو عذاب سے نجات نہیں دی بلکہ وہ پیچھے رہنے والوں سے ہوگئی یعنی ان لوگوں سے ہوئی جو عذاب میں باقی اور پیچھے رہ گئے یا ان گزرنے والوں کے ساتھ رہی جو عذاب میں ہلاک ہوئے "غابر" بمعنی باقی بھی آتا ہے اور بمعنی ماضی بھی آتا ہے آیت میں دونوں صحیح ہیں لہٰذا دونوں معنی کے اعتبار سے ترجمہ کر دیا پھر سب باقی ماندوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو اہل مکہ کے لئے خاص طور پر مقام عبرت ہے اور اے اہل مکہ جب تجارت کے لئے ملک شام جاتے ہو تو تحقیق تم صبح کے وقت اور رات کے وقت ان پر گزرتے ہو اور ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کیا دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ بستیاں نبی کی مخالفت اور لواطت کی وجہ سے الٹی ہوئی ہیں۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ

اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں سے جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر پھر قرعہ ڈلوایا تو نکلا خطا وار ف۱ پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ

اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں۔ جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر۔ پھر قرعہ ڈلوایا، تو ہوگیا

الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾

الزام کھایا ہوا تھا ف۲ پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو

الزام کھایا۔ پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے، اور وہ الاہنا کھایا تھا۔ پھر اگر نہ ہوتا کہ وہ تھا یاد کرتا پاک ذات کو۔

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ

تو رہتا اس کے پیٹ میں جس دن تک کہ مردے زندہ ہوں ف۳ پھر ڈال دیا ہم نے اس کو چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھا اور اگایا ہم نے اس پر

تو رہتا اس کے پیٹ میں، جس دن تک مردے جیویں۔ پھر ڈال دیا ہم نے اس کو پٹپڑ میدان میں اور وہ بیمار تھا۔ اور اگایا ہم نے اس پر

ف۱ کشتی دریا میں چکر کھانے لگی۔ لوگوں نے کہا اس میں کوئی غلام ہے اپنے مالک سے بھاگا ہوا۔ سب کے ناموں پر کئی مرتبہ قرعہ ڈالا۔ ہر مرتبہ ان کا نام نکلا۔ یہ قصہ سورۃ "یونس" اور سورۃ "انبیاء" میں مفصل گزر چکا ہے وہاں اس کی تحقیق ملاحظہ کی جائے۔

ف۲ الزام یہی تھا کہ خطائے اجتہادی سے حکم الٰہی کا انتظار کیے بغیر بستی سے نکل پڑے اور عذاب کے دن کی تعیین کر دی۔

ف۳ یعنی چونکہ مچھلی کے پیٹ میں بھی اور پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ پاک کو بہت یاد کرتا تھا اس لیے ہم نے اس کو جلدی نجات دے دی۔ ورنہ قیامت تک اس کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا مچھلی کی غذا بن جاتے۔

(تنبیہ) "للبث فی بطنه" "الیٰ آخرہ۔ کنایہ ہے کبھی نہ نکلنے سے۔ اور یہ واقعہ دریائے "فرات" کا ہے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا=

شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى

ایک درخت بیل والا ف۱ اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا اس سے زیادہ ف۲ پھر وہ یقین لائے پھر ہم نے فائدہ اٹھانے دیا ان کو ایک

ایک درخت بیل کا۔ اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا زیادہ۔ پھر وہ یقین لائے، پھر ہم نے ان کو برتنے دیا ایک

حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

وقت تک ف۳

وقت تک۔

قصہ ششم یونس علیہ السلام

قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ... الى ... فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾

یہ چھٹا قصہ یونس بن متی علیہ السلام کا ہے جو اس سورت کا آخری قصہ ہے کہ جو اپنی قوم کی ایذاء پر صبر نہ کر سکے اور اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل گئے اور یہی یونس علیہ السلام ذوالنون نبی ہیں جنہوں نے بحکم خداوندی اپنی قوم سے ایمان نہ لانے پر عذاب آنے کا وعدہ کیا تھا جب وہ ایمان نہ لائے اور برابر کفر اور تکذیب پر ڈٹے رہے تو سمجھ گئے کہ انکار بھی وہی انجام ہوگا جو سرکشوں اور نافرمانوں کا ہوا کرتا ہے اس لئے سمجھ گئے کہ عنقریب عذاب آنے والا ہے تو بغیر انتظار وحی کے اور بغیر حکم خداوندی کے یونس علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان سے اول شب میں نکل گئے اور دریا کے کنارہ پہنچے وہاں ایک کشتی مل گئی اس پر سوار ہو گئے حضرت یونس علیہ السلام جب اس کشتی میں سوار ہو گئے تو وہ کشتی یکایک رک گئی جس کا ظاہر میں کوئی سبب نہ تھا ہوا وغیرہ بھی نہ تھی تو ملاح اپنے عقیدہ کے مطابق بولے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے اور یہ کشتی کا قاعدہ ہے کہ جب اس میں کوئی بھاگا ہوا ہوتا ہے تو وہ چلتی نہیں پھر انہوں نے قرعہ ڈالا کہ جس کا نام کا قرعہ نکلے گا اس کو کشتی سے نکال کر دریا میں ڈال دیں گے تاکہ کشتی غرق ہونے سے بچ جائے تین مرتبہ لوگوں کے ناموں پر قرعہ ڈالا ہر مرتبہ قرعہ یونس علیہ السلام کے نام کا نکلا یہ قصہ سورۃ یونس اور سورۃ انبیاء میں مفصل گزر چکا ہے اور یہاں اجمالاً ذکر فرماتے ہیں اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اس وقت کا حال ذکر کریں جب یونس اپنی قوم سے بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف پہنچے جو لوگوں سے اور مال

= ہے کہ ہم نے خود اس دریا میں بہت بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں تعجب نہ کیا جائے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی۔ ﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

ف۱ مچھلی کو حکم ہوا اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک میدان میں ڈال دیا غالباً کافی غذا و ہوا وغیرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے بیمار اور نحیف ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ دھوپ کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا بدن پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا۔ اللہ کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اگ آئی۔ اس کے پتوں نے ان کے جسم پر سایہ کر لیا اور اسی طرح قدرت خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔

ف۲ یعنی اگر صرف عاقل بالغ گنتے تو لاکھ تھے اور اگر سب چھوٹوں بڑوں کو شامل گنتے تو زیادہ تھے یا یوں کہو کہ ایک لاکھ سے گزر کر دو لاکھ تک نہیں پہنچے تھے۔ ہزار کی کسر نہ لگاؤ تو ایک لاکھ کہہ لو۔ اور کسر لگائی جائے تو لاکھ کے اوپر چند ہزار زائد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی ایمان ویقین کی بدولت عذاب الٰہی سے بچ گئے اور اپنی عمر مقدر تک دنیا کا فائدہ اٹھاتے رہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" وہی قوم جس سے بھاگے تھے ان پر ایمان لا رہی تھی۔ ڈھونڈتی تھی کہ یہ جا پہنچے۔ ان کو بڑی خوشی ہوئی۔ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ سورۃ "یونس" اور سورۃ "انبیاء" میں دیکھ لیا جائے۔

ومتاع سے بھری ہوئی تھی جب وہ کشتی چلی اور دھارے پر پہنچی تو یکا یک ٹھہر گئی تو ملاح بولے کہ اس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہے اس لئے یہ کشتی نہیں چلتی اس لئے اس کو کشتی سے علیحدہ کر کے دریا میں ڈال دیا جائے لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ قرعہ ڈالا جائے پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ میں ان کے ساتھ شریک ہوئے تو وہ خود ہی الزام کھایوں میں سے ہو گیا یعنی قرعہ میں وہ خود ہی مغلوب ہو گیا اور ملزم ٹھہرا مطلب یہ ہے کہ قرعہ یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام نے خود ہی اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا کہ شاید کنارہ قریب ہو اور میں تیر کر دریا کے کنارہ پہنچ جاؤں ورنہ اگر میری جان گئی بھی تو باقی لوگ تو بچ جائیں گے پس جب یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا تو ہمارے حکم سے فوراً ایک مچھلی نے ان کو لقمہ بنا کر نگل لیا اور اپنے پیٹ میں ان کو محفوظ کر لیا تا کہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچے اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے کہ تو بغیر حکم الٰہی کے انتظار کئے ہوئے کیسے بستی سے نکل پڑا اور بغیر حکم خداوندی کیسے ہجرت کے لئے نکل کھڑا ہوا اور یہ ان کی خطا اجتہادی تھی جس پر وہ مستحق ملامت ہوئے حضرات انبیاء علیہم السلام کا درجہ سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے اس لئے ان کی خطا اجتہادی اور سہو ونسیان پر بھی مواخذہ اور ملامت ہوتی ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی ابرار کے مرتبہ میں جو امور حسنات ہیں وہ مقربین کے درجہ میں سیئات ہیں۔

پس یونس علیہ السلام اپنے آپ کو دریا میں ڈالنے کے لئے اٹھے تو دیکھا کہ ایک مچھلی منہ کھولے حضرت یونس علیہ السلام کی طرف دیکھ رہی ہے یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام نے فوراً اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا مچھلی نے فوراً آپ علیہ السلام کو نگل لیا اور مچھلی کی طرف اللہ کی وحی آئی کہ میں نے یونس علیہ السلام کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کی حفاظت کا ایک محل اور ظرف بنایا ہے۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۲۵ ج ۱۵۔ مطلب یہ تھا کہ اے مچھلی یہ یونس علیہ السلام تیرا رزق نہیں بلکہ تیرے پاس ہماری امانت ہے جس کی حفاظت تجھ پر واجب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ عالم غیب سے مچھلی کو آواز آئی اے مچھلی ہم نے یونس علیہ السلام کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا بلکہ تجھ کو اس کے لئے مکان حفاظت اور مسجد بنایا۔ تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۲۷۔

چنانچہ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچنے کے کچھ بعد جب افاقہ ہوا اور سمجھے کہ میں زندہ ہوں تو کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھنے لگے۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۱۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے دریا میں بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں جس میں آدمی سہولت سے کھڑا ہو سکتا ہے (روح المعانی)

پس اگر یونس علیہ السلام خدا کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ ٹھہرے رہتے اور وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوتا لیکن تسبیح کی برکت سے ان کو جلدی رہائی حاصل ہوئی شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ مگر تسبیح کی برکت سے جلدی رہائی پائی اور یہی تسبیح شکم ماہی میں ان کی غذا تھی جیسا کہ فتنہ دجال کے وقت جب قحط پڑے گا تو اس وقت مومن کی غذا تسبیح و ذکر الٰہی ہوگی بجائے رزق کے تسبیح اور ذکر الٰہی ان کو غذا کا کام دے گی اور پیٹ میں زندہ رہنا کوئی امر محال نہیں آخر بہت سے آدمیوں اور جانوروں کے بچے پیٹ میں زندہ رہتے ہیں تو ایک آدمی کا ایک بہت بڑی مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنا کیا مشکل ہے۔

تو قبل از حکم خداوندی ہجرت کرنے پر تنبیہ تھی اب آگے اپنے الطاف وعنایات کا ذکر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے یونس علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کس طرح گرمی اور سردی سے ان کی حفاظت کا انتظام کیا پس [1] تین دن کے بعد یا سات دن کے بعد یا چالیس دن کے ہم نے ان کو ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا اللہ کی طرف سے مچھلی کو حکم آیا کہ یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک ریگستان اور چٹیل میدان میں ڈال دے پس مچھلی نے ان کو بحکم خداوندی ایک بیابان اور ریگستان میں ڈال دیا اور در آنحالیکہ وہ بیمار اور مضمحل تھے اور لاغر اور کمزور تھے جیسے چوزہ بے بال و پر ہوتا ہے کافی غذا اور ہوا نہ پہنچنے کی وجہ سے اس قدر لاغر اور کمزور کہ دھوپ اور شعاع کی بھی برداشت نہ رہی تھی اور بدن پر مکھی کا بیٹھنا بھی ناگوار تھا اور اسی لئے ہم نے ان کے سر پر ایک بیلدار یعنی کدو کا درخت اگا دیا یکا یک خدا کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اگ آئی جس نے ان کے جسم پر سایہ بھی کر دیا اور مکھیوں کی تکلیف سے بھی محفوظ ہو گئے کدو کے پتوں کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے گرد مکھی نہیں آتی۔ تفسیر قرطبی ص ۱۲۹ ج ۱۵۔ پس یہ کدو کی بیل اور اس کے پتے ان کے لئے بمنزلہ خیمہ کے ہو گئے اور ان کی غذا کا یہ سامان کیا کہ ایک پہاڑی بکری کو یہ حکم ہوا کہ صبح وشام یونس علیہ السلام کے پاس چلی جایا کرتا کہ وہ تیرا دودھ پی لیا کریں چنانچہ وہ بکری صبح وشام ان کے پاس آتی اور وہ اس کا دودھ پیا کرتے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ ج ۴۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جب اس طرح سے یونس علیہ السلام کا گوشت پوست درست ہو گیا تو ہم نے ان کو ایک لاکھ آدمیوں کی طرف یا زیادہ کی طرف دعوت وتبلیغ کے لئے بھیجا مطلب یہ ہے کہ اگر صرف عاقل بالغ لوگوں کو شمار کیا جائے تو ایک لاکھ تھے اور اگر چھوٹوں بڑوں سب کو شامل کر لیا جائے تو ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہ ایک لاکھ وہی لوگ تھے جو ان کی قوم تھی جن سے نکل کر آپ علیہ السلام دریا کی طرف بھاگے تھے اور نکلنے سے پہلے آپ علیہ السلام جن کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ اپنی سابق رسالت پر مستمر تھے اور یہ ارسال جو اس آیت میں مذکور ہے وہ سابق قوم کی طرف ہے کسی دوسری قوم کی طرف ارسال مراد نہیں خوب سمجھ لو عنقریب اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

نکتہ:...... یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو بمنزلہ جنین کے ہو گئے اور پھر چند روز بعد مچھلی کے پیٹ سے نکلنا بمنزلہ ولادت ثانیہ کے ہو گیا اور اس طرح مچھلی کے پیٹ میں رہنے سے اس سہو ونسیان اور لغزش کے اثر کا نام ونشان نہ رہا جو بغیر اذن خداوندی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے سے ہوا تھا کیونکہ بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ گناہوں کی آلائشوں سے پاک وصاف ہوتا ہے پس حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف واپس پہنچے تو یہ سب لوگ اور قوم کثیر ان پر ایمان لے آئے اجمالی طور پر تو پہلی ہی ایمان لا چکے تھے اب اس واپسی کے بعد یونس علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان کی تجدید کی اور تفصیلا ایمان لائے پس ایک مدت تک ہم نے ان کو زندگی سے بہرہ مند کیا جب تک وہ زندہ رہے ان پر کوئی عذاب نہیں آیا۔

یونس علیہ السلام جب اپنی قوم کے لوگوں سے ناراض ہو کر اپنی بستی نینویٰ سے نکل گئے تو جب اہل نینویٰ کو یہ معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام ان کی بستی کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ یونس علیہ السلام پیغمبر برحق تھے اور اب ہماری ہلاکت یقینی ہے سوائے ایمان کے اب عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اہل بستی نے جب آثار عذاب کے دیکھے کہ آسمان پر ایک نہایت

[1] اختلاف اقوال کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲۱/۴۔

ہولناک اور سیاہ بادل نمودار ہوا ہے تو سب بچوں اور عورتوں کو بلکہ مویشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل کو نکل گئے اور سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ ہم یونس علیہ السلام پر ایمان لائے اور تضرع و بکا سے آوازیں بلند ہوئیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمایا اور جو آثار عذاب کے نمودار ہوئے تھے وہ سب اٹھا لئے ادھر یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ سے نکل آنے کے بعد تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر اس بستی کی طرف واپسی کا حکم ہوا کہ وہ بستی والے ایمان لے آئے ہیں اور اب ان کا حال درست ہو گیا ہے پس یونس علیہ السلام اسی پہلی بستی کی طرف واپس ہوئے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ میں ارسال سے کسی دوسری قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجنا مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کو یہ وہم ہو گیا ہے بلکہ اس ارسال سے پہلی ہی بستی اور پہلی ہی امت کی طرف دوبارہ واپسی مراد ہے اور فامنوا سے تفصیلی ایمان مراد ہے کیونکہ یونس علیہ السلام کے نکل جانے کے بعد ان کی گریہ وزاری اور اجمالی ایمان کی وجہ سے ان سے عذاب ٹل گیا تھا اب یونس علیہ السلام دوبارہ ان میں تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے دوبارہ ایمان کی تجدید کی اور تفصیلاً ایمان لے (تفصیل کے لئے دیکھو روح المعانی: ۲۳/ ۱۲۳) مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اسی قوم کی طرف جانے کا حکم ہوا جن کی طرف پہلے مرتبہ بھیجے گئے تھے اور ان سے ناراض ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے تھے تاکہ اسی قوم کو جو آپ علیہ السلام کی غیبوبت میں اجمالی طور پر ایمان لا چکی ہے واپسی کے بعد اس کو ایمان اور شریعت سمجھائیں اس ارسال سے کسی جدید قوم کی طرف جدید بعثت مراد نہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ

اب ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے یہاں بیٹیاں ہیں اور ان کے یہاں بیٹے یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت اور وہ

اب ان سے پوچھ، کیا تیرے رب کے ہاں بیٹیاں اور ان کے ہاں بیٹے۔ یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت، اور یہ

شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى

دیکھتے تھے سنتا ہے وہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہوئی اور وہ بیشک جھوٹے ہیں ف۱ کیا اس نے پسند کیں

دیکھتے تھے۔ سنتا ہے! یہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں۔ کہ اللہ کی اولاد، اور یہ بیشک جھوٹے ہیں۔ کیا پسند کیں

ف۱ یعنی انبیاء علیہم السلام کا حال تو سن لیا کہ حضرت نوح، ابراہیم، اسماعیل، موسیٰ، ہارون، الیاس، لوط، یونس علیہم السلام سب کی مشکلات اللہ کی امداد و اعانت سے حل ہوئیں۔ کوئی بڑے سے بڑا مقرب اس کی دستگیری سے بے نیاز نہیں۔ اب آگے تھوڑا سا فرشتوں اور جنوں کا حال سن لو۔ جن کی نسبت خدا جانے کیا کیا واہی تباہی عقیدے تراش کر رکھے ہیں۔ چنانچہ عرب کے بعض قبائل کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ جب پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے۔ اس طرح (العیاذ باللہ) خدا کا ناطہ جنوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا۔ آگے دونوں کا حال ذکر کیا جاتا ہے مگر اس سے پہلے بطور توطیہ و تمہید کفار عرب کے اس لچر پوچ عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائے سورۃ سے اپنی عظمت و وحدانیت کے دلائل اور قصص کے ضمن میں اپنی قدرت قاہرہ کے آثار بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اب ذرا ان احمقوں سے پوچھئے کیا اتنی بڑی عظمت و قدرت والا خدا (معاذ اللہ) اپنے لیے اولاد بھی تجویز کرتا تو بیٹیاں لیتا اور تم کو بیٹے دیتا۔ ایک تو یہ گستاخی کہ خداوند قدوس کے لیے اولاد تجویز کی، اور پھر اولاد بھی کمزور اور گھٹیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ فرشتوں کو مونث (عورت) تجویز کیا۔ کیا جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا گیا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ اس جہالت کا کیا ٹھکانا ہے۔

اَلْبَنَاتِ عَلَی الْبَنِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ

بیٹیاں بیٹوں سے کیا ہوگیا ہے تم کو کیسا انصاف کرتے ہو کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو ف۱ یا تمہارے پاس

بیٹیاں بیٹوں سے۔ کیا ہوا تم کو ؟ کیا انصاف کرتے ہو ؟ کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو ؟ تم پاس

سُلْطٰنٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ

کوئی سند ہے کھلی تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے ف۲ اور ٹھہرایا ہے انہوں نے خدا میں اور جنوں میں ناتا اور جنوں کو

کوئی سند ہے کھلی ؟ تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے۔ اور ٹھہرایا ہے اس میں اور جنوں میں

نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ

تو معلوم ہے کہ تحقیق وہ پکڑے ہوئے آئیں گے اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں ف۳ مگر جو بندے ہیں

ناتا۔ اور جنوں کو معلوم ہے کہ وہ پکڑے آتے ہیں۔ اللہ نرالا ہے ان باتوں سے، جو بناتے ہیں۔ مگر جو بندے ہیں

اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ

اللہ کے چنے ہوئے ف۴ سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو کسی کو اس کے ہاتھ سے بہکا کر نہیں لے سکتے مگر اسی کو

اللہ کے چنے۔ سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو۔ اس کے ہاتھ سے بہکا نہیں لے سکتے۔ مگر اسی کو

هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا

جو پہنچنے والا ہے دوزخ میں ف۵ اور ہم میں جو ہے اس کا ایک ٹھکانا ہے مقرر ف۶ اور ہم ہی ہیں صف باندھنے والے ف۷ اور

جو پیٹھنے والا ہے آگ میں۔ اور ہم میں جو ہے اس کو ایک ٹھکانا ہے مقرر۔ اور ہم جو ہیں، ہم ہی ہیں قطار باندھنے والے۔ اور ہم جو ہیں

ف۱ یعنی کچھ تو سوچو۔ عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے۔ ایک غلط عقیدہ بنانا تھا تو ایسا بالکل ہی بے تکا تو نہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ کون سا انصاف ہے کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرو اور خدا سے بیٹیاں پسند کراؤ۔

ف۲ یعنی آخر یہ مہمل اور بے تکی بات نکالی کہاں سے۔ عقل و فہم اور اصول سے تو اس کو لگاؤ نہیں۔ پھر کیا کوئی نقلی سند اس عقیدہ کی رکھتے ہو۔ ایسا ہے تو بسم اللہ وہ ہی دکھلاؤ۔

ف۳ یعنی احمقوں نے جنوں کے ساتھ معاذ اللہ دامادی کا رشتہ قائم کر دیا۔ سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ موقع ملے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ آؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو پکڑے ہوئے آئیں گے کیا داماد کا سسرال کے ساتھ یہ ہی معاملہ ہوتا ہے۔ بعض سلف نے نسب سے مراد یہ لی ہے کہ وہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ تعالیٰ کا حریف مقابل سمجھتے تھے۔ جیسے مجوس "یزدان" اور "اہرمن" کے قائل ہیں۔ یعنی ایک نیکی کا خدا، اور دوسرا بدی کا۔

ف۴ یعنی جنوں میں سے ہوں یا آدمیوں میں سے اللہ کے چنے ہوئے بندے ہی اس پکڑ دھکڑ سے آزاد ہیں۔ معلوم ہوا وہاں کسی کا رشتہ ناتا نہیں۔ صرف بندگی اور اخلاص کی پوچھ ہے۔

ف۵ بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جنوں کے ہاتھ میں بدی کی اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی باگ ہے۔ یہ جس کو چاہیں بھلائی پہنچائیں اور خدا کا مقرب بنا دیں اور وہ جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال دیں یا گمراہ کر دیں۔ شاید ان ہی مفروضہ اختیارات کی بناء پر انہیں اولاد یا سسرال بنایا ہوگا۔ اس کا جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ تم اور جن شیاطین کو تم پوجتے ہو سب مل کر ایک قدرت نہیں رکھتے کہ بدون مشیت ایزدی ایک متنفس کو بھی زبردستی گمراہ کر سکو۔ گمراہ وہ ہی ہوگا جسے اللہ نے اس کی سوئے استعداد کی بناء پر دوزخی لکھ دیا اور اپنی بدکاری کی وجہ سے از خود دوزخ میں پہنچ گیا۔ =

لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا

ہم ہی ہیں پاکی بیان کرنے والے ف۱ اور یہ تو کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس کچھ احوال ہوتا پہلے لوگوں کا تو ہم ہوتے

ہم ہی ہیں پاکی بولنے والے۔ اور یہ تو کہتے تھے۔ اگر ہم پاس احوال ہوتا پہلے لوگوں کا۔ تو ہم ہوتے

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا

بندے اللہ کے چنے ہوئے سو اس سے منکر ہوگئے اب آگے جان لیں گے ف۲ اور پہلے ہوچکا ہمارا حکم

بندے اللہ کے چنے۔ سو اس سے منکر ہوگئے، اب آگے جان لیں گے۔ اور پہلے ہوچکا ہمارا حکم

لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾

اپنے بندوں کے حق میں جو کہ رسول ہیں بیشک انہی کو مدد دی جاتی ہے اور ہمارا لشکر ہے جو ہے بیشک وہی غالب ہے ف۳

اپنے بندوں کے حق میں، جو رسول ہیں۔ بیشک انہی کو مدد ہونی ہے۔ اور ہمارا لشکر جو ہے، بیشک وہی زبر ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا

سو تو ان سے پھر آ ایک وقت تک اور ان کو دیکھتا رہ کہ وہ آگے دیکھ لیں گے ف۴ کیا ہماری آفت کو

سو تو ان سے پھر یا ایک وقت تک۔ اور ان کو دیکھتا رہ کہ آگے دیکھ لیں گے۔ کیا ہماری آفت

يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى

جلد مانگتے ہیں پھر جب اترے گی ان کے میدان میں تو بری صبح ہوگی ڈرائے ہوؤں کی ف۵ اور پھر ان سے ایک

شتاب مانگتے ہیں؟ پھر جب آ اترے گی ان کے میدان میں، تو بری صبح ہوگی ڈرائے گیوں کی۔ اور پھر یا ان سے ایک

= ف٦ یہ کلام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے گویا ان کی زبان سے فرمایا۔ جیسے بہت جگہ آدمیوں کی زبان سے دعائیں فرمائی ہیں۔ یعنی ہر فرشتہ کی ایک حد مقرر ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ اس پر فرمایا کہ کافر کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کی عورتوں سے پیدا ہوئیں۔ سو جنوں کو اپنا حال خوب معلوم ہے اور فرشتے یوں کہتے ہیں ان کو بھی حکم الٰہی سے ذرا تجاوز کرنے کی گنجائش نہیں۔

ف۷ یعنی اپنی اپنی حد پر ہر کوئی اللہ کی بندگی اور اس کا حکم سننے کے لیے کھڑا رہتا ہے۔ مجال نہیں آگے پیچھے سرک جائے۔

ف۱ یہاں تک فرشتوں کا کلام ختم ہوا۔ آگے اہل مکہ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

ف۲ عرب لوگ انبیاء علیہم السلام کے نام سنتے تھے ان کے علم سے خبر دار نہ تھے تو یہ کہتے یعنی اگر ہم کو پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوتے یا ہمارے ہاں کوئی کتاب اور نصیحت کی بات اترتی تو ہم خوب عمل کر کے دکھلاتے اور معرفت وعبادت میں ترقی کر کے اللہ کے مخصوص ومنتخب بندوں میں شامل ہوجاتے۔ اب جو ان کے اندر نبی آیا تو پھر گئے وہ قول وقرار کچھ یاد نہ رکھا۔ سو اس انکار وانحراف کا جو انجام ہونے والا ہے عنقریب دیکھ لیں گے۔

ف۳ یعنی یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مدد پہنچاتا ہے اور آخر کار خدائی لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے خواہ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں۔ مگر آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کے لیے ہے۔ باعتبار حجت وبرہان کے بھی اور باعتبار ظاہری تسلط وغلبہ کے بھی۔ ہاں شرط یہ ہے کہ "جند" "فی الواقع" جند اللہ" ہو۔

ف۴ یعنی ابھی چند روز انہیں کچھ نہ کہیے۔ صبر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حال دیکھتے رہیے اور یہ اپنا انجام لیں گے چنانچہ دیکھ لیا۔

ف۵ شاید "فسوف یبصرون" سن کر کہا ہوگا کہ پھر دیر کیا ہے ہم کو ہمارا انجام جلدی دکھلا دو۔ اس کا جواب دیا کہ اپنے اوپر جو آفت لائے جانے کی جلدی مچا=

حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

وقت تک اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے ف۱

وقت تک۔ اور دیکھتا رہ، اب آگے دیکھ لیں گے۔

مشرکین کی بعض جہالتوں اور حماقتوں کی تردید اور اس پر تہدید اور وعید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ... الی... وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾

ربط:...... شروع سورت میں دلائل توحید کا ذکر تھا بعد ازاں انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر کئے جو اللہ کے عباد مخلصین تھے اور توحید کے داعی تھے اب پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بطور تقریع شرک اور کفر کا ابطال فرماتے ہیں اور مشرکین کے بعض عقائد باطلہ اور مہملہ کی اور ان کی بعض جہالتوں اور ضلالتوں کی تشریح اور تفصیل فرما کر ان کی تردید کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ فقط شرک کی گمراہی میں مبتلا نہیں بلکہ اس کے علاوہ قسم قسم کی جہالتوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہیں مثلاً خدا تعالیٰ کے تجسیم کے قائل ہیں اور اس کی صاحب اولاد مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ولادت ان اجسام کا خاصہ ہے جن میں کون وفساد جاری ہوتا ہے اس لئے کہ توالد و تناسل بقاء نوع کے لئے ہوتا ہے کہ افراد اگرچہ فنا ہو جائیں مگر نوع باقی رہے اور اس تشریح سے مقصود ان کی تفضیح اور تقبیح ہے تاکہ علانیہ طور پر مشرکین کی جہالتیں اور حماقتیں ظاہر اور عیاں ہو جائیں مشرکین عرب کے چند قبائل کا یہ خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کو خدا تعالیٰ کا سسرالی رشتہ دار سمجھتے تھے ان آیات میں مشرکین کی ان دو باتوں کی قباحت اور حماقت ظاہر فرمائی کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے لئے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جو ان کو ناپسند ہے اور بری لگتی ہے گویا کہ اپنے نفس کو خدا پر ترجیح دیتے ہیں کہ خدا کے لئے خسیس اور کمتر چیز تجویز کرتے ہیں اور اپنے لئے عمدہ اور بہتر نیز اپنی حماقت سے فرشتوں کو دختران خدا بتلاتے ہیں اور خدا کے لئے اولاد ٹھہراتے ہیں اور بلا دلیل خدا کی اولاد کو مونث ٹھہراتے ہیں اور فرشتوں کی بھی توہین کرتے ہیں اور مشرکین کا فرشتوں کی بابت یہ کہنا کہ یہ عورتیں ہیں یہ بات تو مشاہدہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے ایسی بات محض عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی ایسی بات کے اثبات کے لئے مشاہدہ چاہئے اور ظاہر ہے کہ وہ بالبداہت مفقود ہے اس لئے کہ یہ لوگ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود اور حاضر نہ تھے تو پھر ان کو کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے عورتیں ہیں ان کی یہ بات بالکل جھوٹ اور من گھڑت ہے جس پر کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں۔

پھر اخیر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی براءت بیان فرمائی کہ فرشتے اس کذب وافتراء سے بالکل بری ہیں جو مشرکین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کما قال تعالیٰ حاکیا عنهم ﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾۔

= رہے ہو، جب وہ آئے گی تو بہت برا وقت ہوگا۔ عذاب الٰہی اس طرح آئے گا جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہوا ہو اور صبح کے وقت یکا یک میدان میں اتر کر چھاپہ مارا جائے۔ عذاب آنے کے وقت یہ ہی حشر ان لوگوں کا ہوگا جنہیں پہلے سے ڈرنا کر ہشیار کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ وغیرہ میں ایسا ہی ہوا۔

ف۱ شاید پہلا وعدہ دنیا کے عذاب کا تھا اور [illegible] آخرت [illegible] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے [illegible] آگے [illegible] آخرت میں یہ کافر کیا کچھ دیکھتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے حال کی حکایت فرمائی اوران کی عبادت اور بندگی کی خبر دی کہ وہ دن رات صف بستہ ہو کر تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اللہ کی تنزیہ وتقدیس کرتے ہیں اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتے ہیں تو پھر فرشتے خدا اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں فرشتے خود اپنی عبدیت کے مقر اور معترف ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے فرشتوں کی طرح خدا کے رسول بھی دن رات اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں پھر مکذبین رسالت کی تہدید کے لئے یہ خبر دی کہ انبیاء مرسلین علیہم السلام کا انجام ہمیشہ نیک ہوتا ہے ان سے اللہ کا وعدہ فتح ونصرت کا ہوتا ہے کفار مکہ کو چاہئے کہ جلدی نہ کریں وہ اپنی مخالفت اور تکذیب کا انجام عنقریب دیکھ لیں گے ﴿وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ﴾ حالات چاہے کتنا ہی پلٹا کھاتے رہیں بالآخر غلبہ حق کا ہوگا یہ کفار ہمارے نبی کی مخالفت کر کے کچھ نہیں کر سکتے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ غلبہ ہمارے رسول ہی کا ہوگا پھر مشرکین کے اقوال کی تردید کے بعد سورت کو انبیاء کرام علیہم السلام کے سلام اور اپنی تنزیہ وتقدیس پر ختم کیا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے جو مشرکین حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ﴿سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۞ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۞ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾

شروع سورت میں ﴿فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَهُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا﴾ میں منکرین حشر سے سوال توبیخ کا ذکر تھا اب اخیر سورت ﴿فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّكَ الۡبَنَاتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ﴾ میں منکرین توحید سے سوال تبکیت کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین سے جو قسم قسم کے باطل عقائد اور مہمل خیالات میں مبتلا ہیں بطور تقریع وتوبیخ خود ان سے فتویٰ پوچھئے تاکہ خود ان کی زبان سے شرک کی قباحت اور ان کی جہالت اور حماقت ظاہر ہو کہ خدا تعالیٰ کے بارے میں کیا بہتان باندھتے ہیں کیا ان کے نزدیک تیرے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے ہیں یعنی یہ لوگ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں اور بیٹیاں ناپسند کرتے ہیں حتی کہ ان کو زندہ در گور کر دیتے ہیں تو پھر خدا کے لئے کیوں بیٹیاں پسند کرتے ہیں قال تعالیٰ ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ۞ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى﴾ ﴿اَفَاَصۡفٰىكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا﴾ ایک قباحت تو یہ ہوئی دوسری قباحت سنو کہ اگر ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے تو کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے اور کھڑے دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے تو پھر کیسے جانا کہ فرشتے عورتیں ہیں یہ بات تو مشاہدہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے محض عقل سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا پس بلا مشاہدہ اور بلا دلیل تم نے فرشتوں کو کیسے مونث قرار دیا۔ (تیسری قباحت) یہ ہے آگاہ ہو جاؤ تحقیق یہ لوگ اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر ایسا کہہ رہے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا کے اولاد ہوئی اور معاذ اللہ اللہ نے اولاد جنی اور تحقیق وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں یہ تیسری قباحت ہوئی کہ خدا تعالیٰ کو صاحب اولاد قرار دیا جو خاصہ ان اجسام کا ہے کہ جن میں کون وفساد اور تغیر وتبدل جاری رہتا ہے اور اولاد باپ کے ہم جنس اور اس کے مثل ہوتی ہے اور خدا مثل سے پاک ہے ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ﴾ کیا خدا تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں اپنے لئے بیٹیوں کو پسند کیا ہے تمہیں کیا ہوا کہ کیسا مہمل حکم لگاتے ہو کیا تم ذرہ بھی خیال نہیں کرتے کہ کیسی بے ہودہ بات کہہ رہے ہو کیا تمہارے پاس اس بارے میں کوئی واضح دلیل ہے اس بارے میں تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل حسی ہے۔

(چوتھی قباحت یہ ہے) پس اگر اس بات پر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہو تو اپنے پاس سے کوئی آسمانی کتاب لاکر دکھاؤ جس میں فرشتوں کا بیٹیاں ہونا لکھا ہوا ہو اگر تم سچے ہو غرض یہ کہ تمہارے پاس نہ تو عقلی دلیل ہے جس سے ثابت ہو سکے کہ عقلاً فرشتوں کا مونث ہونا لازم ذات اور لازم ماہیت ہے اور نہ تمہارے پاس یہ کہ اپنے مشاہدہ سے فرشتوں کا مونث ہونا ثابت کرسکو اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے کہ کسی آسمانی کتاب سے اس کی سند پیش کرسکو جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور فرشتے اللہ بیٹیاں ہیں۔

(پانچویں قباحت) مشرکین نے جب یہ بکنا شروع کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ارے کمبختو! بتلاؤ کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بولے کہ سرداران جن کی بیٹیاں ان کی مائیں ہیں۔ تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۳۴ و تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۳۔ بعض قبائل عرب کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سرداران جن کی عورتوں کو اپنی جورو بنایا اور ان سے یہ فرشتے پیدا ہوئے جیسا کہ ہنود کے بھی دیوی اور دیوتاؤں کے متعلق ایسے ہی خیالات فاسدہ ہیں۔

پس مشرکین نے کیسی بے حیائی اور ڈھٹائی سے جنوں کا خدائے پاک سے رشتہ ملایا حالانکہ سب اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہیں اس لئے فرماتے ہیں کہ بعض مشرکوں نے حد ہی کردی کہ خدا تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان نسبی رشتہ اور ناتہ ٹھہرایا ہے حالانکہ جنوں کو خوب معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ سے ان کا کوئی رشتہ اور ناتہ نہیں سب اللہ کے بندے ہیں قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے ضرور حاضر کئے جائیں گے یہ پانچویں قباحت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے جنوں کا رشتہ مصاہرت ثابت کیا اور مصاہرت فرع زوجیت کی ہے اور اللہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ کا کسی سے سسرالی رشتہ نہیں لعنت ہو اللہ کی ان گستاخوں پر جو جنوں سے اللہ کی مصاہرت کے قائل ہوئے فرشتوں کو خدا کی اولاد قرار دیا اور جنوں کو خدا تعالیٰ کی سسرال قرار دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دشمنان خدا (یعنی مجوس) یہ کہتے ہیں کہ یزدان اور اہرمن یعنی اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی بھائی ہیں تعالی اللہ عن ذلك علوا تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۳ معاذ اللہ! ان نادانوں نے خدا تعالیٰ اور شیطان کو بھائی بھائی قرار دیا بعض قبائل عرب اس بات کے معتقد تھے کہ شیطان خدا تعالیٰ کا بھائی ہے اس لئے کہ خدا تو نور اور خیر محض ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور شیطان ظلمت اور شر محض ہے جس کو اہرمن کہتے ہیں اور مجوس کا بھی یہی مذہب ہے اس اعتبار سے خدا تعالیٰ اور شیطان کے درمیان جو از قسم جن ہے رشتہ اور قرابت ثابت کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس عقیدہ فاسدہ کا رد فرمایا کہ یہ لوگ کیسے عقل کے دشمن ہیں کہ اس قسم کی بے ہودہ باتیں کرتے ہیں اور جنوں سے خدا تعالیٰ کا دامادی اور سسرالی رشتہ ثابت کرتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں مگر اللہ کے مخلص بندے کہ وہ ایسی باتیں نہیں بناتے اب آگے کفار کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں سوائے مشرکو! تم اور جن کو تم پوجتے ہو سب مل کر بھی کسی کو خدا کی عبادت سے برگشتہ اور گمراہ نہیں کر سکتے مگر جس کے لئے علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ میں جانے والا ہے ہدایت اور ضلالت تمہارے اختیار میں نہیں۔

اب آگے فرشتوں کی بندگی کا حال خود ان کی زبان سے نقل کرتے ہیں تاکہ ان کا بندہ محض ہونا ثابت ہو جائے اور

مشرکین کے خیال کا رد ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور یہ فرشتے خود یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے ہم میں سے کوئی مگر اس کے لئے ایک جگہ اور ایک حد مقرر ہے کہ ہم نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں جس کام کی بجا آوری کے لئے ہم کو مقرر کر دیا ہے اس میں ہم اپنی رائے سے ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں کر سکتے اور دوم یہ کہ ہم ہی ہیں بارگاہ خداوندی میں صف بستہ کھڑے رہنے والے کوئی اللہ کی بندگی کے لئے کھڑا ہے اور کوئی اس کے حکم کے انتظار میں کھڑا ہے تو جب ہمارا یہ حال ہے تو ہم کیسے خدا کی بیٹیاں اور اس کا جز ہو سکتے ہیں اور بغیر حکم الٰہی کے از خود کسی کو کیا نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اور سوم یہ کہ تحقیق ہم ہی ہر وقت اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے والے ہیں۔ پس جو لوگ ہماری الوہیت اور معبودیت اور خدا سے ہماری جزئیت کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ کھلے گمراہ ہیں۔

مشرکین عرب کی ایک بدعہدی کا ذکر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾

یہاں تک مشرکین کے خیالات باطلہ کا رد فرمایا اب آگے مشرکین عرب کی ایک بدعہدی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہود و نصاریٰ کی سرکشی اور ہلاکت کا حال سن کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر پہلوں کی طرح ہمارے پاس بھی توریت و انجیل جیسی کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی اللہ کے خالص فرمانبردار بندے ہوئے اور خوب اس پر عمل کرتے لیکن جب توریت و انجیل سے بڑھ کر ان کی ہدایت کے لئے قرآن نازل ہوا اور نبی کریم ان کی طرف مبعوث ہوئے تو منکر ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی تکذیب اور مخالفت پر تل گئے بڑی شرم کی بات ہے کہ اپنے قول و قرار اور اپنی تمنا سے یکلخت برگشتہ ہو گئے کما قال تعالیٰ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾۔

وقال تعالیٰ ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾۔

مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی یہ لوگ پہلے سے تمنا کیا کرتے تھے جب وہ ان کے سامنے آئی تو اس سے متنفر اور بیزار ہو گئے ان آیات میں وعدہ سے انحراف پر وعید اکید اور تہدید شدید ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور تحقیق یہ کفار مکہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر پہلے لوگوں کی طرح ہمارے پاس بھی کوئی کتاب ہوئی جس سے ہم پند و نصیحت حاصل کرتے جیسے یہود و نصاریٰ کے پاس اللہ کی کتابیں آئیں تو ہم اللہ کے خالص بندے ہوتے۔

پس جب ہم نے ان کی ہدایت کے لئے یہ قرآن بھیجا جو تمام آسمانی کتابوں سے بڑھ کر ہے تو اس سے منکر ہو گئے اور اپنے گزشتہ قول و قرار سے یکلخت منحرف ہو گئے پس قریب ہی میں اپنے کفر کے انجام کو جان لیں گے کہ اپنی مخالفت میں ناکام ہوں گے اور وقتی طور پر جو ان کو قوت اور شوکت حاصل ہے وہ عنقریب ختم ہو جائیں گی اور اللہ نے اپنے

نبی ﷺ سے جو اپنے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے ضرور اللہ اس کو پورا کرے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق پہلے ہی سے ہمارے برگزیدہ بندوں اور پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ حکم جاری ہو چکا ہے کہ بلا شبہ بالآخر وہی مظفر ومنصور ہوں گے اور خدا جس کی مدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا کما قال تعالیٰ ﴿کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ﴾ وقال تعالیٰ ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ اور تحقیق ہمارا لشکر ہی دشمنوں پر غالب رہے گا خدا کے لشکر سے انبیاء ومرسلین کے متبعین اور اہل حق مراد ہیں کہ بلا اسباب ظاہری کے ان کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا پس اے نبی کریم ﷺ آپ ﷺ ان سے ایک وقت معین تک منہ پھیر لیجئے اور ان کو دیکھتے رہیے جو کہتے اور کرتے ہیں وہ کرنے دیجئے پس یہ لوگ بھی عنقریب دیکھ لیں گے کہ کس طرح اسلام کو کفر پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنی ذلت وخواری کو بھی دیکھ لیں گے پس کیا یہ لوگ بطور تمسخر ہمارے عذاب کو جلد ہی مانگتے ہیں اور اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور بے باکی اور دلیری سے کہتے ہیں کہ وہ عذاب کب آئے گا پس خوب سمجھ لیں کہ جب وہ عذاب ان کے مکانوں کے صحنوں میں آ کر اترے گا تو ان لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی جن کو اس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا اور وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان سے ایک خاص وقت تک اعراض کرتے رہئے اور دیکھتے رہئے کہ کس طرح اللہ کی مدد آتی ہے پس یہ لوگ بھی اپنا نتیجہ اور انجام دیکھ لیں گے ان آیات میں اسلامی فتوحات بدر وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ آیت فتح اسلام کی پیشین گوئی ہے اور کفار کی تہدید ہے کہ یہ دشمنان اسلام عنقریب اپنی خواری کو دیکھ لیں گے حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ازالۃ الخفاء میں آیت ہذا یعنی ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی روز اول میں ہمارا وعدہ اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء ومرسلین سے متحقق ہو چکا ہے کہ تحقیق دشمن کے مقابلہ میں وہ ضرور مظفر ومنصور ہوں گے اور بلا شبہ ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے اس آیت میں مرسلین سے وہ رسل مراد ہیں جو کفار سے جہاد وقتال کے لئے مبعوث اور مامور ہوئے اور لشکر سے ان کے اصحاب اور تابعین مراد ہیں جن کے دل میں داعیہ نصرت رسل اور اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا خواہ مرسلین کی موجودگی میں ہو اور خواہ ان کے وصال کے بعد جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ وہ اللہ کا لشکر تھے اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ نبی کریم ﷺ سے اور آپ ﷺ کے متبعین سے مظفر ومنصور ہو جانے کا فرمایا تھا وہ دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے ایک خاص گروہ کے دل میں داعیہ اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا اور وہ مظفر ومنصور بھی ہوئے تو بالبداہت معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جند اللہ کا مصداق تھے جو اس وعدے سے مشرف اور ممتاز ہوئے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر جو فتوحات ظاہر ہوئیں وہ اسی سابقہ وعدہ نصرت وغلبہ کی تکمیل تھی (ازالۃ الخفاء)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝۱۸۰ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ۝۱۸۱ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

پاک ذات ہے تیرے رب کی وہ پروردگار عزت والا پاک ہے ان باتوں سے جو بیان کرتے ہیں اور سلام ہے رسولوں پر اور سب خوبی اللہ کو جو رب ہے

پاک ذات ہے تیرے رب کی، عزت کا صاحب، پاک ہے ان باتوں سے جو کرتے ہیں۔ اور سلام ہے رسولوں پر۔ اور سب خوبی اللہ کو، جو رب ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

سارے جہان کا ف۱

سارے جہان کا۔

خاتمہ سورت بر تنزیہ وتحمید رب العالمین وتنویہ شان حضرات مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

اب ان مضامین کے بعد اس سورت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہ وتحمید پر اور مرسلین کے سلام پر ختم فرماتے ہیں جو مضمون توحید اور مضمون رسالت کا خلاصہ اور لب لباب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ تیرا پروردگار جو خداوند عزت و غلبہ ہے وہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو مشرکین اس کی بابت کرتے ہیں پس خدا تعالیٰ کو ان تمام قبیح باتوں سے منزہ جانو جو مشرکین اس کی شان میں کہتے ہیں وہ عزیز غالب ہے وہ جب چاہے ان جلد بازوں کو پکڑ سکتا ہے جو عذاب میں جلدی مچا رہے ہیں اور وہ منزہ ہے اس سے کہ وہ اپنے وعدہ نصرت کو پورا نہ کرے۔

اور سلام ہے اللہ کا دنیا اور آخرت میں اس کے رسولوں پر کہ سلامتی ان کے اتباع میں ہے جن کے ذریعہ خدا تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا پس ان کے اتباع کو فرض اور لازم جانو کیونکہ انبیاء کرام تمہارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں بغیر ان کا دامن پکڑے خدا تک پہنچنا ناممکن ہے اور سب طرح کی تعریف ہے اللہ کے لئے جو رب ہے سارے جہانوں کا یعنی قابل ستائش اور بندگی صرف وہی ذات ہے جو سارے جہانوں کا مربی ہے بندوں کو چاہئے کہ ہر نعمت کو اسی کی طرف سے جانیں اور اس کا شکر کریں خاص کر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے بندوں کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ اللہ کے احکام ان تک پہنچائیں اور حمد ہے اس خدا کی جس نے اپنے دوستوں کی مدد کی اور کافروں کو ہلاک اور برباد کیا سبحان اللہ کیا خاتمہ ہے کہ تین کلموں میں اجمالی طور پر تمام اصول دین کی طرف اشارہ فرمادیا پہلے کلمہ میں مشرکین اور کفار کے خیالات سے اللہ کی تنزیہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پاک اور منزہ ہے جو شان الوہیت کے مناسب نہیں اور تحمید سے توحید کی طرف اشارہ فرمایا اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے جو اس کی شان کے لائق ہیں پہلے جملہ میں صفات سلبیہ کو بیان کیا اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں صفات ثبوتیہ کو بیان کیا اور ﴿سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ سے پیغمبروں کی عظمت شان کو بیان کیا تاکہ ان پر ایمان لائیں اور ان کے اتباع کو ہدایت اور سعادت کا ذریعہ جانیں اور ان کے اتباع کی برکت سے آخرت کے عذاب سے نجات پاویں۔

ف۱ خاتمہ سورت پر تمام اصولی مضامین کا خلاصہ کر دیا۔ یعنی اللہ کی ذات تمام عیوب ونقائص سے پاک اور تمام محاسن وکمالات کی جامع ہے۔ سب خوبیاں اسی کی ذات میں مجتمع ہیں۔ اور انبیاء ورسل پر اس کی طرف سے سلام آتا ہے۔ جو ان کی عظمت وعصمت اور سالم ومنصور ہونے کی دلیل ہے۔ (تنبیہ) احادیث سے بعد نماز اور ختم مجلس پر ان آیات کے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے سورۂ ہذا کے فوائد کو ان ہی آیات متبرکہ پر ختم کرتا ہوں۔ اے اللہ میرا خاتمہ بھی اسی عقیدہ محکم پر کیجیو۔ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تمت فوائد الصافات۔

غرض یہ کہ ان تین آخری کلمات میں تمام اصول دین کی طرف اشارہ ہوگیا امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی سند سے امام شعبی رحمہ اللہ تابعی کبیر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو اور اچھی معلوم ہوتی ہو کہ قیامت کے دن بھرپور پیمانہ سے ناپ کر اس کو ثواب دیا جائے اس کو چاہئے کہ اپنی ہر مجلس [1] اخیر میں یہ کہہ لیا کرے ﴿سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۲۷ صفر الخیر ۱۳۹۴ یوم پنجشنبہ بعد نماز فجر مسودہ والصافات کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فالحمد للہ اولا واخرا۔ یا ارحم الرحمین یا ذا الجلال والاکرام اس کی قبول فرما اور اپنی رحمت اور توفیق سے باقی تفسیر کی اس ضعیف و ناتواں کے ہاتھ سے تکمیل فرما آمین یا رب العالمین۔ رب اشرح لی صدری ویسرلی امری ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم وصلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا وسید المرسلین محمد وعلی اله الطیبین واصحابه الطاهرین وعلینا معهم یا ارحم الرحمین اللهم احسن عاقبتنا فی الامور کلها واجرنا من کزی الدنیا وعذاب الاخرۃ والحمد للہ اولا واخرا وظاهرا وباطنا۔

اطلاع: ...... یہاں تک معارف القرآن مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی جلد ششم مکمل ہوئی باقی تفسیر بنام تکملہ معارف القرآن حضرت موصوف کے صاحبزادہ مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔

الحمد للہ معارف القرآن کی جلد ۶ مکمل ہوئی ساتویں، آٹھویں جلد اس کے بعد بنام تکملۂ معارف القرآن ہوگی۔

❀❀❀

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور

[1] اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھ لیا کرے۔ سبحٰنك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك تاکہ مجلس میں جو اس کی زبان سے نکلا ہے اس کا کفارہ ہو جائے اس حدیث کا نام حدیث کفارہ مجلس ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۲۶/۴۔